اسلام اور جدید معاشی تصورات

www.KitaboSunnat.com

مؤلف

پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

مکتبہ جدید دانیال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور جدید معاشی تصورات

مؤلف

پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

مکتبہ دانیال

ملک جلال دین ہسپتال بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون نمبر:0423-7660736 موبائل نمبر:0333-4276640
Email:maktabahdanaeyal@hotmail.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر و مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب ..... تاریخ تفسیر و مفسرین

مؤلف ..... پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

ناشر ..... محمد ابوبکر صدیق

مطبع ..... ندیم یونس پرنٹرز لاہور

سن طباعت ..... ستمبر 2015ء

کمپوزنگ ..... محمد نیان شاہد

قیمت 450

مکتبہ دانیال

ملک جلال الدین (وقف) ہسپتال بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون نمبر: 0423-7660736 موبائل نمبر: 0333-4276640

Email:maktabahdanaeyal@hotmail.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام قرآن وسنت کی گرانمایہ تعلیمات پر مبنی ہے کیونکہ ان کے توسل سے ہی ہدایات ملتی ہیں۔ اس کے اصول پختہ ابدی (Enternal) اور درخشندہ ہیں۔ اگر معاشی نظام ان پر استوار کیا جائے تو اسے دوام واستمرار حاصل ہوگا اور وہ دیگر سب نظاموں پر سبقت لے گا۔ اسلام کا معاشی نظام ایک ایسے ہمہ گیر فلسفہ پر قائم ہے جس کا نام اسلام ہے جو عالمگیر دعوت اور ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے۔ دنیائے انسانی کی صرف معاشی اصلاح وفلاح کا ہی خواہشمند نہیں ہے بلکہ روحانی' مذہبی' اخلاقی' سیاسی' معاشرتی اور معاشی غرض ہر قسم کی دینی ودنیوی فلاح وبہبود اور رُشد وہدایت کا علمبردار ہے۔ اس طرح ایک جامع' وسیع اور مکمل نظام کائنات کا مدعی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کا منتہائے مقصد فقط دنیوی ترقی وکمال ہی نہیں ہے بلکہ سعادتِ ابدی اور رضائے الٰہی اس کی حیات کا کعبۂ مقصود ہے اس لئے وہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے ایک ''صالح نظام اجتماعی'' کا طالب ہے اور ان ہی شعبہ ہائے زندگی کا ایک شعبہ ''صالح نظام معاشی'' بھی ہے۔

اسلام کی دعوت اور اس کا پیغام کائنات کے تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی اور اس کا طریق کار ہمہ گیر عالمگیر وحدتِ اجتماعی کا مبلغ ہے اور اس لئے اس کی رشد وہدایت نہ صرف دنیوی زندگی تک محدود ہے بلکہ ''سعادت دارین'' سے وابستہ اور قائم ہے اور دنیوی زندگی کی سعادت' ابدی سعادت کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہے تو بلاشبہ اس کے لئے کسی طرح یہ موزوں نہیں تھا کہ وہ زندگی کے اس مخصوص شعبہ (معاشی نظام) کو اپنے مکمل نظام سے علیحدہ کر کے خاص نظریات اور عنوانات کے ساتھ ایک الگ نظام کی حیثیت دیتا۔

اسلام نے اسود واحمر' عجم وعرب غرض تمام عالم کے لئے اپنے مکمل نظام قرآن میں ''نظم اقتصادیات'' سے متعلق چند اصول اور اساسی قوانین بیان کر دیئے جو رہتی دنیا تک ہر عقل سلیم کے نزدیک یکساں طور پر واجب العمل اور قابل قبول ہوں اور اس کی تشریح وتفسیر میں دورِ نبوت وخلافت راشدہ نے وہ عدیم النظیر عملی پروگرام پیش کیا جس کے حسن وکمال کا اعتراف دوست ودشمن دونوں نے ایک جیسا کیا اور جو کتابی فن بننے کی جگہ اپنے مقصد وجود کے لحاظ سے ہر فرد کی خوشحالی اور رفاہیت کا حامل ثابت ہوا۔

آج کی دنیا میں معیشت وتجارت اور مالیات کے مسائل نے وہی اہمیت حاصل کر لی ہے جو آج سے ساٹھ ستر سال قبل سیاست اور ریاست کے مسائل کو حاصل تھی۔ بیسویں صدی کے اوائل سے صدی کے تقریباً نصف تک کا زمانہ ریاست اور سیاست کے مسائل وافکار کی بحث کا زمانہ تھا۔ دنیا بھر میں مختلف قسم کے سیاسی تصورات، ریاست کے بارے میں مختلف نظریات اور انسانی زندگی میں ریاست کے کردار پر گفتگو ہو رہی تھی۔

بیسویں صدی کے وسط سے صورتِ حال بدلنا شروع ہوئی اور سیاست کی جگہ اقتصادیات ومعیشت نے لینا شروع کر دی۔ بیسویں صدی کے اواخر تک افکار کی دنیا میں معیشت کے مسائل اہل علم کی توجہ کا مرکز رہے۔ اب گزشتہ دو عشروں سے عالمگیریت، گلوبلائزیشن اور بین الاقوامی تجارت کے مسائل کی اہمیت روز افزوں محسوس ہوتی ہے۔

اب اس دور میں عالمی اقتصادی نظام کے مسائل بہت اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔ مغرب کے دونوں بڑے معاشی نظام دنیائے اسلام کے مسائل حل نہیں کر سکے۔ کمیونزم اپنی موت آپ مر چکا۔ سرمایہ داری پر مزدوری اور بڑھاپے کے آثار طاری ہونے لگے ہیں۔ اب پہلی بار دنیائے مغرب میں اسلام کی معاشی تعلیمات سے دلچسپی پیدا ہو رہی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے جیسے مغربی معیشت مشکلات کا شکار ہو رہی ہے ویسے ویسے اسلامی معیشت کے مطالعہ کی اہمیت کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ بعض مغربی یونیورسٹیوں میں اسلامی معیشت اور بینکاری کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے پروگرام شروع ہو رہے ہیں۔ اور اب کافی حد تک اسلامی بینکاری نظام دنیا میں رائج ہو چکا ہے اور دنیا اس کی افادیت کو تسلیم کر چکی ہے۔

ان حالات میں ہم اہل پاکستان کا یہ فرض ہے کہ ہم اس ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس و ادراک پیدا کریں۔ اسلامی معیشت و تجارت کے احکام سے آگاہی ہی حاصل کریں اور وطن عزیز میں ان احکام پر عملدرآمد کے عمل کو تیز کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

جدید معاشیات نے مغرب کے مادہ پرستانہ ماحول میں پرورش پائی ہے۔ اس وجہ سے اس میں نہایت ہی مفید علم کے رگ و پے میں انسان کی حقیقی فلاح کی بجائے افادیت پسندی (Utilitarianism) کا زہر سرایت کر گیا ہے۔ ایک طرف معاشی جدوجہد کو قلت وسائل (Scarcity of Resourcces) کا شاخسانہ اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ مادی منفعت کے حصول کو اس کا نصب العین قرار دے کر انسانوں کو ایک ہمہ وقتی خودغرضانہ کشمکش کے سمندر میں اتار دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں چند زور آور افراد جائز و ناجائز طریقہ سے خوش حالی کے ساحل مراد تک ضرور پہنچ جاتے ہیں لیکن انسانوں کی غالب اکثریت غریب و افلاس کے گرداب میں غرق ہو جاتی ہے۔ تمام تر سائنسی اور مادی ترقی کے باوجود انسانی زندگی کے تمام بنیادی مسائل حل طلب پڑے ہیں بلکہ ان کی سنگینی اور الجھنا کی پہلے سے کہیں بڑھ گی ہے۔ بدامنی، عدم تحفظ، ظلم و ناانصافی اور قوموں کے ہولناک تصادم کے بڑھتے ہوئے امکانات کے خوف سے لطف حیات معدوم ہو گیا ہے۔

اسلام نے انسانی زندگی کے مسائل کے حل کے لیے وحی الٰہی پر اعتماد کیا ہے۔ اس نے عقل و فکر کی خداداد قوتوں سے کام لینے کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ ان کی جولانیوں سے ہی تسخیر کائنات کی چوٹی سر ہو سکتی ہے لیکن اس نے انہیں وحی الٰہی کے نور سے دور نہیں ہونے دیا۔ انسان کے معاشی مسئلہ کے حل کے لیے اسلام نے وحی الٰہی کے انداز کو اختیار کیا ہے۔ اس کی فکر کو توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کے لنگر سے مستحکم کیا ہے اور اس کے عمل کو عدل، احسان، اخوت، مساوات، تقویٰ اور تعاون وغیرہ کی اخلاقی اقدار کا پابند بنا کر معاشی جدوجہد کے میدان میں اتارا ہے۔ یہ اخلاقی اقدار دائمی اور آفاقی ہیں۔ ان کا منبع و ماخذ اللہ کی کتاب، قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ کوئی وقتی مفاد اور مصلحت انہیں تبدیل نہیں کر سکتی۔ تمام معاشی اعمال..... صرف پیدائش، تقسیم اور تبادلہ دولت..... ان کی روشنی میں ہی انجام پا سکتے ہیں۔ ان اخلاقی اقدار کی عملداری سے انسانوں کو باہمی حریصانہ کشمکش اور خودغرضانہ تصادم سے نجات ملتی ہے۔ ان میں احساس وحدت و اخوت پروان چڑھتا ہے اور ان کی معاشی تگ و دو سب کو ایک ساتھ لے کر خوش حالی کی منزل کی طرف بڑھتی ہے۔ خوش حالی کی یہ منزل محض دولت (Wealth) یا مادی بہبود (Meterial Welfare) کا حصول یا کثیر مقاصد کی تکمیل کے لیے کامیاب وسائل کا باکفایت استعمال نہیں بلکہ حقیقی فلاح کا حصول ہے جو دنیوی اور پائیدار اخروی فلاح کا مجموعہ ہے۔

کسی قوم کی معاشی حالت کو بہتر اس وقت کہا جا سکتا ہے جب اس کے تمام افراد کو زندگی کی تمام ضروریات فارغ البالی اور سکون و اطمینان کے ساتھ میسر ہوں۔ ملک کی پیداوار اور آمدنی اگر زیادہ ہو تو ملک کے تمام باشندے اس کی برکات سے مستفید ہوں اور کسی کو تقسیم دولت کے معاملے میں کسی ناانصافی کی جائز شکایت نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر ملک کی ساری دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور قوم کی اکثریت بھوک اور افلاس کا رونا رو رہی ہو۔ امیروں کے خزانے میں دولت کے انبار پر انبار لگتے چلے جائیں اور محنت کش عوام کی جیب سے ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی کا ایک پیسہ سرک کر ختم ہو جائے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواہ ملک کی زمینیں سونا اگل رہی ہوں، یا مشینوں سے ہیرے اور جواہرات برآمد ہو رہے ہوں۔ اسے ملک کی معاشی ترقی نہیں نہیں کہا جا سکتا، یہ وہ اجتماعی دیوالیہ پن ہے جس کی موجودگی میں کسی قوم کے پنپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک کی معاشی صورت حال کچھ ایسی ہی بن کر رہ گئی ہے بظاہر دیکھا جائے تو ہم نے گذشتہ اڑسٹھ (68) سالوں میں زراعت صنعت اور تجارت کے ہر میدان میں کچھ حد تک ترقی کی ہے، جب پاکستان بنا تھا تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا، اور آج خدا کے فضل سے بہت کچھ ہے، لیکن افراد کی نجی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ملک کی دولت صرف چند خاندانوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے، اس سے عام آدمی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے پہلے سے زیادہ سرگرداں ہے، دولت کی یہ چمک دمک اس کے غم کدے میں کوئی اجالا نہیں کر سکی، اس کے شب و روز پہلے سے زیادہ سختیوں کا شکار ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟.....اس کا جواب بالکل واضح ہے، ہمارے ہاں عرصہ دراز سے نیم جاگیردارانہ اور نیم سرمایہ دارانہ نظام اپنی بدترین صورت میں رائج ہے، مغرب کی دو سو سالہ محکومی نے ہمارے دل و دماغ کو کچھ ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے کہ ہم اپنے مسائل کو آزادی کے ساتھ سوچنے کے بجائے آنکھیں بند کر کے اسی ڈگر پر چل رہے ہیں جو مغرب نے ہمیں دکھا دی تھی۔ زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح ہم نے اپنی معیشت کو بھی ان ہی بنیادوں پر تعمیر کیا ہے جن پر ہمارے سرمایہ دار "حاکم" نے اپنے معاشرے کو تعمیر کیا تھا ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہمیں اس بے چینی کے سوا کیا مل سکتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔

سالہا سال تک اس طرز معیشت کو آزمانے کے بعد اب یہ شعور تو بحمد اللہ پیدا ہونے لگا ہے کہ یہ راستہ ترقی کا نہیں تباہی کا ہے۔ ہم میں سے بیشتر لوگ اب یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ہماری معاشی ناہمواریوں کی ذمہ داری موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام پر عائد ہوتی ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ابھی ذہن مغرب کے فکری تسلط سے اتنے آزاد نہیں ہوئے کہ اس کی فکری کج روی کو آزما کر خود اپنے ذہن سے کوئی متبادل راستہ تلاش کرنے کی کوشش کریں، اس کے بجائے ہو یہ رہا ہے کہ سرمایہ داری کی مشکلات کا حل تلاش کرنے کے لئے بھی ہم مغرب ہی کا رخ کرتے ہیں اور کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جو مغرب کی فکری مشینری میں نہ ڈھلا ہو۔

ہماری بدنصیبی کہیے کہ اتنا پر امن و سکون معاشی نظام رکھنے کے باوجود شروع میں تو ہم نے اپنی معیشت کا نظام سرمایہ داری کے اصولوں پر بنایا۔ اب جب کہ اس کے نقصانات سامنے آئے تو ہم میں سے بعض لوگوں نے "اشتراکیت" اور "سوشلزم" کا نعرہ لگایا۔ پہلے سرمایہ داری کی بدترین لعنتوں اور سود اور قمار وغیرہ کو اسلام کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش میں قرآن و سنت کی تحریف کی جاتی رہی۔ پھر سوشلزم کو "اسلامی" بنانے کے لئے آیات و احادیث کی الٹی سیدھی تاویلیں کی جاتی رہیں بلکہ اب بھی کی جا رہی ہیں اور ذہن اگر نہیں چلتا تو اس طرف کہ مغربی افکار کی غلامی کو ایک مرتبہ دل سے نکال کر سیدھے سچے طریقے سے اسلامی اصولوں پر غور کر لیا جائے کہ وہ موجودہ معاشی مشکلات کا واقعی طور سے کیا حل پیش کرتے ہیں۔

جو حضرات اب بھی غلط فہمی سے سرمایہ داری یا اشتراکیت کو اپنے لئے راہ نجات سمجھ بیٹھے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ کسی غیر اسلامی نظام میں اسلام کا پیوند لگانے کے بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے معقولیت کے ساتھ اسلامی احکام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایک آزاد اسلامی مملکت میں مسلمان کا حقیقی منصب یہ ہے کہ وہ پرائے شگون پر اپنی ناک کٹوانے کے بجائے نہ صرف خود اسلام کا عملی نمونہ بنے بلکہ دنیا بھر کو اس کی دعوت دے۔

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشکیل نظام کے عوامل	85
سرمایہ داری	85
سرمایہ دارانہ نظام کی اہم خصوصیات	88
سرمایہ دارانہ نظام کی خوبیاں	90
سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں	92
اشتراکیت	95
اشتراکیت کا پس منظر	95
اشتراکیت کی تعریف	98
اشتمالیت	99
دونوں میں فرق	100
مارکس کے تخیل کے اہم نکات	100
۱۔تاریخ کی مادی تعبیر	100
۲۔طبقاتی چپقلش	102
۳۔نظریہ قدر زائد	105
۴۔جدلیاتی مادیت	106
۵۔سلطنت اور مظالم	107
۶۔ہیگل کا منطقیانہ فلسفہ	108
اشتراکیت کے نمایاں خصائص	110
اشتراکیت کے فوائد	111
اشتراکیت کے نقصانات	113
فاشزم اور نازی ازم	125
فاشزم کے محاسن	125
فاشزم کی خامیاں	127
اسلام اور سرمایہ داریت میں مقابلہ	128
اسلام واشتراکیت میں تقابل	132
اسلامی نظام معیشت کی فوقیت کی عوامل	135
حوالہ جات	147
چوتھا باب: اسلامی نظام معیشت کے اساسی تصورات	150
بنیادی اصول یا خصوصیات	150

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معیشت کے اساسی اصول 161
حوالہ جات 172
پانچواں باب: اسلام کی معاشی اقدار 173
1۔تقویٰ 173
2۔عدل 180
3۔احسان 186
4۔معاونت 191
5۔اخوت 193
6۔مساوات 199
7۔حلال وحرام 205
8۔قناعت 214
9۔کاروباری ضابطہ اخلاق (Business Code of Ethics) 217
حوالہ جات 223
چھٹا باب: معاشی سرگرمیوں کی اہمیت ونوعیت 225
پیدائش دولت 226
پیدائش دولت کے مقاصد 226
پیدائش دولت کے مختلف شعبے 228
انسانی ضرورتوں میں عطیات قدرت سے استفادہ: 228
(الف) حیوانات سے استفادہ 230
(ب) نباتات سے استفادہ 235
(ج) جمادات سے فائدہ لینا 238
(د) سمندر کی تہ سے اشیاء کی برآمد 239
(ہ) صنعت وحرفت 239
(ھ) نقل وحمل 245
سرمایہ اور اس کی اقسام 249
سرمایہ جمع کرنا 253
ملکی یا اندرونی وسائل 253
اجارہ داری 256
اجارہ داری کے رفاہی اثرات 257

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجارہ داری کے بُرے اثرات 259
جدید معاشیات میں فرم کا رویہ 261
اسلامی معیشت میں رویہ فرم 261
دو جارہ اور چند جارہ 263
حقوق ملکیت 265
شرعی طریقہ جات 266
حصول ملکیت کے شرعی طریقے 267
(اول) مباح چیزوں پر قبضہ 267
(دوئم) جائیداد کی منتقلی بذریعہ معاہدہ 270
(سوئم) وراثت 271
تصرف اور استعمال حق پر پابندیاں 275
انفرادی ملکیت کا تصور 277
اسلامی تصور ملکیت 277
اسلام اور اراضی (زمین) 282
تحدید ملکیت 286
ملکیت زمین 286
ملکیت کی حد از روئے اسلام 290
حکومت کی طرف سے تحدید ملکیت 291
عارضی تحدید ملکیت 292
احیاء موات (بنجر زمین کی آبادکاری) 294
ارض موات 294
قطیعہ کے احکام و مسائل 303
محنت کی عظمت 306
معاشی تنظیم و کاروبار کی مختلف شکلیں اور اسلامی احکام 309
اسلام اور تجارت 310
تجارت کے اصول 314
تجارت کے ارکان اور شروط 323
عہد جاہلیت کی کچھ تجارتی صورتیں 330
اسلام میں کاروبار کی شکلیں 332
ا۔ شراکت 332

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔مضاربت 334
۳۔مزارعت 338
۴۔مساقات 343
حوالہ جات 347

ساتواں باب: اسلام میں صرف اور مارکیٹنگ 357

اسلامی معاشرہ میں صرف کے فوائد 357
صرف کے اصول 358
حصول آمدن کے ممنوع ذرائع 364
اسراف 364
تبذیر 366
بخل 367
اکتناز 369
احتکار 371
رویہ صارف کا مغربی تصور و اسلامی تصور کا موازنہ 377
حوالہ جات 379

آٹھواں باب: اسلام میں تقسیم دولت 380

اسلام میں گردش دولت کی اہمیت 380
معاشی ناہمواریوں کے اثرات ہٹانا 381
آمدنی کو منضبط کرنے کے اہم اصول 382
لگان 383
منافع 388
اجرت 394
مزدور کے حقوق (آجر کے فرائض) 394
آجر کے حقوق (مزدور کے فرائض) 396
حوالہ جات 396

نواں باب: انتقال دولت یا ارتکاز دولت کی ممانعت 397

ارتکاز دولت کے انسداد کے لئے وجوبی اقدامات 397
ارتکاز دولت کے انسداد کے لئے اختیاری اقدامات 400
حوالہ جات 429

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب: اسلام میں معاشی ترقی و منصوبہ بندی	431
اسلام اور معاشی ترقی	431
اسلام کی ترقیاتی پالیسی کے مقاصد	434
معاشی منصوبہ بندی	439
اسلام میں معاشی منصوبہ بندی	440
معاشی منصوبہ بندی کے فوائد	442
منصوبہ بندی کے مقاصد	445
حوالہ جات	448
گیارھواں باب: اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی اور معاشی کردار	450
پالیسی کے مقاصد و اغراض	450
زکوٰۃ بطور اعلیٰ مالیاتی پالیسی	453
زکوٰۃ کا مفہوم	453
زکوٰۃ کی فرضیت	453
زکوٰۃ کا نصاب	455
زکوٰۃ دینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں	457
زکوٰۃ لینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں	460
زکوٰۃ کے مقاصد	465
زکوٰۃ کی اہمیت	467
۷۔ اہم خصوصیات	470
زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق	476
عشر	479
بیت المال	483
تاریخ وارتقاء	483
پیغمبر اکرمؐ کی مالیاتی حکمت عملی	485
بیت المال کے وسائل آمدن	487
آمدنی کے چند دیگر ذرائع:	496
بیت المال کے مصارف	502
حکومتی اخراجات کے اُصول	516
بجٹ کے مقاصد	520

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹیکسیشن کا تصور	523
ٹیکس لگانے کے اُصول وقواعد	525
ٹیکس کی تعریف	529
مزید محصولات عائد کرنا	529
علامہ ابن خلدون اور ٹیکس	531
کفالت عامہ	533
اسلام کے نجی شعبہ میں تکافلِ اجتماعی کے ذرائع	538
اسلام کے نظام تکافل کا دائرہ کار	548
کن افراد کی کفالت کی جائے؟	548
کفالت کن ضروریات کے لیے کی جائے گی؟	549
کفالت کی حد کیا ہوگی؟	551
حوالہ جات	553
بارھواں باب: معاشی مسائل اور ان کا حل	563
سود	563
ربا (سود) کی حرمت	563
ربا کا معنی ومفہوم	565
سود کے فوائد	570
سود کے فوائد کی حقیقت	570
سود کے نقصانات	572
سود کا اسلامی تصور	574
زمانہ جاہلیت کا ربوٰ	575
بیع اور ربوٰ میں فرق	576
سود سے نجات پانے کے لئے اقدامات	576
مفتی محمد شفیع کے ربا کے متعلق سوالوں کے جوابات	580
غیر سودی بینکاری	590
بنک کا کاروبار	590
صفر شرح سود کا تصور	595
اثرات	595
اسلامی بینکاری کی حقیقت!	598

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی بینکاری کی تاریخ ابتدا	599
اسلامی بینکوں کے معاملات کا اجمالی تذکرہ	599
مروجہ اسلامی بینکاری علماء کی نظر میں	602
موجودہ اسلامی بینکوں پر تنقید کی وجوہ	603
اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر	607
اسلامی بینکوں میں رائج مالیاتی طریقے	609
مضاربہ	609
مرابحہ	614
اجارہ مُنتَھِیَۃ بالتَّمْلِیک	622
مشارکہ متناقصہ	625
تَوَرُّق	629
بیع سلم	633
استصناع	635
غیر سودی بنکوں کے مسائل	637
سود کے متعلق بحث کا آغاز	638
پاکستان میں اسلامی بینکاری کا آغاز	639
بینکوں کی طرف سے مشکلات کی نشاندہی	641
قابل عمل تجویز	645
انشورنس (بیمہ)	647
انشورنس کا طریق کار	647
انشورنس کی ضرورت واہمیت	648
انشورنس کی چند مشہور اقسام	649
انشورنس کا آغاز وانجام	650
انشورنس کی تاریخ	651
انشورنس کی قسمیں	652
انشورنس کا محرک	654
بیمہ پر اعتراضات	656
اصلاحی اقدامات	663
موجودہ طریقہ انشورنس کا بدل اسلامی تکافل	672
اسلامی تکافل کمپنیوں کا طریقہ کار	672

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات 673

تیرھواں باب: جدید معاشی مسائل اور ان کا اسلامی حل 684

قسطوں پر خرید و فروخت 684
حصص کی خرید و فروخت 690
حق مجردہ کی خرید و فروخت 693
قمار کی جدید شکلیں 695
حوالہ جات 701

چودھواں باب: مسلم ریاست کی ذمہ داریاں 703

معاشی ذمہ داریاں 703
حوالہ جات 725

پندرھواں باب: پاکستان کے اہم معاشی مسائل اور ان کا حل 728

پاکستان کے مالیاتی نظام کا تنقیدی جائزہ 728
خاتمہ سود 728
غیر سودی بنکاری کا طریق کار 729
مشکلات 730
غیر سودی سرمایہ کاری کے بارہ ذرائع یا طریقے 730
بنک کی بلاسود امانتیں 732
اداراتی تبدیلیاں 733
معیشت کی اسلام کاری کرنا 735
زکوٰۃ اور عشر 737
زکوٰۃ و عشر کا حکم 1979ء 739
ناقدانہ جائزہ 745
اسلامی معاشی اصلاحی تجاویز 747
اہم معاشی شعبے، کارکردگی اور نقائص کے ازالے کیلئے تجاویز 750
انتظامیہ کی اصلاح 756
معاشی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور ان کا حل 760
اہم معاشی مسائل اور ان کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل 765
بیروزگاری 765
رشوت (کرپشن) 772

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی تفاوت کا خاتمہ	775
غربت وافلاس کا عذاب	780
حوالہ جات	785
سولہواں باب: اسلام اور نیا عالمی اقتصادی نظام	786
نیا بین الاقوامی معاشی نظام	786
اسباب/عوامل	786
بڑی بڑی دشواریاں	787
اسباب ووجوہات	789
جنرل اسمبلی کا عمومی اتفاق	792
یو این او۔ کے معاشی مقاصد	792
اسلام اور نیا عالمی نظام	796
حوالہ جات	800

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

علم معاشیات کا تعارف اور وسعت

تمہید:

تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں جو بھی معاشی نظام کسی معاشرہ میں رائج رہے ہیں ان کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اس نظریہ حیات سے گہرے طور پر وابستہ تھے جو افراد کے فکر و شعور کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ اس نظریہ حیات کے زیر اثر ہی ان معاشی نظاموں کی مختلف تنظیموں' اداروں اور شعبوں کی صورت گری ہوئی اور انہیں ایک مختلف نہج اور جہت ملی۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو روئے زمین پر بسنے والے انسان کے مسئلہ معاش کے بہترین حل کے لیے اصلاً جس بات کی ضرورت ہے وہ اس نظریہ حیات کی تلاش ہے جو فطرت انسانی کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنے والا اور کائنات کے حقائق سے مطابقت رکھنے والا ہو۔

دو نظریہ ہائے حیات:

جزوی فرق اور اختلاف کے باوجود ابتدائے افرینش سے لے کر آج تک انسان نے اپنی عملی زندگی کی بنیاد جن نظریات پر رکھی ہے وہ دو ہی ہیں:

☆ ایک مادی نظریہ حیات

☆ دوسرا اخلاقی نظریہ حیات

مادی نظریہ حیات کے مطابق اس کائنات میں انسان کی حیثیت محض ایک حیوانی وجود کی ہے جس کا مقصد اپنی جبلی مادی احتیاجات کی تسکین کے سوا کچھ نہیں۔ وہ معاشرتی زندگی میں قواعد و ضوابط اور اقدار کا جو بھی ڈھانچہ بناتا ہے وہ اسی مقصد کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ انسانوں سے بالاتر کسی اقتدار کی اطاعت اور اس کے سامنے جوابدہی کا یہاں سرے سے کوئی تصور نہیں ہوتا۔

اس نظریہ حیات کا فطری اور منطقی تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد اپنی ذات میں اور اپنی ذات کے لیے زندہ رہے اور زیادہ سے زیادہ لذت و آسائشات نفس کا حصول ہی اس کا قبلہ مقصود بن جائے۔ اس فکر سے جو معاشرہ وجود میں آئے گا اس میں افراد کی جارحانہ خود غرضی' گردن توڑ مسابقت اور بے رحم کشمکش ہر شعبہ زندگی میں سایہ فگن ہوگی۔

یورپ کا ازمنہ سطی (Middle Ages) کا نظام جاگیرداری ہو یا دور جدید کا سرمایہ دارانہ یا اشتراکی نظام سب اسی مادی نظریہ حیات کی پیداوار ہیں اسی لیے معاشی تنظیمات اور اداراتی ڈھانچہ میں بعض اختلافات کے باوجود ان کے زیر اثر جو سماج وجود میں آیا ہے وہ ہمیشہ بالادست اور زیر دست طبقات میں منقسم رہا ہے۔ اس طبقاتی تقسیم نے معاشی ترقی کے ثمرات کو ایک محدود گروہ میں محصور کر کے افراد کی اکثریت کو زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم رکھا ہے۔

مادی نظریہ حیات کے برعکس اخلاقی نظریہ حیات کائنات اور انسان کے بارے میں ایک مخصوص نقطہ نظر پر مبنی ہے۔ اس کے نزدیک ہمارے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی وسیع و عریض کائنات خود بخود یا کسی حادثہ کے نتیجہ میں وجود میں نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ گئی بلکہ یہ ایک حی و قیوم' قادر مطلق خالق کی تخلیق ہے۔ اس کا مقصد تخلیق یہ ہے کہ انسان اس کے وسائل سے استفادہ کرے اور انہیں اس انداز سے زیر استعمال لا کر اپنی موجودہ زندگی کو بہتر بنائے کہ اس کی ابدی و دائمی زندگی کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

اس نظریہ حیات کے مطابق انسان محض ایک حیوانی وجود نہیں بلکہ اس کائنات کے اندر اس کی حیثیت ایک مالک کائنات کے خلیفہ کی ہے۔ اس لیے اس کے لازم ہے کہ وہ وسائل کائنات میں تصرف اس کے خالق و مالک کی مرضی کے مطابق کرے اور اس ایمان و یقین پر اپنے عمل کی بنیاد رکھے کہ مرضی مالک کی اتباع میں سراسر اس کا اپنا ہی مفاد مضمر ہے۔ مالک کائنات میں تصرف اس کے خالق و مالک کی اتباع میں سراسر اس کا اپنا ہی مفاد مضمر ہے۔ مالک کائنات کی حقیقی مرضی اس کی نازل کردہ آسمانی کتب' جس کی اب آخری اور مستند شکل قرآن پاک ہے' اور اس کے انبیاء علیہم السلام کی سنت' جس کا مستند ترین مظہر اب نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت اور طریقہ ہے' میں موجود ہے۔

انسان کا معاشی مسئلہ۔ اسلامی نظریہ حیات کے تناظر میں:

جاگیرداری' سرمایہ داری اور اشتراکی نظام مادی نظریہ حیات کی پیداوار ہیں اور ان کے بالمقابل اسلام کا معاشی نظام اخلاقی نظریہ حیات سے ماخوذ ہے۔ یہ نظام اپنے اصول و ضوابط اور انسانی رویہ کے بارے میں معیارات اخلاقی نظریہ حیات سے لیتا ہے۔ اس کا مقصد انسان کی معاشی احتیاجات کی تسکین کا اہتمام اس انداز میں کرنا ہے کہ اس کے اساسی نظریہ حیات کے عمومی مقاصد نہ صرف مجروں ہوں بلکہ یہ ان کے حصول میں مددگار ثابت ہو۔ اسلامی نقطہ نظر کی رو سے انسانی زندگی ایک وحدت ہے۔ اس کے متعدد شعبے اور اجزا تو ضرور ہیں لیکن وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ و پیوستہ ہیں۔ انہیں الگ الگ ہوا بند خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ سیاست' معیشت' معاشرت اور اخلاقی وغیرہ سب اس وحدت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک شعبے میں رونما عمل آنے والے اقدامات دوسرے شعبوں میں ارتعاش پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ اسلام نے اس حقیقت کبریٰ کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کی تدبیر کی ہے۔ وہ معاشی مسئلہ کو مسئلہ حیات انسانی کے مجموعی چوکھٹے میں رکھ کر اس کا مطالعہ کرتا اور حل تجویز کرتا ہے۔

مسائل حیات کے تجزیہ و مطالعہ کی ایک شکل ''طریقہ تخصیص'' (Method of Specialization) ہے اور دور جدید میں اس کا رواج عام بھی ہے۔ اس طریقہ تحقیق میں یہ فائدہ ضروری ہے کہ چونکہ انسانی زندگی کا صرف ایک جزو پیش نظر ہوتا ہے اس لیے اس کا تجزیہ آسان اور سہل ہو جاتا ہے اور ہر شعبہ حیات بلکہ اس کے ذیلی شعبوں میں ماہرین خصوصی (Specialists) پیدا ہو جاتے ہیں جو پیش نظر مسئلہ کی حقیقت اور نوعیت کو جلد سمجھ لیتے اور اس کا حل تجویز کر دیتے ہیں۔ اس طریقہ تخصیص کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یہ حقیقت پسندانہ نہیں۔ غیر ذی روح مادی دنیا میں اس کی افادیت تو شائد ہو لیکن انسانی زندگی کی پیچ در پیچ گتھیوں کو سمجھنے اور سلجھانے میں اس کی افادیت مشکوک ہی نہیں بلکہ بالعموم مضر اثرات پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ فراہمی سرمایہ کا سودی نظام معاشرتی اقدار کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے اور ارتکاز دولت کا باعث بن کر ریاستی نظام کو متزلزل کر دیتا ہے۔ اس طرح تحدید آبادی کا پروگرام خاندانی نظام کی چولیں ہلا دیتا ہے اور معاشرہ میں کارکنوں کی کمی کا باعث بن کر معاشی قوت کو مضمحل کر دیتا ہے۔

ان ہی خطرات کے پیش نظر اسلام انسان کے معاشی رویہ کا مطالعہ اسے اجتماعی زندگی کے دوسرے شعبوں سے الگ رکھ کر نہیں بلکہ اس کے مجموعی فریم ورک میں رکھ کر اسے دیکھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی اجتماعی زندگی متعدد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شعبوں کا مجموعہ ہے۔ معاشی شعبہ کی حیثیت مرکزی اور اساسی بھی نہیں بلکہ محض جزوی ہے۔ اصل مقصود کل کی اصلاح وفلاح ہے۔ اس لیے معاشی شعبہ میں پیش آنے والے مسائل کو وہ اس انداز میں حل کرتا ہے کہ اس سے اجتماعی زندگی کے دوسرے شعبوں پر برا اثر نہ پڑے بلکہ خود معاشی شعبہ کے اندر بھی داخلی نوعیت کے تضادات داخل نہ ہوں۔ مثال کے طور پر قدرتی آفات کے نتیجہ میں اشیائے رسد کی کمیابی سے اگر قیمتیں بڑھ جائیں تو اسلام کے معاشی نظام میں اس کے حل کے یہ تدبیر مناسب نہیں سمجھی گئی کہ سرکاری انتظام میں قیمتوں کا کنٹرول نافذ کر دیا جائے کیونکہ اس سے تاجروں اور پیدا کنندگان کے بری طرح متاثر ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے اور چور بازاری اور اس نوعیت کی اخلاقی بے راہروی کے در آنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حیات اجتماعی کے اس مجموعی ڈھانچہ کی اصلاح اسلام کا حقیقی مقصود ہے۔ وہ کسی ایک جزو کی اصلاح پر قانع نہیں ہوتا۔ یہی حقیقت پسندانہ نقطہ نظر ہے لیکن یہ بات اصلاح وفلاح کے کام کو بڑا ادق اور مشکل بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس کا بیڑا بڑی ٹھوس بنیادوں پر اٹھایا ہے۔ وہ ان مسائل کے حل کے لیے سب سے پہلے عقائد اور ایمانیات کی ایک مضبوط اساس فراہم کرتا ہے اور پھر ان کی قوت وتوانائی سے مختلف شعبہ ہائے حیات میں انسانی رویوں کے لیے روشنی اور رہنمائی کا اہتمام کرتا ہے۔ یہ عقائد توحید' رسالت اور آخرت ہیں جو حیات انسانی کے اس نظام کے قلب ومرکز میں اترے ہوئے ہیں اور ہر آن انسانی رویہ کا ایک مخصوص رنگ اور جہت مقرر کرتے ہیں۔ یہ عقائد اخوت' مساوات' تعاون' عدل اور احسان جیسی اخلاقی اقدار کو جنم دیتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں ہر فرد کے لیے ان کی پاسداری کو لازم قرار دیتے ہیں۔ انسانی زندگی کا معاشی شعبہ بھی ان ہی عقائد اور اخلاقی اقدار کے تابع ہے اور اس حیثیت میں ہی یہ انسان کے حقیقی معاشی خوشحالی کا ضامن اور حیات اجتماعی کے فروغ واستحکام کا معاون بن سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم معاشیات کا تعارف

سب سے پہلے ہم علم اقتصادیات کا تعارف کراتے ہیں کیونکہ یہ موجودہ دور کے نہایت اہم علوم میں شامل ہے۔

تخلیق کائنات کے ساتھ انسان کی بے شمار خواہشات نے بھی جنم لیا۔ جب ایک آرزو پوری ہو جاتی ہے تو دوسری سر اٹھا لیتی ہے اور اسی طرح یہ ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ اگرچہ قدیم ازمنہ میں یہ تمنائیں مختصر اور سادہ ہوتی تھیں۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت اور اہمیت میں بھی جدت آتی گئی اور جوں جوں انسان ترقی کی دہلیز پہ قدم زن ہوتا چلا گیا ان کی خاصیت میں بھی تبدیلی آتی گئی اور اس دور میں تو ان کی حالت بہت ہی عجیب وغریب منزل پہ پہنچ چکی ہے۔

تن ڈھانپنے کے لئے لباس، بھوک مٹانے کے لئے خوراک، رہائش کے لئے مکان، علالت دور کرنے کے لئے علاج اور ذہنی نشوونما اور قدرت کی شناسائی حاصل کرنے کی خاطر علم کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور انہیں ہی ہم بنیادی احتیاجات (Basic Necessarie) کا نام دیتے ہیں۔ دراصل انسان کی تگ ودو زیادہ تر ان کی تحصیل کے گرد گھومتی رہتی ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ایک ایسے علم کی تلاش ہوتی ہے جو ان گتھیوں کو سلجھانے اور انہیں پورا کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو اور یہیں سے علم المعیشت (Science of Economy) کی بنیاد پڑتی ہے۔

معاشیات ایک قدیم علم ہے اور اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے۔ موجودہ صدی میں اس علم کو چار چاند لگ گئے ہیں اور کوئی ملک وقوم اس کے اصولوں اور طریقوں پر عمل کئے بغیر ارتقاء کے زینے پر فائز نہیں ہو سکتے۔ یہی سبب ہے کہ اس کی کارفرمائی سے مختلف قومیں بام عروج پہ پہنچ چکی ہیں اور جن کا دامن اس کی دولت لازوال سے تہی ہے وہ پست اور غیر ترقی یافتہ ہیں۔

معاشیات کو اقتصادیات (Economics) کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اکنامکس کی اصطلاح (Term) یونانی زبان کے لفظ (Oikonomos) سے اخذ کردہ (Derived) ہے جس کا مفہوم نظم یا نظام خانہ داری (House Hold Manaagement) یا بندوبست گھریلو یا گھر چلانے کا ضابطہ یا طریق کار ہے۔ پولس (Polis) بھی یونانی لفظ ہے جس کا مطلب ریاست لیا جاتا ہے چنانچہ کسی ملک کا سیاسی نظام کنٹرول کرنے کے لئے سیاسی یا مدنی معیشت (Political Economy) کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ پہلے یہ علم السیاست (Political Science) کا حصہ تھا۔ یا اس کی ایک شاخ (Branch) تھی۔

آج سے کئی صدیاں قبل انسان اپنی زندگی نہایت سادگی سے بسر کرتا تھا، تکلفات بالکل نہیں تھے، خواہشات کم تھیں، ضروریات کا دائرہ بھی تنگ تھا اور وسائل بھی محدود تھے۔ آبادی مختصر تھی، تگ ودو بھی زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ ترقی تو خواب میں بھی نہیں آتی تھی۔ رہنے سہنے ملنے جلنے کے ڈھب میں دلفریبی وکشش نہیں پائی جاتی تھی۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں حاجات بڑھتی گئیں ان کی جدت وشدت اور نوعیت میں بھی فرق آتا گیا اور انسان میں آگے بڑھنے کی سکت وقوت بھی آتی گئی۔ لہٰذا اس علم کے بھی نئے ابواب کھلتے گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معاشیات کی تعریف

قدیم وجدید علماء معاشیات نے معاشیات کی مختلف تعریفیں کی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔(الف) محمد بن حسن طوسیؒ (م:1274ء):

''معاشیات (سیاسۃ المدن) وہ علم ہے جس میں عوامی بہبود کے قوانین کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس کا مقصد اس تعاون کا فروغ دینا ہے جس کے نتیجے میں حقیقی ترقی کو فروغ حاصل ہو''۔

۲۔(ب) علامہ ابن خلدونؒ:

''معاشیات (المعاش) رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنے کا نام ہے''۔

۳۔(ج) الحریریؒ:

''معاشیات سے مراد یہ ہے کہ انسان تجارت' زراعت اور صنعت کے ذریعے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرے''۔

۴۔(د) حسن الزمان:

''اسلامی معاشیات وہ علم ہے جس میں اسلامی اصولوں کا اطلاق ہوتا ہے جو انصافی کے ذریعے مادی وسائل کے حصول کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور مادی وسائل کے استعمال کو اس انداز میں منضبط کرتے ہیں کہ انسان اپنی ضروریات کی تسکین کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور معاشرہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی کر سکے''۔

۵۔(ھ) محمد اکرم خان:

''اسلامی معاشیات کو مقصد انسانی فلاح کا مطالعہ کرنا ہے جو زمینی وسائل کو منظم کرنے' حصہ لینے اور باہمی تعاون سے حاصل ہوتی ہے''۔

۶۔(د) اسلامی معاشیات کی جامع تعریف:

''اسلامی معاشیات ایک ایسا سماجی علم ہے جو لوگوں کے معاشی مسائل کا اسلامی اقتدار کی روشنی میں مطالعہ کرتا ہے''۔

یورپ میں احیائے علوم کی تحریک اور صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں گذشتہ چند صدیوں میں اقوام مغرب کو دنیا بھر میں اور بالخصوص بلاد اسلامیہ پر جو فکری' سیاسی اور عسکری برتری حاصل ہوئی ہے اس نے سرزمین مغرب میں پروان چڑھنے والے علوم وفنون کی چمک دمک اتنی عام کر دی ہے کہ محکوم اقوام کا سرمایہ علمی اس کے سامنے بالکل ماند بالکل معدوم ہو کر رہ گیا ہے۔ اسلامی ممالک کے طرز جدید کے تعلیمی اداروں میں ان ہی مغربی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری ہے تاہم رواں صدی میں بہت سے مسلمان ملکوں کے آزاد ہو جانے کے بعد اب علوم وفنون کی تنظیم نو کا احساس مسلمان اہل فکر کے ہاں پیدا ہونے لگا ہے۔ اسلامی معاشیات کا مطالعہ اور ایک علم کی حیثیت سے اس پر ہونے والا کام اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدید معاشیات کی تعریفیں

جدید علم معاشیات کی بنیاد انگلستان کے معروف پروفیسر ایڈم (آدم) سمتھ (1723-1790) نے رکھی۔ اس کا تعلق سکاٹ لینڈ سے تھا جو 5 جون 1723ء کو پیدا ہوا۔ اس نے آکسفورڈ اور گلاسکو جامعات (Universities) میں تعلیم حاصل کی اور پھر ایڈن برگ وایک اور یونیورسٹی میں منطق (Logic) اور فلسفہ (Philosophy) کے مضامین پڑھاتا رہا۔ وہ 1778ء میں کسٹم کمشنر مقرر ہوا۔ اسے نئی معاشیات کا بانی (Founder) یا بابائے (Father) معاشیات جدید کہا جاتا ہے۔ اس نے ساری زندگی بغیر شادی کے گزار دی اور اسی علم کے حصول وتدریس میں مصروف رہا۔ اس کی مشہور زمانہ کتاب دو اقوام عالم کی دولت کی نوعیت اور اسباب پر تحقیقی مقالہ

"An enquiry in to the Nature and Causes of Wealth of Nations"

9 مارچ 1776ء کو شائع ہوئی تھی جو کئی جلدوں (Volumes) پر مشتمل ہے۔ اس نے ساری دنیا میں دھوم مچا دی۔ کیونکہ اہمیت وافادیت کے اعتبار سے یہ منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ آدم سمتھ کو کلاسیکی مکتب فکر (Classical Schoul of Thought) کا سربراہ مانا جاتا ہے۔ اس کے متعدد (Several) پیروکار (Followers) بنے۔ جنہوں نے اس کی فکر (Thinking) کو پروان چڑھایا۔

تعریف (Definition):

کسی علم کا ادراک کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ مضمون ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ کئی ماہرین تعریف کے حق میں نہیں ہیں۔

وی پرٹیو کے مطابق:

''تعریف میں الجھنے سے وقت ضائع کرنا ہے''۔

پروفیسر جے ایم کینز کی رو سے:

''معیشت سیاست بذات خود اس طرح الجھ گئی ہے کہ معاشیات کی تعریف کرنا دشوار ہو گیا ہے''۔

پی ووٹن نے لکھا ہے:

''تعریفوں کی بھرمار نے معاشیات کا گلا گھونٹ (Strangle) کے رکھ دیا ہے''۔

گنر مرڈل (Gannaar Myrdal) اور ڈی ہچن سن (D. Hutchin Son) کے خیال میں:

''تعریف بیان کرنا فضول یعنی بیکار یا بنجر کاروبار یا سرگرمی (Barreu Enterprise) ہے''۔

ایک اور رائٹر کی رائے یہ ہے:

"Economics in an untinished science."(1)

''یعنی معاشیات نہ ختم ہونے والا علم ہے۔''

تعریفوں کی تقسیم (Division of Definition):

معیشت دانوں (Economists) نے تعریفوں کو تین حصوں میں بانٹا ہے۔ جنہیں نیچے بیان کیا جاتا ہے:

ا۔ کلاسیکی تعریف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ نو کلاسیکی تعریف

۳۔ جدید تعریف

اب یکے بعد دیگرے ان تینوں تعریفوں کی تشریح کی جاتی ہے اور ان کے مختلف پہلوؤں پر مفصل بحث کی جائے گی۔

ا۔ کلاسیکی تعریف (Classical Definition)

اس کو قدیم تعریف کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کی ابتداء پروفیسر ایڈم سمتھ نے کی تھی اور کئی اور ماہرین اقتصادیات نے اس کی حمایت کی تھی۔ اس لئے اسے کلاسیکی تعریف کہتے ہیں۔ ان میں ڈیوڈ ریکارڈو، این ڈبلیو سینئر، تھامس مالتھس (Thomas Malthus)، جے بی سے (J.B. Say)، جے ایس مل (J.S. Mill)، جیمز مل (James Mill)، ڈبلیو واکر (W. Walker) اور چیپ مین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آدم سمتھ نے اپنی کتاب ''دولت اقوام'' (Welth of Nations) میں جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ معاشیات دولت کا علم ہے۔ یہ کتاب سرمایہ دارانہ نظام (Capitalistic System) کی بائبل کہلاتی ہے۔ اس کے مطابق:

''معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں ہم یہ مطالعہ کرتے ہیں کہ دولت کس طرح پیدا کی جاتی ہے، اسے کیسے صرف کرتے ہیں، اس کی تقسیم کیونکر ہوتی ہے؟ اور یہ کہ اس کا تبادلہ کیسے ہوتا ہے؟''

آدم سمتھ لکھتے ہیں:

"The great object (مقصد) of Political Economy of every country is to increase (بڑھانا) the riches (امارت) and power (قوت) of that country."

آدم سمتھ کے دوسرے ساتھیوں کے خیالات اس طرح ہیں۔

سینئر (Senior) کہتا ہے:

''معاشیات کا تعلق دولت کی نوعیت، پیدائش دولت اور تقسیم دولت سے ہے۔''

ایف اے واکر کے مطابق:

''معاشیات ایک ایسا علم ہے جس کا واسطہ دولت سے ہے۔''

ایک فرانسیسی ماہر معاشیات جے بی سے (Say) کا نقطۂ نظر یوں ہے:

''معاشیات ایسا علم ہے جس میں دولت کے سلسلے میں سارے معاملات پر غور و فکر کیا جاتا ہے۔''

نیز یہ کہ اسی کی رو سے:

"Economics is the science (علم) which treats of wealth."

جے ایس مل لکھتا ہے:

''معاشیات دولت کی پیدائش اور تقسیم کا علم ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلاسیکی تعریف سے اخذ کردہ اہم نکات

مندرجہ بالا تعریفوں کو سامنے رکھتے ہوئے کئی پہلو واضح ہوتے ہیں ان کا اجمالی خاکہ دیا جاتا ہے:

۱۔ پیدائش (Production):

دولت کس طرح تیار کی جاتی ہے یا کیسے حاصل ہو سکتی ہے یا عمل پیداوار کس طرح مکمل ہوتا ہے؟ اس کے لئے چار عوامل زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم کی خدمات لی جاتی ہیں پھر انہیں بالترتیب لگان، اُجرت، سود و منافع کی صورت میں معاوضے ادا کئے جاتے ہیں۔

۲۔ صرف (Consumption):

اسے سادہ لفظوں میں "خرچ" بھی کہا جاتا ہے۔ کن کن اشیاء کو لینے پر دولت خرچ کی جاتی ہے اشیاء صرف (Consumer Goods) یا اشیائے سرمایہ (Capital Goods) میں سے کون سی زیادہ مقدار میں لی جاتی ہیں۔

۳۔ تقسیم دولت (Distribution of Wealth):

یہ بھی ایک بڑا پہلو (Aspect) ہے کہ مختلف عوامل میں آمدنی یا دولت کیسے بانٹی جاتی ہے۔ تقسیم کرنے کا اصول یا طریقہ کیا ہے؟ اور کس عامل کو زیادہ معاوضہ ملتا ہے؟

۴۔ تبادلہ (Exchaange):

اس کلاسیکی تعریف کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ دولت یا اشیاء ایک فرد سے دوسرے فرد تک کیسے پہنچتی ہیں یا اشیاء کا تبادلہ کس ضابطہ کے تحت ہوتا ہے۔ تجارت کیسے ہوتی ہے؟ مختلف ملکوں کی کرنسیوں کو کیسے بدلا جا سکتا ہے؟

کلاسیکی تعریف کی خوبیاں (Merits):

یہ تعریف اپنے اندر یہ اچھائیاں یا صفات (Qualities) رکھتی ہے:

۱۔ منفرد حیثیت:

اس تعریف سے علم معاشیات کی الگ حیثیت کو مانا گیا ہے اور اسے باضابطہ علم کا درجہ مل گیا۔

۲۔ اہمیت:

دولت کی افادیت اور اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے کیونکہ اس پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

۳۔ عوامل:

عاملین پیدائش کا تفصیلی ذکر آتا ہے جو پیداوار کے عمل کو مکمل کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور جن کی افادیت ظاہر ہوتی ہے۔

۴۔ صرف:

علم معاشیات میں صرف یا خرچ کے کردار کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ یہ جتنا زیادہ ہوتا ہی پیداوار کو تقویت دیتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۔ تبادلہ:

اشیاء کا تبادلہ کیوں کر کیا جاتا ہے یعنی انہیں ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح بدلا جا سکتا ہے؟

۶۔ تقسیم:

عوامل کے ذریعے عمل پیداوار کی تکمیل کی جاتی ہے اور پھر انہیں معاوضے دیئے جاتے ہیں۔ اس بات کا علم بھی اس تعریف سے ہوتا ہے۔

کلاسیکی تعریف کے نقائص (Defects):

انہیں خامیاں یا کمزوریاں بھی کہا جاتا ہے یا کیا اعتراضات کئے گئے ہیں؟ یہ اس کا تاریک پہلو ہے اس کو تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation) کا نام بھی دیتے ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- سب کچھ دولت نہ ہونا:

یہ ایک بڑا اعتراض کیا جاتا ہے کہ دنیا میں سب کچھ دولت و ثروت ہی نہیں ہے کہ انسان ہر وقت اسی کے پیچھے دوڑتا پھرے اور سرگرداں رہے۔

2- اقدار کا فقدان:

روحانی (Spiritual) اور اخلاقی (Moral) قدروں (Values) کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ عملی زندگی میں ان کا بہت بڑا مقام ہے۔

3- لالچ (Greediness):

اس سے حرص و طمع پیدا ہوتا ہے مزید برآں خود غرضی (Selfishness) اور مفاد پرستی کا درس ملتا ہے اور دنیوی خواہشات کے ارد گرد گھومتا ہے۔

4- حل نہ ہونا:

جدید دور میں نت نئے مسائل جنم لے رہے ہیں مگر اس تعریف کی رو سے انہیں حل کرنے میں کوئی راہنمائی نہیں مل سکتی۔

5- مادی خواہشات (Material Wants):

چند مفکرین (Thinkers) نے اس دولت پرستی (Gospel of Mammon) یا دولت کا بت یا بخیل ثروت کہتے ہیں حتیٰ کہ کارلائل اور رسکن نے خنزیرانہ علم (Pig Science) اور شیطانی یا افسردگی پھیلانے والا علم (Dismal Science) قرار دیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ زیادہ تر فضول پراپیگنڈہ ہے اور دولت کے خلاف نفرت و حقارت ابھارنے کا مذموم طریقہ ہے۔ دولت اپنے طور پر کوئی بری چیز نہیں ہے البتہ اس کو حاصل کرنے کے طریقے جائز اور درست ہونے ضروری ہیں اور اس کا استعمال موزوں ہے۔ مزید برآں ٹی بیلے (T. Bailley) بھی اسے انسان کو خستہ (Sordid) ذلیل و خوار کرنے والا (Degradin) مطالعہ یا تحقیق (Inquiry) کہتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ نوکلاسیکی تعریف (Neo- Classical Definition)

اسے نوکلاسیکل مکتب فکر (Neo- Classical School of Thought) کا نام دیتے ہیں۔ اس کی ابتداء انگلینڈ کے معروف پروفیسر الفریڈ مارشل (Alfred Marshall) نے کی تھی۔

ڈاکٹر مارشل (1842-1924) معروف معیشت دان (Economist) تھا۔ اس نے کیمبرج یونیورسٹی 1868ء میں ریاضی کے مضمون میں ڈگری حاصل کی مگر ذاتی کاوش سے معاشیات کا مطالعہ کیا اور اسی مضمون کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس کی مشہور زمانہ تصنیف بنام ''اصول معاشیات'' (Principles of Economics) 1890ء میں منظر عام پر آئی اور دھوم مچادی۔ جس نے علم معاشیات کے ضمن میں غلط فہمیوں کو دور کیا اور اس کی از سر نو تعریف کی جو کلاسیکی تعریف سے بہت مختلف تھی۔

پروفیسر الفریڈ مارشل کی تعریف

''معاشیات میں انسان کے ان افعال کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا زندگی کے روزمرہ کے معاملات سے واسطہ پڑتا ہے۔ فرد کی انفرادی و اجتماعی کوشش کے اس حصہ کا بھی جائزہ و معائنہ کیا جاتا ہے جس کا اس امر سے گہرا تعلق ہے کہ خوشحالی (Well-being) کے مادی لوازمات (Material Requisetes) کس طرح حاصل ہوتے ہیں اور انہیں کیسے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ سو ایک طرف یہ علم دولت ہے اور دوسری جانب جو بہت ہے خود انسان کے پہلو کا مطالعہ ہے۔''

پروفیسر موصوف کی تائید چند دیگر ماہرین نے بھی کی تھی جیسا کہ ای کینن لکھتا ہے:

''معاشیات کا مقصد ان عام اسباب کی تشریح کرنا ہے جن پر انسانی مادی بھلائی کا انحصار ہے۔''

اے سی پیگو کے خیال میں:

''معاشیات اقتصادی خوشحالی کے مطالعہ کا نام ہے۔''

مارشل کی تعریف کے اہم نکات (Important Points):

جن کو مارشل کی تعریف کے اچھے یا روشن پہلوؤں یا خوبیوں یا اچھائیوں کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ٹھوس دلائل (Sound Arguments):

پروفیسر مارشل نے کارلائل اور رسکن کے پروپیگنڈے کو روکیا کیونکہ اس نے وزنی دلیلیں پیش کیں جس سے غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور لوگوں نے اس علم میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی۔

۲۔ کارگر کوششیں:

اس تعریف کا ایک وصف (Quality) یہ بھی ہے کہ معاشرتی بھلائی کو حاصل کرنے کی خاطر نہ صرف انفرادی (Individual) بلکہ اجتماعی (Collective) جدوجہد پر بھی بھرپور توجہ دی گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ معاملات زیست (Matters of Life):

موصوف پروفیسر مارشل نے اس علم کو عام کاروباری معمولات سے اچھی طرح جوڑا ہے کیونکہ انسان معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے لہٰذا معاشیات کا مطالعہ بہت ضروری بن جاتا ہے اس بنا پر آمدنی' خرچ' خریداری' فروخت کاری اور عاوامل پیدائش کے معاوضوں' فرموں اور دیگر اداروں کا ذکر آئے گا۔ اس کے خیال میں معاشیات کا تارک الدنیا افراد سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۴۔ مادی لوازمات (Material Requisites):

زندگی کو پُر وقار و خوشگوار اور فارغ البال بنانے کے کئی لوازمات ہوتے ہیں۔ اس تعریف میں ایسی کاوشیں زیر بحث آتی ہیں جن کی مدد سے اشیاء تیار کر کے ضروریات کو پورا کیا جا سکے اور یہ کہ ان کی عددی پیائش بھی کی جا سکتی ہے۔

۵۔ جدیدیت کا عنصر (Element of Modernism):

اس تعریف کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے علم معاشیات کو جدید طرز دینے کی کوشش کی گئی ہے لہٰذا اسے موجودہ دور کے تقاضوں پر پورا اترنا چاہئے اس سے معاشی ترقی کا اہم پہلو اُجاگر ہوتا ہے۔

۶۔ فلاح و بہبود (Welfare):

مارشل نے اقتصادیات کو انسانی فلاح و بہبود کا علم قرار دیا ہے کیونکہ اس میں سماجی بھلائی پر کافی زور دیا گیا ہے۔ انسان کی زندگی آرام دہ اور پُر سکون بنانے کی طرف ایک بہت قدم ہے نیز یہ کہ دولت و ثروت کو مادی فلاح کا وسیلہ گردانا گیا ہے۔

۷۔ جامعیت (Comprehensiveness):

یہ تعریف کافی حد تک جامع' ہمہ گیر اور مؤثر گنی جاتی ہے کیونکہ اس کا انداز بھی دلچسپ اور اچھا ہے۔

۸۔ انسان کو اولیت:

اگرچہ دولت کے مطالعہ پر بھی گہری توجہ دی گئی ہے مگر انسانی زندگی کے پہلو پر بھی گہری نظر رکھی گئی ہے۔ دولت تو خواہشات کی تسکین کے لئے حاصل کی جاتی ہے۔ اصل شرشف تو انسان کی ذات کو جاتا ہے جس کے لئے یہ دنیا تخلیق کی گئی اور سب اشیاء کو انسان کے تابع کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر مارشل نے انسان کی وقعت کو سامنے رکھا ہے اور یہ بات قابل ستائش ہے۔

مارشل کی تعریف کے نقائص (Defects):

انہیں خامیاں (Short Conings) یا کمزوریاں یا تاریک پہلو کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اب ہم اس کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation) پیش کرتے ہیں۔

۱۔ محدودیت:

اس تعریف سے علم معاشیات کا دائرہ بالکل محدود ہو کے رہ گیا ہے کیونکہ فقط ایسے عوامل کا ذکر ملتا ہے جن کا تعلق محض دولت کمانے سے ہے۔ اگرچہ کئی عناصر غیر مادی سرگرمیوں کے لئے بھی مفید ثابت ہوتے ہیں نیز یہ کہ بہت سی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمات (Services) معاشیات کے احاطہ سے خارج کر دیا گیا ہے جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر انجینئر قانون دان سائنس دان اور دیگر بہت سے ماہرین کئی خدمات سرانجام دیتے ہیں مگر ان پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ مزید برآں معاشرے میں رسومات و رواجات اور کئی تعلقات پائے جاتے ہیں وہاں کہاں جائیں گے؟

۲۔ فقط مادی فلاح (Only Material Welfare):

اس تعریف پر کڑی تنقید پروفیسر رابنز نے کی تھی جس کے مطابق بھلائی کا تصور اپنی گہرائی و گیرائی کھو دیتا ہے اور یہ سمتھ کے نظریہ سے جا ملتا ہے۔

۳۔ ابہام پایا جانا (Imliguity):

مادی فلاح کی اصطلاح ذو معنی قرار دی گئی ہے اور مارشل اس کو اچھی طرح واضح نہ کر سکا۔ بلکہ شک و شبہ میں ڈال دیا۔ ایسے مفید علم میں قطعی (Definite) الفاظ استعمال ہونے چاہئیں۔

۴۔ پسند و ناپسند (Likes and Dislikes):

پروفیسر رابنز نے مارشل کی تعریف پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ اس میں پسند اور ناپسند کا مسئلہ پیدا کر دیا گیا ہے۔ ان میں صحیح فرق واضح کرنا اشد ضروری تھا۔

۵۔ ناقابل پیمائش (Not-Meagurable):

فلاح و بہبود ایک ایسا تصور (Concept) ہے جس کی مقداری پیمائش بالکل نہیں کی جا سکتی۔ کسی معاشرہ کی فلاح میں کتنی کمی بیشی ہوئی اسے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ رسومات سے چشم پوشی:

مارشل کی تعریف میں رواجات و رسومات اور اخلاقیات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ معاشرے میں مختلف طبقات کے ایک دوسرے سے تعلقات ہوتے ہیں اور زندگی مل جل کر رہنے کا نام ہے۔ اس میں شادی و خوشی و بیماری وغیرہ سے بھی واسطہ ہوتا ہے۔ ذوق جمالیات (Asthetic Sense) کا بھی خاص مقام ہے مگر انہیں پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ زندگی کا مقصد صرف دولت کمانا نہیں ہے اور بھی کئی لوازمات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

۷۔ حاوی نہ ہونا:

یہ تعریف سارے مضمون معاشیات کو اپنے اندر سمیٹنے سے قاصر ہے اس لئے کئی پہلو ایسے بھی ہیں جو نظروں سے اوجھل رہ جاتے ہیں اور کافی تلاش کے باوجود انہیں نہیں پایا جا سکتا۔ یہ ایک بہت بڑی کمزوری گنی جاتی ہے۔

۸۔ کمی کرنے والی اشیاء:

پروفیسر ڈاکٹر نے صرف فلاح و بہبود کو بڑھانے والی اشیاء کا ذکر کیا ہے مگر اب کئی اشیاء ایسی بھی ہیں جو نہ صرف اخلاق کو خراب کرتی ہیں بلکہ مضر صحت ہوتی ہیں جن میں شراب، افیون اور دیگر نشہ اور چیزیں ہیں۔ اسی طرح وی سی آر، ٹی وی انٹینا اور کئی حربی آلات بھی خطرناک اثرات ڈال رہے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رابنز کی تعریف (Definition of Robbins)

اس کا تعلق تیسرے طبقہ فکر سے ہے۔ ایل رابنز 1898ء میں پیدا ہوا اور 1984ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ یہ لندن سکول آف اکنامکس میں پروفیسر تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی جو خاصی مشہور ہوئی اس کا نام ''علم معاشیات کی نوعیت و اہمیت پر مقالہ'' تھا۔

"An on Nature and Siguificance of Economics."

کتاب ہذا 1931ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:

''معاشیات ایک ایسا علم ہے جو انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے جسے خواہشات (کے لاتعداد) ہونے اور وسائل کے محدود ہونے کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ ذرائع متبادل یعنی کئی استعمالات رکھتے ہوں۔''

چند اور ماہرین نے اس تعریف کی تائید کی ہے۔ مثال کے طور پر ایک ماہر معاشیات کا یہ کہنا ہے:

"Economics is a study of those principles (اصولوں کا مطالعہ) on which resources (ذرائع) of a country or community (سماجی) should be so regulated (باضابطہ) and administered (منظم) as to secure (محفوظ کرنا) communal (معاشرتی) ends without waste (ضیاع)."(2)

پروفیسر جی جے سٹگلر (G.J. Stigler) کی رائے اس طرح ہے:

"Economics is the study of principles governing the allocation (تفویض) of scare means among competing (مقابلہ کرنے والا) ends, when the objective (غرض وغایت) of it is to maximize (زیادہ سے زیادہ کرنا) the attainment (حصول) of the ends."

ایک اور تعریف یوں ہے:

"The economic problem (معاشی مسئلہ) is essentially (بنیادی طور پر) a problem arising (سر اٹھانا' پیدا ہونا) from necessity (ضرورت) of choice (چناؤ)--- economics studies the activity (سرگرمی یا کاوش) of husbandry."(3)

اسی طرح ایک تعریف یہ بھی ہے:

"Economics is a Social Science (معاشرتی علم) concerned (تعلق ہونا) with administration (انتظام و انصرام) of limited resources (محدود ذرائع)."(4)

پروفیسر ایل رابنز نے کلاسیکی اور نو کلاسیکی ماہرین معاشیات کے برعکس معاشیات کی نئے سرے سے تعریف کی ہے اور اس کا اسلوب (Pattern) اور طرز (Style) کافی حد تک دوسرے معیشت دانوں سے جداگانہ اور منفرد نظر آتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاید یہی سبب ہے کہ جدید ماہرین اس کی تعریف کو بہتر شمار کرتے ہیں۔

رابنز کی تعریف کے اہم نکات:

اہم نکات یا بڑی بڑی باتیں یہ ہیں:

ا۔ وسائل کی قلت (Scaarcity of Shortage of Means):

ہر انسان کی خواہشات کوئی حد نہیں رکھتیں وہ گاہے بگاہے اٹھتی رہتی ہیں اور آئے دن ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ مگر انہیں پورا کرنے کے لئے ذرائع ساتھ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ ان کے مقابلے میں کم ہیں اور اسی لئے معاشی مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اگر بڑھتی ہوئی خواہشات کا وسائل ساتھ دے سکتے تو کوئی مسئلہ سر نہ اٹھاتا۔ جب سے حضرت آدمؑ نے اس دنیا میں قدم رکھا اس وقت سے ہی بنی نوع انسان نے اپنے پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کی خاطر بھاگ دوڑ شروع کر دی تاکہ نئی اٹھنے والی خواہشات کو حاصل کیا جا سکے۔

نیز یہ کہ اس کی یہ کوشش قیامت تک جاری رہے گی۔ اس طرح اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے انسان مختلف ذرائع اپناتا ہے اور ہر وہ کام کرتا ہے جس سے اس کی خواہشات کی تسکین ہو لیکن ہمارے یاں سب سے بڑا معاشی مسئلہ بیروزگاری ہے کیونکہ طالب علم تعلیم حاصل کرتا ہے تاکہ وہ ڈگری حاصل کر کے اپنی خواہشات کی تسکین کرے گا لیکن وہ محدود ذرائع کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکا۔

مثال کے طور پر اگر ایک آدمی کے پاس کچھ پیسے ہیں اور ان سے وہ اپنی خواہشات پوری کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ اپنی خواہشات پوری کر سکے یہی حال محدود ذرائع اور لاتعداد خواہشات کا ہے کیونکہ انسانی خواہشات کبھی ختم نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی چند اہم خواہشات کو محدود ذرائع کی وجہ سے پورا کرنے کی کوشش کرے تو اس سے بہت سے معاشی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر کسان اپنی زمین پر بہت زیادہ محنت کرتا ہے اور تب کہیں جا کر وہ اپنی چند خواہشات کی تسکین کر سکتا ہے لیکن اگر اسی کسان کے پاس وسیع ذرائع ہوں یعنی اس کے پاس ہر قسم کے آلات ہوں اور وہ اتنی ہی محنت کرے تو وہ اس سے کہیں زیادہ خواہشات کو پورا کر سکتا ہے جس سے بہت کم معاشی مسائل پیدا ہوں گے۔

جتنی آبادی زیادہ ہوتی جائے گی مقاصد اتنے ہی بڑھتے جائیں گے اور ذرائع اتنے ہی کم ہوتے جائیں گے جس کی وجہ سے آنے والی اقوام کو بہت سے معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۲۔ مقاصد کی کثرت (Multiplicity of Wants):

مقاصد کی کثرت سے مراد انسان کی ایسی بہت سی خواہشات ہیں جنہیں وہ اپنے ذرائع سے پورا کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ کچھ خواہشات کی تکمیل تو کر لیتا ہے لیکن اس کی بہت سی خواہشات اسی طرح رہ جاتی ہیں جن کی ابھی تکمیل نہیں ہوئی ہوتی اس لئے وہ ان کی تکمیل کے لئے سرگرداں ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان اگر اپنی عام خواہشات پوری کر لیتا ہے تو اسے اس سے زیادہ کی خواہشات ہوتی ہیں مثلاً اگر ایک آدمی روٹی کپڑے اور سر ڈھانپنے کے لئے مکان کی خواہش کو پورا کر لیتا ہے تو پھر وہ اس سے بہتر کی تلاش میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پھر وہ اچھا گھر، گاڑی اور ہر طرح کی سہولت کے لئے سرگرداں رہتا ہے۔ اگر وہ یہ چیزیں بھی حاصل کر لیتا ہے تو اس میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ اس سے بہتر یعنی اچھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گاڑی' ایئر کنڈیشنڈ' گھر اور ہر قسم کی سہولیات میسر ہوں۔ اگر وہ یہ چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر کسی مسائل کی وجہ یعنی محدود ذرائع سے اسے دوبارہ پہلے والی آسائشوں میں آنا پڑتا ہے تو وہ پھر پہلے والی چیزوں یعنی گھر' روٹی اور کپڑا کی آسائش کو قبول نہیں کر پاتا جس کی وجہ سے بہت سے معاشی مسائل پیدا ہوتے ہیں اسی طرح صارف اپنی بے شمار حاجات جن میں سب سے پہلے بنیادی ضروریات اس کے بعد آسائشات اور پھر تعیشات کو حاصل کرنے کے لئے سرگرداں اور کوشاں رہتا ہے اور یوں وہ گول دائرے کی صورت میں خواہشات کی تکمیل کے لئے گھرا رہتا ہے اور ایسا قلت وسائل کے سبب ہے یونہی معاشی مسائل جنم لیتے ہیں۔

۳۔ مقاصد کی اہمیت میں فرق (Difference in Importance of Aims):

ہر مقصد دوسرے سے الگ اہمیت کا حامل ہے۔ اگر ہر مقصد' ہر خواہش بالکل ایک جیسی ہوتی تو انسان پاگل ہو چکا ہوتا۔ کچھ مقاصد اہم' کچھ کم اہم اور کچھ بالکل ہی فالتو ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک گھر میں بیمار' بچے کی فیس جمع کروانی ہے' صوفہ بھی خریدنا ہے تو سب سے اہم بیمار کا علاج ہوگا۔ اس کے بعد بچے کی فیس اور سب سے آخر میں فرنیچر خریدے گا۔ اس لئے مقاصد اہمیت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں مگر ان سے تسکین ضرور ہو جاتی ہے۔

۴۔ کمیاب ذرائع (Scarce Resources):

قدرت کی طرف سے کچھ مفت عطیات ملے ہوئے ہیں اور کچھ خود انسان کو قوت سے حاصل کرنے پڑتے ہیں۔ انسان کو اپنے خواہشات کی تسکین کے لئے ذرائع بے شمار ہیں جن سے وہ استفادہ کر کے خواہشات کو تسکین پہنچاتا ہے۔ اگرچہ ذرائع کمیاب ہوتے ہیں۔ کمیاب سے مراد کم نہیں مگر طلب کے مقابلے میں کم جس طرح گندم پوری دنیا میں اربوں ٹن من پیدا ہوتی ہے مگر آبادی کے لحاظ سے کم ہے لہٰذا کمیاب ہے۔ ورنہ گندے انڈے بھی مقدار میں تھوڑے ہوتے ہیں مگر اپنی طلب نہ رکھنے کی وجہ سے کمیاب ہرگز نہیں۔

۵۔ ذرائع کا متبادل استعمال (Slternative Use of Means):

ذرائع وسائل انسان کے لئے بہت ہوتے ہیں مگر خواہشات زیادہ ہوتی ہیں مگر تسکین حاصل کرنے کے لئے وہ اس کا متبادل استعمال کر سکتا ہے اور تھوڑی بہت اطمینانی تشفی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس طرح ایک زمین کا قطعہ خواہ اس پر باغ بنائیں' سبزیاں اُگائیں' سکول' کالج کوئی کمرشل بلڈنگ' سینما گھر یا مسجد بنائیں۔ ایک ذریعہ بہت طرح سے کم آ سکتا ہے مگر ایک دفعہ استعمال کے بعد یہ خیال ذہن میں رکھنا چاہئے کہ وہ دوبارہ استعمال نہیں ہو سکتا اس لئے احتیاط سے استعمال کرنا چاہئے۔

اہم نکات کا خلاصہ:

۱۔ رابنز نے ہر فرد کو اپنی تعریف میں شامل کیا ہے خواہ وہ تارک الدنیا یا سادھو ہو مگر معاشی حالات سے دوچار ہو۔
۲۔ روزمرہ زندگی کے معمولات کا مطالعہ کیا ہے۔
۳۔ معاشیات کو وسعت بخشی ہے۔
۴۔ طبعی علوم میں کھڑا کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رابنز کی تعریف کی خوبیاں

۱۔ زندگی کے معمولات کا مطالعہ:

رابنز نے روزمرہ زندگی میں پیش آنے والی ''مشکل معاشی حالت'' کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جدید نظریئے سے مطابقت رکھتا ہے۔

۲۔ علوم کا درجہ:

رابنز نے اس کو سائنسی علوم کا درجہ دے کر اس مضمون کی وسعت بڑھادی ہے اور اس طرح یہ کام قابل ستائش ہے۔

۳۔ خوشحالی کا رونا نہیں رویا:

مارشل کی طرح مادی خوشحالی کا رونا نہیں رویا بلکہ اس کو دولت کا علم بھی قرار دیا ہے اور روزمرہ زندگی کے لاتعداد مقاصد و ذرائع محدود سے اس کا رشتہ ناطہ جوڑ دیا ہے۔

۴۔ مضمون کی وسعت:

مضمون کو وسعت بخشی ہے جو کہ انہی کا خاصہ ہے اور انہوں نے اس کو سائنسی صف میں کھڑا کر کے اہمیت دے دی ہے۔

۵۔ غیر جانبدار ہے:

رابنز کے نزدیک معاشیات میں پسند ناپسند کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ یہ ایک غیر جانبدارانہ علم ہے۔

۶۔ روزمرہ زندگی:

روزمرہ زندگی میں آنے والا ہر شخص اس میں شامل ہوسکتا ہے اور روزمرہ معمولات کا ذکر ہے جو کہ ہر کسی کو پیش آتے ہیں۔

۷۔ علم الحقیقت:

رابنز نے معاشیات کو محض علم الحقیقت کا درجہ دے دیا ہے اور مارشل سے اونچا مقام حاصل کیا ہے۔

۸۔ سائنسی دلائل:

رابنز کے دلائل چونکہ سائنسی نوعیت کے ہیں، وہ سائنس دان بھی تھا۔ اس لئے دلائل واضح ٹھوس ہیں اور کوئی جھول نہیں ہے اور ایسے مسائل ہیں جو موجودہ دور میں ہر انسان کو درپیش ہیں۔

رابنز کی تعریف کی خامیاں

۱۔ علوم کی صف میں شمولیت:

رابنز نے جو طبعی علوم کا درجہ معاشی علوم کو دیا ہے، وہ قطعاً غلط ہے کیونکہ معاشی قوانین سائنسی قوانین کے برابر نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہو سکتے کیونکہ سائنسی قوانین اٹل اور ہمہ گیر ہیں اور ان کا تعلق مادے سے ہے۔ مادے پر مختلف تجربات کرنے سے ایک ہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے اور ان کے قانون صحیح ہوتے ہیں اور تبدیل نہیں ہوتے جبکہ معاشی قوانین کا تعلق انسانی ذہنی کیفیت سے ہوتا ہے جو کہ آئے دن تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

۲۔ زندگی کا مطالعہ ہی نہیں:

صرف روزمرہ زندگی کے معاملات کا مطالعہ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں اس کے علاوہ بھی کچھ مطالعہ کی اشیاء ہیں۔

۳۔ قوانین سے بالاتر:

رابنز نے اخلاقی رسم ورواج سے اپنی تعریف کو بالاتر رکھا ہے اور اس کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ یہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

۴۔ علم الحقیقت کا درجہ:

رابنز نے محض معاشیات کو علم الحقیقت کا درجہ دیا ہے حالانکہ جدید نظریئے کے مطابق معاشیات علم الحقیقت کے ساتھ علم الہدیت بھی ہے اور اس میں صرف اور صرف خامیاں ہی نہیں ان کی نشاندہی کر کے ان کے لئے اقدامات بھی کئے ہیں۔

۵۔ معاشی منصوبہ بندی کا ذکر:

رابنز کے ہاں جدید معاشی منصوبہ بندی یا معاشی ترقی کا کہیں ذکر نہیں جو کہ آج کل لازم وملزوم ہے۔

۶۔ جانبداری نہیں:

معاشیات کا علم محض جانبداری کا ہی قائل نہیں۔ مارشل نے جو نظریات بیان کئے ہیں اس کے بارے میں وہ رابنز سے بچتا ہے۔

۷۔ تنگ نظری:

اگر چہ رابنز نے علم معاشیات کو وسعت بخشی ہے مگر بعض اوقات وہ تنگ نظری کا ثبوت دے جاتے ہیں۔

چند دیگر ماہرین معاشیات کی تعریفیں:

چند اور ماہرین معاشیات نے بھی اس علم کی تعریفیں کی ہیں۔

فرگوسن کے مطابق:

"A study of economical allocation (تفویض) of searce (کمیاب) physical and human means among competing ends (مقاصد) an allocation that achieves a stipulated optimizing objective."(5)

ایک اور تعریف اس طرح ہے:

"Economics is fundamentally a study of and problems to

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

which scarcity gives rise."(6)

نیز ایک جدید ترین تعریف ان الفاظ میں ہے:

"Economics is a social science concerned with proper use and allocation of resources for achievement and maintenance of growth with stability." (7)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشیات کا آغاز وارتقاء

معاشیات کا آغاز و زِ اوّل سے ہی ہو گیا تھا، کیونکہ کائنات کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی انسانی ضروریات نے جنم لے لیا تھا، پھر اسی دن سے ہی انسان نے اپنی احتیاجات وضروریات کی تکمیل کے لیے تگ ودو شروع کر دی تھی، اس نے حصول روزگار کے لیے بے شمار طریقے اور ذرائع وضع کیے اور ان معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس نے علم معاشیات وضع کیا۔

آج کے اس پرفتن پرآشوب اور ترقی یافتہ دور کے اندر علم معاشیات کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے، اس لیے معیشت دانوں کو نئے نئے اصول اور طریقے وضع کرنے پڑے یہی وجہ ہے کہ جن اقوام نے ان معیشت کے اصولوں کو اپنایا وہ آج بھی بام عروج پر ہیں وہ آج بھی شہرت لازوال کے حامل ہیں وہ آج بھی ترقی کے افق پر کمندیں ڈالے ہوئے ہیں اور جن ممالک نے ان معیشت دانوں کے وضع کردہ اصولوں پر توجہ نہ دی وہ آج پسماندہ ہیں اور تنزل کے عمیق گڑھوں کے اندر گرے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ علم حضور ﷺ کے ذریعے ودیعت کیا گیا اور آپ ﷺ ایک عظیم معیشت دان تھے۔ آپ نے معیشت کے ابدی اصول وضع کیے ان اصولوں کا جب مطالعہ غیر مسلم ماہرین اقتصادیات نے کیا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے: ''کہ یہ علم جسے سائنس آف اکانومی کا نام دیا جاتا ہے یہ کاروبار زندگی چلانے کے لیے بے حد ضروری ہیں کیونکہ اس کے بغیر کائنات کا نظام نہیں چل سکتا''۔

ماہر معاشیات کا تجزیہ:

ایک پاکستانی ماہر معاشیات سید مناظر احسن لکھتے ہیں:

''معاشیات اتنا ہی قدیم علم ہے جتنا اس روئے زمین پر انسانی وجود''۔

اس بات سے یہ اندازہ کر لینا کہ آدم سمتھ سے پہلے علم معاشیات زمین میں نہ تھا غلط ہے کیونکہ انسانی ضروریات روزِ اوّل سے ہی تھی اور انسان ابتداء میں اپنی ضروریات اور احتیاجات ایک دوسرے کے تعاون سے پورا کر لیتا تھا۔ زمیندار اپنا شیاء جولاہے کو دے دیتا اور جولاہا اُس کے عوض میں کپڑا تیار کر کے زمیندار کو دے دیتا۔ اس طرح بارٹر (Bartar) سسٹم کے ذریعے نظام کائنات چلتا رہا۔ پھر دنیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ زر اور دولت کو استعمال کیا جانے لگا۔ اس سے پتا چلا کہ معاشیات احتیاج پیدائش دولت، تبادلہ دولت اور مالیات پر بحث کا نام ہے۔

یہ علم آدم سمتھ سے پہلے ہی مسلمان ماہرین معاشیات قلمبند کر چکے تھے۔ جن مسلمان ماہرین معاشیات نے اس علم کو ضبط تحریر میں کیا، اُن کے نام یہ ہیں:

۱۔ کتاب المبسوط از امام سرخسی (تیس جلدیں)

۲۔ کتاب الخراج از امام ابو یوسف

۳۔ کتاب الاموال از امام ابی عبید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشیات کا نفس مضمون

انسانی جسم عناصر خمسہ سے بنا ہے وہ پیدا ہوتا ہے جوان ہو کر پھر بڑھاپے کی طرف مائل ہوتا ہے اور آخر کار مر جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ علم معاشیات انسانی زندگی کا مطالعہ تو کرتا ہے لیکن پہلوؤں کا نہیں کرتا۔ بلکہ صرف ایک ہی پہلو کا علم نفسیات میں یہ مطالعہ کیا جاتا ہے کہ انسان کس طرح سوچتا ہے۔ اس کا جسم کونسے عناصر سے تعمیر شدہ ہے۔ اس بات کا مطالعہ کیمیا میں کیا جاتا ہے۔ جبکہ علم الابدان میں انسان کی پیدائش، جوانی، بڑھاپے اور موت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

علم سیاسیات بتاتا ہے کہ انسان کیسے حکومت کرتا ہے۔ علم معاشیات یہ واضح کرتا ہے کہ انسان اپنے محدود وسائل کو استعمال کر کے کیسے اپنی بے شمار احتیاجات کی تشفی کرتا ہے۔ اسی علم کو معاشیات کا مرکزی نکتہ یا نفس مضمون کہتے ہیں۔ انسانی خواہشات وضروریات اتنی زیادہ ہیں جو کہ مرتے دم تک ختم ہوتی نظر نہیں آتیں لہٰذا ان خواہشات وضروریات کو پورا کرنے اور وقت کی کمی کے باعث انسان اُسی چادر میں اپنے پاؤں ڈھانپے ہوئے اور اس کا طریقہ علم معاشیات بتاتا ہے۔

اگر ہم اطراف عالم پر غور کریں تو یہ حقیقت آشکارہ ہوت ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آئے گا۔ مثلاً مزدور کارخانے میں کام کرتا ہے۔ وکیل مقدمات کی پیروی کرتا ہے۔ ڈاکٹر مریضوں کے علاج میں مصروف ہے تو استاد طلبہ کو علم دینے میں مصروف نظر آتا ہے۔ اب سوال جو کہ پیدا ہوتا ہے یہ سب لوگ ان مختلف کاموں میں مصروف یا مشغول کیوں ہیں؟ تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ ان کاموں کے معاوضے میں انہیں دولت ملتی ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی مختلف ضروریات زندگی کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسان دولت برائے دولت حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ زر خود انسان کی کوئی بھی ضرورت پوری کرنے پر قادر نہیں ہے بلکہ دولت کے باعث وہ ایسی اشیاء حاصل کرتا ہے جو اس کی ضرورت فوراً پوری کرسکیں۔ یعنی اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ دولت بذات خود مقصد نہیں بلکہ حصول مقصد کا ایک ذریعہ قرار پاتا ہے۔ علم معاشیات، انسانی زندگی کے اسی رخ پر بحث کرتا ہے۔

اس ساری صورتحال کی وضاحت ایک مثال کے ذریعے بھی ہوسکتی ہے۔ زید کو روٹی، کپڑا اور مکان چاہیے تاکہ وہ زندہ رہ سکے۔ ان اشیاء کی کمی ہے، لہٰذا مفت حاصل نہیں ہوسکتیں، لیکن اگر ان کو حاصل کرنے کا ذریعہ زید کے پاس ہو تو وہ ان کو حاصل کرسکتا ہے۔ زرا سے محنت یا کوشش کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر دولت کو حاصل کرنے کے لئے وہ کوئی نہ کوئی کام کرے گا اور اسی کوشش کے باعث اُسے دولت ملے گی اور دولت کے استعمال سے وہ اپنی مطلوبہ چیزوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔ جو اس کی احتیاجات کی تشفی کرسکتی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ معاشی کوشش احتیاجات اور تشفی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یعنی ان تینوں الفاظ میں علم معاشیات کا نفس مضمون چھپا ہے۔

مختصر یہ کہ احتیاج معاشی جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے اور معاشی کوشش کے نتیجے میں احتیاجات کی تشفی ہوتی ہے۔ لیکن یہ تشفی مستقل نوعیت کی نہیں بلکہ تشفی پھر احتیاج پیدا کرتی ہے۔ اور پھر وہی چکر شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ احتیاجات بار بار پیدا ہوتی نہیں۔ معاشی کوشش کا چکر بھی پیدائش سے موت تک جاری رہتا ہے۔ لیکن اس شکل میں معاشیات کے نفس مضمون کو انسان کی ابتدائی زندگی کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ جب وہ بڑی سادہ سی زندگی گزارتا تھا اور کسی کا محتاج نہیں تھا۔ آج انسان کی زندگی اتنی سادہ نہیں ہے بلکہ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے۔ آج ایک انسان وہ چیز استعمال کرتا ہے جسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا نہیں کرتا اور وہ چیز پیدا کرتا ہے جسے استعمال نہیں کرتا۔

مثال کے طور پر برتن ساز سارے برتن خود استعمال نہیں کر سکتا لہٰذا پیداوار کو وہ ایسے دوسرے افراد کے ہاتھوں زر کے بدلے فروخت کر دیتا ہے جو ضرورت مند ہوں اپنی پیداوار فروخت کر کے جو دولت یا زر اُسے حاصل ہوتا ہے اُس سے وہ اپنی مطلوبہ اشیاء خرید سکتا ہے۔ اسی خرید و فروخت کو معاشی اصطلاح میں مبادلہ کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جدید دور میں معاشی جدوجہد اور تشفی کے درمیان ایک اور مرحلہ مبادلہ کا بھی حائل ہوتا ہے۔

الغرض یہ کہ علم معاشیات کے نفس مضمون میں صرف (احتیاجات کی تشفی) پیداوار (احتیاجات کی تشفی کے لیے جدوجہد کر کے اشیاء پیدا کرنا) مبادلہ (زر، زر اعتباری اور بینکاری) اور تقسیم کو شامل کیا جا سکتا ہے۔

دورِ جدید میں معاشیات کے نفس مضمون میں سرکاری مالیات کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ جس کے تحت کے معاشی افعال کو شامل کیا جاتا ہے۔ جو بذات خود ایک وسیع موضوع ہے۔ بہر حال یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ معاشیات کے نفس مضمون کو صرف پیداوار، مبادلے اور تقسیم میں بانٹنے کا پرانا طریقہ مطالعہ ہے۔ جدید دور میں ماہرین معاشیات نے معاشیات کے نفس مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ معاشیات صغیر

۲۔ معاشیات کبیر

مختصر یہ کہ علوم معاشیات کا تعلق انسانی زندگی کے اقتصادی پہلو سے ہے اس علم میں اس امر پر بحث کی جاتی ہے کہ انسان اپنے محدود ذرائع کی بدولت کس طرح اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکتا ہے۔

۱۔ معاشیات کا مطالعہ بطور انفرادی یا اجتماعی مضمون:

علم معاشیات میں انسانی سرگرمیوں کا مجموعی طور پر مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس میں ان انسانی مسائل پر گفتگو کی جاتی ہے۔ جن کی بدولت لوگ مل جل کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں چنانچہ جو لوگ رہبانیت کو اختیار کر کے زندگی گزارنا چاہتے ہیں یا گوشہ نشین ہو کر رہتے ہیں یا کسی سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے ان کے مسائل اس علم میں زیر بحث نہیں آتے۔

۲۔ معاشیات بطور علم یا فن (Economics is a Science or an Art):

علم معاشیات معلومات کا ایک باضابطہ اور مکمل مجموعہ ہے اور یہ تمام معاشی مسائل کے حصول کے مختلف ذرائع اور وسائل بیان کرتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشیات علم بھی ہے اور فن بھی۔

۳۔ معاشیات کی ترغیب:

علم معاشیات کو علم حقیقت کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اور اس کا ایک اور نام علم ہدایت بھی ہے۔ کیونکہ علم حقیقت کے حوالے سے یہ مختلف معاشی مسائل پر روشنی ڈالتی ہے اور اس کو اصلی صورت میں پیش کرتی ہے۔ علم ہدایت اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اچھائی یا برائی کے حوالے رہنمائی اور رہبری ملتی ہے۔

۴۔ معاشیات کا دیگر علوم سے تعلق:

معاشیات ایک ایسا علم ہے جو الگ تھلگ رہنا پسند نہیں کرتا بلکہ دوسرے دوسرے علوم کے ساتھ تعلقات بھی رکھتا ہے۔ علم معاشیات کا عمرانیات اخلاقیات سیاسیات اور تاریخ وغیرہ کے ساتھ بہت گہرا تعلق اور رابطہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشیات کی نوعیت

انسان کو اللہ کریم نے اشرف المخلوقات کا خلعت فاخرہ پہنا کر پیدا فرمایا ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین:4)

''اور بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا''۔

اور اسے دو چیزوں سے عبارت فرمایا۔ ایک روح اور دوسرا جسم، اور ان کے ملاپ کا نام انسان اور زندگی ہے اور ان میں سے کسی ایک کا کام نہ کرنا، لاش اور موت کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ دونوں اکٹھے کام کریں تو انسان کی زندگی کا سلسلہ روز و شب جاری رہ سکتا ہے۔ ان دونوں کی غذائیں اگرچہ ایک الگ ہیں مگر دونوں کا منبع و مصدر ایک ہی ہے۔

روح کی غذا اللہ کریم کی نازل کردہ روحانی تعلیمات ہیں جنہیں انبیاء و رسول ﷺ لے کر مبعوث ہوئے جب کہ جسم کی غذا پانی، روٹی، پھل اور دیگر حلال اشیاء ہیں اور یہ دونوں قسم کی غذا کا منبع آسمان کو بتایا گیا ہے۔ گویا کہ اللہ کریم آسمان کی بلندیوں سے فرشتوں کے ذریعے انبیاء کرامؑ پر روحانی تعلیمات نازل فرما کر انسان کی روح کی غذا کا سامان مہیا فرماتے ہیں اور اسی آسمان سے بذریعہ بارش رزق اتار کر انسان کے جسم کی غذا کے اسباب مہیا فرماتے ہیں۔ اور اس کریم رزاق نے اس دونوں کی عطا میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾ (الذاریات:22)

''اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آسمان میں (یعنی اللہ کریم کے پاس ہیں)''۔

انسان کے جسم کے رزق کا مسئلہ ہی معاشیات کا موضوع ہے۔ لہٰذا ہم اس پہلو پر ہی بحث کرتے ہیں۔

اللہ کریم اور رحیم نے انسان کو صرف پیدا ہی نہیں فرمایا، اس کی غذا اور پرورش کا نظام بھی قائم فرمایا۔ اس کی پیدائش کے روز اوّل سے اس مہربان نے ماں کے درد بھرے سینہ سے دودھ کے دو چشمے جاری کر دیئے۔ اب چونکہ یہ نو مولود نرم غذا کھا بلکہ صرف پی ہی سکتا ہے اس لئے اس کریم و حکیم اللہ نے طاقتور مگر پی جانیوالی غذا دودھ کا انتظام کر دیا۔ پھر جوں جوں وہ سن بلوغ و شعور کو پہنچتا گیا اس کو رزق اور وسائل رزق فراہم کئے جاتے رہے جن کے ذریعے وہ اپنی بھوک اور دیگر ضروریات زندگی کو پورا کرتا ہے۔ پھر اسی کریم رزاق کی سخاوت کا یہ عالم تمام انسانوں کو ان کے ماحول کے مطابق رزق فراہم فرماتا ہے اور اس کی رزاقی سے بدترین دشمن بھی محروم نہیں ہیں۔ اپنی کتاب عزیز کا آغاز ہی اس ذات کریم نے اپنی رزق کی ذمہ داریوں کے تسلیم کرنے سے فرمایا ہے۔ آپ قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہیں تو آپ کو پہلی سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت یہ نظر آئے گی۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَلَمِينَ﴾ (الفاتحہ:1)

''تمام تعریفیں اللہ کریم کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب (یعنی پالنے والا) ہے''۔

مگر یہ انسان ہی ہے جس نے دوسرے انسان کے رزق کو اس تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ مثلاً بذریعہ طاقت، دولت اور ذرائع دولت پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے انسان کو مزدور یا ملازم رکھ کر اس کا حق ادا نہ کیا، طاقتور نے کمزور کا معاشی استحصال کیا اور یوں کمزور انسان..... جس کی دنیا میں ہمیشہ غالب اکثریت رہی ہے..... ان پر رزق کے دروازے بند ہوتے گئے اور وسائل رزق محدود ہوتے گئے، چنانچہ ان کی احتیاجات میں اضافہ ہوگا گیا، وسائل کم محسوس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے لگے اور حاجات زیادہ نظر آنے لگیں۔ اگر رزق اور وسائل رزق دولت اور ذرائع دولت تمام انسانوں کے لئے آزاد چھوڑ دیئے جائیں تو کوئی بھی محروم معیشت نہ ہو۔ مگر عملاً ایسا نہیں کیا گیا اور جو لوگ وسائل رزق پر قابض تھے انہوں نے یا ان کے نمک خوار اسکالرز اور معیشت دانوں نے کمزور انسان کو یہ سمجھانا شروع کر دیا کہ انسان کی احتیاجات (Needs) لامحدود ہیں جب کہ ذرائع (Sources) محدود ہیں۔ لہٰذا انسان کو تھوڑے وسائل کے ساتھ زیادہ حاجات (Needs) کو پورا کرنے کا انداز اور طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ (اسلامی معاشیات کی اصلاح میں رزق صرف دو یا تین وقت کے کھانے کا نام ہی نہیں بلکہ رزق اپنی جامعیت میں تمام ضروریات زندگی کی کفالت اور انسان کے تمام نظام پرورش کو شامل ہے)

انسان کے اسی انداز یا طریقہ یا رویہ کا دوسرا نام معاشیات ہے۔ گویا معاشیات ایسا علم ہے جو انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ محدود ذرائع کے ذریعے اپنی لامحدود حاجات کی تکمیل کیونکر کرے؟ اسی کا نام انسان کا معاشی مسئلہ (Economic problem) ہے، جو معاشیات کا موضوع ہے۔ ہم یہ بار بار باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ اسلام کے نظریہ ربوبیت کی رو سے معاشی وسائل محدود نہیں ہیں اور وہ انسانی حاجات (نہ کہ خواہشات) کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ دراصل وسائل کی محدودیت کا احساس ان انسانوں کے استحصالی رویہ نے دلایا ہے جنہوں نے وسائل رزق پر قبضہ کر کے بے شمار محتاجوں اور کمزوروں کو معاشی مسئلہ کی گتھی میں الجھا رکھا ہے۔ اس معاشی مسئلہ کے حل کے لئے مختلف صورتوں اور شکلوں میں کوشش اور جدوجہد کی گئی، اور کی جا رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ اس جدوجہد اور کوشش کا تعلق معاشیات سے ہے۔

یہ وسائل کی محدودیت اور احتیاجات کی لامحدودیت اور محدود وسائل کو بکفایت استعمال کرنا، تینوں نے مل کر جہاں ایک طرف معاشی مسئلہ کو جنم دیا وہاں دوسری طرف اس کے حل کے لئے مختلف نظریات کو وجد بخشا۔ جن کے اجتماع نے معاشیات کا موضوع بنایا۔ 1800ء میں آدم سمتھ اور ان کے ساتھیوں نے معاشیات کو باقاعدہ علم بنایا۔ آدم سمتھ اور ان کے ہمنوا کلاسیکی (قدیم) (Classical) ماہرین معاشیات کہلائے۔ پھر انہوں نے معاشیات کو دولت کا علم قرار دیا۔ 1776ء میں آدم سمتھ نے اپنی کتاب ''اقوام کی دولت'' (Wealth of Nations) لکھی جس میں اس نے پیدائش دولت، صرف دولت، تبادلہ دولت اور تقسیم دولت پر بحث کی۔

بعد میں ماہرین معاشیات کا ایک اور گروہ آیا جس نے معاشیات کو مادی فلاح و بہبود کا قرار دیا۔ اس گروہ کے سرخیل پروفیسر الفراڈ مارشل تھے۔ یہ لوگ نوکلاسیکی (Neo Classical Economists) ماہرین معاشیات کہلائے۔

ان کے بعد ایک تیسرا گروہ آیا جو جدید ماہرین معاشیات کہلائے۔ انہوں نے معاشیات کو وسائل کی قلت اور حاجات کی لامحدودیت کے درمیان انسانی رویہ کا علم قرار دیا۔ ان کے سرکردہ پروفیسر رابنز (Prof. Robins) تھے۔

معاشیات پر آج تک بے شمار کتب اور مقالات لکھے جا چکے ہیں، سینکڑوں کالج اور شعبہ جات قائم ہو چکے ہیں، جن میں معاشیات کا موضوع پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔ ہزاروں افراد اس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کر کے اعلیٰ درجہ کی علمی سندات حاصل کر چکے ہیں مگر آج تک معاشیات کی تعریف پر اتفاق ہو سکا نہ انسان کا معاشی مسئلہ حل ہوا جو معاشیات کا اصل موضوع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معاشیات کی ضرورت

(Need of Islamic Economics)

اسلامی معاشیات کی نوعیت مغربی معاشیات سے بہت حد تک مختلف ہے' اسی بنا پر مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ علمی و عملی موضوع یعنی ''اسلامی معاشیات' کی ضرورت ہے۔ جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ جدید مغربی معاشیات کا ارتقاء مغربی معاشروں میں ہوا ہے۔ جب کہ مسلمان معاشرے روحانی' سماجی' سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے مغربی معاشروں سے یکسر مختلف ہیں۔ اسی بنا پر مغربی معاشی تجزیوں کا اطلاق مسلمانوں پر کرنا مشکل ہے۔ البتہ کچھ نظریات ایسے ہو سکتے ہیں کہ جن کا اطلاق ہر معاشرے میں ہو سکتا ہو۔ لیکن مجموعی طور پر مغربی معاشی تجزیہ کی بنیاد اخلاقی اقدار پر نہیں ہے (یعنی وہ معاشرے Netural Value ہیں) اور اس کے ساتھ مغربی معاشروں میں موجود بہت سی اقدار بھی مسلم معاشروں کی اقدار سے مختلف ہیں۔ اس بنا پر مغربی معاشی تجزیوں (Western Economic Analysis) کا اطلاق مسلم معاشروں پر نہیں ہوتا۔ مثلاً اسلامی تعلیمات میں سود حرام ہے جب کہ مغربی معاشیات کا پورا ڈھانچہ سود پر کھڑا ہے۔ اس لئے سودی نظام مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تشکیل دیا گیا ہو۔

۲۔ مغربی معاشیات کا پورا زور ایک صارف کے لئے زیادہ سے زیادہ تسکین کے حصول (Maximisation of Utility) اور آجر کے لئے زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول (Maximisation of Profit) پر ہے اور اسی کو ایک عقلیت پر مبنی رویہ (Rational Behaviour) تصور کیا جاتا ہے جو کہ خود غرضی پر مبنی رویہ ہے اور انسان کو دوسرے انسانوں سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں مسلمان ایک دوسرے کیلئے قربانی دینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ انس اور محبت اور ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ ان کے نبی ﷺ کی تعلیمات کا اہم جز ہے۔ جبکہ مغربی معاشیات میں ان رویوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے بھی مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ معاشی نظام کی ضرورت ہے جس میں ان باتوں کے لئے جگہ موجود ہو اور معاشی تجزیہ کی بنیاد کے اندر ان اقدار کو سمویا گیا ہو۔

۳۔ اسلامی عقلیت پسندی (Islamic Rationality) مغربی عقلیت پسندی سے بہت زیادہ مختلف ہے کیونکہ ایک مسلمان کے پیش نظر یہ دنیا اور اس کے فوائد ہی نہیں ہیں بلکہ آخرت کا تصور اور اخروی افادہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اس کی زندگی کا محور ہے۔ اسی لئے اپنے تمام فیصلوں (بشمول معاشی فیصلوں) میں ایک مسلمان دونوں جہانوں کے فوائد کو بیک نظر دیکھتا ہے اور اس کا معاشی تجزیہ مغربی معیشت دان سے بہت حد تک مختلف ہو جاتا ہے۔

۴۔ مغربی معاشی تجزیہ میں معاشی افراد (Economic Agents) کی نظر مادی اشیاء و خدمات کے حصول اور اس کے نتیجے میں تسکین کے حصول تک محدود ہوتی ہے جبکہ اسلامی معاشی تجزیہ اشیاء و خدمات کے حصول کے ساتھ ساتھ انسان کی روحانی تسکین اور معاشرتی و ثقافتی تسکین کو بھی پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۔ مغربی معاشی تجزیہ انسان رویوں کا مطالعہ منڈی / مارکیٹ کے تناظر میں کرتا ہے۔ اور اس تجزیہ کے دوران سماجی و اخلاقی و تمدنی معاملات خارج از بحث ہوتے ہیں لیکن اسلامی معاشی تجزیہ میں زندگی کو ایک اکائی تصور کیا جاتا ہے۔ معاشی، سماجی، تمدنی و ثقافتی، تعلیمی و سیاسی اور دیگر پہلو زندگی کی اس اکائی کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اس بنا پر صرف معاشی مسئلہ کا حل ہی معاشی تجزیہ کی بنیاد نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ پورا سلامی نظریہ حیات کو پیش نظر رکھ کر اپنی پالیسیاں بنائی جاتی ہیں۔ اسی لئے بہت سے ایسے تغیرات (Variables) جو مغربی معاشیات میں بیرونی (Exogenous) سمجھے جاتے ہیں وہ اسلامی دائرہ کار میں اندرونی (Endogenous) حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً اخروی ثواب اور انعام اسلامی پالیسی میں اندرونی متغیر (Endogenous Variable) کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

۶۔ مغربی معاشی تجزیہ کی پوری بنیاد انسانی سوچ و فکر پر مبنی ہے اور اس کے طریقہ کار میں مادی علوم کی طرح کا طریق کار اختیار کیا جاتا ہے اس کے نتیجے میں جو بات سامنے آتی ہے اسے قانون کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ان تجزیہ نگاروں کی نظر میں انسانی سوچ و فکر ہی حرف آخر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسانی فکر بہت محدود ہے اور اسے الہامی ہدایت کی اشد ضرورت ہے جس کے بغیر صحیح فیصلے کرنے اور نتائج کی منزل کھوئی ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت قرآن پاک کی آیات کی صورت میں اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اللہ ﷺ کی حکمت سے بھرپور تعلیمات کی روشنی میں موجود ہے۔ جو انسان کو بھٹکنے سے بچاتی اور صحیح انسانی رویوں کی طرف مائل کرتی ہے۔

۷۔ مغربی تجزیہ کے مطابق معاشیات کا اصل اس کا اثباتی علم (Positive Science) ہونا ہے اور معاشیات کا اخلاقی واقدار کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ جب کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اثباتی پہلو کیساتھ ساتھ معاشیات کا اخلاقی پہلو (Normative Aspect) بھی اتنا ہی اہم ہے۔ اسی لئے ایک مسلمان معاشیات دان تمام معاشی نظریات کو اسی تناظر کے اندر پرکھتا ہے، اس کا تجزیہ کرتا ہے، اس کے نتائج و عواقب پر نظر ڈالتا ہے اور اس تحقیق کی روشنی میں لائحہ عمل مرتب کرتا ہے۔

۸۔ مغربی معاشیات کا سب سے زیادہ زور پیدائش دولت پر ہے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر تمام تجزیے کئے جاتے ہیں اور لائحہ عمل مرتب کیا جاتا ہے۔ جبکہ تقسیم دولت کا پہلو ان کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اسی لئے جدید دور نے انسانوں کے درمیان خلیج حائل کی ہے اور آج امیر و غریب کا فرق اپنی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔

اسلامی معاشیات میں پیدائش دولت، صرف دولت، تبادلہ دولت اور تقسیم دولت غرضیکہ تمام معاشی پہلوؤں پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے اور سب سے زیادہ زور دولت و آمدنی کی منصفانہ تقسیم پر دیا جاتا ہے۔

اوپر دیئے گئے نکات اور اس کے علاوہ دیگر وجوہات کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ معاشی نظریے: ''اسلامی معاشیات'' کی اشد ضرورت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشیات کی اہمیت (Importance of Economics)

آج کے دور کو معاشیات کا دور کہنا بے جا نہ ہوگا کیونکہ آج کل تمام دنیا معیشت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے، سائنسی اور صنعتی ترقی نے اس کشمکش کو اور بھی ہوا دی ہے اور جس کی وجہ سے معاشیات کی مثال جسم میں روح کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ کیونکہ موجودہ دور میں معاشیات ہماری رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے بلکہ ہماری زندگی کے لیے جزو لاینفک ہے۔ یہاں میں چند ایسے امور کا تذکرہ کر رہا ہوں جس سے معاشیات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ تاجروں کو فائدہ
۲۔ آجروں کی دستگیری
۳۔ صارفین کی رہنمائی
۴۔ ذہنی ترقی
۵۔ شہریوں کے لیے فائدہ
۶۔ سیاست دانوں کو سہولت
۷۔ وزیر خزانہ کی معاونت
۸۔ خاتمہ افلاس میں معاونت و رہنمائی
۹۔ معاشی ترقی میں بتدریج اضافہ
۱۰۔ روزمرہ زندگی میں فائدہ
۱۱۔ صنعت و حرفت میں فائدہ
۱۲۔ ٹیکسیشن سسٹم میں مدد
۱۳۔ دولت کی منصفانہ تقسیم
۱۴۔ فلاح و بہبود
۱۵۔ معاشی مسائل کا حل

۱۔ تاجروں کو فائدہ:

علم معاشیات تاجروں کو استفادہ فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ مزدوروں اور صارفین کے درمیان تاجر طبقہ ہی واسطے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ تاجر لوگ کارخانوں سے تیار شدہ مال صارفین تک پہنچاتے ہیں۔ مزدوروں کا مقصد صرف روزی کمانا ہوتا ہے نہ کہ تجارت کرنا کوئی بھی تاجر اس وقت تک کامیاب تاجر نہیں کہلا سکتا جب تک وہ علم معاشیات کے اصولوں سے واقف نہ ہو۔ جو تاجر معاشی نظام، نظام بنکاری اور نظام کرنسی کو جانتا ہوگا وہ بہترین تاجر بن جائے گا۔

۲۔ آجروں کی دستگیری:

علم معاشیات آجروں کو بھی فائدہ بہم پہنچاتا ہے۔ کیونکہ آجر کا مقصد زیادہ منافع کمانا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد معاشیات کے مطالعہ کے بغیر پورا نہیں ہوگا، اس ضمن میں مختتم حاصل اور مختتم لاگت کی برابر آجر کو توازن کی کیفیت سے آگاہ کرتی ہے۔

۳۔ صارفین کی رہنمائی:

علم معاشیات نہ صرف آجروں کی دستگیری و رہنمائی کرتی ہے بلکہ صارفین کی بھی رہبری و رہنمائی کرتی ہے۔ ہر صارف کی آمدنی محدود ہوتی ہے اور اس کی خواہشات لامحدود ہوتی ہیں۔ اس موقع پر علم معاشیات کے اصولوں پر ہی پابند رہ کر صارف زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکتا ہے۔

۴۔ ذہنی ترقی:

علم معاشیات کو اس لیے بھی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ ہماری ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے۔ انسان میں حقائق کو سمجھنے، لیاقت کو پرکھنے اور نتائج تک پہنچنے کی صلاحیت علم معاشیات کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۔ شہریوں کے لیے فائدہ:

جدید دور میں معاشیات نے اس قدر ترقی کی ہے کہ زندگی کے رہ معاملے میں اس کی ضرورت ہے۔ ایک شہری کو اچھا شہری بننے کے لیے علم معاشیات کا مطالعہ ضروری ہے۔ شہری کے چاروں طرف جو معاشرتی جال بنا ہوا ہے اس کا معاشیات سے بھی گہرا تعلق ہے۔ قیمتوں کا اندازہ، کنٹرول، مبادلات خارجہ، منصوبہ بندی، محصولات اور دوسری زرعی اور صنعتی اصلاحت کا شہری کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس اثر کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے کہ ہر شہری کافی حد تک معیشت دان بھی ہو۔

۶۔ سیاست دانوں پر احسان:

معاشیات سیاست دانوں میں بھی اہمیت کی حامل ہے۔ زرعی اصلاحات، بجٹ، منصوبہ بندی اور کرنسی کے مسائل ایسے بنیادی مسائل ہیں جن کے بارے میں جاننا ان کے لیے اشد ضروری ہے۔ ان مسائل کو برسر اقتدار آ کر انہیں حل کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے ان مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے سیاست دان معاشی مسائل پر غور کرتے ہیں۔

۷۔ وزیر خزانہ کی معاونت:

وزیر خزانہ کے لیے معاشیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ وزیر خزانہ کو حکومت میں کشت ازل جانا جاتا ہے۔ قومی قرضہ جات دولت کی غیر منصفانہ تقسیم قومیانہ میں لیے جانے والے ادارے کرنسی اور بجٹ ایسے اہم امور ہیں جن پر سالانہ بجٹ کا دارومدار ہوتا ہے۔ ان مسائل سے وزیر خزانہ کو ہر سال واسطہ پڑتا ہے۔ اس لیے وزیر خزانہ کو علم معاشیات میں ماہر اور حاذق ہونا ضروری ہے۔

۸۔ خاتمہ افلاس میں معاونت و رہنمائی:

دنیا کے اکثر ممالک مفلسی سے دوچار ہیں، غربت اُن کا مقدر بن کر رہ گئی ہے۔ یہ بے چارے غریب ممالک گربت سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں مگر سعی لا حاصل ملکی سطح پر غربت کے خاتمے کی تمام کاوشیں کارآمد ہو سکتی ہے۔ جب معاشیات کے سنہری اصولوں پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

۹۔ معاشی ترقی میں بتدریج اضافہ:

ہر ملک اپنی معاشی ترقی کا خواہاں ہے۔ معاشی ترقی کی پہچان اس وقت ہوتی ہے جب قومی آمدنی میں اضافہ ہو۔ قومی آمدنی میں اضافہ کی خاطر تمام ملکی و قومی وسائل کو ہر ممکن طور پر استعمال کیا جاتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ معاشی ترقی حاصل ہو سکے۔

۱۰۔ روزمرہ زندگی میں فائدہ:

علم معاشیات کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے بھی ہے۔ اس لیے کامیاب شہری بننے کے لیے علم معاشیات کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

۱۱۔ صنعت و حرفت میں فائدہ:

علم معاشیات کے مطالعہ سے انسان صنعت و حرفت اور تجارت کے معاملات کو سمجھ سکتا ہے اور اپنی روزی بہتر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقے سے کما سکتا ہے۔

۱۲۔ ٹیکس سسٹم میں مدد:

ٹیکسوں کے نظام کو جاننے کے لیے علم معاشیات کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ علم معاشیات کے بغیر ہر ٹیکس سسٹم کو نہیں سمجھ سکتے۔

۱۳۔ دولت کی منصفانہ تقسیم:

علم معاشیات کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے لیے معاشرے میں منصفانہ تقسیم دولت کے اصول بتائے جاتے ہیں۔ اس لیے دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے معاشیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

۱۴۔ فلاح و بہبود:

اسلامی معاشیات ہمیشہ فلاحی پہلو کو مدنظر رکھتی ہیں۔ اس لیے اسلامی معاشیات کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

۱۵۔ معاشی مسائل کا حل:

بین الاقوامی تجارت اور بیرونی قرضہ جات اور بین الاقوامی سرمایہ کاری کے معاملات علم معاشیات کے بغیر حل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا جدید دنیا کے معاشی مسائل کا صرف ایک ہی حل ہے۔ کہ ہم اسلامی معاشیات کے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشیات کی اقسام

Classification of Ecnomics

انسان کو اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاشیات کا علم رکھتا ہو اگر کوئی شخص تاجر ہے تو اسے بھی معاشی اصولوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کا یہ کاروبار بطریق احسن چل سکے۔ اگر وہ صنعت کار ہے تو اسے بھی اپنی صنعت کے لیے علم معاشیات کی ضرورت ہے اگر کوئی آجر ہے بھی علم معاشیات کی چنداں ضرورت ہے مختصر یہ کہ ہر شخص جو زندگی کے کسی بھی شعبہ اقتصادیات سے تعلق رکھتا ہو اسے علم اقتصادیات یا علم معاشیات کا جاننا ضروری ہے مختصر یہ کہ علم معیشت کو تین بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ بیانیہ یا تشریحی معاشیات ۲۔ نظریاتی معاشیات ۳۔ تطبیقی یا اطلاقی معاشیات

۱۔ بیانیہ یا تشریحی معاشیات:

معاشیات کی اس قسم میں کسی چیز کی پیداواری اشیاء کی مکمل تفصیل درج کی جاتی ہے جیسے پاکستان میں پٹ سن یا چاول کی پیداوار کا ہونا اس کے لئے کیفیت کی تیاری کا ذکر اور ان اضلاع کا ذکر جہاں اس کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے اس کے علاوہ اس کی لگائی ملکی آمدن اور بیرون ملک برآمدات وغیرہ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اس چیز کا استعمال اس سے حاصل ہونے والے فواید کا بھی مکمل ذکر کیا جاتا ہے معاشیات کی اس قسم کو بیانیہ یا تشریحی معاشیات کا نام دیتے ہیں۔

۲۔ نظریاتی معاشیات:

اس نظریاتی طریقے میں اس چیز کی وضاحت کی جاتی ہے کہ مندرجہ بالا معلومات کس طرح سے حاصل کی جاتی ہیں اور کن اصولوں کو ان کے حصول میں معاونت حاصل ہوتی ہے ایسے کرنے کے لئے کونسے کلیات کو استعمال کیا جاسکتا ہے اور یہ نظام کس اقتصادی ڈھانچے پر قائم ہے مختصر یہ کہ نظریاتی قسم میں نظریات تصورات اور مختلف نظاموں پر بحث کی جاتی ہے۔

۳۔ تطبیقی اطلاقی معاشیات:

اطلاقی معاشیات میں بیانیہ معاشیات سے حاصل ہونے والی معلومات کو اکٹھا کرلیا جاتا ہے پھر نظریاتی معاشیات کے نظریاتی اور اصولوں کو جمع کر کے ذرائع اور اسباب کو تلاش کیا جاتا ہے اور پھر اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

۴۔ نظریاتی معاشیات کی اقسام:

(Classification of The Oretical Economics)

نظریاتی معاشیات کی دو اہم اقسام یہ ہیں:

۱۔ ایجابی معاشیات ۲۔ فلاحی معاشیات

۱۔ ایجابی معاشیات (Positive Economics):

ایجابی معاشیات کا دوسرا نام اثباتی معاشیات بھی ہے معاشیات کی اس قسم میں انسانی معاشی زندگی کے حقائق کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر جانبدارانہ مشاہدہ اور تجزیہ کیا جاتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو من وعن نقل کر دیا جاتا ہے کسی ذاتی رائے کو اس میں عمل دخل نہیں ہوتا۔

ایجابی معاشیات کی اقسام:(Classification of Positive Economics)

ماہرین معاشیات نے اثباتی معاشیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے وہ حصے یہ ہیں:

۱۔ جزوی معاشیات ۲۔ کلی معاشیات

۱۔ جزوی معاشیات:(Micro Ecomics)

مائیکرو کے معنی کسی شے کے دس لاکھواں حصے کے ہوتے ہیں جب ہم کسی معاشی نظام کے ڈھانچے کا جائزہ لیتے ہیں تو جزوی معاشیات ہماری مدد کرتی ہیں اس معاشی نظام کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں پھر ہر اکائی کا انفرادی مشاہدہ کیا جاتا ہے جزوی معاشیات میں مندرجہ ذیل امور بحث ہوتی ہیں۔

۱۔ نظریہ پیدائش دولت۔(Theory of Production)

۲۔ نظریہ قیمت۔(Theory of Price)

۳۔ نظریہ تقسیم دولت۔(Theory of Wealth Distribution)

۴۔ نظریہ روپیہ صارف۔(Theory of Consumer Behaviour)

۵۔ نظریہ توازن۔(Theory of Firms Eqvilibrivm)

شیخ مبارک علی جزوی معاشیات کی تعریف یوں کرتے ہیں جزوی معاشیات کی کارکردگی کا انفرادی حیثیت سے جائزہ لیا جاتا ہے۔(۸)

۲۔ کلی معاشیات:(Micro Economics)

میکرو کے معنی بڑے کے ہیں اس کا تصور لارڈ کینز نے دیا تھا کلی معاشیات میں مجموعی طور پر قومی آمدنی مجموعی پیداوار قومی بجٹ مجموعی طلب ورسد وغیرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے کلی معاشیات کی اہم مباحث مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قومی آمدنی اور روزگار کا نظریہ۔

۲۔ آمدن میں اتار چڑھاؤ کا نظریہ۔

۳۔ معاشیات زر

۴۔ بین الاقوامی تجارتی نظریہ۔

۵۔ معاشی ترقی کا نظریہ۔

۲۔ فلاحی معاشیات:(Welfare Economics)

فلاحی معاشیات کا تصور سب سے پہلے ڈاکٹر مارشل نے پیش کیا اس کے نظریہ کے مطابق پہلے معاشی حقائق کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور پھر اس سے حاصل ہونے والے تجربات کی روشنی میں یہ پرکھا جاتا ہے کہ کیا یہ انسانی فوز وفلاح میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں یا نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلامی معاشیات کے ماخذ

(Sources of Islamic Economics)

اسلامی معاشیات میں انسان کے معاشی طرز عمل کا احکام الٰہی کی روشنی میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان احکام خداوندی کو معلوم کرنے کے ذرائع ہی اسلامی معاشیات کے مصادر و ماخذ ہیں۔ یہ ماخذ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید:

احکام الٰہی معلوم کرنے کا مستند ترین اولین ماخذ اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے۔ یہ انسان کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے لیے عمومی ہدایت و رہنمائی کا جامع مجموعہ ہے۔ یہ اپنی کامل و اکمل شکل میں محفوظ ہے۔ انسان کی معاشی زندگی سے متعلق بنیادی نوعیت کے رہنما اصول اس کتاب میں ثبت کر دیئے گئے ہیں جن کی روشنی میں ہر عہد کے حالات کے مطابق پیش آمدہ معاشی مسائل کے حل کے لیے مفصل لائحہ عمل تیار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ حلال اشیاء کا صرف اور حرام اسیاء کی ممانعت۔
۲۔ صرف میں اعتدال۔
۳۔ بخل کی مذمت۔
۴۔ لین دین کو ضبط تحریر میں لانا۔
۵۔ سود اور قمار کی حرمت۔
۶۔ باہمی رضامندی پر مبنی تجارت کی حلت (حلال ہونا)۔
۷۔ گردش دولت کا فروغ۔
۸۔ زکوٰۃ کی فرضیت اور قانون وراثت وغیرہ جیسے معاشی طرز عمل سے تعلق رکھنے والے متعدد اصول قرآن پاک میں بیان کیے گئے ہیں۔

ان موضوعات پر غور کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ قرآن پاک میں صرف دولت' اکتساب دولت' تبادلہ اور تقسیم دولت سب کے متعلق بنیادی نوعیت کی ہدایات اور رہنما اصولوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے' جن کی روشنی میں اسلامی معاشیات کے ماہرین معاشی زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں تفصیلی نقشہ کار طے کر سکتے ہیں۔

یہ بنیادی اصول نا قابل تغیر و تنسیخ ہیں۔ البتہ عملی واقعات پر ان کے انطباق (Application) کے متعلق غور و فکر کر کے کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

مثال کے طور پر سود اور قمار (جواء) کی حرمت قرآن پاک سے ثابت ہے۔ تاہم لین دین کی مختلف شکلوں میں ان مفاسد کا تعین اور نشاندہی کرنے کے لیے ذمہ دارانہ تدبر و تفکر کی راہ ہمیشہ کھلی رہے گی۔

۲۔ سنت رسول ﷺ:

قرآن پاک کی طرح سنت رسول رسول اللہ ﷺ بھی احکامات الٰہی کو جاننے کا مستند ذریعہ ہے۔ سنت نبی ﷺ کے ثابت شدہ طریقہ کو کہتے ہیں۔ اس طریقہ کا اظہار خواہ آپ کے قول و فعل سے ہو یا تقریر (سکوت) سے۔ سنت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول ﷺ قرآن پاک کی طرح ہی واجب الاطاعت ہے۔ نبی ﷺ کی حیثیت وحی خداوندی کے وصول کنندہ اور مبلغ کی ہی نہ تھی بلکہ اس وحی کی تبیین، تعبیر، تشریح اور تعلیم بھی آپ کے فرائض نبوت کا حصہ تھی جو آپ نے باتمام وکمال سرانجام دیا۔ یہی سنت رسول ہے۔ اس لیے یہ قرآن پاک سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ اسی کی توضیح وتوسیع ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

''(اللہ کے) رسول جو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس بات سے منع کریں اس سے رک جاؤ''۔ (الحشر:7)

اس ارشاد خداوندی کی تعمیل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کی ایک ایک بات اور ایک ایک عمل اور اشارہ وکنایہ کو نہ صرف صرف پورے غور وانہماک سے سنتے سمجھتے بلکہ ولی شوق وذوق کے ساتھ اسے اپنے قالب عمل میں ڈھال لیتے۔ سیرت رسول ﷺ کا یہی عملی نمونہ تواتر کے ساتھ امت میں منتقل ہوتا آیا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی امت مسلمہ سنت رسول ﷺ کے اس پرنور عمل سے محروم نہیں رہی۔

احادیث نبوی ﷺ کے مستند تحریری مجموعوں مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم ابن ماجہ، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد (جو صحاح ستہ کے نام سے موسوم ہیں) وغیرہ میں اسی سنت رسول کو منضبط ومحفوظ کرنے کی کوشش کی گئی اور عملی ہر دو لحاظ سے رہنمائی موجود ہے۔ مثلاً اشیاء اور وسائل پیداوار کی ملکیت، دولت، اکتساب رزق، تجارت، زراعت، محنت، سرمایہ عاملین پیدائش کے معاوضے، تسعیر (پرائس کنٹرول)، صاف کارویہ، آجر کا طرز عمل، زر واعتبار، سرکاری مالیات، معاشی ترقی اور اقتدار جیسے سینکڑوں موضوعات پر سنت رسول ﷺ میں راہنمائی موجود ہے۔ اسلامی معاشیات کے ماہرین کے لیے اپنے تحقیق وتجزیہ کے سلسلہ میں سنت رسول ﷺ سے رجوع اور استفادہ کرنا ناگزیر ہے۔

۳۔ اجتہاد:

اجتہاد بھی احکام الٰہی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کا لغوی مطلب تو انتہائی کوشش کرنا ہے لیکن اصطلاح شرعیہ میں اس سے مراد وہ انتہائی کوشش ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے اشارات ومضمرات سے کوئی حکم معلوم کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ اجتہاد کی ضرورت انہی امور کے بارے میں پیدا ہوتی ہے جہاں قرآن وسنت میں براہ راست راہنمائی میسر نہ آرہی ہو۔ قرآن وسنت کے نصوص کی موجودگی میں اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر سود کی حرمت قرآن پاک کے واضح حکم سے ثابت ہے اس کے بارے میں کسی آڑ میں یا کسی انداز میں جواز پیدا کرنے کے لیے اجتہاد سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ اسی طرح سنت رسول ﷺ کے ثابت شدہ مسلمات میں کسی فرد یا ادارہ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اجتہاد کے نام پر کوئی تغیر وتبدیلی کرسکے۔

مزید برآں اجتہاد بڑا ہی کٹھن اور ذمہ داری کا کام ہے۔ اس لیے یہ ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ ان ہی افراد کے کرنے کا کام ہے جو اس کے ہر لحاظ سے اہل ہوں۔ اس اہلیت کے لیے لازم ہے کہ وہ میں مندرجہ ذیل اوصاف پائے جاتے ہیں:

۱۔ قرآن وسنت پر کامل عبور۔

۲۔ پیش آمدہ مسائل کی تہہ تک پہنچنے اور ان کے پیش وعقب کو اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت۔

۳۔ دیانت وتقویٰ اور بلند اخلاق وکردار۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اجتہاد کی ضرورت:

اجتہاد ایک متمدن انسانی معاشرہ کی فطری ضرورت ہے۔ انسان کی سماجی زندگی سکون و جمود سے نا آشنا ہے۔ انسانی زندگی میں ہر آن ایسے نئے مسائل اور نئے حالات سامنے آتے رہتے ہیں جن کے حل کے لیے کوئی قرآن وسنت کے ذخیرہ میں واضح انداز میں رہنمائی موجود نہیں ہوتی۔ شریعت اسلامیہ کے تقاضوں مطابق ان مسائل سے عہدہ برآء ہونے کے لیے اصحاب اہلیت وصلاحیت کا اجتہاد ہی راہ کشا ہوسکتا ہے۔ اجتہاد نے شریعت اسلامی میں بے پناہ وسعت اور لچک پیدا کر دی ہے اور اسے ہر زمانہ کے حالات و واقعات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بہرہ ور کر دیا ہے۔ تمدنی تغیرات اور ترقیوں کا عمل یوں تو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری وساری ہے تاہم معاشی شعبہ میں اس کی رفتار بڑی تیز اور ہمہ گیر رہی ہے۔ بالخصوص دور جدید میں انسان کی معاشی زندگی تو بڑے بڑے طوفانی انقلابات سے دو چار ہے۔ نت نئے معاشی مسائل جنم لے رہے ہیں۔ نئے طریق ہائے پیدائش اور کاروباری تنظیم کے اچھوتے انداز ظہور میں آرہے ہیں۔ افراط آبادی کا حل کیا ہو؟ سودی نظام کا متبادل کیا ہو؟ بیمہ کی کیا شکل اختیار کی جائے؟ متاثرین جنگ' سیلاب زدگان اور دیگر آفات سماوی وارضی کی وجہ سے تباہ حال افراد کی امداد و بحالی کے کیا طریقے عمل میں لائے جائیں' وغیرہ۔ وغیرہ۔ سینکڑوں ہزاروں مسائل اسلامی معاشیات کے ماہرین کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ یہ چیز دور حاضر میں اجتہاد کی ضرورت واہمیت کو بخوبی واضح کرتی ہے۔

۴۔ عرف یا رواج:

اسلامی قانون کا ایک ماخذ عرف یا رواج بھی ہے۔ اس سے مراد کسی معاشرہ کا وہ دستور یا طور طریقہ ہے۔

۱۔ جسے فطرت سلیم اور عقل سلیم قبول کرتی ہو۔

۲۔ جو عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

۳۔ جو معاشرہ کے اچھے لوگوں میں رائج اور مقبول ہو۔

معاشرہ کے معروف یعنی اچھے رواجوں کو قرآن پاک میں بھی تسلیم کیا گیا ہے اور ان کے مطابق معاملات طے کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص چاہے کہ اس کے بچہ کو اس کی مطلقہ بیوی دودھ پلائے تو بچہ کے باپ یا ولی پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ دستور کے مطابق عورت کے کھانے' کپڑے اور دیگر ضروریات پوری کرنے کا انتظام کرے۔

''اور بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری ہے دستور (معروف) کے مطابق''۔ (البقرہ:23)

اس طرح یتیم کی جائیداد کے متولی ومنتظم کے بارے میں فرمایا کہ

''اور جو غریب ہو تو دستور (معروف) کے مطابق اپنا خرچ لے لے''۔ (النساء:6)

معاشی میدان میں معروف کا یہ قاعدہ متعدد مسائل کو حل کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ معاشرہ کے یہ رواج وقت گزرنے کے ساتھ بدلتے بھی رہتے ہیں اور انسانی تجربہ سے ان کی بہتر سے بہتر شکلیں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ اس لئے شریعت نے ایسے امور کے لئے مستقل نوعیت کی پابندیاں عائد نہیں کیں۔ مثال کے طور پر دودھ پلانے والی عورت یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یتیم کی املاک کے متولی کے اخراجات ان کی عرفی حیثیت اور مصارف زندگی کے بدل جانے سے یقیناً بدل جائیں گے۔ اس لئے شریعت نے ان امور کے بارے میں فیصلہ کو عرف ورواج پر چھوڑ دیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں بے روزگاری' بیماری' حادثہ اور سماجی تحفظ سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں معاشرہ کے معروف اصولوں کو پیش نظر رکھ کر مناسب فیصلے کئے جاسکتے ہیں۔ اس لئے اسلامی معاشیات کے ماہرین ضروری پالیسیاں وضع کرتے ہوئے اسے پیش نظر رکھ سکتے ہیں۔

۵۔ مصلحت:

مصلحت سے مراد اسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ومفاد ہے۔ جن امور کے بارے میں قرآن وسنت نے نفیاً (Negative) یا اثباتاً (Positive) کوئی حکم نہیں دیا ان کے متعلق فیصلہ کرنے میں اصحاب الرائے اور ارباب حل وعقد کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ جس چیز میں اسلام اور اہل اسلام کی اجتماعی مصلحت پائیں اسے اختیار کریں۔ تاہم اس دائرہ میں بھی اس بات کا التزام کرنا ضروری ہے کہ کوئی ایسا اقدام ظہور میں نہ آئے جو قرآن وسنت کے کسی اصول کے خلاف ہو۔ اس چیز کو بعض فقہاء مصالح مرسلہ اور استحسان سے تعبیر کرتے ہیں۔

معاشی شعبہ زندگی میں اس نوعیت کے معاملات اکثر پیش آتے رہے ہیں۔ زر وسکہ کا رواج' درآمدی وبرآمدی تجارت کے میدان میں کام آنے والے مختلف آلات اعتبار اور ذرائع تبادلہ' ٹیکسوں کے نفاذ' بنکاری وبیمہ اور ترقیاتی منصوبہ بندی سے تعلق رکھنے والے امور وغیرہ کے بارے میں اقتصادی نوعیت کی پالیسیاں بناتے ہوئے اہل اسلام کی اجتماعی مصلحتوں کو پیش نظر رکھنا ماہرین کے لئے لازم ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معاشیات کے بنیادی تصورات

معاشیات کے بنیادی تصورات حسب ذیل ہیں:

۱۔ ذہنی بالیدگی:

اس مفید علم کے مطالعہ کرنے سے انسانی ذہن نشوونما پاتا ہے' دماغی صلاحیت پھلتی پھولتی ہے' غور وفکر کی طاقت تیز ہوتی ہے' تحقیق اور تخلیق کا جذبہ بیدار ہوتا ہے' قوت دلائل مضبوط ہوتی ہے' قوت استدلال زیادہ ہوتی ہے اور سوچ بدلتی ہے۔

۲۔ احساس ذمہ داری:

معاشیات پڑھنے والا اپنی ذمہ داریوں کو خود محسوس کرنے لگتا ہے اور دوسروں پر بارگراں بننے کی بجائے اپنی طرز فکر میں تبدیلی لاتا ہے' اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تگ ودو میں مصروف ہو جاتا ہے۔

۳۔ قومی بقاء:

ملک میں امن وامان قائم کرنے اور مضبوط دفاع رکھنے کے لئے بھی اس کا مطالعہ ازبس ضروری ہے جیسا کہ آدم سمتھ کا کہنا ہے:

''کسی قوم کے لئے اُس کی سلامتی دولت کی فراوانی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے لیکن بقا اور سلامتی خود معاشیات پر ہی منحصر ہوتی ہے۔''

اس بیان سے معاشیات کی اہمیت بہت زیادہ اُجاگر ہوتی ہے جو قوم معاشی طور پہ کمزور اور ناتواں ہو وہ ملّی یکجہتی سے محروم ہوتی ہے' اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتی اور ہمیشہ اس کی نظریں طاقتوروں کی چوکھٹ پر لگی رہتی ہیں۔ وہ نظریاتی لحاظ سے بھی دولت مند اقوام کی پابند ہوتی ہے اور انہی کے معاشی نظام کے زیر اثر رہتی ہے۔

۴۔ حالات سے واقفیت:

کوئی بھی انسان گردوپیش کے حالات سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ علم معاشیات نئے نئے پیدا ہونے والے واقعات جیسا کہ افراط زر پر کنٹرول' ٹیکس' بجٹ سازی' منصوبہ بندی' بحرانی کیفیت' غیر ملکی امداد' تخفیف زر' زرعی صنعتی مالیاتی اصلاحات قلت خوراک اور راشننگ جیسی معلومات اسی علم سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ گویا معلومات پر مبنی ہیں۔ اہم اصطلاحات سے واقفیت ہوتی ہے۔

۵۔ کفایت شعاری کی ترغیب:

اس علم کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنے محدود ذرائع کے اندر رہتے ہوئے کفایت شعاری کا سبق ملتا ہے اور انہی کی مدد سے زیادہ سے زیادہ حاجات پوری کی جاتی ہیں۔

۶۔ معاشی نظام سے روشناسی:

اب تک دنیا بہت سے معاشی نظاموں کے ادوار سے گزر چکی ہے۔ ان میں زیادہ اہم سرمایہ داریت' اشتراقیت' اشتمالیت' فاشیت' نازیت اور اسلامیت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب تک علم معاشیات کا مطالعہ نہ کیا جائے ان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کسی نظام کی خصوصیات اور کارکردگی کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس بات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے ملک کا معاشی ڈھانچہ کیسا ہے۔ یہ معاشیات کے علمی فوائد کہلاتے ہیں۔ مزید برآں اس کی عملی افادیت کے نکات یہ ہیں۔ کئی شعبوں کا ربط قائم کرنے میں مدد ملتی ہے اور قومی معیشت کی تصویر ابھرتی ہے۔

۷۔ معاشی مسائل کا علاج:

دنیا کے دو تہائی حصہ پر مشتمل ممالک کو بہت سے معاشی مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں زیادہ اہم زرعی صنعتی پسماندگی، مالیاتی اداروں کی غیر تسلی بخش کارکردگی، کثرت آبادی، دولت کی غیر عادلانہ تقسیم، بے روزگاری، بیماری، ناداری، افراط زر، زرمبادلہ کی کمی، ذرائع سے عدم استفادہ وغیرہ اہم مسائل ہیں جن کا علاج علم معاشیات ہی تجویز کرسکتا ہے۔

۸۔ خوشحال زندگی:

غربت کا خاتمہ کرنے سے ہی خوشحال زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔ غربت ایسا سنگین مسئلہ ہے کہ پسماندہ ممالک اس کے منحوس چکر میں ہی گرفتار رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قومی پیداوار کم ہوتی ہے، بچت تھوڑی رہتی ہے، سرمایہ کاری بھی زیادہ نہیں ہوسکتی اور یوں ملک پسماندگی میں مبتلا رہتا ہے۔

۹۔ منصوبہ بندی:

موجودہ دور میں معاشی منصوبہ بندی کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ قوموں کی ترقی کا دارومدار جامع مضبوط اور ٹھوس منصوبہ بندی پر ہے۔ معیشت دان اچھی قسم کی منصوبہ بندی کرکے معاشرہ کو ترقی کی دہلیز پر گامزن کرسکتے ہیں۔ افلاس کا خاتمہ بھی اچھی منصوبہ بندی کا محتاج ہے۔ مفلسی ایک لعنت ہے اور یہ انسان کو کفر تک پہنچا سکتی ہے لہٰذا حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی اس کے خاتمہ کی ضمانت دے سکتی ہے۔

۱۰۔ دولت کی ناہمواری کا خاتمہ:

موجودہ دور میں بہت سے ایسے معاشرے ہیں جہاں تقسیم دولت میں برابری نہیں پائی جاتی بلکہ اس کی تقسیم بہت ہی غلط ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر رہتا ہے۔ اس عدم مساوات سے متعدد معاشی، سماجی، تمدنی اور سیاسی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ دنیا کے اکثر مذاہب دولت کی جائز تقسیم پر زور دیتے ہیں جیسا کہ قرآن وحدیث میں بھی ہے کہ ''دولت صرف امیروں میں ہی نہ گھومتی رہے'' لہٰذا اس کی تقسیم اور پھیلاؤ پر سخت زور دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ لازمی کی گئی ہے اور سورہ بقرہ میں زائد از ضرورت مال کو خرچ کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ نیز قانون وراثت اموال غنیمت اور صدقات وغیرہ کی تاکید کی گئی ہے۔ سود کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

۱۱۔ بجٹ سازی:

موجودہ زمانے میں ہر ملک سالانہ آمدنی اور خرچ کا گوشوارہ تیار کرتا ہے جسے بجٹ کہتے ہیں۔ معاشی اصول اور قوانین اس کی ترتیب کے لئے رہنمائی کرتے ہیں۔ معاشی حالات کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱۲۔ عوام کے لئے آگاہی:

کامیاب اور اچھا شہری بننے کے لئے معاشی سوجھ بوجھ رکھنا ضروری ہے۔ صارف اپنے حالات کو پیش نظر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہوئے طرز عمل اختیار کرتا ہے ہے جو اقتصادی مسائل حل کر سکے اس طرح صارفین کو آگاہی ملتی ہے۔

۱۳۔ سیاست دانوں کی رہنمائی:

مختلف سیاسی جماعتیں اپنے اپنے منشور بناتی ہیں۔ اگر وہ کسی معاشیات کے عالم کی خدمات حاصل کریں تو ایک صحیح قسم کا معاشی پروگرام بنایا جاسکتا ہے جس پر آئندہ عمل درآمد کرنے سے معاشی مسائل کو حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

۱۴۔ صنعت کاروں اور تاجروں کے لئے:

علم اقتصادیات کا مطالعہ تاجروں اور صنعت کاروں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ کاروباری اتار چڑھاؤ، طلب و رسد میں تغیر، قیمتوں میں کمی بیشی، بیرونی تجارت اور ٹیکسوں کے اثرات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

۱۵۔ مزدور رہنماؤں کے لئے:

موجودہ دور میں حالات بہت پلٹا کھاتے ہیں۔ ٹریڈ یونین قائم کی جاتی ہے لہٰذا مزدوروں کے رہنما کے لئے معاشیات کی واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے مفادات کا تحفظ کر سکیں۔

۱۶۔ روزگار کا چناؤ:

آج کل روزگار کا حاصل کرنا خاصی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ معاشیات کا مطالعہ روزگار کے بارے میں مفید معلومات فراہم کرتا ہے اور خواندہ افراد ایسے شعبے میں جانے کی کوششیں کرتے ہیں جہاں آمدنی کے ذرائع معقول ہوں۔

۱۷۔ ذرائع کا استعمال:

قدرتی اور انسانی ذرائع کا بھرپور استعمال اسی صورت میں ممکن ہے جب معاشی اصول وضوابط سے آگاہی حاصل ہو نیز افرادی قوت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا اس کے مطالعہ سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

۱۸۔ پیداوار میں اضافہ:

مجموعی قومی پیداوار کو بڑھانا کسی ملک کی اہم پالیسی میں شامل ہوتا ہے جب تک قومی آمدنی میں اضافہ نہ کیا جائے اُس وقت تک فی کس آمدنی نہیں بڑھ سکتی اور نہ ہی معیار زندگی بلند ہوسکتا ہے۔ غربت کو ختم کرنے کا راز اشیاء و خدمات کی مقدار میں اضافہ ہے۔

۱۹۔ معاشرتی افکار میں تبدیلی:

غیر ترقی یافتہ ملکوں کے افراد غلط قسم کے رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن میں ترقی کرنے کا جذبہ مفقود ہوتا ہے، آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ کام کرنے کی استعداد تھوڑی ہوتی ہے۔ بچت اور سرمایہ کاری کو کوئی خاص وقعت نہیں دیتے۔ جہالت اور قدامت پسندی کا زور ہوتا ہے۔ زمیندار، صنعت کار، آجر اور تاجر طبقہ طاقتور ہونے کے سبب دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ اس لئے معاشیات کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ سماجی قدروں میں تبدیلی لائی جاسکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۰۔ حکمرانوں اور وزیر خزانہ کے لئے:

ایسے لوگ جن کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہو اُن کے لئے بھی علم معاشیات کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ عوام کے مسائل کو حل کر سکیں۔ اگر حکمران طبقہ اس علم سے نابلد ہو تو وہ کوئی موزوں معاشی پالیسی وضع نہیں کر سکتے نیز اُس کے وزیر خزانہ کے لئے تو ماہر ہونا ضروری ہے۔ مزید برآں ایسے سرکاری افسر جو منصوبہ بندی ڈویژن' خزانہ' محنت' معاشرتی بہبود اور بین الصوبائی رابطہ کمیٹی جیسے شعبوں سے منسلک ہوں' انہیں خاص واقفیت ہونا چاہئے تا کہ سرکاری پالیسیاں پروان چڑھ سکیں۔

۲۱۔ سیاسی استحکام:

معاشیات کا علم امن و امان قائم رکھنے اور سیاسی فضاء کو ہموار کرنے کی تلقین کرتا ہے تا کہ ہڑتالوں' تالہ بندیوں' انقلابوں' بے چینیوں اور بدامنیوں کی نوبت نہ آنے پائے۔ چونکہ جتنے زیادہ معاشی مسائل ہوں گے' اتنا ہی معاشرہ بے چینی اور عدم اطمینانی کا شکار ہوگا۔

۲۲۔ امیر اور غریب ممالک کے لئے:

اس علم کا مطالعہ نہ صرف غریب ممالک کے لئے ضروری ہے بلکہ امیر ملکوں کے لئے بھی رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ اُن کے لئے یہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ترقیاتی عمل کو جاری رکھتے ہوئے حاصل کردہ ترقی کی معراج کو بھی مستحکم رکھ سکیں نیز معاشرے کی زیادہ سے زیادہ بھلائی کے لئے غریب ملکوں کی امداد کے لئے عالمی مالیاتی تنظیموں میں اپنا حصہ بڑھانے کے لئے اپنی زائد پیداوار کو برآمد کرنے کے لئے بین الاقوامی منڈی میں صحت مند مقابلہ پیدا کرنے کے لئے علم اور فن کو پھیلانے کے لئے زیادہ سے زیادہ فنڈز مختص کر سکیں۔

جہاں تک غریب ملکوں کا تعلق ہے انہیں بہت سے شدید مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ انہیں حل کرنے کے لئے معلومات کا خزانہ معاشی ادب سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کی زرعی صنعتی اور تجارتی ترقی میں کئی رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں۔ بنکاری' بیمہ کاری کے ادارے مستحکم نہیں ہوتے۔ قومی آمدنی پست ہونے سے فی کس آمدنی تھوڑی ہوتی ہے۔ مہنگائی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ مختلف شعبوں میں اضطراب اور پریشانی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اشیاء کی منڈی میں کئی نقائص پائے جاتے ہیں۔ طلب اور رسد میں ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ ماہرین کی قلت ہوتی ہے۔ قدرتی انسانی ذرائع کا پورا استعمال نہیں ہوتا۔ دولت کی غیر مساویانہ تقسیم سے کئی طبقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ سرکاری ملازمین فرموں کے اور مختلف انجمنوں کے ملازمین کی تنخواہیں اور مزدوروں کی اُجرتیں ناکافی ہوتی ہیں۔ ان کی کارکردگی بھی حوصلہ مند نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں ذرائع بار برداری اور خبر رسانی میں کمی ہوتی ہے۔ تقسیم کار کا اصول نہیں اپنایا جاتا۔ مختلف شعبوں میں ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ بہت سے کام سرخ فیتہ کا نشانہ بنتے ہیں۔ حکومت کے ذرائع آمدنی کم ہوتے ہیں۔ قرضوں کا بہت زیادہ بوجھ ہوتا ہے۔ معاشی نظام کی کارکردگی پوری طرح جلوہ گر نہیں ہوتی۔ ملک آئے دن متعدد مسائل کا شکار رہتا ہے جس کی وجہ سے ہمہ گیر ترقی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔

مزید برآں آبادی تیز رفتاری سے بڑھتی ہے اور بے روزگاری بھی پھیلتی جاتی ہے۔ راتوں رات امیر بننے کی دھن سوار رہتی ہے اور اس دوڑ میں جائز ناجائز' صحیح اور غلط کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معاشیات بمقابلہ مغربی معاشیات

اسلامی معاشیات اور جدید مغربی معاشیات جس میں اشتراکی معاشیات بھی شامل ہے اگرچہ انسان کے معاشی رویہ سے ہی بحث کرتی ہیں لیکن ان کے طریق مطالعہ اور مقاصد ومنہاج میں کئی پہلوؤں سے بنیادی فرق پایا جاتا ہے ذیل میں اس اختلاف کے اہم نکات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

بنیادی مفروضات کا فرق:

ہر علم.....قدرتی ہو یا معاشرتی.....چند بنیادی مفروضات (Assumptions or Postulates) پر مبنی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں بالخصوص کائنات اور کائنات میں انسان کی حیثیت اور دونوں کے باہمی تعلق کے بارے میں پائے جانے والے تصورات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اسلامی معاشیات اور جدید معاشیات کا فرق واختلاف اسی نقطہ آغاز سے ہو جاتا ہے۔

ا۔ تصور کائنات:

مغربی معاشیات کا سارا تانا بانا اس فکر سے تیار ہوا ہے کہ کائنات محض ایک مادی وجود ہے اور اس اعتبار سے مادہ کی تمام خصوصیات.....محدودیت اور عدم فنا پذیری.....اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اسی تصور سے وسائل رزق کی محدودیت وکمیابی (Scarcity) نے جنم لیا ہے اور وسائل کی یہ کمیابی ہی معاشی مسئلہ کے وجود میں آنے کی اصل بنیاد ہے۔ پروفیسر رابنز کے الفاظ میں ''معاشیات وہ علم ہے جو انسان کے اس رویہ کے مطالعہ کرتا ہے جو ایک سے زائد طریقوں سے استعمال میں آنے والے کمیابی ذرائع اور کثیر مقاصد کے مابین بطور ایک رابطہ کے ظاہر ہو۔

وسائل کائنات کی کمیابی کا یہ تصور افراد میں جارحانہ خود غرضی' مسابقت اور باہمی کشمکش کو جنم دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں زور اور بہتر وسائل سے بہرہ ور افراد تو اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ وسائل رزق سمیٹ لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جبکہ کمزور افراد اس معاشی دوڑ میں بہت پیچھے اور محرومیوں کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلامی معاشیات کی بنیاد اس تصور پر قائم ہے کہ کائنات ایک علیم وخبیر خالق کی تخلیق ہے جو اپنی صفات ربوبیت' رزاقیت اور قدرت وقیومیت کے ساتھ اس کی تدبیر اور نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے اس کائنات کے گوشہ گوشہ میں' زمین کی تہوں' مٹی کے ذروں' سمندر کی لہروں اور افلاک کی پہنائیوں میں انسان ہی نہیں جملہ موجودات کے لئے رزق کے اتھاہ خزانے اور لامتناہی وسائل پیدا کر رکھے ہیں۔ وہ ذات رب العالمین ہونے کی دعویدار ہے اس لئے اس کی شان کو یہی زیبا ہے کہ اس نے اپنی مخلوق جسے وہ اپنا کنبہ گردانتا ہے الخلق عیال اللہ (تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کی پرورش وضرورت کا سامان بہ تمام وکمال مہیا کر رکھا ہو۔ وسائل رزق کی کمیابی کے تصور سے اس کی صفات عالیہ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے جب کہ وہ ذات ہر نقص سے پاک' بے عیب وبے خطا ہے۔

وسائل رزق کی کثرت ولامحدودیت کے ساتھ ساتھ اس نے انسان کو احسن تقویم یعنی بہترین ساخت میں پیدا کر کے اسے ان تمام فکری وعملی صلاحیتوں سے آراستہ کر دیا ہے جو خزائن کائنات سے استفادہ کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

مادی تصور کائنات کے برعکس اس اسلامی تصور کائنات سے انسان وسائل رزق کی قلت وکمیابی سے پیدا ہونے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی مایوسی' تنگ دلی اور کود غرضانہ ذہنیت سے نجات پالیتا ہے۔ اس کے قلب ونظر میں وسعت وکشادگی پیدا ہوتی ہے جس سے عملی زندگی میں سیر چشمی' انسانی ہمدردی' ایثار اور تعاون باہمی کے ارفع جذبات کا ظہور ہوتا ہے۔

۲۔ تصور انسان:

تصور کائنات کی طرح مغربی معاشیات اور اسلامی معاشیات کا تصور انسان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اول الذکر کے نزدیک انسان کائنات میں پائے جانے والے دیگر حیوانات کی طرح محض ایک حیوان ہے جو اپنے جبلی داعیات کے تحت اعمال حیات سرانجام دیتا ہے۔

اس اعتبار سے جو اصول وقوانین دیگر حیوانات پر لاگو ہوتے ہیں اس کی زندگی اور اعمال زندگی پر بھی انہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ڈارون (Darwin) کے نقطہ میں کارفرما ہے نوع انسانی کے افراد میں بھی اس کی علمداری پائی جاتی ہے۔ انسان کے حیاتیاتی ارتقاء کے باوجود اس کی حیوانائی سطح میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ معاشیات کی نظر میں اس کا یہی حیواناتی پہلو اصل اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی جسمانی ومادی احتیاجات کی تسکین کا انتظام کس انداز میں کیا جائے۔ اسلامی معاسیات کا انسان کے بارے میں تصور یہ ہے کہ انسان اس روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ یعنی نائب ہے جسے اس نے اہتمام خاص کے ساتھ اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور اس کی فطرت میں اپنی قدوسی روح پھونک کر اس پر اپنی صفات کا پرتو ڈالا ہے۔ اس اعتبار سے اس کائنات میں اس کا مرتبہ' مقام مخلوقات سے اعلیٰ واشرف ہے۔ وہ محض ایک حیوان نہیں بلکہ ایک قدوسی وجود ہے۔ جسے اس کے خلاق وپروردگار نے اپنے احکامات ومرضیات کی تنفیذ کے لئے منتخب کیا ہے۔ اس لئے وہ اعلیٰ اور کریمانہ سلوک کا مستحق ہے۔ اسے روٹی اور روزی کے لئے ذلیل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی غلامی و بیگار کی زنجیروں میں اسے جکڑا جا سکتا ہے جو اس کے شرف سے شایاں اور طبعیات ورزق کریم کی فراہمی کا ضامن ہو۔

۳۔ معاشی انسان کا مفروضہ:

مغربی معاشیات حیوانی انسان کے اندر ایک معاشی انسان (Economic Man) کی موجودگی کا بھی تصور رکھتی ہے جس کی فطرت کا خمیر خود غرضی' خود پرستی سے تیار ہوا ہے۔ یہ معاشی انسان ہر معاملہ میں اپنے ذاتی مفاد کے لئے کوشاں اور اپنے وسائل سے زیادہ سے زیادہ تسکین حاصل کرنے اور زیادہ سے زیادہ منافع کمانی کے لئے بے قرار اور سرگرم عمل رہتا ہے۔ اس کے قوائے عمل حصول مسرت اور دفعیہ الم (رنج کو دور کرنا) کے احساسات کے تحت ہی حرکت میں آتے ہیں۔ فطرت انسانی کا یہ تصور افراد معاشرہ میں خود غرضانہ مفاد پرستی' گردن توڑ مقابلہ اور بے درد کشمکش کو ہی جنم دے سکتا ہے۔ ایثار' ہمدردی' ترحم اور تعاون کے جذبات ایسے انسانوں کے سینوں میں ہرگز موجود نہیں ہو سکتے۔

اسلامی معاشیات فطرت انسانی کے اس تصور کی تائید نہیں کرتی۔ وہ اسے رب رحیم کی تخلیق کا بہترین شاہکار سمجھتی ہے جو اپنے اندر اپنے خالق کی ارفع واعلیٰ صفات کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ اسلامی معاشیات گوشت پوست کے انسانی ہیولا میں اخلاقی انسان (Moral Man) کی موجودگی کا تصور رکھتی ہے اور اس کی نگاہ میں انسان کی معاشی سرگرمیوں کو مثبت' تعمیری اور مفید خطوط پر استوار رکھنے کے لئے اخلاقی انسان' کی بیداری اور برتری زیادہ توجہ طلب ہے۔ اخلاقی انسان' اپنی صفات عدل وانصاف' ایثار واحسان اور امداد وتعاون سے افراد کی احتیاجات کی تسکین کا ایسا خوشگوار اور سازگار ماحول وجود میں لا سکتا ہے جو ظلم اور استحصال کی ہر شکل سے پاک ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ اخلاقی اقدار کی عملداری کا فرق:

ایک علم کی حیثیت سے اسلامی معاشیات اصلاً ہدایاتی یا معیاراتی (Normative Science) ہے۔ اس میں انسانی طرز عمل کا مطالعہ چند اخلاقی اقدار کے تحت ہی کیا جاتا ہے اور ان کی روشنی میں اس کے حسن و قبح یا جائز و ناجائز کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ صرف کے کون سے انداز درست ہیں اور کون سے غلط۔ یہ پیدائش دولت اور اکتساب رزق کے کون سے طریقے جائز اور کون سے ناجائز ہیں۔ اسی طرح تبادلہ و تجارت کی سرگرمیوں کو حلال و حرام کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ تاہم یہاں اثباتی (Positive) پہلو سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا۔ اسلامی معاشیات میں انسان کے معاشی رویہ کا مطالعہ مخصوص حالات و واقعات کے اندر ہی کیا جاتا ہے۔

اسلامی معاشیات قرآن و سنت کے اوامر و نواہی اور اخلاقی اقدار کے معاشی متغیرات (Economic Variable) پر اثرات کا مطالعہ کرتی ہے۔ شریعت اسلامی نے سود کی ممانعت کی ہے۔ اسلامی معاشیات میں اس بات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا کہ تنسیخ سود سے سرمایہ کاری، صرف و بچت اور روزگار کے معیار پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح حقائق کی بنیاد پر دیکھا جائے گا کہ زکوٰۃ و انفاق سے معاشرہ کی صرفی سطح اور انداز (Pattern) کس طرح متاثر ہوگا۔ اور تقسیم دولت کے نظام میں کیا تغیرات رونما ہوں گے۔

اس کے برعکس مغربی معاشیات بنیادی طور پر اثباتی (Positive) ہے اور ماہرین معاشیات کی غالب اکثریت کو اس کے اثباتی ہونے پر اصرار ہے۔ وہ اس کے معیاراتی رنگ یعنی انسانی اعمال کی اچھے اور برے یا مفید و مضر ہونے کے بارے میں رائے قائم کرنے کو اس کی سائنسی روح کے منافی قرار دیتے ہیں یعنی وہ معاشی حقائق کے محض مطالعہ اور تجزیہ تک اپنی کوشش کو محدود رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اخلاقی اقدار معاشی رویہ کے مطالعہ کے لئے غیر ضروری و غیر متعلق ہیں۔ پروفیسر رابنز کے الفاظ میں۔

''معاشیات مقاصد کے (اچھا یا برا ہونے کے) بارے میں غیر جانبدار ہے''۔

اس طرح مغربی ماہرین معاشیات نے انسان کے معاشی رویہ کو اخلاقی اقدار سے بے نیاز کر کے ظلم و استحصال کی راہ کھول دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے مثال اقتصادی ترقی اور اشیائے استعمال کی کثیر پیداوار کے باوجود انسانوں کی غالب اکثریت معاشی آسودگی کی نعمت سے محروم ہے۔

۵۔ مقاصد کا فرق:

مغربی معاشیات کا منتہائی مقصود فرد کی مادی خوشحالی یا مادی فلاح ہے۔ الفرڈ مارشل اور اس کے متبعین تو اسے مادی فلاح (Material Welfare) کا ہی علم قرار دیتے ہیں۔ مارشل کے الفاظ ہیں۔

یہ علم انسان کی انفرادی اور اجتماعی جدوجہد کے اس حصہ کا جائزہ ہے۔ جس کا اس چیز سے گہرا تعلق ہے کہ خوشحال زندگی کے مادی لوازمات کیوں کر حاصل کئے جاتے ہیں اور انہیں کس طرح صرف کیا جاتا ہے۔

کینن کے نزدیک معاشیات کا مقصد ان عمومیا سباب کی وضاحت کرنا ہے جن پر انسانوں کی مادی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔

اسلامی معاشیات اس نقطہ نظر کی مکمل طور پر تائید نہیں کرتی۔ وہ فلاح کو معاشی جدوجہد کا مقصود تو ضرور قرار دیتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن اس کے نزدیک فلاح کا تصور محض انسان کی اس دنیا کی مادی ضروریات کی تسکین تک محدود نہیں ہے۔ وہ فلاح کے اس تصور کو اہمیت دیتی ہے جو اسلام کے عمومی نظریہ حیات سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور وہ ہے اخروی زندگی کی دائمی فلاح و کامیابی۔ اس اعتبار سے دنیوی فلاح کی وہی شکل اس کے نزدیک معاشیات کا مقصد قرار پا سکتی ہے جو آخرت کی ابدی فلاح کے حصول میں معین و مددگار ہو۔ صرف و پیدائش اور تبادلہ و تقسیم دولت کو جو اقدامات اخروی فلاح سے متعارض و متصادم ہوں وہ اسلامی معاشیات کے دائرہ سے خارج متصور ہوتے ہیں۔

۶۔ دائرہ بحث کا فرق:

مقاصد کا فرق مغربی اور اسلامی معاشیات کے دائرہ بحث میں بھی فرق پیدا کر دیتا ہے۔ مغربی معاشیات کا دائرہ بحث انسان کی صرف ان سرگرمیوں تک محدود ہے جو اس کی مادی فلاح و بہبود کا باعث ہیں۔ پروفیسر رابنز کی معاشیات کی تعریف بھی اس علم کو کثیر مقاصد اور کمیاب ذریعہ کے مابین انتخاب کے عمل کے مطالعہ تک محدود کر دیتی ہے لیکن اسلامی معاشیات اس علم کی حدود کو وسیع کر دیتی ہے۔ وہ نہ صرف دنیاوی اعتبار سے مادی فلاح کے اسباب کو زیر بحث لاتی ہے بلکہ وہ اخروی فلاح کے وسیع تناظر میں رکھ کر انسانی رویہ کا مطالعہ و تجزیہ کرتی ہے۔ ایک اور پہلو سے بھی اسلامی معاشیات کا دائرہ مغربی معاشیات سے وسیع ہے۔

مغربی معاشیات کا میدان کار متغیرات بازار (Market Variables) یا معاشی متغیرات مثلاً طلب و رسد، بچت، سرمایہ کاری، شرح سود، شرح اجرت، مصارف پیدائش اور صرف کے معیار وغیرہ تک ہی محدود ہے۔ حالانکہ یہ معاشی متغیرات بذات کود متعدد غیر معاشی عوامل سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن مغربی معاشیات میں انہیں خارجی عوامل قرار دے کر ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

انسان کے معاشی رویہ کے مطالعہ کے بارے میں اسلامی معاشیات کا طریقہ بین العلمی (Inter-disciplinry) ہے۔ یعنی پورے معاشرتی نظام کے وسیع تناظر میں رکھ کر اس کا تجزیہ و مطالعہ کیا جاتا ہے۔ معاشی متغیرات پر غور و فکر کرتے ہوئے نہ صرف ان کے دیگر شعبہ ہائے حیات کے ساتھ روابط کو پیش نظر رکھا جاتا ہے بلکہ ان نتائج و اثرات پر بھی نگاہ رکھی جاتی ہے جو ان متغیرات کے باہمی عمل و ردعمل سے اخروی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔

بالفاظ دیگر مغربی معاشیات صرف اور صرف معاشیات ہی ہے جبکہ اسلامی معاشیات، معاشیات کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ ہے۔ اسلامی معاشیات کے ایک ماہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف معاشی امور کا ہی نہ ہو بلکہ دیگر معاشرتی علوم کا بھی شعور و ادراک رکھتا ہو۔

تاہم ایک لحاظ سے اسلامی معاشیات کا دائرہ مغربی معاشیات کے مقابلہ میں محدود ہے۔ اسلامی معاشیات انسان کی ان ہی سرگرمیوں کو زیر بحث لاتی ہے جو قرآن و سنت کے عطا کردہ اخلاقی معیار پر پورا اترتی ہیں۔ مثال کے طور پر صرف و تبادلہ وغیرہ کے حرام ذرائع کو اسلامی معاشیات میں سرے سے زیر مطالعہ ہی نہیں لایا جائے گا۔ سود اور قمار معاشیات کی تشکیل میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اسلامی معاشیات کے دائرہ سے یکسر خارج ہوں گے۔

۷۔ طریقہ تحقیق کا فرق:

مغربی ماہرین معاشیات کا دعویٰ ہے کہ ان کا طریق تحقیق تجرباتی اور معروضی (Empirical and

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Objective) ہے۔ یہاں انسانی طرز عمل کا حقائق کی روشنی میں ہی جائزہ لیا جاتا ہے اور کسی قسم کے خارجی مابعد الطبیعاتی تصورات اور اخلاقی اقدار کو اس تجزیہ و مطالعہ پر اثر انداز نہیں ہونے دیا جاتا۔ اسلامی معاشیات بھی اپنا مواد معاشی زندگی کے حقائق سے اخذ کرتی ہے اور انسانی طرز عمل کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھنا بھی اس کے طریق مطالعہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن اس کی علاوہ بھی اس کے پاس انسانی اعمال و افعال کو جانچنے پرکھنے اور اس سے آگے بڑھ کر رہنمائی مہیا کرنے کا ایک مابعد الطبیعاتی ذریعہ وحی الٰہی کی شکل میں موجود ہے۔ انسانی تجربہ و مشاہدہ اس بات پر گواہ ہے کہ تجرباتی طریق تحقیق میں غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ تجرباتی طریق تحقیق کے بے خطا ہونے کے لیے جس نوعیت کا علم محیط درکار ہے وہ انسانی عقل و حواس کی دسترس سے باہر ہے۔ وحی الٰہی کا ماخذ چونکہ علیم و خبیر خدا کی ذات ہوتی ہے اس لیے یہ ہر لحاظ سے بے عیب اور قابل اعتماد ہے۔

مثال کے طور پر تجرباتی طور پر یہ بات تسلیم شدہ حقیقت تصور کی جاتی ہے کہ کسی شے کی قیمت میں کمی سے اس کی طلب پھیل جاتی ہے اور قیمت میں اضافہ سے طلب سکڑ جاتی ہے لیکن ایک اسلامی معاشرہ میں جہاں لوگوں کے فکر و عمل میں صحیح اسلامی روح جاری و ساری ہوگی وہاں شراب یا اس جیسی کسی اور حرام سے کی قیمت میں کمی اس کی طلب میں قطعاً کسی اضافہ کا باعث نہیں بنے گی کیونکہ افراد معاشرہ پر بذریعہ وحی الٰہی یہ حقیقت عیاں کی جا چکی ہے کہ شراب حرام اور ام الخبائث ہے۔ نیز یہ کہ حرمت شراب کا یہ حکم اس کے محض معاشی مفاسد پر مبنی نہیں بلکہ اس کے عمومی و اجتماعی اثرات کی بناء پر دیا گیا ہے۔

۸۔ علم و فن کا فرق:

مغربی معاشیین کی غالب اکثریت معاشیات کو محض ایک علم تک محدود رکھنے کی طرف میلان رکھتی ہے اور وہ بھی صرف اثباتی علم (Positive Science) تک۔ معاشیات کو ہدایاتی علم (Normative Science) قرار دینے اور بالخصوص اس کو ایک فن کا درجہ دینے کے بارے میں ان کے درمیان واضح اختلاف موجود ہے۔

اسلامی معاشیات کے ماہرین کے نزدیک معاشیات نہ صرف اثباتی اور ہدایاتی علم ہے بلکہ یہ اس کے ساتھ ساتھ ایک فن بھی ہے۔ اسلامی معاشیات معاشی حقائق کا نہ صرف مطالعہ و تجزیہ کرتی ہے بلکہ وہ پیش آمدہ مسائل کے حل کی تدابیر کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر یہاں معاشرہ میں پائی جانے والی تقسیم دولت کی ناہمواریوں کے اسباب و اثرات کا نہ صرف جائزہ لیا جائے گا بلکہ اسے دور کرنے اور تقسیم دولت کے نظام کو منصفانہ بنانے کے لیے عملی اقدامات' بھی تجویز کیے جائیں گے۔ قرآن و سنت کی رو سے اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کی طرح ماہرین معاشیات پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی بھلائیوں کا حکم دینے اور برائیوں کا دفعیہ کرنے کے سلسلہ میں اپنا فریضہ انجام دیں۔ اس اعتبار سے ان کا کام محض مشاہدہ و مطالعہ تک محدود ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ ایک اچھے معالج کی طرح معاشی روگ کا علاج تجویز کرنا بھی ان کے لئے لازم قرار پاتا ہے۔

۹۔ شعبہ جاتی اہمیت کا فرق:

مغربی معاشیات کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس کی توجہ کا اصل مرکز پیدائش دولت کا شعبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ماہرین معاشیات پیدائش دولت کے امور و مسائل کے ساتھ جس شرح و بسط کے ساتھ بحثیں کرتے ہیں' صرف و تبادلہ اور بالخصوص تقسیم دولت کے ساتھ ان کی دلچسپی کا انداز وہ نہیں ہوتا۔ ان کا یہ طرز عمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسائل کی کامیابی کے بنیادی مفروضہ کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس مفروضہ کی موجودگی نے وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنیکی تدابیر پر ان کی توجہ کو مرکوز کر دیا ہے۔ اس انداز فکر و عمل سے تقسیم دولت کا شعبہ بالخصوص بری طرح متاثر ہوا ہے۔ دولت کی تقسیم کو ہموار اور منصفانہ رکھنے کے بجائے پیدائش دولت اور افزائش دولت پر توجہ مرکوز ہو جانے سے وسائل دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ جانے کا رجحان پیدا ہوا ہے جس نے امارت و خوش حالی کے پہلو بہ پہلو گھمبیر غربت و افلاس کو پیدا کر دیا ہے۔ اسلامی معاشیات میں اگرچہ معاشی زندگی کے تمام شعبوں میں صرف دولت' پیدائش دولت' تبادلہ دولت اور تقسیم دولت میں ایک توازن پیدا کرنے کا انداز اختیار کیا گیا ہے تاہم تقسیم دولت اس کی خصوصی توجہ کا مرکز ہے۔ تقسیم دولت کو منصفانہ بنانے اور ہر عامل پیدائش کو اس کی سعی و جہد کا منصفانہ معاوض دلانے کے مسئلہ کو یہاں بڑی اہمیت دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں عمومی اور خصوصی نوعیت کے اقدامات تجویز کئے گئے ہیں۔ اسراف و تبذیر اور بخل کی ممانعت' حرام ذرائع اکتساب کا سد باب اور صرف حلال ذرائع کی اجازت نیز زکوٰۃ و صدقات اور قانون وراثت وغیرہ کے احکامات منصفانہ تقسیم دولت کی اہمیت کو ہی اجاگر کرتے ہیں۔

متذکرہ بالا بحث سے اسلامی معاشیات اور مغربی معاشیات کا فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ انسان کے معاشی رویہ کا مطالعہ دونوں کا موضوع بحث ہے لیکن ان کا انداز مطالعہ و تجزیہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔

حوالہ جات

1. F. Zuethen
2. Philip H.Wicksteed
3. Professor Erich Roll
4. T. Scitovisky
5. C.E. Fergusin--- Micro Economic Theory
6. W. Storier and D. Hague--- A Text Book of Economic Theory.
7. M.L. Ghingan--- Micro Economic Theory

۸۔ تعارف معاشیات جدید، از شیخ مبارک علی، ص:37

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب:

معاشیات کے ارتقاء میں مسلمانوں کا کردار

(Contribution of Muslims to the Development of Economics)

تمہید:

تاریخ انسانیت میں یہ منفرد مقام اسلام کو ہی حاصل ہے کہ وہ سراپا علم بن کر آیا۔ اور تعلیمی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیامبر ثابت ہوا۔ اس کائنات میں انسان کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی اور ان کو علم اشیاء دیا گیا۔ مسلمانوں کی یہ علمی روایت آگے بڑھتی رہی اور حضرت محمد ﷺ نے تو ہر مرد و عورت کے لئے علم کے حصول کو فریضہ قرار دیا۔

اس علمی روایت کو مسلمانوں نے فروغ دیا۔ اور مسلمانوں نے ہر ہر علم کو وسعت دے کر اپنے وقت کے لحاظ سے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ آج کی جدید سائنس مسلمانوں کی ان کاوشوں کی مرہون منت ہے کہ جب یورپ دور جاہلیت (Dark Ages) سے گزر رہا تھا تو مسلمان فزکس' کیمسٹری' بیالوجی' تاریخ' جغرافیہ وغیرہ علوم میں ترقی کی بہت زیادہ منزلیں طے کر چکے تھے۔ ان علوم میں معاشیات کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اور بہت سے مسلمان مفکرین نے علم معاشیات کی ترقی کے لئے بہت سا قابل قدر کام سرانجام دیا۔

یورپ کا دور جاہلیت (Dark Ages) پانچویں صدی میں رومن ایمپائر کے سقوط سے لے کر پندرہویں صدی کے وسط تک پر محیط ہے۔ اس ایک ہزار سالہ دور کو مغربی مفکرین بھی تاریک دور کا نام دیتے ہیں۔ لیکن اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ مسلمانوں کے علمی کام کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ یہی وہ بنیاد تھی جس پر یورپی اقوام نے تحقیق کے ذریعے علوم کو آگے بڑھایا۔ البتہ مسلم اقوام کی یہ بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں نے علوم کی بہت زیادہ وسعت دینے کے بعد علم سے کنارہ کشی اختیار کر لی' اور جس انداز میں پہلے کام ہو رہا تھا۔ اس میں بہت زیادہ کمی آ گئی۔ بہرحال اس ایک ہزار سالہ دور میں دیگر علوم کے ساتھ مسلمانوں نے علم معاشیات کو بھی وسعت سی۔ اور بہت سا علمی مواد اس دور میں مسلمانوں کے ہاتھوں منصۂ شہود پر آیا۔

اس دوران مسلمانوں کی عظیم سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان فطرت میں سپین اور مراکش (Mcrocco) اور ایشیاء کی جنوب مشرقی سواحل تک پھیلے ہوئے تھے اور لاکھوں مربع میل کے اس علاقہ میں ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ اسلام کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ اللہ پر ایمان نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک نسل بنا دیا۔ جو دوسرے لوگوں سے اپنے رہن' سہن' اور افکار و نظریات کے لحاظ سے مختلف تھے۔ ان کے افکار و خیالات میں ہم آہنگی ان کے قرآن پر ایمان اور غور و فکر کا نتیجہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوئی' انہوں نے اس معاشرے کے افکار و خیالات اور نظریات کو اسلام کے رنگ میں رنگ دیا اور مسلمان مفکرین نے اس مقصد کے لئے شبانہ روز جدوجہد سے تمام عالم کو علوم کے نور سے منور کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی افکار کے ذرائع

مسلمانوں کے معاشی افکار کے درج ذیل چند اہم ذرائع ہیں:

۱۔ قرآن پاک وحدیث رسول ﷺ

۲۔ قرآن کے بعد معرض وجود میں آنے والا اسلامی لٹریچر

۳۔ وہ کتب اور مضامین جن میں معاشیات اور اس کے نفس مضمون پر علیحدہ سے بحث کی گئی ہے۔

(الف) قرآن پاک:

مندرجہ بالا ذرائع علم ایک دوسرے کے ساتھ مربوط (Related) ہیں۔ اور اسلامی تاریخ کے مختلف مراحل (Stages) کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان تینوں میں سب سے زیادہ بنیادی اہمیت کا حامل ذریعہ قرآن مجید ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ (632ء۔570ء) کے دوران نازل ہوا۔ مسلمانوں کے تمام علوم کی بنیاد قرآن مجید ہی ہے۔ قرآن ایک جہاں اپنے پیروکاروں کو روحانی' اخلاقی' سماجی ومعاشرتی اقدار پر تفصیلی ہدایات دیتا ہے۔ وہیں معاشی خوشحالی (Economic Prosperity) اور انسانی معاشی رویوں کے بارے میں بھی ہدایات عطا کرتا ہے۔ قرآن عظیم معاشی خوشحالی کو پسندیدہ قرار دیتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے تعبیر کرتا ہے۔

مثلاً اللہ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (السجدہ:7)

''(اے پیغمبر ﷺ) ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ نے جو زینت (کے ساز وسامان) اور کھانے (پینے) کی ستھری چیزیں پیدا کی ہیں۔ ان کو کس نے حرام کیا ہے''۔

قرآن مجید کا عمیق مطالعہ ہمارے سامنے درج ذیل نکات پیش کرتا ہے:

۱۔ انسانی فلاح اور خوشحالی کے لئے تمام قدرتی ذرائع کو بروئے کار لانے کی ترغیب۔

۲۔ ہر ذی روح کے لئے ضروریات زندگی کی فراہمی۔

۳۔ لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی ضرورت پر زور۔

۴۔ مفاد عامہ کے کاموں پر توجہ۔

۵۔ غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کی قوت خرید میں اضافہ کے لئے اقدامات۔

ان کے علاوہ درج ذیل اقدامات پر بھی قرآن پاک تفصیلی احکام دیتا ہے۔ جن کا مقصد ارتکاز دولت کا خاتمہ' دولت پرستی کا خاتمہ اور مفید معاشی رویوں کا ارتقاء ہے۔

۱۔ تقسیم وراثت اور اس کے تفصیلی احکام۔

۲۔ کمائی اور خرچ کے صحیح ذرائع کی وضاحت اور غلط طریقوں کی ممانعت۔

۳۔ قرضوں کا لین دین۔

۴۔ سود کی ممانعت

۵۔ سونا چاندی اور دیگر قیمتی دھاتوں کو چھپا کر اور کنز بنانے (Hoarding) کی ممانعت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(ب) احادیث رسول ﷺ:

قرآن حکیم کے بعد دوسرا ذریعہ علم رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور حیات طیبہ ہے جو قرآن پاک کی تشریح ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے بغیر قرآن پاک کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

احادیث رسول ﷺ کی جمع و تدوین کا کام رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے بعد شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں محدثین کرام نے بہت احتیاط محنت اور محبت کے ساتھ آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک گوشہ اور ایک ایک قول کو جمع کیا۔ جو آج ہمارے سامنے کتب احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ احادیث کی مشہور کتب درج ذیل ہیں جو کہ صحاح ستہ کہلاتی ہیں:

۱۔	صحیح البخاری:	امام بخاریؒ (م:870ء)
۲۔	صحیح المسلم:	امام مسلمؒ (م:875ء)
۳۔	سنن ابن ماجہ:	امام ابن ماجہؒ (م:886ء)
۴۔	سنن ابی داؤد:	امام ابوداؤدؒ (م:888ء)
۵۔	سنن ترمذی:	امام ترمذیؒ (892ء)
۶۔	سنن نسائی:	امام النسائیؒ (915ء)

ان کتب احادیث کے علاوہ کئی احادیث کے مجموعے ہیں۔ ان کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور آپ ﷺ کی عملی زندگی کے اعمال بیان ہوئے ہیں۔ جن میں معاشی معاملات سے متعلق بھی آپ ﷺ کی تعلیمات موجود ہیں۔ چونکہ احادیث رسول ﷺ قرآن کی ہی تشریح ہیں اور آپ ﷺ کے اقوال بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کئے جاتے تھے۔ اس لئے قرآن و حدیث کی تعلیمات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کی معاشی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

قرآن و حدیث کی معاشی تعلیمات کا خلاصہ:

۱۔ وہ تمام ذرائع و وسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے۔ سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ انسان ایک امین کی حیثیت سے ان میں تصرف کرنے کا مجاز ہے۔

۲۔ انسان ذرائع پیداوار کے اکتساب اور استعمال کے معاملے میں آزاد ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے اختیارات اللہ اور رسول ﷺ کے مقرر کردہ حدود کے پابند ہیں۔ وہ کو د حلال و حرام اور جائزہ ناجائز کے قاعدے وضع نہیں کر سکتا۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے حدود کا منشاء یہ ہے کہ اس پر سختی سے عملی کیا جائے' کیونکہ ایک روز انسان کو اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ جب احکام خداوندی کی پابندی کا اجر ملے گا اور ان سے روگردانی پر سخت مواخذہ کیا جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ ایمان' عبادات تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ذریعہ انسان کی داخلی اصلاح کی جاتی ہے تاکہ اس کے اندر ایک مضبوط اخلاقی حس پیدا ہو' جس سے وہ عدل و انصاف پر قائم رہے۔

۴۔ رسول عربی ﷺ کی تعلیم انسانی وحدت و اخوت کی علمبردار ہے اور تفرقہ و تصادم کی مخالف ہے' آپ ﷺ کی تعلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تمام ذرائع کا سد باب کرتی ہے۔ جو معاشرے کو مصنوعی طبقات میں تقسیم کر کے طبقاتی نزاع کی طرف لے جاتے ہیں۔ انسانی قابلیتوں اور حالات کی بناء پر جو طبقات انسانی معاشرہ میں فطرتاً پیدا ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیم ان کو ہمدردی اور تعاون کی راہ دکھاتی ہے نہ کہ نزاع اور کشمکش کی۔

۵۔ رسول عربی ﷺ کی معاشی تعلیم کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو اپنے خرچ میں کفایت شعاری اور میانہ روی کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ افراد اپنے معاشی وسائل سے کام لینے میں افراط و تفریط کی روش اختیار کر کے تقسیم دولت کے توازن کو بگاڑ نہ سکیں۔ اس باب میں رسول عربی ﷺ کی دی ہوئی ہدایت صرف اخلاقی تعلیم ہی پر اکتفا نہیں کرتی ہے بلکہ بخل اور فضول خرچی کی ان تمام صورتوں کو جو معاشی زندگی میں بدنظمی پیدا کرنے کا باعث ہوں حرام قرار دیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ تعلیمات کی روشنی میں دولت کے حصول، انفاق اور اس سے استفادہ کے متعلق ذیل کے چند اصول ہمارے سامنے آتے ہیں جو ایک خوشحال اور متوازن معاشرہ کے لئے ناگزیر ہیں:

۱۔ انسان دولت کے بارے میں حریت مطلق آزادی کا مالک نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا ہے کہ وہ دولت کے حصول، صرف اور اس سے استفادہ کے سلسلہ میں معاشرہ کے مفاد کے منافی کوئی قدم اُٹھائے۔

۲۔ دولت کے خرچ میں انسان کو پورا اختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار معاشرہ اور افراد کی بہبود کے ساتھ مقید ہے۔

۳۔ انسان کے لئے دولت کو ذریعہ استغلال کے طور پر استعمال کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے کہ یہ اکرام انسانی کے منافی ہے۔

۴۔ چند افراد کے ہاتھوں میں دولت کو اس طرح مرتکز کر دینا جائز نہیں ہے کہ دولت کی فطری گردش رک جائے، اور قوم اس نعمت سے محروم رہ جائے، اسی مقصد کے حصول کے لئے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

۵۔ صرف دولت میں معاشرہ اور فرد کی معاشی حفاظت کا پورا لحاظ رکھا جائے گا اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب فسق و فجور کے مسرفانہ مشاغل میں صرف دولت کی تمام راہیں بند کر دی جائیں۔

۶۔ ضرورت سے زائد دولت پر معاشرے کے ہر حاجت مند کا حق ہے، لہٰذا زائد دولت کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ حاجت مندوں کی ضرورت پوری ہو جائے، اس مقصد کے حصول کے لئے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے بعد خلفاء راشدین کا نظام حکومت و معیشت اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور حکومت مسلمانوں کے معاشی افکار کے عملی مظاہرہ کا دور تھا۔ خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کا دور حکومت اور آپؓ کے اقدامات معاشی حوالہ سے سب اہم ہیں جن کی وجہ سے اسلامی ریاست میں کوئی بھوکا ننگا نہ تھا۔ اور اسلامی ریاست انسانوں کی ہی نہیں بلکہ جانوروں تک کی زندگی کی حفاظت اور ان کی ضروریات کی فراہمی کے سلسلہ میں فکرمند تھی۔ اور اس دور میں جو معاشی خوشحالی آئی وہ انسانی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس دور کے تذکرہ بھی کتابی شکل میں موجود ہیں اور مسلمانوں کے معاشی افکار کی وضاحت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے معاشی رویہ کے ارتقاء پر روشنی ڈالتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) اسلامی فقہ اور معاشی علوم کا ارتقاء:

حضرت عمرؓ کے دور میں اسلامی ریاست کی حدود وسیع تر ہوتی چلی گئیں اور ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اسلامی ریاست لاکھوں مربع میل تک پھیلتی چلی گئی۔ اس دور میں اسلامی ریاست میں ہر قوم و نسل کے لوگ داخل ہوتے چلے گئے' اسی بنا پر نئے نئے معاشی' معاشرتی اور سیاسی مسائل پیش آنے لگے۔ جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں واضح احکام موجود نہ تھے۔ اس موقع پر مسلمان فقہاء نے ان مسائل کو قرآن و حدیث کے دیئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی۔ اور اسلامی فقہ کا وہ بے مثال لٹریچر سامنے آیا جو دنیا کی علمی تاریخ میں ایک انمول اضافہ ہے۔

اسلامی فقہ کے اس لٹریچر میں دینی' معاشرتی اور دیگر معاملات کے ساتھ ساتھ معاشی معاملات پر بیش بہا مباحث موجود ہیں۔ ان مباحث نے مسلمانوں کے معاشی افکار اور علم معاشیات کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا۔

اسلامی فقہ کی تدوین کا دور آٹھویں اور نویں صدی کا دور ہے۔ اس دور میں فقہ کے چار مشہور اماموں اور ان کے شاگردوں نے اسلامی لٹریچر میں بہت مفید اضافہ کیا۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ (م: 767ء) فقہ حنفی کے بانی
۲۔ حضرت امام مالکؒ (م: 795ء) فقہ مالکی کے بانی
۳۔ حضرت امام شافعیؒ (م: 820ء) فقہ شافعی کے بانی' اور
۴۔ حضرت امام مالکؒ (م: 855ء) فقہ مالکی کے بانی۔

ان چاروں فقہاء کرام نے مختلف موضوعات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیلی احکام بیان کئے اور ساتھ ساتھ معاشی معاملات پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاملات کا جائزہ پیش کیا۔

اسلامی فقہ کی کتب میں ''موطا امام مالک'' بہت اہم کتاب ہے۔ اس کے علاوہ صدی خلیل کی ''مختصر'' امام نوویؒ کی ''منہاج الطالبین'' امام ابن حجرؒ کی ''تحفہ'' الرملیؒ کی ''نہایتہ'' الخراسانیؒ کی ''جامع الرموز'' اور النسفیؒ کی ''کنز الدقائق'' وغیرہ نہایت اہم کتب ہیں۔

فقہ کی ان کتب میں تین اہم موضوعات ہیں:

۱۔ عبادات
۲۔ عقوبات: یا سزائیں (Penal Laws)
۳۔ معاملات (Social Laws)

معاملات کے ابواب معاشی اور معاشرتی قوانین سے متعلق ہیں۔ مثلاً قانون وراثت' جائیداد' سماجی بہبود کے فنڈ' (Social Welfare Funds) قرضے (Loans)' مختلف اقسام کے ٹیکسوں کی تفصیل' وصولی اور خرچ کے اصول' شیر خوار بچوں' بوڑھوں اور ماؤں کے لئے پنشن' مفاد عامہ کے کام (Public Utility Works)' تجارت اور کاروبار (Trade and Commerce)' خوراک کی فروخت اور ذخیرہ اندوزی (Stocking and Selling of Foodgrains)' قیمتیں (Prices)' صرف (Consumption)' پیداوار (Production)' تقسیم دولت (Distribution) اور تبادلہ دولت (Exchange)۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د) قرآن وحدیث اور فقہی لٹریچر کا علم معاشیات کے ارتقاء میں کردار:

قرآن وحدیث اور فقہی لٹریچر نے علم معاشیات کے ارتقاء کے لئے جو بنیاد فراہم کی اس کا مختصر جائزہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اس لٹریچر میں بہت سے ایسے معاشی مسائل پر تفصیلی مباحث کئے گئے جن کے بارے میں آج تک سوچا بھی نہ گیا تھا۔

۲۔ گو اس لٹریچر میں اقاعدہ ترتیب کے ساتھ تو معاشی موضوعات اور مسائل پر بحث کی گئی تھی۔ لیکن اس کا انداز بحث یونانیوں (Greeks)' اور رومیوں (Romans) اور قرون وسطیٰ (Medieval) کے مفکرین اور مصنفین سے زیادہ منظم (Systematic) تھا۔ اس اسلامی لٹریچر میں معاشی مسائل اور دیگر معاشی موضوعات مثلاً (Public Works) مفاد عامہ کے کام منافع' سود' کاروبار اور تجارت (Trade and Commerce)' سرکاری مالیات' صرف دولت' پیدائش دولت' محاصل (Taxation)' زرعی ملکیت اور مضارعت پر علیحدہ علیحدہ ابواب میں بحث کی گئی۔

۳۔ اس لٹریچر نے اس وقت کے معاشی خیالات اور عمل (Practice) پر بحث کی اور سماجی اور معاشی تاریخ کے لئے مواد فراہم کیا۔

۴۔ اس لٹریچر میں علم کی اہمیت پر زور دیا گیا کہ جس کے نتیجہ میں انسانی مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی راہیں کھلتی چلی گئیں۔

۵۔ سب سے اہم بات یہ کہ اس لٹریچر نے وہ رکاوٹ دور کر دی جو مادی خوشحالی کے خلاف مختلف مذاہب نے عائد کر دی تھی۔ مختلف مذاہب نے دولت اور آسائشات دنیا کو روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دے کر انسان کو گوشہ نشینی کی زندگی کا سبق دیا تھا۔ لیکن دین اسلام نے آخرت کے سنوارنے اور روحانی ترقی اور تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ دنیاوی آسائشات کو اہمیت دی۔ اس نقطہ نظر نے علم کو ایک نئی جہت دی۔ اور لوگوں کے سوچنے کے انداز اور اس کے ذریعے علم معاشیات کے بارے میں غور وفکر کی راہ ہموار کی۔

(ھ) مسلمان مفکرین کے کام کا مختصر جائزہ:

مسلم مفکرین نے علم معاشیات کو تین نام دیئے ہیں:

۱۔ ''تدبیر منزل'' (Management of House holds and busincess)

۲۔ ''سیاستہ المدن'' (Political Economy)

۳۔ ''المعاش'' (Economics)

۱۔ محمد بن حسن طوسیؒ (م: 1274ء)' علامہ ابن خلدونؒ (1406ء۔1332ء)' الحریری (1122ء۔1054ء) اور کئی دیگر مسلم مفکرین نے اپنی کتب میں ''سیاستہ المدن'' اور ''المعاش'' کی تعریفیں تجویز کی ہیں۔ فارابیؒ (م:950)' ابن سیناؒ (1037۔980) کی کتب میں بھی معاشی موضوعات پر مباحث کئے گئے ہیں۔ محمد بن حسن طوسیؒ کی کتاب ''اخلاق ناصری'' میں تین طویل مضمون ان موضوعات پر ہیں:

محمد بن حسن طوسیؒ (م:1274ء) نے معاشیات کی درج ذیل تعریف بیان کی: ''سیاستہ المدن (Political

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Economy) وہ علم ہے جس میں عوامی بہبود کے قوانین (Laws of Public Welfare) کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جس کا مقصد اس تعاون کو فروغ دینا ہے جس کے نتیجہ میں حقیقی ترقی کو فروغ حاصل ہو' اس کا نفس مضمون معاشرے کے اس ڈھانچہ کا مطالعہ ہے۔ جو انسانوں کے مل جل کر رہنے سے وجود میں آتا ہے اور ان کی سرگرمیوں کے منبع کے طور پر کام کرتا ہے' اور ان کے پیشوں میں مہارت سے ہدایت حاصل کرتا ہے۔ پس ہر فرد اپنے پیشے پر توجہ دیتا ہے ایسا وہ اس پیشے کی اچھائی یا برائی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ اس کا تعلق اس پیشہ سے گہرا ہوتا ہے اور وہ اس میں سماجی ضرورت کے تحت مہارت حاصل کرتا ہے''۔ اس تعریف میں تقسیم کار (division of labour) اور عوامی بھلائی (Public Welfare) پر زور دیا گیا ہے۔

۲۔ علامہ ابن خلدونؒ کی تعریف: انہوں نے اپنی کتاب ''مقدمہ تاریخ'' میں المعاش کی تعریف یوں بیان کی ہے۔ ''معاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنے کا نام ہے''۔

۳۔ الحریری کی تعریف: ''معاش سے مراد یہ ہے کہ انسان تجارت' زراعت' اور صنعت کے ذریعے اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرے''۔

۴۔ سیاستہ المدن میں معاشی سرگرمیوں پر تفصیلی مباحث موجود ہیں ان کے علاوہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو خالصتاً معاش مباحث پر مشتمل ہیں۔ مثلاً:

کتاب الخراج : امام ابو یوسفؒ (م:798ء)

کتاب الخراج: یحییٰ بن آدم القرشیؒ (818ء)

کتاب الاموال: ابوعبیدؒ القاسم بن سلام (م:839ء)

کتاب الخراج و صنعه الکتابته (A book of Industry and Taxation)

کتاب الاموال: ابوجعفر الداؤدی (م:1042ء) وغیرہ۔

۵۔ ان خالص معاشی مباحث پر مبنی کتب کے علاوہ دیگر کتب جو کہ اسلام کے سیاسی' قانونی' اخلاقی اور معاشرتی امور سے متعلق ہیں ان میں اسلام کی معاشی اقدار اور معاشی پالیسی پر بھی مختلف ابواب موجود ہیں۔ ان مفکرین میں امام غزالیؒ (1111ء-1058ء) کی ''کیمیائے سعادت'' ''احیاء علوم الدین'' ''تبر المسبوک'' ''رسالۃ العقائد'' اور ''خلاصۃ الفقۃ'' میں مختلف معاشی موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

۶۔ امام الماوردیؒ (1058ء-947ء) کی کتب ''الاحکام السلطانیۃ'' ''سیاسۃ الملوک'' ''قوانین الوزارۃ'' میں معاشی موضوعات پر نہایت وقیع اور قابل قدر کام موجود ہے۔ اس فہرست میں ابن ابی ربیع کی ''سلوک الملوک فی تدبیر الممالک'' ابن رشدؒ کی ''فرائض السلاطین و الخلفاء'' نظام الملک طوسیؒ کی ''سیاست نما'' ابن قتیبہؒ کی ''عیون الاخبار'' علامہ ابن حزمؒ کی ''المحلی'' امام سرخسیؒ کی ''المبسوط'' علامہ المقریزیؒ کی ''صبح الاعشی'' ابن مماتی کی ''قوانین الدواوین'' اور ابوالفضل کی ''آئین اکبری'' اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' شامل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(و) معاشیات کے ارتقاء میں مسلمانوں کا حصہ:

اوپر دی گئی کتب اس لٹریچر میں شامل ہیں جو اسلامی معاشی افکار کے حوالہ سے قرآن وحدیث اور فقہ کے بعد سامنے آیا۔ یہ لٹریچر دسویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی عیسوی پر محیط ہے۔ یعنی مرکنٹلزم (Mercantilism) اور فزیوکریسی (Physiocracy) سے پہلے بلکہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) سے بھی پہلے۔

یہ زمانہ تاریخ انسانی میں سیاسی' سماجی اور فکری لحاظ سے ارتقاء کا زمانہ تھا۔ اس دور میں اسلامی مملکت لاکھوں مربع میل علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو دوسری اقوام مثلاً ایرانی' رومی' یونانی اور چینی وغیرہ اقوام سے میل ملاپ کا موقع ملا۔ اس دوران میں بڑے بڑے تعلیمی ادارے معرض وجود میں آئے' اسلامی مملکت کے بہت سے شہر علم کے مراکز قرار پائے' جہاں دور ونزدیک سے علم کے متلاشی علم کی پیاس بجھانے آتے' اس چیز نے عربوں کے لئے بھی علم کے دروازے کھول دیئے' اس دور میں مسلمانوں نے لٹریچر' ادیب' آرٹ' سائنس اور فلسفہ پر لازوال اور قابل قدر کام کیا' مسلمانوں نے علم کے ہر شعبہ کو ترقی اور وسعت دی۔ انہوں نے یونانی لٹریچر کے تراجم کئے اور ان کی تشریحات لکھیں جس سے نہ صرف یونانی علوم کو محفوظ کرنے کا راستہ کھلا' بلکہ نئے نئے علوم کی بنیاد پڑے مثلاً: تاریخ' کیمسٹری' ریاضی' فزکس' نفسیات' حیاتیات' حیوانیات' زراعت' جغرافیہ' ارضیات' شہریت' مابعد الطبعیات' طب' فزیالوجی اور معاشیات وغیرہ۔

فروغ علم کے اس عظیم دور میں عربوں نے محسوس کیا' کہ معاشی مسائل پر علیحدہ سے بحث کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں اضافہ اور اسلامی ریاست کی سرحدوں میں توسیع نے علم معاشیات کی اہمیت کو بہت بڑھا دیا تھا۔

یونانیوں کی طرح عرب بھی شروع میں سمجھتے تھے کہ فلسفہ تمام زندگی پر حاوی ہے۔ انہوں نے مذہب کے علاوہ تمام مضامین کو فلسفہ کے تحت مطالعہ کیا۔ لیکن زندگی کی وسعتوں نے انہیں باور کروادیا کہ فلسفہ تمام مضامین کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

انہوں نے فلسفہ کو چھ علیحدہ (Independent) مضامین میں تقسیم کیا۔ یہ کام سب سے پہلے الفارابیؒ (Alpharobius' 950ء) نے کیا اور بعض لوگوں کے نزدیک یہ اعزاز ابن سینا (1037ء۔ 980ء) کو حاصل ہے۔ انہوں نے فلسفہ کو مندرجہ ذیل چھ مضامین میں تقسیم کیا:

۱۔ اخلاقیات (Ethics)	۲۔ معاشیات (Economics)
۳۔ سیاسیات (Politics)	۴۔ طبیعات (Physics)
۵۔ ریاضی (Mathematics)	۶۔ مذہب (Theology)

پہلے تین علوم عملی (Practical Science) کہلائے جبکہ بقیہ تین علوم خالص اور اطلاقی (Pure and Applied) کہلائے۔ اس طرح سیاستہ المدن (Political Economy) یا معاشیات المعاش یا (Economics) کا مضمون معرض وجود میں آیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

علوم معاشیات کے ارتقاء میں مسلم مفکرین کا کردار

دین اسلام اور معاشیات:

دین اسلام میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مذہب اور اخلاق کا تعلق براہ راست معاشیات سے ہے ارشاد خداوندی ہے:

''مسلمانو! جمعہ کی نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم خرید و فروخت چھوڑ دو اور اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور اگر تم جانتے ہو کہ یہ دین تمہارے لیے بہتر ہے اور پھر جب تم نماز کو ختم کر لو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ''۔(الجمعہ:10-9)

مسلمانوں کو اپنی معاشی زندگی میں اللہ کی قائم کردہ حدود کا پابند ہونا چاہیے اور اخلاقی ضابطوں کا احترام کرے اس میں ارشاد ربانی ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (النور:37)

''وہ لوگ جنہیں خرید و فروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی''۔

اسی طرح معاہدہ لکھنے اور صحیح گواہی دینے کو تقویٰ قرار دیا ہے اور ناپ تول میں کمی کو عظیم گناہ قرار دیا گیا ہے۔

معاشیات کے لیے جد و جہد:

اسلام انسان کو رزق حلال کے حصول کی ترغیب دیتا ہے اور اس کا مقصد خلق خدا کے لیے حصول رزق کے لیے زیادہ سے زیادہ جہد و جہد کرنا ہے۔ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام میں اصل اہمیت نفع کو بڑھانے کی ہے جب کہ اسلامی معاشیات میں کل پیداوار میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد خدا کے بندوں کے لیے سامان معیشت زیادہ سے زیادہ فراہم کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''کتاب تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں''۔(لقمان:20)

عہد نبوی ﷺ میں جو معاشیات کے ذرائع قرآن و سنت میں بیان کیے گئے ہیں ان کے مطابق عمل کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں جب اسلامی ریاست کا اقتدار دور دراز علاقوں تک پھیل گیا اور مال غنیمت کی کثرت سے معاشی معاملات درست ہوتے گئے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں معاشیات پر خصوصی توجہ دی گئی اور مفکرین اور اسلامی مفکرین نے معاشیات کے متعلق اپنے اپنے نظریات قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیے۔ ان مفکرین میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امالی، کتاب اختلاف الامصار اثر علی مالک بن انس، اصول فقہ، کتاب الجوامع، مسائل وغیرہ شامل ہیں۔

شہر آفاق تصنیف:

امام یوسف کی تمام تصانیف میں کتاب الخراج کو شہرت حاصل ہوئی، آپ کی اس شہرہ آفاق تصنیف میں معاشی فکر، جھلکتا ہے، آپ نے یہ کتاب عباسی دور کے خلیفہ کے کہنے پر تحریر فرمائی۔

آپ نے اس کی وجہ تالیف کچھ اس طرح بیان کی۔

''امیر المومنین'' اللہ ان کی مدد کرے انہوں نے مجھ سے ایسی تصنیف طلب کی جسے وہ خراج، عشور، صدقات اور جزیہ کو حاصل کرنے کیلئے اپنا دستور العمل بنا سکیں کہ وہ ان کے دوسرے کاموں میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے۔ جن پر عمل درآمد کرنا ان کی ڈیوٹی میں شامل ہے، اس تحقیق سے آپ کا مقصد تھا کہ اپنی رعایا پر ظلم نہ ہونے دیا جائے اور معاملات میں درستی کی جائے۔

معاشی افکار

اسلامی ریاست کے معاشی فرائض:

امام صاحب نے اپنے تصنیف کتاب الخراج میں اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں کو تفصیلاً فرمایا ہے ان کی نظر میں امام کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایات کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جابجا ہارون الرشید کی رفاہ عامہ اور معیشت کی بہتری سے وابستہ کاموں کی جانب توجہ دلائی تا کہ ملک کی فلاح کیلئے کوئی لائحہ عمل مرتب کر سکیں تمام چھوٹی بڑی نہروں کی تعمیر، سیلاب کو روکنے کیلئے اقدامات، دریاؤں اور نہروں پر بند یا تعمیر کرنے، بیکار زمینوں کو کار آمد بنانے کو اہمیت دیتے ہیں کہ الخراج میں لکھتے ہیں۔

وہ بڑے دریا جو تمام مسلمانوں کیلئے عام ہوں ان کی کھدائی اور مرمت کی ضرورت ہو تو اسے پورا کرنا امام کے ذمہ ہے اگر بند ٹوٹنے کا خطرہ ہو تو اسے درست کرانا بھی امام کی ذمہ داری ہے۔

دجلہ و فرات اور دوسرے بڑے دریاؤں پر گھاٹ، بند اور پانی نکالنے کی جگہوں کی تعمیر و مرمت پر انیوالے مصارف کا پورا خرچ بیت المال پر ڈالا جائے۔ اہل خراج پر اس سلسلے میں کوئی بار نہ ڈالا جائے کیونکہ یہ تمام کام مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے ہیں اور ان کے مصالح تحفظ تمام تر امام کے ذمہ ہے۔

ترقیاتی کاموں کی قیمت کو کس طرح پورا کیا جائے:

آپ نے خلیفہ، وقت کو مختلف ترقیاتی کاموں کا مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی بھی فرمائی کہ کس طرح ترقیاتی منصوبوں کی لاگت کو پورا کیا جاء۔ آپ لکھتے ہیں:

''میری رائے ہے کہ آپ خراج کے افسروں کو ہدایت دیں کہ جب ان کی عملداری کے لوگ ان کے پاس آئیں اور انہیں بتائیں کہ ان کے علاقے میں بہت سی قدیم ترین ہیں جواب ناکارہ ہو چکی ہیں اور بہت سی زمینیں ناکارہ ہو کر بغیر کاشت کے بڑی ہوئی ہیں اور یہ کہ اگر ان نہروں کی کھدائی اور صفائی ہو جائے اور ان میں از سر نو پانی جاری ہو جائے تو یہ ناجاکارہ زمینیں پھر سے زیر کاشت آجائیں گی۔ تو آپ ان نہروں کی کھدائی اور صفائی کا حکم جاری کر دیں اور اس سلسلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امالی، کتاب اختلاف الامصار اثر وعلی مالک بن انس، اصول فقہ، کتاب الجوامع، مسائل وغیرہ شامل ہیں۔

شہر آفاق تصنیف:

امام یوسف کی تمام تصانیف میں کتاب الخراج کو شہرت حاصل ہوئی، آپ کی اس شہرہ آفاق تصنیف میں معاشی فکر، جھلکتا ہے، آپ نے یہ کتاب عباسی دور کے خلیفہ کے کہنے پر تحریر فرمائی۔

آپ نے اس کی وجہ تالیف کچھ اس طرح بیان کی۔

''امیر المومنین'' اللہ ان کی مدد کرے انہوں نے مجھ سے ایسی تصنیف طلب کی جسے وہ خراج، عشور، صدقات اور جزیہ کو حاصل کرنے کیلئے اپنا دستور العمل بنا سکیں کہ وہ ان کے دوسرے کاموں میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے۔ جن پر عمل درآمد کرنا ان کی ڈیوٹی میں شامل ہے، اس تحقیق سے آپ کا مقصد تھا کہ اپنی رعایا پر ظلم نہ ہونے دیا جائے اور معاملات میں درستی کی جائے۔

معاشی افکار

اسلامی ریاست کے معاشی فرائض:

امام صاحب نے اپنے تصنیف کتاب الخراج میں اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں کو تفصیلاً فرمایا ہے ان کی نظر میں امام کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایات کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جابجا ہارون الرشید کی رفاہ عامہ اور معیشت کی بہتری سے وابستہ کاموں کی جانب توجہ دلائی تا کہ ملک کی فلاح کیلئے کوئی لائحہ عمل مرتب کر سکیں تما چھوٹی بڑی نہروں کی تعمیر، سیلاب کو روکنے کیلئے اقدامات، دریاؤں اور نہروں پر بند یا تعمیر کرنے، بیکار زمینوں کو کار آمد بنانے کو اہمیت دیتے ہیں کہ الخراج میں لکھتے ہیں۔

وہ بڑے دریا جو تمام مسلمانوں کیلئے عام ہوں ان کی کھدائی اور مرمت کی ضرورت ہو تو اسے پورا کرنا امام کے ذمہ ہے اگر بند ٹوٹنے کا خطرہ ہو تو اسے درست کرانا بھی امام کی ذمہ داری ہے۔

دجلہ و فرات اور دوسرے بڑے دریاؤں پر گھاٹ، بند اور پانی نکالنے کی جگہوں کی تعمیر و مرمت پر انیوالے مصارف کا پورا خرچ بیت المال پر ڈالا جائے۔ اہل خراج پر اس سلسلے میں کوئی بار نہ ڈالا جائے کیونکہ یہ تمام کام مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے ہیں اور ان کے مصالح تحفظ تمام تر امام کے ذمہ ہے۔

ترقیاتی کاموں کی قیمت کو کس طرح پورا کیا جائے:

آپ نے خلیفہ وقت کو مختلف ترقیاتی کاموں کا مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی بھی فرمائی کہ کس طرح ترقیاتی منصوبوں کی لاگت کو پورا کیا جاء۔ آپ لکھتے ہیں:

''میری رائے ہے کہ آپ خراج کے افسروں کو ہدایت دیں کہ جب ان کی عملداری کے لوگ ان کے پاس آئیں اور انہیں بتائیں کہ ان کے علاقے میں بہت سی قدیم ترین ہیں جواب ناکارہ ہو چکی ہیں اور بہت سی زمینیں ناکارہ ہو کر بغیر کاشت کے پڑی ہوئی ہیں اور یہ کہ اگر ان نہروں کی کھدائی اور صفائی ہو جائے اور ان میں از سر نو پانی جاری ہو جائے تو یہ ناجا کارہ زمینیں پھر سے زیر کاشت آجائیں گی۔ تو آپ ان نہروں کی کھدائی اور صفائی کا حکم جاری کر دیں اور اس سلسلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے سارے مصارف کا بار بیت المال پر ڈالتے، ان اخراجات کا بار اس علاقے کے باشندوں پر نہ ڈالیں کیونکہ ان لوگوں کا خوشحال رہنا ان کے برباد ہونے سے بہتر ہے۔ اور ان کا آباد رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ مفلس ہو کر (ادائے خراج) سے معذور ہو جائیں۔

''رہیں وہ چھوٹی نہریں جن کے ذریعے لوگ اپنے کھیت، باغات، نخلستانوں، انگور کی کیاریوں یا نہر کاری کے کھیتوں وغیرہ تک پانی لے جاتے ہیں تو ان کی کھدائی اور صفائی کے اخراجات ان لوگوں کو خود برداشت کرنا ہونگے''۔

بیت المال پر اس سلسلے میں کوئی بار نہ ڈالا جائے:

ان مصارف پر مال خرچ کرنے کا اختیار ایسے ہی ذمہ دار کے ہاتھ میں دیں جو خوف خدا رکھتا ہو، جس کی امانتداری اور مسلک پر پورا اطمینان ہو اور جو اللہ کی رضا کیلئے کام کرے۔ فائن اور ناجائز میں کوئی تمیز کئے بغیر کام کرنیوالوں کو یہ ذمہ داری نہ سونپئے ایسا آدمی بیت المال کا روپیہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کیلئے اڑا لے گا۔

مندرجہ بالا عبارتوں کی روشنی میں نہروں کی تعمیر آبپاشی کیلئے، ان کی مرمت اور صفائی ستھرائی پر جو اخراجات کے متعلق امام یوسف کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ بیکار زمینوں کو کاشت کے قابل بنانے کیلئے نہروں کی کھدائی اور صفائی پر جو اخراجات آئیں وہ سرکاری خزانے سے ادا کئے جائیں گے۔

۲۔ بڑے دریاؤں سے جو نہریں نکالی جائیں جن میں پانی رواں ہو، ان کی کھدائی و صفائی کی ذمہ داری بھی ریاست پر ہوگی البتہ جن لوگوں کو ان نہروں سے فائدہ پہنچتا ہوں تو ان میں اخراجات ریاست کے خزانے اور ان کے باشندوں کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

۳۔ جو لوگ بڑی نہروں کے پانی کو اپنے کھیتوں اور باغات کو دینے کیلئے چھوٹی بڑی نہریں یا نالیاں بنانا چاہیں تو اس پر جو خرچ ہوگا وہ یہ خود پورا کریں گے۔

۴۔ امام یوسف مختلف قسم کی نہروں کے درمیان تفریق کرتے ہوئے ان دو اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔

۵۔ کسی بھی اسکیم کی قیمت ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جنہیں اس سے فائدہ ہو اور جہاں فائدہ عام ہوگا وہاں لاگت کی ذمہ داری بھی عام ہے۔ عوام کے مرکزی خزانے کی حیثیت میں تمام ذمہ داری بیت المال پر ڈالی گئی ہے۔

۶۔ اس سے منسلک افراد کو اس سکیم سے کم از کم اتنا فائدہ ہو کہ وہ اس کے اخراجات کا بوجھ آسانی سے اٹھا سکیں۔

خراج کی شرح:

امام صاحب نے پیداوار کے نظام میں ایک مقرر نسبت کے شرکت کے اصول کو اپنانے کے لئے کئی خوبیاں بیان کی ہیں اور تجویز پیش کی ہے کہ پھلدار درختوں، کھجور اور انگور کی بیلوں والی زمین کے لئے بھی یہ طریقہ استعمال کرنے کی تجویز دی ہے امام صاحب لکھتے ہیں۔

''میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ محصول کے طور غلہ کی کوئی متعین معذور کی کوئی مقررہ مقدار، مختلف شہروں کے ساتھ ان پر عائد کرنا سلطان اور بیت المال کیلئے نقصان کا باعث ہوگا۔ یہ شکل خراج ادا کرنے والوں کے باہمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاملات میں بھی خرابیاں پیدا کرے گی۔

''جہاں تک مقررہ مقدار غلہ کی صورت میں محصول عائد کرنے کا سوال ہے تو اگر غلہ بہت سستا ہے تو سلطان کی نظر میں یہ مقدار کافی نہیں ہوگی جو ان پر مقرر کی گئی تھی اور اس طرح انہیں جو چھوٹ مل رہی ہو گی وہ اس پر متفق نہیں ہوگا۔ تھوڑے محاصل کے تحت فوج کو ضرورت فوری مہیم نہ پہنچائی جائیگا اور سرحدوں کے استحکام اور ان پر سپاہی مقرر کرنے کا کام بھی درست طریقے سے انجام نہیں دیا جائے گا''۔

''اگر غلہ بہت زیادہ مہنگا ہو تو خراج ادا کرنے والوں کو متعین کردہ مقدار زیادہ محسوس ہو گی مگر سلطان کو اس میں کمی بیشی گوارہ نہ ہوگی''۔

اس کے بعد وہ غلہ کے ریٹ کے اتار چڑھاؤ کے اسباب پر تبصرہ کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

میری رائے کے مطابق پیداوار میں ایک ایسی منصفانہ ہلکے تناسب سے شراکت کرنا، جس سے حکومت بھی رضا مند ہو، اور بیت المال کی آمدن میں اضافہ ہو، خراج ادا کرنے والوں کو ایک دوسرے پر بے جا بوجھ ڈالنے سے بچانا، مزید یہ کہ انہیں والیوں اور دوسرے حکومت کے افسروں کے ظلم وستم سے بچانے کا موثر طریقہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ سارے باشندگان مواد (دوآبہ، دجلہ، فرات سے گیہوں اور جو کی کاشت پر بہتے ہوئے پانی سے سیراب ہونیوالی زمین کے پیداوار کے 2/10، کھجور، دھوخنوں اور باغات 1/3 پر، جبکہ موسم گرما کی فصل میں چوتھائی 1/4 پر معاملہ کریں نیز منصفانہ قیمت کی بنیاد پر خراج کی وصولی کی جائے تا کہ حکومت کو نقصان سے بچایا جا سکے اور خراج کی ادائیگی کو نیوالوں سے بھی ناانصافی نہ ہو اس کے بعد جو کچھ ان کی طرف نکلتا ہو لے لیا جائے ان دونوں صورتوں میں وہی اختیار کیا جائے جو خراج دینے والوں کے لئے آسان ہو۔

مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام کی رائے میں زرعی زمینوں پر مقررہ مقداروں میں محصول لاگو کرنے سے عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جا سکتا اس طریقہ کار سے کبھی تو رعایا کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے تو کبھی ریاست کا مفاد ختم ہو جاتا ہے آپ نے پیداوار میں شراکت کے طریقے کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ امام صاحب اس طریقہ کو حکومت اور کاشتکار دونوں کے لئے زیادہ فائدہ مند اور انصاف پسند خیال کرتے ہیں۔

محاصل کی تحصیل کے اصول:

امام یوسفؒ نے مختلف محاصل کو حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل اصولوں پر گفتگو کی ہے۔ ذیل میں ان اصولوں کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حکومت کی جانب سے تقرر:

عامل ایسے ہوں جن کو حکومت مقرر کریں۔

۲۔ محاصل کا بہترین ہونا:

محاصل ایسے نہ ہوں کہ برداشت کے قابل نہ ہوں۔

۳۔ مقامی افسروں کی عدم مداخلت:

مقامی افسران کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کراج میں اضافہ کریں، محصول عائد کریں یا پھر مزید غلے کی خواہش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔تحائف کی ممانعت:

لوگوں سے تحفے وغیرہ نہ لئے جائیں اس عمل کی سختی سے ممانعت کی جائے۔

۵۔سہولت اور نرمی:

محاصل نہایت آسان اور نرم طریقے سے حاصل کئے جائیں۔

۶۔جلد از جلد وصول:

غلے کی وصولی جتنی ممکن ہو سکے جلدی ہوتا کہ غلہ کھیتوں، کھلیانوں میں پڑا خراب نہ ہو۔

۷۔ناپ تول:

اس بات کا خیال رکھیں کہ جب غلہ کو تولا جائے تو ناپ تول کے پیمانے درست ہوں۔

۸۔تخمینہ پر مبنی تقسیم سے گریز:

تقسیم کرتے وقت پیمانوں کا استعمال کیا جائے تخمینے سے گریز کیا جائے۔

۹۔حق تلفی سے گریز:

کسانوں، کاشتکاروں کی حق تلفی نہ ہونے دی جائے۔

۱۰۔ایذا رسانی سے اجتناب:

نرم مزاجی سے کام لیا جائے۔

۱۱۔قابل اعتماد افراد کا تقرر:

محاصل کی وصولی کیلئے ایسے افراد کا تقرر کیا جائے جو دیانتدار، قابل اعتماد ہوں اور اسلامی قانون سے واقفیت رکھتے ہیں۔

۱۲۔عاملین کے مشاہرے:

عاملین کو معقول معاوضے دیئے جائیں۔

۱۳۔عاملین پر کڑی نگرانی/نظر:

عاملین کے ہر طرز عمل پر سخت نظر رکھی جائے اور ان کے ہر کام کی نگرانی کی جائے۔

۱۴۔دیانتدار افسر:

افسران کی تقرری کرتے وقت اس بات کا دھیان رکھیں کہ وہ دیانتدار ہو، اگر کوئی افسر بددیانتی کرتا ہے تو اسے برطرف کر دیں اور آئندہ اسے کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔

۱۵۔اہل خراج سے مطالبات کا اجتناب:

اہل خراج سے کسی عامل کا روزنیہ، اناج وغلہ کو اکٹھا کرنیکی اجرت، وصولی کرنیوالوں کے قیام کے اخراجات یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر سرکاری غلہ کی باربرداری کے اخراجات کے مطالبے سے اجتناب کیا جائے۔

۱۶۔ خسارے کا بوجھ عوام پر ڈالنے سے گریز:

اگر نقل وحمل یا کسی اور وجہ سے خراج کے غلہ میں کمی بیشی ہو جائے تو اس خسارے کو پورا کرنے کیلئے لوگوں پر الزام لگا کرنا جائز طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔

۱۷۔ ہر قسم کے ہنگامی بوجھ سے گریز:

اہل خراج پر کسی طرح کا ہنگامی دباؤ نہ ڈالا جائے۔

غلہ کی قیمت اور اس کی خرید وفروخت:

امام یوسفؒ زرعی زمینوں کے محاصل پر بات چیت کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ نرخ یا قیمت ایک جگہ پر ہی قائم نہیں رہتے تاہم اس میں کمی بیشی/اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے یہ بات ایک عام مشاہدے کی ہو رہی ہے۔

امام صاحب اپنی کتاب الخراج میں فرماتے ہیں کہ

> ''ارزانی اور گرانی کی کوئی ہزرہ حد نہیں ہوتی جسے جانچا جا سکے یہ معاملہ آسمان سے ہی (مقرر) ہوتا ہے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں کہ یہ کس طرح طے ہوتا ہے۔ رزائی غلہ کی فراوانی کی بدولت نہیں ہوتی اور نہ ہی گرانی اس کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے نرخ کی ارزانی اور گرانی صرف خدا کی مرضی و فیصلے سے ہوتی ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے غلہ زیادہ ہو مگر مہنگا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کم ہونے کے ساتھ سستا بھی ہو''۔(۱)

امام یوسفؒ اس نظریے کو بیان کرتے ہیں کہ جب غلے کی زیادتی ہوتی ہے تو اس کے ریٹ/قیمت کر جاتی ہے اور جب کم ہو تو قیمت بڑھ جاتی ہے۔ بعض اوقات زیادہ فراواں ہونے کے باوجود بھی مہنگا ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی رسد کم ہو مگر نرخ ارزاں ہوں۔

ان کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں کچھ دوسرے عوامل بھی ہیں جو مداخلت کے خواہاں ہیں مثلاً جب تاجر احتکار کریں گے تو غلے کی زیادتی کے باوجود قیمتیں زیادہ ہوں گی اور جب حاکم تاجروں کو اس کام کے کرنے پر مجبور کر دے تو وہ غلہ مارکیٹ میں لائیں غلہ کی کمی کے باوجود قیمت گراں نہیں ہوگی مگر لوگ قیمتوں پر خریداری پر مجبور ہوتے ہیں۔

کتاب الخراج

خلیفہ ہارون الرشید میں بہت سے کمزور پہلو تھے قاضی امام یوسفؒ نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے ان کی فطرت کے دینی پہلو کو اپنے تعلیمی و اخلاقی اثرات سے متاثر ہو کر اس عظیم سلطنت کا نظام چلانے کیلئے ''کتاب الخراج'' کے نام سے مرتب کیا اس کتاب میں ہارون الرشید کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل مسائل اس میں مرتب کئے گئے ہیں۔ دستوری، قانونی، انتظامی اور بین الاقوامی مسائل پر مبنی ہے۔

اگر اس کتاب کے نام پر غور کریں تو لگتا ہے کہ اس میں صرف خراج کے متعلق مضمون درج ہیں مگر اس کے موضوعات کو دیکھا جائے تو عام معاملات پر بحث کی گئی ہے ذیل میں اس کے اہم موضوعات بیان کئے گئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ غلے اور غنیمت کی آمدنی، جنگی محاصل، زمین کے محاصل اور جزیہ وغیرہ۔
۲۔ ٹیکس اور حکام کا رویہ/ برتاؤ
۳۔ ٹیکس کی اقسام
۴۔ ٹیکس کو لاگو کرنے کے اصول وضوابط
۵۔ وصول کیے گئے ٹیکسوں کی تقسیم
۶۔ حاصل شدہ ٹیکسوں کی تقسیم
۷۔ زرعی زمینوں پر عائد کیے گئے ٹیکس
۸۔ ماہی گیری
۹۔ پانی کی فراہمی کے مسائل
۱۰۔ چونگی کے محصول
۱۱۔ تجارتی سامان پر ٹیکس
۱۲۔ ترکہ کا محصول
۱۳۔ نئی جگہوں پر زرعی رقبہ کا انتظام
۱۴۔ چراگاہیں اور جنگلات

خراج یا محصول کے موضوع پر اسلامی تاریخ میں بے شمار کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

سب سے پہلی تصنیف:

سب سے پہلی تصنیف کتاب الخراج کے موضوع پر معاویہ بن عبیداللہ بن یسال اشعری کی ہے۔

۱۔ یہ تیسرے عباسی خلیفہ المہدی کے وزیر تھے۔
۲۔ اس کے بعد یحییٰ بن آدم القرشی کی کتاب الخراج جو مامون الرشید 198ھ یا 218ھ کے دور میں مرتب کی گئی۔
۳۔ قدامہ بن جعفر کی کتاب الخراج۔
۴۔ ابوعبیداللہ القاسم بن سلام (م: 224ھ) کی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' ہے ان میں سے کچھ کتابیں ختم ہو چکی ہیں اور جو بچی ہیں ان کے اردو ترجمے دستیاب ہیں۔

آنحضور ﷺ کے بعد خلافت راشدہ نے کسب معاش کے جو اقدامات عملی طور پر کیے ان کی اسلامی معیشت میں بنیادی اصولوں کا مقام حاصل ہے۔ خلفائے راشدین کے دور کے بعد ائمہ اربعہ کا نمبر آتا ہے اور انہی کے اصولوں کو اساسی مقام حاصل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوعبید القاسم کا معاشیات کے ارتقاء میں کردار

تعارف:

آپ کا اسم گرامی قاسم، کنیت ابوعبید اللہ اور والد کا نام سلام تھا۔ آپ 150ھ میں ہرات میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ہرات میں حاصل کی پھر اس کے بعد کوفہ بصرہ اور بغداد جو اس دور میں علم وادب کا مرکز ومحور تھے۔ وہاں سے قرأت، حدیث، فقہ، صرف ونحو کی تعلیم پر عبور حاصل کیا۔

خراسان سے واپسی:

علم حاصل کرنے کے بعد خراجان واپس آئے تو وہاں کی با اثر شخصیات کی اولاد کو تعلیم وتربیت دینے لگے۔ قرآن وحدیث میں عمیق نظر اور فقہی مسائل پر مہارت حاصل تھی یہی وجہ تھی کہ ثابت تصر بن مالک نے طرطوسی گورنری کے دور میں آپ کے وہاں کا قاضی مقرر کیا اور تقریباً 18 سال تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

امام ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں ''وہ وسیع العلم امام مجتہد تھے'' فقہ میں آپؒ نے امام شافعی سے استفادہ حاصل کیا۔ امام احمد بن حنبل کی نظر میں ابوعبیدہ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپؒ عربی لغات میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

تصانیف:

آپؒ کی کل 34 تصانیف ہیں آپ کتابوں کی تصنیف محققانہ انداز میں اور دل کی گہرائیوں سے کرتے ہیں۔ آپؒ نے اپنی تصنیف ''غریب والحدیث چالیس برس کے لمبے عرصے میں مکمل کی جو حدیث کے مشکل کلمات وعبادات کی شرح ہے، جب اس تصنیف کو گورنر عبداللہ بن طاہر کی نظر میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''جس دماغ کی صلاحیتوں کا مالک ایسی نفیس کتاب تصنیف کر سکتا ہے وہ یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اسے معاشی فکر سے مکمل آزاد کر دیا جائے''۔ (۲)

انہوں (عبداللہ بن طاہر) نے آپ کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

مکہ مکرمہ کی زیارت:

عمر کے آخری حصے میں حج کی غرض سے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا حج ادا کرنے کے بعد عراق واپس جانے کا ارادہ کیا۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی زیارت کر رہے ہیں جب میں اپنی باری پر اندر داخل ہونے لگا تو دربانوں نے مجھے منع کر دیا۔ میرے احتجاج کرنے پر انہوں نے مجھے کہا کہ تم حضور ﷺ کی خدمت میں باریاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ تم کل عراق جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اس طرح تم حضور ﷺ کو سلام نہیں کر سکو گے۔ میں نے جواب دیا کہ میں اور میرے والدین آپ ﷺ پر قربان ہوں میں اس دولت کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا میں نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا انہوں نے مجھ سے وعدہ لینے کے بعد حاضری کا موقع دیا اس طرح مجھے آپ ﷺ سے سلام ومصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

وفات:

آپ نے مکہ میں ہی رہائش اختیار کی اور 224ھ بمطابق 834ء میں انتقال کر گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت وریاضت:

آپ کو تقویٰ وطہارت میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ رات کا تقریباً ایک تہائی حصہ عبادت وریاضت میں گزارتے تھے، ایک تہائی حصے میں تصنیف وتالیف کرتے تھے اور ایک تہائی حصہ میں سوتے تھے۔

اہم تصانیف:

امام ابوعبید نے تقریباً 34 کتابیں تصنیف کیں جن میں سے چند اہم تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب الناسی والمنسوخ
۲۔ ادب القاضی
۳۔ کتاب غریب الغت
۴۔ کتاب الامثال (فقہ کے موضوع پر)
۵۔ غریب القرآن
۶۔ کتاب الاموال (خراج کے موضوع پر)
۷۔ کتاب الحدیث

معاشی افکار

آپؒ نے تقریباً 34 کتابیں تصنیف کیں۔ وہ سب غیر مطبوعہ ہیں سوائے کتاب الاموال کے یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے آپ نے اپنی کتاب الاموال میں مندرجہ ذیل معاشی مسائل پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

عشور (تجارتی سامان پر موصول):

عشور اسلامی ریاست کی آمدن کا وسیلہ ہے یہ تجارتی سامان پر ایک قسم کی چنگی ہے جو ذمیوں اور اہل حرب تاجروں سے ان اموال پر لیا جاتا ہے جسے وہ ایک علاقے سے دوسرے علاقے یا پھر ایک ملک سے دوسرے ملک میں در آمد و برآمد پر لگائے گئے تھے۔

ابوعبید کا قول ہے کہ:

''عشور لینے کے احکام سب سے پہلے حضرت عمر نے جاری کئے تھے۔ ذمیوں سے 5% اور اہل عرب سے 10% عشور لیا جاتا تھا''۔

امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ:

''اہل عراق کی نظر میں عشور زکوٰۃ کو مشابہ ہے مگر عشور کے زکوٰۃ نہیں کہہ سکتے وہ اس لئے کہ زکوٰۃ تو سال گزرنے کے بعد وصول کی جاتی ہے جبکہ عورنیا سامان درآمد و برآمد کرنے پر سال گزرے بغیر وصول کیا جاتا ہے۔ امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ میرے نظر میں سفیان کا قول عدل پر مبنی ہے اور حضرت عمرؓ کے منشاء سے زیادہ ملتا ہے''۔ (۳)

آپؒ مزید فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اگر ایک تاجر سال میں کئی مرتبہ آمد و رفت کرتے ہوئے عاشر کے قریب سے گزرے تو اس سے صرف ایک بار ہی عشور وصول کیا جائیگا''۔(۴)

جزیہ (معاوضہ):

جزیہ سے مراد وہ معاوضہ ہے جو ذمیوں سے طے شدہ شرائط کے مطابق وصول کیا جائے اس کی نسبت سے ان کا قتل رک جاتا ہے اور ان کے اموال کی حرمت ہو جاتی ہے امام صاحب کے نزدیک

''جزیہ صرف بالغ مردوں سے لیا جائے گا نہ کہ عورتوں اور بچوں سے''۔(۵)

آپ مشرکین عرب کے علاوہ تمام اہل کتاب عربوں اور غیر عرب اقوام سے جزیہ لینے پر متفق ہیں چاہے یہ اقوام اہل کتاب ہو یا نہ ہوں۔(۶)

''جزیہ کی رقم میں گاہے بگاہے ردو بدل کیا جا سکتا ہے''۔(۷)

خراج (محصول، آمدنی):

خراج کے معنی کرایہ، محصول، آمدنی، حق پیداوار کے ہیں۔

''اس لئے اہل عرب زمین کی پیداوار، گھر کا کرایہ کی آمدنی کو خراج تشبیہ دیتے ہیں''۔(۸)

ابو عبید کا نظریہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن ذمیوں سے خراج لیا تھا وہ محض زمین کا کرایہ تھا کیونکہ خراج تمام زمینوں کی آمدن کا نام ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت طے پاتی ہے اور اکثر ان زمینوں پر وہ غیر مسلم لوگ کام کرتے ہیں جو پہلے سے ہی رہائش پذیر ہوتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے معین مقدار غلہ یا رقم کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے۔

خراج کی زمین پر کام کرنیوالوں کو ایک خاص مقدار میں اجرت دی جاتی ہے جس کی بناء پر وہ مسلمانوں کے مزارع ہوتے ہیں اس اجرت کو ادا کرنے کے بعد جو اشیاء بھی زمین سے پیدا ہوں گی وہاں مزارعین کی ہوں گی۔(۹)

ابو عبیدہ کے نزدیک جزیہ کی طرح خراج کی بھی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے مگر اس اصول پر عملدرآمد کیا جائے کہ خراج مقرر کرتے وقت زمین کی پیداوار کو دیکھا جائے اتنا کم نہ ہو کہ اسلامی حکومت کیلئے اس علاقے کا دفاع اور انتظام مشکل ہو جائے اور نہ اتنی زیادہ ہو کہ زمین پر جو مزارعین کام کر رہے ہوں ان کے لئے بوجھ اور وبال جان بن جائے۔

اقطاع:

اقطاع سے مراد حکومت کی طرف سے کسی کو ''جاگیر'' دینا ہے امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ:

''اقطاع اس جاگیر کو کہتے ہیں جو حکومت کی طرف سے لوگوں کی اجتماعی بھلائی اور ان کے فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے دی جائے۔ مگر زمین سے مفاد حاصل کرنے والے کو اجتماعی فائدے کے مطابق کام کرنا ہوگا''۔

امام ابو عبیدہ مزید فرماتے ہیں کہ:

''میرے خیال میں اقطاع ان تمام زمینوں پر جائز ہوتا ہے جو بیکار اور غیر آباد ہوں۔ اس زمین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق امام کو ہے"۔

غنیمت اور فئے میں فرق کی وضاحت:

ابوعبیدہ نے غنیمت اور فئے میں کچھ اس طرح وضاحت کی ہے کہ مشرکین سے جنگ کے دوران جو کچھ حاصل ہو تو غنیمت کے زمرے میں آتا ہے اس کے پانچ حصے کر کے مستحق لوگوں کو دیئے جائیں مشرکین سے جنگ ختم کرنے بعد اور فتح کئے ہوئے علاقوں کو اسلامی مملکت میں شامل کرنے کے بعد جو کچھ بھی حاصل ہو وہ فئے ہے جو عامۃ الناس کی اجتماعی ملکیت ہوگا بالکل اسی طرح وہ تمام اموال بھی فئے میں شامل ہوں گے جو اہل حرب سے جنگ ہونے سے پہلے ملیں مثلاً ایک لشکر دشمن پر حملہ کا ارادہ کرے اور جب دشمن کو اس کی خبر ملے تو وہ اس حملہ سے بچنے کے لئے انہیں مال بھیجے اس شرط پر کہ وہ ان پر حملہ نہیں کریں گے۔(۱۰)

حمی اور اجتماعی مفاد:

عربی میں ہر وہ چیز جسے کوئی ایک فرد یا جماعت اپنے فائدے کیلئے محفوظ کرے اور اس میں دوسروں کی دخل اندازی ممنوع ہو "حمی" کہلاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ

"کسی علاقہ کو حمی قرار دینے کا حق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے"۔

امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں اس حدیث پر تبصرہ کیا اور فرمایا کہ

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حمی قرار دینے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ کہ کسی علاقے کو اسی لئے ممنوعہ قرار دیا جائے کہ وہاں سے راہ خدا میں لڑنے والے مجاہدین کے گھوڑے خوراک پائیں اور اس بارے میں خود رسول اللہ ﷺ کا عمل موجود ہے۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ کسی زمین کو صدقہ کے جانوروں کے چرنے کیلئے اس وقت تک ممنوع قرار دیا جائے کہ وہ اپنے مستحقین میں تقسیم ہو جائیں اور اس صورت پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا تھا"۔(۱۱)

کتاب الاموال

کتاب الاموال خراج کے موضوع پر مفصل اور جامع کتاب ہے اس کتاب میں احادیث و آثار کے علاوہ رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے کئی ایسے خطوط اور خطبے نقل کئے گئے ہیں جو ابو یوسف کی کتاب "اخراج" میں نہیں ہیں اس کتاب میں زمین کے بارے میں احکام، عشر، زکوۃ، اہل ذمہ سے جو معاہدے کئے گئے اور جزیہ کے احکام وغیرہ ابو یوسف کی کتاب الخراج سے زیادہ ہیں۔

کتاب الاموال میں مندرجہ ذیل معاشی موضوعات پر بحث شامل ہیں۔

۱۔ بیت المال کے ذرائع آمدن
۲۔ مال فئے اس کے مختلف طریقے
۳۔ فئے خمس، جزیہ اور خرج کے مسائل
۴۔ زکوۃ کی وصولی، احکام و مصارف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ فوجی قوت کے تحت مقبوضہ علاقوں میں خراج لگان

۶۔ مصارف فئے میں سے وظائف کی تقرری کا نظام

۷۔ بچوں عورتوں اور غلاموں کے وظائف مقرر کرنا

۸۔ اسلامی ریاست میں سماجی تحفظ

زمینوں کے متعلق احکام، اراضی کی آبادکاری، گھاس، پانی کی زمین کی مشترک ملکیت کا تصور پیمائش و پیمانے کا تصور، عشور اور اس کی شرحیں وغیرہ الغرض یہ کتاب اسلامی ریاست کا ذریعہ آمدنی اس کی تقسیم مصارف اور نظام محاصل پر مبنی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

علامہ ابن حزم کا معاشیات کے ارتقاء میں کردار

تعارف:

آپؒ کا نام ابو محمد علی بن سعید ابن حزم ہے۔ آپؒ 384ھ ماہ رمضان کے آخری ایام میں 7 نومبر 994ء کو قرطبہ میں پیدا ہوئے۔(۱۲)

آپ کا خاندان منت یتیم بے ناصی بستی میں آباد ہوا۔

پرورش:

آپؒ کے والد منصور ابی اور اس کے بیٹے مظفر کے وزیر ہونے کی نسبت سے آپ کی پرورش محلوں میں ہوئی۔ اس زمانہ میں وزیر ہونے کی نسبت سے آپ کی پرورش محلوں میں ہوئی۔ اس زمانہ میں وزیرزادوں کی پرورش کی ذمہ داری باندیوں کے ذمے ہوتی تھی۔ آپ کی نگرانی بھی باندیوں کے سپرد تھی۔

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم بھی ان کی باندیوں کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ نے ان سے قرآن حفظ کیا۔ قصص واخبار اور اشعار بھی ان سے سیکھے۔ بلوغت کی عمر کو پہنچے تو ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن یزید اذری کی شاگردی میں رہے اس کے بعد سماعت خدمت کیلئے قرطبہ کے مشہور محدث ہمدانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

والد کا انتقال:

402ھ میں والد کی وفات کے بعد ''مریہ'' میں جا کر درس ومطالعہ کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو وقف کر دیا۔

قید وجلاوطنی:

مریہ کے گورنر نے سیاسی اختلاف کی بناء پر 407ھ میں آپؒ کو جیل بھیج دیا۔ ایک ماہ کی قید کے بعد آپ کو جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد آپ اموی حکمران عبدالرحمٰن بن محمد کے وزیر رہے۔

آپؒ شروع میں شافعی مذہب جانتے تھے مگر بعد میں انہوں نے ظاہری فرقہ کی حمایت کی۔ ابن حزم کے نزدیک فقہی انبساط کی ان جذبات کو ختم کر دیا جائے جن کی بنیاد قرآن وحدیث پر نہ ہو۔ ان کی کتاب ''الفعل فی المعل هواد والنحل'' میں اسلام کے مذہبی فرقوں پر بڑی تیز اور تلخ تنقید کی ہے۔

ابن حزم مناظرے کے شوقین تھے۔ ان کی تنقید سے الشعری امام ابوحنیفہ اور امام مالک جیسے صاحب علم ودانش بھی نہ بچ سکے۔

وفات:

458ھ بمطابق اگست 1064ء میں شعبان کے مہینے میں کالق حقیقی سے جا ملے۔

تصانیف:

مؤرخین کے نزدیک انہوں نے تقریباً 400 کتابیں لکھیں۔ جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱. طوق الحمامة فی الدلفه والدف
۲. رساله فی قفل الاندلسی
۳. ابطال القیاس
۴. الاحکام فی اصول الاحکام
۵. المحل بالاثار فی شرح المحل
۶. ایصال الی فی المحصال
۷. کتاب المحلی

ایک مشہور کہاوت کے مطابق ابن حزم کا قلم اس قدر تیز چلتا تھا جسے حجاج کی تلوار

معاشی افکار

ابن حزم کے معاشی افکار ان کی شرہ آفاق کتاب ''المحلی'' میں تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ معاشی کفالت کا بندوبست کرنا:

ابن حزم کے نزدیک معاشرے میں رہنے والے تمام محروم المعیشت لوگوں کی کفالت کا بدوبست کرنا خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے۔ ان کی وہ تمام ضروریات زندگی بیت المال سے پوری کی جائیں گی اور اگر بیت المال سے ان کی ضروریات پوری نہ ہوسکیں تو اہل ثروت کو مجبور کیا جائے کہ وہ غریبوں کی مدد کیلئے رقم دیں''۔ یہ آیت ان کے خیال کی عکاسی کرتی ہے۔

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ﴾ (بنی اسرائیل:26)

''اور قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے جو حق تم پر واجب ہیں وہ ادا کرو''۔

۲۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کے داعی:

ابن حزم محنت ومشقت اور دولت میں مثبت پہلو کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجیر چاہے آزاد ہو یا غلام ان سے صرف اتنا ہی کام لیا جائے جتنا ان کا جسم کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جسمانی سکت سے زیادہ مشقت نہ لی جائے۔

ابن حزم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

''اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، ننگا اور ضروریات زندگی کی سہولت سے محروم ہو تو مالدار کے فاضل سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے''۔ (۱۳)

میراث اور وصیت کا بیان:

ان کے نزدیک وصیت غیر وارث رشتے دار کے لئے فرض ہے۔ وصیت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ مال کی اتنی مقدار میں وصیت کرے جس سے یہ فریضہ پورا کیا جاسکے۔ وہ اس لئے کہ ان کے خیال میں واجبہ کا ختم کرنا ظلم کے مترادف تصور کیا جائے گا۔ وصیت کے نفاذ کی دیکھ بھال قاضی یا حکام کو کرنی چاہیے تاکہ وہ اس کی عدم وصیت میں متاثرہ لوگوں کو ان کے حقوق دلائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وراثت میں یتیم و مسکین کا حصہ:

اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ جب میراث تقسیم کی جائے تو اس وقت اگر یتیم و مساکین آ جائیں تو انہیں بھی کچھ دے دیں۔ مگر ابن حزم کے مطابق یہ عطیہ اختیاری ہے بلکہ وجوبی ہے اگر ورثاء انہیں حصہ دینے سے انکار کریں تو حاکم کا فرض ہے کہ زبردستی دلائے۔

زمین کو اجارہ/ٹھیکہ پر دینے کی ممانعت:

قوی دولت کا دارومدار نظام اراضی پر ہے۔ ابن حزم مزارعہ اراضی کو اجارہ یا ٹھیکہ پر دینے کے حق میں نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "زمین کو کھیتی باڑی کیلئے، نہ تعمیر کیلئے، نہ باغ لگانے میں نہ ہی کسی اور مقصد کے لئے اجارہ پر دینا ٹھیک نہیں چاہے وہ کم عرصے کے لئے ہو یا زیادہ عرصے کے لئے، یہ اجارداری درہم و دینار کے بدلے بھی درست نہیں اور نہ کسی چیز کے عوض اگر چہ زمین ٹھیکے پر دے دی جائے تو اسے مسخ کر دیا جائے گا۔(۱۴)

قابل کاشت زمین کے متعلق بیان:

ابن حزم کے مطابق کاشت زمین کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اپنے آلات واعوان اور حیوانات کے ذریعے خود کاشت کرے اور بیج ڈالے۔

۲۔ دوسروں کو زراعت کے لئے بلا معاوضہ دے دے۔

۳۔ اپنی زمین مزارع کو دے دے اور مالک پیداوار میں اپنی مرض سے آدھا یا چوتھائی حصہ یا پھر اس سے کم یا زیادہ دے مگر زمین کے مالک کو چاہیے کہ وہ کوئی اور شرط عائد نہ کرے۔ اگر زمین میں کچھ بھی پیدا نہ ہو تو مزارع نہ کچھ لے اور کچھ نہ دے۔

اگ زمین کا مالک ان میں سے کسی طریقے کو پسند نہیں کرتا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی زمین واپس لے لے۔(۱۵)

مزارع سے خدمت لینے کی ممانعت:

ابن حزم کا خیال ہے کہ مزارعت میں کاشتکار سے متعلق کاموں کے علاوہ کسی قسم کی خدمت لینا ناروا ہے وہ اس سے اپنا ذاتی کام نہ کروائے خود وہ کسی بھی نوعیت کا ہو۔ مثلاً ذاتی مکان بنوانا، اس کی صفائی کروانا وغیرہ۔

اجیر مشترک اور اجیر خاص پر تاوان کا مسئلہ:

اجیر مشترک سے مراد ایسا مزدور جو اپنا ایک خاص اور مستقل کاروبار چلاتا ہے اور ہر فرد اپنے کام کے سلسلے میں اس سے مدد لیتا ہے۔ اجیر خاص ایسے مزدور کو کہتے ہیں جو اپنی خدمات کسی ایک فرد کیلئے بغوض وقف کر دے مثلاً گھر کا ملازم وغیرہ۔

ابن حزم کے مطابق اگر کام کرنے کے دوران ان سے کوئی غلطی یا نقصان ہو جائے تو ان دونوں سے تاوان وصول کیا جائے گا جبکہ تمام فقہاء کی نظر میں اجیر خاص تاوان سے بری الذمہ ہوگا۔

سخت مجبوری کے متعلق بیان:

ابن حزم کے مطابق اگر کوئی شخص پیاسا ہے اور اسے اپنی موت کا خدشہ ہے تو اس پر فرض ہے کہ اسے جہاں سے جس طریقے سے پانی میسر ہو وہ اسے حاصل کرے۔ خواہ اس کوشش میں قتال کی نوبت ہی کیوں نہ آ جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس اپنی حاجت سے زیادہ کھانے پینے کا سامان موجود ہو اس کے برعکس دو شخص بھوک سے اس قدر بے چین و بے قرار ہوں کہ اسے موت کا ڈر ہو تو بجائے اس کے وہ مردار یا خنزیر کھائے اس کا حق ہے کہ جبراً اس پر قبضہ کر کے اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے اسلام کے نزدیک بھی صاحب طعام کا فرض ہے کہ وہ بھوک میں مبتلا شخص کو کھانا کھلائے۔ ابن حزم کے نزدیک ضرورت مند اور غریب کی کفالت کرنے کے ذمے اور صاحب دولت ہیں۔

اسلام کے معاشی نظام میں ریاست کی ذمہ داریاں:

ابن حزم نے دولت و سرمایہ کاری پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ حقوق واجبہ پر بھی بحث کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ "شہر کے ہر صاحب ثروت پر فرض ہے کہ وہ فقراء اور مساکین اور حاجت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام کریں اس فرض کی ادائیگی نہ کرنے پر خلیفہ وقت یا امام انہیں مجبور کر سکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ اور فئے ان کی کفالت کیلئے ناکافی ہوں۔ ان کے نزدیک رعایا کی تنگدستی کی صورت میں ان کے لئے ضروریات زندگی کا سامان، کھانا پینا، موسمی تغیرات سے بچاؤ کا لباس اور رہائش کیلئے مکان فراہم کر کے ان کی کفالت کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن تیمیہ کا معاشیات کے ارتقاء میں کردار

تعارف:

ابن تیمیہ کا نام احمد تقی الدین اور کنیت ابو العباس ہے۔ آپ ۱۰ ربیع الاول 661ھ بمطابق 23 جنوری 1263ء کو موصل اور شام کے درمیان ایک چھوٹے سے شہر حران میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان میں سات آٹھ پشتوں سے درس و تدریس کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔

آپ کے والد عبد الحلیم، دادا عبد السلام اور غالباً دادی تیمیہ تھیں۔ یہ سب ہی علم فضل میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ احمد تقی الدین کے ساتھ ابن تیمیہ بھی اسی وجہ سے منسلک ہوا۔ ان کی دادی تیمیہ ایک ایسی دعا علم خاتون بزرگ تھیں جس کی وجہ سے اس خاندان نے علم و حکمت میں بلند مقام حاصل کیا اور درس و تدریس کو اپنا نصب العین بنالیا۔ ابن تیمیہ کی عمر ابھی چھ سال نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ فتنہ تاتاریوں کی وجہ سے اپنے وطن حیران کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اور دمشق آ گئے۔ ابتدائی تعلیم اور قرآن مجید گھر پر ہی حفظ کیا۔ اس کے بعد چار سال کے تھوڑے عرصے میں ہی دوسرے تمام علوم میں ماہر ہو گئے۔ عقل کو حیران کر دینے والی بات یہ ہے کہ انہیں صرف سترہ سال کی عمر میں فتویٰ صادر کرنے کا اہل قرار دیا گیا۔ ابھی ان کی عمر 21 سال ہی ہوئی تھی کہ والد صاحب ان کو یتیم کر گئے۔

28 سال کی عمر میں انہیں قاضی القضاۃ کا منصب سنبھالنے کیلئے کیا گیا لیکن انہوں نے اس عہدہ کو یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں ابھی اس نازک منصب کے قابل نہیں ہوں۔ اسلامی فقہ کی تاریخ میں ساتویں اور آٹھویں ہجری عہد مناظرہ کہلاتی ہے ابن تیمیہ کا تعلق حنبلی مکتبہ فکر سے تھا اس لئے انہوں نے ربیع الاول 290ھ میں حماۃ کے مقام پر ایک استفتاء کا جواب تحریر کیا۔ جو العقیدہ الحمدیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

بنیادی عقائد:

۱۔ آیت کی تاویل کرنا غلط ہے۔

۲۔ زیارت قبول حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کے مزار مبارک کی باقاعدہ زیارت کیلئے جانا بھی گناہ ہے۔

۳۔ قرآن کریم کے لفظی معانی ''مراد'' ہیں۔

زیارت قبور والے نظریے پر بھی بہت اعتراضات ہوئے۔ لیکن اس وقت وہ قید خانے میں تھے پھر بھی انہیں قید خانے میں ہونے کے باوجود فتویٰ صادر کرنے کی اجازت تھی مگر اس فتویٰ کے بعد ان سے یہ بھی اجازت واپس لے لی گئی اور قید خانے میں ان کے پاس جو تحریر کرنے کے لئے کاغذ و قلم تھے وہ سب واپس لے لئے گئے تھے۔ آخری تحریری انہوں نے آخری تصنیف دیوار زندان پر کوئلے سے لکھی۔

''اصلی سزا مجھے اب ملی ہے کہ مجھ سے لکھنے کا سامان چھین لیا گیا ہے''۔

تصانیف:

ان کی تصانیف 500 کے قریب بتائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ تو ایک ہزار سے بھی اوپر بتاتے ہیں۔ ان کی تصانیف حکومت و سیاست کے بارے میں بہت ہی مقبول ہوئیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱. الامامة و السیاسة
۲. السیاسة الشرعیه فی اصلاح الراضی و الرعایا
۳. منهاج النبوة
۴. دیوارِ زندان
۵. العقیده الحمدیه

وفات:

ابن تیمیہ بیمار ہوئے اور بیماری نے بیس دن اتنا گھیرا کہ وہ 27 ستمبر 1328ء بمطابق 727ھ اس دنیا فانی سے رخصت فرما گئے۔ ان کے جنازے میں کم وبیش دو لاکھ سے بھی زائد لوگوں نے شرکت کی۔ ابن تیمیہ نے کل 66 سال کی عمر پائی جس کا زیادہ حصہ معتقی میں گزرا۔ ایک طویل مدت بار بار قید خانے میں جا کر گزاری۔

معاشی افکار

ابن تیمیہ نے تقریباً بہت سے موضوعات پر قلم اٹھایا جس میں فقہی مسائل، تقابل ادیان اور اس وقت کے غلط قسم کے پیدا شدہ نظریات کے رد میں گفتگو کرتے تھے اور ہمیشہ حق بات کہتے۔ انہوں نے اسلامی ریاست کی معاشیات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

ا۔ مالیات کی وصولی کی اجازت:

ابن تیمیہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو مالیات کی وصولی کی اجازت اس حد تک دیتے ہیں کہ جو کتاب السنّت کے مطابق ثابت ہیں یعنی زکوٰۃ، مالِ غنیمت اور فئے وغیرہ۔

(الف)۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے متعلق ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس کا نصاب اور وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ لی جائے۔ مفصل بحث کرتے ہیں اور زکوٰۃ کی اس تفسیر کو بیان کرتے ہیں جن کا ذکر سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 60 میں آیا ہے۔ وہ طاقتور اور محنت کے ذریعے رزق کمانے کی طاقت رکھنے والوں کو زکوٰۃ کا مستحق قرار نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک ایسا اس لئے ہے کہ ایسے لوگ جو روزی کما سکتے ہیں اور روزی کمانے کے موقع بھی ان کو میسر ہوں پھر وہ سستی اور کاہلی اختیار کریں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ بیٹھنے والوں کو زکوٰۃ کا مستحق قرار نہیں دیتے۔

مقروض کے متعلق ابن تیمیہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ قرض کی حد تک زکوٰۃ سے مقروض کا قرض ادا کر دیا جائے لیکن اس کا قرض کسی اپنے عیش وعشرت یا گناہ کی تکمیل کیلئے نہ لیا گیا ہو اگر ایسا ثابت ہو جائے تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی ادائیگی نہیں کی جائے گی جب تک کہ مقروض ان گناہوں سے توبہ نہ کر لے جن کی وجہ سے وہ مقروض ہوا ہے۔

وہ زکوٰۃ کے مصارف میں سے فی سبیل اللہ کے متعلق کہتے ہیں کہ نادار مجاہدین کی خوراک اور ان کیلئے اسلحہ وغیرہ کا انتظام زکوٰۃ کی رقم سے کیا جا سکتا ہے اور اس میں حج فی سبیل اللہ کو بھی شامل کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب)۔ مال غنیمت:

مال غنیمت جس کو عربی میں ایسا مال کہتے ہیں جو جنگ میں مجاہدی کو فتح حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس کو خرچ کرنے کا طریقہ کار سورۃ الانفال میں دیا گیا ہے۔ اور اس کے متعلق ابن تیمیہ بحث کرتے ہیں کہ جن آیات میں مال غنیمت کا ذکر ہے۔ مال غنیمت کے مصارف قرآن مجید کے مطابق بیان کرتے ہیں وہ نسب یا فضیلت کی وجہ سے کسی کو زیادہ حصہ دینے کے حق میں نہیں ہے اور انہوں نے وضاحت کیلئے آنحضور ﷺ کے دور کا یہ واقعہ نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کسی اچھے آدمی کو کم حیثیت والے آدمی پر ترجیح دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''یاد رکھو! تم لوگوں کو اپنے ضعیفوں اور مخلوق الحال لوگوں کی بدولت رزق دیا جاتا ہے اور انہی کے طفیل مدد دی جاتی ہے''۔

لیکن وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی مجاہد کی میدان جنگ میں عمدہ کارکردگی کے صلہ میں اسے انعام دیا جا سکتا ہے۔ اس کے مطابق پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو تین حصے دیئے جانے کے حق میں ہیں۔ اس سلسلہ میں عقلی اور نقل دو قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

فتح خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے بعد سواروں کو تین حصے دیئے گئے تھے کیونکہ سوار کو دو ہرا خرچ کرنا ہوتا ہے یعنی اپنی ذات پر بھی اور اپنی سواری کیلئے بھی یعنی گھوڑا وغیرہ۔ کیونکہ دو آدمیوں سے اس قدر فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا جتنا کہ گھوڑے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(ج)۔ مال فئے:

سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی نضیر کے مدینہ سے نکل جانے کے بعد ان کے مال و اسباب اور جائیدادیں ان کے قبضہ سے نکل کر نبی کریم ﷺ کے قبضہ میں آ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی لڑائی اور مشقت کے یہ مال دیا ہے کہ جس کو مال فئے بھی کہتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کر دی کہ اے مسلمانو! تم نے کوئی ان پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے کیونکہ ان کی گڑھیاں صرف مدینہ سے ایک میل کے فاصلے پر تھیں اور مسلمان یہاں بغیر کسی مزاحمت کے پہنچ گئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے اسے غلبہ اور تسلط دے دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی بغیر کسی معرکہ آرائی کے بنی نضیر پر غلبہ عطا فرما دیا۔

مال فئے کی تقسیم کا طریقہ کار:

سورۃ الحشر میں ارشاد ہے یہودیوں کی ان بستیوں کو بغیر لڑائی کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بخش دین جو مال و جائیداد اس میں تھا اللہ اور اس کے رسول کے قریبی رشتہ داروں کا اس میں حصہ مقرر کر دیا اور اس کے علاوہ غریبوں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا بھی حصہ ہے ایسا نہ ہو کہ صرف مال دار ہی اس سے فائدہ اٹھائیں اور غریب اور نادار اور حاجت منداس سے محروم ہو جائیں مزید کہا جا رہا ہے کہ جو اللہ کا رسول ﷺ تمہیں کوشی سے عطا کر دے اسے قبول کر لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ اور فرمان رسول کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ نافرمانی رسول ﷺ کی بہت سخت سزا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن تیمیہ مال فئے کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے معنی مال کو لوٹا دینے کے ہیں کیونکہ مال فئے ایسا مال ہے جو اللہ تعالیٰ کافروں کی جانب سے مومنوں کو لوٹا دے۔ ان کا کہنا ہے کہ مال فئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدد کیلئے بنایا ہے اور اصلاح میں فئے اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے بغیر حاصل کیا جائے۔

جزیہ یا تجارتی ٹیکس کی وصولی:

ابن تیمیہ جزیہ رقم میں مصلحت غیر مسلم حکومت کے تحائف، حربی تاجروں کے تجارتی مال پر دسواں حصہ یا ذمی تاجروں پر بیسواں حصہ تجارتی ٹیکس کی حیثیت سے حکومت وقت وصول کر سکتی ہے۔ ان کے علاوہ عہد شکنی کی وجہ سے کفار سے حاصل شدہ جرمانے، لاوارث مال جن میں مال فئے وغیرہ شامل ہیں اور وہ مال فئے کو امت کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے نزدیک مجاہدین کی جماعت بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ ملکی دفاع کا اہم فریضہ انجام دیتی ہے۔ اور اس لئے لشکر مال فئے کا دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔

عمال حکومت قاضی، علماء، زکوٰۃ وصول کرنیوالے، آئمہ مساجد اور موذن وغیرہ بھی مال فئے ویرہ کے مستحق ہیں۔ ان کے علاوہ اگر مفاد عامہ پر خرچ کیا جائے جن میں فوج کیلئے اور جنگی ساز و سامان کریدنا قلعوں کی تعمیر، اسی طرح فلاحی کاموں میں پل بنانا، سڑکیں تعمیر کرنا، مساکین کو دوسرے مسلمانوں پر ترجیح دینا وغیرہ شامل ہیں۔

ابن تیمیہ نو مسلم لوگوں کو تالیف قلوب کیلئے بھی مال فئے کی رقم خرچ کرنا جائز بلکہ ضروری تصور کرتے ہیں اور اسے وہ سنت نبوی ﷺ سے تعبیر کرتے ہیں آپ ﷺ نے سرداروں کی تالیف قلب کیلئے مال فئے میں سے عطیات دیئے جیسا کہ سورۃ الحشر میں اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ تالیف قلوب کیلئے رقم اسی صورت میں خرچ کی جا سکتی ہے کہ دین کی کوئی مصلحت حاصل کرنا مقصد ہو۔

ابن تیمیہ نے فروخت کار کی اجارہ داری اور خریدار کی اجارہ داری ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی کی صورت میں سرکاری مداخلت کی حمائت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ان چیزوں کو سختی کے ساتھ ختم کریں۔ اسی طرح انہوں نے اپنی کتاب الحسبہ فی الاسلام میں اشیاء کی قیمتوں کے متعلق بات کی ہے اور اس کے ساتھ ہی منڈی کی نوعیت کو بھی واضح کیا ہے نیز پیدا کرنے والوں، تاجروں اور آڑھتیوں پر اسلامی قانون اخلاق کے مطابق دیانتدارانہ انداز میں ان سے لین دین کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ریاست پر عوام الناس کی فلاح و بہبود کی ذمہ داریوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن خلدون کا معاشیات کے ارتقاء میں کردار

تعارف:

آپ کا نام ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد خلدون ہے ابن خلدون کی پیدائش یکم رمضان 732ھ بمطابق 27 مئی 1332ء میں تیونس میں ہوئی۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ کندہ سے تھا۔

خلدون کی وجہ:

خلدون خالد ہی کی شکل ہے جس نے پہلی صدی ہجری میں پہلی بار اسپین پر اسلام کا جھنڈا لہرایا اور اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ان کے خاندان میں سے خالد نامی شخص تھا یہی وجہ تھی کہ خاندان کے تمام لوگ ابن خلدون کہلاتے تھے۔

علمی مقام و مرتبہ:

ابن خلدون نے قرآن، حدیث، فقہ، منطبق، علم الکلام، صرف ونحو، شعر ادب اور باقی مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور عقائد پر بھی عبور حاصل کیا۔

عملی زندگی کا آغاز:

بنو مرین کے دور میں انہوں نے اپنی عملی زندگی کی شروعات کیں اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے دربار پر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا۔ 755ھ میں سلطان ابوعنان المرینی کا سیکرٹری ہونے کا عہدہ ملا۔ اس وقت انہیں تلخ و تیز تجربات کا سامنا کرنا پڑا۔ بادشاہ کی ناراضگی کے تحت انہیں قید کی تکلیف بھی اٹھانا پڑی۔ مگر جلد ہی آپؒ سلطان ابوسالم کے سیکرٹری اور قاضی مقرر ہوئے ابوسالم جب وفات پا گئے تو آپؒ نے غرناطہ میں رہائش اختیار کر لی۔ شمالی افریقہ سے واپسی کے بعد بنو حفص کے دربار سے وابستگی اختیار کی۔

حج بیت اللہ کا ارادہ:

ابن خلدون نے کچھ عرصہ تصنیف و تالیف میں گزارا پھر حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب حج سے فارغ ہو گئے تو مصر میں قیام کیا۔

اہم تصانیف:

ابن خلدون چودھویں صدی کا روشن ستارا تھا۔ انہوں نے اپنے افکار کے ذریعے افریقہ کی تنگ و تاریک زندگی کو روشن کیا۔

آپ کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ و مقدمہ
۲۔ ریاضی کے متعلق ایک کتابچہ
۳۔ شرح قصیدہ بردہ
۴۔ کتاب الصبر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۔ قطع ایک رسالہ

۶۔ عربوں کی تاریخ

وفات:

ابن خلدون نے تدریس و تالیف میں تقریباً پندرہ برس گزارے۔ 808ھ میں ''قاہرہ'' میں فوت ہوئے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔

معاشی افکار

ابن خلدون کو وہ پہلا مسلمان مانا جاتا ہے جس نے معاشی مسائل پر بحث کی۔ ان کا زندہ شاہکار مقدمہ تاریخ کی شکل میں موجود ہے۔ ان کا خیال ہے کہ معیشت کو بہتر کرنے میں سیاسی حالات کو بڑا عمل دخل ہوتا ہے اگر چہ ہلکے انتظام و انصرام چلانے کیلئے روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسے ٹیکس کے ذریعے پورا کرنا پڑتا ہے۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ اگر بجٹ متوازن ہوگا تو اس کے ذریعے حاکم اور عوام کے درمیان خوشگوار وابستگی پیدا ہو سکتی ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل اہم معاشی افکار ہیں۔

انسان کی ضروریات وخواہشات کی تکمیل:

ہر انسان بنیادی خواہشات رکھتا ہے اور انہیں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ابن خلدون نے ان خواہشات کی درجہ بندی پر تفصیلاً بحث کی ہے۔

۱۔ فطری اور بنیادی خواہشات:

وہ خواہشات جو زیادہ شدید اور ناقابل مزاحمت ہوتی ہیں فطری اور بنیادی خواہشات کہلاتی ہیں ان میں غذائی ضروریات مثلاً ''شہوت بدنیہ'' حدت اور ٹھنڈک کی خواہشات یعنی جسم کو ڈھانپنے کیلئے لباس، سر چھپانے کا ٹھکانہ' جنسی تعلقات اور افزائش نسل کی خواہشات شامل ہیں۔ انسانی بقاء کیلئے یہ تمام خواہشات بے حد ضروری ہیں اور سماجی تعلقات کو پایہ تکمیل تک رسائی کا سبب ہیں۔

۲۔ غضب اور انتقام:

جسمانی خواہشات کے بعد غضب وغصہ اور انتقام لینے کا مادہ سامنے آتا ہے انسان ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اپنے ساتھ ہونیوالی زیادتی کا بدلہ لے۔

۳۔ خوف وہراس:

غضب وغصہ کے بعد خوف وہراس کا نمبر آتا ہے اس کی مخالفت میں اعتماد اور امید کی خواہشات جنم لیتی ہیں۔

۴۔ نفرت ونقصان پہنچانے کی خواہش:

صحت یا وابستگی، معاشرت، نفرت یا نقصان پہنچانے کی خواہش کے علاوہ کئی اور خواہشات بھی ہیں مثلاً غلبہ اور فتح وشفقت وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ پہچان اور معرفت:

وہ خواہشات جن کا تعلق تفریح اور یقین طبع سے ہے ان میں پہچان اور معرفت کی خواہشات وغیرہ بھی شامل ہیں۔
ابن خلدون کے مطابق بنیادی خواہشات انسانی معاشرے کی تشکیل اور اس کی مضبوطی کا سبب ہیں مگر چند ایسی خواہشات جن کی ضرورت کم ہوتی ہے ان کا اظہار معاشرہ اور انسانی تنظیم کے بعد ہوتا ہے۔ انہوں نے مال وزر کے حصول کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اس کا اصل مقصد عزت وآبرو، مقام ومرتبہ کو حاصل کرنا بھی ہوسکتا ہے۔

۶۔ ذریعہ معاش:

ابن خلدون نے مندرجہ ذیل ذرائع بیان کیے ہیں۔

۱۔ قدرتی ذرائع آمدنی
۲۔ زراعت
۳۔ تجارت، صنعت

ابن خلدون اور ارسطو کی نظر میں انسان کا یہ حق ہے کہ وہ قدرتی اشیاء سے بہرہ مند ہو۔ ابن خلدون غلامی کے قائل نہیں۔ اگرچہ مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔ وہ اس بات کو دلائل سے بیان کرتے ہیں کہ انسان فطرتاً آزاد پیدا کیا گیا ہے اگر وہ کسی کام میں کسی کی غلامی کرتا ہے تو اس کی غلامی کا قدرتی ذریعہ نہیں بلکہ عارضی ہے۔
ان کے نزدیک جنگ کرنا بھی قدرتی ذرائع میں شامل ہے۔ انہوں نے زراعت، صنعت وحرفت، تجارت کے چند عناصر پر بحث کی ہے جو موجودہ دور کے مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۷۔ سلطنت کا معاشی نظام سے واسطہ:

کسی بھی ملک میں معاشی نظام کی ابتری اور ظلم وزیادتی سے ہر طرف مایوسی نظر آتی ہے جس کی بدولت لڑائی جھگڑا اور تنازعات کے حالات پیدا ہونے لگتے ہیں آخر کار سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ ابن خلدون کے مطابق کسی سے ناجائز مطالبات کرنا، ایسا کام سونپنا جس کی وہ اہلیت نہ رکھتا ہو، بشریعت کے خلاف کام کرنا وغیرہ نامناسب ہے اس کے علاوہ چند ایسے امور ہیں جن سے سلطنت زوال کا سبب بنتی ہے مثلاً رشوت لینا، بلا معاوضہ محنت کروانا، عوام سے ضروریات زندگی کا سامان سستے داموں خریدنا اور حکومت کو مہنگے داموں فروخت کرنا یہ سب ظلم و تشدد کی صورتیں ہیں۔

ابن خلدون کی نظر میں احتکار:

ابن خلدون احتکار کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ اس سے عوام استحصال کا سبب بنتے ہیں۔ شریعت میں بھی اسے ناجائز تصور کیا جاتا ہے۔

اشیاء کا مہنگا اور سستا ہونا:

ابن خلدون کہتے ہیں کہ کچھ چیزیں مہنگی ہوتی ہیں اور کچھ سستی ایسا کیوں ہوتا ہے پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چیزیں دو قسم کی ہوتی ہیں وہ بنیادی چیزیں جن کے بغیر گزارہ کرنا ناممکن ہیں۔ وہ سستی ہوتی ہیں اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے برعکس پرتکلف چیزیں مہنگی ہوتی ہیں۔

اجرت کا معیار:

ابن خلدون ''محنت'' کو ہی انسانی اجرت کا معیار تصور کرتے ہیں کیونکہ کا ان کا نظریہ ہے کہ اس کے بغیر قدرتی ذرائع سے فائدہ ناممکن ہے۔ رعایات اس قدر محنت کروائی جائے جتنی محنت کی صلاحیت وہ رکھتے ہیں اس اصول پر عمل درآمد نہ کرنیکی صورت میں قوت کار کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

تاریخ اور معاشیات کا آپس میں تعلق:

ابن خلدون تاریخ اور معاشیات کے باہمی تعلق سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسان کا کوئی ایک ٹھکانہ یا منزل نہ وہتی بلکہ وہ اپنی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے خانہ بدوشوں کی طرح کبھی ایک علاقے میں تو کبھی دوسرے میں پھرتا تھا۔ اگر اخلاقی لحاظ سے بات کی جائے تو سادگی، جنگجوئی اور جسمانی طاقت پر اعتماد کرنا ایک نمایاں خوبی ہے مگر انسان اپنی مادی خواہشات وضروریات کو پورا کرنے کیلئے دوسرے حیوانات کی طرح خدا کی پیداوار پر صبر نہیں کرتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے تجربات ومشاہدات، غور وفکر اور نت نئی ایجادات کی قوت سے نوازا ہے۔

وقت گزرنے کیساتھ ساتھ انسان نے صنعت وحرفت اور زراعت میں بھی کمال حاصل کیا۔

تعاون:

انسان کی فطرت کی دوسری خوبی تعاون ہے وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے ضروریات زندگی کا سامان حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ فنی مہارت تقسیم کار کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

شہر و دیہاتی زندگی کی معیشت میں فرق:

شہریوں اور دیہاتیوں کا طرز زندگی اور معیشت کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ دیہاتی سادہ اور محنتی ہوتے ہیں اور ان کا ذریعہ معاش بھی شہریوں سے مختلف اور محنت طلب ہوتا ہے۔ دیہاتی کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش و دیکھ بھال کرتے ہیں یہ لوگ سادہ معمولی غذا پر گزر بسر کرتے ہیں انہی میں سے چند لوگوں کے پاس جب دولت کی فراوانی ہو جاتی ہے تو شہروں کا رخ اختیار کرتے ہیں یہاں ان کی زندگی مکمل طور پر بدل جاتی ہے۔ ان کی غذا، رہن سہن، ملبوسات حتی کہ زندگی گزارنے کا طریقہ بالکل بدل جاتا ہے۔

شہریوں کے مکانات بھی شاندار اور پکے ہوتے ہیں مختلف صنعتوں میں کام کرنے کی بدولت روپے پیسے کی بھی ریل پیل ہوتی ہے۔ یعنی ذریعہ آمدن بڑھ جاتا ہے۔

حکومت کا فرض:

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلوق خدا کی معاشی کفالت کا بندوبست کرے اور انہیں ایسے وسائل مہیا کرے کہ وہ اپنی روزی کما سکیں اور اپنی زندگی میں خوشحالی لا سکیں۔

کلاسیکل ماہرین کا محنت کے نظریہ قدر پر یقین ہے کیونکہ زمانہ قدیم میں صنعتی انقلاب میں آیا تھا۔ یہ سرمایہ کی اہمیت موجودہ دور جیسی نہ تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن خلدون ''مقدمہ'' میں وہ مراحل (Stages) واضح کرتے ہیں جن کی بدولت معاشرہ ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک معاشی استحکام سیاسی وسماجی مضبوطی کے لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے لئے بھی مملکت کے معاشی استحکام کے لئے راہیں ہموار ہوتی ہیں اور انسان ترقی کی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔

معاشی ترقی واستحکام میں لارڈ گینز کا کردار:

لارڈ گینز نے ملکی معاشیات میں انقلاب برپا کیا اور موثر طلب (Effective Demand) میں اضافہ و برتری کے تحت سرد بازاری کو ختم کرنے کیلئے طریقہ کار بتایا۔

ابن خلدون کے نزدیک:

''ان کے نزدیک بھی ایسا کرنا بہت مفید کارآمد ہوسکتا ہے کسی بھی شہر کی آمدن اور خرچ کا اعلیٰ معیار اس شہر کی ترقی کا سبب ہوگا''۔

معاشیات کی تعریف ''المعاش میں'':

نصیر الدین طوسی سے تقریباً ایک سو برس بعد معاشیات کی تعریف ''المعاش'' میں اس طرح کی۔

''المعاش'' رزق تلاش کرنے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کا نام ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے علم معاشیات کے علم الحقیقت (Possitive Success) کے ساتھ علم البدات (Normative Suexce) والے پہلوؤں کا اجاگر اور روشن کیا۔

بین الاقوامی تجارت:

ابن خلدون پیداوار سماجی تنظیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں اور اس کا سب سے اہم پہلو انسانی محنت ہے۔

اس کے علاوہ وہ بین الاقوامی تقسیم کار کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بین الاقوامی تجارت کا نظریہ ہے۔ قدرتی وسائل کے مقابلہ میں ''مہارت'' زیادہ اہم ہے۔ یہ (Specialisation) اور بین الاقوامی تقسیم کار کی بنیاد کا سبب بنتا ہے۔ تجارت کے ذریعے لوگ آپس میں ملتے جلتے ہیں اور درآمدات و برآمدات کے طریقوں کو بہتر اور مثبت نتائج اخذ کرنے اور مسائل کے حل میں بحث ومباحثہ کرتے ہیں۔

مقدمہ ابن خلدون

ابن خلدون کے قومی خدمات سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد ابن سلام میں رہائش اختیار کی۔ اس عرصے میں آپ نے ''مقدمہ'' کی تصنیف وتالیف کی شروعات کیں ان کی اس تصنیف میں تاریخ کی فضیلت مختلف قسم کے یقین وتشخیص کے طریقے اور مورخین کی غلط فہمیوں کا ذکر ملتا ہے۔ مقدمہ کے ساتھ آپ کی مزید تین کتابیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ انسانی آبادی کا بیان:

اس کتاب میں درج ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے ملک وسلطنت، کسب معاش صنعت وحرفت اور علوم وفنون۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ کتاب عرب:

ابن خلدون نے عرب قبیلوں اور اس کی وسیع و عریض سلطنت کے متعلق ابتداء سے لیکر ابن آدمان کے ہم عصر قوموں اور حکومتوں کا بیان ہے۔ مثلاً فارس، سریانی، بنی اسرائیل، یونان، قبط، ترک، خرنگ، وغیرہ۔

۳۔ بربر قوم اور ان کے زمانہ کا حال بتایا ہے:

ابن خلدون نے معاشیات واقتصادیات کے تمام موضوعات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ کسب حلال کے متعلق فرماتے ہیں۔

حقیقت میں بے نیازی اللہ تعالیٰ کی امتیازی سنت ہے اور محتاجی انسان کا طرۂ امتیاز ہے انسان کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام مخلوقات کو انسان کی بہتری وفلاح کیلئے پیدا کیا ہے۔

۴۔ روزی کمانے کے ذرائع:

ابن خلدون نے تمام پیشوں کو مثلاً شکار کا پیشہ، کاشتکار، تجارت اور خاص مشاغل کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ معاشی امارت ۲۔ معاش بذریعہ تجارت
۳۔ معاش بذریعہ فلاحت ۴۔ معاش بذریعہ صفاعت

مقدمہ میں معاشی موضوعات:

معاشیات کی تعریف، قدر اور اس کا تعین، تقسیم کار، نظام قیمت، خواتین طلب ورسد، صرف پیدائش دولت، زر اور اس کی خصوصیات، سرمایہ اندرونی، افزائش آبادی اور اس پر اثر انداز ہونے والے معاشی عوامل، سرکاری مالیات، تجارتی چکر، قیمتوں محنت اور ضرر کا آپس میں تعلق، معاشی ترقی کے مراحل، دیہاتی وشہری زندگی کا معاشی نظام، نیکیوں کی شرحیں، سرکاری اخراجات کے معاشی فوائد، صنعتوں کی ترقی اور اس کے زوال کے اسباب وغیرہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شاہ ولی اللہ کا معاشیات کے ارتقاء میں کردار

تعارف:

حضرت شاہ ولی اللہ کا اصل نام قطب الدین ہے اور آپ کے والد کا نام شاہ عبدالرحیم اور دادا کا نام وجیہ الدین ہے۔ آپ 4 شوال سن 1114ھ بمطابق 21 فروری سن 1703ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جاملتا ہے۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً 100 سے زائد بتائی جاتی ہے تاہم یہاں چند ایک کے نام درج ہیں:

۱. فتح القرآن فی ترجمة القرآن (فارسی زبان میں قرآن کا ترجمہ)
۲. الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
۳. تاویل الاحادیث
۴. مسوی (شرح موطا)
۵. مصفی (شرح موطا)
۶. الدر الثمین (تصوف)
۷. شرح تراجم بخاری
۸. تفهیمات الٰهیه
۹. حجة الله البالغة

وفات:

آپ 21 اگست 1762ء بروز شنبہ بوقت ظہر اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

نوٹ!

شاہ ولی اللہ کے حالات زندگی کا تفصیلی مطالعہ کیلئے آگے معاشرتی حصہ میں موجود ہے۔

شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار حجة الله البالغة ، البدور البازغة اور خیر الکثیر میں جابجا رقوم ہیں۔ ان کے اہم معاشی افکار درج ذیل ہیں۔

معاشی افکار

شاہ ولی اللہ نے انسانی زندگی میں اقتصادیات کو بڑی اہمیت دی ہے اور معاشرے میں معاشی عدم توازن پر بحث کی ہے۔ انہوں نے انسانی اخلاق اور اقتصادیات کے باہمی ربط کے متعلق بھی بات کی ہے۔ آپ نے دولت کے فوائد و نقصانات، اس کی اچھائیوں اور برائیوں کو پیش کیا ہے کہ دولت انسان کو آرام اور سکون دیتی ہے اور محتاجی سے بچاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن اس سے بغض اور حسد بھی پیدا ہوتے ہیں۔ لوگ لوٹ مار پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور آخرت سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا دولت ظلم وستم کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

ابن خلدون کے خیال کے مطابق ایسا معاشرہ جس میں دولت کی ہوس پائی جائے وہ معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے۔ جب دولت کو انسان زیادہ اہمیت دینے لگتے ہیں تو وہ معاشرے کی تباہی کا سبب بھی بنتی ہے یعنی لوگ فضول خرچی اور عیاشی کرنے لگتے ہیں۔ حکومتیں ٹیکسوں کی بھرمار کر دیتی ہیں۔

حکومت کی تباہی کا سبب:

شاہ صاحب کے خیال کے مطابق حکومت اس وقت تباہی کے دہانے پر پہنچتی ہے جب مفاد پرست اور مفت خورے شاہی خزانے سے بڑی بڑی مراعات حاصل کریں۔ فوجیوں علماء اور دیگر لوگوں کو جاگیریں عطاء کی جائیں۔ شاہ صاحب اسے حکومت کی جانب سے عوام کا استحصال سمجھتے ہیں اس لئے حکومت کو مالی معاملات میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

حکومتی اخراجات میں ناروا اضافہ:

جب حکمران اپنے اخراجات کو اس حد تک بڑھا لیں کہ وہ انہیں پورا کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ لوگوں پر ٹیکس کے ذریعے مال اکٹھا کریں اور اپنے اخراجات پورے کریں تو اس کے نتائج انتہائی برے نکلتے ہیں اور اس سے بیروزگاری بڑھتی ہے اور ایک ایسا سیاسی گروہ وجود میں آجاتا ہے جو اپنے حواری تیار کرتا ہے اور حکومت کے خلاف ایک مہم چلا کر اسے ہٹانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

اجتماعی اخلاق کی تباہی:

شاہ صاحب کے مطابق معاشرے کی اخلاقی تباہی اس وقت ہوتی ہے جب حکومت وقت کسی جبر اور ظلم سے عوام کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دے اور عوام صرف جانوروں کی طرح کام میں اس لئے مصروف رہیں کہ انہوں نے روٹی حاصل کرنا ہے۔ اس سے انسانی اخلاق اور معاشیات کے باہمی تعلقات ایک دوسرے کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے شاہ صاحب نے دولت کے فوائد اور نقصانات کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ کیونکہ اس دولت کی کثرت لوگوں کو اخلاقی برائیوں میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہے اور دولت کی کمی بھی لوگوں کو ایسی برائیوں کا ارتکاب کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔

وہ کہتے ہیں جب روزگار کے حصول کا فقدان پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کا ایک گروہ چاپلوسی، چرب زبانی اور درباری مصاحبت کے ذریعے اپنا روزگار حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اس کی اپنی سوچ ختم ہو جاتی ہے، ذہنی نشوونما کی تمام اچھائیاں مٹ جاتی ہیں اور اخلاقی حسنہ ختم ہو جاتا ہے اور انسان اپنی دولت ورسوائی پر قناعت کر لیتا ہے۔

معاشی معاملات میں تعاون واشتراک:

شاہ صاحب کے خیال کے مطابق لوگوں کے معاشی معاملات میں باہمی تعاون اور اشتراک کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے مالی ترقی ہوتی ہے۔ معاشرے کی اصلاح بھی اسی سے ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص اگر تجارت کو اپنی روزی کا ذریعہ بناتا ہے اور دوسرا شخص عملی جدوجہد کے ذریعے اس کے مال سے خرید وفروخت کرتا ہے یعنی مال کی دلالی کرتا ہے اور وہ شخص جو اپنی ایجادات کے ذریعے معاشرے کے دیگر افراد کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور دوسروں کے مال کو زیادہ قیمتی اور بہتر بناتا ہے۔ اس میں صنعت وحرفت کو روزگار کا وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں تعاون ایک ایسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیز ہے جس کے ذریعے معاشی زندگی میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مالی ترقی اس انداز میں کی جائے جس میں تعاون نام کی کوئی چیز نہ ہو مثلاً جواء اور سٹہ بازی وغیرہ۔

کسب معاش:

شاہ ولی اللہ کے نزدیک تین وجوہات کی بناء پر انسان فضیلت و برتری کے معیار پر پورا اترتا ہے۔

۱۔ کلی رائے کے ذریعے مطابق و موافق کسی چیز کا ارادہ کرنا۔

۲۔ انسانی ضروریات کو پورا کرنے میں عمدگی و لطافت کی خواہش رکھنا۔

۳۔ انسان کا اپنی عقل و بصیرت کے لحاظ سے اعلیٰ تدابیر کا سوچنا۔

انہوں نے چار کسب معاش پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کو بنیاد فراہم کی ہے۔

قمار بازی و سود خوری:

جب ایک انسان کسی چیز کی خریداری اپنی رضامندگی کے ساتھ کرتا ہے تو اس وقت اسے نیکی و بھلائی کے حصول پر قائم رہنا چاہیے۔ مگر اسلامی اصولوں کے مطابق آپ جس فریق کے ساتھ لین دین یا خرید و فروخت کر رہے ہیں اس دوران اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ مکاری و فریبی اور دھوکہ دہی اس میں ہرگز شامل نہ ہو۔ شاہ صاحب کے نزدیک سود باطل اور حرام ہے اور قرآن و سنت کے مطابق اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے قرض لینے والے عموماً مخلص اور نادار ہوتے ہیں۔ سود لینے والا رقم وقت پر واپس نہیں کر سکتا اور اس طرح وہ سود در سود کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ اور آدمی اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتا جس کی مذمت قرآن حکیم میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ بڑھا بڑھا کر اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔ (آل عمران)

پھر ارشاد فرمایا:

''تجارت اور خرید و فروخت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے''۔

پھر ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑائی کیلئے خبردار ہو جاؤ''۔ (البقرہ: 279-278)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''سود کھانے کے 73 گناہ ہیں اور اس میں ادنیٰ ترین گناہ اپنی ماں سے بدکاری کے برابر ہے''۔

پھر ارشاد فرمایا:

''سود کا ایک درہم جس کو کوئی آدمی کھاتا ہے جبکہ اسے جانتا ہے تو 36 مرتبہ زنا کرنے سے بھی سخت ہے''۔

شاہ صاحب نے قرآن و سنت کی روشنی میں فرمایا کہ ''سود کا معاملہ سخت جھگڑے کا سبب بنتا ہے جو قوم یا ملک بغیر محنت کے روپیہ حاصل کرنا شروع کر دیں وہاں کی عوام کیلئے صنعت و حرفت، زراعت و تجارت کی سب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حوالہ جات

۱. کتاب الخراج ، اسلام کا نظام محاصل ،ص:395-388

۲. امام ابو عبید ، کتاب الاموال ، مترجم،عبد الرحمن طاہر سورتی

۳. ایضاً

۴. کتاب الاموال ،ص:304

۵. ایضاً،جلد :1 ،ص:157

۶. ایضاً،ص:148-147

۷. کتاب الاموال ،ص:162

۸. ابو عبید ، کتاب الاموال ،ص:204

۹. امام ابو عبید کتاب الاموال مترجم عبد الرحمن ، ج:1،ص:202

۱۰. امام ابو عبید، کتاب الاموال ، ج:1،ص:419

۱۱. امام ابو عبید القاسم بن سلام ، کتاب الاموال ، ج:1،ص: 468

۱۲. اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، ج:1،ص:485

۱۳. حفظ الرحمن سیوہاری ، اسلام کا اقتصادی نظام ،ص:45، المحلی ، ج:6

۱۴. ابن حزم. المحلی ، ج:8،ص:19

۱۵. کتاب الاموال،ص:213

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تیسرا باب

اہم معاشی نظامات کا تعارف و تقابل

(Comparative Economic Systems)

ابتدائے آفرینش سے (From The Beginning of Creation) لے کر اب تک اس عالم ہست و بود میں کئی معاشی نظامات چلے آ رہے ہیں اگر چہ آغاز میں کوئی منضبط اور کامل نظام نہیں تھا کیونکہ آبادی قلیل تھی اور لوگوں کی زندگی گزارنے کے ڈھب بھی سادہ تھے اس لئے خواہشات بھی کم تھیں تاہم کسی نہ کسی طرح زندگی کا تار و پود قائم رکھنے کی خاطر افراد متعدد سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ آبادی بڑھنے سے حاجات بھی زیادہ ہوتی گئیں اور ان کے حصول کی خاطر طریق کار میں بھی تبدیلی آتی گئی اور اس طرح کوئی نہ کوئی نظام موجود رہا مختلف مذاہب کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزی کمانے کی ہدایات ملتی ہیں۔

مگر عہد قدیم میں کوئی مرتب ضابطہ نہیں تھا جسے بنیاد بنا کر اقتصادی نظام کی بلند و بالا عمارت تعمیر کی جا سکتی ہو۔ یہاں ہم متعدد معاشی نظاموں کی جزئیات اور تفصیلات کو ورطۂ تحریر میں لائیں گے مگر پہلے یہ دیکھنا ہے کہ معیشت یا معاشی نظام کیا ہے؟ اور یہ کہ اس کی نوعیت کیسی ہے؟

معاشی نظام یا معیشت کا مفہوم

(Meaning of Economy or System)

انسان معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے کیونکہ یہ سماجی حیوان ہے۔ اس کے مختلف لوگوں ملکوں اور قوموں کے ساتھ کئی قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ نیز وہ معاشی، سیاسی، معاشرتی، مذہبی تعلیمی اور نفسیاتی حالات سے کافی حد تک متاثر ہوتا ہے۔ وہ معاشرے سے کٹ کر خوش اسلوبی سے زندہ نہیں رہ سکتا۔ سیاسی استحکام کے لئے ریاست کی ضرورت پیش آتی ہے۔ معاشرتی حالات کو سنوارنے کے لئے سماجی نظام تشکیل پاتا ہے اور معیشت کی کانٹ چھانٹ کے لئے نیز بناؤ سنگھار کی خاطر اقتصادی نظام وجود میں لانا پڑتا ہے تاکہ مختلف النوع حالات کا آپس میں رابطہ اور ضبط پیدا کیا جا سکے۔ معیشت جسے معاشی نظام بھی کہتے ہیں اس کی چند تعریفیں یہ ہیں:

۱۔ پروفیسر آرملر کے مطابق:

''اس سے مراد ایسے سب ادارے ہیں جن کے ذریعے قومی معاشی وسائل زیادہ سے زیادہ انسانی خواہشات کی تسکین کے لئے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ ان اداروں سے مراد اصولی طور پر ملکی قوانین ہی ہیں مگر ان میں لوگوں کی عادات، اخلاقیات اور رسومات بھی شامل ہوتی ہے۔''

۲۔ پروفیسر ایل سلک کے الفاظ میں

''معاشی نظام سے مراد وہ طریق کار ہے جس کے ذریعے مختلف اقتصادی معاملات ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں تاکہ ایک مکمل معاشی اکائی کی تشکیل کر سکیں۔ نیز معاشی نظام بہت وسیع اصطلاح ہے جو مختلف پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے رکھی ہے اور جس میں انسانی معاشی تعلقات کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوعیت کی بھی عکاسی کی جاتی ہے۔ نیز صارف کے رویہ کو پرکھا جاتا ہے۔''

۳۔ جے بی شاء (Shaw) نے تعریف اس طرح کی ہے۔

"The Price System explains prices of all things in the Economy and gives not only an explanation of Economy, but also measures of its efficency."

۴۔ اے جے براؤن کے مطابق

''یہ ایسا طریقہ ہے جس سے لوگ روزی حاصل کرتے ہیں۔''

۵۔ پروفیسر گروچی کے مطابق

''معاشی نظام انسانی تعلقات کی بابت ایک ایسی کثیر الطرفی تنظیم یا وسعت پذیر ڈھانچہ ہے جس کا واسطہ اس بات سے ہے کہ کامیاب وسائل کو زیر استعمال لاتے ہوئے نجی و سرکاری نوعیت کی ضروریات کی تسکین کے لئے اشیا فراہم کی جاسکیں۔''(۱)

۶۔ ایک تعریف اور بھی ہے:

''ایک اقتصادی نظام ان اداروں پر مشتمل ہوتا ہے جسے چند لوگوں یا قوموں کے گروہ نے انسانی خواہشات کی تسکین کے لئے ذرائع کو استعمال میں لانے کے لئے چن رکھا ہو یا قبول کرلیا ہو۔''(۲)

۷۔ الغرض ''کوئی معاشی نظام کلی تنظیمات' میلانات' روایات' رسومات' عادات واقدار اور ادارتی سلسلہ جات کا ایک ایسا مرتع ومجموعہ ہوتا ہے جس کے تحت ہمہ قسم کی سرگرمیاں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔''

تشکیل نظام کے عوامل (Factors):

ایک معاشی نظام کی تشکیل کرنے میں جو قوتیں' عناصر اور معینات اثرت ڈالتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

۱۔ قدرتی وانسانی ذرائع۔

۲۔ تصورات وتخیلات اور خواہشات کا ہجوم۔

۳۔ عقل ودانش اور سرمایہ علم وحکمت۔

۴۔ ماضی وحال کے تجربات واقعات اور حالات۔

۵۔ سیاسی وتہذیبی پرتو۔

۶۔ فنون پیدائش کی جدت طرازی۔

۷۔ علمی اور تحقیقی میدان میں ہونے والی کاوشیں۔

۸۔ مقصد اور نصب العین کی نئی کروٹ۔

۹۔ عوامی جذبات وتحریکات اور احساسات۔

۱۰۔ مذہبی واخلاقی اقدار کی چھاپ۔

۱۱۔ کثیر الجہتی ترقی کی رو۔

۱۲۔ نئے عالمی تقاضا جات ومیلانات۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری (Capitalism)

اسے سرمایہ دارانہ یا جاگیردارانہ و آزادانہ معاشی نظام بھی کہتے ہیں۔ یہ ظالمانہ نظام صدیوں پرانا ہے ایک رائیٹر کی تحقیق کے مطابق اس کا آغاز 1550 میں گریکو رومن (Greco-Roman) روس ہوا۔ کچھ کے خیال میں یہ 1898ء میں ابھرا تھا۔ انگلستان کا صنعتی انقلاب اس کا حقیقی موجب قرار پایا اب اس میں بہت تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ ایک مصنف سٹرن برگ (Stern Berg) لکھتے ہیں۔

''سرمایہ دارانظام کو موجودہ حالت میں پہنچنے کے لئے سال ہا سال لگ گئے اس کے ارتقاء کی رفتار پہلے سست تھی مگر 19ویں صدی کے آخر سے لے کر پہلی عالمی جنگ تک اس نے حیرت انگیز ترقی کر لی اور اس کا تسلط ساری دنیا پر قائم ہو گیا۔'' (۳)

مزید براں ''جاگیردارانہ نظام سے اس کی ابتداء ہوئی بعد میں اشیاء کی پیداوار کی صورت میں جسے تجارتی سرمایہ داریت یا صنعتی سرمایہ داریت کے نام سے موسوم کرتے ہیں سامنے آیا جن میں صنعت تجارت اور منڈی کو سرمایہ داروں نے کنٹرول کر لیا اور 1880ء کے بعد جب کہ ٹرانسپورٹ اور وسائل رسل و رسائل عام ہو گئے تو یہ ساری دنیا پر چھا گیا۔'' (۴)

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنز میں سرمایہ داری کی تعریف اس طرح دی گئی ہے

"Capatilism is the economic and political system that in its industrial "full" form first developed in England in the late eighteenth century. Thereafter, it spread over Europe, North Africe, Australia, New Zeland and South Africa."

۲۔ ایک اور تعریف یہ ہے:

"A capitalist industry or section of an industry is one, in which private individuals, singly or as members of groups, employ accu-mulated capital to finance trade or production for the purpose of private profit"(5)

۳۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں سرمایہ دارانہ نظام کا تعارف ان الفاظ میں ہے:

"Economic system by which ownership of capital or wealth, the production and distribution of goods, and rewards of labour are entrusted to, and effected by, private enterprise"

اسے بعض اوقات بازاری معیشت یا منڈیاتی معیشت یا معیشت انفرادیت (Economy of Individualism) بھی کہا جاتا ہے۔ چند اور تعریفیں بھی دی جاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ سڈنی ویب (Sidney Webb) لکھتے ہیں:

''سرمایہ دارانہ معیشت صنعتی ارتقاء اور آئینی اداروں کی وہ منزل ہے جس میں محنت کی اکثریت پیداواری وسائل کی ملکیت سے محروم ہو کر محض اجرت پر کام کرنے کی حیثیت اختیار کر چکی ہو۔ جس کی گزر اوقات معاشی تحفظ اور شخصی آزادی کا انحصار قوم کے چند افراد کی مرضی پر ہو یعنی وہ افراد جو بذات خود یا اپنے آئینی حق ملکیت کے تحت زمین مشینری اور جمعیت محنت کے نظم ونسق اور تنظیم کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہوں اور اسے اپنے ذاتی منافع اور فائدے کے لئے استعمال کر رہے ہوں۔''

۵۔ جاسف اے شمپیٹر (Jeseph A. Schumpeter) جس کی رائے کو معیشت دانوں کے حلقے میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے نظام سرمایہ داری کی توضیح اس طرح کی ہے:

''کسی معاشرے کو اس وقت سرمایہ دارانہ معیشت کا حامل معاشرہ کہا جاتا ہے جب کہ اس نے اپنے معاشی لائحہ عمل کو نجی کاروباری افراد کی رہنمائی کے سپرد کر رکھا ہو۔ اس کے نتیجے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں اولاً غیر نجی پیداواری ذرائع مثلاً زمین کانیں صنعتی پلانٹ اور ان سے متعلقہ دیگر ساز وسامان وغیرہ نجی ملکیت ہوتے ہیں۔

ثانیاً ذاتی طور پر عمل میں لائی جانے والی پیداوار کا اولین مقصد نجی منافع کمانا ہوتا ہے۔(۶)

۶۔ عمرانی علوم کی لغت (Dictionary of Social Sciences) کی تعریف کے مطابق:

''کیپٹلزم کی اصطلاح ایک ایسے معاشی نظام کی وضاحت کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ جس میں اقتصادی زندگی کا بیشتر حصہ خصوصاً اشیاء کی پیدائش کے سلسلہ میں کی جانے والی سرمایہ کاری معاشی مسابقت کے اصول کے تحت نجی سرمایہ کاروں کے زیر سرپرستی پروان پا رہی ہوتی ہے۔''(۷)

۷۔ انسائیکلو پیڈیا امریکانو (Encyclopaedia Americano) کے الفاظ ہیں:

''سرمایہ دارانہ معیشت' معاشی نظام کی ایک ایسی قسم ہے جس میں سرمایہ نجی ملکیت میں ہوتا ہے اور سرمایہ کار اپنے اقتصادی کاروبار کی بدولت حصول منافع کی خاطر اسے جس طرح چاہیں استعمال میں لانے کے لئے آزاد ہوتے ہیں۔''(۸)

۸۔ دو ماہرین معاشیات کی تعریف اس طرح ہے:

''سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسی معاشی تنظیم ہے جس میں افراد انفرادی طور پر یا اجتماعی حیثیت سے پیداواری وسائل بشمول زمین کے مالکانہ حقوق لئے ہوئے ہوتے ہیں وہ ان ذرائع کو جس طرح چاہیں استعمال میں لانے کے لئے مکمل طور پر مجاز ہوتے ہیں۔''(۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ دارانہ نظام کی اہم خصوصیات
(Important Characteristics)

یہ نظام مندرجہ ذیل خصائص کا حامل ہوتا ہے:

۱۔ آزادی (Freedom):

اس نظام میں ہر مشینری روزی لگانے کے لئے تجارت کرنے کے لئے یا کوئی پیشہ اختیار کرنے کے لئے مکمل آزادی رکھتا ہے۔ اپنی تعلیمی اہلیت ذہنی صلاحیت اور مہارت کے بل بوتے جس شعبے میں چاہے اپنے آپ کو وقف کر سکتا ہے عموماً اس سلسلے میں زیادہ پابندیاں عائد نہیں کی جاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک اپنی مرضی اور قابلیت کے مطابق اپنے لئے پیشہ اختیار کر سکتا ہے اور یوں پیداوار کا عمل جاری رہتا ہے حکومت کی طرف سے اجازت ہوتی ہے۔

۲۔ حقوق ملکیت (Ownership Rights):

اس نظام میں تمام شہریوں کو جائیداد بنانے پھیلانے محدود کرنے کے پورے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ نجی ملکیت اس نظام کی جان ہے اور ساری معاشی سرگرمیاں اسی کے اردگرد گھومتی ہیں۔ افراد جو چاہیں بنا سکتے ہیں سرکاری مداخلت نہیں ہوتی اکثر و بیشتر مکانات' دوکانات' آلات اور دوسرے پیداواری ذرائع و شعبے پرائیویٹ ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ وہی ان کی نگرانی کرتے ہیں اور اشیاء و خدمات پیدا کرتے ہیں مادی اشیاء کے علاوہ غیر مادی اشیا جیسا کہ کمپنیوں کے حصص سرمایہ کاری کے لئے خریدے ہوئے ہر قسم کے سرٹیفکیٹ اور تجارتی معاہدے وغیرہ بھی زیادہ تر افراد کرتے ہیں۔ اس نظام کے تحت جائیداد کو وارثوں یا دیگر افراد کو منتقل کرنے کا حق بھی ہوتا ہے۔ تاہم مفاد عامہ کی خاطر حکومت وقتاً فوقتاً قوانین جاری کرتی رہتی ہے۔

۳۔ قیمتوں کی میکانیت (Price Mechanism):

اس نظام میں میکانیت قیمت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ کاروبار چلانے منافع کمانے اور سرمایہ کاری کو پھیلانے کا محرک ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا انداز فیصلہ کن ہوتا ہے اور اسی کے سبب زیادہ تر اہم اقتصادی مسائل کا فیصلہ ہوتا ہے اشیاء کی مقدار تقسیم وغیرہ قیمتوں کو پیش نظر رکھ کر متعین کی جاتی ہے۔

۴۔ معاشی کاوش (Economic Struggle):

اس نظام کے تحت ساری تگ و دو کا اہم مقصد منافع حاصل کرنا ہے یہی سبب ہے کہ تمام عاملین پیدائش اپنے معاوضے قیمتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے طلب کرتے ہیں۔ جس سے کاروبار چلانے والے بھی زیادہ منافع کمانے کی فکر میں ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے کارخانے قائم ہوتے ہیں اور کئی مالیاتی ملیں معرض وجود میں آتی ہیں اور معاشی سرگرمی پھلتی پھولتی ہیں۔

۵۔ مقابلہ کی فضاء (Environment for Competition):

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں مسابقت کا عنصر بہت اہم ہوتا ہے۔ ہر شعبہ زندگی میں مقابلہ سخت پایا جاتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کارخانہ دار آپس میں مقابلہ کرتے ہیں تاجر کا باہمی مقابلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح عاملین پیدائش کی مختلف اکائیاں بھی ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رہتی ہیں۔ اسی طرح اجرین اور صارفین میں بھی مقابلہ پایا جاتا ہے اور پیداواری ذرائع کا بہتر استعمال ڈھونڈا جاتا ہے۔

۶۔ ناظم کی اہمیت:

اس نظام میں ناظم کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ عاملین پیدائش کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ ادا کرنا ہے کارخانے کو چلانے کا بندوبست کرتا ہے خسارہ کا خطرہ (Risk) برداشت کرنے کی سکت اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور نالنے کی تدبیر سوچتا ہے اگرچہ اس کا اولین مقصد حصول منافع ہے تاہم پیداوار ذرائع کا اکٹھا کرنا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔

۷۔ عدم سرکاری مداخلت:

اس نظام میں ہر قسم کے کاروبار میں سرکار کم سے کم داخل اندازی کرتی ہے اگرچہ موجودہ دور میں گورنمنٹ کی ذمہ داریاں بہت وسیع ہو چکی ہیں اور مفاد کی خاطر حکومت کاروباری افراد اور اداروں کو ضوابط کا پابند بھی بناتی ہے تاکہ بڑی بڑی اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور عوام کے حقوق کی نگہداشت کی جائے مگر حکومت بہت زیادہ دخل نہیں دیتی۔

۸۔ طبقاتی کشمکش (Conflict):

اس نظام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں دو واضح گروپ بن جاتے ہیں جیسا کہ صنعت کار و مزدور زمیندار مزارع آقا و ملازم تاجر اور فروخت کار وغیرہ ایک طبقے کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور دوسرا اس کی گرفت میں ہوتا ہے ان کے مناجات آپس میں ٹکراتے ہیں وہ ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں جس سے گروہی کشمکش کو ہوا ملتی ہے۔

۹۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم (Inequal Distribution of Wealth):

سرمایہ دارانہ نظام میں ذرائع کی تقسیم غیر موزوں ہوتی ہے دولت چند امیں مرکوز ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کا بٹوارہ نہایت ہی غیر عادلانہ ہوتا ہے کثیر سرمایہ پر قلیل تعداد قابض ہوتی ہے۔ اکثریت محروم رہتی ہے دولت مند طبقہ عیش و عشرت کا سود و زبائش و آرائش کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے بہت سے افراد بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے ترستے ہیں اس لے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

۱۰۔ منڈی کی وسعت (Extent of Market):

تجارتی زمیندار اپنی مرضی سے اشیاء تیار کرتے رہتے ہیں اور وہ قیمتوں کہ نظام کے سبب تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے منڈی وسیع ہوتی ہے جب کہ غیر ممالک تک پھیل جاتی ہے کیونکہ یہ تجارت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ کثیر تعداد:

اس نظام کے تحت آجرین اور صارفین کے دو علیحدہ طبقے ہوتے ہیں۔ یہ وسیع پیمانے پر ہوتا ہے ہزاروں قسم کی اشیاء پیدا کی جاتی ہیں لاکھوں فروخت کنندگان اور خریدکنندگان ہیں جو رابطہ پیدا کرنے کی مساعی کرتے ہیں اور نظام قیمت اس سلسلے میں مددگار بنتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔صارف کی حکمرانی(Consumer's Sovereignty):

اس نظام میں صارف کو ایک مطلق (Absolute) انسان حاکم جیسی حیثیت ملی ہوئی ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام پیداواری ادارے اور متعلقہ افراد ایسی اشیاء تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنہیں صارف پسند کرتا ہے لہٰذا اس کی نظر انتخاب کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس کی پسند شوق اور ذوق پیدا کنندگان اور اجران کو اس کی مرضی مطابق اشیاء فراہم کرنی پڑتی ہیں۔ ہماری زندگی کا یہ عملی مشاہدہ ہے کہ دکاندار بھی عموی وہی اشیاء رکھتے ہیں جنہیں صارفین کی کثیر تعداد پسند کرے مگر اب پرانے زمانے کے بہت سے حالات بہت بدل چکے ہیں اور صارف کی وہ حاکمیت قائم نہیں رہی کیونکہ اشیاء بازار کے سبب صارف کے ذوق میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے کچھ اشیاء کی تیاری پر نشہ آور چیزیں قانوناً ممنوع قرار دی جاتی ہیں حکومت چند اشیاء کی درآمد برآمد پر بندی لگا دیتی ہے۔ کئی شعبے ایسے ہیں جہاں سرکاری کنٹرول ہے جو صارفین کی خواہشات کو مدنظر نہیں رکھتا جیسا کہ پاکستان میں ڈاکخانہ، ریلوے، فضائی کمپنی وغیرہ۔

سرمایہ دارانہ نظام کی خوبیاں(Merits)

سرمایہ دارانہ نظام کے مندرجہ ذیل فوائد اور روشن پہلو ہیں:

۱۔خودکار نظام(Automatic System):

ایک لحاظ سے یہ نظام خودکار ہے کیونکہ کوئی مرکزی ادارہ اسے کنٹرول نہیں کرتا اور نہ ہی اسے چلانے کے لئے کوئی ھدایات دینی پڑتی ہیں بلکہ قیمتوں کی میکانیت اسے راستے پر چلاتی رہتی ہے طلب اور رسد کی مطابقت سے قیمتیں مقرر ہوتی رہتی ہیں۔

۲۔موزوں فنی طریقے(Suitable Technical Methods):

ایسے نظام کے تحت ناظم زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے نئے طریق کار دریافت کرتے رہتے ہیں۔ نئی ٹیکنالوجی وجود میں آتی ہے۔ بہت سی ایجادات ہوتی ہیں اور اس طرح معاشی ترقی کے لئے راستہ ہموار ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا معیشت کے مضبوط ہونے کے لئے فضا سازگار بنائی جاتی ہے۔

۳۔جمہوری طرز(Democratic Style):

اس سسٹم میں آجرین اور صارفین اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے بہت سے فیصلے کرنے کے مجاز ہوتے ہیں اور ان پر حکومت کی جانب سے عموماً کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی وہ اپنی مرضی سے اشیاء کی تیاری مزید فروخت اور تبادلہ وغیرہ کرتے رہتے ہیں اس لئے اسے جمہوری نظام کیا جاسکتا ہے۔

۴۔مؤثر نگرانی(Effective Supervision):

اس نظام میں ہر ایک آجر منافع کمانے کی خاطر تگ ودو کرتا ہے رات دن سکیمیں تیار کرتا ہے کاروبار کے آغاز سے پہلے اسے کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور وخوض کرتا ہے کاروبار کے دوران بھی اس پر کڑی نگرانی رکھتا ہے۔ ہر عامل پیدائش کی مختلف اکائیوں کی کارکردگی کو جانچتا رہتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرا سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔محرک محنت (Incentive for Labour):

ہر فرد کوئی کاروبار کرنے پیشہ اپنانے یا محنت کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر کوئی بندش نہیں لگائی جاتی ہیں اس لئے اس میں زیادہ محنت کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے اور اسے تحریک ملتی ہے۔

۶۔صارفین کا ذوق (Taste of Consumers):

اس نظام میں ایک خوبی یہ پائی جاتی ہے کہ صارفین کی پسند شوق کو سامنے رکھا جاتا ہے ان کے ذوق اور شوق کا احترام کرتے ہوئے اشیا تیار کی جاتی ہیں عموماً ایسی اشیا کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیدا کی جاتی ہے جو صارفین زیادہ پسند کرتے ہوں اور ان کے لئے باعث کشش ہوں اس سے کارخانہ داروں اور اجروں کے منافع جات بھی بڑھ جاتے ہیں۔

۷۔خوشحالی (Prosperity):

اگر متعدد معاشی نظاموں کی کارکردگی جانچی جائے تو یہ نظام فارغ البالی اور خوشحالی میں دوسروں پر سبقت لے گیا ہے امریکا' کینیڈا' برطانیہ کافی آگے نکل گئے ہیں کیونکہ انہوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔

۸۔بہتر صلاحیت کا اظہار:

اس نظام کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام افراد کو کام کرنے کی کھلی اجازت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی صلاحیت اہلیت اور مہارت کا بھرپور مظاہرہ کر سکتے ہیں اور وہ اپنی معاملہ جرات مندی دور اندیشی اور بیدار مغزی کو کام میں لاتے ہوئے آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا آپس میں سخت مقابلہ ہوتا ہے مگر زیادہ قابلیت کے حامل افراد سبقت لے جاتے ہیں۔

۹۔ذرائع کا بہتر استعمال:

جیسا کہ پروفیسر ایل۔ رابنز کی تعریف کے مطابق انسان کی خواہشات انگنت ہیں مگر ان کو پورا کرنے کے ذرائع محدود ہیں۔ اس لئے ان کی تکمیل کے لئے وسائل کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے اور ایسے طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ جن سے پیداواری مصارف کم سے کم رہیں۔ منافع زیادہ زیادہ ہو اور کارخانہ دار کی حوصلہ افزائی ہو۔

۱۰۔بچت وسرمایہ کاری کو فروغ:

اس نظام کے تحت ہر شعبہ زندگی سے وابستہ افراد آزاد ہوتے ہیں دولت سمیٹنے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی جو کاروبار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ چونکہ جائیداد بنانے کی اجازت ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی آمدنی میں سے معقول رقم پس انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں جتنی بچت زیادہ ہوگی سرمایہ کاری کو اتنا ہی فروغ حاصل ہوگا جیسا کہ ترقی یافتہ ممالک میں بچت شرح 20% سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ پاکستان جیسے پس ماندہ ممالک میں حجم کم ہوتا ہے۔

۱۱۔مطابقت اور استقامت (Adaptability and Stability):

یہ نظام مستحکم اور مضبوط گنا جاتا ہے اگرچہ مارکس نے اس کے فوت ہو جانے کی پیش گوئی کی تھی مگر ابھی تک اس کی جڑیں مضبوط ہیں کیونکہ اس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ حالات کے ساتھ مطابقت کر لیتا ہے اور اسی لئے دنیا کے زیادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممالک میں یہی رائج ہے۔ دنیا میں بہت سے نشیب وفراز اور تحریکیں رونما ہونے کے بعد اس کے استحکام اور مضبوطی میں کوئی فرق نہیں آیا لہٰذا اس میں پائیداری کا وصف ہے۔

۱۲۔ معیاری پیداوار:

سرمایہ دارانہ نظام میں سخت مقابلہ ہونے کی وجہ سے مختلف پیدا کنندگان اور فروخت کار ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے بہت سے جتن کرتے ہیں اور اپنی اشیا کا مقبول عام بنانے کے لئے ان کا بہتر معیار رکھتے ہیں اور کبھی کبھار ان کی قیمتیں بھی نچلی سطح پر ہیں تا کہ فروخت زیادہ ہونے سے منافع بڑھ سکے۔

۱۳۔ صارف کی اہمیت:

اس نظام میں صارف کی حیثیت کو غلبہ حاصل ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حکمران کی طرح اہمیت رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کارخانہ دار سرمایہ دار پیدا کنندگان صارفین مرضی کے مطابق اشیا تیار کرتے ہیں۔

۱۴۔ خود اعتمادی:

ایک صفت یہ بھی ہے کہ مختلف طبقات میں خود اعتمادی کا عنصر پایا جاتا ہے کیونکہ رقم کا کاروبار کام کرنے کا پورا موقع ملتا ہے یا سبزیاں بہت کم ہوتی ہیں اس لئے زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا جذبہ ہوتا ہے اور خود اعتمادی اس کو تقویت دیتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی خامیاں (Demerits)

یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اجارہ داریوں کا قیام:

اگرچہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اکثر لوگوں کا آپس میں مقابلہ جاری رہتا ہے مگر حکومت کی گرفت ڈھیلی ہونے سے بہت سی اجارہ داریاں قائم ہو جاتی ہیں۔ اشیاء غیر معیاری بننے لگتی ہیں صارفین کو خوب لوٹا جاتا ہے کیونکہ بعض اوقات وہ مصنوعی گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔ چھوٹے سرمایہ دار بڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

۲۔ سرمایہ کو فوقیت (Superiority of Capital):

چونکہ اس نظام میں زیادہ سے زیادہ جائیداد پر کوئی پابندی نہیں اس لئے دولت کو کلیدی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سرمایہ کو انسانیت پر فوقیت دی جاتی ہے۔ ذاتی مفاد ہی پیش نظر رہتا ہے انسانی حقوق پر جائیداد کی برتری ہوتی ہے۔ انسان وجان کی قدر و قیمت کم ہوتی ہے۔

۳۔ غیر صحت مند مقابلہ (Unhealthy Competition):

اشتہاری بازی پر کثیر زر صرف کیا جاتا ہے نشر واشاعت کے کئی ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں دوسروں کو نیچا دیکھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات صارفین کی خواہشات کو کچل دیا جاتا ہے کبھی کبھی یہ نامناسب مقابلہ کمزور ناظموں کو بازار سے بھگا دیتا ہے۔ اسی طرح بڑی دکان دار چھوٹے دکانداروں کا قافیہ تنگ کر دیتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۴۔ گروہی تقسیم:

اس نظام کے تحت معاشرہ وسیع طبقوں میں بٹ جاتا ہے صنعت کار ومحنت کش' زمیندار ومضارع' مالک مکان و کرایہ داران کے مفادات آپس میں ٹکراتے ہیں جس سے طبقاتی کشمکش کو ہوا ملتی ہے مختلف شعبہ زندگی میں کشیدگی لڑائی جھگڑا' مخالفت اور عداوت شروع ہو جاتی ہیں جس سے فضاء بگڑ جاتی ہے۔

۵۔ غیر منصفانہ تقسیم دولت:

اس نظام میں ایک خامی یہ پائی جاتی ہے کہ دولت کی تقسیم غیر مساویانہ ہوتی ہے۔ یعنی زیادہ ثروت چند خاندانوں میں مرکز ہو جاتی ہے اکثریت محروم رہتی ہے نتیجتاً او پر امیر تر اور غریب تر ہوتا جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں بعض وعناد حقارت بدنظمی اور افراتفری کے جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح معاشی قوت کا ارتکاز بہت سی سماجی سیاسی اور اقتصادی برائیوں کے لئے دروازے کھول دیتا ہے اور معاشرے میں سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔

۶۔ اخلاقی اقدار کی پامالی (Destruction of Moral Values):

اس نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اخلاقی تقاضوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ نیز منہ بھی قدریں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں جیسا کہ ڈی سلنگر نے اس طرح لکھا ہے:

> ''اگر کسی شہر میں انتظام آب رسانی کی ضرورت ہو مگر اعلیٰ قسم کی شراب کی تیاری زیادہ منافع بخش ہو تو کاروباری افراد پانی پہنچانے کی بجائے شراب کی تیاری پر سرمایہ لگانے کو ترجیح دیں گے۔''

اسی طرح پروفیسر یولاسکی کا کہنا ہے:

> ''یہ نظام اخلاقی طور پر غیر موزوں ہے کیونکہ ایسے افراد کے حقوق کی حفاظت کرے۔ جو کمانے کی کوشش نہ کریں نیز معاشی کاوش میں حصہ لینے والے بعض اوقات اپنی کارکردگی کے مطابق حصول حق سے محروم رہتے ہیں۔''

۷۔ معاشی بحران (Economic Crisis):

اس نظام کے تحت کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اشیاء زیادہ مقدار میں پیدا کر لی جاتی ہیں مگر انہیں خریدنے والا کوئی نہیں ہوتا یوں منافع کم ہو جاتا ہے کچھ کاروبار ختم ہونے لگے سرمایہ کاری سکڑتی ہیں بے روزگاری جنم لیتی ہے اور سرد بازاری کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ معاشی اوتار چڑھاؤ عدم استحکام کا باعث بنتا ہے۔

۸۔ وسائل کا ناقص استعمال:

یہ بات عملی مشاہدہ میں آتی ہے کہ اس نظام کے تحت ذرائع پیداوار کا زیادہ موزوں استعمال نہیں ہو پاتا کیونکہ صنعت کار ایسی اشیاء تیار کرتے ہیں جس سے پہلے انہیں زیادہ منافع مل سکے جیسا کہ عیش وعشرت کے سامان کو ترجیح دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ منافع ملنے کی توقع ہوتی ہے لہٰذا کبھی کبھار ذرائع پیدائش غیر ضروری مقاصد لئے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ منافع کی تحریک:

اس نظام میں ناظم کارخانہ دار زمیندار اور سرمایہ دار زیادہ منافع کمانے کی فکر میں رہتے ہیں اور ان کی ساری سعی کا مقصد زیادہ سے زیادہ منافع کمانا ہوتا ہے اس لئے وہ ایسا کاروبار یا کام نہیں کرتے جس سے معاشرتی بھلائی میں اضافہ ہو۔

۱۰۔ مخصوص طبقہ کی حکومت:

اس کے ناقدین ایک تنقیدی پہلو یہ بھی نکالتے ہیں کہ گورنمنٹ پر ایک ایسا طبقہ چھایا رہتا ہے جس میں زمیندار، کارخانہ دار اور دوسرے سرمایہ دار شامل ہوتے ہیں۔ ان کی گرفت اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ کسی دوسرے طبقہ کو آگے نہیں بڑھنے دیتے یہ اپنے خاص مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ پاکستان جیسے پس ماندہ ممالک میں یہی کیفیت پائی جاتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ایسے ملک جمہوریت کی پٹڑی پر چل نہیں سکتے۔

۱۱۔ ٹھوس منصوبہ بندی کا فقدان (Lack of Sound Planning):

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں جامع واضح اور مضبوط منصوبہ بندی کا فقدان ہوتا ہے اس لئے ایسے ممالک جن پر اس نظام کی چھاپ ہوتی ہے وہ مختلف معاشی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ چونکہ منصوبہ بندی کرنے کے لئے کوئی ہمہ گیر سنٹرل اتھارٹی وجود نہیں رکھتی اس لئے ساری معیشت پر مبنی منصوبہ بندی اور بجٹ سازی نہیں کی جاتی۔ اب بہت سے ممالک میں منصوبہ بندی تو کی جارہی ہے مگر اس کی صحیح روح مفقود ہے جس سے بہتر نتائج برآمد نہیں ہوتے۔

۱۲۔ گرانی کا زور:

اس نظام کی ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ بسا اوقات مختلف اشیاء کی قیمتیں بلند ہو جاتی ہیں صارفین کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پریشانی لاحق ہوتی ہے کئی مسائل سر اٹھاتے ہیں۔

۱۳۔ قرضوں کی دقت:

مالیاتی اداروں پر سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کا تسلط ہونے سے عوام زیادہ قرض نہیں لے سکتے۔

۱۴۔ عالمی رقابت:

کئی کمپنیاں وجود میں آجاتی ہیں اور مختلف اقوام میں دشمنی حسد اور رقابت پیدا ہوتی ہے۔

۱۵۔ متفرق:

ان میں ذاتی مفاد، حکومتی پالیسی کی ناکامی افراتفری، بدنظمی، بے کاری کے علاوہ مزدوروں، مزارعوں کا استحصال، دہشت گردی، سینہ زوری، بے راہ روی وغیرہ شامل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اشتراکیت (Socialism)

یہ نظام معیشت بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے اس کو اور اشتمالیت کو ہینرچ کارل مارکس (Henrich Karl Marx) نے متعارف کروایا تھا۔ اس کا والد وکیل تھا وہ اسے بھی یہی تعلیم دلوانا چاہتا تھا۔ مگر اس نے اپنی مرضی کے مضامین چنے تھے اس نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری اپنے دوست ایف انجلز (Engels) کی نگرانی میں حاصل کی تھی۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اس نظام کو عملی جامہ پہنانے کی سرتوڑ کوشش کی تھی مگر یہ فقط خواب ہی رہا۔ روس میں 1917ء میں انقلاب برپا ہوا تھا اشتراکی نظام اس ملک میں بیسویں صدی کے آخر تک چلتا رہا اور کئی دیگر ملکوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا مگر روس کا شیرازہ بکھرنے سے اس کو زوال کا سامنا کرنا پڑا۔

اشتراکیت کا پس منظر:

اب مختصراً اس کے ارتقاء پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

اسباب معاش اور وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کی حد تک کیمونزم نظریات کی جھلک دور قدیم میں بھی نظر آتی ہے۔ افلاطون ان جو چوتھی صدی قبل از مسیح میں گزرا ہے۔ جارج سول اپنی مشہور کتاب ''عظماء کے معاشی نظریات'' پر افلاطون کا معاشی نظریہ نقل کرتے ہیں:

> ''افلاطون حکمران طبقے کے لئے اس سے زیادہ جائیداد پر قابض رہنا مناسب نہیں سمجھتا تھا جس کی بناء پر ان کا گزارہ ہو سکے ان کے نزدیک جائیداد کی مشترکہ ملکیت کا اصول عام طور پر رائج ہونا چاہئے۔''

ارسطو اپنے پیش رو افلاطون کے مقابلے میں زیادہ مبصر تھا۔ اس نے اپنے مشاہدے سے جو نظریات پیش کئے وہ دور جدید کے سائنس دانوں کے نظریات کا ابتدائی پرتو پیش کئے ارسطو نے سود پر روپے قرض دینے کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا افلاطون کے برعکس ارسطو کی رائے یہ تھی کہ:

> ''جائیداد کی مشترک ملکیت نہ تو ممکن العمل ہے اور نہ اسے انسانی طبائع سے کوئی مناسبت ہے۔''(۱۰)

جب روی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوا تو تمام یورپ میں جاگیرداری کا نظام قائم ہوا اور زمینداروں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا جو پیداوار زمین میں حسب مراتب حصہ دار تھے اور ہر بڑا جاگیردار چھوٹے جاگیرداروں سے مقرر حصہ وصل کرتا تھا اور غلاموں اور مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ اس نظام میں جاگیردار کمزور طبقے پر بیحد ظلم کیا کرتے تھے جس کے ازالے کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اقتدار جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھا جن کا مفاد مشترک تھا۔

اگرچہ کلیسا کا پورے یورپ پر اقتدار تھا اور انہوں نے دینوی حکمرانوں کے ساتھ حصول اختیارات میں مقابلہ بھی شروع کیا اور سابق دور کے برخلاف کہ روپیہ صرف مبادلہ کا ذریعہ ہے یعنی روپیہ اس لئے ہے کہ اس کو دے کر جنس خرید کر لیا جائے نہ یہ کہ خود اس کو جنس بنا کر پیداوار دولت کا ذریعہ قرار دیا جائے۔

کلیسا کا پیشوا کوئی جو قبل ازیں ارسطو کی طرح سود کی مذمت کرتا تھا اس نے یورپی معاشیات میں مندرجہ ذیل صورتوں میں سود وصول کرنے کو جائز قرار دیا۔

۱۔ روپے قرض دینے والا نفع حاصل کرنے کے مواقع سے محروم ہو جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ قرضہ دینے والے کو نقصان یا صدمہ پہنچے۔
۳۔ قرض لیا ہوا سرمایہ ادا نہ ہو سکنے کی صورت میں نقصان کا خطرہ۔
۴۔ قرض روپے کی ادائیگی کی مدت مقررہ سے تاخیر۔

اس مذہبی فتوے نے یورپ میں سودی کاروبار کو فروغ دیا جس سے غریب طبقے پر ضرب پڑی پہلے وہ جاگیردارانہ نظام کے بوجھ کے نیچے پس رہے تھے اب سودخواری کا حملہ بھی شروع ہوں۔

جب یورپ میں سائنس کی بدولت صنعتی انقلاب آیا اور بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے تو جاگیرداروں نے صنعت کو زیادہ نفع بخش سمجھ کر دولت کو کارخانوں پر صرف کرنا شروع کیا اور اس طرح ایک حد تک جاگیردارانہ نظام صنعتی نظام میں تبدیل ہوا یہ نظام برابر غیر متوازن چلتا رہا اور کارخانے کی تیار شدہ اشیا کے منافع میں مزدور کو صرف قوت لایموت ملتا تھا اور اسی کی محنت سے بنائی ہوئی مصنوعات کی باقی سب آمدنی مالک کارخانہ ہڑپ کر جاتا تھا اور چونکہ یہی کارخانہ دار حکومت پر نہیں پڑتا تھا بلکہ من مانے نرخ مقرر کر کے اشیا صرف لاگت سے بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرتے تھے جس سے مزدوروں کے علاوہ دیگر عوام کی معاشی زندگی بھی متاثر ہوتی تھی۔

مارکس کے استاد ہیگل نے اس بے انصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور دیگر افراد نے بھی کوشش کی کہ صنعتوں میں تیار شدہ اشیاء کے مصارف سے زیادہ قیمت مالک اور مزدوروں میں برابر تقسیم ہو لیکن اس نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اب سرمایہ کا پیٹ اتنا پھولا کہ اس سے طبعی طور پر کمیونزم کا بچہ پیدا ہونا ناگزیر ہوا۔

چنانچہ اب اس نظریاتی تحریک نے عملی بلکہ سیاسی تحریک کی شکل اختیار کی ہیگل خود اس فلسفہ کا موجد ہے کہ ہر مثبت ایک دعوے ہے اور ہر نفی اس کا جواب دعوے ہے اور مثبت اور منفی کے بعد تطبیق رونما ہوتی ہے یہ نظریہ ہیگل کے نزدیک مادیات روحانیات' اور عملیات واعتقادات سب پر حاوی ہے۔

سرمایہ داری نے فرد کا حق ثابت کیا اور جماعت کا حق نظر انداز کیا۔ اشتمالیت نے شخصی اور انفرادی ملکیت کی نفی کی اور جماعت کو ترجیح دی بقول ہیگل اب ان دو نظریات متناقضہ کے بعد تطبیق نظریہ کی ضرورت ہوگی میں کہتا ہوں کہ وہ تطبیق اور اعتدال نظریہ معاشیات اسلام کا ہے۔

جدید اشتراکیت جسے کہ دور حاضر کے معیشت دان اور مفکرین نان مارکسین اشتراکیت (Non-Marxian Socialism) اشتراکی جمہوریت (Social Democracy) جمہوری اشتراکیت (Democratic Socialism) حریت پسند اشتراکیت (Liberal Socialism) اور نیم جمہوری اشتراکیت (Democratic Partial Socialism) وغیرہ کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ سرمایہ داریت (Capitalism) اور اشتمالیت (Communism) یعنی مارکسین اشتراکیت (Marxian Socialism) جیسے انتہا پسند معاشی نظاموں کے مقابلے میں ایک ''میانہ رو'' (Mid-Way) معاشی نظام ہے جو کہ اس وقت سکنڈے نیوین ملکوں (Scandianavian Countries) یعنی ڈنمارک' ناروے' سویڈن' فن لینڈ اور آئس لینڈ میں کلی طور پر وہ فرانس' برطانیہ' نیوزی لینڈ' ہندوستان' سیلون اور آسٹریلیا وغیرہ کے ملکوں میں جزوی طور پر رائج ہے۔

موجودہ عہد کا اشتراکی معاشی نظام نظریاتی طور پر ہی نہیں بلکہ عملاً بھی خالص اشتراکیت یا اشتمالیت (Communism) سے جو کہ اس وقت چین' روس' چیکوسلواکیہ' یوگوسلاویہ اور پولینڈ وغیرہ کے ملکوں میں رائج ہے بڑی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حد تک مختلف واقع ہوا ہے۔ جدید اشتراکیت نے سرزمین انگلستان سے جنم لیا اور وہاں سے دوسرے ملکوں میں پھیلی۔

یہاں یہ صراحت بے محل نہ ہوگی کہ اشتمالیت اور اشتراکیت جیسا کہ عموماً غلط فہمی کی بناء پر سمجھا جاتا ہے یکساں نوعیت کے معاشی نظام نہیں ہیں صرف 1883ء تک جب تک کارل مارکس زندہ رہا اشتراکیت اور اشتمالیت میں کوئی تفاوت نہیں تھا۔ مگر اس کی موت کے بعد ان میں ایک نمایاں فرق پیدا ہوتا چلا گیا اور اب ان کی حیثیت دو قطعی مختلف معاشی نظاموں کی ہے تاہم اشتراکیت کو اشتمالیت کی پہلی منزل ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔

دور جدید کا اشتراکی نظام فیبین سوسائٹی (Fabian Society) کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ یہ سوسائٹی 1883ء کا کارل مارکس کی موت کے بعد جارج برناڈ شا (George Bernard Shaw) سڈنی ویب (Sidney Webb) بیٹرس ویب (Betrice Webb) سڈنی اولور (Sidney Oliver) اور گراہم والز (Graham Walls) جیسی شہرہ آفاق شخصیتوں کی نگرانی میں معرض وجود میں آئی۔ اس زمانے میں مارکس کا نظریہ اشتراکیت یورپ کے صنعتی معاشرے میں بڑی مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ اس کے پیروکار برطانیہ میں اس کے ''نظریہ قدر'' (Law of Value) کو بنیاد بناتے ہوئے اشتمالیت کا خوب پرچار کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے 1881ء میں ہنری-ایم-ہائنڈ مین (Henry M.Hindman) کی سرکردگی میں سوشل ڈیموکریٹک فیڈریشن (Social Democratic Federation) کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جا چکی تھی مگر فیبین سوسائٹی کے معرض وجود میں آتے ہی یہ تنظیم اپنا وجود کھو بیٹھی۔ فیبین سوسائٹی نے مارکس کے برعکس اپنا ایک نیا اشتراکی نظریہ پیش کیا۔ اس مقصد کے لئے 1889ء میں ایک کتاب لکھی۔ جس میں فیبین اشتراکیت کے نقطہ نظر اور نوعیت وغیرہ کی تشریح کی گئی۔

فیبین اشتراکیت جو آگے چل کر جدید اشتراکیت کی بانی بنی اپنی نوعیت اور ہیئت کے اعتبار سے مارکسین اشتراکیت سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ یہ اشتراکی معاشرے کی تعمیر وتشکیل کے لئے آئینی اور جمہوری طریق کار اختیار کرنے پر زور دیتی ہے اور انقلابی تبدیلیوں کے بجائے تدریجی ارتقاء کو قابل قبول سمجھتی ہے۔ اپنے نصب العین کے حصول کے لئے فیبین اشتراکیت نے اس بات پر زور دیا تھا کہ زمین اور تمام بنیادی صنعتیں قومی ملکیت میں لینی چاہئیں۔ اس کے علاوہ پیداواری ذرائع کا بیشتر حصہ بھی قومی ملکیت ہونا چاہئے۔ تاہم اشیائے صرف نجی ملکیت ہونی چاہئیں۔ اجرت جو کہ واحد نجی آمدنی ہوگی مزدور کو اس کی اہلیت کے مطابق ادا کی جانی چاہئے۔

اپنے ان نظریات کی بناء پر فیبین اشتراکیت برطانیہ میں لیبر پارٹی کے قیام کا سبب بنی جس نے اپنے منشور کی بنیاد انہی تصورات کو بنایا۔ 1945ء میں جب لیبر پارٹی برسر اقتدار آئی۔ تو اس نے برطانوی معیشت کو فیبین اشتراکیت کی بنیادوں پر ہی استوار کرنے کی کوشش کی۔ برطانیہ کی طرح دوسرے کئی ممالک بھی اشتراکیت کے اس جدید تخیل سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ خصوصاً پہلی اور دوسری عظیم جنگوں کے مرتب ہونے والے معاشی نظاموں تجارتی چکروں افراط زر اور بے روزگاری جیسے معاشی مسائل نے متعدد سرمایہ دارانہ معاشی نظاموں کے حامل ملکوں کو فیبین اشتراکیت کے اوصاف و فوائد سے فائدہ اٹھانے کے لئے مجبور کر دیا اور اس طرح اشتراکیت دو مختلف نوعیت کے معاشی نظاموں میں تقسیم ہو گئی۔ دونوں نظاموں کے پیش نظر اگرچہ بنیادی مقصد اور نصب العین ایک ہی ہے مگر اس کے حصول کے لئے دونوں کے لائحہ عمل اور اقدامات میں بہت فرق ہے۔ چنانچہ تقابلی مطالعہ کے پیش نظر جب مختلف معاشی نظاموں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو اشتراکیت سے مراد وہ نظام لیا جاتا ہے جسے فیبین سوسائٹی نے پیش کیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشتراکیت کی تعریف(Definition):

اشتراکیت کی کسی ایک جامع اور واضح ترین تعریف کے متعلق معیشت دانوں اور مفکرین کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔اب تک اس کی متعدد تعریفیں بیان کی جا چکی ہیں۔جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ ولیم- این- لاؤکس (William N.Loucks) اور ولیم- جی- وائٹنی (William G.Whiteney) اشتراکیت کی تعریف کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

''سوشلزم سے مراد ایسی تحریک ہے جو پیمانہ کبیر پر پیدائش دولت عمل میں لانے والی ہر قسم کی اشیاء سرمایہ کو انفرادی انتظامیہ کی تحویل یا ملکیت میں دینے کی بجائے مجموعی طور پر پورے معاشرے کی ملکیت میں دینا چاہتی ہے تاکہ بڑھی ہوئی قومی آمدنی کی مساویانہ تقسیم عمل میں لائی جا سکے لیکن اس طرح کہ لوگوں کے انفرادی جذبے اور اشیاء صرف کرنے کی آزادی پر کوئی صرف نہ آنے پائے۔''(۱۱)

۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا(Encyclepaedia Britanica) کی وضاحت کے مطابق:

''سوشلزم بنیادی طور پر ایک ایسا نظریہ یا تحریک ہے جس کا نصب العین عمومی حق ملکیت کی بدولت پیداواری وسائل اور تبادلہ دولت کو اجتماعی کنٹرول میں لیتے ہوئے قوم کو اجتماعی طور پر اس طرح منظم کرنا ہے کہ عام لوگوں کے مفادات کا تحفظ ممکن ہو سکے۔''(۱۲)

۳۔ ہنری سمتھ کی رائے میں:

''سوشلزم سے مراد ایسی حکمت عملی ہے جس کا نصب العین ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرنا ہے جس میں پیداواری ذرائع مشترکہ ملکیت میں ہوں۔''(۱۳)

۴۔ ولیم-گراہم سمر(William Graham Sumer) کے خیال میں:

''اشتراکیت ایک ایسا منصوبہ یا نظریہ ہے جس کا مقصد ریاست کی مداخلت کی بدولت افراد کو جہد البقاء کے مصائب اور کشمکش حیات کی تکالیف سے بچانا ہے۔''(۱۴)

۵۔ پروفیسر جوڈ لکھتا ہے:

''اشتراکیت اس ٹوپی کی مانند ہے جو اپنی شکل وصورت کھو چکی ہے اور یہ اس لئے کہ ہر کوئی اسے اپنے سر پر منڈھنے میں مصروف ہے۔''(۱۵)

۶۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنز کا فاضل مقالہ نگار بھی شکایت کرتا ہے کہ

''سوشلزم کمیونزم اور اجتماعیت کی اصطلاحات جو بالعموم ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔نہایت مبہم اور غیر واضح ہیں۔''

۷۔ ایک انگریز شیڈول Shed Well کہتا ہے کہ:

''یہ (سوشلزم) مرئی بھی ہے اور غیر مرئی بھی نظری بھی ہے اور عملی بھی تصوراتی بھی ہے اور مادی بھی بہت قدیم بھی ہے اور بالکل جدید بھی یہ لفظ ایک معمولی سے جذبے اور احساس سے واضح عملی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروگرام تک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اسے ایک فلسفہ حیات ایک تاریخی عمل ایک قانونی اصول کہا جاتا ہے پھر اسے بیک وقت ایک عوامی تحریک اور ایک سائنسی تجربہ ماضی کی ایک تعبیر اور مستقبل کا ایک تصور آوازہ جنگ اور نقارہ امن' متشددانہ انقلاب اور خاموش تغیر محبت اور بے لوثی کا صحیفہ نفرت اور خودغرضی کا مجسمہ انسانیت کی امید اور تہذیب کا قاتل دورنو کی علمبردار اور خوفناک تباہی کا پیامبر قرار دیا جاتا ہے۔"(۱۶)

۸۔ فروری 1832ء میں سینٹ سائمن کے پیروزگاروں کے لئے سوشلسٹ کا لفظ استعمال ہوا۔

انگریزوں کا دعویٰ ہے کہ سوشلسٹ کا لفظ (Socialist) ہم نے پہلی دفعہ استعمال کیا اور 1826ء میں یہ لفظ London Co-operative Magazine میں لکھا گیا اور یہ آرٹیکل Encyclopedia Nouvelle میں جسے لیرکس (Leroux) اور رے ناڈ (Rey Nand) نے ایڈٹ کیا تھا' لکھا گیا۔

لیکن 1840ء میں سارے یورپ میں Socialism (سوشلزم) کی اصطلاح اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے استعمال کی جانے لگی کہ وسائل پیدائش یعنی سرمایہ زمین یا جائیداد اجتماعیت کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں تاکہ پبلک کے مفاد میں ان کی نگرانی ہو سکے۔(۱۷)

۹۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں اشتراکیت کا تعارف اس طرح ہے کہ:

"سماجی تنظیم کا ایک ایسا نظریہ یا مسلک جو سب پیداواری ذرائع' سرمایہ' زمین' ملکیت اور اجتماعی تصرف کا مدعی ہو اور جس کا مقصد سب کے مفاد میں ان وسائل کی تنظیم و تقسیم ہو۔"

اشتمالیت (Communism):

جدید دور کے علمائے معاشیات (Scholars of Economics) اسے اشتمالی نظم معیشت کا نام دیتے ہیں اس کو مارکسیت (Marxism)' اجتماعیت (Collectivism)' آمرانہ اشتراکیت (Dictatorial Socialism) حکمیہ یا حاکمانہ (Commanded) یا منضبط (Controlled) اور استبدادی (Authoritative) اشتراکیت سے بھی پکارتے ہیں یعنی یہ انتہا پسندانہ نظام معیشت ہے اس کی تعریف جارج ایچ ہیمپش (George H. Hampsch) نے ان زوردار الفاظ میں اس طرح کی ہے:

"اشتمالیت ایک ایسے سماجی نظام کا حوالہ پیش کرتی ہے جس میں ساری جائیداد یا کم از کم پیداواری جائیداد کا نظم ونسق اجتماعی ملکیت میں ہو۔"

اس کی ایک تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

"The word communism a term of anscient (قدیم) Origin (ابتداء) Primarily, meant a system of society in which property was owned by community (سماج) and all citizens (شہری) shared in enjoyment (لطف) of common wealth (مشترکہ دولت) Moreor less according their needs (اندوزی)"(18)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں میں فرق:

لینن کے مطابق سوشلزم کا مطلب ذرائع پیداوار کی ملکیت مشترک ہونا اور کمائی کی تقسیم میں اس اصول کا کارفرما ہونا ہے کہ:

''ہر ایک سے اس کی قابلیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق۔''

پھر سوشلزم رفتہ رفتہ کمیونزم میں تبدیل ہو جائے گا جس کا نصب العین یہ اصول ہوگا:

''ہر ایک سے اس کی قابلیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق۔''(۱۹)

مارکس نے اشتراکیت کے ابتدائی مرحلہ کو سوشلزم اور آخری مرحلہ کو کمیونزم کا آخری سٹیج کہتا ہے:

"Critique of the Gothaprogramme" Selected Works Moscow.

اشتراکیت و اشمالیت ایک ہی ماں کے دو جڑواں بچے ہیں ان میں کمیونزم زیادہ تند و تیز اور عیار و مکار ہے اگرچہ دونوں کی سوچ اور اپروچ ایک جیسی ہے تاہم طریق کار (Methodology) میں تفاوت ہے۔ اشتراکیت کا ارتقاء (Evolution) اور اشتمالیت کا انقلاب (Revolution) پر یقین ہے یہ تہس نہس کرنے کا قائل ہے۔ اگرچہ دونوں نظاموں کے نقائص کافی حد تک ملتے جلتے ہیں۔ تاہم ان میں فرق بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حکمت عملی (Strategy)' معاشی مسابقت (Competitiveness)' نجی ملکیت' محرک منافع' سیاسی نقطہ نظر (Politicalview- Point) صارفین کی پسند کا جداگانہ تصور اور کارکردگی کے لئے الگ الگ آراء ہیں۔ کئی ماہرین معاشیات ان اہم نکات کو سامنے رکھتے ہوئے ان دونوں نظاموں کے مابین خط امتیاز کھینچتے ہیں یعنی پرکھنے کے لئے ان کو معیار گردانا جاتا ہے۔ تاہم بنیادی فکر کے دھارے کافی حد تک مماثلت (Identity) و یکسانیت کے حامل ہیں۔

مارکس کے تخیل کے اہم نکات (Major Points)

مارکس کے تخیل پر مبنی چیدہ چیدہ نکات اور اس کے فلسفہ کی بنیادیں حسب ذیل ہیں:

ا۔ تاریخ کی مادی تعبیر (Materialistic Interpretation of History):

کارل مارکس نے تاریخ انسانیت کو بغور جانچا ہے اور آخر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ معاشرہ کی تشکیل سے لے کر آج تک جتنی بھی سیاسی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں ان کے پس منظر میں یا بالکل واضح غربت اور سرمایہ دار کی جنگ رہی ہے اور یہ جنگ آئندہ بھی جاری رہے گی۔ مارکس کا خیال ہے کہ یہ اقتصادی اور تاریخی واقعات کو متعین کرنے میں بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں اور مادی تاریخ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ انسانی ادارہ جات خیالات اور حرکات مستقل طور پر تغیرات کے حامل ہیں۔ کارل مارکس صرف اور صرف مادیت کا ماننے والا تھا۔ مادیت کے علاوہ اور کوئی طاقت اس کے ذہن میں دنیاوی امور میں تغیر برپا نہیں کر سکتی روحانی چیزیں اسی کے خیال میں مادی احتیاجات نے افراد کو سوسائٹی تشکیل کرنے پر مجبور کیا اور مادی ترقی کے لئے کئی قوتیں زور آزما ہیں۔ دنیا میں انقلابات آئے تو مادی افادیت کے لئے اور اگر حکومتیں تبدیل ہوئیں تو ماری ترقی کے لئے مادی افادیت کا احساس تو ہر فرد میں فطری طور پر موجود ہوتا ہے اور کبھی کوئی ادارہ ایسے مقاصد کے لئے کام نہیں کرتا جس میں ذاتی منفعت کا عنصر شامل نہ ہو۔ اگر لوگ روحانی ارتقاء کا پرچار کرتے ہیں تو اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پس منظر میں بھی مادی دنیا میں حاصل ہونے والی شہرت کے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

مادی ترقی کے حصول کے لئے ہر فرد ایک دوسرے فرد پر سبقت لے جانے کے لئے شروع سے ہی کوشاں رہا ہے اور اس نے انسانی اقدار کو بھی ترک کر دینا عین مصلحت جانا ہے۔ لیکن عام طور پر مادی ذرائع اس کو زیادہ حاصل ہوتے رہیں ہیں۔ جس کے پاس دولت اور طاقت کی فراوانی رہی ہے جو زر اندوز یا سرمایہ دار بنا رہا ہے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ بہت سے سیاسی مسائل زر کی بے جا تقسیم کے باعث پیدا ہوتے رہے ہیں اور کئی معاشرے دولت کی عدم مساوات کا شکار ہو جاتے رہے ہیں لیکن جب معاشرہ کے افراد کو اس حقیقت کا اعتراف ہوا تو انہوں نے دولت کے جادو کو نہ چلنے دیا اور اس کی تمام تر سحر کاری کو اپنی ذاتی تگ ودو کے بل بوتے پر ناکام کر دیا۔

اس سلسلہ میں مارکس صنعتی انقلاب کی مثال دے کر بیان کرتا ہے کہ صنعتی انقلاب کے بعد معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا ایک جانب مختصر سے سرمایہ دار اور دوسری طرف مفلس مزدوروں کی اکثریت اس کی تقسیم کی وجہ دراصل یہ ہوئی کہ معاشرہ نے زندگی کو پہلے ہی دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور غریب اور امیر کی طرز زندگی میں نمایاں فرق تھا لیکن تاریخی طور پر نادار نے کبھی اس حقیقت پر غور نہیں کیا تھا کہ وہ غریب کیوں بنایا گیا ہے اور امیر کو کبھی اس بات کا احساس نہ ہوا تھا کہ وہ دولت مند کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے امیر تو بن گیا ہے لیکن امارت حاصل کرنے کے لئے کتنے غریبوں کی قسمتوں جانوں اور جائیدادوں سے کھیلنا پڑتا ہے اور اگر کوئی مفلس کسی خاص وجہ سے امیر بن بھی جاتا تو وہ اپنے ذہن کو اس انداز سے منقلب کر لیتا کہ اس کو اپنے ہی غریب ہونے کا احساس نہ رہتا جس وقت غریب کو غریب ہونے اور امیر کو امیر بننے کا احساس ہوا تو معاشرہ دو واضح طبقوں میں تقسیم ہو گیا۔

یہ حقیقت تو مسلمہ ہے کہ سرمایہ داروں اور مزدوروں کے مسائل مشترک نہیں ہیں۔ اس لئے دونوں کے مفادات بھی مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس طرح سرمایہ داری کے فنڈ کا مقصد یہ تھا کہ مزدوروں سے جائز اور ناجائز کام لے کر کثیر سے کثیر منافع حاصل کیا جائے اور اس کے برعکس مزدور معینہ وقت میں محدود کام کرنے کا خواہاں ہے اس لحاظ سے دونوں میں طبقاتی جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔ گذشتہ ادوار میں بڑے بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ معاشرہ بھی چڑھدے کا سورج کی پوجا کرتا تھا اور جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کی صورت میں دیتا تھا معاشرے کی تمام تر ہمدردیاں حکمران اور سرمایہ دار طبقہ سے وابستہ ہو جاتی تھیں اور جائز حق داروں کے حقوق کی پرواہ کئے بغیر زرداروں کی حمایت کی جاتی تھی۔

اس ماہر نے اس تاریخی غلطی کا بغور مطالعہ کیا اس نے بلاخوف اعلان کیا کہ مزدور کو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اعلان بغاوت کر دینا چاہئے تاکہ مزدور طبقہ آپ خوشحال بنانے کے لئے ذرائع پیداوار پر قبضہ کرے اور قوت واختیار حاصل کرے اہم سیاسی تبدیلیاں وجود میں لائے اور طبقاتی تقسیم کی لعنت کو دور کرے۔ تاکہ مفلس ومزدور کامیاب ہو کر ایک نئے معاشرے کی بنیاد ڈالے تاریخ کے مادی تصور میں کارل مارکس کہتا ہے کہ معاشرے کی حالت کو پرامن طریقوں سے ٹھیک کیا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ہی اس نظریہ کا بھی چلتا ہے کہ پرامن انقلاب کے لئے وقت بہت زیادہ درکار ہے۔ جس کے دوران مزدور کو سرمایہ دار کی زبردست مدافعت کا سامنا کرنا پڑے گا اور شاید مزدور کی سکت اس طویل عرصہ کی سختی برداشت کرنے سے جواب دے جائے اس لئے بہتر یہی ہے کہ انقلاب فوری طور پر برپا کیا جائے اور پرامن طریقے سے کارل مارکس کا خیال ہے کہ انگلستان امریکہ اور ہالینڈ کے علاوہ دنیا کے مختلف ملکوں میں مزدور بغاوت کر کے ہی انقلاب لا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان ممالک کے معاشرے پر یا تو استبداری حکمران ہیں یا اشرفیہ انگلستان امریکہ وغیرہ میں آئینی حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم رہے اور عوام کو آئینی اقدار کا صحیح احساس ہے۔ اس لئے ان ممالک میں پرامن انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کارل مارکس ایک ایسی اشتراکی ریاست کا تصور دیتا ہے۔ جس میں سرمایہ کا وجود تو ہو لیکن سرمایہ دار دکھائی نہ دے مزدور تاریخ کی روایت کو توڑتے ہوئے قلاش مزدور نہ رہے لیکن امیر مزدور بن جائے۔ کیونکہ امیر اور غریب کا کلیہ یہ ہے کہ جس فرد کی آمدنی اس کے اخراجات سے زیادہ ہوگی وہ امیر ہوگا اور جس شخص کے اخراجات آمدنی سے زیادہ ہوں گے وہ غریب ہوگا تاریخ کا مادی تصور پیش کرتے ہوئے کارل مارکس نے اقتصادی امور پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور اس میں اخلاقی اور مذہبی اقدار کو بالکل فراموش کر دیا۔

۲۔ طبقاتی چپقلش (Class Conflict):

مارکس کے نظریہ طبقاتی کشمکش سے مراد معاشرہ کی وہ تقسیم ہے جو اس کے چند افراد نے مل کر زبردستی کر دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں معاشرہ پر سرمایہ داروں کی سینہ زوری اور غریب مزدوروں کی ستم برداری پوری سوسائٹی کو دو واضح حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ یہی تقسیم ہی معاشرہ میں بے چینی بے اعتمادی اور جرائم کا باعث بنتی ہے۔ مارکس کے فلسفہ میں یہ تقسیم امتیازی خصوصیت رکھتی ہے اور اس کے خیال میں طبقاتی جنگ پر سوچ و بچار کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے وہ اس امر پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ زمانہ کس سادگی سے اس ظلم کو غریب طبقے پر روا رکھے جا رہا ہے جس کو کسی بھی انسانی قدرے کے مطابق نہیں ہونا چاہئے وہ کہتا ہے کہ آج تک زوردار اور مزدور میں کیوں نبھا ہوتا آیا ہے آخر وہ کون سے عوامل مانع رہے ہیں۔ جن کی بناء پر یہ لوگ اپنے آپ کو سرمایہ داروں کا تختہ مشق بنانے کے لئے پیش کرتے رہے ہیں آخر پر ولتاری طبقہ بورژوا کے خلاف کیوں سینہ سپر نہیں ہوا۔

سرمایہ داری فطرت کی طرف سے کسی مخصوص فرد کے نام نہیں لکھی جاتی غریب اپنا حق کیوں طلب نہیں کرتا آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے غریب کے منہ پر مہر سکوت لگا دی گئی شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خود سوسائٹی نے اس مصنوعی اصول کو تسلیم کر لیا کہ سرمایہ داروں کی حیثیت مزدوروں سے کچھ مختلف ہے اور غریب مزدوروں نے کفایت برداشت اور قناعت سے کام لیتے ہوئے سرمایہ داروں کی ہر بات کو اپنے لئے قانون معاشرہ تصور کر لیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داروں نے اپنے کردار سے بالکل واضح انداز میں ثابت کر دیا کہ مزدوروں اور مزدوروں کے دو واضح طبقات ہیں۔ ان دونو طبقوں کے مفادات بالکل مشترک ہیں اور سرمایہ دار جو اپنے مفادات کے حصوں کے بعد خود کو مطمئن نہیں پاتے ہمیشہ اس سوچ میں ڈوبے رہتے ہیں کہ کس طرح غریب کو اور زیادہ دبا کر اس سے جائز و ناجائز طریقہ سے کام لے کر اپنی دولت میں اضافہ کیا جائے وہ تو ہر نوع سے غریب کی غربت اور مزدور کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی ہر چیز پر غاصبانہ نظر رکھتے ہیں اور جہاں کہیں موقع ملتا ہے وہ قبضہ بھی کر لیتے ہیں انسانی اقدار کا تحفظ نہ تو غریب کے لئے مخصوص رہتا ہے اور نہ ہی غریب مزدور کو اپنا کسی قسم کا فطری حق جتانے کا حق بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے غریب اپنی جان اپنے مال اور اپنی عزت کا تحفظ خود کرتے ہیں۔ ملک و ریاست کے تمام عوامل سرمایہ داروں کے اشاروں پر چلتے ہیں اور سرمایہ داروں کے خیالات کی ترویج بھی ریاست کے ارباب اختیار اپنے لئے عین لازم سمجھتے ہیں حالانکہ وہ لوگ یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ معاشرہ کسی طبقے میں تقسیم ہونے کے لئے نہیں بنا یہ تو انسانی معاشرہ ہے یہ معاشرہ انسان کی بہتری کے لئے بنا ہے اور انسان کی صفت میں ہر وہ فرد آ جاتا ہے جو فطری طریقے سے اس دنیا میں متوالا ہوتا ہے اور اسی طرح کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جسم جان اور ہیئت لئے ہوئے ہوتا ہے جس طرح ہر انسان کا ہونا چاہئے۔ لیکن اس میں پیدا ہونے والے کا کیا قصور ہے۔ چونکہ وہ ایک غریب کے ہاں پیدا ہو گیا اس لئے وہ ہمیشہ غریب رہے گا اور اگر اس میں غربت کی خوفناک دیوار گرانے کی ہمت ہے تو وہ زندگی کا ایک خاصہ حصہ اس کوشش میں صرف کر دے گا کہ وہ غربت کی اس خوفناک دیوار کو گرائے اور اس کے پیچھے چھپے ہوئے اور پناہ لیے ہوئے امیروں اور زرداروں میں جا ملے۔ اس طرح وہ زندگی کا بیشتر صلاحیتوں کو ایک ایسی جنگ میں صرف کر دیتا ہے جو محض اس معاشرہ نے خود ہی چھیڑی ہوئی ہے اور اس جنگ کے جواز میں صرف کر دیتا ہے۔ کہ انسان کی صلاحتیں اس کو غریب یا امیر بنا سکتی ہیں اور ان صلاحیتوں کو بناء پر انسان ذلالت کی گہرائیوں میں گر سکتا ہے اور ان صلاحیتوں کی وجہ سے آج کمال تک پہنچ سکتا ہے۔ اس فلسفے کا مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص صلاحیتوں کے لحاظ سے کسی فرد کا محتاج نہیں بلکہ یہ چیز اس کی تخلیق میں شامل ہے۔

اگر اس حقیقت کو چند لمحوں کے لئے تسلیم کر لیا جائے تو وہ لوگ کیوں امیر رہتے ہیں۔ جن کے آباد اجداد سرمایہ دار تھے اور اتنا سرمایہ چھوڑ گئے کہ ان نوازئیدہ نسل کو مزید صلاحیتوں کے استعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ ایک سنہری ماحول میں پیدا ہوتے ہیں اور سنہری ماحول میں زندگی بسر کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ انہیں دنیاوی تنگیوں اور غربت کی شدتوں کا احساس تک نہیں ہوتا حالانکہ وہ ذاتی طور پر نہ تو محنتی ہوتے ہیں نہ کوئی کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں اور نہ ہی ان کا دماغ کوئی اعلیٰ خیال پیش کرتا ہے اسلاف کا کیا ہوا شکار وہ کھاتے رہتے ہیں آخر یہ رعایت ان لوگوں کو کیوں حاصل رہتی ہے اور غریب کے گھر پیدا ہونے والا بچہ آخر کار زمانے کی گرداب سے نکلنے کے لئے اس قدر مجبور کیوں بنا دیا جاتا ہے اس کے ذہن میں حوادث سے مقابلہ کے علاوہ اور کوئی بات کیوں نہیں آتی اس کو کیوں معاشرہ میں ذلیل مقام دیا جاتا ہے۔ یہ تمام سوالات تھے جو کارل مارکس کے ذہن میں معاشرتی انقلاب کا موجب بنے اور ان خیالات کی بناء پر ہی اس نے معاشرہ کو دو واضح دھڑوں میں تقسیم کر دیا اور غریب کو نہ صرف اس امر کی اجازت دی کہ وہ امیر پر دست درازی کرے بلکہ اس پر لازم ٹھہرایا کہ معاشرے میں مساوات پیدا کرنے کے لئے اس کو اس طرح انقلابی کاروائی کرنی چاہئے جس طرح ایک باغی فوج اپنے ظالم حاکم کے ساتھ کرتی ہے غریب کو اپنا حق صنعت کار سے چھین کر حاصل کرنا چاہئے۔ جب معاشرہ میں اعتدال حالات پیدا ہو جائیں تو معاشرے میں امن قائم کر کے شانہ بشانہ ہو کر ریاست کی ترقی کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

اس کا خیال ہے کہ جہاں مزدور اور سرمایہ دار کی مسلسل جنگ جاری ہوئی ہے وہاں معاشرہ میں مختلف قومیں افراد کے مابین سماجی رشتہ کو مستحکم کرنے میں مصروف رہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کا مفاد وجود میں آتا ہے۔ جو بعد میں قانون کی صورت اختیار کر لیتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہر قانون ایک خاص مفاد کے تحفظ کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس لئے معاشرہ موثر ہوتا ہے۔ یہ مختلف قوتیں جو معاشرہ میں کارفرما ہوتی ہیں۔ معاشرہ کو دو مختلف طبقوں میں تقسیم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں اور ان مختلف قوتوں کی بنا پر وجود میں آنے والے طبقات کے مفاد بھی مختلف نوعیت کے ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان دونوں طبقوں میں تصادم کا ہونا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اس تصادم کے پس منظر میں یہ حقیقت ہوتی ہے کہ وہ نظریات آپس میں متصادم ہوتے ہیں۔

یہ نظریات کیا ہیں واضح ہے کہ یہ نظریات عدم اعتدال اور اعتدال کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج کو دور کرنے کے وہ مسائل ہوتے ہیں جن کے حاصل کرنے کے لئے ایک طبقہ کوشاں ہوتا ہے اور دوسرا ان کی موافقت کے لئے پورے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زور سے مخالفت کرتا ہے اور اس مخالفت میں اس کو طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں ہوتا چنانچہ یہ تصادم پرولتاری آمریت کو ترقی دیتا ہے۔

اس موصوف کے مطابق یہ کہ پرولتاریوں کی آمریت محض ایک ہنگامی چیز ہے۔ کیونکہ آمریت کی وجہ سے ہی سوسائٹی کی پوری تنظیم کو ختم کر کے ایک ایسے غیر طبقاتی معاشرہ کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ جس میں مزدور اور سرمایہ دار کے درمیان تفریق کی بیخ کنی کر دی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کارل مارکس کی فلاسفی کا نچوڑ ''طبقاتی جنگ'' ہے اور اس سے پہلے اس خیال کو کبھی نظریے کی حیثیت حاصل ہی نہیں تھی دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے۔ علم سیاسیات کے لئے ''طبقاتی جنگ'' کا نظریہ کارل مارکس کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ اگر تاریخ فلاسفہ پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس قدر جلیل القدر باریک بین مفکرین نے کبھی اس اہم ترین امر کی طرف توجہ ہی نہیں کی جس کی بناء پر انسان انسان کے ہاتھوں مظلوم بنا رہا ہے اور انسان انسان کے لئے مصائب کا سبب بنتا رہا ہے اور کبھی کسی نے یہ سوچنا گوارا نہیں کیا کہ آخر وہ کون سے عوامل تھے جن کی بنا پر فطری دور میں اکٹھا رہنے والا انسان سماجی دور میں آ کر اس قدر بھیانک حالات کا شکار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کی انسانی اقدار ایک طرف تو بالکل کچلی گئیں اور اس کی حیثیت ایک کمترین جانور سے بھی گر گئی اور دوسری طرف وہ اس قدر خوفناک درندے کی صورت اختیار کر گیا کہ ہم جنس کے خون میں لذت محسوس کرنے لگا۔

اس کے مطابق دور حاضر کے معاشرہ کی تاریخ طبقاتی جنگ کی تاریخ ہے اقتصادی معاشی لحاظ سے خوشحال طبقہ مزدور طبقہ کے مفاد کو نہ صرف لوٹ رہا ہے بلکہ اس کو سر سے ہی کچلنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اس لئے کہ یہ طبقہ اتنا زیر بار ہو جائے کہ اس میں سر اٹھانے کی ہمت نہ رہے۔

حالات نے معاشرہ پر ایک ایسا نظام مسلط کر دیا ہے جو انسان دشمن پالیسیوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے اور انسان اس سماج میں صرف اس شخص کو تصور کیا جانے لگا۔ جو دولت مند ہے جس کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ وہ افراد کے مفادات کو بھی خرید لے۔ ایسا کبھی نہ ہوتا اگر شروع ہی سے کوئی ایسا انسان پیدا ہو جاتا جو انسان کے اس کے اعلیٰ اقدار سے باخبر رکھتا اور سرمایہ دار کو کسی وار سے پہلے ہی اپنے دفاعی انتظامات کر لیتا سرمایہ دار کا انسانیت کی حدود کو عبور کرنے میں خود مزدور طبقے کی آپس میں بے اتفاقی اور عدم تحفظ کے عناصر نے بہت مدد دی۔ ان میں وہ صلاحیت ہی نہ بڑھ سکی جس کی بناء پر مزدور اپنے مفادات کا تحفظ کر سکتا۔ سرمایہ دار سے مقابلہ کرنے کے لئے صرف تھوڑے سے حوصلے کی ضرورت تھی۔ اگر یہ حوصلہ ابتداء ہی میں قائم کر لیا جاتا تو آج یہ طبقاتی تقسیم طبقاتی جنگ کا موجب نہ بنتی اور انسانیت اعتدال کے بہترین اصولوں کا مجسمہ بن کر دنیا میں سرخ رو ہوتی تاہم تاریخ نے اگر مزدور کا ساتھ نہیں دیا تو کوئی بات نہیں اب وقت آ گیا ہے کہ تاریخ کو بھی اپنے رجحانات تبدیل کرنا پڑیں گے اور وہ تمام قدیم اصول جس کو داستان انسانیت کی زیبائش قرار دیا جاتا ہے۔ اب غریب کے گھر کی زیبائش بن جائیں گے دیرینہ سرمایہ دارانہ نظام ختم ہو کر ایک منظم غیر طبقاتی معاشرے کی کامیاب تشکیل دے گا۔

گرد ہی جنگ کی سب سے بڑی وجہ مزدوروں کی بدحالی اور سرمایہ داروں کی خوشحالی ہے۔ مزدور کو اپنی محنت کا پورا صلہ نہیں ملتا اور ادھر سرمایہ دار کے پاس اتنا سرمایہ ہوتا ہے کہ وہ عیاشی میں صرف کرتے ہوئے بھی نہیں تھکتا اور سب سے بڑے ظلم کی بات یہ ہے کہ سرمایہ دار اپنی عیاشی کا نشانہ بھی اس مفلس مزدور کو بناتا ہے جو پہلے ہی حالات زدہ ہوتا ہے۔

مزدوروں کی محنت کی بنا پر صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ ہمت سے کام نہ لیں تو کارخانے دار اتنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ترقی نہیں کرسکتا جس قدر اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ مزدور کی محنت کے نتیجے پر پیداوار میں روز افزوں ترقی اور منڈیوں میں مالی کی بہتات اور خود منڈیوں میں تیزی سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں کو منتظم ہونے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور وہ سرمایہ دار کو باقاعدہ ایک تنظیم کی تشکیل سے اس امر کا احساس دلا دیتے ہیں کہ اس کی ترقی کا راز وہ طبقہ ہے جس کو اس نے نظروں سے گرایا ہوا ہے۔ سرمایہ دار کی خودسری اور تکبر مزدوروں میں انجمن سازی کے میلان میں اضافہ کرتا ہے اور وہی انجمن سازی کا ایک وقت پر موثر گروہ کی صورت اختیار ہو جاتی ہے۔

اس کے نزدیک طبقاتی جنگ کو صرف اس صورت میں ختم کیا جاسکتا ہے جب کہ سرمایہ دار اور مزدوری میں ایک مفید نوعیت کی مفاہمت ہو جائے اور وہ مفاہمت صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے جب ایک سرمایہ دار یا صنعت کار اپنی پوری صنعت یا سرمایے کو مزدوروں اور کارندوں کے لئے یکساں منافع کی تقسیم کے لئے لگا دے اور یہ شرط کبھی کسی سرمایہ دار کو منظور نہ ہوگی۔ خاص طور پر وہ سرمایہ دار جس کو کئی نسلوں اور کئی صدیوں سے استحصال کی عادت پڑ گئی ہو۔ چنانچہ ایسا انقلاب واقعی رونما ہو چکا ہے اگرچہ روس میں اس کو چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۳۔ نظریہ قدر زائد (Theory of Surplus Value):

اس کے فلسفے کا سب سے اہم پہلو اس کا نظریہ قدر زائد ہے۔

اس نظریہ کے پس منظر میں دو اہم اجزاء ہیں ایک مزدوروں کی کیفیت اور دوسرے ماہرین معاشیات مسٹر آدم سمتھ اور مسٹر ریکارڈ ہیں۔ ان لوگوں نے نظریہ محنت پیش کیا تھا جو۔

یہ نظریہ قدر زائد کے نام سے مشہور ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ مزدور جنس یعنی (Commodity) کی قیمت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ مارکس اس نظریے کا خود قائل ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ انسان کی صرف کردہ محنت و مشقت اصل میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں معاشرہ میں ذرائع پیداوار پر محض چند ایک افراد کا قبضہ ہوتا ہے اور مزدور اپنی مزدوری سرمایہ دار کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے۔ سرمایہ دار تو صرف خام مال مہیا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس اتنی دولت مرتکز ہوتی ہے کہ وہ خام مال کافی مقدار میں حاصل کر کے ذخیرہ حاصل کر سکے۔ اس خام مال سے مزدور کی محنت کے ذریعے سرمایہ دار اشیاء تیار کرواتا ہے اور یہ تیار شدہ اشیاء تبادلے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں لیکن بدقسمتی سے مزدور کو ملنے والی مزدوری اور تیار شدہ مال کی قیمت میں تناسب (Proportion) باقدر زائد کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور یہی فاضل سرمایہ سرمایہ دار کی تجوری کو زیادہ سے زیادہ بھر پور کرتا جاتا ہے۔ حالانکہ سرمایہ دار منافع میں اس نمایاں فرق کا حقدار نہیں ہے اور یہ فرق دراصل ان مزدوروں کا حق ہے۔ جنہوں نے پیداوار میں اضافہ کر کے اس کو حاصل کیا۔ مارکس نے قدر زائد کی تعریف ان مختصر الفاظ میں کی ہے:

> ''کسی شے کی قیمت فروخت اور اس کی قیمت لاگت (Cost Price) میں جو فرق ہوتا ہے اس کو قدر زائد کا نام دیا جاتا ہے۔''

طبقاتی کشمکش کا سبب دراصل یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ صنعت کار کسی بھی کارخانہ میں جب رقوم لگاتے تھے اور صنعت کی تکمیل کے لئے مزدوروں کو کام پر لگاتے تھے اور مطلوبہ چیزیں تیار کر کے عام مارکیٹ میں تقسیم کرتے تھے تو ان کا مقصد صرف ذاتی طور پر نفع اندوزی تھا۔ ان کے ذہن میں کبھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ مزدوروں نے کس جانفشانی اور محنت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کام کر کے اس پیداوار میں اضافے کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اس کے برعکس ہر سرمایہ دار کے دماغ میں یہ بات سمائی ہوئی ہوتی ہے کہ غریب مزدور سے زیادہ سے زیادہ دیر تک کام لے کر کم سے کم وقت میں پیداوار میں زبردست افزائش کی جائے۔ اور مزدوروں کو زائد کام کا معاوضہ بھی نہ دیا جائے۔ مارکس انسانیت پر اس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اس نے مزدور کو احساس دلایا کہ جو چیز بھی وہ تیار کریں اس کی ساخت کی قیمت بشمول مخنانہ اور قیمت فروخت پر کڑی نظر رکھیں اور سرمایہ دار کو اس فرق کا احساس دلاتے رہیں تا کہ سرمایہ دار اس محنت کا احساس رکھیں جو مزدوروں نے اس منافع کے حصول کے لئے کی ہے۔ جس سے اس کی تجوریاں بھری جاتی ہیں اور اس کو اس بات کا خیال رہے کہ اس کی نظر ہر وقت بے جا منافع خوری (Profiteeting) پر نہ جمی رہے۔

کارل مارکس مزدوروں کی بے بسی اور مجبوری کے باعث سرمایہ داروں کو ظالم اور انسانیت سوز درندے قرار دیتا ہے اور ان کو نہ صرف انسانی اقدار کو ڈاکو خیال کرتا ہے۔ بلکہ انسانی وسائل اور انسانی اقدار و اطوار کا غاصب تصور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس قدر زائد گی بنا پر تمام اقتصادی بیماریاں جنم لیتی ہیں نہ صرف سرمایہ دار کے سرمایے میں بے بہا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ ارتکاز اسی بنا پر چاند پر ہوتا ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ آنے کا سبب بھی یہی حالت ہے دولت سمیٹ سمیٹ کر سرمایہ کار مختلف صنعتوں اور پیداواروں پر مسلط ہو جانے کی فکر میں رہتا ہے۔ اگر نفع کی تقسیم مساوی انداز سے ہو یا کسی خاص تناسب (Proportion) سے ہو تو دولت برداشت کی جا سکتی ہے مگر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دولت کی فراوانی سے انسان کا ذہن ہی بدل جاتا ہے اور اس کا دماغ کسی ایسی تجویز کو قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتا جو اس کے سرمایے پر چوٹ بن جائے اس کا دماغ تو ہر وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ کن حربوں سے جملہ پیداوار پر قبضہ کر لیا جائے اور زیادہ سے زیادہ فاضل سرمایہ حاصل کیا جائے۔ جہاں تک مزدور کا تعلق ہے اور اس کو وہ اپنی مشین کا ایک ایسا پرزہ تصور کرتا ہے جس کو کسی وقت بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ ٹوٹ جائے تو اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے اور اس کی جگہ نیا پرزہ لے آتا ہے انسانی اقدار اس وقت اس کے دماغ میں قطعی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

وہ ''قدر زائد'' کو فقط مزدور کا حق قرار دیتا ہے لیکن اس پر پورے کا پورا قبضہ حالیہ دور میں کسی سرمایہ دار کا ہو جانا مزدور ہی کی کمزوری گردانتا ہے۔ اگر مزدور اس حقیقت سے آشنا ہو کر بھی خاموش رہے ہیں گو اس میں ان کا اپنا قصور بھی ہوتا ہے۔ دولت سے تو کبھی کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی آسان طریقوں سے اس کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوتا ہے اس کے لئے اتحاد اور زور کی ضرورت ہے۔ مارکس کو قوی امید تھی کہ وہ قوت دور نہیں جب سرمایہ دار مزدور کو اس قدر زائد کا حصہ دار بنائے گا۔ کیونکہ اس نے مزدور کو سرمایہ دار کی کمزوری سے آگاہ کر دیا اور انہیں ان کے حقوق سے مطلع کر دیا ہے۔ تو یہاں تک کہہ جاتا ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی صنعتوں پر محض مزدوروں کا ہی قبضہ ہوگا اور ان پر کوئی فرد واحد دولت اندوزی میں مصروف نہ رہے گا۔ روس کے انقلاب کے بعد کارل مارکس کی یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ مگر یہ نظام بھی تباہ ہو گیا۔

۴۔ جدلیاتی مادیت (Dialeetical Materialism):

پیروکاران مارکس ہی کے الفاظ میں مارکسیت کی حقیقت ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

ساری موجودات ایک جدلیاتی مادیت کا طریق عمل ہے۔ یہ ہیگل کے مناظرہ منطقی کا دعویٰ جواب دعویٰ اور امتزاج ہے جس کو اصلیت کا رنگ دیا گیا ہے۔ دعویٰ اور جواب دعویٰ کا تصادم یا بہ الفاظ دیگر کشمکش یا آویزش کائنات کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ان کا باہمی عمل اور ردعمل ایک امتزاج کی تخلیق کرتا ہے۔اس طرح پر ساری کائنات باطنی اور خلقی تضادات کا نتیجہ ہے جس کا ہر صورت حال میں نشوونما پانا لازمی ہے۔یہ تمام تعلیلی طریقہ ہائے عمل کی کامل تشریح ہے۔یہ نفس نہیں ہے جو مادہ پر حکمران ہو بلکہ خود مادہ ہی کی پیداوار ہے۔یہ موثر علل کائنات کے خارجی حوادث ہیں۔ہیگل کی تصوریت کو مادی وجودیت سے بدلنا ضروری ہے۔

اگرچہ جدلیاتی مادیت ہر قسم کے مدرکات کی کامل تشریح کے لئے ایک جامع مفروضہ سمجھی جاتی ہے مگر مادیت کا خاص تعلق معاشری قوانین اور طریقہ ہائے عمل پر اس کے انطباق سے ہے۔

اجتماعی دائرے میں معاشی مظاہر جو طریق پیدائش کے عام تصور میں شامل ہیں اصلاً تخلیقی اور قومی الاثر عوامل ہیں۔مذہب' اخلاقیات' سیاسیات اور فنون اسی طریق پیدائش کے مشتقات اور شاخیں ہیں۔

۵۔سلطنت اور مظالم:

سلطنت ظلم کا ایک ذریعہ ہے۔جس پر متوسط طبقہ اپنے مفادات کو ترقی دینے کی خاطر متصرف ہے۔ایک منظم معاشرہ جس نے طبقاتی امتیازات کا استیصال کر دیا ہو مملکت کی عدم موجودگی میں زندہ رہ سکتی ہے۔تمام سیاسی قوت صرف ایک جماعت کی منظم قوت ہوتی ہے جو دوسروں پر ظلم وزیادتی کرنے کے لئے ہے۔جیسے جیسے اشتمالیت ترقی کرتی جائے گی مملکت رو بہ تنزل ہوگی۔

سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کا ارتکاز واکتناز خود کو دوام واستحکام بخشتا ہے۔سرمایہ داروں کی باہمی چپقلش میں بڑے سرمایہ دار چھوٹے سرمایہ داروں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔سرمایہ داروں کی یہ باہمی آزادانہ مسابقت رفتہ رفتہ بڑی بڑی اجارہ داریوں کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے گی۔کوئی واحد سرمایہ دار ملک کا راس المال حدود ملک سے باہر پہنچ کر سرمایہ دارانہ شہنشاہیت بن جاتا ہے۔

سرمایہ داروں کے بین الاقوامی اجارہ کے اتحادات تشکیل پا چکے ہیں جو دنیا کا بٹوارا کر رہے ہیں۔

سامراجی طاقتیں ان اجارہ داروں میں شمولیت کے حق کے لئے بازاروں اور راس المال کو نفع بخش کاموں میں لگانے کی کوشش میں باہم دست وگریباں ہیں اس سے دنیا متحارب سرمایہ داروں کی جماعت کا ایک خونخوار مجموعہ بن جائے گی جو لوگ سرمایہ دارانہ غلامی کے نگران ومحافظ ہوں گے سرمایہ دارانہ پیداوار کے تناقضات کی بدولت بجائے قوم کے دنیا سے منافع حاصل کریں گے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمہ پر پرولتاریہ کہ اقتدار چھیننے کے لئے مستعد رہنا چاہئے کیونکہ اندرونی تناقضات کے سبب ایسا ہونا ناگریز ہے۔پرولتاریہ کو اقتدار چھیننا پڑے گا اور اپنی گورنمنٹ قائم کر کے ان تمام سرمایہ دارانہ آجروں اور ان کے طبقاتی تصورات کو پامال کرنا ہوگا۔

پہلے مرحلہ میں پرولتاری مملکت سرمایہ داروں کے خلاف ایک ظلم کا آلہ ہوگی اشتمالیت کے عروج وکمال پر پہنچنے کے بعد جب ہر فرد اپنی پوری قوت وصلاحیت کو روبہ عمل لائے گا اور مشترک پیداوار سے اپنی حاجت کے مطابق صرف کرے گا تو پرولتاری مملکت بتدریج فنا ہو جائے گی۔

یہ تبدیلی پرامن ارتقاء کے ذریعہ سے وقوع پذیر نہ ہوگی بلکہ معاشی جنگ کو سیاسی جنگ میں مبدل ہونا پڑے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متوسط طبقہ کی حکومت بغیر جنگ لڑے رام نہ ہوگی۔ مارکس اور انجلز کے خیال کے مطابق طاقت مطلق برائی کی حیثیت نہیں رکھتی یہ معاشرہ کو جنم دینے والے ہر پرانے معاشرہ کی دایہ گری کرتی ہے۔ ہر کامیاب انقلاب سے زبردست روحانی اور اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے۔

اصل شہنشاہیت سے اشتمالیت میں تبدیلی منطقی طور پر ناگزیر ہے مگر ایک شدید انقلاب اس مو ظرہ منطق کی ایک لازمی منزل ہے۔ عبوری دور میں سیاسی اقتدار مقامات بدلتا رہے گا۔ متوسط طبقہ اس کو کھودے گا اور پرولتاریہ اس کو حاصل کرے گا یعنی محکوم حاکم ہو جائے گا۔

ابتدائی منازل ارتقاء میں وہ عالم گیر عمومیت نہ ہوگی جیسی کہ سابق میں فقط متوسط طبقہ کے لئے عمومیت تھی بلکہ اب یہ صرف مزدوروں کے لئے ہوگی سرمایہ داری سے اشتمالیت کی طرف عبور دمرور کے وقت لوگوں پر ظلم کرنے والے اور ان سے نفع اٹھانے والے عمومیت سے خارج کر دیئے جائیں گے۔

چونکہ وسائل پیدائش سارے معاشرہ کی ملک ہوں گے اس لئے تمام شہری مملکت کے اجرت پانے والے ملازمین بن جائیں گے۔

مزدور اجرت کے لئے کام کریں گے ہر مزدور محنت کے مساوی پیداوار کی یکساں مقدار حاصل کرے گا جو محنت نہیں کرے گا وہ بھوکا رہے گا۔ اُجرتوں میں اختلاف ہوگا لیکن استحصال نہ ہوگا اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے۔ لیکن اشتمالیت کے کمال کا ظہور لازمی نہیں ہے۔

لینن کہتا ہے کہ

''کسی اشتراکی کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی کہ وہ یہ وعدہ کرے کہ اشتمالیت آخری منزل پر پہنچ جائے گی''۔(۲۰)

لینن نے مزید اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

''مکمل اشتمالیت رائج نہیں کی جاسکتی۔ کن مقامات پر اور کن عملی طریقوں سے انسانیت اس اعلیٰ مقصد کی طرف بڑھے گی۔ یہ نہ ہم جانتے ہیں اور نہ جان سکیں گے۔ پورے اعتماد کے ساتھ فقط یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرمایہ داروں کی بے دخلی انسانی معاشرہ کی پیدا آور قوتوں کے موجب عظیم الشان ترقی کے روپ میں جلوہ گر ہوگی۔ غیر طبقاتی معاشرہ کا قیام اشتمالیت کا نقطہ نظر ہے''۔

۶۔ ہیگل کا منطقیانہ فلسفہ (Hegelian Dialectical Logical Philosophy):

ہیگل کے خیال کے مطابق واحد حقیقت ہیئت (Idealism) ہوتا ہے اور عینیت سبب اور صداقت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے سب سے بڑی حقیقت سبب ہے جس پر نظریہ ہیئت مبنی ہے۔ سبب کا دوسرا نام خیالی ہے کوئی موجب خیال کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا اور کوئی خیال سبب کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے سب سے اہم چیز تصور ہے حقیقت کو جاننے کے لئے ہمیں سب سے پہلے خیالات کا جاننا ضروری ہے اور ان کو جاننے کے لئے ان اصولوں کی واقفیت بھی بہت ضروری ہے جن کی بناء پر وہ وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ہیگل نے ان تمام نظریات کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ جو ایک خیال ایک سبب اور ایک صداقت کا باعث ہوتیہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی منطق نے ثابت کیا ہے کہ کس طرح اسباب نے ذہن انسانی نے ارتقاء حاصل کیا۔اس کے خیال میں یہ ایک میکانکی امر ہے۔جس کی بنا پر سبب اور نظریہ اپنے آپ کو انسانی دماغ میں جاگزین کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ایک خیال جب ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو فطری طور پر ان پر ان مراحل کو طے کرنا شروع کر دیتا ہے۔جس کی بنا پر وہ کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔اس دوران انسانی خیالات ونظریات راستہ میں آنے والی بہت سی مخالفتوں اور رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔موافق حالات کے ساتھ مطابقت کرنا بھی انسانی ذہن کا فطری فعل ہے۔فنی طور پر انسان کا دماغ مندرجہ ذیل تین مراحل طے کر کے کسی فکر کے نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے:

۱۔ مسئلہ کا وجود یا قضیہ (Thesis) یا مقالہ

۲۔ مسئلہ کے وجود کی مخالفت (Antithesis) تضاد یا ردعمل

۳۔ مذکورہ دونوں باتوں کی آمیزش یا اتصال (Synthesis)

جب کبھی کوئی مسئلہ سر اٹھاتا ہے تو زمین کی طاقتیں خود بخود اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اس کی مخالفت میں وجوہات کی تلاش شروع کر دیتی ہیں اور ہر ممکن حد تک وہ قوتیں مسئلہ کو کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔اگر اس کی مخالفت میں خاطر خواہ مواد نہ ملے تو ایسے حالات میں ذہن خود بخود موافقت ومخالفت سے بھرپور عوامل پر غور وفکر شروع کر دیتا ہے تاکہ وہ کسی نہ کسی نتیجہ پر ضرور پہنچ جائے دوسرے لفظوں میں Synthesis دراصل Thesis کا Antithesis کے ہاتھوں کارگر نہ ہونے کے نتیجے میں واقع ہوتا ہے۔

سیاست میں اگر ایک لمحہ کے لئے (Thesis) کو حکمران اعلیٰ اور مطلق العنان فرمانروا سمجھ لیا جائے تو اس کی مخالف قوتیں جو اس کو ہدف تنقید بنانے کے لئے تیار ہوں گی وہ Antiithesis کی حیثیت رکھیں گی۔لیکن ان دونوں کے درمیان جو قوت ہوگی اور جس کا نام جمہوریت ہوگا فلسفہ کی اصطلاح میں ترکیب (Synthesis) کہلائے گی کوئی بھی جمہوریت جب مطلق العنانی کا قلع قمع کر کے وجود میں آئے گی۔وہ تناقض کہلائے گی۔لیکن جب جمہوریت کو ختم کرنے والی قوتیں برسر پیکار ہوں گی وہ وہی جمہوریت کرنے والی نسلوں کے لئے ایک مسئلہ کی صورت اختیار کر جائے گی اور اس مسئلہ کو بنیادی رنگ ملنے کی وجہ سے ایک مسئلہ (Thesis) کے نام سے یاد کیا جائے گا۔کیونکہ وہ جمہوریت ایک مسئلہ کا سبب بنے گی پھر یہ مسئلہ اپنی مخالفانہ فعال طاقتوں کو استعمال میں لائے گا اور بعد ازاں وہی فطری منازل طے کرنا شروع کر دے گا۔

اس سارے فلسفے سے ہیگل یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ خیال ایک صداقت کا نام ہے اور جس کے وجود پذیر ہونے کے لئے ایک سبب کی ضرورت ہے اور جب یہ دونوں چیزیں انسان کے ذہن میں بیک وقت کارفرما ہوتی ہیں تو ایک مطلب نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔اگر بامقصدی نتیجہ برآمد نہ ہو تو دو چیزوں کے وجود کا شک ہو سکتا ہے۔یا تو انسان کے خیال میں پختگی نہیں یا اس کی صداقت میں کمی ہے لیکن یہ دونوں باتیں اس وقت رونما ہوتی ہیں۔جب کوئی خارجی قوت ذہن پر اثر کرے دماغ اس وقت تک کوئی بیرونی جارحیت کو قبول نہیں کرتا تاوقتیکہ اس جارحیت کی کوئی معقول ضرورت نہ ہو کیونکہ معقول سبب ہی صداقت کا دوسرا نام ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشتراکیت کے نمایاں خصائص (Main Features)

اشتراکی نظام کی حسب ذیل چند خصوصیات ہیں:

۱۔ معاشی منصوبہ بندی:

چونکہ اس نظام میں سرکار اشیاء کی پیداوار اور تقسیم کی ذمہ دار ہے۔ وہی اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ کون سی اشیاء کتنی مقدار میں تیار کی جائیں نیز انہیں حاصل کرنے کے کون سے طریقے اپنائے جائیں لہٰذا وہ اس سلسلے میں ایک بااختیار ادارہ قائم کرتی ہے جو سارے انتظام سنبھالتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس یہاں منصوبہ بندی جامع اور ٹھوس قسم کی ہوتی ہے وہی ترجیحات اھداف ضروریات مقاصد اور حکمت وغیرہ جیسے اہم امور بنتی ہے اس طرح وسائل کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ پیداواری وسائل کی ملکیت:

اشتراکیت میں اہم پیداواری ذرائع افراد کی بجائے حکومت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ یعنی ذرائع خبر رسانی' باربرداری' کارخانے' مالیاتی ادارے اور آلات پیدائش قومی ملکیت میں ہوتے ہیں کیونکہ وہ سرکاری انتظام کے تحت چلائے جاتے ہیں اور حکومت انہیں پیداوار حاصل کرنے کے لئے مناسب استعمال میں لاتی ہے۔

۳۔ سماجی بھلائی:

اس نظام میں ساری آمدنی اور منافع خزانے میں جمع ہوتا ہے اس لئے اخراجات خود حکومت کرتی ہے۔ عوام کی فلاح و بہبود پر بھاری رقوم خرچ کی جاتی ہیں۔ نجی مفاد کی بجائے اجتماعی مفاد قابل ترجیح ہوتا ہے اور ایسی اشیاء تیار کی جاتی ہیں جو سوسائٹی کے لئے مفید ہوں اس لئے اس بات پر پوری توجہ دی جاتی ہے۔

۴۔ معاوضوں کا تعین:

مختلف عوامل پیدائش کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور ان کے معاوضے حکومت مقرر کرتی ہے طلب ورسد کے تابع نہیں رکھے جاتے۔ اس سے اچھے نتائج نکلتے ہیں۔

۵۔ یکساں مواقع:

چونکہ اکثر ادارے سرکاری سرپرستی میں چلتے ہیں اور سارے فیصلے حکومت یا کوئی اور اتھارٹی کرتی ہے اس لئے افراد کو روزگار کے مواقع مساوی طور پر فراہم کئے جاتے ہیں۔ جس شعبے میں جیسے اور جتنے افراد کی ضرورت ہے یہ فیصلہ بھی حکومت خود کرتی ہے تعلیم وتربیت سفری طبی اور دیگر سہولیات بھی ایک جیسی دی جاتی ہیں۔

۶۔ آمدنیوں میں تھوڑا فرق:

چونکہ یہ مرکزی اختیارات کا نظام کہلاتا ہے جس کے مطابق بہت سے حکومت سرانجام دیتی ہے اور وہی افراد کی قابلیت ذہنی استعداد تعلیم وتربیت اور تجربہ کے مطابق معاوضے مقرر کرتی ہے سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس یہاں لوگوں کی آمدنیوں میں تھوڑا فرق پایا جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ نجی کاروبار پر پابندی:

چونکہ سارے ذرائع پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے اور اہم فیصلے وہ خود سرانجام دیتی ہے اس لئے لوگوں کو ذاتی طور پر کوئی کام کاروبار یا ملازمت اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی لہٰذا حکومت کی مرضی کے خلاف کوئی کاروبار نہیں چلایا جاسکتا۔

۸۔ غیر گروہی معاشرہ:

اشتراکیت کے علم بردار اس بات کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اس نظام میں مختلف طبقات نہیں پائے جاتے نیز امیر امیر اور غریب میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا یہی سبب ہی کہ نہ تو گروہ بندی ہوتی ہے اور نہ ہی طبقاتی کشمکش پائی جاتی ہے۔ اس لئے وہاں زیادہ فسادات بھی نہیں ہوتے۔

۹۔ جمہوریت کی نفی:

اشتراکی نظام میں جمہوریت کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی جاتی کیونکہ وہاں انتخابات نہیں کرائے جاتے عموماً ایک ہی پارٹی حکومت پر چھائی رہتی ہے۔ جز ب اختلاف کا وجود ہی نہیں ہوتا سارے امکانات اور فیصلہ جات سرکاری اصولوں سے باری ہوتے ہیں۔ عوام کو حکومت پر تنقید کرنے اس کی مخالفت کرنے کی قطعاً آزادی نہیں ہوتی بلکہ ان کی زبان پر تالے لگائے جاتے ہیں۔ البتہ اب اشتراکی ممالک میں مختلف اداروں کے لئے جمہوری طریقہ سے اوپر آنے کی لہر بیدار ہو رہی ہے۔

۱۰۔ حقوق وفرائض:

اس نظام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں حقوق وفرائض کا دائرہ کار متعین کر دیا جاتا ہے۔ اس سے ان کے مابین ہم آہنگی برقرار رہتی ہے سارے افراد کو چونکہ نجی ملکیت کا حق نہیں دیا جاتا اس لئے حکومت ان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کے سلسلے میں ضامن ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی جائز ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔

۱۱۔ جامع نظام:

اس نظام کے ہمہ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی گردانتے ہیں کہ یہ فقط معاشی نظام ہی نہیں بلکہ یہ اپنے اندر سیاسی اور سماجی حیثیت کو بھی سموئے ہوئے ہے۔ اس لئے وہ اس ہمہ گیر نظام کا نام دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرکاری سطح پر جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ صرف اقتصادی نوعیت کے نہیں ہوتے بلکہ معاشرتی تعلیمی طبی ثقافتی تجارتی خدماتی اور اس قسم کے دیگر امور بھی اس نظام کی بساط پر موجود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ باشندوں کی قومی اور بین الاقوامی حیثیت پر بھی اشتراکیت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔

اشتراکیت کے فوائد (Advantages)

اشتراکی نظام کے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ معاشی تحفظ:

اشتراکیت کو بغیر شبہ کے معاشی تحفظ کا امین کہتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کی بنیادی ضروریات فراہم کرنا ریاست کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری سمجھا جاتا ہے اور کوئی بھی محروم المعیشت نہیں رہتا اس لئے یہ نظام معاشی حفاظت کا ضامن گردانا جاتا ہے۔

۲۔ذرائع کا بہتر استعمال(Better Utilization of Resources):

یہاں قیمتوں کے نظام کی بجائے ٹھوس منصوبہ بندی کی جاتی ہے اس لئے منافع کی بجائے اجماعی ضروریات کو ترجیح دی جاتی ہے اور ملکی وسائل کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۔معاشی استحکام(Economic Stability):

اس نظام کے تحت مجموعی طلب اور مجموعی رسد میں کافی حد تک توازن برقرار رکھا جاتا ہے کیونکہ پیداواری ذرائع سرکاری ملکیت میں ہوتے ہیں اس لئے معیشت کافی حد تک رہتی ہے۔معاشی بحران کا زیادہ خطرہ نہیں ہوتا اور قیمتوں کو ایک خاص حد سے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔

۴۔سماجی برائیوں کا خاتمہ:

اس نظام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہاں معاشرتی برائیوں کا کافی حد تک تدارک کیا جاتا ہے۔ذخیرہ اندوزی چور بازاری ملاوٹ سمگلنگ اور چوری وغیرہ کو سختی سے دبایا جاتا ہے۔

۵۔محدود برتری:

اس نظام کی ایک نمایاں صفت یہ ہے کہ اس میں بڑے بڑے جاگیردار سرمایہ کار صنعت کار اور زمیندار نہیں ہوتے کیونکہ ذاتی جائیداد کی اجازت نہیں ہر شخص کو اپنی اہلیت اور قابلیت و ہنرمندی کے مطابق لازماً کسی نہ کسی حیثیت میں کام کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں ایک مخصوص طبقے کی بالادستی نہیں ہوتی۔

۶۔پیداواری استعداد:

اس نظام کے تحت قومی پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ منافع کا محرک سامنے نہیں ہوتا اجارہ داریاں قائم ہونے نہیں دی جاتیں قیمتوں کا اور غالب نہیں ہوتا اشتہار بازی پر بے دریغ سرمایہ نہیں لٹایا جاتا اس لئے پیداوار کافی رہتی ہے۔

۷۔معاشرتی بھلائی:

عدل وانصاف قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حادثات وحالات کی مد میں سرکاری تحفظ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ بیماری معذوری تنگ دستی اور محتاجی کی صورت میں حکومت مستحقین کی مالی مدد کرتی ہے۔اسی طرح تعلیم وتربیت کی سہولیات بھی پہنچائی جاتی ہیں۔

۸۔طلب ورسد میں مطابقت:

اس نظام کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اشیا کی قیمتوں کے تعین اور عاملین پیدائش کے معاوضے مقرر کرنے میں طلب اور رسد کی جبری طاقتیں اپنا غلبہ نہیں دکھا سکتیں کیونکہ ان پر سرکاری کنٹرول ہوتا ہے طلب سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے اتنی ہی رسد تیار کی جاتی ہے۔لہٰذا گڑبڑ نہیں ہو سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۹۔ تیز رفتار معاشی ترقی:

اشتراکیت کے تحت مربع و رفتار معاشی ترقی ممکن ہوتی ہے کیونکہ سارے پیداواری ذرائع سرکاری ملکیت میں ہوتے ہیں۔ موثر منصوبہ بندی کی جاتی ہے وسائل کو بارآور طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ کسی ذریعہ کو بے کار نہیں رہنے دیا جاتا اور خاص ترتیب سے معاشی ترقی کی قدم بڑھائے جاتے ہیں اور خوشحالی و فلاح کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے۔

۱۰۔ غربت کا خاتمہ:

یہ سر توڑ کوشش کی جاتی ہے کہ افلاس و غربت کا خاتمہ کیا جا سکے۔ کئی اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔

۱۱۔ تجارتی چکر کا انسداد:

ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کاروباری چکر کے حالات پیدائش ہونے دیئے جاتے موزوں حالات ہوتے ہیں۔

۱۲۔ استحصالی طاقتوں کی نفی:

ساری منصوبہ بندی سرکار کرتی ہے اور زبردست قوتوں کو جبر و ظلم کی اجازت نہیں دی جاتی بلکہ ان کی سرکوبی کی جاتی ہے۔

۱۳۔ شعبوں میں ہم آہنگی:

مختلف شعبوں میں باہمی ربط تعاون اور ہم آہنگی کا عنصر کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ کیونکہ سارا کنٹرول ایک مرکزی ادارے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہی مختلف قسم کی سکیمیں تیار کرتا ہے محکموں میں بھرتی کے قواعد اصول وغیرہ اسی سے وضع کئے جاتے ہیں اور مختلف شعبوں میں مطابقت برقرار رہتی ہے۔

۱۴۔ اجارہ داریاں نہ ہونا:

اس نظام میں اجارہ داریاں قائم کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور معاشرہ ان کی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

اشتراکیت کے نقصانات (Dioadvantages)

اشتراکی نظام میں مندرجہ ذیل خامیاں پائی جاتی ہیں:

۱۔ صارفین کی آزادی کا خاتمہ:

سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ صارفین کی آزادی بھی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں صارف کی حکمرانی نہیں چلنے دی جاتی اس کی مرضی کے مطابق اشیا تیار نہیں کی جاتیں بلکہ جو حکومت چاہتی ہے وہی اشیا فراہم کی جاتی ہیں۔

۲۔ مقابلے کا ناپید ہونا:

اس نظام کے تحت مقابلہ کی اجازت نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ زیادہ محنت کرنے کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے کام کرنے والوں میں وہ لگن نہیں رہتی کیونکہ حکومت کی مرضی کے بغیر نہ کوئی اشیاء تیار کی جا سکتی ہیں نہ ہی مختلف عاملین پیدائش کا آپس میں مقابلہ پایا جاتا ہے۔ ذاتی ترقی کے مواقع بھی مسدود ہوتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ دفتری کارروائی کا گورکھ دھندا:

جو کام بھی سرکاری سرپرستی میں ہوتا ہے وہاں سرخ فتنہ حائل ہو جاتا ہے اور طویل کاغذی گھوڑے دوڑانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اس لئے کاموں میں غیر ضروری تاخیر واقع ہو جاتی ہے دفتروں میں جوش و جذبہ سے کام نہیں چلتا کیونکہ ذاتی جائیداد نہ بنانے کے سبب سرکاری کارندے گیری دلچسپی نہیں لیتے۔

۴۔ ذرائع کی ناموزوں تخصیص:

اس نظام میں ایک خامی یہ پائی جاتی ہے کہ معاشی وسائل کا خود کار تعین نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری تسلط جہت زیادہ ہوتا ہے۔ معاشی ذرائع کی معیاری تقسیم عمل میں نہیں آتی کیونکہ قیمتوں کی میکانیت اپنا رنگ نہیں چڑھا سکتی کبھی کبھار وسائل کی غیر مناسب تقسیم اور تخصیص نقصان کا باعث بنتی ہے۔

۵۔ ناموزونیت:

معاشی جدوجہد اور تیز تر کرنے کے لئے جرات محنت اہلیت اور مہارت کے علاوہ خطرات مول لینے کا جذبہ اور تجربہ بھی ضروری ہے مگر یہاں ایسے باتیں نہیں پائی جاتیں اس لئے تجارتی صنعتی سرگرمیاں عروج کو نہیں پہنچ سکتیں اس لئے بہت زیادہ ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

۶۔ پیشوں کے انتخاب میں رکاوٹ:

سوشلزم کی ایک قابل ذکر ناکامی یہ بھی ہے کہ آزاد کاروبار کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے انتخاب کا حق افراد سے چھین لیا جاتا ہے ساری کی ساری سکیم سرکاری طرف سے تیار کی جاتی ہے۔ اس میں افراد کی مرضی شامل نہیں ہوتی اور کوئی شخص آزادی سے اپنے لئے پیشہ منتخب نہیں کر سکتا۔

۷۔ حقوق ملکیت کی نفی:

کسی فرد یا کسی خاندان کو ذاتی جائیداد بنانے کی اجازت نہیں ہوتی اور اپنی مرضی سے لوگ مکانات دکانات تعمیر نہیں کر سکتے اور مذہبی پلاٹ خرید سکتے ہیں۔ زرعی پیداوار کی خرید و فروخت پر بھی پابندی ہوتی ہے۔ سرکاری اجازت کے بغیر کارخانے بھی قائم نہیں کئے جا سکتے اس لئے لوگوں میں کام کرنے کا زیادہ جوش و خروش پایا جاتا۔

۸۔ آزادی کا سلب ہونا:

اشتراکیت نہ صرف معاشی نظام ہے بلکہ یہ اپنے اندر معاشرتی اور سیاسی ڈھانچہ بھی سموئے ہوئے ہے اور زیادہ تر کنٹرول سرکاری ہوتا ہے اس لئے نہ تو مختلف سیاسی جماعتیں معرض وجود میں آتی ہے نہ ہی سیاسی ادارے قائم کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور نہ ہی معاشرتی طرز تبدیل کرنے کی چھٹی ہوتی ہے۔ مگر اشتراکی ممالک کے لوگ اب اس بلاوجہ سختی اور تسلط سے اتنے تنگ آ چکے ہیں کہ وہ اب یہ نعرہ لگانے پر مجبور ہیں ہمیں روٹی سے محبت ہے مگر ہم آزادی سے بھی پیار کرتے ہیں اس لئے مشین گنوں کی گڑگڑاہٹ فوجی بوٹوں کی دھمک عوام کے سیلاب کا بند باندھ سکتے انسان فطرتاً آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے وہ آزادی کا خواہاں ہے اسے اس حق سے محروم رکھنا انسانیت کشی کے مترادف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۹۔طاقت کا زور:

اشتراکی نظام میں ایک بہت بڑا نقص یہ پایا جاتا ہے کہ ہر قسم کی طاقت حکمران طبقہ میں مرتکز ہو جاتی ہے جس میں مختلف گڑھوں سے وابستہ افراد شامل تو ہوتے ہیں مگر تمام اختیارات کا یک بار جمع ہونا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ روس چین اور دوسرے اشتراکی ممالک میں عوام کی بات پر کوئی کان نہیں دھرتا زیادہ دولت بھی حکومت کے پاس جمع ہوتی ہے اور وہ اپنی مرضی سے استعمال کر سکتے ہیں۔عوام کے مطالبات کو سختی سے رد کر دیا جاتا ہے۔

۱۰۔ترقی کی پرکھ (Evaluation of Growth):

اگر معاشی ترقی کا موازانہ کیا جائے تو یہ نظام اس سلسلے میں کافی پیچھے ہے اس لئے اس کا دعویٰ غلط ثابت ہوا۔

۱۱۔کارکردگی متاثر ہونا:

سارے وسائل سرکاری تحویل میں ہونے سے کارکردگی پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور بددلی پیدا ہوتی ہے۔

۱۲۔افسر شاہی کا غلبہ:

نوکر شاہی اور افسر شاہی کی ساری خرابیاں اور معاشرے کو نقصان پہنچاتی ہیں کئی برائیاں سر اٹھاتی ہیں۔

۱۳۔مذہب کے خلاف پروپیگنڈا:

دہریوں نے خدا کی خدائی کے خلاف ایک انجمن قائم کر رکھی ہے جس کا مقصد ان کے اپنے الفاظ میں سنیئے ہم نے جیسے زمین کے بادشاہوں کو تخت سے نیچے گرا دیا ہے اسی طرح آسمانی بادشاہ کو عرش سے نیچے گرا دیا۔(۲۱)

1926ء میں جرمن نومسلم محمد اسد نے ایک صحافی کی حیثیت سے جب سوویت یونین کا دورہ کیا اس نے اس دورے کے اثرات اور مشاہدات کو اور خاص کر اللہ کی ذات گرامی کے بارے میں حس لرزہ خیز انداز میں بیان کیا۔اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''روس کی لادینی انجمن حکومت کی منظوری سے بڑے بڑے پوسٹر چھاپ کر اسٹیشنوں تفریح گاہوں سڑکوں اور عوامی اجتماعات کے مقامات پر آویزاں کرتی ہے۔جس میں ایک سفید ریش قبا اور طبا میں ملبوس شخص جو ابر آلود آسمان سے نیچے اترتے ہوئے دکھایا گیا ہے جس کو مزدور یونیفارم میں ملبوس نوجوان پاؤں سے ٹھوکریں مار مار کر نیچے گرا رہے ہیں۔اس تصویر کے نیچے جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے۔

سوویت یونین کے مزدوروں نے اسی طرح خدا کو اس کی بلندی سے پھینکا ہے۔(۲۲)

میکسم گورکی نامی ایک دہریے لیڈر نے روس کے عوام کو ہدایت کرتے ہوئے ایک اخباری مضمون شائع کیا جس میں عوام کو تلقین کی گئی تھی کہ:

''خدا کی تلاش ایک بیکار مشغلہ ہے اسے بند کردہ خدا تلاش نہیں کیا جا سکتا خدا بنایا جاتا ہے۔''

مسٹر زویب اپنی کتاب وٹ کمیونزم میں لکھتا ہے:

''جب تک کوئی شخص مجمع عام میں کمیونسٹ اور افکار خدا کا اعلان نہ کرے تب تک کمیونزم کا ممبر نہیں بن سکتا۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسٹر اینجلز جو کہ کارل مارکس کا دوست تھا اور مارکس کے نظریات کا شارح ہے لکھتا ہے کہ:

''ہم نے آسمان کے بادشاہ کو پکڑ کر عرش سے نیچے گرا دیا ہے جیسے کہ ہم نے زمین کے بادشاہوں کو تخت سے گرایا ہے۔''

مارکس لکھتا ہے:

''مذہب عوام کے لئے بمنزلہ افیون ہے۔''(۲۳)

لینن کہتا ہے:

''ضابطہ اخلاق یعنی حلال وحرام اچھا و برا ثواب وعذاب جو کہ انسانیت کے لئے باہر سے لایا گیا ہے۔ یعنی وحی آسمانی کے ذریعے سے ہمارے نزدیک کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے بلکہ یہ محض مفروضہ دھوکہ اور فریب ہے۔''(۲۴)

کتاب کمیونزم کا مصنف لکھتا ہے کہ:

''نیکی اور بدی کے لئے ایک اصول ہے ہر وہ کام جو اشتراکیت کے لئے معاون اور مددگار ہو وہ نیک اور خیر ہے اور جو کام اشتراکیت کی ضد اور منافی ہو وہ گناہ اور شر ہے۔''(۲۵)

اشتراکیت اور مارکسیت اس سے قائم ہوتا ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے۔ چنانچہ ڈکشنری کمیونزم از ویب میں یوں آیا ہے:

''کمیونزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا جو صدیق دل سے صاف صاف اس بات کا اعلان نہ کر دے کہ وہ دہریہ ہے یعنی منکر خدا ہے۔''

اینجلز اس طرح کہتا ہے:

''ہماری پارٹی طبقہ دار شعور رکھتی ہے اور مزدوروں کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ ایسی پارٹی مذہبی اعتقادات سے پیدا کردہ جہالت سے غفلت نہیں برت سکتی ہمارا ایک بنیادی مقصد ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے۔''(۲۶)

مذہبی فریب خوردگی سے نجات دلانے کے لئے خلاف الوہیت (خدا) کا قیام عمل میں آیا جس کا نصب العین اس کے الفاظ میں یہ تھا کہ:

''ہم نے آسمانی زاروں کو تو عرش سے اتار پھینکا ہے جس طرح ہم نے اس زمین کے زاروں کو اتار پھینکا ہے۔''(۲۷)

مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانی ضمیر کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرانا ہے۔''

''مذہب پر تنقید علم تنقید کا مبداء ہے۔''(۲۸)

''مذہب عوام کے حق میں افیون کا اثر رکھتا ہے۔''(۲۹)

''مذہب از منہ قدیمہ کی نظامی غلامی کی بازگشت ہے۔''(۳۰)

''ضابطہ اخلاق جو انسانی سماج سے باہر لیا گیا ہے ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈھونگ ہے ہمارا ضابطہ اخلاق طبقاتی تصادم کے مفاد کا تابع ہے۔'' (۳۱)

ان مختصر جوابات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ سوشلزم صرف ایک معاشی تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جو تمام ادیان سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاقی اقدار اور خود سرچشمہ دین حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کی زندگی کی راہ میں سے ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دین جدید یا دین یہودی کا مقصد ہے۔

دین سوشلزم جو دشمن انسانیت ہے اس کے بانی شوپن ہار مارکس ولینن ہیں' یہودی تھے اور جن کا قول تھا کہ ہم نے بے زبان حیوانات پر تو سواری کی اب ہم نے اس زمانے میں انسانوں کو سواری بنادیا جن کو حیوانات کی طرح استعمال کریں گے۔ (۳۲)

تمام لڑائیوں کے در پردہ یہی یہود تھے۔ اب سوشلزم پرستی کا خلاصہ تمام بشری تاریخ اور تعلیمات آسمانی اور خود خدا سے کٹ کر ایک مغضوب یہودی قوم کے تین افراد کے بنائے ہوئے لائحہ حیات یا دین سے اپنی زندگی کو وابستہ کرنا ہے باقی ہم نے سوشلزم کے متعلق جو کہا ہے کہ وہ دین ہے یہ بات غیر تحقیقی نہیں بلکہ کمیونسٹ پارٹی کے ترجمان ڈگلس ہائیڈ نے لکھا ہے کہ:

''اشتراکی کارل مارکس اور انجلز کو وہ درجہ دیتے ہیں جو صحف سماویہ کو دیا جاتا ہے۔ اس طرح چین میں ماؤزے تنگ کی لال کتاب کی چینی تلاوت کرتے کرتے ہوائی جہاز اتارتے ہیں۔ یہ ان کے مذہبی جذبے کا اظہار ہے۔''

اس لئے والٹیر نے کہا:

''یہ وہ عاجز خدا ہے جو حقیقی خدا کی جگہ اشتراکیت کے پرستاروں سے پکوایا جاتا ہے۔''

۱۴۔ قتل وغارت گری:

لینن کی ایک کتاب میں یوں ہے:

''سارے روس میں مساجد کی تعداد 31 ہزار تھی جو قلیل عرصہ میں گھٹ کر 1312 رہ گئی۔'' (۳۳)

کمیونسٹ انقلاب سے پہلے 1911ء میں روس کے مسلمانوں کے قول کے مطابق کل اسلامی مدارس کی تعداد 25 ہزار پانچ سو تھی مگر روس کے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق دس ہزار تھی صرف ترکستان میں چھ ہزار تین سو اور چھ سو ثانوی اور اعلیٰ مدارس تھے۔ نیز صرف بخارا میں دو سو اسی مدارس کام کر رہے تھے جس میں چالیس ہزار طالب علم مذہبی علوم حاصل کر رہے تھے۔ (۳۴)

انقلاب روس کے بعد بہت ہی قلیل عرصے میں ان میں سے بعض مساجد اور مدارس کو گرادیا گیا۔ بعض کو کلیوں اور عشرت کدوں میں تبدیل کر دیا گیا اور بعض کو تفریح گاہوں اور اصطبلوں میں تبدیل کیا گیا۔ انقلاب کے بعد 1940ء تک پورے روس میں پچاس ہزار (50,000) جلیل القدر اور چوٹی کے علماء کمیونسٹوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔ (۳۵)

روزنامہ کوہستان 13 نومبر 1947ء کے مطابق سٹالن نے کمیونزم کے نفاذ کے لئے روس میں پانچ کروڑ انسان قتل کئے تھے۔ (۳۶)

فرانس کے پایہ تخت پیرس میں اقوام متحدہ کی ایک میٹنگ جو کہ 30 نومبر 1951ء کو منعقد ہوئی' چینی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمائندے نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ چین میں کمیونزم کے لئے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

۱۵۔ سرخ جنت میں بنیادی انسانی حقوق:

اشتراکیت انسانیت کی فلاح وترقی کا مدعی ہے اور انسانوں کو غلامی کی زنجیروں سے چھڑا کر آزادی کے مقام بلند پر بٹھانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عمل کے میدان میں صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

جگہوں پر اقتدار سوشلسٹوں کے ہاتھ میں نہیں ہے وہاں وہ انتہائی جمہوری اقدامات کے سرگرم وکیل بنے نظر آتے ہیں کیونکہ اس سے ان کی جدوجہد سہل ہو جاتی ہے لیکن جن جگہوں پر وہ تسلط حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہاں وہ ہر جمہوری روپ کے سخت مخالف بن جاتے ہیں۔ (۳۷)

''اشتراکی رہنما سٹالن نے پارٹی کے اندر ہر قسم کی بحث کو ممنوع ٹھہرا دیا اور کمیونسٹ نظریات کی تعبیر واظہار کو صرف اپنی ذات کا حق قرار دیا۔''

یہی حال عدل وانصاف اور لوگوں کے ساتھ قانون کے مطابق معاملہ کرنے کا ہے۔

''سٹالن کی کارگزاریاں عموماً عدالتوں کے بغیر ہوا کرتی تھیں ایذا رسانی کے حربے کو وہ بڑے پیمانے پر استعمال کرتا تھا۔ کمیونسٹ اختلاف رکھنے والوں سے اس لئے نہیں نمٹتے کہ انہوں نے کوئی جرم کیا ہے بلکہ اس لئے ان کے درپے ہوتے ہیں کہ وہ ان کے مخالف ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ اشتراکی نظام میں سزا پانے والے بیشتر سیاسی مجرم قانونی نکتہ نظر سے بالکل بے خطا ہوتے ہیں۔'' (۳۸)

۱۶۔ غیر طبقاتی معاشرہ (Classless Society):

کارل مارکس کے مطابق:

''اشتراکی معاشرے میں طبقاتی تقسیم ناپید ہوگی اور مزدوروں کی حکومت ہوگی۔'' (اشتراکی منشور)

مگر مشہور کمیونسٹ کامریڈ یون (Youn) نے لکھا ہے:

''روس کے اندر طبقہ واریت پوری آب وتاب سے جلوہ گر ہے۔ یہاں امراء بھی ہیں اور غرباء بھی غالب بھی ہیں اور مغلوب بھی معیار زندگی میں نمایاں تفاوت ہے ہوٹلوں اور ریل کے ڈبوں میں درجہ بندی ہے۔ عالی شان محلات بھی ہیں اور خستہ حال جھونپڑیاں بھی پہلے جس مقام پر سرمایہ دار فائز تھے اب وہاں سرکاری حکام اور افسران فائز ہیں غریبوں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑا نہیں بلکہ بدل لیا ہے۔'' (۳۹)

یوگوسلاویہ کا سابق صدر اور مشہور اشتراکی رہنما ملاون جلاس اپنی کتاب ''نیا طبقہ'' میں لکھتا ہے:

''عوام کے راج کی جگہ یہاں سرکاری افسروں کی شاہی نے جنم لیا ہے جس کا لوگوں پر اتنا عامل اور ہمہ گیر اقتدار اور تسلط ہے کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔''

فیکٹری منیجر کمپنی ڈائریکٹرز اور عام مزدوروں اور کارکنوں کے درمیان طبقاتی کشمکش اور طبقات کی کشیدگی موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں مزدور اور کارکن کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں۔ (۴۰)

ملاون جیلاس نے لکھا ہے کہ آخر سوشلسٹ ریاست اور تھیاکریسی (مذہبی ریاست) میں کیا فرق ہے؟ حکام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشتراکیت کا نام لے کر وہی من مانیاں کرتے ہیں جو پادری خدا کا نام لے کر من مانی کیا کرتے تھے۔ اس کے نزدیک سوشلزم کا ریاستی پہلو تین اجزا پر مشتمل رہ گیا ہے: (i) اجارہ دارانہ افسر شاہی (ii) قومی آمدنی پر کامل تسلط اور (iii) پیداوار پر کامل اجارہ داری۔

اس چیز نے سوشلزم کے طبقہ حکام کو سرمایہ داروں سے زیادہ ظالم اور بااختیار طبقہ بنا دیا ہے۔

کمیونسٹ انقلاب جسے طبقوں کا خاتمہ کرنے کی بشارت سنا سنا کر برپا کیا گیا تھا۔ ایک نئے واحد اجارہ دار اور انتہائی طاقتور طبقہ کو مکمل اقتدار سونپ کر اپنے انجام کو پہنچا ہے۔ ملکیتی اختیارات میں لاشریک یہ سیاسی افسر شاہی طبقہ خود ہی قومی آمدنی کو تقسیم کرتا ہے اجرتوں کا تعین کرتا ہے معاشی فروغ کی حد بندیاں اور رہبری کرتا ہے تو میائی ہوئی اور دوسری املاک کا بندوبست کرتا ہے۔ عام آدمی تو یہی دیکھتا ہے کہ کمیونسٹ کارپرداز بہت دولت مند اور کام کاج سے بہت دور رہنے والا ہوتا ہے۔ (۴۱)

۱۷۔ اُجرت اور مرتبت میں تفاوت:

''نظام اجرت ختم کر دیا جائے گا'' اشتراکی منشور میں کہا گیا ہے۔

''ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام اور اس کی ضرورت کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔'' (۴۲)

''اشتراکی معاشرے میں کون سی (زر مبادلہ) کی ضرورت نہ ہوگی جو عدم مساوات پیدا کرتی ہے۔'' (۴۳)

''کسی اعلیٰ افسر کی تنخواہ کسی صورت میں عام مزدور کی تنخواہ سے زیادہ نہ ہونے پائے گی۔'' (۴۴)

لیکن عمل کے میدان میں آ کر یہ سارے دعوے کاغذ کے پھول اور کھوٹے سکے ثابت ہوئے۔

مشہور کمیونسٹ ایم آر مسانی نے اپنی روداد سفر میں لکھا ہے:

''گاڑیوں میں اونچے نیچے طبقے سینماؤں میں ٹکٹوں کی مختلف شرح اور فوجی افسران کے خطابات کی تجدید طبقاتی مساوات کے ساتھ لگا نہیں کھاتیں۔'' یہ تو کھلی کھلی معاشرتی اور معاشی ناکامی ہے۔''

اشتراکی ادیب لوئیس فیشر نے اپنے دورہ روس کے تاثرات بیان کرتے ہوئے تبصرہ کیا ہے:

''اسٹالن کم از کم روز ویلٹ کی طرح زندگی بسر کرتا ہے لیکن سوویٹ مزدور امریکی مزدور کی نسبت آرام اور آرائش کے سامان کم سے کم پاتا ہے۔''

اجرتوں کے بارے میں کامریڈ یون نے بیان کیا ہے کہ:

''مزدور کی کم سے کم تنخواہ اسی روبل اور زیادہ سے زیادہ چار سو روبل ہے اور چوٹی کے لوگوں کی کم از کم آمدنی بیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ تیس ہزار ہے۔''

گویا اشتراکی ممالک میں بھی وہ سارے امیر اور غریب طبقے موجود ہیں جو دوسرے ممالک میں ہیں اور حقیقتاً وہ بھی غریبوں کی جنت نہیں بلکہ امیروں کی جنت ہی ہے۔

فرق مراتب کا یہی حال پنشن کے معاملے میں ہے۔ مشین کے سامنے کھڑے ہو کر کام کرنے والا مزدور نصف صدی کی محنت کے بعد 35 روبل ماہانہ پنشن پاتا نظر آتا ہے اور بڑے اہل کار پندرہ سو روبل اور مفت مکان تک حاصل کر لیتے ہیں۔ (۴۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر اس آمدنی کے ساتھ مہنگائی کا عالم یہ ہے کہ ہمارے پاکستانی سوشلسٹ لیڈر مبارک ساغر نے دورہ روس کے بعد لکھا کہ ''انہوں نے وہاں ایک قمیض 115 روبل میں خریدی۔

مسٹر الطاف حسین سابق وزیر صنعت نے اپنے دورے کے بعد لکھا کہ:

''وہاں اوسط درجے کا جوتا 500 روبل میں' سوٹ ہزار روبل میں' دودھ چار روبل میں سو اسیر' انڈے چودہ روبل کے درجن بھر ملتے ہیں۔''

آر یوف نے اپنی کتاب ''سٹالن کا اقتدار'' مطبوعہ پیرس 1935ء میں تحریر کیا ہے:

''1935ء میں سوویٹ روس کے محنت کش کی سالانہ آمدنی 800 روبل تھی جب کہ رائین کمیٹی کے سیکرٹری کی تنخواہ والا ؤنس 45 ہزار روبل بنتے تھے۔''

پھر خود مزدوروں کو بھی 8 درجات میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ان کے معاوضوں میں فرق ہے۔ یہی حال فوج کا ہے جس میں سپاہی اور افسر میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ 1943ء میں روسی سپاہی روبل لیفٹننٹ ہزار روبل کرنل 2400 روبل لیتا تھا اور یہ فرق سرمایہ دار ملکوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

سکہ آج بھی وہاں موجود ہے جو فرق مراتب کا پیمانہ ہے اور اجرت کا نظام نہ صرف موجود ہے بلکہ سرمایہ دار ملکوں سے زیادہ تفاوت اور عدم مساوات کا حامل ہے۔ جہاں تک صلاحیت کے مطابق کام اور نہ ضرورت کے مطابق معاوضہ کے زریں دعوے کا تعلق ہے یہ خیال نہ صرف ہوا ہو چکا ہے بلکہ اسے پاگل پن تصور کیا جاتا ہے۔

۱۸۔ مزدوروں کی حق تلفی:

اشتراکیت محنت کی قدر علمبردار ہے لیکن دنیا میں جبری محنت کے کیمپ اور ان کی مکمل ٹھیکیداری بلکہ اجارہ داری بھی صرف سوشلسٹ ملکوں کو ہی حاصل ہے۔ مشہور اشتراکی مصنف ڈاکٹر کراشنکو اپنی کتاب ''آزادی یا موت'' میں لکھتا ہے:

''ہماری صنعت کا سب سے بڑا سہارا قیدیوں کی بڑی فوج ہے جن کی تعداد بعض وقت کروڑوں تک جا پہنچتی ہے۔''

یہ مفت جبری محنت ہی فرعون کے اہرام مصر کھڑے کرتی تھی اور یہی مفت جبری محنت اشتراکی منصوبے مکمل کراتی اور سپوتنک اڑاتی ہے۔

اس پر ملاون جیلاس کا نکتہ نظر یہ ہے:

''مشرق کی قدیم استبدادی سلطنتوں میں مصر کے فرعون اور دوسرے شہنشاہوں کو دیوتا کا درجہ کیوں ملا۔ اس طرح کی ہمہ گیر ملکیت سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ دیو آسا کارنامے مثلاً عظیم الشان اہرام مقبرے قلعے نہریں اور حفاظتی بندوں اور فصیلوں کی تعمیر کیسے سرانجام دے گئے تھے۔'' (۴۶)

بروک ایٹی کن سن (Brook Atikinsoin) لکھتا ہے:

''اندازہ ہے کہ ایسے جبری مزدوروں کی تعداد صرف روس میں ایک کروڑ یا ڈیڑھ کروڑ ہو گی۔''

اس لئے بعض اوقات خفیہ پولیس کیمپوں کو آباد رکھنے اور جبری محنت کی فراہمی کے لئے بے گناہ لوگوں کو پکڑتی اور وہاں پہنچاتی ہے چونکہ یہ کیمپ کانیں کھودنے بڑے بڑے ڈیم بنانے اور فوری صنعتی ترقی کے عظیم ستون بن گئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۔ بے اُصولی:

سوشلزم تحریک تبلیغی کم اور جبری زیادہ ہے۔ اس لئے اولاً اس تحریک کے لیڈر مزدور اور کاشتکار کی خوشحالی کا نعرہ لگاتے ہیں۔ جب ان کو اپنے ساتھ ملا کر ایک طاقتور جماعت وہ پیدا کر لیتے ہیں تو ان کے ذریعہ حکومت وقت کو الٹ دیتے ہیں اور ان کی مزدوروں اور کسانوں کی حکومت کے نام پر اپنی حکومت قائم کر لیتے ہیں چونکہ اس دین جدید میں اخلاق اور مذہب کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اس لئے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

جیسے کہ ہم نے بیان کیا تو حکومت پھر زمین کا اکثر حصہ کسانوں اور کاشتکاروں سے چھین کر اجتماعی کاشت کے نام پر اپنے قبضے میں کر لیتی ہے اور برائے نام چند ایکڑ بطور شخصی ملکیت کاشتکاروں کے حوالہ کر دیتی ہے اور اگر کاشتکار زمین چھننے میں مزاحمت کرتے ہیں تو ظالمانہ طریقے سے ان کا خون بہایا جاتا ہے۔ گویا بعد از قیام سوشلزم حکومت ان کی جنگ بجائے سرمایہ داروں کے کاشت کاروں سے ہوتی ہے۔ تھوڑی زمین جو کاشتکاروں کے پاس رہ جاتی اس کی کل پیداوار سرکاران سے ارزاں قیمت پر خرید لیتی ہے اور پھر جب ان کو ضرورت ہوتی ہے تو وہی پیداوار ان پر گراں قیمت پر فروخت کر دیتی ہے اسی طرح دیگر ضروریات حیات جن پر حکومت کا قبضہ ہوتا ہے گورنمنٹ ان پر عام نرخ سے اُونچے نرخ پر فروخت کرتی ہے جن سے ان کی معاشی حالت اور معیار زندگی نہایت پست ہو جاتا ہے۔

۲۰۔ سوشلزم اور مساوات:

ظاہری طور پر اشتراکیت ممالک مساوات کے مدعی ہیں اور یہ کہ وہاں کوئی طبقاتی فرق نہیں لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں۔ ان کا دعوے ہے کہ شخصی ملکیت بری چیز ہے لیکن واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور کے لئے ہم سوشلزم مطبوعہ 1967ء کے چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں:

۱۔ روس کا کل رقبہ 2 کروڑ 30 لاکھ مربع میل ہے جس میں صرف 60 لاکھ مربع میل پر روسی آباد ہیں۔ باقی ایک کروڑ 70 لاکھ پر غیر روسی آباد ہیں۔ باشندگان روس کی کل تعداد 22 کروڑ قتل سے بچے ہوئے مسلمان ہیں محنت اور فوجی خدمت کا کام غیر روسیوں سے لیا جاتا ہے۔ غیر روسیوں کو ملک کے دور دراز علاقوں میں محنت کے لئے پھیلا دیا گیا ہے اور اعلیٰ عہدے سب روسیوں کے پاس ہیں جس سے دعوے مساوات کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

۲۔ روس میں زرعی عمدہ زمین کی ساڑھے اٹھانوے فیصد (98.5) پر اجتماعی کاشت کے سلسلے میں حکومت کا قبضہ ہے اور صرف ڈیڑھ فی صد کسانوں کی ملکیت ہے لیکن اس شخصی زراعت کی آمدنی روس کی تمام آمدنی کی 32 فیصد اور اجتماعی زراعت کی آمدنی کل روس کی زرعی آمدنی کا 68 فیصد ہے جس سے فطری شخصی ملکیت کی نفع بندی اور برتری ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کل رقبہ میں لمبے چوڑے دعوؤں کے باوجود کسانوں کے ہاتھ میں زمین صرف ڈیڑھ فیصد ہے باقی ان سے بزور چھینی گئی ہے۔

اسی کتاب میں تصریح ہے کہ کسانوں سے اجتماعی کاشت کے نام پر جو زمین چھینی گئی اس میں ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔ سٹالن نے خود گزشتہ جنگ عظیم کے موقع پر مالٹا کانفرنس میں چرچل سے کہا کہ:

''اس جنگ کے اتلاف جان سے ہم نے اجتماعی کھیتوں کے قبضے کے وقت جانوں کی زیادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قربانی دی۔''

۳۔ غیر روسیوں کی روس کے جس قدر رقبے پر سکونت ہے اس کا رقبہ 95 لاکھ کلومیٹر ہے جو امریکہ کے کل رقبے سے زیادہ ہے کیونکہ امریکہ کا رقبہ 93 لاکھ کلومیٹر ہے لیکن اس کے باوجود ان کمائی خود ان کے کام آتی ہے اور زیادہ روسیوں کے ہاتھ آتی ہے۔

۴۔ عوام ہوشربا گرانی کے شکار ہیں بھارتی وفد جس کا صدر کنورا بھائی لال جی تھا۔ جب روس کے دورے سے واپس آیا تو اس نے بھارتی پارلیمنٹ میں یوں کہاں جو اخبارات میں چھپ گیا کہ:

روس میں معیار زندگی پست ہے ایک پاؤنڈ مکھن کی قیمت 21 روپے ہے اور ایک قمیض کی قیمت 120 روپیہ ایک سائیکل کی قیمت 780 روپیہ ہے ہندوستان کا وہ ملازم جس کی تنخواہ اسی (80) روپے ماہوار ہو روس کے مزدور سے خوش حال ہے جس کی تنخواہ ایک ہزار ماہوار ہو۔ (۴۷)

۵۔ مساوات کا یہ حال ہے کہ سٹالن کی سالانہ تنخواہ 8 لاکھ 20 ہزار روبل تقریباً نو لاکھ پاکستانی روپے تھی اور تیس کوٹھیوں اور چار موٹروں کے لئے ایک لاکھ روبل تقریباً سوا لاکھ کی رقم الگ مقرر تھی اور تمام اشیاء صرف کو وہ ان اشیاء کی لاگت سے اسی فیصد کم پر خریدتا تھا۔ (۴۸)

۲۱۔ انسانی حریت اور مارکسیت:

حریت انسانی کی بنیاد شرافت ہے۔ حیوانات اس شرافت سے محروم ہیں۔ آزاد انسان ان سے کام لیتا ہے اور گھاس کھلاتا ہے۔ سوشلزم تحریک شروع میں کسانوں اور مزدوروں کی جماعت سے سب کچھ کراتی ہے لیکن جب حکومت قائم ہو جاتی ہے تو اس سوشلزم حکومت کا پنجہ زندگی کی گہرائیوں میں اس قدر گڑ جاتا ہے کہ عوام کے افکار و عقائد سب لیڈران سوشلزم کے خیالات میں گم ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ ان سے محنت لی جاتی ہے اور لیڈر جیسا چاہتے ویسا کھانا کھلاتے ہیں۔ ان پر اگر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں تو وہ آف نہیں کر سکتے کیونکہ نہ تحریر کی آزادی نہ تقریر کی نہ اجتماع کی اور نہ جلوس کی ہڑتال تو بڑی چیز اور وہ ایسا کب کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ضروریات کی اشیاء حکومت کے ہاتھ میں ہیں۔ پریس حکومت کے ہاتھ میں تعلیم حکومت کے ہاتھ میں خورد و نوش کا سامان حکومت کے ہاتھ میں ایسا سمجھو کہ سوشلزم ممالک کا وسیع رقبہ ایک وسیع جیل خانہ ہے اور چند کامریڈ اس کے حیلہ ہیں۔

ایم وائی اشترا کی 1937ء میں یوں بیان کرتا ہے:

''روس میں عام مزدور کی تنخواہ 110 سے 400 روبل تک ہے۔ روبل تقریباً سو روپے پاکستانی ہے۔ درمیانہ افسر تین سو ماہوار سے ایک ہزار روبل تک اونچے افسر ڈیڑھ ہزار سے دس ہزار ماہوار تک اور بہت اونچے بیس ہزار سے تیس ہزار ماہوار روبل تک تنخواہ لیتے ہیں جو اکثر روسی ہیں۔ سٹالن نے مزدوروں کی تنخواہ میں اضافے کے جواب میں کہا مارکسزم مساوات کا دشمن ہے۔'' (۴۹)

یہ حال ہے مزدور اور کسانوں کا اسی غیر فطری نظام کا نتیجہ ہے کہ روس اور چین دونوں کے تجربے نے ثابت کیا کہ:

''سوشلزم کے اس اصول پر عمل کرنا کہ تمام زمین پر اجتماعی کاشت ہونا ممکن العمل ہے اور شخصی ملکیت میں ہاتھ ڈالنا زراعت کو تباہ کرنا ہے بلکہ سوشلزم جذبہ کار کے جوش کو ختم کرتا ہے اس لئے یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام صنعتی اور زراعتی پیداوار کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔" (۵۰)

علامہ محمد اقبالؒ کے مطابق:

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

اشتراکیت و مادیت کے نظام حیات میں جب تاریخی ارتقاء ایک طے شدہ چیز ہے تو سوشلزم کے لئے پچاس سالہ محنت اور خون خرابہ اور قربانیوں کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ طے شدہ ارتقاء کا ظہور لازمی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب بیرونی عامل کا جس کو مشیت الٰہی کہا جاسکتا ہے اسی کا اثر ہے جو اس جہاں کی ہر تبدیلی کا محرک ہے اور یہ ایک ماوراء الطبیعاتی عمل ہے جو اپنے اثرات دکھاتا ہے۔

بہرطور اشتراکیت کے باطن سے جو بھی واقف ہوگا۔ اس کو ہر غیر سوشلسٹ کا مزدور اور کسان آزاد اور خوش حال نظر آئے گا۔ پروپیگنڈے کی ساحری سے لاشعوری طور پر کچھ لوگ ضرور اسوء روس وچین کے شیدائی بنتے جارہے ہیں لیکن نتائج کے موازنہ کے بعد حقیقت کھل جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے کھویا بہت کچھ جاتا ہے اور ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

واللہ الھادی الی سبیل الرشاد.

اشتراکیت اس لامحدود جبر وتشدد کا نام ہے کہ نہ کوئی قانون اس پر حد بندی کرسکتا ہے اور نہ اخلاق جبری محنت شروع میں مرد اور عورت دونوں سے لی جاتی رہی اور وہ اپنے اصلی وطن سے اکھیڑ کر لاکھوں نہیں کروڑوں خاندانوں کو یہ جبر دور دراز علاقوں میں محنت لینے کے لئے دھکیلا گیا۔

پراودا کی 26 جولائی 1958ء کی اشاعت میں اس قانون کا اعلان کیا گیا کہ:

"سٹرائک کرنے والوں کو 15 سال قید کی سزا دی جاسکتی ہے اسی طرح ملازم کی 20 منٹ محنت کے لئے تاخیر سے پہنچنے کی سزا بھی 4 ماہ کی جیل ہے۔ اسی طرح انہوں نے تشدد کو ایک مقدس عمل قرار دیا لینن نے صاف اعلان کیا کہ مت سمجھو کہ میں انصاف کی تلاش میں ہوں اب انصاف کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔" (۵۱)

۲۲۔ غریبوں پر ظلم:

شروع میں علمبرداران اشتراکیت نے کسانوں اور مزدوروں کو سبز باغ دکھائے اور ان کو ارباب اقتدار امرا طبقے کے اور ان کے دلوں میں نفرت وعداوت بھر کر ان کے خلاف بھڑکایا چونکہ ہر ملک میں غریب طبقے کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اکثریت نے ان کے وعدوں پر اعتماد کر کے ان کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے معمولی اقلیت اور عظیم اکثریت کے درمیان مقابلہ شروع ہوا۔ ایسے مقابلے کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ اکثریت کامیاب ہو۔ اس لئے یہ کسی صداقت کا نتیجہ نہ تھا۔

اشتراکیت کو جب حکومت حاصل ہوئی اور اقتدار ہاتھ میں آیا۔ چونکہ اس جدید انقلاب کے اقتدار کو مضبوط کرنے میں بھی کافی وقت صرف ہونے کی ضرورت تھی۔ اسی وقت اس تحریک کی اصلی حقیقت اور اشتراکی قیادت کے وعدوں کی ایفاء کی حقیقت عوام پر نہ کھل سکی۔ جب اشتراکی حکومت مستحکم ہوگئی تو اشتراکیوں نے دوسری جنگ کسانوں سے زمین اور مویشی چھیننے کے لئے خود کسانوں سے لڑی اور جیسے کہ ہم نے نقل کیا ہے کہ سٹالین کے اقرار کے مطابق ایک کروڑ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسانوں کو قتل کیا گیا جو سوشلزم مطبوعہ 1967ء میں درج ہے۔

یہ سٹالن کا اپنا اقرار ہے ممکن ہے کہ اصل تعداد اس سے بہت زیادہ ہو اور اشتراکیت منوانے کے لئے اس کے علاوہ روس نے 19 لاکھ افراد کو موت کی سزا دی۔ 20 لاکھ افراد کو جلاوطن کیا گیا اور پچاس لاکھ کو مختلف سزائیں دیں۔ (۵۲)

۲۳۔ زمینداروں پر تشدد:

چین کے نمائندہ نے اتحادی اسمبلی منعقدہ 3 دسمبر 1951ء پیرس میں رپورٹ پیش کی کہ:

''اشتراکی چین نے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی پر لٹکایا۔'' (۵۳)

کوہستان 13 نومبر 1967ء میں ہے کہ:

''سٹالن نے کمیونزم کے قیام کے لئے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا یہ تشدد صرف مال چھیننے کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ ذاتی عقیدہ اور دین بھی اس تحریک کے علمبرداروں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔''

۲۴۔ عقیدہ کی سخت ہدایت:

چینی اخبار تن بات ہاؤ ہانگ کانگ 11 نومبر 1967ء اور ہفتہ وار ایشیا لاہور 24 دسمبر 1967ء میں چینی صدر ماؤزے تنگ کے پیروؤں اور چینی لیڈروں کا ایک پیغام چینی مسلمانوں کے نام درج ہے جس کا متن یہ ہے:

''اے مسلمانو! گوش وہوش سے سن لو آج کے بعد تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے چہرے پر دین کا نقاب ڈال سکو ورنہ تمہیں جلاوطن کر دیں گے یا نیست ونابود کر دیں گے۔ آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم گائے کا گوشت کھاؤ اب تمہیں خنزیر کا گوشت کھانا چاہئے۔ آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ تم اپنے اوقات نماز میں ضائع کرو تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ قرآن کی تلاوت کرو جسے تم مقدس سمجھتے ہو۔ اے مسلمانو! پورے غور سے سن لو تمہیں اپنی مساجد و مدارس کو ڈھانا (گرانا) ہوگا۔ اپنی اسلامی تعلیمات سے منہ موڑنا ہوگا نماز کو خیرباد اور ختنے سے اجتناب کرنا ہوگا۔''

اس سے زیادہ اور کیا اسلام دشمنی ہو سکتی ہے کہ مارکسی نظام بنیادی اصولوں کی نفی کرنے پر تلا ہوا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فاشزم اور نازی ازم
(Fascism and Nazism)

روس میں اشتراکیت نے اپنی بنیاد مضبوط کرنے کے لئے جس وسیع وعریض پیمانے پر تعدی وظلم کے ہولناک مناظر کھیلے۔ اور پھر اس انقلاب کی کامرانی سے دنیا کے ہر ملک میں طبقاتی جنگ کے شعلے اٹھنے لگے۔ اس نے تمام غیر اشتراکی ممالک کے اہل الرائے ذہنوں کو انداز فکر میں تبدیلی لانے پر مجبور کر دیا اور وہ محنت کش کلاس کے بے چینی اور اضطراب کی زنجیریں بند کرنے کی تدبیریں عمل میں لانے لگے۔ بے قید معیشت میں وقتاً فوقتاً ترمیم اور اصلاح کا عنصر روسی معاشرت کے عمل نظریات اور اثرات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہی پیدا ہوا اور اس ردعمل نے سرمایہ داریت کے دو بڑے علاقوں میں دو مختلف صورتیں پیدا کر دیں۔

جن اقوام کا نظام زندگی جنگ عظیم اول کے خطرناک شعلوں میں جھلس گیا تھا اور جنہیں سوشلزم کی آگ سے بھی شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور جہاں جمہوریت کے قدم زیادہ مستحکم نہیں تھے وہاں فاشیت اور نازیت نے سر اٹھایا۔ جن ممالک میں جمہوریت کا ڈنکا بجتا تھا اور ان کی حکومتیں مضبوط تھیں انہوں نے اپنی پرانی وسیع المشرب سرمایہ داری کے بنیادی ستونوں کو قائم رکھتے ہوئے صرف بے قیدی میں اصلاحات نافذ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس طرح متذکرہ بالا دو نئی تحریکوں کے سائے سے محفوظ و مامون رہے۔

تاہم سرمایہ دار طبقہ چوکنا ضرور ہو گیا اور قدم پھونک پھونک کر رکھنے لگا۔ سوشلسٹ ان دونوں تحریکوں کو یعنی اٹلی کی فاشی اور جرمنی کی نازی کو سرمایہ داری کی جعت قرار دینے لگے اور یہ الزام دھرتے ہیں کہ اپنی بازی ہرتی دیکھ کر مسولینی اور ہٹلر کو کھڑا کر دیا تھا حالانکہ یہ لوگ بددیانت ایجنٹ نہیں تھے بلکہ مارکس اور لینن کی مانند چالاک زیرک اور تھے جب انہوں نے اپنی قوم کی تباہی اور بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ملاحظہ کیا تو اس کا وقار اور مقام خاک میں مل گیا ہے۔ تو اس کا مداوا کرنے کے لئے تدبیریں بنانے لگے نیز ان کی قوم ایک طرف سوشلزم کی یلغار اور دوسری طرف بے قید معیشت کی لپیٹ میں آویزاں ہے تو اسے ولدل اور مصیبت سے نجات دینے کے لئے عجیب قسم کی کانٹ چھانٹ کر کے ایک نئی آمیزش بنا دی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ان کی رقوم معاشی لحاظ سے مضبوط اور سیاسی لحاظ سے مستحکم ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ چند صداقتوں اور متعدد حماقتوں کا مرتکب تھا اور یہی سبب ہے کہ یہ بھی ایک غیر متوازن نظام معیشت تھا۔ اگرچہ یہ ساری دنیا کو تو اپنی لپیٹ میں نہ لے سکا تاہم اس کے کچھ اجزاء اب بھی مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ اپنی افادیت کھو چکا ہے۔

فاشزم کے محاسن (Qualities)

اس نظام کی مندرجہ خوبیاں اور اچھائیاں ہیں:

ا۔ تفاوت کا خاتمہ:

اس کے بانیوں کا خیال تھا کہ ایک ہی معاشرہ کے طبقوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تضاد صرف نفرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جنگ اور غاد کا باعث ہوسکتا ہے۔ ویسے مالدار اور محنت کش طبقہ میں یہ فرق نامناسب ہے۔ اصل چیز قوم اور معاشرہ ہے۔ ان سب کا کام یہ ہے کہ مل کر اشیائے ضرورت پیدا کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون واتحاد کا ہاتھ بڑھائیں۔ تاکہ ملک اور قوم ترقی کر سکے۔ اگر کوئی خلل یا نقص ہو تو اسے رفع کرنا چاہئے۔ اختلاف کو بڑھانے کی بجائے ختم کرنا چاہئے۔ سب کو یکساں مواقع ملنے چاہئیں۔

۲۔ انفرادی ملکیت (Individual Ownership):

ان کے مطابق انفرادی جائیداد اور ذاتی نفع طلبی نقصان دہ چیز نہیں ہے اور اس سے اجتماعی مفاد کو زیاں کاری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ یہ دونوں چیزیں ملکی مفاد کے لئے ضروری ہیں۔ البتہ انہیں محدود کیا جا سکتا ہے۔ بالکل ختم کرنا مناسب نہیں ہے۔ افراد اپنے نفع کی خاطر جدوجہد کر سکتے ہیں مگر اس سے اجتماعی مفاد کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔

۳۔ سٹہ بازی (Speculation):

وہ تجارت میں تخمین کاری کے خلاف تھے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ سٹہ بازی کا رواج نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے مکمل طور پر ختم ہو جانا چاہئے۔

۴۔ سود کا خاتمہ:

وہ سود جیسی لعنت کے بھی خلاف تھے اور کاروبار میں سود کو چلانے کے مخالف تھے اگرچہ وہ سود کو عملاً بند نہ کر سکے۔ تاہم نظریاتی طور پر اس کے مخالف ضرور تھے اور اسے برا جانتے تھے اور بند کرنے کے قائل بھی تھے۔

۵۔ ریاست کے فرائض (Functions of State):

انہوں نے وسیع الشربی کے اس نظریہ کے تردید کر دی کہ ریاست صرف پولیس اور عدالت کے فرائض سرانجام دے اور اقتصادی کاروبار میں بالکل دخل نہ دے قومی معیشت کے مختلف عناصر میں ہم آہنگی ربط اور تعاون قائم رکھنا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ اسے لاتعلق نہیں ہو جانا چاہئے۔ اس سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں اور معاشرے کا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔

۶۔ ہڑتال اور تالہ بندی:

انہوں نے ہڑتال اور تالہ بندی کو از روئے قانون ممنوع ٹھہرایا اجروں اور مستاجروں کی مشترکہ کونسلیں بنائیں جو ان کے حقوق اور فرائض کا تعین کرتی تھیں۔ نیز جھگڑوں کے فیصلوں کے لئے پنچائیت اور عدالتی فیصلوں کا باقاعدہ نظام مقرر کیا۔

۷۔ معاشرتی بیمہ کاری (Social Insuring):

جو لوگ بیکار یا بیمار ہو جاتے ہیں اور ان کے روزگار کا کوئی باقاعدہ ذریعہ نہیں ہوتا اور بے وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس کے لئے وسیع پیمانے پر سوشل انشورنس کا اہتمام کیا تاکہ بیماری، پیرانہ سالی اور حادثات کی صورت میں کارکنوں کی مدد کی جا سکے مزید برآں ماؤں اور بچوں کی نگہداشت، مفلوک الحال، لاوارث، بوڑھوں کی دیکھ بھال وغیرہ کے عظیم الشان ادارے قائم کئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۸۔ تنظیم (Organization):

سارے اقتصادی امور کی انجام دہی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے عظیم وتوفیق کا کام ریاست نے سنبھال لیا تمام شعبوں کی کونسلیں مرتب کیں۔

۹۔ مالیات (Finance):

معدنیات' جہاز سازی و جہاز رانی' سامان جنگ کی صنعت اور ایسے دوسرے بڑے کاروبار انفرادی ملکیت کی بجائے قومی ملکیت قرار پائے اور بڑی اجارہ داریوں کا خاتمہ ہوگیا۔

فاشزم کی خامیاں (Draw-Backs)

اچھے کاموں کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس کی خرابیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

انہوں نے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اگرچہ کوئی نظریہ پیش نہیں کیا تھا بلکہ ردوبدل ہی کیا تھا تاہم اس کے عمل درآمد کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانے اور سیاسی فلسفے کا سہارا ضرور لیا تھا اور بے شمار مبالغوں اور خیال افرینیوں کے ستون کھڑے کئے انہوں نے کہا کہ: ''فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں۔'' اور یہاں تک اتر آئے جو پارٹی میں شامل نہیں ہوتا اسے کچھ نہیں ہونا چاہئے برملا کہتے تھے کہ:

''جرمن ہے تو نازی پارٹی میں اور اگر اٹالین ہے تو فاشسٹ ہو جا۔''

اس طرح گویا شخصی آزادی ختم کر دی گئی تنقید و جرات کی اجازت نہیں تھی۔ انتخابات برائے نام رہ گئے پریس' ریڈیوں اور دوسرے ابلاغ عامہ پر سرکاری کنٹرول قائم ہوگیا۔

اختلاف رائے بند بحث مباحثہ پر پابندی تنقید بند مواخذہ واحتساب بند بلکہ یوں سمجھئے چند دماغوں کے علاوہ ساری قوم کے اذہان بھی بند و مانند سنگ افراد ایک مشین کے پرزے کی مانند ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے سارے ملک کی زندگی کو تمام معاشی' مذہبی' سیاسی' تمدنی اور تہذیبی پہلوؤں سمیت ایک ضابطے بلکہ آہنی شکنجے میں کس ڈالا اور ایک ہی منصوبہ پر چلانا شروع کیا۔

فاشیت بالعموم دائمی امن پر قطعاً یقین نہیں رکھتی جیسا کہ مسولینی کہتا ہے:

''فاشیت امن پسندی کو جو ایثار کے پردے میں بزدلانہ تساہل بندی و نفس کشی کا ایک حیلہ ہے ترک کر دیتی ہے۔''

ایک رائیٹر کی رائے میں فاشیت اس لذت پرستانہ لگاوی عقیدہ سے انکار کرتی ہے کہ خیر اعلیٰ زیادہ سے زیادہ تعداد انتہائی سود حالی ہے جس سے مراد صرف مسرتوں کا مجموعہ ہے نیز یہ کہ قومیت غیر متنازع ہے۔ نقطہ آغاز سمجھتی ہے اس کے معاملے میں یہ ایک غیر موثر عارضی تدبیر ہے۔ (۵۴)

طاقت قوموں' مملکتوں اور شہنشاہوں کی خالق ہے زمانہ موجودہ اور آئندہ میں اسی طرح قائم و جاری ہے گی تو عنصر کمزور پر حکمران رہے گا اور ایسا کرنے میں کوئی شرم و ناانصافی نہیں ہے۔

یہ اس کا بڑا ہی منفی پہلو ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور سرمایہ داریت میں مقابلہ (Comparison)

اسلام اور نظام سرمایہ داری میں کوئی جز و مشترک نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سرمایہ داری کے خالق آدم سمتھ بھی سرمایہ داری کے دعویٰ سے مطمئن نہیں تھے اور وہ لکھتے ہیں کہ:

''کم ہی ایسا ہوتا ہے جب کاروباری لوگ کہیں باہم جمع ہو جائیں اور ان کی محفل پبلک کے خلاف کسی سازش پر اور قیمتوں میں اضافے کے لئے کسی قرارداد پر ختم نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ تفریحات تک میں مل بیٹھنے کا جو موقع مل جاتا ہے اس کو بھی یہ حضرات اس جرم سے خالی نہیں جانے دیتے۔'' اس سے سرمایہ داری کی حقیقت بالکل سامنے آجاتی ہے۔

۱۔ اخلاقیات (Morality):

پروفیسر ڈاکٹر لارڈ کینز ایک بہت بڑے معیشت دان گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنے نئے نظریات کی وجہ سے معاشیات کی علمی وادبی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اپنے معاشی سرمایہ دارانہ نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''دنیا پر اخلاقی اور فطری قوانین کی ایسی مضبوط حکومت قائم نہیں ہے۔ جس کے زور سے افراد کے ذاتی مفاد اور سوسائٹی کے اجتماعی مفاد میں ضرور آپ ہی آپ موافقت ہوتی رہے۔ معاشیات کے اصولوں سے یہ استنباط کوئی صحیح استنباط نہیں ہے کہ روشن خیال خود غرضی ہمیشہ اجتماعی فلاح و بہبود ہی کے لئے کوشش کیا کرتی ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ خود غرض ہمیشہ روشن خیال ہی ہوا کرتی ہے۔ اکثر تو یہ دیکھا جاتا ہے جو لوگ انفرادی طور پر اپنی اغراض کے لئے جدوجہد کرتے ہیں وہ اس قدر نادان یا کمزور ہوتے ہیں وہ خود اپنی اغراض کو بھی پورا نہیں کر سکتے کبھی ان کے ہاتھوں اجتماعی مفاد کی خدمت ضرور اور ہمیشہ انجام پاتی رہے۔''

ان حالات میں صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام اور سرمایہ داری کے درمیان کوئی قدر یکساں نہیں ہے اور اسلام اخلاقیات پر زور دیتا ہے۔

۲۔ محنت (Labour):

سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور کی اس کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مزدور کو کم از کم اجرت دے کر مزدور کا استحصال کیا جاتا ہے لیکن اسلام اس قسم کے استحصال کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

۳۔ حقوق ملکیت (Proprietary Rights):

اسلام نے بھی فرد کا حق ملکیت مانا ہے مگر اس نے جائیداد میں زکوٰۃ کی شکل میں یتیموں، ناداروں اور بیواؤں کا حق بھی بتایا ہے جب کہ سرمایہ داری میں صرف روپیہ اکٹھا کرنے اور اس میں اضافہ کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔

۴۔ مراعات:

اسلام نے ہر طبقہ کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے اور زیادہ سے زیادہ مراعات دینے کی پرزور سفارش کی ہے اور ہدایت کی ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت ادا کر دی جائے لیکن سرمایہ داری میں مزدور کا پسینہ خشک ہی نہیں ہونے دیا جاتا اس لئے اسے اجرت کیسے مل سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۔ پاسداری:

سرمایہ دارانہ نظام میں اسے فقط زندہ رہنے کا حق دیا جاتا ہے جس میں زندہ رہنے کی طاقت ہو غریب اور بھوکے کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ لیکن اسلام کا حکم ہے کہ اگر آپ کا پڑوسی بھوکا ہے تو آپ پر روٹی حرام ہو جاتی ہے اور اگر معاشرے میں ایک فرد بھی بھوکا سوئے گا تو اس کی پورے معاشرے سے پوچھ ہوگی اور اگر ہنڈیا کی خوشبو پڑوسی کے گھر تک چلی جائے تو اس پر پڑوسی کا بھی حق بنتا ہے۔ کیا سرمایہ داری اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔

۶۔ چند اقدار (Several Values):

سرمایہ داریت میں افراتفری، بھاگم بھاگ اور نفسا نفسی کے عالم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جب کہ اسلام میں اخوت و یگانگت و مساوات اور بھائی چارے کا یہ عالم ہے کہ وقت جان کنی ہے اور پیاسا پانی خود نہیں پیتا بلکہ دوسرے کے لئے بھیج دیتا ہے۔ سرمایہ داری میں کاروبار کے جو طریقے اپنائے جاتے ہیں وہ اجتماعی مفاد کے منافی ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک طرف تو غلبہ اور دیگر ضروری اشیاء سمگل کر دی جاتی ہیں ای ان کا ذخیرہ کر کے مصنوعی قلت پیدا کر دی جاتی ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جا سکے اور دوسری طرف ہزاروں لوگ ان ضروریات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسلام اس قسم کے کاروبار کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔

۷۔ مقاصد میں اختلاف (Difference in Aims):

دونوں نظاموں کے بنیادی مقاصد میں فرق پایا جاتا ہے۔ سرمایہ داری نظام کا نصب العین محض فرد کی مادی خوشحالی ہے۔ جب کہ اسلامی نظام معیشت میں فرد کی جدوجہد کا مقصد رضائے الٰہی کے مطابق مادی احتیاجات کو ایسے انداز میں پورا کرنا ہے جس سے وہ اخروی فلاح سے محروم نہ رہ جائے۔ گویا اسلامی نظام معیشت کا مقصد فرد کی دینوی اور اخروی فلاح ہے۔

۸۔ آزادی اور فرق:

اسلام اور سرمایہ داری دونوں نظام فرد کی معاشی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں اور اسے یہ حق دیتے ہیں کہ وہ کسب معاش کے لئے کوئی سا بھی شعبہ یا پیشہ اختیار کر لے لیکن سرمایہ داری نظام میں فرد کے اس حق پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ صارف اپنے افادہ یا تسکین اور اجرا اپنے منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لئے کوئی بھی طرز عمل اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن اسلامی نظام معیشت میں صارف یا اجر من مانی نہیں کر سکتا۔ اسے چند اخلاقی اقدار کے دائرہ میں رہ کر ہی اپنے طرز عمل کو کوئی شکل دینی ہوتی ہے۔

ایک صارف حرام اشیاء اور لہو ولعب کے سامان وغیرہ سے لذت وراحت کے حصول کا اہتمام نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایک اجر حرام اشیاء کی پیداوار اور حصول منافع کے لئے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کر سکتا ہے۔

۹۔ مسابقت ومعاونت:

سرمایہ دارانہ نظام افراد کے باہمی مقابلہ ومسابقت کو معاشی جدوجہد کے فروغ اور معیشت کی افزائش وترقی کا بنیادی سبب قرار دیتا ہے۔ اس گردن توڑ مسابقت کے نتیجہ میں اصحاب ثروت دولت سمیٹ لینے میں کامیاب ہو جاتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہیں۔ جب کہ کمزور طبقات بالخصوص محنت کش محروم اور معاشی پریشانیوں کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام باہمی تعاون کی بنیاد پر افراد کی معاشی جدوجہد کو استوار کرتا ہے۔ یہ تعاون باہمی افراد کی فطری صلاحیتوں کو بہتر انداز میں پروان چڑھا کر ان کے معاشی استحکام اور معاشرتی یکجائی کا باعث بنتا ہے۔

۱۰۔ یقین آخرت:

اسلام میں مقصود آخرت کی زندگی ہے اور دینوی زندگی کو آخرت کی کھیتی سمجھا گیا ہے مگر طرز زندگی ایسا دیا گیا ہے جس میں آخرت کی بہتری کی ساتھ دینوی زندگی کی بہتری خود بخود حاصل ہو جاتی ہے مگر سرمایہ داریت میں نہیں ہے۔

۱۱۔ روحانیت کی اہمیت (Importance of Spiritualism):

اسلام میں روح اور مادہ دونوں کے حقوق ادا کئے گئے ہیں اور دونوں کے حقوق میں توازن رکھا گیا ہے۔ مگر دسرے نظام میں فقط آپ کی کوئی وقعت نہیں ہے مگر سرمایہ داریت میں آخرت کی کوئی جگہ نہیں اس میں دینوی زندگی کی بہتری ہی مقصود ہوتی ہے۔

۱۲۔ ارتکاز دولت کی ممانعت:

اسلام نے زکوٰۃ کے ذریعے قربانی، حج، صدقہ، خیرات وغیرہ کے ذریعے ارتکاز دولت کی مخالفت کی ہے کیونکہ اس طرح ایک طرف تو دولت بے دریغ اور فضولیات پر خرچ ہوتی ہے اور دوسری طرف عام آدمی نان ونفقہ تک کو ترستا رہ جاتا ہے۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں عذاب الیم کی خبر دے دو۔''

اس کے برعکس سرمایہ داری میں ارتکاز دولت ناگزیر ہے۔

سرمایہ داریت کے نزدیک اگر اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو وہ روپیہ ضائع ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

''اور تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا ملے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔''

سرمایہ داری میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ دولت اکٹھی کر کے سود پر دی جائے تو اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کا دعویٰ ہے کہ سود سے دولت گھٹ جاتی ہے۔

سرمایہ دار تنگ دست مقروضوں کا مال لے کر اپنا قرضہ وصول کرتا ہے لیکن سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے کہ:

''اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس کی حالت درست ہونے تک اسے مہلت دے دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔ اس کا فائدہ تم سمجھ سکتے ہو اگر کچھ علم رکھتے ہو۔''

سرمایہ دار اگر کچھ روپیہ نیک کاموں پر خرچ کرتا ہے تو اس کا مقصد اپنی نمائش ونمود کی شہرت اور محصولات میں چھوٹ لینی ہوتی ہے۔ مگر اسلام میں اس کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے اللہ کی خوشنودی ورضامندی حاصل کرنا، جو مخلوق خدا کی خدمت کرنے سے مل سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۳۔حرمت سود:

سود سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ اور بنیاد ہے۔اسے سرمایہ کی فراہمی کا سب سے بڑا وسیلہ گردانا جاتا ہے۔لیکن اسلام نے سود کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔وہ اسے سرمایہ کاری اور معاشی خوشحالی کی راہ کا سنگین پتھر تصور کرتا ہے۔اسلامی نظام معیشت میں فراہمی سرمایہ کے دیگر ذرائع اور بالخصوص شراکت کی بنیاد پر کاروبار کو فروغ دینے کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔

۱۴۔حلال وحرام میں فرق:

لادینی نظام انسان کا خود ساختہ ہے۔اس لئے اس میں جائز و ناجائز کے معیارات بھی انسان کے بنائے ہوئے ہیں اور جن میں وہ اپنی ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔اس کے برعکس اسلام کا معاشی نظام اللہ رب العزت کا وضع کردہ ہے۔اس میں انسانی اعمال کے جائز و ناجائز اور کسب رزق اور صرف رزق کے حلال وحرام کے قواعد و ضوابط خالق کائنات کے اپنے بنائے ہوئے ہیں اور وہ ابدی ودائمی اور ناقابل تغیر ہیں۔

۱۵۔متفرق(Miscellaneous):

ان دونوں نظاموں میں بڑا فرق ان نکات سے بھی عیاں ہے:

i- اسلام میں وسائل کا استعمال بھرپور ہوتا ہے جبکہ سرمایہ داریت میں کئی ذرائع بیکار پڑے رہتے ہیں۔

ii- بے کاری کو دور کرنے کی مکمل سکیم وضع کی جاتی ہے۔سرمایہ دارانہ معیشت میں یہ مسئلہ دردسر بنا رہتا ہے۔

iii- اسلام میں تصور حاکمیت کا تعلق ذات کبریا سے ہوتا ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ(Supreme Sovereignty) اس کے پاس ہوتا ہے اور انسان کو فرائض نیابت سونپے جاتے ہیں۔حکم دینے کا حق اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔اس لئے کہ وہی خالق ہے۔﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾(اعراف:54)اس کائنات میں حاکمیت فقط اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہ تو ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی کا حق ہے۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی(Kingdom) اللہ ہی کی ہے۔''

(البقرہ:107)

نیز یہ کہ''اور شہنشاہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔''(الفرقان:2)

علاوہ ازیں''ان الحکم الا للہ'' ترجمہ اس طرح ہے:

''فیصلے کا اختیار سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں ہے۔''

ایک معروف مصنف کی رو سے:

''حاکمیت کی جملہ صفات وکلی اختیارات صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی میں مرکوز ہیں اس کائنات میں کوئی دوسرا سرے سے حاصل ہی نہیں کرسکتا۔''(۵۵)

مگر سرمایہ داریت میں حکمرانی کا نظریہ جمہوریت وحکومت کے ساتھ وابستہ ہے جو بے معنی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام واشتراکیت میں تقابل

(Comparison Between Islamism & Socialism)

قرآنی نظم معیشت اور لادینی نظام معیشت میں بھی کئی پہلوؤں سے فرق پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ان دونوں نظاموں کے اختلافی نکات زیر بحث لائے جاتے ہیں:

۱۔ مقاصد (Objectives):

اسلام انسان کی مادی وروحانی اور دینوی اور اخروی ہر دو قسم کی فلاح کو اپنا مقصد قرار دیتا ہے اور اسی کے پیش نظر اس نے اپنا معاشی تشکیل دیا ہے جب کہ اشتراکی نظام ایک مادہ پرستانہ نظام ہے جو افراد کی مادی ضروریات کی تسکین کو ہی اپنا نصب العین قرار دیتا ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی نظم معیشت کا دائرہ اشتراکی نظام کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہے۔

۲۔ ملکیت وذرائع:

اشتراکی نظام معیشت میں وسائل پیداوار کلیتہً ریاست کی ملکیت ہوتے ہیں۔ صنعت، تجارت، زراعت، نقل و حمل الغرض ہر چیز ریاست کی ملکیت ہوتی ہے۔ افراد محض مزدور کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ وہ صرف محدود شخصی دائرہ میں اپنی ضرورت کی اشیاء اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلامی نظام معاشیات میں افراد کو نجی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ذاتی اشیائے ضرورت کے ساتھ ساتھ ذرائع پیداوار پر بھی ان کے حق ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم اسلامی نظام معیشت میں اجتماعی ملکیت کی قطعی طور پر نفی نہیں کی گئی۔ حالات ومصالح کے پیش نظر اسلامی حکومت بعض پیداآوری کاروبار اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔

۳۔ منصوبہ بندی میں فرق (Difference in Planning):

اشتراکی نظام میں پیداآوری ذرائع کو ایک جامع منصوبہ کے تحت زیر استعمال لایا جاتا ہے اور یوں ضروریات اور پیداوار کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کا طریق کار اختیار کیا جاتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت چونکہ افراد کو نجی ملکیت کا حق دیتا ہے اس لئے وہ انہیں کسی جامع مرکزی منصوبہ کا پابند نہیں کرتا بلکہ آزادانہ طور پر کاروباری فیصلے کرنے کا موقع دیتا ہے۔ تاہم اسلامی ریاست ملکی مفاد کے پیش نظر بعض شعبوں میں منصوبہ بندی کا طریقہ اختیار کر سکتی ہے۔ اسلام میں منصوبہ بندی حکیمانہ، عقلمندانہ اور ٹھوس ہوتی ہے۔

۴۔ معاونت:

اسلامی نظام میں تعاون کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور یہ نظام سبھی افراد کو یکساں حقوق اور مراعات دیتا ہے۔ انہیں براہ راست امور ریاست میں شریک کرتا ہے۔ جب کہ اشتراکیت ایک قسم کی آمرانہ حکومت ہوتی ہے اور کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ نیز حکومت مشورے لینے کی پابند نہیں ہوتی۔

۵۔ آزادی (Freedom):

''ہم ہر اس اخلاق کو رد کرتے ہیں جو عالم بالا کے کسی تصور پر مبنی ہو یا ایسے خیالات سے ماخوذ ہو جو طبقاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصورات سے ماورا ہیں۔ ہمارے نزدیک اخلاق قطعی اور کلی طور پر طبقاتی جنگ کا تابع ہے۔ ہر وہ چیز اخلاقاً بالکل جائز ہے جو پرانے نفع بخش اجتماعی نظام کو مٹانے کے لئے اور محنت پیشہ طبقوں کو متحد کرنے کے لئے ضروری ہو۔ ہمارا اخلاق بس یہ ہے کہ ہم خوب مضبوط اور منظم ہوں اور نفع گر طبقوں کے خلاف پورے شعور کے ساتھ جنگ کریں ہم یہ مانتے ہی نہیں کہ اخلاق کے کچھ ازلی اور ابدی اصول ہیں ہم اس فریب کا پردہ چاک کر کے رہیں گے۔ اشتراکی اخلاق اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محنت کشوں کی حکومت کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے کے لئے جنگ کی جائے۔''

ناگزیر ہے کہ اس کام میں ہر چال' فریب' غیر قانونی تدبیر' حیلے بہانے اور جھوٹ سے کام لیا جائے۔ مگر اسلام چند حدود وقیود کے اندر لوگوں کو آزادی دیتا ہے اور بلاوجہ سختی نہیں کی جاتی۔

۶۔ مذہب (Religion):

اشتمالیت واشتراکیت میں جیسا کہ لینن نے بذات خود کئی بار یہ کہا کہ مذہب لوگوں کے لئے افیون کا درجہ رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک اشتراکی نظام کا سب سے بڑا دشمن خدا ہے لہٰذا ہمیں تمام تر قوت اسے بے دخل کرنے میں صرف کر دینی چاہئے مگر اسلام میں مذہب کو کلیدی حیثیت ملی ہوئی ہے۔ احکامات الٰہیہ کے مطابق چلنا پڑتا ہے' سرتابی ممکن نہیں ہے۔

اس ضمن میں پروفیسر وی ہیکر لکھتا ہے کہ:

''اشتراکی محض لامذہب اور مادہ پرست ہونے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ لامذہبی اور مادہ پرستی کا مجاہد بھی ہوتا ہے۔''

لینن ایک اور بات بھی کہی ہے:

''مذہب سے جنگ کا قریبی تعلق اس جدوجہد سے ہونا چاہئے جو تہذیب ومعاشرت کی جڑوں سے مذہب کے نعوذ اور اثر کو نکال پھینکنے کی خاطر کی جاتی ہے۔''

ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ مذہب مسلمان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

۷۔ ذاتی منافع کا محرک:

اشتراکی نظام میں ایک فرد فقط ریاستی مشینری کے ایک پرزہ کے طور پر کام کرتا ہے۔ کاروباری منافع کا کوئی حصہ اسے حاصل نہیں ہوتا۔ وہ پہلے سے طے شدہ اجرت ہی وصول کرتا ہے۔ اس لئے اس میں کام کرنے کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں ہر کاروبار آدمی اپنے نفع ونقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی منافع کے حصول کی خاطر بھرپور انداز میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشی سرگرمیاں جلا پاتی ہیں۔

۸۔ سرکاری اختیارات (Governmental Powers):

اشتمالی واشتراکی نظام میں ریاست ہمہ مقتدر اور سب سیاسی' معاشی اختیارات کی مالک ہوتی ہے اور اپنی قوت کے بل بوتے پر ہر شعبہ زندگی میں دخل اندازی کرتی ہے۔ فرد کلیتہً ریاست کے رحم وکرم پر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسے معاشی امور اور پالیسیوں میں بالکل کوئی عمل دخل حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اسلامی معاشی نظام اپنی داخلی توانائی کے زور پر چلتا ہے۔ شخصی قابلیت وصلاحیت آزادانہ طور پر بروئے عمل آ کر اسے حرکت اور استحکام عطا کرتی ہے۔ سرکاری اختیارات کا دائرہ بڑا محدود ہوتا ہے۔ ریاست معاشی سرگرمیوں کے لئے محض ایک رہنما ونگران اور محافظ واصلاح کنندہ کا کردار ادا کرتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ تاہم قواعد وضوابط کی پابندی کرنے پڑتی ہے۔

۹۔ تقسیم دولت (Wealth Distribution):

اشتراکی نظام میں قومی دولت کے سارے ذرائع حکومت کے قبضہ وتصرف میں آجاتے ہیں اور عام لوگوں کو فقط ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا سامان میسر آتا ہے اور وہ بھی اس قیمت پر کہ انہیں اپنی فطری انسانی آزادی کو سرکاری احکامات اور قوانین کے آگے قربان کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی نظام معیشت میں دولت کی تقسیم کا نہایت احسن اور عادلانہ نظام موجود ہے جو ایک طرف دولت کے بے جا ارتکاز کا سدباب کرتا ہے تو دوسری طرف سب افراد معاشرہ کو اس انداز میں ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت دیتا ہے کہ ان کی حریت فکر وعمل محفوظ رہے اور وہ خوشحال' پرسکون آرام دہ زندگی کی مسرتوں وراحتوں سے لبریز ہوتے رہیں اور ترقی کے زینے پر گامزن ہو کر آگے بڑھتے جائیں۔ کوئی طبقہ محروم المعیشت نہ رہے۔ کثیر دار (Have-Lots) اور نادار (Have-Nots) کی تفریق ختم ہو جائے۔ منصفانہ تقسیم ذرائع کا پورا پورا اہتمام کیا جاتا ہے جس سے حق تلفی اور ناانصافی نہیں ہو پاتی۔ زیادتی کرنے والے کو سزا ملتی ہے۔

۱۰۔ افسر شاہی (Bureaucracy):

اشتراکی واشتمالی دونوں نظاموں میں افسروں کے بے شمار اختیارات ہوتے ہیں کیونکہ ایک مرکزی ادارہ بہت سے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ جمہوری روح غائب ہوتی ہے۔ سرخ فیتہ (Red-Tapism) کا دور دورہ ہوتا ہے۔ سارے فیصلے اوپر سے ٹھونسے جاتے ہیں۔ سرکار کی مخالفت ہو ہی نہیں سکتی مگر اسلامی نظام شورائی صفات کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:38)

''اور مسلمانوں کا کام آپس کے مشورہ سے چلتا ہے۔''

۱۱۔ صارفین سے عدم توجہی:

شوشلزم اور کمیونزم میں صارفین کی پسند وناپسند کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا کیونکہ جو اشیاء حکومت تیار کرتی ہے' صارفوں کو وہی لینی پڑتی ہے۔ چناؤ (Choice) ہوتا ہی نہیں ہے اور حلال وحرام میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ جبکہ نظام اسلام میں تمام حلال اشیاء کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔

۱۲۔ بنیاد (Base):

اشتراکی واشتمالی نظاموں کی بنیاد انسانی نظریات الحاد ہیں جن میں صحیح وغلط کی پہچان نہیں ہے اور اس لئے ناپائیدار ہیں جبکہ اسلام کے نظام کی اساس قرآنی تعلیمات اور نبویؐ احکامات وفرمودات (Commandments) پر رکھی گئی ہے جو مستقل وٹل نوعیت کے ہیں جو حوادث زمانہ سے متاثر نہیں ہوتے۔

اسلامی نظام معیشت کی فوقیت کے عوامل:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی نظام معیشت کی فوقیت کے عوامل

(Factors of Superiorhty)

حسب ذیل چند عناصر اور نکات اسلام کے معاشی نظام کی ترجیحیت (Preference) پر روشنی ڈالتے ہیں:

ا۔ خدائی نظام:

ہر وہ دین یا طریق زیست جو انسان کو فارغ البالی اور رفاہیت کے ساتھ مسرور وشادمان زندگی بسر کرنے کی تعلیم نہ دیتا ہو۔ انسان کے ناپختہ ذہن کی پیداوار ہے۔ خدا اور اس کے رسولوں کے نزدیک قابل قبول نہیں اور وہ اللہ کا پسندیدہ طریقہ حیات نہیں ہوسکتا۔ اسلام خدائی نظام ہے۔ مگر اس کے مقابلے میں دوسرے تمام نظام ہائے زندگی چند انسانی دماغوں کی فکری کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اگر چہ ان کا مقصد بھی مفاد عامہ ہے مگر وہ صرف زندگی کے چند پہلوؤں کو لیتے ہیں اور باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مگر اسلام ہر جہت کی ترقی کا خواہاں ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے نہ صرف اس عارضی زندگی میں کامیاب ہوں بلکہ عقبیٰ میں بھی سرخرو ہوں یہی وجہ ہے کہ وہ ہر مرحلہ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے تا کہ انسان بالخصوص مسلمان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائے اور اسی لئے وہ ارحم الرحمین کس قدر مہربان ہے۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الاعراف:14)

''اور یقیناً بستیوں والے اگر مان لیں اور پارسائی اختیار کریں تو ہم ضرور آسمان سے اور زمین سے ان پر برکتوں کو کھول دیں۔''

سبحان اللہ کیا طرز استدلال ہے؟ زمین وآسمان کی برکتیں جو ہمارے معاشی فوائد کی تعبیر ہے انہیں ایمان وتقوی کی قوت سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان سے انسانی زندگی کتنی پاک اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ قرآنی اصطلاح میں اس کا نام حیات طیبہ ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل:97)

''جو کوئی مرد یا عورت نیک کام کرے بشرطیکہ ایمان لایا ہو تو ہم ضرور اسے صاف ستھری زندگی کے ساتھ جیتا رکھیں گے۔''

ایک اور مقام پر یوں فرمایا گیا:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (المومن:51)

''قطعاً ہم اپنے رسولوں اور ایمانداروں کی مدد کرتے ہیں اس زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہیاں قائم ہوں گی۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ صرف پیغمبروں اور اہل ایمان کی نصرت کا وعدہ فرما رہے ہیں۔ کفار اور مشرکین محروم رہیں گے۔ اس امر کی وضاحت اس طرح کر دی گئی:

''یقیناً جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے۔ فرشتے ان پر یہ لے کر اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ کڑھو ہم تمہارے یار و پشت پناہ ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔'' (حم سجدہ)

گویا خداوند تعالیٰ نے ہر قسم کا ذمہ لے لیا ہے۔ اب اس پر مسلمان ثابت قدم ہو جائیں۔ تو انہیں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ دوسرے نظاموں میں اس قسم کی کوئی حتمی بشارت نہیں دی گئی اور ویسے بھی دیگر تمام مذاہب اسلام کے نفاذ سے ہی کالعدم قرار پائے۔ اب تا قیامت یہی مذہب ہوگا اور اسی مذہب کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مکمل کر دیا بلکہ پسند بھی فرما لیا جس کا ذکر سورۃ المائدہ میں ملتا ہے۔ اس مذہب کی صداقت کا غیر مسلم بھی لوہا مانتے ہیں۔ قرآن مقدس نے اعمال صالحہ کی برکت کو یوں بیان فرمایا ہے:

''ان لوگوں نے جو بدیاں بٹور رہے ہیں کیا خیال کر لیا ہے کہ انہیں ان لوگوں کی مانند بنا دیں گے جو ایمان لائے' نیکیاں کیں ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے گی وہ جو کر رہے ہیں برا فیصلہ ہے۔'' (جاشیہ 25/1)

سورۃ ہود میں یوں خطاب کیا گیا ہے:

''اے میرے لوگو! اپنے مالک سے آمرزش طلب کرو پھر اسی کی طرف پلٹو وہ آسمان کو تم پر بھیجے گا موسلا دھار بارش کے ساتھ اور وہ قوت میں قوت بڑھائے گا۔''

ان آیات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا نظام ہے جو دینی فلاح کے ساتھ دنیاوی بھلائی کا بھی اہتمام کرتا ہے اور اس کے پیروکاروں کو ترقی کے زینے پر فائز کرنے کی پوری طرح رہنمائی' رہنمائی کرتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کی فرضیت:

اسلام کے مالیاتی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کا اور کوئی معاشی نظام ایسی مثال پیش کرنے اس کے علاوہ مذہبی و اخلاقی اقدار کو صرف غلط کی مانند مٹا دیا جاتا ہے۔ بلکہ اسے سم قاتل سے زیادہ وقعت نہیں دی جاتی ملکیت جائیداد کی نفی ہوتی ہے۔ جس سے کام کرنے کا محرک دب جاتا ہے۔ یعنی دوسرے نظاموں میں جہاں محاسن (Vertues) ہیں وہاں معائب (Evils) بھی موجود ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام فطرتی و مثالی ہونے کے علاوہ اعتدالی و جمہوری کہلانے کا حق رکھتا ہے کیونکہ یہ ہر معاملہ میں درمیانی راستہ تلاش کرتا ہے۔ بنابریں معاشی دشواریوں کو دور کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے

اگر ہم نئے دور کے تناظر (Perspective) میں جھانکیں تو بہت سی الجھنیں اور دقتیں سر اٹھا رہی ہیں ان سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اسلام ہی روشن کا مینار ہے بشرطیکہ فرزندان توحید نیک نیتی و یکسوئی سے تحقیق و تدقیق کا کارہائے نمایاں سرانجام دیں اپنے ملکوں میں اس کا نفاذ یقینی بنا کر دوسروں کے لئے بہتر نمونہ (Model) پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ بیت المال کی آمدنی کا بہترین اور مستقل ذریعہ ہے۔ موجودہ دور کے گوناں گوں محاصل کسی لحاظ سے بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ ایک قیمتی ماڈل ہے دوسرے ٹیکسوں میں مختلف انواع کی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔ مگر یہ تمام نقائص سے پاک وصاف ہے۔ اس کے مصارف کا حتمی تعین اللہ نے اپنی مقدس کتاب میں کر دیا ہے۔ ان میں ردوبدل قطعاً ناممکن ہے انہیں مصارف ثمانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ہر صاحب نصاب پر فرض ہے اور جب تک مکمل ادائیگی نہ کی جائے مال طہارت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ نیز غریبوں کی کفالت کا اس سے معقول بندوبست ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے بھی اسلام کا معاشی نظام دوسرے نظاموں سے برتر وافضل ہے۔

۳۔ سود کی بیخ کنی:

اسلامی اور جدید معاشیات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اسلام نے ایسے کاروبار کو جس میں سود کا احتمال ہو حرام قرار دیا ہے مگر موجودہ معاشیات میں یہ ایک قسم کی ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی بنیاد ظلم وستم پر رکھی گئی ہے اور یہ کسی انسان کی مجبوری کا احساس تک نہیں رکھتا۔ کسی ضرورت مند کو اپنی حاجت پورا کرنے کی خاطر سود کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس کے بغیر قرض کا حصول جوئے شیر لانے سے کمتر نہیں ہے۔ اسلام نے نہ صرف اس سے سختی سے روکا ہے بلکہ ایسا مذموم کاروبار کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ معاشرہ کو دیمک کی طرح چاٹ لیتا ہے اور اس کے پھیلے ہوئے جراثیم کو نکالنا بڑے معرکے کا کام ہے۔ اگرچہ سود کی ترویج سے وسیع پیمانہ پر پروجیکٹ شروع کئے جاتے ہیں اور حکومتیں بھی اس کے بغیر بمشکل گزارہ کر سکتی ہیں۔ تاہم یہ سوسائٹی کے لئے ناسور ہے اور اس نے تمدنی زندگی کے تانے بانے کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی لئے اسلامی حکومت میں اس کی ممانعت ہوتی ہے سودی نظام نے بہت سے دشوار مسائل کھڑے کر دیئے ہیں اور اسی لئے بیشتر ممالک سرگرداں اور نالاں ہیں۔ ایسے نظام سے ہمدردی موافقت اور بھلائی کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ حرص وآز فریب اور جعل سازی جیسی حرکات کے لئے میدان ہموار ہوتا ہے۔ دور حاضر میں ان کی کہاں کمی ہے؟ اور اسی لئے معاشرہ دور ابتلاء سے گزر رہا ہے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ بمنکنگ کو بغیر سود کے چلانے کا فوری بندوبست کیا جائے تاکہ متوازن معاشرہ قائم کیا جا سکے۔

۴۔ اعلیٰ اخلاق (High Moral):

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو مادہ پرستی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ لوگوں میں کیریکٹر بلڈنگ اور تشکیل سیرت کا احساس راسخ کرتا ہے۔ کیونکہ اصل چیز یہی ہے جس سے انسان اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے۔ آنحضرت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپؐ چلتے پھرتے قرآن تھے۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا میں لوگوں کو مکارم اخلاق سکھانے آیا ہوں۔ اچھی صفات اور حمیدہ اوصاف سے ہی ایک انسان توقیر وعزت حاصل کر سکتا ہے۔ رب تعالیٰ کو وہی شخص زیادہ محبوب ہوتا ہے جو زیادہ متقی ہو اور یہ محض اسی صورت میں ممکن ہے جب اسلامی احکام کی پابندی کی جائے اور خلاف شرع گفتگو اور کاموں سے اجتناب برتا جائے۔

۵۔ عاقبت کا خوف:

قیامت پر یقین رکھنا اور سزا وجزا کو ماننا شرائط ایمان سے ہے جو شخص خداوند تعالیٰ کے وجود کا قائل نہ ہو اس کی ذات اور صفات کو نہ مانتا ہو جیسا کہ کیمونسٹوں کے خیالات ہوتے ہیں وہ لوگ تو موت کو بھی ایک قسم کا کھیل گردانتے ہیں۔ بھلا ایسی قوم مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے جو رب تعالیٰ کی الوہیت ووحدانیت کے نہ صرف پرستار ہیں بلکہ اس کی ہستی لافنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے شیدائی ومربی ہیں اور یہ اسی کی برکت کا ثمرہ تھا کہ ایک بادیہ نشین قوم چند سالوں میں ساری دنیا پر غالب آ گئی اور اس کی سطوت وطاقت کے ڈنکے بجنے لگے مسلمان رب تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتا تاہم خوف آخرت اس کے ایمان وایقان کا جز لاینفک ہے۔

۶۔ مسلمہ قوانین (Recognized Laws):

اسلام کے قوانین تعزیر (Penal Laws) پختہ ہیں۔ عصری تقاضوں اور زمانہ کی ہنگامی تبدیلیوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ خدائی قواعد وضوابط ہیں اور انسانی ذہن کی اپج اور خصائص کو سامنے رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ چاہے بنی نوع انسان چاند کو مسخر کرنے کی کمندیں ڈال رہا ہو اور چاہے ہزار سال پیچھے چلا جائے یہ قوانین اٹل ہیں اور ہر انسان اپنی مرضی اور حاجت کے مطابق نہیں ڈھال سکتا۔ جیسا کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے (المائدہ) شرابی کے لئے 80 کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ زانی مرد اور زانیہ عورت کو رجم کر دیا جائے یا غیر شادی شدہ ہونے کی بناء پر سو کوڑے لگائے جائیں۔ یہ اللہ کی مقرر شدہ حدود ہیں کمی بیشی ممکن نہیں اسی طرح دیگر معاشرتی وعدالتی قوانین کے نفاذ سے دنیا موجودہ سینکڑوں جرائم سے محفوظ ہو سکتی ہے اور اسلام سستا اور آسان انصاف مہیا کرتا ہے۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان کی فرانسیسی کتاب "Civeluz Des Arabes" کا اردو ترجمہ ''تمدن عرب'' میں سید علی بلگرامی (مترجم) فرماتے ہیں:

> ''یہ سادہ ضوابط شاید اس قدر منصفانہ ہوں جیسے ہمارے (فرانس میں) کے پیچیدہ قواعد کی کارروائی ہے لیکن ان کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان میں فریقین مقدمہ کا وقت ضائع نہیں ہوتا اور ان پر ویسی تباہی نہیں جیسی ہماری عدالتوں کی مقدمہ بازی سے آتی ہے۔ اگرچہ فیصلے مختصر ہوتے ہیں لیکن عموماً یہ نہایت منصفانہ ہیں۔ انصاف کا خیال عربوں میں اعلیٰ درجہ کا ہے۔ نہ فقط اس وجہ سے کہ قرآن میں انصاف من جملہ ترین خصائص انسانی کے سمجھا گیا ہے بلکہ اس سبب سے بھی کہ ان کی ابتدائی حالت میں اس عدل کی بے انتہا ضرورت تھی''۔

اگر آج کا مسلمان بھی قرآن وسنت پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ مقدمہ بازی اور لوٹ کھسوٹ جلد ختم ہو سکتی ہیں زر اور وقت دونوں کی بچت ہو سکتی ہے۔''

۷۔ ہمہ گیر بہبود (All-Round Welfare):

اسلام ایک مکمل ضابطہ زیست ہے۔ اس لئے یہ ہمہ گیر ترقی اور بھلائی کو پیش نظر رکھتا ہے۔ دیگر نظاموں پر اس لحاظ سے سبقت لے گیا ہے کہ یہ زندگی کے تمام مسائل اقتصادی' سیاسی' معاشرتی' ثقافتی تمدنی' تعلیمی اور عالمی تک حل کرنے کی عملی اور ٹھوس تجاویز پیش کرتا ہے۔ پھر ان پر سختی سے عمل درآمد کراتا ہے۔ وہ ایک پلیٹ فارم تیار کرتا ہے جو سب کی ترقی اور عروج کے یکساں مواقع میسر کرنے کی ہمہ جہتی سکیم تیار کرتا ہے۔ یہ چونکہ فطرتی قوانین کا سہارا لیتا ہے۔ اس لئے ارتقاء کے مواقع زیادہ روشن اور واضح ہوتے ہیں۔

اگرچہ اشتراکیت اور سرمایہ واریت معاشی پہلو کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس میں بھی پوری طرح کامیابی حاصل نہیں ہو پاتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔احترام آدمیت:

اسلام میں آبرو،مال وجان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ عزت نفس اور احترام آدم کا سبق بھی دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''جس نے ایک جان کو موت سے بچایا گویا اس نے ساری مخلوق کو بچایا اور جس نے ایک جان کو بے قصور قتل کیا گویا اس نے ساری مخلوق کو مار ڈالا۔''

اس سے بڑا احترام آدمیت کا اور کون سا درس ہو سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قتل کا بدلہ قتل ہے اگر چہ بعض حالات میں قصاص اور معافی کی بھی اجازت ہے۔اسی طرح کان کے بدلے کان' ناک کے بدلے ناک اور آنکھ کے بدلے آنکھ کا بدلہ لینے کی اجازت ہے۔اس میں بھی انسان کی عزت ومنزلت کا نتیجہ نکلتا ہے۔

اس کے خلاف اشتمالیت میں انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جاتا ہے۔گویا ان کے خیال میں انسان کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔اسی طرح سرمایہ داری میں بھی ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کی دھن میں خون بھی کئے جاتے ہیں۔لوگوں کی عزت سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔انسانیت کا مذاق اڑایا جاتا ہے دو فردوں کے درمیان رقابت کی آتش آن واحد میں بھڑک اٹھتی ہے جس میں انسانیت کو جلایا جاتا ہے اور اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔

۹۔حلال وحرام میں فرق:

اسلام میں جائز وناجائز کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔اس لئے احتیاط ضروری ہے۔دیگر اقوام میں ان چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔انگریز سنور کا گوشت کھاتے ہیں۔اس لئے بے حیائی فحاشی اور بے غیرتی کا دور دورہ ہے۔شرم وحیا ترستی ہے لوگوں میں حمیت کا مادہ نہ ہونے کے برابر ہے مگر اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

آپؐ نے فرمایا حلال وحرام واضح ہیں۔اسی طرح آپؐ سے اس طرح سوال کیا گیا:

﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ﴾ (التحریم:1)

''اے نبیؐ آپؐ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپؐ کے لئے حلال کیا ہے۔''

علامہ ابوبکر بن الحصاص کہتے ہیں:

ان لا فضیلة فی امتناع اکلها (ص452)

''جن چیزوں کو اللہ حلال فرما چکا ہے ان کے کھانے سے پرہیز کرنے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں۔''

۱۰۔اعتدال پسندی(Moderation):

اسلام نے افراط وتفریط سے ہٹ کر راہ اعتدال کو پسند کیا ہے۔یعنی فضول خرچی سے روکا گیا ہے اور اس طرح بخل سے بھی منع گیا ہے اور اس کی معاشیات میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔قارون خزانے جمع کرنا اور خرچ نہ کرنا قوم اور ملک پر بہت زیادہ ظلم کے مترادف ہے اور معاشی اصولوں کے بھی منافی ہے۔کیونکہ اس سے ترقی میں جمود ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔

۱۱۔جائز وناجائز میں امتیاز:

دولت کمانے میں نہ صرف جائز ذرائع کی فراخدلی سے اجازت دی گئی ہے بلکہ ترغیب بھی ملتی ہے۔مگر وہاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناجائز وسائل معیشت سے سختی سے روکا گیا ہے۔ جائز کے ساتھ مطیب کو پسند کیا گیا ہے۔ نیز ناجائز کے ساتھ خبیث کی پرزور مذمت کی گئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ معاشیات میں اس قسم کی تمیز بالکل ختم ہے اور یہی سبب ہے کہ دنیا ذہنی و اقتصادی بحرانوں سے دوچار ہو جاتی ہے۔

ارشاد گرامی ہوتا ہے:

واسع علی اهلک وعیالک حلا لا فان ذلک جهادا فی سبیل الله

'اور چاہئے کہ اپنے اہل وعیال کے لئے طلب حلال کی کوشش کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے یہاں معاشی جدوجہد میں طلب حلال کو سبیل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے بڑی اہمیت کی براہین اور کیا ہو سکتی ہیں۔''

۱۲۔ بہتر درجہ:

اسلام کا نظام کئی لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا حامل ہے۔ جیسا کہ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں: ''اس کی اصل خصوصیت (Quality) یہ ہے کہ اس کا مرکزی تصور انسان اور اس کی معاشی بھلائی وفلاح ہے وہ معاشی ترقی کو اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف اور اخلاقی ترقی کو اولین اہمیت دیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے اپنے مقصد' مزاج اور اصولوں کے اعتبار سے مختلف ہے اور ہر حیثیت میں ان سے اعلیٰ و برتر ہے۔(۵۶)

۱۳۔ اسلامی معیشت کی اساس شناخت اور مزاج:

یہ دوسرے اقتصادی نظاموں سے بالکل جدا اور مختلف ہے۔ سرمایہ دارانہ اور اشتراکانہ نظاموں میں قرض ایک لعنت اور ترقی کے لئے زینہ سمجھا جاتا ہے۔ جو تجارت' صنعت' زراعت اور دیگر شعبوں کے لئے ایک لازمی امر خیال کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ چاہے کوئی فرد ادارہ ہو قوم ہو یا ملک ہو ایک دفعہ اس کے ظالمانہ پنجہ میں پھنس جائے تو اس سے چھٹکارا ملنا محال ہوتا ہے۔ مگر اسلام کے پیش کردہ معاشی نقشہ میں یہ ایک ناگزیر برائی اور زحمت ہے اور اسے صرف غیر معمولی حالات میں سنگین ضرورت کے تحت لیا جاتا ہے کسی شخص اور حکومت کے لئے قرضوں پر بسر اوقات کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے ان سے اجتناب برتنا چاہئے۔

۱۴۔ معاشرتی تحفظ (Social Security):

اسلامی نظام معاش میں سماجی تحفظ کلیدی رول کا حامل ہے اور اس کی گارنٹی دی جاتی ہے اس لئے خاندان مضبوط' مستحکم' جاندار اور محرک ادارہ گنا جاتا ہے جو کوئی غیر معمولی حالات اور مصائب کا شکار بنتا ہے تو سارا خاندان اس کی معاونت اور رفاقت کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ جب کہ دیگر نظاموں میں ایسا نہیں ہے اگر فیملی معاشی دستگیری کرنے سے قاصر رہے تو پھر بیت المال کے دروازے اس کی مدد کے لئے کھلے ہوتے ہیں اور حقداروں کی دادرسی کی جاتی ہے۔

۱۵۔ جداگانہ حکمت عملی (Individual Policy):

اسلام عادلانہ اکثم پالیسی اختیار کرنے کی ہدایت دیتا ہے تاکہ معاشرے کے ہر فرد کو مناسب ومعقول زندگی بسر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرنے کے لئے اتنی آمدنی مل سکے کہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور نہ ہو اور نہ ہی حالات سے تنگ آ کر وہ ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنا شروع کر دے۔ اس کے علاوہ کسی کی حق تلفی بھی نہ ہونے پائے وگرنہ سوسائٹی میں بگاڑ اور فساد کا آغاز ہو جائیں گا جو بہت سی برائیوں اور جرائم کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ تاہم اسراف وتبذیر سے ہٹ کر اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کی تلقین کرتا ہے۔ جب کہ دوسرے معاشی نظاموں میں ایسا نہیں ہے یہ اقتصادی اور سماجی تناؤ (Tension) میں کمی کر کے معاشی بالیدگی پر زور چلتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی سے زیادتی نہیں ہوتی اس کے آلات کار اور ادارہ کار منفی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۶۔ حسین امتزاج:

اس کے نظام اقتصاد کی ایک برتری یوں بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان کے ایک ہاتھ میں دین تو دوسرے ہاتھ میں دنیا ہوتی ہے۔ مسلم چاہے اجیر یا تاجر ہو یا خریدار یا صارف ہو جب وہ منڈی میں داخل ہوتا ہے تو وہ معاشی ناہمواری کو جنم نہیں لینے دیتا کیونکہ اس کے سامنے فقط مادی فوائد نہیں ہوتے بلکہ وہ روحانی پہلو کو بھی پیش نگاہ رکھتا ہے۔

اس طرح روحانی اور مادی پہلوؤں کو سمو دیا گیا ہے جس سے خرابی پیدا نہیں ہوتی جب کہ دوسرے سارے معاشی نظامات اس خوبی سے عاری ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ مادیت پر طمانیت انسانیت اور اخلاقیت وروحانیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۱۷۔ ہمہ گیریت (Comprehensiveness):

اسلام کاملیت کا عنصر اپنے دامن میں رکھتا ہے اور کوئی دوسرا نظام اس سلسلے میں اس کی ہمسری و برابری کا بالکل دم نہیں بھر سکتا۔

اس میں امانت و دیانت کا تصور اپنی مثال آپ ہے پیداواری ذرائع اے ودیعت کئے گئے ہیں اور اسی لئے ساری سوسائٹی کا ان پر حق ہوتا ہے یہ مستعدی یعنی استعداد کار کا سبق دیتا ہے معاشرتی سیاسی اور معاشی نظام کی تعمیر نو کرتا ہے۔

۱۸۔ ترقی پسندیت (Progressiveness):

اسلام ترقی پسند دین ہے یہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے کی نہ صرف تلقین کرتا ہے بلکہ یقین کے ساتھ رستہ کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ خلیفہ اے حکیم نے اچھے پیرائے میں اس پر بحث کی ہے:

> ''اسلام میں اخوت' حریت اور مساوات کے تصورات انتہا درجہ ترقی پذیر اور حقیقی ہیں بشرطیکہ انہیں ٹھیک طرح سمجھا جائے اور عمل میں لایا جائے۔ کیا ہم ایسی مملکت یا نسلیت وعلاقائیت وقومیت کی پرستش کریں جو وطنیت کو ایک معبود کی حیثیت دیتی ہے؟ کیا ہم اشتمالیوں (Communists) کی معقولی مادیت (Materialism) کو پوجیں جو زندگی کو پیدائش وتقسیم دولت کی کسوٹی (Criterion) پر پرکھتی ہے۔ ان اقوام میں زندگی مقید مسخ شدہ توڑی مروڑی (Shaken and Broken) ہوئی ہے اور تہ و بالا (Topsy Turvy) ہوگئی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ زندگی کی غرض وغایت کیا ہے؟ انسان خود اپنے آپ سے دوسروں سے اور اپنے گردوپیش سے برسر پیکار اور (بیزار) ہے کیا ہم اس وسیع دارالجانین میں جہاں پرشور و (پرزور) دیوانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(مستانے) بستے ہیں کوئی حیات بخش اکسیر پا سکتے ہیں۔ کیا ہم ایسے حکیموں کے نسخے استعمال کریں جو خود کو تندرست رکھنے کے قابل نہ ہوں۔'' (۵۷)

یقیناً ہمیں اپنی منزل خود تلاش کرنی چاہئے۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہئے دوسروں کی تقلید کرنے سے گوہر مقصود عنقا ہو جائے گا۔ اپنے نظام مصطفےٰ کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اسی صورت میں کامرانی و شادمانی ہمارے قدم چومے گی۔

۱۹۔ امداد باہمی:

امداد باہمی (انسانی معاشرہ کی وحدت) انسانی سوسائٹی ایک اکائی ہے اور اس کے تمام افراد انسانیت کے وحدانی مرکز پر یکساں حیثیت کے مالک ہیں۔ معاشی زندگی میں ان کا کام اسی طرح امداد باہمی کا محتاج ہے۔ جس طرح ایک انسان کے تمام اعضاء الخلق کلھم عیال اللہ (۵۸)

دنیا میں کوئی انسان دوسرے انسان کے تعاون کے بغیر اپنی مکاش کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ روٹی کے ایک لقمہ کے لئے بھی کسان کی چکی کے مالک کی اور ہلوں کے مستری کی ضرورت ہے۔ ایک فرد کے لئے معاشی زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے انسانی سوسائٹی کا مدار امداد باہمی پر ہے اور اسی لئے اسلامی سوسائٹی کو بنیاد کی دیوار اور ایک ایسے جسم واحد سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ایک کی تکلیف سارے معاشرے کی تکلیف ہے۔ (۵۹)

تمام انسان ایک دوسرے کی امداد کے محتاج ہیں۔ امداد باہمی کے بغیر معاشی زندگی کا بروئے کار آنا ناممکن ہے۔

ایسی معاونت کی مثالیں دیگر معاشی نظاموں میں نہیں مل سکیں یہ شرف یہ اسلام کو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں ایک لڑی میں پروئے جانے کا سبق دیتا ہے۔

۲۰۔ ناداری کا قلع قمع کرنا (Eliminating Penury):

غربت کے انسداد کا مسئلہ بھی اسلام کی معاشی پالیسی میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام کے اقتصادی نظام کے مثبت معاشی مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔ اسلام کا سب سے اہم مقصد کفر کا خاتمہ ہے اور چونکہ فقر و فاقہ انسان کو اس کی طرف لے جاتے ہیں اس لئے اسلام ان کو اپنا بنیادی ہدف سمجھتا ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

''ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لئے ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے۔ کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے پانی ہو''۔ (۶۰)

اسلام اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ سب کو حصول رزق کے مواقع دے اور پھر مثبت طور پر ایسی پالیسیاں بنائے جن سی غربت و افلاس ختم ہوں اور انسانوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں لازماً حاصل ہوں۔

اسلام تنگی کو دور کرنے کا طریقہ حصول رزق کی کوشش اور پیداوار بڑھانے کے ذرائع کی طرف رجوع قرار دیتا ہے اور محض غربت' افلاس' معیار زندگی کے گرنے کے خطرے اور قلت وسائل کے واویلے سے انسان کشی اور نسل کشی کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ معاشی مسئلے کا اصل حل معیشت کو فروغ دینا ہے' انسان کی قطع و برید نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل 31)

''اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی ان کو مار ڈالنا بڑی خطا ہے۔''

اسلام آبادی کے حقیقی مسئلے کا حل اضافہ پیداوار کی شکل میں تجویز کرتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

''رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود ہیں۔'' (۶۱)

''عورت کو گھر میں خالی بیٹھے رہنے کی جگہ چرخہ کاتنا اچھی کمائی کا مشغلہ ہے۔'' (۶۲)

''رسول اللہؐ نے مال داروں کو حکم دیا کہ بکریاں پالیں اور غریبوں کو حکم دیا کہ مرغیاں پالیں تا کہ فراخی حاصل کریں۔'' (۶۳)

اس طرح اسلام ہر فرد اور پوری قوم کی توجہ کو معاشی وسائل کی ترقی اور پیداواری امکانات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر مرکوز کرتا ہے۔ وہ ایک طرف معاشرے میں انصاف اور آزادی کو قائم کرتا ہے اور دوسری طرف غربت وافلاس کا خاتمہ کر کے بہتر معاشی زندگی کا قیام ممکن بناتا ہے۔ یہاں بھی اس کا مزاج مغرب کی تمام معاشی تحریکات سے مختلف ہے۔

۲۱۔ سعی کرنا:

گویا ضرورت زندگی خدا کی نعمتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ پھر اسلام نے حصول معاش کے لئے محنت اور جدوجہد کی ترغیب دی ہے اور ہر شخص کو پیداوار کی تکثیر پر آمادہ کیا ہے جسے کئی عنوانات کے ماتحت بیان کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ سستی، کاہلی، بے عملی، بے روزگاری اور گداگری کو ناجائز ٹھہرایا ہے۔ اس سلسلے میں حضورؐ کا ارشاد ہے:

''بیکار بیٹھے رہنا مومن کا کام نہیں نہ یہ اس کے لئے درست ہے کہ رزق کو تلاش نہ کرے اور صرف زبانی دعا مانگتا رہے دعا کے ساتھ عملاً بھی اس کے لئے جدوجہد کرنا لازم ہے کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا۔''

حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

''گداگری عزت وناموس پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ گداگر کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔''

مزید برآں:

''قیامت کے دن گداگری کا داغ چہرے پر لے کر آنے سے بہتر ہے کہ کام کرو۔''

ایک اور حدیث میں اس طرح ہے:

''ایک رسی اور کلہاڑی لے کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا اور معاش کا انتظام کرنا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کیا جائے سائل کو دینا یا نہ دینا لوگوں کے بس میں ہے مگر محنت کرنے والا یقینی طور پر روزی حاصل کر لیتا ہے۔''

۳۔ اس منفی پہلو کے ساتھ ساتھ مثبت طور پر معاشی جدوجہد کی ترغیب یہ کہہ کر دی گئی ہے کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ

''نماز فجر کے بعد رزق کی تلاش کیا کرو۔ غفلت کی نیند مت سوؤ۔''

حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''دنیا کی شرافت مالداری اور سخاوت ہے اور آخرت کی شرافت تقوی و پرہیز گاری۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

[نعم المال الصالح للرجل الصالح]

''نیک آدمی کے لئے اچھا مال کیا ہی اچھی چیز ہے۔''

قرآن مقدس میں ہے:

﴿وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (القصص:77)

''دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کرو۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کا اس دنیا میں حصہ لگا دیا ہے جسے حاصل کرنا اس کے ذمہ لازم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی صورت محنت اور جدوجہد کے سوا اور کچھ نہیں۔ نیز ایک اور حدیث کے مطابق:

[كسب الحلال فريضة بعدالفريضة]

''رزق حلال کی تلاش اور کمائی کرنا عبادت الٰہی کے بعد فرض ہے۔''

معاشی جدوجہد کی اسلام کی نگاہ میں جو قدر ہے اس پر ایک حدیث سے روشنی پڑتی ہے کہ حضورؐ کے پاس ایک شخص سوال کرنے آیا آپ نے اس کو رزق حلال کی تلاش کی ترغیب دی اور پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے بھی؟ اس نے کہا کہ ہاں لکڑی کا پیالہ اور ایک چادر ہے حضورؐ نے یہ دو چیزیں فوراً نیلام کر کے بازار سے کلہاڑی اور لکڑی منگوائی اور اپنے دست اقدس سے کلہاڑی میں دستہ لگا کر اس کے حوالہ کیا۔ پھر اسے جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹنے کا حکم دیا۔ کچھ دن کے بعد وہ شخص آیا تو اس کے چہرے پر رونق تھی اور خوشحال ہو چکا تھا۔

ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا ہے:

''صنعت وحرفت کے ذریعہ سے روزی کمانا انسان پر فرض ہے۔''

ایک اور ارشاد یوں ہے:

''روزی کمانے کی جدوجہد میں متفکر رہنا گناہوں کا کفارہ ہے۔''

اسی طرح کہا گیا ہے کہ:

''جو شخص سوال سے بچنے اور اہل وعیال کی روزی حاصل کرنے کے لئے جائز طریقے سے دنیا کماتا ہے اور ہمسائے کی مدد کرتا ہے قیامت کو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند روشن ہوگا۔''

۲۲۔ صدقات وخیرات:

آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ سے خیرات وصدقات کی وضاحت اور فضیلت پر روشنی پڑتی ہے اگرچہ ادائیگی زکوٰۃ کے بعد مسلمان کا مال پاک ہو جاتا ہے۔ تاہم بار بار خیرات کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک آتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آپ ﷺ نے فرمایا وہ پختہ مسلمان نہیں جس کے ہمسائے رات کو بھوکے سو جائیں۔ کس قدر غرباء و مساکین کی کفالت اور اعانت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن مقدس میں آتا ہے۔

''وہ پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپ بتا دیں جو تمہاری ضرورت سے پس اندازہ ہو جائے۔''

یعنی وہ سب کا سب اللہ کی مخلوق کی خبر گیری اور روزی کی خاطر صرف کیا جا سکتا ہے۔ کیا کوئی دوسرا دنیا کا معاشی یا مذہبی نظام ایسی واضح مبین اور روشن حقیقت کا اظہار کر سکتا ہے۔ یقیناً اس کا دامن ایسی اشکلہ پیش کرنے سے قاصر رہے گا۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو بخشا گیا ہے۔ کیونکہ رب غفار اس کا خالق و مالک ہے اور وہ اسے دوسرے تمام نظاموں سے ممیز دیکھنے کا آرزومند ہے۔

برٹرینڈ رسل جو کسی زمانے میں سوشلزم کا بڑا حامی تھا۔ اس کے ناقدین میں شمار ہونے لگا اور اس نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔

سوشلزم دراصل نفرت' حقارت' عداوت اور حد پر مبنی ایک منافقانہ نظام ہے۔ مارکس نے انسان کے جذبات کو ابھار کر ایک نہایت جاندار طاقتور پر اثر تحریک بنا دیا لیکن یہ تخریبی یا منفی عمل انسانی معاشرے کے لئے کوئی مثبت نتائج برآمد نہ کر سکا۔ مزید کہتا ہے کہ اس نے ان جذبات کو منظم کر کے ایک نظریہ کی شکل دی۔ یہ لازم نہیں کہ یہ محسوسات صرف معاشی قوتوں کے باعث پیدا ہوتے ہوں۔

نیز نقاد مزید کہتے ہیں کہ طبقاتی تقسیم نہایت مبہم اور غیر واضح اصطلاح ہے اور مارکس جو طبقات کی تقسیم کرتا ہے وہ کوئی مستقل اور پائدار قوت نہیں انسانی معاشرے کو مشینوں کے انداز میں بے جان مادوں کی صورت میں تقسیم کرنا کس طرح درست ہے؟ مارکس کے نزدیک دو طبقوں (پرولتاریہ بورژوا) کے ساتھ تیسرا ای خطر طبقہ منظم اور مضبوط حکومت کا بھی پیدا ہو چکا ہے جو کسی کو حرکت کرنے کی مہلت تک نہیں دیتا۔ اشتراکیت اور اشتمالیت کی ہم اسے مذہب اخلاق و اطوار کے خلاف سمجھ کر مخالفت نہیں کرتے بلکہ خالص اقتصادی معاشرتی اور تاریخی نقطہ نظر سے بھی وہ اصول غلط ہیں جن پر ان کی عمارات کی ساری تعمیر اٹھائی گئی ہے۔ اسی طرح سرمایہ داری کے اصول بھی فطرتی میلانات کی صحیح عکاسی نہیں کرتے اور یہی سبب ہے کہ وہ ناکام ہو چکا ہے۔

غیر اسلامی تمام نظام نامکمل اور ناقص ہیں یہ انسانی نارسا ذہن کی پیداوار ہے۔ افرنگی عیاری اور قلابازی کا مظہر ہیں غیر فطری واقعات کی جولانگاہ ہے مصنوعی خیالات کی تخلیق ہے۔ لہٰذا یہ ہمارے دکھوں کا مداوا نہیں ہمارے عوارض کا درماں نہیں۔ ہمارے قومی و مسائل کے مطابق مسائل کا حل نہیں بلکہ یہ کسی بہتر مکمل مضبوط اور احسن نظام کے متلاشی ہیں۔ اشتراکیت زندگی کے ہر پہلو کا بنظر غائر مطالعہ نہیں کرتی۔ اگر کسی ازم (Ism) سے دلچسپی ہے تو اسلامزم کہہ لیں یا اشتراکیت اور اشتمالیت کے وزن پر اسلامیت کا نام رکھ لیں۔

اگر آپ نئی نسل میں پہاڑوں کی سنگینی بہار جیسی رنگینی طوفانوں کے سوز و تلاطم آندھیوں کی بلاخیزی' بادصبا کی شوخی بجلی کے زور' آبشاروں کے شور' اشجار کی رفعت' آفتاب جیسی تمازت ماہتاب جیسی چمک اور ستاروں کی مانند دمک پیدا کرنے کے متمنی ہیں تو اسلامی نظام ہی اپنانا پڑے گا ورنہ اشتراکیت جیسی خباثت' سرمایہ داریت جیسی حماقت اور اشتمالیت جیسی ظلمت سے ہی پالا پڑا رہے گا اور یہ نئی پود تن آسانی سہل انگاری اور عیش کوشی ہی میں پروان چڑھے گی۔ قومی سفینہ ساحل مراد سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا اور گوہر مقصود عنقا ہو جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلام معاشرتی و مذہبی زندگی کی حقیقی لذتوں سے لبریز کرتا ہے۔ اصلی راحتوں اور مسرتوں سے سرفراز کرتا ہے۔ ملکی استحکام وسلامتی کا ضامن اور قومی اتحاد و یک جہتی کا پاسبان ہے خوش حالی و شادابی اور طمانیت و رفاہیت کی دولت لازوال سے مالا مال کرتا ہے۔ سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز کرتا ہے۔ تمام دشواریوں مصائب و آلام کا مفید علاج تجویز کرتا ہے۔

اسلام صاحب جلال اور کاشف احوال بناتا ہے۔ حقیقت پسندانہ افکار آبرومندانہ نظریات کا بہتر سبق سکھاتا ہے۔ عرفان و پہچان' معرفت کا شیدائی اور تحقیق و جستجو کا اشتیاق اجاگر کرتا ہے۔ وقتی ضروریات اور ملی تقاضوں سے ہم آہنگی کا درس دیتا ہے۔ کیونکہ یہ خدائی نظام ہے نام نہاد جمہوریت اس کی دست بستہ کنیز ہے۔ اس لئے ہمیں شمس فلک سے منہ موڑ کر چراغ فرش پر نظر نہیں رکھنی چاہئے۔ کمیونزم کے آنچل میں پناہ ڈھونڈنے والو! اسلام کے دامن عریض میں عافیت حاصل کرو سوشلزم کے ظلمت کدہ میں بھٹکنے والو! اسلامی نظام کے آفتاب جہاں تاب سے صوفشانی حاصل کرو سرمایہ داری کے سہارے جینے والو! اسلام کے سایہ عاطفت میں نشیمن بناؤ۔ مصنوعی مساوات کے لبادہ میں غریبوں' مسکینوں' یتیموں کا خون چوسنے والو! اسلام کے چشمہ فیض رساں سے آتش تشنگی بجھاؤ اسی کے طفیل تمہاری دنیا سدھرے گی اور اسی کے وسیلے تمہاری عاقبت سنورے گی۔ (۶۸)

"Islamic system has unique and deep traits of radicalization, co-operation, reformation, democratization, realization and greater sense of codification, co-ordination among different classes of society. It fully guarautees for stability, seclurity, liberty, fraternity, equality, tranquillity and adjust ability to ever changing cicumstances by synthesizing between theoraticalism and practicalism thereof."

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حوالہ جات

1. Allan G. Grochy------ Comparative Economic Systems.
2. W. N. Loucks------ Comparative Economic Systems.
3. Stern Berg------ Capitalism and Socialism on Trial.
4. The New Caxton Encyclopaedia London v-4
5. The New Caxton Ecncyclopadia
6. J.A. Schumpeter
7. Dictionary of Social Science
8. Encyclopaedia Americano
9. Willian N. Loucks and William G. Whitney

۱۰۔ جارج سول..... معاشیات

11. William N. Loucks I W.G. Whiteny
12. Encyclopaedia Britanica
13. Henry Smith
14. Willian Graham Summer

۱۵۔ بحوالہ چراغ راہ سوشلزم نمبر Joad C.E.M. Modern Political theory of Oxford

۱۶۔ بحوالہ چراغ راہ سوشلزم نمبر Shad Well.A.Quarterly Review laden July 1924 p-2

۱۷۔ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز ج14

18. Encyclopaedia Britannica
19. Lenin Selected Works vol.1

۲۰۔ لینن بحوالہ مارکس در مملکت وانقلاب

۲۱۔ حاشیہ اشتراکیت واسلام..... مسعود عالم

۲۲۔ دی روڈ ٹو مکہ

۲۳۔ مارکس سوشلزم

۲۴۔ الاسلام مصنف لینن

۲۵۔ اشتراکیت واخلاق

۲۶۔ انجلز 15

۲۷۔ حاشیہ اشتراکیت اور اسلام..... مسعود عالم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۸۔ مارکس سوشلزم
۲۹۔ بحوالہ سابق
۳۰۔ کمیونسٹ مینوفیسٹو کی تشریح دفعہ 55 از ریزنیوف
۳۱۔ لینن
۳۲۔ طنطاوی.....تفسیر الجواہر
۳۳۔ دائس آف اسلام کراچی
۳۴۔ میرا اسلام مطبوعہ سینٹ پیٹرز میگ
۳۵۔ الاسلام.....لینن
۳۶۔ بحوالہ روزنامہ انجام 5 دسمبر 1951ء
۳۷۔ نیا طبقہ.....ملاون جیلاس
۳۸۔ ایضاً
۳۹۔ انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام
۴۰۔ روداد سفر مشرقی یورپ میں چند دن.....رانا نذر الرحمٰن
۴۱۔ نیا طبقہ
۴۲۔ مارکس
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ لینن
۴۵۔ روس اشتراکی راج میں.....ڈاکٹر بیلے
۴۶۔ نیا طبقہ
۴۷۔ نوائے وقت 3 دسمبر 1955ء
۴۸۔ رسالہ فریڈم فرسٹ مندرجہ پاسبان کوئٹہ 20 دسمبر 1951ء
۴۹۔ مارکسزم نمبر 100
۵۰۔ دیکھو سرکاری رپورٹیں روس اور چین کی مندرجہ سوشلزم نمبر
۵۱۔ بحوالہ لیا یوٹانگ ص 21، ص 22
۵۲۔ دیکھئے حوالہ کے لئے کتاب سرمایہ دار اور اشتراکیت
۵۳۔ دیکھئے رپورٹ مندرجہ انجام 5 دسمبر 1951ء
۵۴۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم..... اسلام کا نظریہ حیات
۵۵۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی.....خلافت و ملوکیت
۵۶۔ پروفیسر خورشید احمد..... اسلامی نظریہ حیات
۵۷۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم..... اسلام کا نظریہ حیات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۸۔ الذریعہ ف2 ب1 الوطن ایضاً ان الناس یحاج بعضھم الی بعض ولا تمکن التعائش مالم یناظھر) تمام انسانوں اللہ کا کنبہ ہے۔(حدیث)

۵۹۔ از امام راغب..... والذریعہ

۶۰۔ ترمذی

۶۱۔ کنوز الحقائق

۶۲۔ کنوز الحقائق

۶۳۔ ابن ماجہ

۶۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد..... ترجمان القرآن

۶۵۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن..... اسلام کا اقتصادی نظام

۶۶۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم..... اسلام کا نظریہ حیات

۶۷۔ پروفیسر خورشید احمد..... اسلامی نظریہ حیات

۶۸۔ اسلامی معیشت.....مہر محمد نواز خان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب:

اسلامی نظام معیشت کے اساسی تصورات

اسلام کا معاشی نظام (Islamic Economic System):

اسلام کامل دین ہے جو زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہے کیونکہ اس میں انفرادی اور اجتماعی سب مسائل پر بحث کی جاتی ہے اس کی تعلیمات سے کوئی گوشتہ بھی خالی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی پہلو خالی چھوڑا گیا ہے۔

جہاں تک اس کے اقتصادی نظام کا تعلق ہے یہ اسلام کے پورے نظام کا ایک حصہ ہے۔ اس نے معیشت کے سلسلے میں جو ابدی تعلیمات دی ہیں ان کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

بنیادی اصول یا خصوصیات (Basic Principles or Characteristics):

ان کو اہم خدوخال یا اوصاف یا صفات یا خوبیوں کا نام بھی دیتے ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں اور یہی بڑے مقاصد (Main Aims) بھی کہلاتے ہیں۔

۱۔ عظمت محنت (Dignity of Labour):

علم معاشیات میں محنت اہم اور کلیدی عامل پیدائش گنا جاتا ہے اور اس کے بغیر پیداواری عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اسلام میں اس کی عظمت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ کوئی پیشہ حقیر اور گھٹیا نہیں سمجھا جاتا سوائے ان کے جنہیں اسلام میں منع کیا گیا ہے۔ چاہے تھوڑی ہی کیوں نہ ہو اس کی بڑی اہمیت ہے۔

آنحضرت ؐ کا فرمان ہے کہ محنت کش اللہ کا دوست ہے۔ آپ ؐ اور دوسرے انبیاء بھی کوئی نہ کوئی کام کرتے تھے۔ مزدور کو اس کی پوری اجرت بھی دی جائے حق تلفی نہ ہونے پائے۔ وگرنہ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور کئی طبقوں کے مابین لڑائی جھگڑا اور فساد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ نیز سوسائٹی کو توازن سے ہم کنار کر کے فلاح کا عظیم مقصد حاصل کیا جاسکے۔ حتی کہ صحت مند معاشرہ قائم کرنے کے لئے معاشی ترقی کے لئے عملی تدبیریں اختیار کی جائیں الغرض مقاصد کے پیکج (Package) سے ہی قانونی حدود تیار کی جاسکتی ہیں اور یوں معاشرہ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے میں آگے رواں دواں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عمر چھاپرا کے مطابق:

''سارے لوگوں کی فلاح و بہتری عالمی برادری' عدل و انصاف تعلیم دولت میں ہمواری لانا۔ سماجی بھلائی' مساوات' احسان و معاونت اور تقویٰ کا فروغ دینا شامل ہے۔''

۲۔ پیدائش و صرف دولت (Production and Consumption):

معاشی ادب میں پیداوار اور صرف دولت کے تصورات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے کیونکہ پیدائش کے عمل سے ہی اشیاء خدمات تیار کی جاتی ہیں اگر یہ رک جائیں تو ان کی ترسیل اور تقسیم بند ہو جاتی ہے۔ جس سے معاشرے کو بے سروسامانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلام میں آجر' تاجر اور پیدا کنندگان کے علاوہ صنعت کار اور زمیندار کے لئے ایک لائحہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل تیار کیا گیا ہے جس میں بددیانتی دھوکہ دہی فریب کاری اور ظلم وغیرہ سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ناجائز فائدہ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ دیانت دار تاجر قیامت کے دن نیک لوگوں میں سے اٹھایا جائے گا۔ اگر وہ ممنوع اشیاء کی تجارت نہیں کرتا اپنے مال کے نقائص نہیں چھپاتا حسن معاملگی سے پیش آتا ہے تو یہ اس کی نیکی ہے۔ اسی طرح مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی اجرت دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ جہاں تک صرف دولت کا تعلق ہے اس کیلئے یہ تاکید کی گئی ہے کہ میانہ روی اختیار کی جائے فضول خرچی سے پرہیز کیا جائے جیسا کہ سورۃ فرقان 67 میں کیا گیا ہے:

''خرچ کرتے وقت حد سے نہ گزرو اللہ تعالیٰ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

عیش وعشرت اور دوسرے ناجائز کاموں پر پانی کی طرح روپیہ بہانا گناہ ہے۔ اسی طرح جائز ضروریات پر روپیہ نہ لگانا بھی اچھا نہیں خرچ کے بارے میں سورۃ توبہ 34 میں یوں حکم آیا ہے:

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے انہیں دردناک سزا کی خبر سنا دیں۔''

۳۔ حقوق ملکیت (Ownership Rights):

اسلام میں حقوق ملکیت کے سلسلے میں جو سبق ملتا ہے اس کے مطابق ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے البتہ اس نے مختلف اشیاء امانت کے طور پر انسان کے سپرد کی ہیں۔ جنہیں چند ضوابط کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے کہ زمین وآسمان پر جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ہے حاکمیت اعلیٰ بھی اسی کے پاس ہے وہ خالق اور مالک ہے اگرچہ اسلام میں ذاتی جائیداد قائم کرنے اور اس کے تصرف پر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک طبقہ ذاتی ملکیت کی نفی کرتا ہے اور دوسرا طبقہ چند حدود اور قیود کے ساتھ اسے تسلیم کرتا ہے۔ تاہم جائیداد جائز اور اچھے طریقوں سے بنانے کی اجازت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں رزق کے وسائل کی تخلیق وتخصیص اور تلاش کی اجازت دی گئی ہے۔ نیز انسان کو معاشی سرگرمیوں کی طاقت بخشی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت ڈھونڈنے میں تاکید کی گئی ہے۔ اسی معاشی کاوش کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں کروڑوں اشیاء تیار ہو رہی ہیں۔ خدمات سرانجام دی جا رہی ہیں۔ نئی تحقیقات اور ایجادات منظر عام پر آ رہی ہیں۔ تخلیقات اور فنی اختراعات کا سلسلہ زور شور سے جاری ہے۔ سورۃ جمعہ میں ارشاد ہے:

''نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد رزق کی تلاش میں پھیل جاؤ۔''

یہی سبب ہے کہ اب زمین آباد ہو رہی ہے۔ کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ باغات خوش نما نظارے پیش کر رہے ہیں۔ پہاڑوں کو کھود کر سڑکیں بنائی جا رہی ہیں۔ کانوں سے دھاتیں نکالی جا رہی ہیں اور آبی وسائل سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

۴۔ حلال وحرام میں فرق:

قرآن وحدیث میں حلت وحرمت میں واضح طور پر تفاوت کو بیان کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ کمائی حلال طریقوں سے ہونی چاہئے حلال اشیاء ہی استعمال کی جانی چاہئیں۔ حرام طریقوں سے پرہیز کیا جائے ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ اشیاء استعمال نہ کی جائیں۔ لہٰذا ناجائز قسم کے کاروبار شراب، افیون، بھنگ، رشوت ستانی، بددیانتی، چوری، ذخیرہ اندوزی، خیانت، جوا گ اور دھوکہ دہی سے حاصل کیا ہوا مال ناجائز کہلاتا ہے اسی طرح ناپ تول میں کمی بیشی کرنا، گانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بجائے فحبہ گری، بت گری، قال گیری اور اسی طرح اور بہت سے پیشے جن سے کمائی حاصل ہوتی ہے وہ ناجائز گنی جاتی ہے یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ کمائی کے طریقے بھی صاف ستھرے اور پاکیزہ ہونے چاہئیں جن میں برائی کا ورا سا بھی شائبہ پایا جاتا ہو۔ ایسے کاموں سے منع کیا گیا ہے اسی طرح یتیم اور کسی دوسرے کا زبردستی حال ہتھیا لینا خود غرضی اور لوٹ کھسوٹ سے دولت کمانا ناجائز ہے۔ حتیٰ کہ اسلام نے حلال وحرام میں تمیز روا رکھنے کے لئے جانوروں پرندوں چرندوں وغیرہ کی بھی تفصیلات بنائی ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ''اور تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے نہ کھاؤ۔'' (البقرہ 183)

۲۔ ''اے ایماندارو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ لین دین ایک دوسرے کی رضامندی سے ہونا چاہئے۔'' (النساء 29)

۳۔ ''اے مومنوں شراب جواء اور یہ آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی فعل ہیں ان سے پرہیز کرو امید ہے تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔'' (المائدہ 90)

۴۔ ''لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم تول کر نہ دیا کرو۔'' (العراف 85)

۵۔ ''پیمانے سے دو تو بھر کر دو اور تولنا ہو تو ٹھیک ترازوں سے تولو۔'' (بنی اسرائیل 35)

اسی طرح حلال اور پاک اشیاء کے بارے میں یوں ہدایات دی گئی ہیں۔

۶۔ ''اے لوگوں جو کچھ زمین میں موجود ہے اس میں سے حلال وطیب کھاؤ شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (البقرہ 168)

۷۔ ''اور (رسول کریمؐ) تمہارے لئے پاک اشیاء حلال رکھتے ہیں اور خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں۔''

۸۔ ''پس خداوند تعالیٰ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تمہیں بخشا ہے اس میں سے کھاؤ۔''

۵۔ بندش سود (Stoppage of Interest):

اسلامی نظم معیشت میں سودی کاروبار کرنے سود کی کمائی کھانے سے کلیتاً منع کیا گیا ہے۔ بلکہ سودی لین دین قطعاً برا ہے جب کہ سرمایہ دارانہ نظام میں اس کو بہت سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اس کے بغیر کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ اگرچہ دنیا کی بہت سی اقوام اور ممالک سود کی خرابیوں اور برائیوں سے اس قدر نالاں ہیں کہ وہ اسے قابل نفرت سمجھتے ہیں مگر اس کے باوجود اس لعنت سے چھٹکارا حاصل نہیں کرتے کیونکہ نظام سرمایہ داریت میں اس کو اس کی جان سمجھا جاتا ہے۔ مارکیٹ میں ظاہری طور پر برا سمجھا گیا ہے مگر عملی طور پر ان ممالک میں بھی سود پر بندش نہیں ہے۔

سودی خاتمہ کے لئے اسلام کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ معیشت سے اس کے اخراج کی چند اسلامی ممالک میں کچھ کوششیں کی گئی ہیں اگرچہ وہ کامیاب نہیں ہوسکیں تاہم مسلم معیشت دان اس کے انسداد کے لئے غور وفکر کر رہے ہیں۔ اب چند آیات سود کی حرمت کے متعلق درج کی جاتی ہیں:

۱۔ ''اللہ تعالیٰ نے نفع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔'' (البقرہ 275)

۲۔ ''اے لوگو! تمہارے ایک دوسرے کے ذمہ جو سود ہے اسے ختم کر دو اور اسی طرح دوگنا چوگنا سے آپ جو سمجھتے ہیں کم مال بڑھتا ہے۔'' اصل یہ گھاٹے کا سودا ہے۔ (آل عمران 130)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ ''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ جو کوئی سودی مطالبات باقی رہ گئے ہیں اگر تم مومن ہو تو انہیں چھوڑ دو اگر ایسا نہیں کرتے تو تمہیں خداوند تعالیٰ اور نبی کریم سے جنگ کی تنبیہ کی جاتی ہے اگر تم تحریر کرو تو راس الحال تمہارے ہیں نہ تم زیادتی کرو تا کہ تمہارے ساتھ بھی زیادتی نہ کی جائے۔''

سود کے معاشی سیاسی معاشرتی اخلاقی اور بہت سے دوسرے نقصانات ہیں جو معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ لیتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان ممالک کو غیر سودی بنکاری قائم کرنے پر توجہ دینی چاہئے۔

۶۔ درجات میں فرق (Defference in Grades):

معاشرے کے مختلف افراد کئی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان میں قطعی مساوات نہیں پائی جاتی اور ویسے بھی مختلف انسان میں فطری طور پر عدم مساوات پائی جاتی ہے۔ رنگت صحت صلاحیت ذہانت میرٹ محنت وغیرہ میں فرق پایا جاتا ہے اس سے ان سب کی کمائی نہ تو یکساں ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان میں برابری پائی جاتی ہے۔ بلکہ قرآنی آیات سے بھی حسب مراتب اور مختلف درجوں کا فرق واضح ملتا ہے جیسا کہ:

اول: ''یہ تمنا نہ رکھو اس فضیلت کی جو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے کسی ایک دوسرے پر عطا کی ہو اگر اس میں کسی کو دوسرے سے کچھ زیادہ دیا گیا ہے جو اس کی خواہش۔'' (النساء 32)

دوم: ''تمہارا خدا جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا تنگ کر دیتا ہے وہ بندوں کے حال سے واقف ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔'' (بنی اسرائیل 30)

سوئم: ''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اس کے قبضہ میں ہیں جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔''

۷۔ ارتکاز دولت کی ممانعت:

سرمایہ دارانہ نظام میں مال و دولت جمع کرنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی چاہے کوئی ڈھیروں دولت سمیٹ لے اگرچہ اشتراکی نظام میں دولت کا چند ہاتھوں میں مرتکز ہونا پر اسمجھا جاتا ہے مگر وہاں بھی کافی فرق پایا جاتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس فعل کی سخت حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور مال جمع کرنے سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے سب سے سنگین مسائل جنم لیتے ہیں اور دولت کی گردش رک جاتی ہے معاشی توازن بگڑ جاتا ہے۔ بہت سی اخلاقی بیماریاں سر اٹھاتی ہیں جرائم کو تقویت پہنچتی ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہونے لگتا ہے اور یہ فرق طبقاتی تناؤ کا سبب بنتا ہے اس سلسلے میں قرآن کی معاشی تعلیمات کچھ یوں ہیں:

۱۔ ''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دو۔'' (التوبہ)

۲۔ ''تا کہ وہ (دولت) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی ہے۔'' (الحشر: 7)

۳۔ ''اگر دولت معاشرے کے تمام طبقوں میں تقسیم ہوتی رہے تو اس سے معیشت کو استحکام ملتا ہے۔''

۴۔ ''سود' چوری' ڈاکہ زنی کی ممانعت' اجارہ داری' عیاشی' فضول خرچی پر پابندی' زکوٰۃ صدقات و کفالت کی تاکید ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ محتاجوں کی بھلائی:

اسلام کے معاشی نظام میں سوسائٹی کے سب طبقوں کا خیال جاتا ہے جو مال دار ہیں انہیں دولت جائز طریقوں پر خرچ نے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ جب کہ ناداروں محتاجوں بے کسوں بے روزگاروں اور ضرورت مندوں کی حاجت برآری پر توجہ دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں بیت المال کا شعبہ قائم کیا جاتا ہے۔ ایسا انتظام صرف اسلامی معاشرے میں کیا جاتا ہے اگر چہ دوسرے نظاموں میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں مگر وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ ادارہ سرپرستی میں ہوتا ہے بچوں کو وظائف ملتے ہیں۔ بیواؤں کی مالی مدد کی جاتی ہے وغیرہ۔

۹۔ حکومت کا کردار:

اسلام کے معاشی نظام میں فرد کو مناسب حدود کے اندر رہتے ہوئے کام کرنے اپنی اہمیت بڑھانے آمدنی حاصل کرنے خرچ کرنے اور دوسری معاشی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت ہے مگر حکومت کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے کیونکہ وہ نگران اعلیٰ ہوتی ہے۔ معاشی نظام کو صحت مند خطوں پر چلانا دولت کی بدصفانہ تقسیم کرنا وسائل کی تخصیص درآمدی برآمدی تجارت معاشی منصوبہ بندی سماجی انصاف کرنا اس کے اہم فرائض میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ باشندوں کی جان آبرو مال کی محافظت کرنا اندرون و بیرون ملک امن و امان قائم کرنا سرمایہ کاری کو پھیلانا غربت کو دور کرنا اور معاشرے کو اقتصادی ترقی سے ہم کنار کرنا اس کی ذمہ داری ہے اس کے علاوہ سب قسم کی برائیوں اور جرائم کی روک تھام بھی اس کا فریضہ ہے گویا مالیاتی زریاتی حکمت عملی سے لے کر تعلیمی ثقافتی فنی اور عالمی امور نپٹانا وغیرہ بھی اس کے سپرد ہے لہٰذا وہ تمام شعبوں میں ہم آہنگی اور ربط قائم کرنے کی بھی ضامن ہوتی ہے کیونکہ مختلف قسم کے احتساب کرنا بھی اس کا کام ہے اور وہ بنیادی ضروریات پورا کرنے کا اہتمام بھی کرتی ہے۔

۱۰۔ مہنگائی پر کنٹرول:

دو حاضر میں اکثر ممالک گرانی کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ جس سے صارفین کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کوئی بھی معاشی نظام اس کا تدارک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا حتیٰ کہ بعض اوقات منڈی سے اشیاء غائب ہو جاتی ہیں۔ اسلام میں اس کی روک تھام کے لئے چند ہدایات اس طرح دی ہیں۔

۱۔ ''حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آ کر یہ کہا'' کہ اے رسول خدا اشیاء کے نرخ مقرر کر دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں دعا کروں گا کہ بھاؤ ارزاں ہو جائیں پھر ایک اور شخص آیا تو اس نے یہ کہا آپؐ نے دوبارہ یہ کہا کہ اللہ ہی نرخ چڑھاتا اور گراتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حالت میں حاضر ہوں کہ میرے اوپر کسی کے اوپر ظلم کرنے کا بار نہ ہو۔''(۱)

۲۔ ''حضرت معاذؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت نے فرمایا غلہ کو روکنا برا ہے اگر خداوند تعالیٰ اسے سستا کر دے تو کوئی شخص سنجیدہ ہوتا ہے اور گراں ہونے سے کوئی شخص رنجیدہ ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف حضرت انسؓ کے حوالے سے روایت نقل کرتے ہیں۔'' فرمایا اللہ تعالیٰ نرخ مقرر کرنے والا ہے اور میں ایسا نہیں چاہتا تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ لینے والا ہو جو جان یا مال کے سلسلے میں ہو۔''(۲)

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حکومت مہنگائی کو کنٹرول کرنا چاہے تو طلب اور رسد کی طاقتوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے رکھے تا کہ اشیاء کی قیمتیں بلند نہ ہونے پائیں تاہم ضرورت کے تحت مفاد عامہ کی خاطر مناسب اقدامات اٹھائے جاسکتے ہیں۔

۱۱۔ تقسیم دولت کے ہتھیار (Instruments of Wealth Distribution):

موجودہ زمانے کے سنگین اور شدید مسائل میں منصفانہ تقسیم دولت کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ معیشت دان اسے حل کرنے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے۔ اگر چہ میں دولت کی منصفانہ تقسیم کی کوشش کی جاتی ہے مگر اس نظام کے تحت بھی یہ مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہو پایا سرمایہ دارانہ نظام تو اسے حل کرنا ہی نہیں چاہتا البتہ اسلام نظام معیشت میں مختلف ذرائع کو چند ہاتھوں میں مجتمع خاکہ دیا جاتا ہے۔

1۔ قانون وراثت (Law of Inheritance):

قرآن مجید کی سورۃ نساء میں جائیداد کو وارثوں میں تقسیم کرنے کے لئے مفصل اُصول بیان کئے گئے ہیں جن کا مقصد زرعی اراضی کارخانوں ملوں سرمایہ اور دوسرے وسائل کو مرنے والوں کے وارثوں میں تقسیم کرنے کے لئے کہا گیا ہے تا کہ دولت فقط چند افراد میں مرتکز نہ رہے۔ آیات 7 تا 12 ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

2۔ خیرات اور صدقات کا حکم:

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

''اے رسول تم ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کرو۔'' (التوبہ:103)

''نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا صلہ ملے گا اور ہرگز زیادتی نہ ہوگی۔'' (البقرہ:272)

''اور جن لوگوں نے ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کھلے اور چھپے ہوئے طریقے سے خرچ کیا وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں ہرگز گھاٹا نہیں۔'' (الفاطر:30-29)

''اور ان کے مالوں میں سوالی اور حاجت مندوں کا حق بھی ہے۔'' (الذاریات:19)

3۔ العفو:

اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زیادہ مال کو خرچ کرنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ ''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو فرمادیں کہ جو اپنی ضروریات سے بچ رہے یا فاضل مال ہو۔'' (البقرہ:219)

4۔ وصیت (Legacy):

جائیداد کو تقسیم کرنے کی ایک صورت یہ بھی بتلائی گئی کہ کوئی شخص جس کو مناسب سمجھے اپنے مال یا جائیداد میں سے ایک تہائی حصہ اسے دینے کی اجازت ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ''تم میں سے کسی کو موت آجائے تو وصیت کے وقت گواہ کرلو جو دو معتبر اشخاص ہوں۔''

5۔ قرض کی ترغیب (Incentive for Debit):

اسلام میں غرباء اور دوسرے ضرورت مند افراد کو قرض دینے کی رغبت دلائی گئی ہے جیسا کہ قرآن میں یوں آتا ہے۔ اگر مقروض تنگ دست ہو تو گنجائش تک اسے مہلت دو اگر قرض معاف کر دیں تو بہتر ہے۔'' اسی طرح جب تم آپس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں معاملہ کرو یعنی ادھار کا ایک مقررہ مدت تک لکھ لیا کرو اور کوئی منصف مزاج ہی لکھا کرے۔'' (البقرہ:82-80)

اس کے علاوہ عیدین کے موقع پر فطرانہ یا کسی کو نظرانہ دینا یا کسی اور طریقہ سے مالی امداد کرنا اس لئے بہتر ہے کہ دولت گردش کرتی رہے اور یکجا جمع نہ ہونے پائے۔

۱۲۔ ادارۂ زکوٰۃ:

اسلام کے نظام مالیات میں زکوٰۃ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ دین کا ایک اہم رکن ہے اس کے معنی پاکیزگی اور بڑھنے کے ہیں قرآن وحدیث میں اس کی فرضیت کے بارے میں کافی کچھ مواد ملتا ہے۔ جیسا کہ

۱۔ ''نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' (البقرہ:43)

۲۔ ''نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کشی کا دو بھروتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

۳۔ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے صالح اعمال کئے نماز قائم کی زکوٰۃ دی ان کے لئے آپ کے پاس اجر ہوگا۔'' (البقرہ:277)

۴۔ ''بس اگر یہ لوگ توبہ کر لیں نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں تو اب وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے۔'' (التوبہ)

۱۳۔ حقوق کی پاسداری:

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور معاشرتی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ سماجی فلاح کی ایک اسکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں اس کی ریاست ولی ہے ناداروں اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔

السلطان ولی من لا ولی له

حکومت ہر اس شخص کی ولی (دست گیر و مددگار) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ (۳)

ایک اور حدیث میں ہے:

من ترک کلا فالینا (۴)

یعنی جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض یا بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمے ہے۔

ایک خلیفہ راشد نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کے لئے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔''

اور یہ کہا:

''خدا کی قسم اگر اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لئے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امر کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حضرت علیؓ نے اس بات کو اس طرح ادا بیان کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے سوال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غربا کے لئے کافی ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ ان امرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔''

۱۴۔ اخلاقی اقدار (Moral Values):

اسلام کے معاشی نظام اور انفرادی اور اجتماعی اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ اجاگر کرنے کے لئے بھی کئی اصولی ہدایات دی گئی ہیں جن کا براہ راست یا بالواسطہ معاشیات سے تعلق ہوتا ہے۔ اس کا مختصراً ذکر ان عنوانات کے تحت کیا جاتا ہے:

الف: اخوت (Brotherhood):

تمام مسلمان بھائی چارے کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی ایک مصیبت میں گرفتار ہو تو دوسروں کو اس کی مدد کرنا چاہئے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ''یعنی مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات درست بناؤ اللہ کا خوف کرو امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اسی طرح غریبوں اور حاجت مندوں سے ہمدردی کرنا یعنی چاہے اپنے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑیں مگر دوسرے کو ضرور کھلایا جائے گا اس کو مواخات کہتے ہیں جیسا کہ سورۃ حشر میں آیا ہے۔ ''وہ (صحابہ) دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود ضرورت سے ہوں۔ اخلاقی ترغیب طاقت محرکہ ہے۔

ب: مساوات:

پیدائشی طور پر سب انسان آپس میں برابر ہیں کیونکہ وہ ایک ہی نفس سے پیدا کئے گئے ہیں اگر وہ مساوات کو برابری کے معنوں میں لیتے ہیں تاہم معاشی لحاظ سے تمام انسان ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہو سکتے کیونکہ انسانوں کی صلاحیت' مہارت' اہمیت' سیرت اور صورت ایک جیسی نہیں ہوتی اس لئے رزق اور دولت میں یکسانیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ البتہ وسائل معیشت میں تقسیم برابر ہونی چاہئے اور قانون کی نظر میں تمام برابر ہوں کوئی فرق نہ ہو۔ سیاسی' معاشی اور معاشرتی حقوق ایک جیسے ہوں۔

۱۵۔ تجارت کی ہدایت:

اسلام نے تجارت اخلاقیات کا ایک ضابطہ پیش کیا ہے تاکہ اہل تجارت اس کا اتباع کریں۔ یہ ضابطہ اخلاق تجارتی لین دین میں دیانت داری اور خدا ترسی کے جذبات کو فروغ دیتا ہے تجارت کے معاملے میں قرآن کی اصولی ہدایت یہ ہے کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:29)

''اے ایمان والو! اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے ہٹاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔''

اس آیت ربانی کے ذریعے سے قرآن کریم نے معیشت کے ان تمام ذرائع کو ممنوع کر دیا ہے جو ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی پر مبنی ہوں۔ معیشت اور تجارت کا دائرہ ہے جس میں انسان نے نت نئے ظلم کئے ہیں اور خصوصیت سے اہل سرمایہ اور اہل قوت نے دوسرے فریق پر جو کمزور اور غریب ہوا کثر اپنی مرضی مسلط کی ہے اللہ تعالیٰ نے استحصال (Exploitation) کے یہ سارے دروازے بند کر دیئے اور فرمایا کہ معاشی معاملات کی بنیاد باہمی رضامندی اور تجارت کے حصول پر ہونی چاہئے۔ تجارت میں امانت و دیانت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی کریمؐ نے فرمایا:

''امانتدار تجار کا حشر صدیوں شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔'' (۵)

۱۶۔ معاشیات و اخلاقیات (Economics and Ethics):

دوسرے لفظوں میں یہی اخلاقی اقدار (Moral Values) بھی ہیں۔ سب سے پہلے وہ فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریے کو ختم کرتا ہے کہ اخلاق اور مذہب کا تعلق معاشی زندگی سے نہیں اور ''تجارت تو اس تجارت ہے'' قرآن پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الجمعہ:10-9)

''مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

۱۷۔ عدل و احسان (Justice and Goodness):

اسلام کے معاشی نظام کے یہ دو زبردست ہتھیار (Weapons) ہیں۔ ان پر عمل درآمد کرنے سے دولت کو منصفانہ تقسیم کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ لوگوں کو دوسروں پر بھلائی کرنے کی ترغیب آتی ہے۔ اور اگر کوئی زیادتی کرے تو اسے انصاف کے ترازو میں تولا جائے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (النحل:9)

''اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق سیکھو۔''

اس مختصر سے فقرے میں تین ایسی باتوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے:

''پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''انصاف'' سے ادا کیا جاتا ہے۔ مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لئے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک افراد معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے۔ مثلاً حقوق شہریت ہیں۔ مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی اور اخلاقی مساوات یا اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینی والوں اور کم تر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں میں مساوات پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی' معاشرتی' معاشی' قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کئے جائیں۔'' مزید براں:

دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ' فیاضانہ معاملہ ہمدردانہ رویہ' رواداری' خوش خلقی' باہمی مراعات ایک دوسرے کا پاس ولحاظ دوسرے کو اس کے حقوق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا یہ انصاف سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور کمال عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شرینیاں پیدا کرتا ہے کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد وقت ناپ تول کر دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا کتنا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔ ایسے ایک ٹھنڈے اور کھڑے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہوگی مگر وہ محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار اور اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف وحلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشو ونما دینے والی اقدار ہیں۔

تیسری چیز جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے صلہ رحمی ہے جو رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی و غمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی و مددگار بنے۔ بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔

شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں۔ وہ خاندان کے غریب کا ایک اہم عنصر ترکیبی قرار دیتی ہے اور یہ اصول پیش کرتی ہے کہ ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوش حال افراد پر ہے پھر دوسروں پر ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ یہی بات ہے جس کو نبیؐ نے اپنے مختلف ارشادات میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور یہی اصول ہے جس کی بناء پر حضرت عمرؓ نے ایک یتیم بچے کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کی ذمہ داری قبول کریں اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی پرورش لازم کر دیتا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے کا ہر واحدہ (Unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوش حالی معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی و بلندی پیدا ہو جائے گی۔

مندرجہ بالا تین بھائیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تین برائیوں سے روکتا ہے جو انفرادی حیثیت سے افراد کو اور اجتماعی حیثیت سے بھرپور معاشرے کو خراب کرنے والی ہیں۔

پہلی چیز فحشاء ہے جس کا اطلاق تمام بیہودہ اور شرمناک افعال پر ہوتا ہے۔ ہر وہ برائی جو اتنی ذات میں نہایت قبیح ہو فحش ہے۔ مثلاً بخل' زنا' برہنگی و عریانی عمل قوم لوط محرمات سے نکاح' چوری' شراب نوشی' بھیک مانگنا' گالیاں بکنا اور بدکلامی کرنا وغیرہ اس طرح علی الاعلان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے مثلاً جھوٹا پروپیگنڈا تہمت تراشی' پوشیدہ جرائم کی تشہیر' بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے اور فلم عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا' علی الاعلان مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط ہونا اور اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا اور تھرکنا اور ناز و ادا کی فرمائش کرنا وغیرہ۔

دوسری چیز منکر ہے جس سے مراد ہر وہ برائی ہے جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں ہمیشہ سے برا کہتے رہے ہیں اور تمام شرائع الٰہیہ نے جس سے منع کیا ہے۔

تیسری چیز ''بغی'' ہے جس کے معنی ہیں اپنی حد سے تجاوز کرنا اور دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا خواہ وہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے۔ (۶)

اسلام کے نظام معیشت کے علاوہ کسی اور نظام میں یہ زبردست آلات کار اور ترغیبات نہیں ملتیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلامی معیشت کے اساسی اصول

اسلام جو معاشی نظام پیش کرتا ہے وہ مختصراً مندرجہ ذیل اصولوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ معاشیات اور اخلاق و مذہب:

سب سے پہلے وہ فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریے کو ختم کرتا ہے کہ اخلاق اور مذہب کا تعلق معاشی زندگی سے نہیں اور ''تجارت تو بس تجارت ہے!'' قرآن پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الجمعہ:10-9)

''مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو ''فضل اللہ'' کہا گیا ہے اور اس سے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ یہ سب کدا کی عنایت ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ معاشی زندگی کو بھی انسان اسی طرح خدا کی حدود کا پابند بنائے جس طرح باقی تمام زندگی کو اور ان مقاصد کی تحصیل کے لیے استعمال کرے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے اسلام نے مقرر کیے ہیں۔ مسلمان اپنی معاشی زندگی میں بھی حدود اللہ کا پابند اور ان اخلاقی ضابطوں کا احترام کرنے والا ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عابد کیے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کی تعریف اسی طرح کی گئی ہے کہ

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (النور:37)

''وہ لوگ جنہیں خرید و فروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی''۔

خدا کے ذکر کا بڑا وسیع مفہوم ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر حال میں وہ خدا کو یاد رکھتے ہیں اور اس کی رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اسی طرح معاہدہ لکھنے اور صحیح گواہی دینے کو تقویٰ قرار دیا گیا ہے ناپ تول میں کمی کو ایسا عظیم گناہ کہ اس کی وجہ سے ایک پوری قوم کا تختہ الٹ دیا گیا۔ یہ وہ بنیادی نقطہ نظر ہے جو اسلامی دیتا ہے اور جس کی بنیاد معاشیات اور اخلاق کی ہم آہنگی پر ہے۔ اس طرح اسلامی معاشیات کا انداز (Approach) اخلاقیاتی اور قدر شناسانہ (Normative) ہے۔

۲۔ معاشی جدوجہد اور اس کا مقام و مقاصد:

اسلام نے ساری زمین بلکہ پوری کائنات کو انسان کے لیے میدان عمل قرار دیا ہے اور انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنی معاش کے حصول اور خلق خدا کے لیے فارغ البالی کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرے۔ معاشیات کی اصطلاح میں اسے پیداوار کو بڑھانے (Maximisation of Production) کی پالیسی کہہ سکتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں اصل اہمیت نفع کی تکثیر کو حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ اسلامی معاشیات میں کل پیداوار کی تکثیر اور خدا کے لیے سامان معاش کی زیادہ سے زیادہ فراوانی کا حصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ (الاعراف:10)

''اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لیے سامان معاش پیدا کیے''۔

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ (لقمان:20)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسے تمہارے لیے سخر کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں''۔

اس بنیادی حقیقت کے اظہار کے بعد اسلام نے انسانوں کو مختلف طریقوں سے محنت، معاشی جدوجہد اور حصول رزق کی کوشش پر اکسایا ہے اور اس طرح ہر شخص کو فروغ پیداوار کے لیے سرگرم عمل کر دیا ہے۔

الف:

بے عملی، بے روزگاری اور گداگری کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور اس پر سخت وعید سنائی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔ اور رزق کی تلاش نہ کرے اور یہ کہتا رہے کہ ''اللہ مجھے رزق عطا فرما''۔ تم کو (دعا کے ساتھ) اس کے لیے جدوجہد بھی کرنی چاہیے کیوں کہ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا چاندی برساتا نہیں۔ (۷)

ایک اور حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لیے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لیے ہوئے آؤ۔ (۸)

ب:

پھر مثبت طور پر رزق کی جدوجہد کی ترغیب دی اور اسے ہر سلمان پر فرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو۔ (۹)

ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی شرافت غنا اور فراغ دستی ہے اور آخرت کی شرافت تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ (۱۰)

اور خود قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (القصص:77)

''اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو''۔

نبی اکرم ﷺ نے ''کسب حلال'' کو ''فریضۃ'' بعد الفریضۃ'' یعنی نماز کے بعد سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر ہر ایک واقعے سے بڑی روشنی پڑی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا جو خستہ حال تھے۔ آپ (ﷺ) نے اُن سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ آنہوں نے بتایا دو درہم ہیں۔ آپ (ﷺ) نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خرید دی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا۔ اس طرح آپ (ﷺ) نے محنت کے پیدآور استعمال کی ترغیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''صنعت وحرفت کے ذریعے سے روزی کی تکمیل انسان پر فرض (کفایہ) ہے''۔

''بعض گناہوں کا کفارہ روزی کمانے میں مفہوم ومتفکر رہنا ہے''۔

اور پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا:

''جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ سوال سے بچے اور اہل وعیال کی کفالت کرے اور ہمسائے کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا''۔(۱۱)

ان آیات واحادیث سے محنت اور معاشی جدوجہد کی اہمیت ہمارے سامنے آتی ہے اور انہی کی روشنی میں پیداوار کو بڑھانے اور معیشت کو تقویت دینے کی پالیسی اسلام کے معاشی نظام کا ایک اہم جزو قرار پاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ میں معاشی جدوجہد کو فرض عین اور پیداوار کو فروغ دینے کی کوشش کو فرض کفایہ (ایسا فرض جو لازم تو ہر شخص پر ہو البتہ اگر کچھ لوگ اسے ادا کر دیں تو سب پر سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے) اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو مواخذہ ہر فرد سے ہوگا۔

ردالمختار میں ہے کہ

[ومن فروض الكفاية الصناعة المحتاج اليها](۱۲)

''ضروری صنعتوں کا قیام فرض کفایہ میں سے ہے''۔

اسی طرح المنہاج میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ:

[ومن فروض الكفاية الحرف والصنائع وما يتم به المعاش](۱۳)

''فرض کفایہ میں صنعت وحرفت اور وہ تمام چیزیں جو معاش کی تکمیل کے لیے درکار ہیں شامل ہیں''۔

امام ابن تیمیہؒ اور اس سلسلے میں مختلف فقہاء نے جو نقطہ نظر بیان کیا ہے اس کا خلاصہ 'الحسبہ فی الاسلام' میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

[قال غير واحد من الفقهاء ومن اصحاب الشافعي واحمد بن حنبل وغيرهم كابي حامد الغزالي و ابي الفرج الجوزي و غيرهم ان هذه الصناعات فرض على الكفاية فانه لا يتم المعاش الابها كما ان الجهاد فرض على الكفاية]

''بہت سے فقہا نے جن کا تعلق شافعی، حنبل فکر سے ہے نیز دوسرے فقہا جیسے امام غزالی اور امام جوزی وغیرہ نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ ان صنعتوں اک قیام فرض کفایہ میں سے ہے اس لیے کہ معاش کی تکمیل ان کے بغیر ممکن نہیں ہے اس (فرض کفایہ) کی حیثیت (ایسی ہی ہے جیسے) جہاد کی جو فرض کفایہ ہے''۔

امام ابن تیمیہ کی دی ہوئی یہ مثال بڑی اہم ہے۔ معاش کی تکمیل انسانیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے اور جس طرح انسانیت کی روحانی اور اخلاق ضرورتوں کو پورا کرنے اور اسے منکر سے بچانے، طاغوت کے غلے سے تجارت دلانے اور حقیقی رہنمائی سے مستفید ہونے کا موقع ابراہیم کرنے کے لئے۔ یعنی انسانیت کی تکمیل کے لیے۔ ضروری ہے کہ جہاد کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے اسی طرح انسانیت کی جسمانی اور مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے صنعت وحرفت کا قیام اور وسائل معاش کی فراہمی ضروری ہے۔ اوران دونوں کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے۔

یہ وہ اہمیت ہے جو احلام معاشی جدوجہد کو دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام انسانوں کے لیے معاشی سہولتیں فراہم کی جائیں، قدرت نے جو وسائل ودیعت کیے ہیں ان کو ترقی دی جائے، پیداوار کو اسکانی حد تک بڑھایا جائے اور رزق کے خزانوں کو چند ہاتھوں میں اس طرح مرکوز نہ ہونے دیا جائے کہ دوسروں پر اس کے دروازے بند ہو جائیں۔ اس اسے علم معاشیات کی اصطلاح میں پیداوار کی تکثیر اور وسائل پیداوار کی بہترین تقسیم کہا جاسکتا ہے۔

غربت کے انسداد کا مسئلہ بھی اسلام کی معاشی پالیسی میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام کے معاشی مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔ اسلام کا سب سے اہم مقصد کفر کا استیصال ہے اور چوں کہ فقر وفاقہ انسان کو کفر کی طرف لے جاتے رہیں اس لیے اسلام ان کو اپنا بنیادی ہدف سمجھتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لیے ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے، کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے، اور کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی ہو''۔ (۱۴)

اسلام اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ سب کو حصول رزق کے مواقع سے پھر مثبت طور پر ایسی پالیسیاں بنائے جن سے غربت وافلاس ختم ہوں اور انسانوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں لازماً حاصل ہوں۔

اسلام تنگی کو دور کرنے کا طریقہ حصول رزق کی کوشش اور پیداوار بڑھانے کے ذرائع کی طرف رجوع قرار دیتا ہے اور محض غربت، افلاس، معیار زندگی کے کرنے کے خطرے اور قلت وسائل کے داویلے سے انسان کشی اور نسل کشی کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ معاشی مسئلے کا اصل حل معیشت کو فروغ دینا ہے، انسان کی قطع وبرید نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل: 31)

''اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ ان کو مار ڈالنا بڑی خطا ہے''۔

اسلام آبادی کے حقیقی مسئلے کا حل اضافۂ پیداوار کی شکل میں تجویز کرتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود ہیں''۔ (کنوز الحقائق)

''رسول اللہ ﷺ نے مال داروں کو حکم دیا کہ بکریاں پالیں اور غریبوں کو حکم دیا کہ مرغیاں پالیں تاکہ فراغی حاصل کریں''۔ (۱۵)

اس طرح اسلام ہر فرد اور پوری کی توجہ کو معاشی وسائل کی ترقی اور پیداواری امکانات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر مرکوز کرتا ہے۔ وہ ایک طرف معاشرے میں انصاف اور آزادی کو قائم کرتا ہے اور دوسری طرف غربت وافلاس کا خاتمہ کر کے بہتر معاشی زندگی کا قیام ممکن بناتا ہے۔ یہاں بھی اس کا مزاج مغرب کی تمام معاشی تحریکات سے مختلف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۳۔ حلال وحرام کی تمیز:

اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے گی۔ ہر نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو وہ دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوششیں ہوں گی اور ان تمام ذرائع کا کلی انسداد کیا جائے گا جو حرام ہیں اور جن کو شریعت ناروا اور ناجائز قرار دیتی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (البقرہ:168)

''اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ''۔

بہترین عمل حلال روزی کمانا ہے''۔(۱۶)

''حلال روزی کا طلب کرنا اپنا ہے جیسے خدا کی راہ میں بہادروں سے لڑنا اور جو شخص حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش کر کے تھک کر رات کو سو جائے تو خدا اس سے راضی ہے''۔(۱۷)

اور حرام سے کمائی ہوئی روزی کے متعلق فرمایا:

''حرام روزی سے پرورش پایا ہوا گوشت اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آگ میں ڈالا جائے''۔

یہ ایک ایسا اصول ہے جس سے آج کے دور کے معاشیات بالکل نا آشنا ہے۔ چوں کہ اسلام کا اصل مقصد صرف وسائل معاش کی فراوانی نہیں بلکہ ان کا منصفانہ اور مصلحانہ استعمال ہے اس لیے اس نے معاشی جدوجہد کو حلال و حرام کا پابند کیا ہے۔ خالص معاشی نقطۂ نظر سے یہ وہ چیز ہے جو معاشیات کو محض افادی مطمع سے بلند کر کے اصلاحی اور فلاحی سطح ہونے آتی ہے اور اس طرح ایک کی معاشی جدوجہد دوسرے کے لیے معاشی تکلیف یا معاشرہ کے لیے ظلم فساد کا ذریعہ نہیں بن پاتی۔ اسلام نے جن چیزوں کو حرام کہا ہے اگر ان کو گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیزیں ہیں جو یا تو فرد یا درمیان حقیقی معاشی تعاون، مساوات، آزادی جدوجہد، عدل وانصاف اور قسط وتوازن کا قیام مشکل کر دیتی ہیں۔ خالص معاشی اصطلاح میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت میں صرف کی تکثیر (Maximisation of consumption) کی جگہ اس کی انسب سطح کا حصول (Optimisation) پیش نظر رہتا ہے اور ایک حقیقی فلاحی معیشت ظہور میں آتی ہے۔

۴۔ حرمت سود:

اسلام کے بنیادی معاشی اصولوں میں سے ایک حرمت سود ہے۔ جو معاشی ظلم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام نے سود کو اس کی ہر شکل میں حرام قرار دیا ہے۔ سود مقرر ہو یا مرکب، ذاتی قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی اور پیداواری قرضوں پر، حرام ہے، اس کے لینے والے کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران:130)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اے ایمان والو! سود کے کئی کئی حصے بڑھا بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ''۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے سود کھانے والے پر، سود کا کاغذ لکھنے والے پر اور سود کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور ان سب کو برابر قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم) اسلام میں سود کی ممانعت محض اخلاق بنیادوں ہی پر نہیں بلکہ اس نے خطرناک اقتصادی، سماجی اور سیاسی مضمرات کی بنا پر بھی ہے۔ سود کی لعنت متعدد قدیم معاشروں کی تباہی کا باعث بنی ہے اور آج بھی جدید سرمایہ دارانہ معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ اس کی بنیاد استحصال اور ظلم پر ہے اور اس کی وجہ سے ملک کی معیشت پر چند سرمایہ داروں کا اقتدار مسلط ہو جاتا ہے جو صحت مند معاشی جدوجہد کو سخت کر دیتا ہے اور معیشت میں عدم استحکام کا باعث ہوتا ہے۔

۵۔ تجارتی اخلاقیات کا ضابطہ:

اسلام نے تجارت اخلاقیات کا ایک ضابطہ پیش کیا ہے تا کہ اہل تجارت اس کا اتباع کریں۔ یہ ضابطہ اخلاق تجارتی لین دین میں دیانت داری اور خدا ترسی کی جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ تجارت کے معاملے میں قرآن کی اصولی ہدایت یہ ہے کہ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:29)

''اے ایمان والو! اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو''۔

اس آیت ربانی کے ذریعے قرآن کریم نے معیشت کے ان تمام ذرائع کو ممنوع کر دیا ہے جو ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی پر مبنی ہوں۔ معیشت اور تجارت کا دائرہ وہ دائرہ ہے جس میں انسان نے نت نئے ظلم کیے ہیں اور خصوصیت سے اہل سرمایہ اور اہل قوت نے دوسرے فریق پر جو کمزور اور غریب ہو، اکثر اپنی مرضی مسلط کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انتفاع (Exploitation) کے یہ سارے دروازے بند کر دیے اور فرمایا کہ معاشی معاملات کی بنیاد باہمی رضا مندی اور تجارت کے، حصول پر ہونی چاہیے۔ تجارت میں امانت و دیانت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

امانت دار تاجروں کا حشر صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (۱۸)

مختصراً اسلام کے اصول تجارت حسب ذیل ہیں:

1۔ باہمی رضامندی:

تجارت باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ چاہے دونوں فریق اپنی آزاد مرضی سے کسی چیز یا زبردستی کے بغیر اپنے معاملات کو طے کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تجارت کی بنیاد ''تعاون باہمی'' پر ہے اور تجارت کی وہ تمام شکلیں جن میں دوسرے فریق کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ خاص شرائط یا معاملات اس پر تھوپ دیے جاتے ہیں، وہ ناجائز ہیں۔ اس سے یہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے کہ ایسی اشتہار بازی یا نفسیاتی حربوں کا ایسا استعمال جو عقل و فکر کو معطل کر دے اور ایک شخص اپنی مرضی کے خلاف محض نفسیاتی شعبدہ بازی کی وجہ سے کسی چیز کی خرید پر مجبور ہو جائے، اسلام کے مطابق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نہیں۔اسی طرح آزاد منڈی کو کمزور یا مفلوج کرنے والی وہ تمام قوتیں بھی اسلامی معیشت میں کوئی راہ نہیں پاتیں جن کی وجہ سے جدید دنیا کا منڈی کا نظام درہم برہم ہے اور شدید قسم کی دقتوں اور خامیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔

2۔دیانت:

دوسرا اصول یہ ہے کہ تجارت دیانت کے ساتھ ہو۔اس میں کسی قسم کا دھوکہ یا بدمعاملگی نہ ہو۔مال کی اصل کیفیت لوگوں کے سامنے رکھ دی جائے۔اور ان کو غلط فہمی میں رکھ کر خرید پر مجبور نہ کیا جائے۔اسی طرح جان بوجھ کر دوسرے کو نقصان پہونچانا، معاملے پر معاملہ کرنا، خیانت یا وعدہ خلافی کرنا، یہ سب اسلام کی نگاہ میں ممنوع ہیں۔اس طرح ناپ تول میں درست ہونا ان تجارتی دیانت کا ایک اہم پہلو ہے۔

3۔جائز اور مباح کی تجارت:

تیسرا اصول یہ ہے کہ تجارت صرف ان اشیاء میں کی جائے جو جائز یا مباح ہوں۔وہ تمام اشیا جن کا استعمال معصیت کی تعریف میں آتا ہے، یعنی شراب، بت، اصنام، خزیر، وغیرہ، ان کی تجارت بھی اسلام میں ممنوع ہے۔

4۔ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:

پھر اسلام میں اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ ضروریات زندگی کو روک رکھا جائے تاکہ ان کے دام بڑھ جائیں اور اس طرح سے منافع میں اضافہ ہو۔ذخیرہ اندوزی اور احتکار کو اسلام نے سختی سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر رسول خدا ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔

5۔جوا اور سٹہ وغیرہ کی ممانعت:

اسلام نے تجارت کی وہ تمام شکلیں بھی بند کر دی ہیں جن میں کسی دوسرے سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہو یا جن میں مناسب محنت کیے بغیر دولت ہاتھ آ رہی ہو۔یہی وجہ ہے کہ سٹہ، لاٹری، اور جوئے کی ساری صورتیں اسلام میں ممنوع ہیں۔

6۔اہل تجارت کا داتی اخلاق:

اسلام کی تمام تعلیمات کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل تجارت میں اعلیٰ اخلاق کردار ہونا چاہیے تاکہ وہ تجارت کا حق ادا کر سکیں اور اسلام کے سچے سفیر بن سکیں۔ان میں خصوصیت سے دیانت اور کوش اخلاق ہونی چاہیے تاکہ یہ کیفیت نہ ہو کہ

کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

انہیں قوم اور خصوصیت سے اپنے صارفین کی خدمت کے جذبے سے کام کرنا چاہیے اور اپنے کاروبار میں پوری محنت اور دل جمعی سے کام کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی قوتوں کو زیادہ سے زیادہ سفید مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔پھر سب سے بڑھ کر وہ مستقل مزاجی اور اعتدال کے ساتھ کام کریں اور بہت جلدی دولت جمع کرنے کی ہوس سے بچے رہیں۔

معاش اور اخلاق میں یہی وہ حسین توازن ہے جو اسلام کے معاشی نظام کا امتیاز ہے۔

۷۔اسراف کی بندش:

طلب حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسراف سے روکتا ہے اس وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور اس کا ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری اور پیداواری مقاصد میں استعمال ہونے لگتی ہے:

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾ (الاعراف:31)

''کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو''۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے محنت کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو محض آن بان دکھانے کے لیے دولت کماتا ہے وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔

۷۔ ارتکاز دولت کی ممانعت:

پھر اسلام نے دولت کے ارتکاز (ایک یا چند مقامات پر اس کا جمع ہونا) کو بھی پسند نہیں کیا ہے اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف معاشرتی، اداراتی، قانونی اور اخلاق تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو اور پورے معاشرے میں گردش کرے۔

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:7)

''ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے''۔

حضور کا ارشاد ہے کہ

[اقسموا المال بين الفرائض على كتاب الله](۱۹)

''اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اچھا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جس کا حق مقرر کیا گیا ہے''۔

دولت کی تقسیم کے لیے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں۔

1۔ زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقرا و مساکین کا ''حق'' ہے۔

زکوٰۃ جہاں حسب مال کو کم کرتی اور خدا کی راہ میں کرچ کرنے اور مال قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے وہیں معاشی نقطہ نظر سے یہ سماجی فلاح کی ایک ہمہ گیر اسکیم ہے۔ جس کے ذریعے سے ملک و ملت کے غریب اور نادار افراد کی مدد کی جاتی ہے اور انہیں زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنایا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت یہ بات پیدا کرتی ہے کہ ہر شخص کی دولت صرف اس ہی کے لیے ہے اور معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اور جو گر جائے اسے فنا ہو جانا چاہیے۔ کشمکش حیات میں زندہ رہنے کا حق صرف اس کو ہے جو سابقت میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اسلام اس ذہنیت کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ دولت تم بے شمار قوتیں شریک کار ہیں نیز پورا معاشرہ۔۔۔ طریقے سے تمہارا مغاون و مددگار رہے۔ اس لیے تمہارے مال میں تمہارے علاوہ دوسروں کا بھی حق ہے۔ اہل ثروت کی ذمہ داری ہے کہ معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اسے سہارا دیں اور آگے بڑھائیں۔ جو معاشرہ کمزوروں کی مدد نہ کرے، ناداروں کو سہارا نہ دے اور گرتوں کو تھام نہ لے وہ انسانی معاشرہ کہے جانے کا مستحق نہیں۔ اسلام نظام زکوٰۃ کے ذریعے سے معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرتا ہے اور اس میں امداد باہمی کی روح کو جاری و ساری کر دیتا ہے۔

جدید علم معیشت میں سماجی فلاح کا تصور بہت نیا ہے۔ لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصور پیش کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں معاشرے کے کمزور اور مجبور انسانوں کی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دی۔ اسلامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت نے ابتدا ہی سے اس نظام کو عملاً قائم کیا، آبادی کی مردم شماری کی، ناداروں کے رجسٹر بنائے، ضرورت مندوں کو سرکاری وظیفے دیے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ حال ہو گیا کہ یقول مورخ طبری زکوۃ دینے والے تو سینکڑوں تھے مگر زکوۃ لینے والے نہ ملتے تھے۔

پھر زکوۃ دولت کی تقسیم میں غیر طبری عدم مساوات کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے سے امیروں کی دولت غریبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ معاشی بحران کے جس چکر میں سوشلیہ دارانہ دنیا گرفتار ہے اس کو دور کرنے میں بھی زکوۃ بڑی مفید و معاون ہو سکتی ہے۔ تجارتی چکر، سرمایہ کاری اور قوت صرفہ میں عدم توازن کی بنا پر رونما ہوتا ہے لیکن زکوۃ جہاں ایک طرف پیداواری عمل کو تیز کرتی ہے وہیں دوسری طرف عوام میں قوت خرید کا اضافہ بھی کرتی ہے اس طرح یہ معیشت میں معاشی توازن قائم کرنے کا آلہ بن جاتی ہے۔

2۔ صدقات واجبہ:

بہت سے ایسے صدقات مقرر کیے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر ہر صاحب حیثیت مسلمان کو ادا کرنے ہوتے ہیں جیسے صدقہ فطر وغیرہ۔ یہ بھی مندرجہ بالا مقصد پورا کرتے ہیں۔

3۔ انفاق:

اسلام ہر مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے، مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں کرچ کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

4۔ قانون وراثت:

اسلام نے وراثت کا جو قانون تجویز کیا ہے وہ اس طرح کا ہے کہ ستون کا ترکہ، پورے خاندان میں ایک مناسب ترتیب کے ساتھ تقسیم ہو جاتا ہے اور ساری جائداد مغربی ممالک کی طرح کسی ایک وراثت کو نہیں ملتی۔ اس طرح دولت کے ارتکاز کے بجائے اس کی منصفانہ تقسیم رونما ہوتی ہے۔

5۔ حق سوی الزکوۃ:

زکوۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بطور ٹیکس لے اور اسے استحکام ریاست، قیام انصاف اور فلاح عامہ کے لیے صرف کرے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "بے شک مال میں زکوۃ کے سوا اور بھی حق ہے"۔ (۲۰)

6۔ العفو:

اسلام نے انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا کیا کہ اس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی ہو اُسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لیے خرچ کر دے۔

﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرہ:219)

"وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں کہہ دیجئے العفو (یعنی جو اپنی ضرورت سے زیادہ ہو)"۔

اس طرح اسلام پورے معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم روبہ عمل لاتا ہے۔ اس کی پالیسی کے دو بنیادی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول فروغ پیداوار اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔

۸۔ ملکیت وتصرف کا حق:

اسلام تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور ان کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی وتصرف کا حق دیتا ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے۔ اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے یعنی اگر ملکیت آلۂ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔ دراصل اسلام ملکیت کے اس محدود حق کو ایک امانت کی شکل دیتا ہے اور اس میں تصرف کے اختیار کو بہت سی قانونی اور اخلاقی پابندیوں سے محدود کرتا ہے۔

۹۔ عدل اجتماعی کی ضمانت:

اسلام ربات کے معاشی وظائف کا بھی اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکوٰۃ سماجی فلاح کی ایک اسکیم ہے عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں، اس کی ریاست ولی ہے۔ ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔

[السلطان ولي من لا ولي له](۲۱)

''حکومت ہر اس شخص کی ولی (دست گیر ومددگار) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

[من ترک کلا فالینا](۲۲)

''یعنی جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض یا بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمے ہے''۔

ایک خلیفہ راشد نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کے لیے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی''۔

یہ کہا:

''خدا کی قسم اگر اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امر کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی''۔

حضرت علیؓ اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غربا کے لیے کافی ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے، ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ ان آمرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ان احکام کے مطابق جو نظام قائم ہوتا ہے اس میں زمین اپنے کزانے اُگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگ دستی ختم ہو جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اے لوگو! صدقہ دو کیوں کہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ لیے لیے پھرے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے''۔ (یعنی اس کا حاجت مند ہو)

یہ ہے اسلام کا معاشی نظام اور درحقیقت انسانیت کی نجات انہی اصولوں میں مضمر ہے۔ اس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مرکزی تصور انسان اور اس کی معاشی اور اخلاق فلاح ہے۔ وہ معاشی ترقی کو اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف، آزادی اور اخلاقی ترقی کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے اپنے مقصد مزاج اور اپنے اصولوں کے اعتبار سے مختلف ہے اور ہر حیثیت سے ان سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱. ابوداؤد
۲. کتاب الخراج
۳. بخاری
۴. مسلم و بخاری
۵. ترمذی شریف
۶. مولانا سید ابوعلیٰ مودودی ..... معاشیات اسلام
۷. المدنیہ والاسلام بحوالہ اساس تہذیب
۸. ابوداؤد
۹. کنز العمال
۱۰. کنوز الحقائق
۱۱. ابو نعیم فی الحلیہ بحوالہ اساس تہذیب
۱۲. ردالمختار علی الدر المختار، ج:1،ص:32
۱۳. المنہاج،ج:7، ص:194
۱۴. ترمذی
۱۵. ابن ماجہ
۱۶. المدینۃ والاسلام
۱۷. ایضاً
۱۸. ترمذی
۱۹. ابوداؤد
۲۰. ایضاً
۲۱. بخاری
۲۲. بخاری ، مسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب:

اسلام کی معاشی اقدار

(Economic Values of Islam)

اسلام کے اقتصادی نظام کی تفہیم (Understanding) اور ترویج (Promulgation) کے لئے اس کی چند اہم قدروں کا جائزہ لینا اشد ضروری ہے کیونکہ ان کے بغیر اسلام کی نظم معیشت سے پوری طرح فوائد حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ نیکی و بدی، اچھائی و برائی میں تمیز روا رکھنے اور پرکھنے کے لئے ان اخلاقی قدروں کی اہمیت وافادیت روز روشن کی مانند عیاں ہے۔ لہٰذا ان کی تفصیلات دی جاتی ہیں۔

1۔ تقویٰ (Piety)

اسلامی تعلیمات میں اسے بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے معنی کسی نقصان دہ شے سے محفوظ رہنا اور اجتناب برتنا ہے۔ اس کا مفہوم ڈرنے، نگرانی و پاسبانی کرنے، حفاظت دلانے اور بچاؤ لئے بھاتے ہیں۔

تقویٰ عربی لغت میں ''وقی'' سے مشتق ہے۔ اس سے مصدر الوقایۃ رقاء کا معنی۔

حفظ الشی مما یوذیه ویضره (۱)

''کسی چیز کو مضر اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچانا۔''

بناء بریں لفظ تقویٰ کا لغوی مفہوم یوں بیان کیا جاتا ہے۔

جعل النفس فی وقایة مما یخاف (۲)

''تقویٰ سے مراد نفس کو ہر اس چیز سے بچانا جس سے اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔''

اس طرح اصطلاح شریعت میں تقویٰ:

حفظ النفس عن الاثم (۳)

''نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام ہے جو گناہ کا موجب ہو۔''

یتم ذالک بترک بعض جاحات (۴)

مگر یہ تو عوام الناس کا تقویٰ ہے اہل اللہ اور خواص کے ہاں اس کا معیار یہ ہے:

تقویٰ کے لئے بعض مباحات کو بھی ترک کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اہم نکات (Important Points):

یہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مرکز:

حضرت کعب احبارؒ رسول اللہ کے ایک مخلص صحابی تھے ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے سوال کیا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقویٰ کیا ہے؟ حضرت کعبؓ نے جواباً پوچھا آپ کو کبھی خاردار راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ہاں کئی مرتبہ حضرت کعبؓ نے پوچھا تو پھر آپ وہاں سے کیسے گزرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں اپنے کپڑے سمیٹ لیتا ہوں کہ مبادا کانٹے دامن سے الجھ جائیں اور بچ بچ کر احتیاط سے قدم رکھتا ہوں۔ حضرت کعبؓ نے جواب دیا۔ ''بس یہی تقویٰ ہے'' یعنی دنیا کے خارزار سے اس طرح گزر جانا کہ گناہ کا کوئی کانٹا دامن گیر نہ ہونے پائے اسی کا نام تقویٰ ہے۔

تقوے کا مقام دل: اس کا اصل مقام قلب انسانی ہے مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔

''تقویٰ قلب کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تقویٰ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بناء پر ہر کام میں خدا کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔''

اسی حقیقت کو حضورؐ نے زیادہ واشگاف طریقے سے بیان کیا ہے ایک مرتبہ حضورؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: التقوی ھھنا (مسلم) تقویٰ یہاں سے یہ کہتے ہوئے آپؐ نے اپنے ہاتھ سے دل کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی تقویٰ دل میں ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوف خدا نہ ہو تو آدمی ویسے ہی متقی ہونے کا اظہار کرے تو اسے ریاکاری کہا جائے گا۔

قرآن مجید میں مناسک حج کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج:32)

''اور جو شخص شعائر الٰہی کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ (یعنی حقیقی تعظیم دل میں ہوتی ہے اگر دل میں تعظیم نہ ہو اور انسان بظاہر کبھی ہاتھ چومے اور کبھی پاؤں میں گرے تو یہ محض دکھاوا ہو گا)۔''

۲۔ ظاہرداری تقویٰ نہ ہونا:

حضورؐ کے اس ارشاد سے کہ ''التقوی ھھنا'' سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ تقویٰ کا اصل مقام دل ہے۔ محض ظاہرداری تقویٰ نہیں ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ جب دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے اور آدمی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کرنے لگے اور اس کی نافرمانی سے ڈرنے لگے تو اس جذبے اور احساس کا عملی زندگی کے ہر شعبے پر نمایاں اثر ظاہر ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ کپڑا پہنتا ہے تو اس میں احتیاط کرتا ہے۔ کھانا کھاتا ہے تو اس میں طیب اور غیر طیب کا خیال رکھتا ہے روزی کماتا ہے تو اس میں حرام و حلال کی تمیز کرتا ہے۔ غرض کہ اس کی ظاہری وضع قطع بھی اس کے باطنی احساس کی آئینہ دار ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر ایک شخص لباس کی خاص کانٹ چھانٹ اور بالوں کی مخصوص تراش خراش ہی کو تقویٰ سمجھنے لگے اور دل کی پاکیزگی کی پرواہ نہ کرے تو یہ تقویٰ نہیں ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے۔

۳۔ معیار نیکی:

''نیکی اس بات کا نام نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق کی طرف پھیر لو یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی وہ ہے جو اللہ پر یوم آخرت پر فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر ایمان لائے اور اپنا مال خوشی سے اقرباء پر یتیموں پر اور مسکینوں پر مسافروں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور سائلوں پر اور قیدی رہا کرانے پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور نیک وہ ہیں جو اپنے وعدے پورے کریں اور سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کریں یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض قبلہ رخ ہو جانا یا کعبے کی طرف پیٹھ نہ کرنا ہی نیکی نہیں ہے بلکہ دل کو قبلہ رخ کرنا اصل نیکی ہے دل جب اللہ تعالیٰ کے احکام پر خوشی سے عمل کرنے لگے تو پھر آدمی متقی کہلانے کا حق دار ہو سکتا ہے ورنہ ظاہر ادب آداب اور ظاہری وضع قطع جس کے ساتھ عمل کی سند نہ ہو تقوی کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔

۴۔ مشکوک چیز ترک کرنا:

بعض چیزوں کے متعلق تو ہم حتمی طور پر جانتے ہیں کہ یہ حرام ہیں مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چند اشیاء کی بابت ہم شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ ایسے موقع پر مشتبہ چیزوں سے بچنا کہ کہیں اللہ کی نافرمانی نہ ہو جائے تقویٰ کہلاتا ہے ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا:

> ''حلال اور حرام دونوں عیاں ہیں لیکن ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص مشکوک چیزوں سے بچ گیا وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا کر لے گیا اور جو شخص مشکوک اشیاء میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشبہ چیزوں میں پڑنا حرام میں پڑنے کے مترادف ہے کیونکہ کسی ایسی چیز کو استعمال کرنا جس کے بارے میں دل مطمئن نہ ہو تقویٰ کے منافی ہے تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب تک پورا پورا اطمینان نہ ہو کسی چیز کو استعمال نہ کیا جائے۔

جب کسی چیز میں شبہ پڑ جائے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز تو مومن کا دل ہی فتویٰ دے سکتا ہے کہ اسے استعمال کیا جائے یا نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا اصل معیار دل کا اطمینان ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ تقویٰ کا اصل مقام دل ہی ہے۔ اس لئے جب شبہ پڑ جائے تو دل سے پوچھنا چاہئے کہ آیا اسے استعمال کروں یا نہ کروں بعض اوقات ہم کسی مفتی کے فتویٰ کا سہارا دے کر مشتبہ چیز استعمال کر لیتے ہیں اور دل کو یہ جھوٹا اطمینان دلاتے ہیں کہ آخر فلاں مفتی کا فتویٰ بھی تو کچھ اہمیت رکھتا ہے حالانکہ اندر سے ہمارا اپنا دل مطمئن نہیں ہوتا ایسے موقعوں کے لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تک تمہارا دل مطمئن نہ ہو کوئی کام نہ کرو حضرت وابصہؓ رسول اللہؐ کے ایک مخلص صحابی تھے ایک مرتبہ وہ یہی سوال لے کر حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا:

> ''وابصہؓ تم نیکی اور برائی کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی ہاں یا رسولؐ اللہ۔ حضورؐ نے اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا اور تین مرتبہ فرمایا۔ استفت قلبک استفت قلبک استفت قلبک اپنے دل سے پوچھ اپنے دل سے پوچھ اپنے دل سے پوچھ۔ پھر آپ نے فرمایا: تقویٰ وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے چاہے لوگوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہو۔''

۵۔ پرہیز کرنا:

مشکوک چیزوں سے اجتناب کی آپؐ نے بڑی تاکید فرمائی ہے لیکن ساتھ ہی آپؐ نے اس بات پر زور دیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کہ یہ احتیاط کہیں وسوسے کی شکل اختیار نہ کر لے اور آدمی خواہ مخواہ ہر بات میں شبہ کرنے کے مرض میں مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ اس سے آدمی کو رہبانیت کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان جب غیر یقینی حالت میں پھنستا ہے تو پھر وہ کسی کام کا نہیں رہتا اور جدوجہد ترک کر کے دنیا ہی سے الگ ہو جاتا ہے اور یہ چیز سخت نقصان دہ ہے۔

۶۔ عزت کا مقام تقویٰ ہونا:

دوسری اقوام کے برخلاف اسلام میں وقار کا معیار تقویٰ ہے۔ دنیا میں عام طور پر دولت اور طاقت کو عزت کا معیار سمجھا جاتا ہے یا بعض اوقات نسب یا خاندانی وجاہت کو فضیلت کا معیار تسلیم کر لیا جاتا ہے مگر اسلام نے ان تمام معیاروں کو رد کر کے تکریم و تعظیم کی کسوٹی تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ﴾ (الحجرات:13)

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تمام سے زیادہ متقی ہو۔''

اس کی تشریح حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی فرما دی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر یا کسی گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں سوائے تقویٰ کے یعنی برتری صرف اس بنا پر ہوگی کہ کون اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے اور کون کم باقی سب معیار جھوٹے ہیں۔

۷۔ اللہ کو فقط تقویٰ پہنچنا:

اللہ کی راہ میں ہم صدقہ و خیرات کرتے ہیں قربانی دیتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں الغرض اس کی خوشنودی کے لئے بہت سے کام کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کو ان اشیاء میں سے کوئی چیز نہیں پہنچتی۔ اسے جو کچھ پہنچتا ہے وہ جذبہ ہوتا ہے جو ان تمام اشیاء کے پیچھے کارفرما ہوتا ہے۔

قرآن میں اس کی بڑی خوبصورت وضاحت بیان کی گئی ہے۔ سورۃ الحج میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اس طرح ہے:

﴿لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ﴾ (الحج:37)

''(تم جو قربانی دیتے ہو) اللہ کو نہ اس کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون بلکہ اللہ کو تو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کو ہماری اشیاء نہیں پہنچتیں بلکہ ان کے پیچھے جو جذبہ کارفرما ہوتا ہے وہ پہنچتا ہے ایک قدسی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ بندے سے فرمائے گا کہ میں بھوکا تھا تمہارے پاس آیا تو تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا میں بیمار پڑا تو تم نے میری بیمار پرسی نہ کی وغیرہ وغیرہ بندہ عرض کریں گا کہ اے اللہ تمہیں تو کھانے کی حاجت ہی نہیں ہوتی نہ ہی تم بیمار پڑتے ہو اللہ فرمائیں گا میرا فلاں بندہ جو بھوکا تھا تم نے اسے کھانا نہ کھلایا میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو تم نے اس کی عیادت نہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے جو فرائض بھی ہم اس دنیا میں سرانجام دیتے ہیں وہ اللہ کو پہنچتے ہیں اور جو کوتاہیاں ہم سے سرزد ہوتی ہیں وہ بھی اس کے علم میں ہوتی ہیں۔

۸۔ نیکیوں کی بنیاد:

ساری نیکیوں کی جان تقویٰ میں پنہاں ہے اور انہیں اس کے سبب ہی شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''خدائے رحم و کریم متقیوں کے اعمال ہی قبول کرتا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۹۔ رزق میں کشادگی:

خداوند بزرگ و برتر متقین کے لئے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق:3-2)

''جو خدا سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چھٹکارے کا سامان کر دیتا اور رزق دیتا ہے۔ جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔''

۱۰۔ امور میں سہولت:

اللہ تعالیٰ خدا ترس انسانوں کے امور میں آسانیاں اور سہولتیں پیدا فرماتا ہے اور اس کے راستے کی دشواریاں اور تکلیفیں دور فرماتا ہے۔ قرآن مجید کا فرمان ہے:

''جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کا کام آسان کر دیتا ہے۔'' (طلاق:4)

۱۱۔ بصیرت:

تقویٰ سے انسان میں آگاہی اور بصیرت پیدا ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ اچھی اور بُری چیز میں امتیاز کر سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (انفال:29)

''اگر تم تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں فرقان یعنی نیک و بد میں امتیاز کرنے والی صفت عطا کرے گا۔''

۱۲۔ ہر دلعزیزی (Popularity):

تقویٰ اور زہد لوگوں میں ہر دلعزیزی کا باعث بنتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

۱۳۔ برکات کا نزول:

اللہ تعالیٰ متقیوں پر برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

سورۃ اعراف کی آیت 94 میں ارشاد ہے:

''اور اگر بستی والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکات کے دروازے کھول دیتے۔''

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کی معیت:

اللہ تعالیٰ خوف کھانے والے لوگوں کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ کیا کم اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہونے کا اعلان فرماتے ہیں:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرہ:194)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ اخروی نعمتیں:

ترجمہ: ''جان لو اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ آخرت کی نعمتوں کا مستحق بھی متقیوں کو قرار دیا گیا ہے۔''

ارشاد ہے: والعاقبة للمتين

ترجمہ: ''عاقبت اہل تقوی کے لئے ہے۔''

سورۃ حج میں ارشاد ہے:

''بے شک متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے (کہا جائے گا) ان میں امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہو۔''

تقویٰ کے نتیجہ میں مومنوں کو ہر قسم کی اخروی نعمتوں سے نوازا جائے گا ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جنت کے وارث قرار دیئے جائیں گے۔

۱۶۔ گناہوں کا نیست ونابود ہو جانا:

اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ سورۃ انفال کی آیت 29 میں ارشاد ہے:

''اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو گے تو اللہ تمہارے لئے فرقان (حق و باطل میں تمیز کی قوت) پیدا فرما دے گا۔ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔''

۱۷۔ عبادات کا مطلوب:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ:21)

''اے انسانو! تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

اس آیت کریمہ میں عبادت کا لفظ عام ہے اور ساری عبادات خواہ بدنی ہوں یا مالی سب پر حاوی ہے۔ ان عبادات کا مقصود تقویٰ پیدا کرنا فرمایا گیا ہے۔

روزہ کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (بقرہ:183)

''اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

چونکہ روزہ سے انسان کے دل میں اللہ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ وہ خواہشات نفسانی کو دباتا ہے۔ اسے دوسروں کے دکھ کا احساس ہوتا ہے اور یہ باتیں تقویٰ ہی ہیں۔

نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ (عنکبوت:45)

''نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے''۔

منکرات سے بچنا اور نیکیوں کی طرف راغب ہونا جو نماز کا نتیجہ ہے تقویٰ کہلاتا ہے۔ نماز کے وہ فوائد جو تعمیر سیرت میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ قابل غور ہیں۔

قربانی کی غرض وغایت بھی یہی ہے کہ دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ سورۃ حج آیت 37 میں ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانور کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

سورۃ حج کی آیت نمبر 32 میں ارشاد ہوتا ہے:

''جو خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔''

اس آیت میں شعائر اللہ کی تعظیم کو دلوں کو تقویٰ بتایا گیا ہے۔

۱۸۔ اخلاق کی منشاء:

اخلاق ایمان کے کمال کا سبب ہیں اور عبادات کے ہم پلہ ہیں۔ نیز وہ اللہ کے قرب اور محبت کا ذریعہ ہیں مگر ان اخلاق میں بھی یہ راز مضمر ہے کہ ان سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور یہی ان کی فضیلت کا اصل موجب ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ:8)

''انصاف کرو انصاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

''اگر تم معاف کردو یہ تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے۔''

عدل وانصاف اور عفو ودرگزر اعلیٰ اخلاقی صفات ہیں۔ ان کو اختیار کرنے کی تلقین محض اس لئے کی جارہی ہے کہ انہیں تقویٰ کا قرب حاصل ہو اور خود ان سے تقویٰ وجود میں آتا ہے۔

۱۹۔ پریشانیوں سے نجات:

تقویٰ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ایسے افراد دکھ وغم اور حزن وملال سے خلاصی حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد الٰہیہ اس طرح ہے:

''جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا اور نیک بن گئے تو ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے۔''

القصہ تقویٰ سے صارف میں ایسی چند صفات پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی بناء پر وہ خلاف شریعت نہ اشیاء تیار کرتا ہے نہ ہی ایسی چیزوں کا استعمال کرتا ہے۔ نیز اسراف وتبذیر سے بچتا ہے۔ سامان تعیش سے گریز کرتا ہے۔ تبادلہ میں بھی اسلامی اصولوں کی پیروی کی جاتی ہے۔ کسی کو دھوکا یا نقصان نہیں پہنچایا جاتا دولت کی تقسیم میں بھی اچھی عادات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ عاملین کے معاوضوں میں بھی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ کسی کی معذوری' مجبوری اور بے بسی سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا جاتا سرکاری پالیسیوں میں بھی تقویٰ کا عنصر غالب رہتا ہے جس سے ملک معاشی لحاظ سے آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرتی بھلائی اور بہتری کے امور سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ریاست بھی اپنا قبلہ درست کر لیتی ہے جس سے خزانہ پُر ہوتا ہے اور فلاحی و رفاہی کام تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

2۔عدل(Justice)

اسے انصاف سے بھی موسوم کرتے ہیں اس کے معنی سیدھا رکھنا' برابر کرنا' افراط و تفریط سے اجتناب برتنا' توازن اور تناسب قائم کرنا وغیرہ ہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ کے مطابق

''کسی چیز کو اس کے موقع و محل کے مطابق ڈھالنا عدل ہے جس کی ضد ظلم (Cruelty) ہے یعنی کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو۔''

آنحضرتؐ کے چند ارشادات عالیہ قابل ملاحظہ ہیں۔

''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔''(۵)

''مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ رضا اور ناراضگی دونوں میں کلمہ حق کہوں۔''

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ بارگاہ ایزدی میں دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے فقر و غنا دونوں حالتوں میں اعتدال عطا کر۔

''روز قیامت جب خدائے ذوالجلال والاکرام کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا جن میں ایک امام عادل بھی ہوگا۔''(۶)

ان احادیث سے انصاف کی حقیقت و اہمیت پر روشنی پڑتی ہے اس کی وسعت کافی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں ایک نام عدل بھی ہے۔ اس لئے اللہ وہ اپنے بندوں کو بھی انصاف اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ (النحل:90)

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

انصاف صرف انتظام سلطنت کے لئے ہی درکار نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کا اختیار کرنا لازمی ہے اس لئے قرآن پاک میں زندگی کے ہر پہلو میں اسے اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

عدل اور اسوہ رسول ﷺ:

اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو عدل اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (شوریٰ:15)

''اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں تمہارے درمیان عدل کروں۔''

چنانچہ حضور ﷺ نے ہمیشہ اس ارشاد خداوندی پر عمل کیا اور امیر و غریب عربی و عجمی غلام و آزاد اور مسلم و کافر کسی قسم کا امتیاز کبھی ملحوظ نہ رکھا بلکہ ہر شخص کو اس کا صحیح حق دلوایا۔

آپ ﷺ نے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد یہی صفت اختیار نہیں کی بلکہ ابتداء سے آپ پیکر عدل و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصاف تھے اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی ہمیشہ آپ ﷺ کے عدل پر اعتماد رہا۔ چنانچہ مشرکین مکہ اپنے جھگڑے آپؐ کے پاس فیصلے کے لئے لاتے تھے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر نو میں حجر اسود کے نصب کرنے پر قبائل قریش میں نزاع پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ تلواریں سونت لی گئیں۔ بالآخر معاملہ آپؐ کے پاس لایا گیا اور آپؐ نے نہایت خوش اسلوبی سے یہ جھگڑا طے کرا دیا۔

ہجرت کے بعد یہود مدینہ نے میثاق مدینہ قبول کرنے کے لئے حضورؐ کو اختلافی معاملات کے لئے "حکم" تسلیم کیا اور آپؐ کے عدل پر پورا پورا اعتماد ظاہر کیا۔ یہود اگرچہ آپؐ کے سخت ترین دشمن تھے۔ لیکن اپنے مقدمات آپؐ ہی کے پاس فیصلہ کے لئے لاتے تھے۔ آپ بھی ہمیشہ حق بات پر فیصلہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ دونوں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دونوں کی باتیں سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔

آپؐ کی سیرت طیبہ سے عدل و انصاف کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ایک بار بنی مخزوم کے معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی۔ مقدمہ آپؐ کی خدمت میں پیش ہوا۔ قریش نے محسوس کیا کہ اگر اس عورت کو سزا مل گئی تو ان پر حرف آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے غلام زادے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے ذریعے سفارش کرائی۔ حضورؐ کو علم ہوا تو اسامہؓ پر سخت خفا ہوئے اور فرمایا تم سے قبل بنی اسرائیل اسی وجہ سے برباد ہوئے کہ وہ بارسوخ آدمیوں کے معاملات میں نرمی برتتے تھے اور غرباء کے معاملوں میں سختی کر کے انہیں سزا دیتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا۔ چنانچہ آپؐ کے حکم کے مطابق اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

غزوہ بدر میں کفار مکہ کے بہت سے قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔ آپؐ نے سب قیدیوں کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا۔ عدل لے کر رہا کرنے کا فیصلہ ہوا تو مسلمانوں نے حضرت عباسؓ کے فدیہ میں کمی کرنا چاہی مگر آپؐ نے انکار کر دیا اور ایک درہم بھی کم نہ کیا۔

عدل عربی کا لفظ ہے۔ انصاف کا لفظ بھی عدل کا ہم معنی ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کو دو برابر برابر حصوں میں بانٹنا' عدل اور ظلم آپس میں متضاد الفاظ ہیں۔

وضع الشیء فی غیر اھلہ

ترجمہ: کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا ہو اس کے لائق نہ ہو اور عدل کے معنی ہیں کسی شے کو ایسی جگہ رکھنا جو واقعی اس کے لائق ہو۔ اعتدال کا لفظ عدل ہی سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں میانہ روی اسے اوسط بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:

[خیر الامور اوسطھا]

ترجمہ: "ہر شے میں اعتدال اور میانہ روی بہتر ہے۔"

عدل و انصاف ایک عام فہم اصطلاح ہے اور اس کا مفہوم سبھی جانتے ہیں عدالت کا لفظ عدل ہی سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ایسی جگہ جہاں عدل کیا جاتا ہو۔ اسی طرح منصف کا لفظ بھی انصاف کرنے والے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ عدل و انصاف کی خواہش انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ یعنی وہ فطرتاً انصاف پسند ہے کیونکہ وہ کائنات کی ہر شے میں توازن اور اعتدال دیکھتا ہے لیکن ماحول کے اثرات کے تحت یا خواہشات نفسانی کے زیر اثر وہ عدل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وانصاف سے ہٹ کر ظلم وجود پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسے مظلوم وجھول کہا گیا ہے۔

قرآن کی سب سے پہلی سورت فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (الفاتحہ:5)

''اے اللہ ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔''

یہ صراط مستقیم کیا ہے؟ یہ صراط مستقیم افراط وتفریط سے ہٹ کر وسطی راہ پر چلنے کا نام ہے۔ جسے عرف عام میں راہ اعتدال کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں امت مسلمہ انتہا پسندوں (Extremists) کی جماعت نہیں بلکہ اعتدال پسند لوگوں کی جماعت ہے قرآن میں بھی اسے امت وسطی کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:143)

''اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہے یہ امت وسطی دنیا بھر کے انتہا پسندوں کے لئے نمونے کی امت ہے جو انہیں بتاتی ہے کہ اگر اعتدال کی راہ مطلوب ہے تو اس امت میں شامل ہو جاؤ۔ امت مسلمہ کے علاوہ ہر قوم یا تو افراط میں مبتلا ہے یا تفریط میں متوازن زندگی کا نمونہ کسی کے پاس نہیں۔''

قرآن نے انسانوں کی نسلی اور قبائلی تقسیم کو صرف تعارفی قرار دیتے ہوئے یوں کہا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:13)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کسی قبیلے یا کسی نسل کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔ سب آپس میں برابر ہیں کسی کو کوئی فوقیت نہیں ہے۔ حقیقی معیار بلند اخلاق اور اعلیٰ صفات میں پنہاں ہے دولت وشہرت اور منصب ومراتب کو کسوٹی (Criterion) قرار نہیں دیا جا سکتا۔

2۔ عدل (Justice)

اسے انصاف سے بھی موسوم کرتے ہیں اس کے معنی سیدھا رکھنا' برابر کرنا' افراط وتفریط سے اجتناب برتنا' توازن اور تناسب قائم کرنا وغیرہ ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے مطابق

''کسی چیز کو اس کے موقع ومحل کے مطابق ڈھالنا عدل ہے جس کی ضد ظلم (Cruelty) ہے یعنی کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو۔''

آنحضرتؐ کے چند ارشادات عالیہ قابل ملاحظہ ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔''(۵)

''مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ رضا اور ناراضگی دونوں میں کلمہ حق کہوں۔''

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ بارگاہ ایزدی میں دعا مانگا کرتے تھے کہ:

''اے اللہ! مجھے فقر وغنا دونوں حالتوں میں اعتدال عطا کر۔''

''روز قیامت جب خدائے ذوالجلال والاکرام کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا جن میں ایک امام عادل بھی ہوگا۔''(۶)

ان احادیث سے انصاف کی حقیقت واہمیت پر روشنی پڑتی ہے اس کی وسعت کافی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں ایک نام عدل بھی ہے۔اس لئے اللہ وہ اپنے بندوں کو بھی انصاف اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ (النحل:90)

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

انصاف صرف انتظام سلطنت کے لئے ہی درکار نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کا اختیار کرنا لازمی ہے اس لئے قرآن پاک میں زندگی کے ہر پہلو میں اسے اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اسوہ رسولؐ:

اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو عدل اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔جیسا کہ فرمایا:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (شوریٰ:15)

''اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں تمہارے درمیان عدل کروں۔''

چنانچہ حضورؐ نے ہمیشہ اس ارشاد خداوندی پر عمل کیا اور امیر وغریب عربی وعجمی غلام وآزاد اور مسلم وکافر کسی قسم کا امتیاز کبھی ملحوظ نہ رکھا بلکہ ہر شخص کو اس کا صحیح حق دلوایا۔

آپؐ نے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد یہی صفت اختیار نہیں کی بلکہ ابتداء سے آپ پیکر عدل وانصاف تھے اور آپؐ کے دشمنوں کو بھی ہمیشہ آپؐ کے عدل پر اعتماد رہا۔چنانچہ مشرکین مکہ اپنے جھگڑے آپؐ کے پاس فیصلے کے لئے لاتے تھے۔خانہ کعبہ کی تعمیر نو میں حجر اسود کے نصب کرنے پر قبائل قریش میں نزاع پیدا ہوا۔یہاں تک کہ تلواریں سونت لی گئیں۔بالآخر معاملہ آپؐ کے پاس لایا گیا اور آپؐ نے نہایت خوش اسلوبی سے یہ جھگڑا طے کرادیا۔

ہجرت کے بعد یہود مدینہ نے میثاق مدینہ قبول کرنے کے لئے حضورؐ کو اختلافی معاملات کے لئے ''حکم'' تسلیم کیا اور آپؐ کے عدل پر پورا پورا اعتماد ظاہر کیا۔یہود اگرچہ آپؐ کے سخت ترین دشمن تھے۔لیکن اپنے مقدمات آپؐ ہی کے پاس فیصلہ کے لئے لاتے تھے۔آپؐ بھی ہمیشہ حق بات پر فیصلہ دیتے تھے۔ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا۔دونوں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپؐ نے دونوں کی باتیں سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔

آپؐ کی سیرت طیبہ سے عدل وانصاف کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک بار بنی مخزوم کے معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی۔ مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ قریش نے محسوس کیا کہ اگر اس عورت کو سزا مل گئی تو ان پر حرف آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے غلام زادے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے ذریعے سفارش کرائی۔ حضورؐ کو علم ہوا تو اسامہؓ پر سخت خفا ہوئے اور فرمایا تم سے قبل بنی اسرائیل اسی وجہ سے برباد ہوئے کہ وہ بارسوخ آدمیوں کے معاملات میں نرمی برتتے تھے اور غرباء کے معاملوں میں سختی کر کے انہیں سزا دیتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا۔ چنانچہ آپؐ کے حکم کے مطابق اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

غزوہ بدر میں کفار مکہ کے بہت سے قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں آپؐ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ آپؐ نے سب قیدیوں کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا۔ عدل کے کرر ہا کرنے کا فیصلہ ہوا تو مسلمانوں نے حضرت عباس کے فدیہ میں کمی کرنا چاہی مگر آپؐ نے انکار کر دیا اور ایک درہم بھی کم نہ کیا۔

پیغمبر اسلام نے اپنے ارشادات میں بھی قیام عدل پر بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن عدل پر خدا کا سایہ ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن امام کا عادل کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب خدا کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس روز سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ ان میں ایک امام عادل ہوگا نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ حاکم عادل کی دعا قبول ہوتی ہے ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ رضا اور ناراضگی دونوں حالتوں میں کلمہ عدل کہوں۔ ایک روایت ہے کہ حضورؐ بارگاہ ایزدی میں دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! فقر و غنا دونوں حالتوں میں اعتدال عطا کر۔

عدل عربی کا لفظ ہے۔ انصاف کا لفظ بھی عدل کا ہم معنی ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کو دو برابر برابر حصوں میں بانٹنا' عدل اور ظلم آپس میں متضاد الفاظ ہیں۔

وضع الشیء فی غیر اهله

''کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا ہو اس کے لائق نہ ہو''۔

عدل کے معنی ہیں کسی شے کو ایسی جگہ رکھنا جو واقعی اس کے لائق ہو۔ اعتدال کا لفظ عدل ہی سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں میانہ روی اسے اوسط بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:

[خیر الامور اوسطها]

''ہر شے میں اعتدال اور میانہ روی بہتر ہے۔''

عدل و انصاف ایک عام فہم اصطلاح ہے اور اس کا مفہوم سبھی جانتے ہیں عدالت کا لفظ عدل ہی سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ایسی جگہ جہاں عدل کیا جاتا ہو۔ اسی طرح منصف کا لفظ بھی انصاف کرنے والے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ عدل و انصاف کی خواہش انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ یعنی وہ فطرتاً انصاف پسند ہے کیونکہ وہ کائنات کی ہر شے میں توازن اور اعتدال دیکھتا ہے لیکن ماحول کے اثرات کے تحت یا خواہشات نفسانی کے زیر اثر وہ عدل و انصاف سے ہٹ کر ظلم و جور پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسے مظلوم و مجہول کہا گیا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ سارا کارخانہ قدرت عدل و انصاف پر قائم ہے۔ ہر شے ایک مقررہ مقدار میں پیدا ہوتی ہے کائنات کا ہر جز دوسرے کے ساتھ غیر مرئی طریقے سے مربوط ہے اور ان سب میں کمال درجے کا توازن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ تمام اجرام فلکی ایک دوسرے کی کشش میں جکڑے ہوئے ہیں ان کا درمیانی فاصلہ پر حکمت طریقے سے ناپا تلا ہے اگر اس میں ذرہ برابر فرق آ جائے تو یہ کائنات تباہ و برباد ہو جائے مثلاً زمین اور سورج ہی کو لیجئے۔ یہ ایک خاص فاصلے پر قائم ہیں۔ زمین ایک خاص زاویے سے سورج کی طرف جھکی ہوئی ہے اگر سورج ذرا سا اور زمین کے قریب آ جائے تو یہاں کی ساری آبادی جل کر بھسم ہو جائے۔ اسی طرح اگر وہ زمین سے تھوڑا سا دور ہو جائے تو یہاں کی ساری مخلوق جم کر ختم ہو جائے۔ یہی حال باقی اجرام فلکی کا ہے قرآن نے بتایا ہے کہ جس روز سورج اور چاند ایک دوسرے سے مل جائیں گے اس روز قیامت آ جائیں گی۔

قرآن کی سب سے پہلی صورت فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (الفاتحہ:5)

''اے اللہ ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔''

یہ صراط مستقیم کیا ہے؟ یہ صراط مستقیم افراط و تفریط سے ہٹ کر وسطی راہ پر چلنے کا نام ہے۔ جسے عرف عام میں راہ اعتدال کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں امت مسلمہ انتہا پسندوں (Extremists) کی جماعت نہیں بلکہ اعتدال پسند لوگوں کی جماعت ہے قرآن میں بھی اسے امت وسطی کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ:143)

''اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہے یہ امت وسطی دنیا بھر کے انتہا پسندوں کے لئے نمونے کی امت ہے جو انہیں بتاتی ہے کہ اگر اعتدال کی راہ مطلوب ہے تو اس امت میں شامل ہو جاؤ۔ امت مسلمہ کے علاوہ ہر قوم یا تو افراط میں مبتلا ہے یا تفریط میں متوازن زندگی کا نمونہ کسی کے پاس نہیں۔''

حضورؐ نے معاشرتی اونچ نیچ کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

''تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں اور کسی کو کسی دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں ہے''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''کسی عجمی کو عربی پر یا کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ برتری اگر ہے تو صرف تقویٰ کی بناء پر ہے''۔

آپ نے فرمایا کہ:

''تم سب آدمی آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے''۔

آپ کے ان ارشادات نے تمام معاشرتی اونچ نیچ ختم کر دی اور معاشرے کے پس ماندہ طبقوں کو بھی اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ قرآن نے انسانوں کی نسلی اور قبائلی تقسیم کو صرف تعارفی قرار دیتے ہوئے یوں کہا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:13)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کسی قبیلے یا کسی نسل کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔ سب آپس میں برابر ہیں کسی کو کوئی فوقیت نہیں ہے۔ حقیقی معیار بلند اخلاق اور اعلیٰ صفات میں پنہاں ہے دولت وشہرت اور منصب ومراتب کو کسوٹی (Criterion) قرار نہیں دیا جا سکتا۔

3۔احسان (Benevolence)

احسان کا مادہ (ح۔س۔ن) حسن ہے جس کے معنی ہیں کوئی اچھا کام کرنا یا احسن طریقہ سے کسی کام کو سرانجام دینا حسن اردو میں خوبصورتی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں بھی اس کے معنی خوبصورت طریقے سے کام کرنے کے ہیں عربی میں احسنت کے وہی معنی ہیں جو انگریزی میں خوب کیا (Well-Done) کے ہیں۔ اس لفظ کے اردو میں معنے ہوں گے: ''کمال کر دیا'' لہٰذا احسان کے وسیع تر معنی کسی اچھے اور نیکی کے کام کو بہترین طریقے سے سرانجام دینے کے ہیں۔ نیز خوشگوار' حق سے زائد دینا' مہلت دینا' خطا معاف کرنا' ذمہ داری پوری کرنا' باہمی معاملات فراخدلی' بردباری و کشادگی سے طے کرنا بھی احسان ہے۔

جب احسان کا لفظ ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں بہت زیادہ اچھے کام کرنا اور ہر اچھے کام کو بہترین طریقے سے کرنا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے زندگی اور موت کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے تا کہ ہم دیکھیں کہ تم میں سے کون کس قدر اچھے کام کرتا ہے۔ یہی حسن عمل انسان کا اصل سرمایہ ہے اسلام کا جہاں یہ حکم ہے کہ جس قدر زیادہ نیکی ہو سکے کی جائے اسی طرح ساتھ ہی یہ بھی ہدایت ہے کہ ہر نیکی خوب سے خوب تر طریقہ پر سرانجام دو کہ گویا یہ تمہارا آخری عمل ہے اس فرمان نبوی کا مدعا یہ ہے۔ کہ ہمیشہ حسن عمل کا اعلیٰ ترین درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ مزید براں مالی مدد کرنا' مصیبت میں کام آنا' ضروریات پوری کرنا' دکھ درد بانٹنا' معذرت قبول کرنا' صلح کرنا اور رنجش دور کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

اقسام (Kinds):

انسانی اعمال دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

حقوق اللہ سے مراد ایسی عبادات ہیں جن کا تعلق فقط اللہ سے ہے مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں یا حج کرتے ہیں یا گویا اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ حقوق العباد سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے جو حقوق ہم پر ہیں ہم انہیں ادا کریں مثلاً ہم پر ہمارے والدین کے حقوق ہیں ہماری اولاد کے حقوق ہیں یا رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق ہیں ان سب حقوق کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ ان پر دو حقوق کی ادائیگی میں احسان کو ملحوظ رکھو جب عبادت کی جائے تو بہترین طریقہ سے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (القصص:77)

''جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کئے ہیں اسی طرح تو بھی احسان کر۔''

اس حکم ربانی سے مراد یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے تجھے ''احسن تقویم'' یعنی بہترین شکل وصورت پر پیدا فرمایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور تجھے بے شمار مخلوقات پر فضیلت دی ہے اسی طرح تو بھی اس کے بدلے میں بہترین اعمال سرانجام دے۔ اللہ نے انسان میں اپنی روح پھونکی ہے اسے عقل وشعور سے نوازا ہے اور دنیا میں اسے اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا ہے یہ اللہ کے احسانات ہیں اگر ان کے جواب میں انسان برے اعمال کرنے لگے تو یہ احسان فراموشی ہوگی حالانکہ نیکی کا بدلہ نیکی ہونا چاہئے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن:60)

''کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ اور بھی ہوسکتا ہے؟''

یعنی معمولی عقل وشعور رکھنے والا شخص بھی یہ جانتا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہونا چاہئے۔ لہٰذا ہمیں اللہ کے احسانات کے جواب میں احسان کرنا چاہئے۔

اہم نکات:

یہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ حسن نیت:

عبادت میں احسان کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہم خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کسی دوسری طاقت کو اس میں شریک نہ کریں۔ یعنی عبادت سے ہمارا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہو قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البینہ:5)

''اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے یہی خلوص نیت احسان کہلاتا ہے۔''

اگر اللہ کی عبادت میں اس کی رضا کے علاوہ کوئی اور جذبہ شریک ہو جائے تو یہ خلوص نیت باقی نہیں رہے گا پھر اسے شریک کہا جائیں گا۔ جیسے قرآن نے ظلم عظیم قرار دیا ہے اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ ہم نہ صرف اپنی زبان سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں بلکہ دل میں بھی یقین رکھیں کہ ہماری نمازیں' ہماری قربانیاں' ہماری زندگی اور ہماری موت سب اللہ کے لئے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

۲۔ موجودگی کا احساس:

عبادات میں احسان کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ جب ہم عبادت کریں تو اس احساس کے ساتھ کریں گویا کہ ہم اللہ کے روبرو کھڑے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اس طرح عبادت کرے۔ کانک تراہ کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو اس طرح عبادت کر کہ گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے یعنی ہماری مر عبادت مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ سرانجام پانی چاہئے۔ جس طرح ایک غلام اپنے آقا کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی اللہ کے سامنے عاجزانہ انداز سے کھڑا ہونا چاہئے اور ہمہ وقت اس کی موجودگی کا احساس کرتے رہنا چاہئے۔ حضورؐ کے الفاظ میں اگر ہمارے لئے یہ احساس مشکل ہو کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں تو کم از کم ہمیں یہ تو ضرور محسوس کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے چھپ کر ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہماری یہ حرکت اس کی نگاہ میں ہے لہٰذا ہماری پوری توجہ اس کی طرف مبذول رہنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہئے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (البقرہ:271)

''اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ (المائدہ:7)

''کے مصداق زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ دل کی پوشیدہ باتوں سے بھی باخبر ہے جہاں تم دو ہوتے ہو وہاں وہ تیسرا ہوتا ہے اور جہاں تو اکیلے ہو وہاں وہ دوسرا ہوتا ہے لہٰذا اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر وقت جاگ رہا ہوتا ہے اسے کبھی نیند نہیں آتی نہ ہی اس پر تھکن طاری ہوتی ہے لہٰذا تم جو عمل بھی کرو اس احساس کے ساتھ کرو کہ وہ علیم بذات الصدور (یعنی دل کے بھیدوں سے واقف ذات تمہیں دیکھ رہی ہے)۔''

۳۔ نیکی سے پیش آنا:

(الف) حقوق العباد کے ضمن میں احسان کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ آپ ہر انسان کی خیر خواہی کریں اور اس کی بھلائی کے آرزو مند ہوں۔ اسلام میں خوش آمدید (Greeting) یعنی باہم ملاقات پر ''السلام علیکم'' کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں آپ کی سلامتی چاہتا ہوں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سلام کو خوب پھیلاؤ اور ہر ملنے والے کو سلام کرو چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

(ب) نیکی کا بدلہ بڑھ کر دینا: احسان کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی شخص آپ سے نیکی کرے تو آپ اس سے بڑھ کر بدلہ اتاریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ (النحل:90)

''اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔''

عدل کے معنی برابری کے ہیں اور احسان کے معنی برابری سے زیادہ کے یہاں احسان سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کو تحفہ دے تو آپ اس سے بڑھ کر تحفہ دیں۔ اگر کوئی شخص آپ کو السلام علیکم کہے تو آپ جواب میں بڑھ کر وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں عادل اور محسن دونوں شامل ہیں اللہ کا عدل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص برائی کا ارتکاب کرے تو اللہ اس کے نامہ اعمال میں ایک بدی لکھ دے لیکن اس کے برخلاف اس کا احسان یہ ہے کہ اگر وہ ایک نیکی کرے تو اللہ اسی کے نامہ اعمال میں دس سے لے کر کئی گنا تک نیکیاں لکھ دے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''میرا بندہ اگر میری طرف ایک قدم بڑھاتا ہے تو میں اس کی طرف دس قدم بڑھ کر آتا ہوں لیکن اگر وہ مجھ سے ایک قدم دور ہٹتا ہے تو میں بھی اس سے ایک قدم دور ہٹ جاتا ہوں''۔

4۔ احسان میں اسوۂ رسولؐ:

حضورؐ کا دستور تھا کہ جب آپ قرض یا ادھار لیتے تو واپسی پر اس سے زیادہ ادا فرماتے ایک دفعہ آپ نے کسی سے ایک اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا بعض اوقات ایسا ہوتا کہ آپ کسی شخص سے ایک چیز خریدتے اور قیمت چکا دینے کے بعد وہ چیز اسی کو بطور عطیہ عنایت فرما دیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمرؓ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک اونٹ خریدا پھر اسی وقت وہ اونٹ حضرت عمرؓ کے بیٹے کو دے دیا۔ حضورؐ کی پوری زندگی احسان کا عملی نمونہ تھی۔ آپ نے کبھی کسی شخص کا حق سلب نہیں کیا بلکہ دوسرے لوگوں کو ان کے حق سے زیادہ دیا۔ اگر کسی نے آپ سے ذرا سی نیکی کی تو آپ نے بڑھ چڑھ کر اس کا بدلہ دیا۔ عبداللہ بن ابی سخت منافق تھا اور حضورؐ اس کی مخالفت سے پوری طرح باخبر تھے لیکن اس کے مرنے پر کفن کے لئے اسے اپنا قمیض عطا فرمایا کیونکہ اس نے جنگ بدر کے موقع پر حضورؐ کے چچا حضرت عباس کو اپنا قمیض دیا تھا۔ حضرت عباس کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے اور پھر کفار مکہ کی شکست کے نیچے میں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے تھے۔ چونکہ وہ لمبے سے ننگے تھے اور کسی کا قمیض انہیں پورا نہیں آتا تھا اس لئے عبداللہ بن ابی کے انہیں پہننے کے لئے اپنا کرتہ دیا تھا۔ حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کے اس احسان کو یاد رکھا اور اس کی وفات پر کفن کے لئے اپنا قمیض عنایت فرمایا اسی طرح دادا کی وفات کے بعد حضورؐ کی پرورش آپ کے چچا ابوطالب نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس احسان کا بدلہ آپؐ نے اس طرح اتارا کہ اپنے چچا کے بیٹے علیؓ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔ غرض کہ حضورؐ احسان کی سچی تصوری اور ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کا عملی نمونہ تھے۔

5۔ نیکی کے بدلے میں نیکی:

اسلام کی تعلیم صرف یہیں تک محدود نہیں کہ نیکی کے بدلے میں نیکی کرو بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تلقین بھی کرتا ہے کہ وہ برائی کے بدلے میں بھی نیکی کریں قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ﴾ (المومنون:96)

''برائی کو احسن طریقہ سے پرے ہٹاؤ۔''

یعنی برائی کرنے والے سے بھی اچھا سلوک کرو ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر میں کسی کے پاس جاؤں اور وہ میری مہمانی اور ضیافت نہ کرے تو کیا جب وہ میرے پاس آئے تو میں بھی اس سے ویسا ہی سلوک کروں؟ حضورؐ نے فرمایا:

''نہیں جب وہ تیرے پاس آئے تو تو اس کی مہمانی کر۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دینا چاہئے۔ ایک شخص اگر کنجوسی کرے تو اس کے جواب میں کنجوسی نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے آپ میں اور اس میں فرق کیا رہ جائیں گا مزہ تو یہ ہے کہ وہ برائی کرے اور آپ جواب میں بھلائی کریں۔

حضورؐ نے فرمایا کہ:

''دوسرے شخص کی رائے کے پیچھے چل کر مت کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ نہیں بلکہ ایسا کرو کہ لوگ احسان کریں تو ان کے ساتھ بھی احسان سے پیش آؤ اور اگر وہ برائی کریں تو (تب) بھی ظلم نہ کرو۔''

برائی کے مقابلہ میں نیکی کی تلقین صرف اسلام کی خصوصیت ہے ورنہ عام طور پر انسانی رویہ یہی ہے کہ جو شخص جیسا سلوک کرے اس سے ویسا ہی سلوک کیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ قتل میں احسان:

حضورؐ کا فرمان ہے کہ:

''جب تم کسی کو ہلاک کرو تو بھلے طریقہ سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو بھلے طریقہ سے ذبح کرو اپنی چھری تیز کرلو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ''۔ (مسلم کتاب الصید)

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

جب کسی شخص یا موذی جانور کو مارو تو ظالمانہ طریقے سے ہلاک نہ کرو قبل از اسلام دوز مین بعض لوگ اپنے دشمن کو ایذا دے دے کر ظالمانہ طریقے سے ہلاک کیا کرتے تھے۔ کبھی ایک بازو کاٹتے کبھی دوسرا۔ پھر ایک ایک کر کے دونوں ٹانگیں کاٹتے تھے۔ اس طرح مقتول سسک سسک کر جان دیتا تھا۔ بعض لوگ دشمن کو قید کر کے بھوک اور پیاس سے مار دیتے تھے۔ اسلام نے ان تمام طریقوں سے ممانعت کر دی اس طرح عرب دشمن کی لاش کا مثلہ کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر تمام مردوں کی ناکیں اور کان کاٹ کر ہار پرو لیتے تھے۔ جنگ احد کے موقع پر ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر کچا چبا لیا تھا۔ اسلام نے لاش کی بے حرمتی کے یہ تمام طریقے بند کر دیئے۔ اسی طرح اسلام نے موذی جانوروں مثلاً سانپ بچھو وغیرہ کو ظالمانہ طریقے سے مارنے سے منع کیا ہے اگر موذی جانوروں کو چوٹ سے مارا جا سکے تو انہیں آگ میں جلانا روا نہیں ہے۔

۲۔ ذبیحہ:

اسلام نے حلال جانوروں کے ذبح کے بارے میں بھی مفصل ہدایات دی ہیں۔ سب سے پہلی ہدایت تو یہ ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے چھری تیز کرلو اور کند چھری سے ذبح کر کے جانور کو عذاب نہ دو۔

حضورؐ کا فرمان ہے کہ:

''چھری تیز کر کے اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ''۔

یعنی اگر تیز چھری سے ذبح کرو گے تو جانور کو تکلیف کم ہوگی۔ ذبیحہ کے بارے میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے جانور کو خوب کھلا پلا لو بھوک کی حالت میں جانور کو ذبح نہ کرو۔ تیسری ہدایت یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے لئے گھسیٹ کر نہ لے جاؤ۔ چوتھی ہدایت یہ ہے کہ ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کرو بلکہ ہر جانور کو الگ جگہ ذبح کرو اور آخری ہدایت یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ کرو ایک دفعہ حضورؐ نے دیکھا کہ ایک شخص بکری کو ذبح کرنے کے لئے گرا کر اس کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے اور وہ بڑی بے بسی سے اس کو دیکھ رہی ہے۔ حضورؐ نے اس شخص سے فرمایا:

''کیا تم اسے موت سے پہلے ہی مارنا چاہتے ہو؟''۔

ایک صحابیؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ بکریوں کو ذبح کرتے وقت مجھے ترس آتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''اگر تم ان پر رحم کرو گے تو اللہ بھی تم پر رحم کرے گا''۔

6۔ معاشیات و احسان میں تعلق:

احسان معاشی سرگرمیوں پر بہت گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ جہاں احسان آجر سے یہ کہتا ہے کہ مزدور کی اُجرت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بڑھ کر اس کو دیا جائے وہاں احسان مزدور سے بھی یہ رائے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی پوری کارکردگی' ایمانداری اور طاقت کو استعمال میں لائے جس سے اجر اور مزدور کے تعلقات بہتر ہو جائیں گے جس سے معاشی سرگرمیاں بہتر طور پر سرانجام پاتی رہیں اور پیداوار میں اضافہ ہوتا رہے۔ صرف میں درمیانی راستہ اپنایا جائے اعزہ واقارب ہمسایوں اور غریبوں کے ساتھ احسان کیا جائے۔ راہ گیروں' بے کسوں محتاجوں' یتیموں' مسکینوں' مہمانوں' مقروضوں کی مدد کی جائے تحفے دینا' دعوت کرنا بھی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ اشیاء کے تبادلہ میں بھی احسان کا دامن مضبوطی سے پکڑا جائے۔ دوسروں کے نقصان پر اپنا فائدہ نہ ڈھونڈا جائے۔ سودا طے کرنے میں مروت ومحبت کا عنصر شامل ہو تولنے میں بھی کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ خندہ پیشانی وملنساری سے خرید وفروخت ہو۔ قرض میں سہولت دینا بہت اہم ہے خیرات وصدا قات بھی احسان کا لازمی جزو ہیں وصیت وراثت اور شفعہ میں بھی اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ سرکاری واجبات کی ادائیگی میں احسان شامل ہے خراب حالات میں ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی احسان کہلاتا ہے۔ کسی طرح بھی سکھ دینا احسان ہے۔

4۔ معاونت (Co-operation)

اسلام کی باقی اقدار کی طرح یہ بھی اس کے فلسفہ حیات وکائنات سے متعلق ہے۔ جس کے مطابق یہ کائنات ایک وحدت ہے اور اس کا ہر جزو دوسرے اجزاء کے ساتھ مربوط ہے دوسرے الفاظ میں اس کائنات کی ہر شے دوسری چیز سے تعاون کرنے پر مجبور ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ کائنات صفحہ ہستی پر نہیں رہ سکتی۔ تعاون کائنات کی ایک بنیادی قدر ہے۔ انسان بھی اس کائنات کا ایک جزو ہے۔ وہ ایک ایسی کائنات کے اندر پیدا نہیں کیا گیا ہے جو اس کی مونس ومددگار نہ ہو۔ انسان کو خدا نے اجنبی فضا میں تخلیق نہیں کیا۔ فطرت انسان کے لئے متضاد پیدا نہیں کی گئی۔ فطرت کے اندر جو قوتیں پیدا کی گئی ہیں انسان کا فرض ہے کہ ان کو سمجھے۔ اس طرح وہ کائنات کو مسخر کر سکتا ہے۔ چنانچہ کائنات کا تمام نظام تعاون پر مبنی ہے۔ اسلام کے تصور انسان کو لیجئے انسان اس کائنات کا حصہ ہے اور کائنات کے دوسرے افراد سے مربوط ہے چونکہ ہر انسان کائنات کا جزو ہے اور مربوط ہے اس لئے ہر انسان دوسرے انسان سے گہرا ربط اور تعلق رکھتا ہے۔

انسانوں کے تعلقات کی اپنی نوعیت بھی معاونت پر مبنی ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان سے تعاون کرنے پر مجبور ہے۔ انسان کو اللہ نے معاشرتی حیوان کے طور پر پیدا کیا ہے۔ معاشی نقطہ نظر سے کوئی انسان خود کفیل نہیں ہے فرد کی بہت سی ضروریات دوسرے لوگ پوری کرتے ہیں۔ انسان دوسرے انسانوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہے۔ اس طرح جغرافیائی خطوں کو دیکھئے ہر خطے کو یکساں وسائل سے سرفراز نہیں کیا گیا۔ چنانچہ انہی ذرائع کے امتیاز کی بنا پر بین الاقوامی تجارت وجود میں آتی ہے۔ ایک ملک ان اشیاء کی پیدائش میں تخصیص حاصل کرتا ہے جن میں اس کو برتری حاصل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ہی یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں خدا نے تمام انسانوں کو آدمؑ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا گیا تھا اس اعتبار سے سب انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ہر انسان کو دوسرے انسان سے اسی طرح تعاون کرنا چاہئے۔ جس طرح بھائی بھائی سے کرتا ہے۔ سورۃ النساء کی پہلی آیت میں ارشاد ربانی یوں ہے:

''لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پیدا کئے اور دنیا میں پھیلا دیئے۔''

اس تناظر میں دیکھیں تو اسلام وحدت انسانیت کا قائل ہے ہر انسان دوسرے انسان سے گہرا رشتہ وتعلق رکھتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ پوری انسانیت ایک وحدت ہے اور یہ ایک ہی جان سے پیدا کئے گئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سب انسان ایک وحدت ہیں تو انسانوں میں امتیاز کیوں برتا جاتا ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اختلاف اس لئے ہے کہ تمام کے تمام انسانوں میں وحدت کی قدر متحرک ہو سکے۔ یہ مختلف راہیں اختیار کر کے بھی ایک راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں جو کہ اللہ کی راہ ہے فرض کریں سب انسان ایک جیسے ہوں تو ہر انسان خود کفیل ہوگا انسانوں کے اختلاف و امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ اس کثرت کے اندر وحدت پیدا ہو قرآن حکیم میں یہی حکمت بیان کی گئی ہے۔ سورۃ الحجرات کی 13 آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

''اے لوگو ہم نے تم کو اس لئے مختلف قوموں اور قبیلوں میں بانٹ رکھا ہے تا کہ تم کو ایک دوسرے کے ساتھ تعارف میں آسانی ہو۔''

شناخت سے فرق پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم سب کی شکلیں اور صورتیں ایک جیسی ہو جائیں تو ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں تعارف کی بنا پر تعاون وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے تصور انسان کی بنا پر تعاون وجود میں آتا ہے۔

انسانی زیست کا مقصد فلاح کا حصول ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ انسان اس وقت تک فلاح حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ دوسرے سے تعاون نہ کرے سورۃ العصر میں ارشاد ہوتا ہے:

''زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارہ میں ہے بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے عمل صالح کریں ایک دوسرے کو حق کی تلقین کریں اور ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی نصیحت کرتے رہیں۔''

ان اہل ایمان افراد کی خصوصی صفت تعاون ہے کیونکہ ایک دوسرے کو وہی حق کی تلقین کریں گے جو ایک دوسرے سے معاونت کریں گے۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ تعاون صرف نیکی کے کاموں میں ہونا چاہئے برائی کے کاموں میں نہیں یا ایسے کاموں کے لئے ہونا چاہئے جس میں انسانیت کی فلاح ہو سورۃ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور ظلم و زیادتی اور گناہ میں تعاون نہ کرو۔''

تعاون کی جب یہ قدر امت مسلمہ میں پیدا ہوتی ہے تو اسلام کی ایک دوسری مستقل قدر وجود میں آتی ہے۔ اخوت صرف مسلمانوں کا حق ہی نہیں بلکہ جو بھی آغوش اسلام میں آجاتا ہے اخوت کا حق دار بن جاتا ہے۔ فرض کریں تعاون ایک عالمگیر اشتراک (Universal Combination) ہے۔ تمام انسانوں کے درمیان جب واسطہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو ہم تعاون کہتے ہیں۔ بلا امتیاز رنگ و نسل قوم و مذہب کے اس سیٹ کے سارے ارکان کے درمیان تعاون ہونا چاہئے اگر اس جٹ سے ان تمام مبرز کو نکال لیں جو مسلمان ہیں تو یہ ایک ضمنی سیٹ (Sub-Set) بن جاتا ہے جس میں فقط مسلمان شامل ہیں ان کے درمیان جو تعلقات پیدا ہوتے ہیں اس کو اخوت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک محدود سیٹ نہیں ہے بلکہ غیر محدود سیٹ (Infinite Set) ہے جو لوگ ایمان لے آئیں گے وہ اس سیٹ میں شامل ہو جائیں گے تعاون سب انسانوں کے درمیان ہوتا ہے جب کہ اخوت صرف مسلمانوں کا حق ہے۔

سورۃ توبہ کی 71 ویں آیت میں فرمایا گیا ہے:

''مومن فرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق اور دم ساز ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جب یہ مجسم لیتی ہے تو مسلمان ایک دوسرے کے رفیق بن جاتے ہیں۔ بخاریؒ کی حدیث مبارک ہے:

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

حضورؐ نے امت مسلمہ کو ایک جسد واحد سے تشبیہہ دی ہے گویا حضورؐ نے امت مسلمہ کو ایک معاشی نمونہ (Economic Model) کی صورت دی ہے کیونکہ سارے فرزندان توحید اس میں جڑے ہوئے ہیں۔

''باہم لطف و کرم انس و محبت میں مسلمانوں کا حال جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو بدن کا ہر عضو بے خوابی اور بخار کے ذریعے اس کا شریک غم بن جاتا ہے۔''

ساری اُمت مسلمہ ایک عضویت (Organism) ہے۔ اگر ایک رکن کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو تمام امت بے قرار و بے چین ہو جاتی ہے۔ ایک اور ماڈل حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

''ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو تھامے اور سنبھالے رکھتی ہے۔''

یہاں باہمی انحصاریت کو واضح کیا گیا ہے اگر ایک اینٹ عمارت سے نکال دی جائے تو عمارت کمزور پڑ جاتی ہے اس طرح ایک مومن دوسرے کے لئے عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے اگر ایک مومن بھی تعاون نہیں کرتا ہے تو تمام امت مسلمہ کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس طرح پوری کائنات میں تعاون ہے انسان فلاح کے مقصد کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک تعاون نہ کرے۔

دین نے اسی قدر کو اخوت کا نام دیا ہے۔

اسلام کی اقدار کو نوعیت بنیادی طور پر اخلاقی ہوتی ہے تعاون بھی اخلاقی قدر ہے کیونکہ یہاں چناؤ کا سوال ہے لیکن اس اخلاقی قدر کے مختلف پہلو ہوتے ہیں تعاون کی یہی قدر جب ہمارے معاشی روابط کو منضبط کر رہی ہوتی ہے تو اس وقت یہ معاشی پہلو اختیار کر لیتی ہیں۔ فرض کریں آج کوئی چیز تیار کر رہا ہے۔ اس شے کی پیداوار سے یہ معاشرے کے ساتھ تعاون کر رہا ہوتا ہے۔ درحقیقت تعاون سے مراد افراد اور اداروں کی وہ مشترکہ جدوجہد ہے جس کی بنا پر وہ معاشی مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

5۔ اخوت (Brotharhood)

اخوت کا لفظ اخ سے اخذ کردہ ہے۔ عربی میں اخ کے معنی بھائی کے ہیں۔ لہٰذا اخوت کے معنے ہیں برادری، بھائی چارہ، برادرانہ مواخاۃ اصطلاح میں اخوت سے مراد اسلامی برادری ہے جو الفت و محبت کے برادرانہ رشتوں میں بندھی ہوئی ہے۔ اس برداری میں شامل ہر فرد ایک دوسرے کو سگے بھائی سے بڑھ کر محبوب رکھتا ہے۔ اس طرح اخوت اسلامی دنیا کے مسلمانوں پر محیط ہے اگر کسی ایک ملک کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو ساری دنیا کے مسلمان اذیت محسوس کرتے ہیں۔

اہمیت و افادیت (Importance and Utility):

مسلم برادری دنیا کی واحد برادری ہے جس کے افراد ایک دوسرے سے نظریاتی رشتے میں منسلک ہیں اور سگے بھائیوں سے بڑھ کر ہم عقیدہ بھائیوں سے پیار کرتے ہیں۔ دنیا میں برادرانہ جذبات عام طور پر نسبی یا خاندانی رشتوں تک محدود ہوتے ہیں۔ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد برادری کہلاتے ہیں جو رنج و غم اور مسرت میں ایک دوسرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھی وشریک ہوتے ہیں لیکن اخوت اسلامی کے رشتے میں بندھے ہوئے افراد نسب یا خاندان کو اتنی اہمیت نہیں دیتے جس قدر وہ مذہب کو دیتے ہیں ان کے حقیقی بھائی اگر کافر ہوں تو ان کے مقابلے میں وہ دینی بھائیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے سگے بھائی اگر کفار کی طرف سے لڑنے آئیں تو وہ اسلام کی جانب سے ان کے مقابلے میں بھی صف آراء ہو جاتے ہیں اور خاندان یا برادری کو اسلام کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں دیتے۔

جب قریش مکہ نے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دوبھر کر دیا تو حضورؐ نے انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی چنانچہ ایک ایک دو دو کر کے مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے بعد میں حضور اکرمؐ خود بھی مدینہ شریف لے آئے۔ مہاجرین مکہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے۔ اگرچہ ان میں دولت مند اور خوشحال لوگ بھی تھے لیکن چونکہ وہ کافروں سے چھپ کر نکلے تھے اس لئے کچھ بھی ساتھ نہ لائے انصار مدینہ نے مہاجرین کی بڑی آؤ بھگت کی لیکن یہ عارضی بندوبست تھا اور ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ لہٰذا حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ کے مکان میں تمام لوگ جمع ہوئے مہاجرین کی کل تعداد اس وقت 45 تھی حضورؐ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا یہ تمہارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو افراد کو بلا کر فرماتے گئے کہ آج سے یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیا اور اپنے اپنے مہاجر بھائی سے کہا آدھا آپ کا' آدھا ہمارا ہے۔ سعد بن ربیعؓ جو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بھائی قرار پائے تھے دو بیویاں رکھتے تھے انہوں نے عبدالرحمٰنؓ سے کہا میں ایک کو طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انہوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔

مواخاۃ کا یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ جب کوئی انصاری فوت ہوتا تو اس کی جائیداد مہاجر بھائی کو مل جاتی اور سگے بہن بھائی محروم رہتے۔ مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس افتادہ زمینیں اپنے مہاجر بھائیوں کو دے دیں۔ جن کے پاس زمین نہ تھی انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات بانٹ کر مہاجرین کو دے دیئے بعد میں جوں جوں مزید مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتے گئے حضورؐ انہیں بھی سلسلہ مواخات میں انصار کے بھائی بناتے گئے۔

اگرچہ مواخات کا سلسلہ شروع شروع میں انصار و مہاجرین تک محدود تھا لیکن بعد میں سارے مسلمانوں کو ایک برادری قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:10)

''بیشک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

قرآن کے اس ارشاد کا اتنا اثر ہوا کہ مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے مقابلے میں مسلمان بھائیوں کو ترجیح دینے لگے۔ حتیٰ کہ میدان جنگ میں اپنے غیر مسلم بھائیوں کے مقابلے میں شمشیر بکف آ را ہو گئے۔ چنانچہ چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے اپنے سگے باپ کو جو کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے اسلام پر قربان کر دیا۔ اس لڑائی میں لشکر قریش کے سردار عتبہ کے بیٹے ابوحذیفہؓ مسلمانوں کی طرف سے داد شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے جو اس وقت تک کافر تھے۔ میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر مقابلے کو نکلے اسی لڑائی میں حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ گویا مسلمانوں نے عملاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ثابت کر دیا کہ ان کی نظر میں رشتہ صرف دین کا رشتہ ہے۔ اگر بھائی اسلام قبول کر لیں تو وہ بھائی ہیں اگر اسلام قبول نہ کریں تو وہ دشمن ہیں۔

اخوت اسلامی کا دوسرا مظاہرہ جنگ بدر کے قیدیوں کے فیصلے کے موقع پر پیش آیا تھا۔

حضورؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کے معاملے میں کیا کیا جائے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں لہٰذا فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ سب کو قتل کر دیا جائے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ اگرچہ بعد میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ کا یہ مشورہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمان کے نزدیک حقیقی اخوت صرف اسلامی اخوت ہے۔ سگا بھائی اگر کافر ہے تو وہ مسلمان کا بھائی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

ان نکات کی اہمیت:

یہ نکات اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱۔ آپس میں نرمی:

اخوت اسلامی کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اس برادری میں شامل افراد آپس میں جتنے رحیم و شفیق ہوتے ہیں۔ اتنے ہی دشمن کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:29)

ترجمہ: ''محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ کفار کے خلاف سخت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کوئی نرم چارہ یا موم کی ناک نہیں کہ کافر جدھر چاہیں موڑ لیں بلکہ وہ اپنے موقف پر سختی سے ڈٹ جانے والے ہیں اور آپس میں رحیم و شفیق ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپس میں بھائیوں کی طرح الفت و محبت سے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر جان نچھاور کرتے ہیں۔ بقول حضرت علامہ اقبالؒ:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

۲۔ خیر خواہی:

اسلامی اخوت کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی برادری کے تمام ارکان آپس میں خیر خواہ ہوں۔ کیونکہ اخوت کا اصل الاصول نیک نیتی یا خلوص ہے۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ دین خلوص کا نام ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا خلوص کس لئے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے لئے مسلمانوں کے حکام کے لئے اور مسلمان عوام کے لئے یعنی ہر مسلمان جس طرح اللہ تعالیٰ سے مخلص ہوتا ہے اسی طرح اسے تمام برادران اسلام سے مخلص ہونا چاہئے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (الانفال:72)

ترجمہ: ''مسلمان ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔''

اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی بھلائی چاہئے خواہ وہ سامنے موجود ہو یا غیر حاضر ہو۔ حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی بھلائی چاہئے خواہ وہ سامنے موجود ہو یا غیر حاضر ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا:

''کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔''

۳۔ بھائی پر ظلم نہ کرنا:

اخوت اسلامی کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان بھائی اپنے بھائی کا برا نہ چاہے حضورؐ کی ایک حدیث یہ ہے:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے نہ اسے حقیر جانتا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیح اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ نہ چھوڑے بلکہ آخر دم تک اس کی مدد کرتا رہے۔ اسی طرح صحیح اخوت اسلامی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے جھوٹ نہ بولے نہ اسے دھوکہ دے۔

۴۔ مسلمان بھائی کو حقیر نہ سمجھنا:

اخوت اسلامی کو چوتھا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کی عزت کریں اور کسی مسلمان بھائی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

''آپ کے پاس اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے باہمی محبت ختم ہو جاتی ہے اور دلوں میں گرہیں پڑ جاتی ہیں۔''

حضورؐ کا ارشاد ہے:

''ہر مسلمان کا خون اس کا مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

یعنی وہ اپنے مسلمان بھائی کا خون نہیں بہا سکتا نہ اس کی آبرو پر بٹہ لگا سکتا ہے اور نہ ہی ناحق اس کا مال لے سکتا ہے ایک اور موقع پر آپؐ نے یوں فرمایا:

''کسی مسلمان کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف ایسی نگاہ سے اشارہ بھی کرے جس سے وہ رنجیدہ ہو۔''

یعنی آنکھ کے اشارے سے بھی بھائی کی توہین کرنا یا اس کا دل دکھانا اخوت اسلامی کے منافی ہے۔

۵۔ اعانت کرنا:

اخوت اسلامی کا ایک اور تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے۔

حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے:

[انصر اخاک ظالما او مظلوما]

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔''

حضورؐ کا یہ حکم سن کر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مظلوم کی مدد کرنے والی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کرنے والی بات سمجھ میں نہیں آتی آپ نے فرمایا ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم کرنے سے روک دو یعنی اپنے کسی بھائی کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گناہ سے روکنا خیر خواہی پر مبنی ہے۔ سچی خیر خواہی یہی ہے کہ اگر ہمارا کوئی بھائی گناہ کے گڑھے میں گرنے والا ہو تو ہم آگے بڑھ کر اسے روک لیں اور یوں گڑھے میں گرنے سے بچالیں۔

حضورؐ کا ایک اور ارشاد ہے کہ

''جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے۔ اللہ اس کا حاجت روا ہوتا ہے اور جو شخص دنیا میں کسی بھائی کے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے اور قیامت کے روز اس کے عیوب پر پردہ ڈال دیتا ہے۔''

۶۔ جائز سفارش:

جب آپ اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی نہ کرسکیں تو یہ کرسکتے ہیں کہ کسی ایسے آدمی کو سفارش کردیں جو اس کی ضرورت پوری کرسکتا ہو۔ اسلامی اخوت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ اپنے بھائی کی حاجت روائی کی پوری پوری کوشش کریں۔ ایک روز حضورؐ نے فرمایا کہ زبان کے صدقہ سے کوئی صدقہ افضل نہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا:

یارسول اللہ! زبان کا صدقہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

''کوئی ایسی سفارش جس سے تم خونریزی روک دو۔ یا ایک دوسرے کو فائدہ پہنچا سکو یا کسی سے ناپسندیدہ چیز دور رکھ سکو''۔

۷۔ جذبہء قربانی:

مسلم بھائی چارے کا ایک فائدہ اور تقاضا یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے بھائی کے لئے صرف وہی چیز پسند کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے بلکہ اسے اپنی ذات پر ترجیح بھی دے۔ یہی ایثار و قربانی ہے مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت موخر کرکے بھائی کی ضرورت پہلے پوری کرے خود بھوکا رہے اور دوسروں کا پیٹ بھرے۔ خود کمتر چیز لے لے اور اپنے بھائی کو بہتر چیز دے۔ قرآن میں مومن کی شان میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر:9)

''اور مومن اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگی ہی میں کیوں نہ ہوں''۔

۸۔ غیبت اور حسد کی روک تھام:

کسی مسلمان کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرے۔ قرآن نے غیبت کو ذمائم اخلاق میں شمار کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا﴾ (الحجرات:12)

''ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟''۔

گویا غیبت اپنے بھائی کا مردار کھانے کے برابر ہے۔ اسی طرح باہمی حسد کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ حسد وہ مرض ہے جس سے آدمی کا ایمان تک خطرے میں پڑسکتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو''۔

۹۔ ایک دوسرے کے حقوق:

حضورؐ نے اسلامی برادری میں محبت اور الفت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے ہدایت فرمائی کہ ہر مسلمان کے اپنے مسلمان بھائی پر مندرجہ ذیل حقوق ہیں:

۱۔ جب وہ ملے تو اسے سلام کرے۔
۲۔ جب وہ دعوت دے تو اسے قبول کرے۔
۳۔ جب اسے چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہے یعنی دعا کرے کہ اللہ تم پر رحم کرے۔
۴۔ جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے۔
۵۔ جب وہ انتقال کرے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔

مسلمانوں کے باہمی حقوق کا یہ وہ چارٹر ہے جس پر عمل کرنے سے اخوت اسلامی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائے گی اور بالآخر اُمت مسلمہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے گی جس سے ٹکرا کر دشمن خود ہی پاش پاش ہو جائے گا۔

۱۰۔ دائرہ کار (Scope):

ایک دوسرے سے الفت اخوت کا اثر معاش پر براہ راست ہوتا ہے ایک مسلم معاشرے کے اندر اخوت طاقت وقوت رکھنے والوں کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ استطاعت نہ رکھنے والوں کے لئے اقتصادی امداد کا ذریعہ بنیں اور عالم اسلام میں مختلف مسلم ممالک کے درمیان جذبہ اخوت اس بات پر اکسائے گا کہ وہ اپنے اپنے مخصوص وسائل کو باہم متحد کر کے عالم اسلام کی معاشی ترقی اور بہتری کا بندوبست کریں گے۔ اس وقت اگر عالم اسلام کو بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اس میں نہ دولت کی کمی ہے نہ ذہانت اور صلاحیت کی نہ شجاعت کی مگر صحیح اسلامی اخوت نہ ہونے کے باعث وہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں جو نکل سکتے ہیں۔ ذرا تصور میں لائیے کہ اگر عربوں کی دولت پاکستان کی ذہانت اور اہلیت' ترکوں کی بصالت اسی طرح آپس میں مل جائیں جس طرح نظریہ اخوت اسلام کی روح سے ملنا چاہئے تو پھر نتائج کس قدر خوشگوار ہوں گے۔ خوش قسمتی سے اکثر مسلمان ممالک جغرافیائی لحاظ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں درست اخوت پیدا ہو جائے اور یہ سچے جذبہ ایمانی کے ساتھ سعی کریں تو انشاء اللہ ایک ایسا مضبوط بلاک بنے گا جسے کسی دوسرے بلاک کے رحم وکرم کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ ہی محتاجی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بشرطیکہ کام خلوص نیت اور صدق دل سے کیا جائے۔ نیز ایمانی' انسانی وقریبی اخوت ابھرے گی نمود ونمائش سے پرہیز ہونی چاہئے۔ کمزور افراد کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش ہونی درکار ہے کوئی بے یارومددگار نہ رہے۔ معذوری' ناداری' بے کاری اور بیماری کے حالات میں خبر گیری ودستگیری کرنی چاہئے۔

اوائیگی معاوضوں میں انصاف پروری وہمدردی کا مظاہر ہونا ضروری ہے اشیاء کے لین دین میں بھی بھائی چارہ کی فضا قائم ہونی چاہئے۔ وقت ومصیبت میں بھی اخوت کا دامن پکڑا جائے۔ حصول رزق حلال کے لئے بھی صحیح رہنمائی و اعانت کی جائے۔ سیاسی میدان میں بھی مسلمان اخوت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہوں تا کہ قانون کی حکمرانی یقینی بنائی جا سکے۔ تمدنی وتعلیمی اور سائنسی وفنی شعبوں میں بھائی چارہ کا ماحول قائم رکھا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

6۔مساوات(Equality)

لفظ مساوات کے معنی برابری کے ہیں۔مگر اسلام میں یہ لفظ اپنے اندر بہت زیادہ خوبیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ ''الحجرات'' کی 13 ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اے انسانوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک تم میں برتر وہی لوگ ہیں جو زیادہ تقویٰ شعار ہیں۔''

حضورؐ کا ارشاد ہے:

''تمام انسانوں آدمؑ کی اولاد سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے تھے۔پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر فضیلت نہیں بڑائی فقط تقویٰ اور پرہیز کے باعث ہے''۔

مرد اور عورت میں برابری ہونا:

دینی اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح اللہ نے مرد کو دین کا مکلف بنایا ہے اسی طرح عورت کو بھی دین کا مکلف بنایا جس طرح دین کو مرد کی رہنمائی کے لئے نازل کیا اسی طرح عورت کی رہنمائی کے لئے بھی دین کو نازل کیا اگر عورت یا مرد دونوں دین کے مطابق عمل پیرا ہوں گے تو انہیں اس کی جزا ملے گی اگر دونوں دین کے خلاف چلیں گے تو انہیں سزا ملے گی قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

''جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔''

ملکیتی حقوق:

جہاں تک حق ملکیت کی اہلیت کا تعلق ہے یا مالی تصرفات کا واسطہ ہے۔مرد بھی حق ملکیت رکھتا ہے اور عورت بھی مالی تصرفات کی مجاز ہے ان دونوں میں اس لحاظ سے کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ ہم حق ملکیت کا ذکر کر رہے ہیں نہ کہ شرح ملکیت کا عورت کا حق ملکیت اسلام کی آمد کے بعد دیا گیا۔جب اسلام نازل ہوا تو اس سے پہلے عورت کے مال کو مرد ہی کا مال سمجھا جاتا تھا۔صرف مرد کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مالی تصرفات کر سکے لیکن اسلام نے اس معاملے میں بھی مساوات قائم کر دی۔سورۃ النساء کی ساتویں آیت میں یوں بتایا گیا ہے:

''مردوں کے لئے اس مال میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا۔''

صنف نازک(Fair-Sex) کو اسلام نے کمائی کا حق بھی دیا ہے جیسا کہ سورۃ نساء آیت 32 میں ہے:

''جو کچھ مردوں نے کمایا ہے ان کے مطابق ان کا حصہ ہے جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے ان کے مطابق ان کا حصہ ہے۔''

اگر ان دونوں اصناف کے درمیان کوئی فرق پایا جاتا ہے۔یہ دو وجوہات معاشی نقطہ نظر سے عورت اور مرد میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفریق پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت مردوں میں وہ مخصوص صلاحتیں رکھ دی ہیں جو کہ اللہ کو ان میں رکھنا مقصود تھیں تا کہ تہذیب وتمدن کی شیرازہ بندی میں یہ دونوں تعاون کر سکیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کی صلاحتیں مرد سے کم ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی نوعیت جدا جدا ہے عورت کے اندر اللہ نے احساسات یا جذبات بہت زیادہ رکھے ہیں۔ کیونکہ جس قسم کا نظام اللہ پیدا کرنا چاہتا تھا اور جو فرائض وہ عورت کو تفویض کرنا چاہتا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ عورت میں جذبات وافر مقدار میں موجود ہوں۔ عورت اولاد کو جنم دیتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے یہ کام وہی صنف کر سکتی تھی جس میں محسوسات وافر مقدار میں ہوتے اور صبر و تحمل کا مادہ بھی موجود ہوتا یہ دونوں صلاحتیں خدا نے عورت میں ودیعت کر کے اس کو انسانوں کی تعمیر کی بہت بڑی ذمہ داری کے لئے منتخب کیا مرد مادرانہ ذمہ داریوں سے آزاد ہے۔ اس لئے تہذیب وتمدن کی بیرونی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا ہے۔ چنانچہ تہذیب وتمدن کی تعمیر کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ مرد میں پیدا کی گئیں۔ اس میں تدبر اور تعقل کا مادہ پیدا کیا گیا یعنی عورت کا حلقہ الگ رکھا گیا اور مرد کا الگ گویا یہ دونوں احناف ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں عورت کا دائرہ کار گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے سے متعلق ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ عورت کا دائرہ کار اس کا گھر ہے تو اس کا یہ بالکل مفہوم نہیں کہ عورت گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ مرد کا میدان تہذیبی اور تمدنی سرگرمیاں ہیں اس کی اولین ذمہ داری تہذیب وتمدن کی سرگرمیوں میں حصہ لینا ہے۔ نسل انسانی کی بقا کا انحصار دونوں پر ہے اسلام میں عورت کو انتہائی احترام کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہ حقوق جو اسلام نے عورت کو دے رکھے ہیں یہ خالص اسلامی جذبہ کی بنیاد پر عطا کئے ہیں۔ مغرب کی طرح سیاسی اور سماجی مجبوریوں کی بنا پر عطا نہیں کئے اگر تاریخ پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوگا کہ عورت کو مغرب نے یہ حقوق مجبوراً عطا کئے ہیں۔ عورت سے مرد بن کر دکھانے کا تقاضا کیا گیا اور جب اس نے یہ تقاضا پورا کیا تو اسے یہ حقوق ملے گویا مغرب میں عورت نے آزادی کے لئے باقاعدہ تحریک چلائی اسلام کا مطالعہ کریں تو کہیں اس قسم کی تحریک آزادی نسواں نہیں ملتی۔ اسلام نے ازخود سب حقوق عورت کو دیئے مگر یہ حقوق عورت کو عورت کے مقام پر رکھتے ہوئے دیئے کیونکہ یہ اللہ کی طرف نازل کردہ نظام تھا۔ دراصل اسلام عورت کے مرتبہ کو اتنا بلند کرنا چاہتا تھا کہ وہ نفس واحدہ کا نصف بن کر رہ جائے چنانچہ قرآن پاک میں واضح طور پر ارشاد ہوتا ہے:

> ''اللہ نے تم کو ایک نفس واحدہ سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس کے پاس سکون حاصل ہو۔''

سماجی مساوات (Social Equality):

دنیا میں دو قوتیں کام کر رہی ہیں ایک مثبت اور دوسری منفی ان دونوں طاقتوں کے اشتراک عمل سے ہی کوئی کام سرانجام دیا جا سکتا ہے جب تک مثبت یا منفی قوت اپنا ساتھی تلاش نہیں کر لیتی اس وقت تک اس کو قرار حاصل نہیں ہوتا۔ یہی حال مرد اور عورت کا ہے جب دونوں میں ہم آہنگی رہتی ہے سوسائٹی میں سکون وقرار رہتا ہے قرآن نے نہ صرف احناف میں مساوات قائم کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ بتایا کہ نسل ورنگ کے تعصبات غیر عقلی ہیں کالے اور گورے میں کوئی فرق نہیں ہے اسلام انسانوں میں تفریق صرف تقویٰ کی بنا پر کرتا ہے قوت' شہرت' دولت' عزت' معیار فضیلت نہیں ہے تقویٰ کی بنیاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پر سوسائٹی میں جو حصے پیدا ہوتے ہیں ان کو طبقات کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ غیر متقی لوگ بھی متقی بن سکتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ ایسا ہوتا ہے۔ جس میں افقی (Horizantal) اور عمودی حرکت پذیری (Verticel Mobility) کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ امیر بھی متقی ہو سکتا ہے۔ غریب بھی اس طرح مرد بھی عورت بھی کالا بھی اور گورا بھی یہ سب نظریاتی باتیں ہیں۔

مساوات کے عناصر:

مساوات کے پانچ لوازمات یا عناصر (Elements) مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ آزادی (Freedom):

انسان ذہنی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ جب تک انسان کی ذہنیت غلامانہ رہتی ہے وہ کبھی مساویانہ حقوق کا طالب نہیں ہو سکتا ہر انسان کو یہ احساس ہو کہ وہ اس دنیا میں آزاد ہے۔ اپنی آزادی کا خود مختار ہے اپنی مرضی کا خود مالک ہے اپنے لئے کوئی بھی مناسب جس کو وہ بہتر پسند کرے پیشہ اختیار کر سکتا ہے۔

۲۔ پریشان نہ ہونا:

انسان اندیشوں اور تشویش سے آزاد ہو جائے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ذلت اور غربت سے ڈرتا ہے۔ اگر وہ اپنی عزت یا دولت کا سبب کسی شخص کو سمجھتا ہے تو اس شخص کی برابری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح فرد اپنے سے طاقتور اور بااختیار شخص کا مقابلہ کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اسی طرح فرد اپنے سے طاقتور اور بااختیار شخص کا مقابلہ کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اگر وہ کسی شخص کو اپنی زندگی ختم کرنے کا اہل سمجھتا ہے تو وہ اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ اسلام کہتا ہے کہ زندگی' موت' تکالیف' مصائب اور رزق پہنچانا صرف اللہ کا کام ہے۔ کوئی فرد کسی دوسرے کو اللہ کی رضا کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

۳۔ چند ذمہ داریاں:

پہلے دونوں لوازمات سے آزاد ہونے کے باوجود بھی انسان پر ماشرتی و اقتصادی قدروں کا دباؤ انسان کو مساوات کا مطالبہ کرنے نہیں دیتا سوسائٹی میں کئی طبقے ہوتے ہیں۔ اشراف ایسی ہی اقدار کو رائج کرتے ہیں تاکہ معاشرے میں انہی اقدار کو اہمیت حاصل ہو جائے چند افراد دولت کی اقدار کو رائج کر دیتے ہیں۔ اسلام انسان کو دونوں اقدار کی کوئی حیثیت نہیں تقویٰ کو اصل اہمیت حاصل ہے۔ یہ غلط اقدار کے دباؤ سے انسان کو آزاد کر دیتا ہے۔

۴۔ ذاتی آرزو (Self-Wish):

ایک اور عنصر جو انسان کے باطن میں پوشیدہ ہے جو مساوات کا مطالبہ کرنے سے روکتا ہے وہ فرد کی اپنی خواہش نفس ہے۔ فرد پہلے تین دباؤ سے آزاد ہونے کے باوجود اپنے نفس کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر فرد میں دولت مند بننے کی آرزو پیدا ہو جائے تو اس کے لئے وہ انتہائی خوار ہوگا اسے دوسروں کی خوشامد کرنی پڑیں گی اور وہ ان لوگوں سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکے گا اسلام انسان کو اپنے نفس پر بھی کنٹرول کرنے کے لئے کہتا ہے۔ تاکہ فرد کی ذات اس کے نفس سے بلند ہو جائے اگر فرد اپنی نفسانی خواہشات کو کنٹرول کر لے تو پھر کوئی نفسانی خواہش متحرکات کی راہ میں سدراہ نہیں بن سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ پیٹ کی بھوک:

یہ سارے لوازمات ایک ایک کر کے اکٹھے ہو جائیں تو پھر بھی ایک چیز ایسی رہ جاتی ہے جو انسان کو مساوات کا مطالبہ کرنے سے باز رکھتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے جس کے باعث بہت سے لوازمات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اسلام سماج سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کا یہ فرض ہے کہ افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کر کے کم از کم انہیں اتنا دے دے کہ پیٹ کی بھوک ان کو ذلیل نہ کر سکے اسلام برداشت نہیں کرتا کہ مسلم بستی میں کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم رہے۔ امیروں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ غریبوں کی امداد کریں۔ حکومت کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ امیروں کو غریبوں کی مدد کے لئے قائل کرے اور حکومت سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ امیروں سے خود مال اکٹھا کر کے غرباء کی ضروریات کو پورا کرے۔ اسلام ان تمام لوازمات کو اکٹھا کرتا ہے اور اس طرح ایک اسلامی معاشرے میں مساوات حقیقی معنوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس مساوات کے حامی اور طلبگار فقط نادار ہی نہیں ہوتے بلکہ دولت مند بھی اس کے پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ مفلس کے اندر یہ جذبہ ابھرتا ہے جو اسے اوپر کے زینے پر لے جاتا ہے۔ جب یہی جذبہ امیر میں پیدا ہوتا ہے تو اس جذبہ انکسار جنم لیتا ہے وہ بلندی پر رہتے ہوئے بھی خود کو کم تر سمجھے گا اور خود کو نچلے درجے پر لے آئے گا۔ اسلام کا یہ نظریہ خوش نما الفاظ اور اصولوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس نے اسے جیتی جاگتی زندگی میں متحرک کر کے رکھ دیا یہ احساس انسان کے تربیتی نظام میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ عبادتوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مساجد میں نماز کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ امیر و غریب پر یکساں طور پر فرض ہے۔ مغرب میں جو ہوٹل سفید فام کے لئے ہیں وہاں حبشی نہیں جا سکتے۔ نماز روزہ تمام پر فرض ہے۔ زکوٰۃ جب کہ صاحب نصاب پر فرض ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مساوات باقی نہ رہتی حج میں بھی مساوات کارفرما نظر آتی ہے۔ سب کا لباس و افعال ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کا نظام تربیت ہے جس میں اسلام مساوات کو پوری طرح متحرک کرتا ہے۔ ہجرت کے موقع پر ایک غلام کو اشراف کا بھائی بنایا جاتا ہے۔ فتح مکہ کا اعلان ایک غلام حضرت بلالؓ کرتے ہیں حضرت اسامہؓ جو حضرت زید بن حارث کے بیٹے تھے فوج کا سردار بنایا جاتا ہے۔

معاشی مساوات (Economic Equality):

دین اسلام معاشی مساوات پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ معاشی مساوات کو غیر فطری تصور کرتا ہے۔ معاشرے کے اندر اسلامی نقطہ نظر سے معاشی مساوات کو قائم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بعض افراد قدرت کی طرف سے اچھی صحت لے کر پیدا ہوتے ہیں اور کئی کمزور اگر افراد کی کمائی کا دارومدار اس کی جسمانی صحت پر ہو تو جس فرد کی جسمانی صحت اچھی ہوگی اس کی کمانے والی صلاحیت بھی زیادہ ہوگی کمزور افراد کی قوت پیداواری کم ہوتی ہے چند افراد فطرت کی طرف سے اعلیٰ ذہنی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں بعض کو غبی ذہنی صلاحیتوں سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ دنیا کا کوئی نظام ان صفات پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کی ذہنی صلاحیتیں زیادہ ہوں گی اسی قدر اس کی پیداواری کارکردگی بھی زیادہ ہوگی۔ چنانچہ بدنی طاقت و دماغی اہلیت کے تفاوت کے علاوہ دوسری قسم کے عوامل جو معاشی عدم مساوات کا موجب قرار پاتے ہیں' وہ نفسیاتی کہلاتے ہیں۔

جس فرد میں صبر و تحمل کی خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ زیادہ بہتر طریقے سے مسائل حل کر سکتا ہے۔ زیادہ محنت کر کے زیادہ پیداوار حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ نفسیاتی عوامل میں فرق کی بناء پر کمانے کی اہلیت متفرق ہوگی اور اس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معاشی مساوات وجود میں آئے گی۔ تیسری قسم کو جو معاشی عدم مساوات کا باعث بنتی ہے۔ اسے ماحولیاتی عنصر افراد کے ماحول میں جو فرق ہوتا ہے وہ نفسیاتی عوامل سے مل کر شخصیت میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ فرد کی جبلتوں پر ماحول اثر انداز ہوتا ہے مثال کے طور پر ایک فرد جو امیر گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے پاس معاشی اثاثہ جات زیادہ ہوں گے تعلیم و تربیت کے مواقع زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ اس کی استعداد کمائی زیادہ ہوگی۔ غریب گھرانوں میں پیدا ہونے والے افراد کا معاملہ ان کے برعکس ہوگا اس طرح بعض افراد ایسے ہیں جن کو بڑا سازگار ماحول ملتا ہے۔ کئی افراد قدرت کی جانب سے کتنی ہی اچھی جبلتیں لے کر کیوں نہ پیدا ہوں ناسازگار ماحول کی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں۔ ان کی دو اقسام میں ایک فطری (Natural) ہوتے ہیں اور دوسری وہ قسم ہے جو انسان کی خود ساختہ ہوتی ہے ہم صرف پہلی قسم کو لیں گے اگر ایک شخص آسٹریلیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کو عمدہ معاشی ماحول دستیاب ہوتا ہے اس کی برعکس ایک آدمی جو کسی غریب ملک میں جنم لیتا ہے اس کو غیر موافق معاشی ماحول فراہم ہوتا ہے۔ یہ افراد کے اپنے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے معینات میں یکسانیت پیدا نہیں کی جا سکتی۔ معاشی مساوات کو بھی قائم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مصنوعی اقتصادی برابری قائم کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ معاشی اعتبار سے جو کمزور ہوگا وہ اس دوڑ میں پیچھے رہ جائے گا۔ فرض کریں اے اور بی بالکل یکساں صلاحیتوں کے مالک ہیں مگر معاشی جدوجہد میں معاشی اعتبار سے کم صلاحیتوں کا مالک پیچھے رہ جائے گا۔ اگر ان کے آگے بڑھنے پر رکاوٹ عائد نہ کریں یعنی معاشی اعتبار سے کمزور کے پہلو بہ پہلو چلنے کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر یہ مصنوعی مساوات زبردستی قائم کی جائے تو اس کا اثر زیادہ معاشی صلاحیتوں والے پر ہوگا وہ اس قانون کے خلاف آواز اٹھائے گا۔ چنانچہ ایک دن ایسا آئے گا جب وہ ان قوانین کو توڑ ڈالے گا یا اس کی اہلیت کسی کام کی نہیں رہے گی۔ جس سے اثرات کا رخ بھی بدل جائے گا۔

مولانا حفظ الرحمٰن کے مطابق:

معاشیات سے متعلق قرآن عزیز نے جن اساسی اُصولوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

''رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذات الٰہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اور اگرچہ اس کی مصلحت عام اور حکمت تام کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوت درجات پایا جائے۔ لیکن امارت و غربت کے فطری تنوع کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہنے پائے۔ کیونکہ اس نے حق معیشت کو سب کے لئے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حق مساوات میں داخل انداز ہونے کا حق عطا نہیں کیا۔'' (۷)

نیز یہ کہ:

''اللہ تعالیٰ ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ زمین پر چلنے والے ہر ایک جاندار کی معیشت اس کے ذمہ ہے اس کے لئے حسب ذیل نصوص قابل مطالعہ ہیں۔

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ (ہود:6)

''اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ میں لی ہے''۔

﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ (الذاریات:22)

''تمہارا رزق اور جس شے کا تم وعدہ دیے گئے ہو آسمان میں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں) ہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ﴾ (الانعام:151)

''اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو ہم ہی تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی''۔

﴿وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ (النمل:64)

''آسمان اور زمین سے تم کو روزی کون پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟''۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذاریات:58)

''بیشک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے۔ بڑی مضبوط قوت والا ہے''۔

﴿وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ﴾ (الحجر:20)

''ہم نے تمہارے لئے زمین میں معیشت کے سامان بنا دیئے اور ان کے لئے جن کو تم روزی نہیں دیتے''۔

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرہ:29)

''وہ (خدا) وہ ذات پاک ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا وہ زمین میں ہے''۔

ان آیات میں بغیر کسی تخصیص کے ہر فرد بشر کو خطاب ہے اور ان کی روح یہ ہے کہ معیشت و اسباب معیشت خدائے تعالیٰ کے خزانہ عامرہ کی ایسی عطاء و بخشش ہے کہ جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے۔

اور ان آیات کی اس روح کی زیادہ وضاحت و صراحت حسب ذیل آیات کرتی ہیں:

﴿وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ﴾ (حم سجدہ:10)

''اور رکھے اس زمین میں بوجھل پہاڑ اس کی پیٹھ پر اور برکت رکھی اس کے اندر اور چار دن میں اندازہ سے رکھیں اس میں ان کی خوراکیں جو برابر ہیں (بلحاظ طلب معیشت) سب حاجت مندوں کے لئے۔''(۸)

حفظ الرحمٰن تحریر کرتے ہیں:

''الحاصل قرآنی نصوص اور ان کی موئید احادیث رسول اور ان سے مستنبط فقہی احکام یہ واضح کرتے ہیں کہ ''حق معیشت کی مساوات'' کا یہ نظریہ منشاء الٰہی کے خلاف نہیں بلکہ عین منشاء الٰہی کے مطابق ہے اور یہ جدید نظریہ نہیں ہے کہ مارکسزم کی حمایت یا اس سے مرعوبیت کی بناء پر احکام اسلامی کی انوکھی تعبیر کے ذریعہ وجود میں آیا ہو بلکہ اسلام کا وہ بنیادی اور اساسی حکم ہے جو اپنے وجود سے آج تک غیر متبدل اور غیر متزلزل رہا ہے اور اگر ہم نے اس کو سمجھنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی یا دوسرے انسانوں کے اختراعی معاشی نظاموں سے مرعوب ہو کر ہم ''اسلامی معاشی نظام'' کو یکسر بھلا دیا تو اس میں اپنا قصور ہے نہ کہ اسلامی نظام کے بیان کرنے والے اور اس کی اصل حقیقت سے روشناس کرانے والے کا اور یہ بھی سخت گمراہی ہے کہ ہم یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ غربت و امارت کا یہ غیر فطری تفاوت اور جابرانہ امتیاز جو آج ہم کو کائنات پر چھایا ہوا نظر آتا ہے خدا کا بنایا ہوا ہے بلکہ یہ فاسد نظامہائے معاشی کے ثمرات و نتائج ہیں اور خدا کی مرضی یہ ہے کہ اس قسم کے تمام نظامہائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاسد کو ایک قلم سوخت ہو جانا چاہئے۔"

مزید رقم طراز ہیں کہ:

"اگر چہ حق معیشت میں سب مساوی ہیں لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لئے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لئے مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہ ظلم نہ بن سکے یعنی تفاوت درجات تو ہو لیکن نہ ایسا کہ معیشت انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسروں کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے قرآن عزیز نے اس تفاوت درجات کو محروم المعیشت بنانے اور ذاتی اغراض کی خاطر معاشی وستبرد کرنے کے لئے نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کی نعمت (عطاء ثروت) کا جاحد (منکر) ہے کیونکہ یہاں دولت و سرمایہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع بازی نہیں ہے بلکہ انفرادی حاجات وضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات وضروریات کی تکمیل ہے۔

اور دوسری جانب غیر متمول سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ متمول افراد ملت کے تمول کو دیکھ کر خدا کے ساتھ کفران اور ناشکر گذاری نہ اختیار کرے اور نہ حسد و بغض کو دل میں جگہ دے بلکہ طمانیت قلب کے ساتھ اپنی مختصر فارغ البالی اور خوشحالی پر شاکر رہے اور یا پھر عملی جدوجہد میں آگے بڑھ کر اپنی استعداد او صلاحیت کے مطابق ان تمام حقوق معیشت سے متمتع ہو اور غنا و دولت حاصل کرے جن کو تمام مخلوق خدا کے لئے عام اور مساوی کر دیا گیا اور دوسرے افراد ملت کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو اپنے حاصل کردہ مال پر اسی طرح عائد کرے جس طرح قانون اسلامی نے دوسرے ارباب دولت پر عائد کئے گئے ہیں"۔(۹)

ان اقتباسات (Extracts) سے عیاں ہوتا ہے کہ حق معیشت میں تو سارے انسانوں کی یکسانیت ہے مگر آمدنی میں برابری ہونا خلاف اصول فطرت ہے کیونکہ سارے افراد ایک جیسی اہلیت (Ability) صلاحیت اور کارکردگی کے مالک نہیں ہوتے اسباب وحالات معیشت میں بھی فرق ہوتا ہے اس لئے دولت میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

7۔حلال وحرام (Permissihle and Unlawful)

قرآن وحدیث میں حلت وحرمت کے بارے میں واضح اور اہم ہدایات دی گئی ہیں ان پر عمل کرنے سے کاروبار کرنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور دقتیں از خود دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ انحراف کی صورت میں اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے اور بندہ کئی قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حلت وحرمت کا دائرہ بہت ہی وسیع وعریض ہے صارف کو سلف سمجھ کر قدم رکھنا ہوگا وگرنہ صراط مستقیم سے بھٹک جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں ایک روایت بیان کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''قیامت کے دن ہر شخص کو اس بات کو جواب دینا ہوگا کہ اس نے مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا''۔(۱۰)

یعنی یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم سے کتنا مال کمایا؟ تم کروڑ پتی تھے کہ نہیں؟ کار، بنگلہ، جاگیر کے مالک تھے کہ نہیں؟ آخرت کے عدالت میں ان اشیاء کی کوئی اہمیت نہ ہوگی وہاں تو یہی سوال ہوگا کہ جو کچھ کمایا کہاں سے کمایا اور اسے کس طرح خرچ کیں۔ غریبوں کا خون چوس چوس کر دولت اکٹھی کرنے والے اور اپنی عیاشیوں کے سامان فراہم کرنے والے درندوں کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ خلیفہ وقت ایک مرتبہ اپنے مصاحبین کے ہمراہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپ کی خدمت میں پیش کی حضرت نے اس تھیلی کو پکڑ کر نچوڑا تو اس میں سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس دولت سے اپنا پیٹ بھروں جو غریبوں کا خون چوس کر جمع کی گئی ہے۔(۱۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب بستر مرگ پر تھے۔ اس وقت اموی شہزادہ مسلمہ بن عبدالملک حاضر خدمت ہوا اور کہا یا امیر المومنین آپ کا آخری وقت قریب ہے بہتر ہے کہ آپ اولاد کے لئے کچھ وصیت کر جائیں آپ نے فرمایا وصیت کرنے کی ضرورت تو اسے پڑتی ہے جو دنیا کا مال چھوڑ کر جا رہا ہو۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں پھر وصیت کیسی؟ مسلمہ بن عبدالملک یہ سن کر باہر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک تھیلی لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہنے لگا۔ حضرت یہ ایک لاکھ دینار ہیں اس میں اپنی اولاد کے لئے وصیت کر جاؤ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا:

''اے مسلمہ! خوب غور سے سن اس مال میں میری وصیت یہ ہے کہ جن غریبوں سے ظلم و استحصال کے ذریعے تو نے یہ دولت اکٹھی کی ہے ان کو جا کر واپس کر دو''۔(۱۲)

حلال و حرام اور قرآن:

قرآن حکیم کی کئی آیات میں جائز روزی حلال کمانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ایک مقام پر پاکیزہ رزق کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف دو آیات درج کی جاتی ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ (البقرۃ:172)

''اے اہل ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔

پیر محمد کرم شاہ تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کھانے اور استعمال کی چیزوں میں صفائی کا اہتمام کیا جانے لگا ہے لیکن حلال و حرام کی تمیز اب بھی باقی نہیں ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اہتمام کا حکم دیا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر غلیظ اور گندی نہ ہوں تا کہ جسمانی صحت پر برا اثر نہ پڑے اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلید نہ ہوں تا کہ ضمیر انسانی دم نہ توڑ دے۔ ظاہری صفائی کو قرآن نے طیب کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو حلال کے لفظ سے تعبیر کیا ہے''۔

مزید تشریح نچلی آیات قرانی سے کی جاتی ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف:32)
''اے نبی ان سے پوچھو کس نے حرام کر دیا اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور رزق کی عمدہ چیزوں کو؟''

﴿وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ (المائدہ:88)
''اور کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تم کو بخشی ہیں حلال اور پاکیزہ اور بچے رہو اس خدا کی ناراضی سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرۃ:168)
''لوگوں کھاؤ جو کچھ زمین میں ہے حلال اور پاک اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الاعراف:31)
''کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿وَ رَهْبَانِيَّةَ ۟ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحدید:27)
''اور رہبانیت انہوں نے (یعنی عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے پیروکاروں نے) خود ایجاد کر لی۔ ہم نے وہ ان پر نہیں لکھی تھی مگر صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش (ان پر لازم کی تھی) پس انہوں نے اس کا لحاظ نہ کیا جیسا کہ اس کا حق تھا۔''

اس غرض کے لئے قرآن یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ دولت صرف حلال طریقوں سے حاصل کی جائے اور حرام طریقوں سے اجتناب کیا جائے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء29)
''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو یا ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو اللہ تمہارے اوپر رحم ہے۔''

غلط طریقوں کی پوری تفصیل تو احادیث میں رسول اللہؐ نے اور قانون اسلام کی کتابوں میں فقہاء نے بیان کی ہے لیکن ان میں سے بعض جن کی صراحت اور وضاحت یوں کی گئی ہے:

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ:188)
''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حکام کے سامنے پیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دو تا کہ کھا جاؤ جانتے پوجھتے لوگوں کے مال گناہ کے ساتھ۔''

﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ﴾ (البقرۃ:283)

''پس اگر تم میں سے ایک شخص دوسرے پر اعتماد کر کے کوئی امانت اس کے سپرد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے امانت ادا کرنی چاہئے اور اللہ اپنے رب کے غضب سے ڈرنا چاہئے۔''

﴿وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ (آل عمران:161)

''اور جو کوئی غلول (چوری کے مال میں خیانت) کرے وہ اپنے خیانت کئے ہوئے مال سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ ملے گا۔''

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدہ:38)

''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا﴾ (المائدہ:33)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (۱۳) ان کی جزاء تو یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا صلیب دیئے جائیں۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (النساء:10)

''جو لوگ یتیموں کے مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔''

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ (المطففین:3-1)

''تباہی ہے ان کم تولنے والوں کے لئے جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پیمانہ بھر کے لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (النور:19)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحش کی اشاعت ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔''

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (لقمان:6)

''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خریدتا ہے کلام دلفریب تا کہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دے ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔'' (۱۴)

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الدُّنْیَا﴾ (النور:33)

''اپنی لونڈیوں کو قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ بچنا چاہتی ہوں۔ محض اس لئے کہ تم دینوی زندگی کے فائدے حاصل کرنا چاہتے ہو۔'' (۱۵)

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل:32)

''اور زنا کے قریب نہ پھٹکو یہ بے حیائی اور برا چلن ہے۔''

﴿اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور:2)

''زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔'' (۱۶)

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (المائدہ:90)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر (یا پانسے) تو گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ:275)

''اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کہنا ہے کہ:

''کوئی آدمی اتنی نمازیں پڑھے کہ پیٹھ ٹیڑھی ہو جائے اور اتنے روزے رکھے کہ بال جیسا دبلا ہو جائے مگر جب تک حرام سے پرہیز نہ کرے گا تو نماز و روزہ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا''۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ سے حلال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ:

''حلال وہ ہے جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہو یہ اس کے حکم سے حلال ہے نہ کہ اپنی تجویز سے حلال و حرام وہ چیز ہے جس کا شرع نے حکم دیا ہے۔ نیز جو شخص حرام کا لقمہ کھاتا ہے وہ چاہے یا نہ چاہے اس کا جسم ضرور گناہ میں گرفتار ہوگا اور جو حلال کا کھانا کھائے اس کا سارا بدن اطاعت الٰہیہ میں معروف رہتا ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے''۔

اپنے آپ کو حرام کی آمیزش سے بچانا چاہئے اور حرام و مشتبہ اشیاء کے استعمال سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ نوالہ حرام پیٹ میں جانے سے خباثت پیدا کرے گا اور توفیق طاعت سلب ہو جاتی ہے۔ بارگاہ مدیت سے قبولیت دعا کے لئے رزق ممنوع ہونے کی مقتضی ہے۔ (۱۷)

اسلام کے معاشی نظام میں حلت و حرمت کی اہمیت احادیث نبوی کی روشنی میں کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے۔

حضرت سعدؓ نے ایک اور آنحضورؐ سے عرض کیا کہ میرے لئے دعا کریں کہ میں جو کچھ بھی مانگوں اسے شرف قبولیت حاصل ہو تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''حلال کا کھانا کھایا کر تیری دعا ضرور مستجاب ہوگی''۔

اسی طرح ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ:

''بہت سے لوگوں کا کھانا پینا اور پہننا حرام کا ہے اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں بھلا کیسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول ہو"۔

موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر جا رہے تھے راستے میں ایک شخص کو آہ وزاری سے دعا کرتے ہوئے دیکھا اور اس کا ذکر اللہ تعالیٰ سے کیا تو فرمایا گیا کہ:

"میں اس کی دعا کیسے قبول کروں جب کہ اس کا کھانا پینا حرام کا ہے"۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ حلال وحرام میں تمیز نہیں کریں گے اور جو ملے گا ٹھیک سمجھیں گے اے مسلمانوں حرام سے بچنا ورنہ کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوگا"۔

اسی طرح فرمایا کہ:

"جو لوگ دوسروں کے مال پر ناجائز قبضہ کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں"۔

امام غزالیؒ کا کہنا ہے کہ

"لقمہ حرام سے انسان کے اعضاء وجوارح نافرمان اور آمادہ عصیان ہو جاتے ہیں"۔

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ:

"ایک حرام کا لقمہ چالیس روز کی نماز ضائع کر دیتا ہے"۔

حرام اور حلال قرار دینے کے فوائد (Utility):

ضروری نہیں کہ اسلام نے جو احکام ہمیں عطا فرمائے ہیں ان سب کی حکمتیں بھی ہمیں معلوم ہوں مگر یہ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام کے تمام احکام حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہوتے۔ اشیاء کو حلال اور حرام کرنے کی تمام حکمتیں ہم پر عیاں نہیں البتہ ہم خود غور وفکر کر کے بعض مصلحتوں کو پا لیتے ہیں اور بعض کو شریعت از خود واضح کر دیتی ہے۔

۱۔ معاشی ترقی کی جہت کا تعین:

(Determination of Economic Dimension):

جدید ماہرین معیشت اس بات پر متفق ہیں کہ ملک کی پیداوار کو صرف بڑھانا ہی معاشی ترقی نہیں بلکہ جائز اور ضروری اشیاء کی پیدائش اور پھر مناسب تقسیم ہی اصل معاشی ترقی ہے اگر یہ بات درست ہے تو پھر ضروری ہوا کہ بعض اشیاء اہم اور ضروری ٹھہرائی جائیں اور بعض کو غیر ضروری یا مضر ٹھہرایا جائے تاکہ پیدائش دولت کا عمل اس طرح منضبط ہو کر حقیقی معاشی ترقی کی منزل حاصل ہو۔ اس شے کو پورا کرتے ہوئے شریعت نے بعض اشیا کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا ہے۔

۲۔ اقتصادی ترقی کی رفتار (Speed of Economic Growth):

کئی اشیاء ملک کی معاشی ترقی میں رکاوٹ کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔ ان میں سامان لہو ولعب اور نشہ آور اشیاء شامل ہیں اور چونکہ اسلام معاشی ترقی کی رفتار کو آہستہ نہیں کرنا چاہتا اس لئے اسلام نے شراب اور اس قسم کی اشیاء پر پابندی عائد کر دی ہے۔ تاکہ معاشی ترقی کی رفتار کم نہ ہونے پائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ امن وامان کی برقراری:

معاشی ترقی کے لئے ملک میں امن وامان کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ بدن کے لئے غذا اہم ہے۔ اگر امن وامان ملک میں نہ پایا جائے تو پھر معاشی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا شریعت نے ان کاموں کا ممنوع قرار دے دیا ہے۔ جن کی وجہ سے ملک میں امن وامان مفلوج ہوسکتا تھا امن وامان کے پیش نظر اسلام نے شراب جوا' چوری' ڈاکہ سمگلنگ اور ایسی ہی دیگر تمام چیزوں کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔

۴۔ ارتکاز ثروت کا سدباب:

دولت کا چند ہاتھوں میں مرتکز ہونا معیشت کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے جو کہ کسی وقت بھی پوری معیشت کو مضر اثرات کی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔ ارتکاز دولت کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں مگر اجارہ داری' سود اور چور بازاری اس کے بنیادی اسباب ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے ان سب اشیاء کو ان کی مضرتوں کی نسبت سے ناجائز وحرام قرار دیا ہے تاکہ ارتکاز دولت پیدا نہ ہونے پائے تقسیم دولت میں مدد ملتی ہے۔

۵۔ شخصیت کی نشوونما (Growth of Personality):

اسلام کا یہ مطلوب ہے کہ انسان کی زندگی میں نکھار پیدا ہوتا چلا جائے اس کی شخصیت میں ارتقاء جاری رہے اور یہ مقصد اتنا اہم ہے کہ اسلام کے تمام شعبہ ہائے زندگی اس مقصد کو نہیں بھولتے۔ اسلام نے بعض اشیاء کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیکر فرد کے لئے ارتقاء ذات کے مواقع بھی میسر کئے ہیں۔ مثلاً اسلام نے زکوٰۃ کو ادا کرنا ''فرض'' اور ادا نہ کرنا حرام ٹھہرایا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا دراصل انسان میں بخل کنجوسی کو ختم کرنے اور سخاوت وفیاضی کی اقدار کو پیدا کرنے کا موجب ہے اور ظاہر ہے کہ بخل کا خاتمہ اور سخاوت کی ابتداء انسانی شخصیت کے ارتقاء ہی کا نام ہے۔

۶۔ ازالہ ضرر:

اسلام نے کئی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تو اس سے بعض اوقات ازالہ ضرر بھی مقصود تھا مثلاً اسلام نے رشوت' فریب کاری اور جھوٹ وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح سود اور جواء وغیرہ کو بھی ناجائز ٹھہرایا۔ اگر ہم غور سے ان تمام اشیاء کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان تمام اشیاء میں بعض لوگوں کے لئے تباہی اور ضرر تھا مثلاً رشوت سے اہل لوگوں کو ضرر پہنچتا اور نااہل افراد بڑے آرام سے ناجائز کام نکلوا لیتے اور لوگوں کی حق تلفی ہوتی لہٰذا اسلام نے رشوت کو ختم کر کے ضرر کا ازالہ کر دیا ہے۔ اسی طرح باقی بھی ان تمام اشیاء کو حرام قرار دیا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

اثرات ومضرات (Effects and Implications):

یہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسلامی معاشیات کی مضبوط بنیاد:

بنیادی طور پر خود غرض حریص اور لالچی واقع ہوا ہے اگر اس کی ان فطری خصوصیات کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ کے طور پر اس کا جو رویہ برآمد ہوگا وہ بالکل لادینی سا ہوگا اس رویہ کا مطالعہ سیکولر اکنامکس کی صورت میں وجود میں آئے گا مگر جب تصور حلال حرام سے انسان کو آشنا کر دیا جائے تو اس کے رویہ میں ایک تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی تبدیلی کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے اس کا زاویہ فکر تبدیل ہو جاتا ہے اس کی معاشی سرگرمی کا انداز ہ بدل جاتا ہے اور اگر پھر اس کے طرز عمل کا مطالعہ کیا جائے تو نتیجتاً کے طور پر ''اقتصادیات اسلامیہ'' وجود میں آتی ہے۔

۲۔خواہشات میں کمی:

اگر چہ انسانی ضروریات انگنت ہیں اور ایک مسلمان کی خواہشات بھی بے شمار ہوتی ہیں مگر کئی ایک شے کے حرام یا ممنوع ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان کی خواہشات ایک غیر مسلم کے مقابلہ میں کم ہو جاتی ہیں جس کا دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کے ذرائع بڑھ جاتے ہیں کیونکہ حلال وحرام کے تصور کے مل جانے کے بعد ''فرد'' نسبتاً بہتر طریقے سے اپنی خواہشات کو پورا کر سکتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ایک تصور یعنی ''الفلاح'' کا حصول بھی انسان کے پیش نظر ہوتا ہے جو کہ معاشی کارندہ کی خواہشات میں مزید اعتدال پیدا کرتا ہے۔

۳۔افادہ کا نظریہ (Theory of Utili):

افادہ کا تصور اسلامی معاشیات میں محدود ہو جاتا ہے کیونکہ اسلامی معاشیات میں ہر وہ شے اپنے اندر افادہ کی قدر نہیں رکھتی جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہو اب چونکہ افادہ کا تصور بدل چکا ہے ساتھ ساتھ الفلاح کا تصور بھی موجود ہے اسی لئے اشیاء کی طلب بھی تبدیل ہو جائیں گی اور رسد بھی تبدیل ہو جائیں گی۔

۴۔صرف دولت (Consumption):

صرف دولت کو اسلامی معاشیات میں وہی اہمیت حاصل ہے جو کہ لادینی معاشیات میں حاصل ہے۔صرف دولت دراصل معیشت کی جان ہے تصور حلال وحرام کی وجہ سے صرف دولت میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اب دولت کو محض اس لئے صرف نہیں کیا جاتا کہ طلب کی گئی شے ارزاں ہے یا مستقبل میں اس پیسے سے بہت سا منافع کمایا جا سکتا ہے بلکہ اب تو یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ شریعت نے اس شے کو حلال رکھا ہے یا حرام پھر صرف دولت کے زمرے میں یہ پابندی بھی عائد کر دی جاتی ہے کہ دولت کا اسراف یا ضیاع حرام ہے۔لہٰذا اب مجموعی طلب ضرورت سے زیادہ نہیں ہوتی اور اس طرح بخل کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے مجموعی طلب ضرورت سے زیادہ کم بھی نہیں ہو پاتی اور نتیجہ افراط زر یا تفریط زر سے معیشت محفوظ رہتی ہے۔پھر تعیشات زندگی کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے اور نتیجہ کے طور پر ضروریات زندگی کی طلب کو بڑھا کر ان کی پیدائش کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

۵۔قیمتوں کا تعین (Fixation of Prices):

اشیاء کی قیمتیں عام طور پر طلب اور رسد کی طاقتوں سے طے پاتی ہیں۔اسلامی معیشت میں بھی قیمت کا تعین کیا جاتا ہے۔لیکن اسلامی معاشیات کے حوالے سے طلب اور رسد کی قوتوں کو بھی اتنی زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوتی جتنی کہ ایک غیر اسلامی معیشت میں ہوتی ہے مثال کے طور پر اسلامی معیشت میں ایک دکاندار کسی شے کی قیمت محض اس لئے نہیں بڑھاتا کہ اس کی رسد وقتی طور پر کم ہو گئی ہے یا اس کی رسد عارضی طور پر بڑھ گئی ہے بلکہ تصور حلال وحرام اور قدر تقویٰ کی وجہ سے دکاندار شے کی قیمت اس وقت تک نہیں بڑھاتا جب تک عاملین پیدائش کی قیمتیں نہ چڑھ جائیں یا مجموعی منڈی میں شے کی نئی قیمت نہ طے پا جائے اس طرح اسلامی معیشت میں کسی شے کی رسد محض اس لئے نہیں گھٹائی جاتی کہ اس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس کی قیمت کم ہو جائیں گی بلکہ اشیاء کی رسد قومی ضروریات کے پیش نظر طے کی جائیں گی یہاں پر شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ طلب و رسد پر قیمتیں اثر انداز نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ طلب کی زیادتی اور رسد کی زیادتی اور اس طرح طلب کی کمی کی ترغیب ہر صورت قیمتوں کے ذریعہ سے ملتی رہے گی۔

۶۔ پیدائش دولت (Production of Wealth):

سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور کی اجرت اس کی قوت پیداواری کے مطابق طے نہیں کی جاتی بلکہ جس وقت مزدوروں کی رسد بڑھ جائے ان کی اجرت کم کر دی جاتی ہے اور جس وقت مزدوروں کی قلت ہو جائے ان کی اجرت بڑھا دی جاتی ہے اگر مزدور (جب ان کی رسد زیادہ ہو) کم اجرت لینے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بے روزگار کر دیا جاتا ہے گویا مزدور کا استحصال کیا جاتا ہے اس کی کمزور قوت ''سودابازی'' سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے لیکن اسلام نے مزدور کا استحصال حرام قرار دیا اسی طرح سے عاملین پیدائش کے معاوضے ان کی اہمیت اور عمل پیدائش میں حصہ داری کے مطابق طے پاتے ہیں۔

۷۔ معاشی کاوش پر اثر:

بسا اوقات یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام نے شراب وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے اور اس طرح سے مجموعی طلب کو کم کر دیا ہے۔ معاشی سرگرمیوں کے مواقع کم کر دیئے ہیں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جن ممالک میں کتے' بلی وغیرہ بھی کھائے جاتے ہیں وہاں تو خرید و فروخت اور کاروبار کے مواقع اسلامی ممالک کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم معاشی ترقی کے محض قائل نہیں بلکہ ہم تو مفید معاشی ترقی پر یقین رکھتے ہیں شراب کے کاروبار سے شاید چند آدمیوں کی آمدنیوں میں اضافہ ہو جائے لیکن جن بے شمار لوگوں کا سکون اور چین اس وجہ سے چھین جائے اس پر بھی تو غور کر لیا جائے۔ اسی طرح دیگر اشیاء کو اگر اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے تو اس سے روحانی طور پر بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان روحانی فوائد کا معیشت پر بھی اثر پڑتا ہے مثلاً خدا کی حرام کردہ اشیا سے اجتناب کرنے سے انسان کے اندر تقوی کی قدر مضبوط ہوتی ہے اور یہی تقویٰ اسلامی معیشت میں معاشی کارندہ کے رویہ کو حد اعتدال اور عدل پر رکھتا ہے جس سے بے شمار معاشی اور اخلاقی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تصور ''حلال و حرام'' کی وجہ سے معاشی سرگرمی میں اگر کوئی سستی واقع ہوتی ہے تو کوئی ڈرنے یا نقصان والی بات نہیں ہے کیونکہ شاید تمہیں پتہ نہیں کہ اسلام نے بعض اشیا کی پیدائش کو فرض کفایہ بعض کو واجب اور بعض کو مسنون قرار دیکر معاشی سرگرمی میں غیر معمولی سرعت بھی پیدا کی ہے۔

۸۔ اعتدال پسندی (Moderationalism):

معیشت میں اگر صرف دولت اور سرمایہ کاری وغیرہ میں توازن قائم رکھا گیا تو افراط زر اور تفریط زر کے خطرات معیشت میں پیدا نہیں ہوتے۔ کیونکہ صرف وغیرہ کو اسلامی معیشت میں اچھے خطوط پر چلایا جا سکتا ہے۔ افراط زر کا انسداد ''ولا تسرفوا'' اور اسراف نہ کرو کہہ کر اور تفریط زر کا انسداد ''کلوا واشربوا'' کھاؤ اور پیو کہہ کر کر دیا گیا ہے اسی طرح تجارتی چکروں سے معیشت کو چھٹکارا دلانے میں بھی تصور ''حلال و حرام'' کا اہم کردار ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ بُرائیوں کی روک تھام:

کئی ملکوں میں کالے دھن کو سفید کرنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ درحقیقت یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرے میں چور بازاری اور سمگلنگ وغیرہ عام ہو جائے۔ جب معاشرے میں یہ بات عام ہو جاتی ہے تو پھر قومی دولت کا ایک خاصہ حصہ تعمیری کاموں پر صرف ہونے سے رہ جاتا ہے نئی فرمیں قائم نہیں ہو پاتیں لیکن حلال وحرام کی وجہ سے اسلامی معیشت میں ہر قسم کی چور بازری کا انسداد ممکن ہوتا ہے۔ اس طرح سے معیشت میں معاشرے اور قوم کا سرمایہ ضیاع سے بچ جاتا ہے اور قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔ تصور حلال وحرام کے بغیر اس قسم کی معاشرتی برائیوں کا انسداد ناممکن ہے۔

۱۰۔ تبادلہ اشیاء (Exchange):

اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اشیا مصنوعات کے تبادلے کی بھی حدود مقرر ہو جاتی ہیں۔ ملاوٹ کرنے جھوٹی قسمیں کھانے اور ناپ تول میں کمی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ ممنوعہ اشیاء کی خرید وفروخت نہیں ہوتی۔ عہد و پیمان کی پابندی ہوتی ہے۔ منڈی کے حالات میں بہتری آتی ہے۔ خریداروں اور فروش کاروں کے مابین تعلقات کی نوعیت میں دیانت وامانت کا عنصر غالب آتا ہے ضیانت ودھوکہ کا تدارک ہوتا ہے۔

8۔ قناعت (Contentment)

اس کا براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس کا معاشیات سے تعلق پایا جاتا ہے اس لئے یہ تصور اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اذا نظر احدکم الی من فضل علیه فی المال والخلق فلینظر الی من هو اسفل منه (۱۸)

''جب تم میں سے کوئی اس شخص کی طرف دیکھے جس کو مال اور مال (حسن صورت) میں اس پر فضیلت حاصل ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس شخص کو (بھل) دیکھے جو (ان باتوں میں) اس سے ادنیٰ ہو۔''

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

میں نے اپنی زندگی میں زمانے کے مصائب وتکالیف پر کبھی شکوہ نہیں کیا لیکن ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں سفر کے دوران سخت گرمی میں ننگے پاؤں چل رہا تھا اور اس وقت میرے پاس جوتا خریدنے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ اس روز میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور میری زبان پر شکوہ کے الفاظ آ گئے میں نے کہا اے اللہ دوسرے لوگوں کے پاس تو شاندار سواریاں ہیں اور مجھے تو نے جوتا خریدنے کی بھی توفیق نہ دی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں میں اسی حالت میں جب کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا تو وہاں ایک آدمی کو دیکھا جس کے دونوں پاؤں ہی نہ تھے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی اور اس کی نعمت کا شکر ادا کیا''۔ (۱۹)

اس سے مراد یہ ہے کہ جائز وسائل سے جو کچھ دستیاب ہو اس پر وہ خوش ومطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لالچ نہ کرے کیونکہ لالچ انسان کو حرام ذرائع اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے وہ انسان جسے ایمان کی دولت نصیب ہو اور دنیا میں گزارے کا کچھ سامان میسر ہو اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسے قناعت جیسی نعمت عطا فرما دے اس سے بڑھ کر خوش نصیب انسان دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پرمسرت بن جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر انسان کو قناعت کی تعلیم دی گئی ہے اور حرص و لالچ سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (النساء:32)

''اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کو ہوس مت کرو۔''

﴿وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ (طٰہٰ:131)

''اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے ان کی آزمائش کے لئے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کی عطا فرمائی ہوئی روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت قرآنی

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل:97)

''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد یا عورت اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو دنیا میں پاک اور آرام کی زندگی سے زندہ رکھیں گے''۔

اس آیت میں جس ''حیوۃ طیبہ'' کی طرف اشارہ ہے وہ قناعت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی قناعت کی اہمیت و فضیلت بیان کی ہے صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا فرمان ہے:

[قد افلح من اسلم ورزق كفافا وقنعه الله بما آتاه]

''تحقیق کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو دیا اس پر قانع بھی بنا دیا''۔ (۲۰)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[من رضي من الله باليسير من الرزق رضي الله عنه بالقليل من العمل]

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق سے راضی ہو اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہو جائے گا''۔ (۲۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے یوں فرمایا:

[من جاع او احتاج فكتمه الناس كان حقا على الله عزوجل ان يرزقه رزق سنة من حلال] (۲۲)

''جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو اس نے لوگوں سے اس کو چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال تک رزق پہنچائے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

[لیس الغنی عن کثرۃ العروض ولکن الغنی غنی النفس]

''دولت مندی مال و اسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔'' (۲۳)

صوفیائے کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قناعت کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ وہ حرص ولالچ سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ حضرت سید علی ہجویریؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' میں یوں تحریر کرتے ہیں:

''ایک بادشاہ نے کسی فقیر سے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ میں تیری خواہش بخوشی قبول کروں گا۔ فقیر نے زیر لب تبسم کیا اور کہا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگوں؟ بادشاہ نے تعجب ہو کر پوچھا یہ تم نے کیا کہا؟ فقیر نے جواب دیا اے بادشاہ سن تو حرص اور امید دونوں کا غلام ہے اور یہ دونوں میرے غلام ہیں اس لئے تو میرے غلاموں کا غلام ہے۔'' (۲۴)

امام غزالیؒ رقم طراز ہیں کہ:

''خلیفہ وقت نے حضرت ابو حازم کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ آپ کو جو حاجت ہو وہ لکھ کر بھیج دیں تا کہ ہم اس کو دراکریں۔ آپ نے جواب میں تحریر کیا کہ میں نے اپنی تمام حاجت اللہ کے حضور پیش کیں جو اس نے منظور کیں ان کو میں نے قبول کر لیا اور جو نامنظور کیں میں نے ان پر قناعت سے کام لیا اب کون سی چیز باقی رہ گئی ہے جو تم کو لکھ بھیجوں۔'' (۲۵)

بعض صوفیاء کا ارشاد ہے کہ:

''جس طرح تو قصاص کے ذریعے اپنے دشمن سے بدلہ لیتا ہے اسی طرح اپنی قناعت سے حرص کا انتقام لے''۔

حضرت ذالنون مصری فرماتے ہیں:

''جس نے قناعت اختیار کی اس کو اہل زمانہ سے آرام حاصل ہوا''۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں:

''قناعت ایسی تلوار ہے جس کا وار خالی نہیں جاتا''۔

حضرت بنان بن جمال کہتے ہیں:

''طمع آزاد بندہ کو قیدی بنا دیتی ہے اور قناعت قیدی کو آزاد کر دیتی ہے۔'' (۲۶)

حضرت محمد واسع اس قدر قناعت پسند تھے کہ خشک روٹی پانی میں گھول کر کھا لیا کرتے اور فرماتے کہ خشک روٹی پر قانع کبھی مخلوق کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ (۲۷)

قرآنی آیات اور دیگر حوالہ جات (References) سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ قناعت پسندی کے کئی فوائد ہیں قناعت پسند فرد حرص و آز سے اجتناب کرتا ہے اپنے ذرائع کے مطابق بسر اوقات کی کوشش کرتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کی حق تلفی نہیں کرتا۔ صبر وشکر سے کام لیتا ہے اسی طرح اگر کسی معاشرہ کے باشندے قناعت پسندی کا مظاہرہ کریں تو کئی معاشی دشواریاں ازخود حل ہو جاتی ہیں۔ لوٹ مار' رشوت ستانی' ذخیرہ اندوزی' گراق فروشی اور ناجائز منافع خوری (Projiteering) کا سدباب کرنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ ریاست اپنے اخراجات کو آمدنی سے منسلک کرتی ہے فضول خرچی کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے۔ جدید دور کے کئی اور شدید مسائل پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔

9۔ کاروباری ضابطہ اخلاق

(Business Code of Ethics)

اسلام نے ہمیں ایک نظام تجارت بھی دیا ہے۔ فقہاء نے شریعت میں دیئے گئے ان تمام قوانین کا مطالعہ کیا جو نظام تجارت سے متعلق تھے جن طریقوں کی ممانعت کی گئی تھی ان کی وجہ معلوم کی گئی جن کو جاری رکھا گیا ان کے مصالح کا پتہ لگایا اور تجارت کا ضابطہ مدون کیا جن کے مطابق اشیاء وخدمات کا تبادلہ ہوسکتا ہے۔ تجارت وتبادلہ کا سب سے عام اصول وہ اصول ہے جو سورۃ النساء کی 29 ویں آیت اور 30 ویں آیت میں موجود ہے۔

''اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعہ مال حاصل ہو جائے اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جو شخص ظلم وزیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم جلد ہی آگ میں جھونک دیں گے۔''

اگر ہم قرآن مجید کے فرمان پر غور کریں تو ان میں تجارت کو دو شرائط سے مشروط کیا گیا ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ تجارت فریقین کی رضامندی سے ہونی چاہئے جبر واکراہ سے نہیں دوسرا اصول یہ ہے کہ تجارت میں تبادلہ میں مال کو باطل طریقہ سے نہیں کھانا چاہئے اور ہر وہ طریقہ باطل ہے جو اصول حلال سے بٹا ہوا ہو اور جس میں ایک فریق کا فائدہ دوسرے کے نقصان پر مبنی ہوتا ہے اس طرح قرآن نے تجارت اور تبادلہ کو ان دو حدود کا پابند کر دیا ہے فقہاء نے تجارت کے سلسلے میں جو اصول وضوابط دیئے ہیں ان میں سے پہلا ضابطہ یہ ہے کہ:

۱۔ حرام چیزوں کی خرید وفروخت پر پابندی:

وہ تمام اشیاء جن کو حرام قرار دیا گیا ان کی خرید وفروخت نہیں ہوسکتی مثلاً شراب' مردار' سور وغیرہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ انسان حرام چیزوں کے قریب بھی نہ پھٹکے اگر ان کا استعمال اور تجارت حرام نہ ہو تو لوگ ان چیزوں کے قریب جائیں گے ایک متفق علیہ حدیث ہے اللہ اور اس کے رسول نے رشوت' مردار' سود اور بتوں کی خرید وفروخت حرام کر دی ہے احمدؒ اور ابوداؤدؒ میں ایک عام اصول حضورؐ نے دیا ہے کہ جب اللہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔

۲۔ دھوکہ دہی کی بندش (Stoppage):

چنانچہ وہ سارے کاروباری معاملات جو دھوکہ دہی پر مبنی ہیں جن میں غلط باتیں کر کے شے کو فروخت کیا جائے تو یہ سب شریعت میں ممنوع ہیں۔ اگر جدید دور میں اس اصول کا انطباق کریں تو غلط اور مبالغہ آمیز اشتہارات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔ جدید معیشت دان بھی ان کے حق میں نہیں۔ رابنسن کی رائے ہے کہ یہ صارفین کی ترجیحات کو بگاڑ کر رکھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں۔

پھر اسی طرح لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ عیب دار مال کے نقائص بیان نہیں کرتے اور اسے چھپا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی ناجائز ہے۔ بعض اوقات مال گھٹیا ہوتا ہے اور اسے بلند معیار کا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی ناجائز ہے اسی طرح قیمت خریدنے میں بھی بعض دفعہ غلط بیانی کی جاتی ہے۔ اگر اسلام کا ضابطہ تجارت اس وقت رائج ہو تو یہ تمام قاعدے غلط ٹھہرا دیئے جائیں گے اور قانون کے ذریعے انہیں روکا جائے گا۔ اسلامی ریاستوں میں ہمیں محبت کا تصور ملتا ہے۔ حضورؐ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپؐ بازار سے گزر رہے تھے ایک جگہ آپؐ نے ایک دکان پر غلہ پڑا دیکھا آپؐ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس کی دکاندار سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ رات بارش ہو گئی تھی تو غلہ بھیگ گیا۔ دھوپ کی وجہ سے اوپر والا حصہ خشک ہو گیا ہے یہ سن کر رسول خداؐ نے فرمایا:

''تمہیں چاہئے تھا کہ تم دار غلہ اوپر رکھتے تا کہ خریدار کو اس کی کوالٹی کے متعلق اندازہ ہو جاتا''۔

اور فرمایا کہ:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو ایسی چیز فروخت کرے جس میں کوئی نقص ہو اور اس نقص کو بیان نہ کرے۔''

ہمارے اسلاف مال کو فروخت کرتے وقت معمولی عیب بھی بیان کرتے تھے۔ ابن سیرین نے ایک بکری کو فروخت کیا اور فروخت کرتے وقت خریدار سے کہا جب یہ بکری چارہ کھاتی ہے تو چارہ کو پاؤں سے بکھیر دیتی ہے حسن بن صالح نے ایک لونڈی فروخت کی تو فروخت کرتے وقت کہا کہ اس نے ایک مرتبہ خون تھوکا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ تجارت کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے کچھ مال فروخت کرنے کے لئے اپنے شریک تجارت کو دیا اور ہدایت کی اس مال میں عیب دار کپڑا بھی ہے فروخت کرتے وقت یہ عیب ضرور بتا دینا۔

حسن بن عبدالرحمان مال فروخت کرتے وقت عیب بتانا بھول گئے آپ نے کہا خریدار کو ڈھونڈیں یہ مال 30`35 ہزار درہم کا فروخت ہوا تھا۔ جب خریدار نہ ملا تو تمام مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔

یونس بن عبید کپڑے کے جوڑے فروخت کرتے تھے ایک جوڑے کی قیمت 400 درہم تھی اور دوسرے کی 200 درہم تھی۔ نماز کے لئے گئے ہوئے تھے تو بھتیجے کو دکان پر بٹھا گئے ایک بدو آیا تو بھتیجے نے 200 والا جوڑا 400 درہم میں بیچ دیا آپ نے بدو سے کہا کتنے کا خریدا؟ تو آپ اسے واپس دکان پر لائے اور 200 درہم واپس کر دیئے اور بھتیجے کو ڈانٹا کہ تجھے خدا کا خوف نہ آیا سو فیصد منافع لیا۔

محمد بن منکدر کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ملازم بھی موجود تھے خود کہیں گئے ہوئے تھے تو ملازم نے 5 درہم والے کپڑے کے ٹکڑے کو 10 درہم کا فروخت کر دیا۔ ملازم نے جب یہ چیز بتائی تو آپ سارا دن خریدار کو تلاش کرتے رہے جو وہ مل گیا تو کہا تم نے مہنگا لیا ہے اس نے بتایا کہ میں نے خوشی سے لیا مگر آپ نے 5 درہم واپس کر دیئے۔ اسلام کا اصول ہے کہ دھوکہ دہی سے پرہیز کیا جائے۔

یہ اصول اس وقت اور شدید ہو جاتا جب دھوکہ دہی سے جھوٹی قسم کھائی جائے۔ آج کل عام رواج ہے کہ دکاندار خریدار کو یقین دلانے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے مثال کے طور پر سورۃ توبہ کی 12 ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

''تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ تم اگر ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اللہ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوگا۔"

صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث ہے:

"قسم کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن برکت اٹھ جاتی ہے۔"

صحیح مسلمؒ اور سنن نسائیؒ کی ایک حدیث ہے:

"تجارت میں قسمیں کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ اس طرح پہلے تو کامیابی ہوتی ہے پھر بے برکتی ہو جاتی ہے۔"

یورپ نے تجربہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر تجارت میں بے ایمانی ہوگی تو Long Hun میں تنزلی ہوگی۔

سورۃ آل عمران کی 8 ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

"بے شک جو لوگ خدا کے اقرار اور اپنی قسموں پر دنیا کا تھوڑا سا مال خریدتے ہیں آخرت میں ان کا حصہ نہیں ہے نہ اللہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

مشہور مفکر ابن خرید نے اس آیت کی شان نزول یہ بتائی ہے کہ یہ ان تاجروں کے لئے ہے جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال فروخت کرتے تھے۔

۳۔ عہد کا پورا کرنا:

وعدہ خلافی کی ممانعت کی گئی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی 34 ویں اور 35 ویں آیت میں ارشاد ہے:

"اور عہد کو پورا کرو کیونکہ قیامت میں عہد کی باز پرس ہوگی۔"

حضورؐ نے منافق کی تین نشانیاں بتائی ہیں:

"پہلی یہ کہ جب بولے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب امانتدار بنایا جائے تو خیانت کرے"۔

۴۔ درست پیمانے (Measures):

اس سلسلہ میں ہر کوتاہی قابل تعزیز جرم ہے۔ سورہ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور ناپ تول میں انصاف کرو ہم کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔"

ناپ تول پر اگر انصاف نہ کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ دوسرے پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالا جائے۔ حضرت شعیبؑ کی قوم میں یہی خرابی پائی جاتی تھی کہ وہ تجارت میں دھوکہ بازی سے کام لیتے تھے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"ناپ پورا دو اور گھاٹا دینے والے نہ بنو۔ صحیح ترازو سے تولو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد پھیلانے والے نہ بنو۔"

اگر ناپ تول میں انصاف پر عمل نہیں کیا جاتا تو آپس میں نفرتیں پھیلتی ہیں اور فساد برپا ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ معاونت ضروری ہونا:

ایک فریق کا فائدہ دوسرے فریق کے یقینی نقصان پر مبنی ہو۔ اس ضمن میں جوا' سٹہ لاٹری سب آ جاتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

''بلاشبہ جوا' بت' پانسے یہ سب سراسر نجاست ہیں اور شیطان کے کام ہیں تم ان سے بچو امید ہے تم کو فلاح نصیب ہو۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوا کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے۔'' (المائدہ:90-91)

چنانچہ اس اصول کے تحت اسلام نے جوئے' سٹے' لاٹری' سود اور ناجائز استحصال محنت کو حرام قرار دیا۔ نزول اسلام کے وقت جوئے اور خمار کی مختلف صورتیں عرب میں رائج تھیں۔ ایک صورت یہ تھی کہ کوئی شخص کپڑا یا کسی شہد کی فروخت کرنا چاہتا تو وہ اسے خریدار کی طرف پھینک دیتا۔ خریدار اسے دیکھ کر چھو نہیں سکتا تھا۔ بعض دفعہ خریدار کو نقصان اور بعض اوقات فروخت کار کو نقصان ہوتا تھا۔ آپس میں لین دین کی ایک اور صورت جو عرب میں رائج تھی وہ بیع ملامسہ تھی۔ اس طریقہ کی رو سے کسی بھی شہد کی خرید و فروخت چھو کر یا ہاتھ لگانے سے ہوتی تھی۔

معیشت نے اس طریقہ کو بھی ناجائز قرار دیا۔ بیع معاۃ کے طریقہ کے مطابق نشانہ بازی کے ذریعہ سے خرید و فروخت ہوتی تھی خریدار ٹھیکری سے اشیاء کا نشانہ لیتا تھا اگر ٹھیکری شے کو چھو جاتی تو وہ شے اس کی ہو جاتی ورنہ نہیں حقیقت یہ ہے کہ جوا بازی معاشی طور پر کوئی مفید خدمت سرانجام نہیں دیتی بلکہ معاشرے کے لئے انتہائی ضرر رسان ہے اس سے انسان کو بغیر محنت یا جدوجہد کے مال حاصل کرنے کی لت پڑ جاتی ہے ان کو غیر پیداواری سرگرمیاں کہتے ہیں۔

پال اے سیموئیلسن نے اپنے کتاب میں جوئے (Gambling) کے مختلف عیب بیان کیے ہیں (۲۸)

۶۔ سٹہ بازی کی ممانعت (Prohibition of Speculating):

اس کو انگریزی میں (Spaculation) یا تخمین کاری کہا جاتا ہے اور یہ اسلام کے نقطہ نظر سے قمار یا جوئے کی صورت ہے۔

قیمتوں کے فرق کی بناء پر ایک کاروبار یا تو فائدہ اٹھاتا ہے یا نقصان برداشت کرتا ہے اسی کاروبار کی ایک نوعیت سٹہ بازی کہلاتی ہے ہر ملک کے اندر سٹاک ایکسچینج کی ایک مارکیٹ ہوتی ہے جس میں سیکورٹیز خریدی اور بیچی جاتی ہیں۔ حصص اور بانڈز کی خرید و فروخت ہوتی ہے اجناس مارکیٹ کے اندر سٹہ باز موجود ہوتے ہیں قیمتوں سے متعلق اندازے لگائے جاتے ہیں کہ مستقبل میں ان سیکورٹیز کی قیمت کیا ہوگی اگر کسی سٹہ باز کو اندازہ ہو کہ فلاں سیکوریٹی کی قیمت مستقبل میں بڑھ جائیں گی تو وہ دوسرے سیکورٹیز فروخت کر کے وہ خریدے گا اس طرح اگر اس کا اندازہ درست ہو تو اسے فائدہ ہوگا اور اگر اندازے کے برعکس قیمت گر جائے تو نقصان ہوگا۔ اسی کو سٹہ بازی کہتے ہیں۔ بعض دفعہ ضروری نہیں کہ باقاعدہ طور پر اشیاء ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل ہوں بے شک حصص موجود نہ ہوں اور زبانی سودا کیا جائے تو پھر بھی سٹہ بازی وجود میں آتی ہے عام طور پر قیمتوں سے متعلق جو اندازے لگائے جاتے ہیں اور کفالتیں وغیرہ خریدی جاتی ہیں' اسے سٹہ بازی کہتے ہیں اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ مشکوک اشیاء:

وہ تمام کے تمام معاشی تبادلے جو غیر واضح ہوں ان کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔ کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ خریدنے والے کو معلوم ہو کہ وہ کیا خرید رہا ہے اور فروخت کنندہ کو بھی ضروری معلومات حاصل ہوں۔ عرب میں کاروبار کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔

۸۔ باہمی رضامندی (Mutual Consent):

اسلام کی ہدایات کے مطابق لین دین میں حقیقی رضامندی ہونی چاہئے۔ خریدنے اور بیچنے والے کو مجبور نہیں ہونا چاہئے۔ رسول اللہؐ نے اضطراری سے مجبور خرید وفروخت کو منع فرمایا ہے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں:

''مضطر کی خرید وفروخت فاسد ہے۔''

فرض کریں کسی شخص کو کسی شے کی اشد ضرورت ہے اور فروخت کنندہ جو قیمت بتاتا ہے وہ خریدار ادا نہیں کر سکتا مگر اشد ضرورت کی بنا پر خریدار کو من مانی قیمت دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی لین دین کی ایک فاسد صورت ہے۔

۹۔ دخل اندازی (Intervention):

اسلام چاہتا ہے کہ منڈی میں آزادی کی فضا برقرار رہے اگر منڈی میں اجارہ دارانہ عنصر گھس آئے تو ان کی سرگرمیوں کو اسلام ناجائز قرار دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال حضورؐ کے زمانہ سے ملتی ہے جس کو تلقی علب کہا جاتا ہے۔ شہر کے لوگ اپنی غذا خود پیدا نہیں کرتے تھے بلکہ دوسرے شہروں سے منگواتے تھے جب مکہ اور مدینے کے تاجروں کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں تاجر مال لے کر آ رہا ہے تو شہر کے باہر سے ہی مال کم داموں پر خرید لیتے اور منڈیوں میں منہ مانگے داموں فروخت کرتے۔ رسول اللہؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی سے مال نہ خریدے ''بیع الحاضر للباد'' کہتے ہیں۔ حضورؐ نے اس کی ممانعت ان الفاظ میں کی ہے:

''کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو اللہ انہیں ایک دوسرے کے ذریعے رزق دے گا۔''

۱۰۔ ذخیرہ اندوزی کی رکاوٹ (Prevention of Storing):

اس عمل میں قرآن پاک نے احتکار کا نام دیا ہے اسے انگریزی میں "Hoarding" کہا جاتا ہے۔

اسلام میں سٹور کرنا منع نہیں لیکن اگر ذخیرہ ناجائز منافع کے لئے ہو تو یہ ناجائز ہے۔ اس میں قیمت بڑھانے کے لئے مصنوعی قلت پیدا کی جاتی ہے اور اسے احتکار کہتے ہیں۔ حدیث نبویؐ ہے:

''بہت برا ہے وہ شخص جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے جب ارزانی ہوتی ہے تو اسے افسوس ہوتا ہے اور جب گرانی ہوتی ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے۔''

اس میں ذخیرہ اندوزی کی نفسیات بتائی گئی ہے۔ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس سے ارتکاز دولت کا عمل وجود میں آتا ہے اور ذخیرہ سازی شے کی قلت کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے اجتماعی نقصان پیدا ہوتا ہے۔ احتکار کی حرمت دو باتوں سے مشروط ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ کسی ایسے وقت اور جگہ ذخیرہ کیا جائے جب لوگوں کو شے مطلوب ہو۔

۲۔ ذخیرہ کا مقصد قیمت بڑھانا ہو۔

اگر تاجر میں یہ دو خصلتیں ہوں تو حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اس کی ضرورت کا مال اس کے پاس رکھ کر بقیہ فروخت کر دے اور اگر وہ پھر بھی ذخیرہ اندوزی کرے تو حکومت اسے قید کرے۔

۱۱۔ سودی کاروبار ناجائز ہونا:

سود جیسے معاملات کو فقہ میں رباء الفضل کہتے ہیں۔ جن کو سختی سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ناجائز ہیں۔ حق تلفی ہوتی ہے۔ کئی پیچیدگیاں آتی ہیں۔

صارفین کو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اونچ نیچ آتی ہے۔

۱۲۔ اجارہ دارانہ حربوں کی ممانعت:

مثال کے طور پر مصارف سے بہت زیادہ دام وصول کرنا' اشیاء کا معیار کم کرنا' سماجی ضروریات سے کم مقدار میں شے فروخت کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔

۱۳۔ متفرق:

یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ خوش خلقی سے پیش آنا۔

۲۔ بے جا مداخلت نہ کرنا۔

۳۔ ظاہری اور باطنی قیمت میں یکسانیت ہونا۔

۴۔ شے کی موجودگی ضروری ہونا۔

۵۔ سپلائی پوری دینا۔

۶۔ سودے کا تحریر کرنا۔

۷۔ مال کا نقص بتلا دینا۔

۸۔ بھول چوک میں تلافی کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱۔ مفردات امام راغب تحت وقی

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ترمذی شریف

۶۔ البخاری

۷۔ حفظ الرحمٰن.....اسلام کا اقتصادی نظام

۸۔ روح المعانی 24 البحر المحیط ج 7

۹۔ مولانا حفظ الرحمٰن..... اسلام کا اقتصادی نظام

۱۰۔ امام ابو یوسف.....کتاب الخراج

۱۱۔ بحوالہ کوثر نیازی.....اسلام ہمارا رہنما ہے

۱۲۔ الکامل للمبرد (مترجم)

۱۳۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ڈاکے اور رہزنی کے مرتکب ہوتے ہیں.....الجصاص ج 2

۱۴۔ اس آیت میں کلام دلفریب سے مراد گانا بجانا اور ہر وہ لہو ولعب ہے جو راہ خدا سے بھٹکانے والا ہو (ابن جریر جامع البیان فی تفسیر القرآن ج 21)

۱۵۔ اس آیت کا اصل مقصد قحبہ گری کے پیشے کا انسداد ہے۔ لونڈیوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں اہل عرب کے ہاں قحبہ گری (Prostitution) کا سارا کاروبار لونڈیوں کے ذریعہ سے چلتا تھا۔ لوگ اپنی جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو چکلے میں بٹھا دیتے تھے اور ان کی کمائی کھاتے تھے.....ابن جریر ج 18
ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم ج 3.....ابن عبدالبر الاستیعاب ج 2 دائرۃ المعارف

۱۶۔ زنا کو جرم قرار دینے کے ساتھ ہی اسلام میں زناء کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بھی حرام کر دیا گیا اور نبیؐ نے اسے بدترین کمائی قرار دیا۔ بخاری کتاب 34 باب 113 کتاب 37 باب 20 کتاب 68 باب 50 کتاب 76 باب 46 کتاب 77 باب 96 مسلم کتاب 22 حدیث نمبر 39`41 ابوداؤد کتاب 22 باب 39`63 ترمذی کتاب 9 باب 37 کتاب 12 باب 46 کتاب 26 باب 23 نسائی کتاب 42 باب 5 کتاب 44 باب 9 ابن ماجہ کتاب 12 باب 9

۱۷۔ الجصاص ج 2 ص 212

۱۸۔ صحیح بخاری ترجمہ وشرح جلد ہشتم

۱۹۔ گلستان سعدی

۲۰۔ بحوالہ محمد منظور نعمانی.....معارف الحدیث، جلد: 2، ص: 292

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۱۔ مشکوۃ المصابیح (ترجمہ) جلد دوم
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ بخاری.....ترجمہ وتشریح، جلد ہشتم
۲۴۔ کشف المحجوب.....مترجم
۲۵۔ امام غزالی.....احیاء علوم الدین، ج:2
۲۶۔ شیخ شہاب الدین سہروردی.....عوارف المعارف.....ترجمہ شمس بریلوی
۲۷۔ شیخ عطارؒ.....تذکرۃ الاولیاء
28. Paul A. Samuelson------ Economics

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا باب:

معاشی سرگرمیوں کی اہمیت ونوعیت

۱۔تقاضائے فطرت:

اسلام دین فطرت ہے جسے فاطر فطرت (اللہ تعالیٰ) نے انسان کی رہنمائی اور فائدہ کے لئے ضابطہ حیات کے طور پر تجویز فرمایا ہے۔اس ضابطہ حیات کا ہر پہلو انسان کے فطری داعیات سے مطابقت رکھتا ہے۔اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ سے انسان کی فطرت میں کچھ ایسی احتیاجات رکھ دی ہیں جن کی تسکین کے لئے وہ ہر لحظہ بے قرار رہتا ہے۔ اس نے اپنی رحمت خاص سے خارج میں ایسے وسائل اور انسان کے داخل میں ایسے قوائے علم وعمل پیدا فرما دیئے ہیں جن سے کام لے کر وہ تسکین احتیاجات کا سامان پیدا کر سکتا ہے۔اس اعتبار سے پیدائش دولت کا عمل انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔اس سے روگردانی حسن فطرت کو مسخ کرنے اور منشائے ایزدی سے انحراف کے مترادف ہے۔

۲۔تسخیر کائنات کا تقاضا:

انسان کے گردوپیش میں پھیلی ہوئی وسیع وعریض کائنات اور اس کے اتھاہ خزانے سب انسانوں کے لئے تخلیق کئے گئے ہیں۔ان کی تسخیر کے ذریعہ انسان اپنی حیات مستعار کی راحتوں کو بڑھا کر ایک خوشگوار پرسکون معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے۔تسخیر کائنات کا یہ عمل پیدائش دولت کا ہی ایک باب ہے۔اس لئے اسلام نے اس کی اہمیت پر خصوصی توجہ دی ہے اور انسان کو تادم آخر اپنے قوائے عمل کو اس مقصد کے لئے متحرک رکھنے کی تلقین کی ہے۔

۳۔رزق کی فراوانی:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاشی اعتبار سے آسودہ حال دیکھنا پسند کرتا ہے۔اس کے بندے اگر اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر وسائل کائنات سے استفادہ کرنے کے لئے سعی وجہد کریں تو وہ انہیں رزق وروزی سے نوازتا ہے۔اگر تلاش رزق اور تسخیر کائنات کی جدوجہد کرنے والے یہ ہاتھ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے ہوں تو پروردگار کی رزق رسانی کی سنت کامل واکمل انداز میں ظاہر ہوگی۔

قرآن پاک نے اسے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الاعراف:96)

''اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ کی روش پر گامزن رہتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے''۔

۴۔شکرگزاری کا تقاضا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم ودماغ کی انمول صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ان نعمتوں کی شکرگزاری کا تقاضا یہ ہے کہ انسان انہیں ان مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرے جن کے لئے یہ تخلیق کی گئی ہیں۔ان خداداد نعمتوں اور قوتوں کو بے کار ضائع کرنا پرلے درجے کی ناقدری اور نادانی ہے۔جسے قابل مواخذہ قرار دیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: 36)
''بے شک کان' آنکھ اور دل سب سے پرسش ہوگی''۔
حق شکر ادا کرنے سے نہ صرف انسان مواخذہ سے بچ جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعامات کا مستحق بن جاتا ہے۔

﴿وَ إِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ (ابراہیم: 7)
''اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں بالضرور تمہیں مزید عطا کروں گا''۔

۵۔ علوم وفنون کی ترقی:

اسلام علوم وفنون میں انسان کی دلچسپی اور ترقی پر بڑا زور دیتا ہے۔ اس کا ایک مقصد تو معرفت الٰہی کا حصول ہے تاکہ انسان جادہ مستقیم پر استوار رہ سکے۔ اس کا دوسرا محرک یہ ہے کہ انسان ان وسائل وآلات تک رسائی حاصل کرلے جو زود پیداآوری اور کثیر پیداآوری کا باعث بن کر اسے تسکین احتیاجات کی لذتوں سے شادکام کرسکیں۔ اسلام انسان کی اس کاوش کو محض حصول معاش کا ذریعہ نہیں بلکہ عین عبادت قرار دیتا ہے۔ کسب حلال کو فرض عبادات کے بعد سب سے بڑا فریضہ کہا گیا ہے۔ اس کی خاطر نماز تہجد جیسی عظیم عبادت میں تخفیف کردی گئی وغیرہ۔

پیدائش دولت

(Production of Wealth)

مفہوم:

معاشیات کی اصطلاح میں پیدائش دولت سے مراد دستیاب قدرتی اور انسانی وسائل سے کام لے کر ان اشیاء وخدمات کو وجود میں لانا ہے جن میں کسی انسانی احتیاج کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ کسان کا زمین سے پیداوار حاصل کرنا' مزدور کا محنت کرنا' نانبائی کا روٹی پکانا' مصنوعات کی تیاری' نیز استاذ انجینئر' ڈاکٹر اور وکیل کی پیشہ دارانہ خدمات یہ سب پیدائش دولت کے اعمال اور سرگرمیاں ہیں۔ آغاز افرینش میں انسانی احتیاجات مختصر اور سادہ تھیں اس لئے عمل پیدائش کا دائرہ بھی محدود تھا لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ احتیاجات میں وسعت اور تنوع پیدا ہوجانے سے پیدائش دولت کی سرگرمیوں کا پھیلاؤ بھی بڑھتا گیا ہے اور اب حال یہ ہے کہ معاشی جدوجہد کے دائرہ میں بالخصوص سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے اندر اسے مرکزی اور محور کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

پیدائش دولت کے مقاصد

اسلامی نقطہ نظر سے پیدائش دولت کا مقصد محض زیادہ سے زیادہ منافع کا حصول نہیں بلکہ معاشی فلاح (Economic Welfare) کا حصول ہے۔ لیکن اس کا انداز وہ اختیار کیا جائے گا جو' حتمی فلاح' (Final Welfare) یعنی اخروی فلاح سے مطابقت رکھنے والا ہو' اس سے متصادم نہ ہو۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رکھے جائیں گے۔

۱۔ وہی اشیاء وخدمات پیدا کی جائیں جو فی الواقع مفید ہوں اور انسانوں کی حقیقی ضروریات پوری کرنے والی ہوں۔

۲۔ اشیاء تعیش پر وسائل پیدا اور صرف نہ کئے جائیں۔

۳۔ حرام اشیاء قطعی طور پر پیدا نہ کی جائیں کیونکہ حرام اشیاء وخدمات مادی منفعت کا باعث بننے کے باوجود حقیقی اور حتمی فلاح کو کم اور بعض حالات میں انسان کو اس سے محروم کر دیتی ہیں۔

۴۔ عمل پیدائش کو جاری رکھنے کے لئے طریق پیدائش بھی ایسے استعمال کئے جائیں جو:

(الف) شرف انسانی مطابقت رکھنے والے ہوں۔ غلامی' بیگار' کم سن بچوں سے محنت لینے اور محنت کشوں پر ان کی استعداد سے زیادہ کام کا بوجھ ڈالنے کی اسی لئے ممانعت کی گئی ہے۔

(ب) زیادہ سے زیادہ افراد کے لئے روزگار کا باعث بنیں۔ بے شک جاذب سرمایہ (Capital Intensive) ہوں مگر محنت کشوں' چھوٹے دستکاروں اور صناعوں کو بے روزگاری سے دوچار کر دینے والے نہ ہوں۔

(ج) معاشرہ میں رہنے والے عام لوگوں اور بالخصوص کارکنوں کے لئے مضر صحت نہ ہوں اور نہ ہی انہیں صنعتی خطرات سے دوچار کر دینے والے ہوں۔

(د) ماحول کی آلودگی (Pollution) کا باعث بننے والے نہ ہوں۔

۵۔ عمل پیدائش کی تنظیم اس انداز میں کی جائے کہ پیدا آوری سرگرمیوں میں حصہ لینا ہر شخص کے بس میں ہو۔ رنگ' نسل' علاقہ' ذات برادری وغیرہ کی بنیاد پر کام کی راہیں کسی پر بند نہ کر دی جائیں۔ ذات پات کا ہندوانہ تصور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ نیز اجارہ داریاں قائم نہ ہونے دی جائیں کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور افراد کی اکثریت چند اجارہ داروں کی حرص وہوس کی اسیر بن جائے۔ پیدائش دولت کی جدوجہد اعتدال پر مبنی ہو۔ اس سے نہ تو اتنا اعراض ہو کہ انسان رہبانیت کی حدوں کو چھونے لگے اور نہ ہی اس میں اتنا استغراق وانہماک ہو کہ انسان اللہ کی یاد سے غافل اور امور خیر کی انجام دہی سے محروم ہو جائے۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کی تحسین کی گئی ہے جنہیں تلاش رزق کی جدوجہد ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہونے دیتی۔

۶۔ عمل پیدائش ہر لحاظ سے عدل وانصاف پر مبنی ہو۔ حصول معاش کے ناجائز اور حرام ذرائع مثلاً چوری' ڈاکہ' غصب' بددیانتی' خیانت' سود' جوا وغیرہ کسی بھی صورت میں اختیار نہ کئے جائیں۔ نیز ایسے طریقے بھی بروئے کار نہ لائے جائیں جن سے ایک کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان ہو یا جو مجموعی طور پر پورے معاشرہ کے مفاد کو ضرر پہنچانے والے ہوں۔

۷۔ عمل پیدائش کی تکمیل کے سلسلہ میں جن عوامل سے کام لیا جائے ان کی خدمات کا منصفانہ بنیاد پر معاوضہ ادا کیا جائے۔ اس سلسلہ میں بالخصوص محنت کشوں کے حقوق فراغ دلی کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ آجر اور اجیر کے خوشگوار تعلقات پیدائش دولت کے عمل کو جاری رکھنے اور اشیاء وخدمات کی افزائش میں بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس بارے میں بڑی موثر اور مفید ہدایات دی ہیں اور ان پر عمل درآمد کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدائش دولت کے مختلف شعبے

(Different Sectors of Production)

انسانی ضرورتوں میں عطیات قدرت سے استفادہ:

ہر شخص اپنے اندر آرزوؤں اور تمناؤں کا ایک سمندر لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ''اس کی آرزو کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ قدرت نے اس کی فطرت میں سیری نہیں دی۔ اس کا ذہن اور اس کا دل ہر وقت نئے نئے مقاصد اور نئی نئی آرزوؤں کا مولد ہے۔''(۱) قرآن پاک انسان کے ان جذبوں اور خواہشوں کی حوصلہ شکنی نہیں کرتا بلکہ اس نے ان خواہشوں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے خود زمین ہی کیا بلکہ عالم محسوس کے پورے نظام کو انسان کی تمناؤں اور آرزوؤں کی جولانگاہ بنا کر اس سے کہہ دیا ہے کہ زمین بھی تیری ہے' آسمان بھی تیرا ہے' ہوا بھی تیری ہے' پانی بھی تیرا ہے' تارے بھی تیرے ہیں' چاند بھی تیرا ہے' سورج بھی تیرا ہے۔

﴿وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ﴾ (ابراہیم:33)

''(خدا نے) آفتاب اور ماہتاب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔''

نیز ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرہ:29)

''جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے ہی لئے پیدا کیا۔''

اسلامی معاشیات اپنے ماننے والوں پر یہ لازم کرتی ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے جب تک اس کی ہر ہر چیز کے متعلق یہ ثابت نہ کر لیں کہ وہ انسان کی کس ضرورت میں کام آتی ہے؟ اور کیونکر اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟ ان کی آسمانی کتاب کی تفصیل مکمل نہیں ہو سکتی۔ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' صحابہ کرامؓ کو عملی تعلیم دیتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے عطیات قدرت سے استفادہ کیا جائے۔ اس بارے میں آپ معمولی معمولی باتوں کی طرف ان کو توجہ دلاتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ''رسول اکرمؐ نے ایک مری ہوئی بکری دیکھی جو حضرت میمونہؓ کی کسی لونڈی کو صدقہ میں دیگئی تھی' نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم اس کی کھال سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے؟ لوگوں نے عرض کیا وہ تو مری ہوئی ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ:

''حرام تو صرف اس کا کھانا ہے۔ (کھال نہیں ہے)''(۲)

عطیات قدرت کو ہی فرمایہ بنا کر آدمی اس زمین پر اپنی زندگی گزار رہا ہے' چنانچہ آدم کو جب زمین پر بھیجا گیا اس وقت بھی یہ کہہ دیا گیا کہ زمین کے اس کرہ پر.....

﴿وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ﴾ (البقرہ:36)

''تمہارے لئے زمین پر ٹھکانا ہے اور خاص وقت تک کے لئے پونجی ہے۔''

گویا معاشی طور سے یہ انتظام کر دیا گیا ہے کہ جب تک رہو گے اسی سرمائے سے کام لے کر اپنی زندگی بسر کرو گے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ محنت' سرمایہ' تنظیم اور قدرتی قوانین جو انسانی معاش کے عاملین پیدائش ہیں' ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب کا تذکرہ کر کے قرآن مسلسل اس کی سند بنی آدم کو عطا کرتا جاتا ہے کہ یہ جو کچھ ہے صرف دیکھنے کے لئے یا بھاگنے کے لئے نہیں بلکہ جی بھر کر پورے استفادے کے لئے ہے کہ

﴿وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (المائدہ:88)

''خدا نے جو حلال مرغوب رزق تمہیں دیا ہے کھاؤ۔''

نیز ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:60)

''خدا کے دیے ہوئے رزق سے کھاؤ پیو۔''

ایسے لوگ جو فراری خیالات سے متاثر ہو کر کبھی کبھی ان چیزوں کے استفادے سے ہچکچاتے تھے ان کی تسلی کرتے ہوئے نہایت شفقت اور مہربانی سے ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (البقرہ:168)

''اے انسانو! جو چیز زمین میں صاف ستھری ہے اسے کھاؤ۔''

بعض موقعوں پر قرآن مجید میں ابر و باد و بارش' لہلہاتی کھیتیاں' میٹھے ہوئے باغ' پھلوں اور اناجوں سے لدی پھندی ڈالیاں جو انسانوں کے سامنے ہیں' ان سب کا ذکر کر کے عجیب شان سے فرمایا جاتا ہے کہ

﴿رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ (ق:11)

''(یہ سب کچھ) میرے بندوں کا روزینہ ہے۔''

یہ چند آیتیں تو بطور مثال کے پیش کی گئی ہیں' ورنہ قرآن ایسی ہی آیات سے بھرا پڑا ہے' اس نے صرف ضروریات زندگی اور راحت کی چیزوں کی حد تک ان اجازتوں کو محدود نہیں رکھا ہے' بلکہ بڑی فیاضی سے زیب و زینت کی چیزوں سے بھی موزوں اور برمحل استفادہ ہی کی اجازت دی ہے اور ان سے استفادہ کرنے کے متعلق جن دلوں میں کچھ دغدغہ تھا ان سے عتابی رنگ میں پوچھا ہے کہ

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف:32)

''پوچھو تو کس نے حرام کیا اللہ کی (پیدا کی ہوئی) زینت و آرائش کی چیزوں کو جسے خدا نے اپنے بندوں ہی کے لئے پیدا کیا اور کس نے حرام ٹھہرایا صاف ستھری اور پاکیزہ غذاؤں کو؟''

پھر خود ہی راہنمائی کرتا ہے کہ جو چیزیں پیدا کی گئی ہیں' ان میں بعض کا تعلق انسان کی ضروریات زندگی سے ہے اور ان ہی میں بعض تمہاری زیب و زینت' جمال' سنگھار اور آرائش میں کام آتی ہیں

قرآن براہ راست معاشی کتاب تو ہے نہیں' البتہ معاشیات کے متعلق غلط نظریوں نے جو خاص قسم کے غیر فطری خیالات' مذہب اور دین کے رنگ میں پیدا کر دیے تھے ان کے ازالے کے لئے قرآن کا انداز بیان کافی ہو سکتا تھا جس میں واضح ہدایات دی گئی ہیں۔

انسان اپنی محنت' تنظیم اور سرمایہ کے ذریعے عطیات قدرت سے گن گن شکلوں میں فائدہ اٹھا سکتا ہے اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے قدرت نے انسان کو عقل و شعور دیا ہے جس سے کام لے کر وہ ان سے استفادہ کر سکتا ہے اور اس کے لئے وحی کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن کچھ اس لئے کہ پیدائش دولت یا اس کے ذریعوں سے استفادے کے جو عام طریقے ہیں ان سے بعض اسباب کے تحت عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے اور کچھ اس لئے بھی کہ غلط مشوروں نے انسان کی عملی قوتوں پر جو افسردگی طاری کر دی تھی ان کو گرمجوشی سے بدلنے کے لئے اس نے استفادے کے ان ذریعوں کی راہنمائی کی ہے۔

اب فرداً فرداً پیدائش دولت کے ان وسائل پر غور کریں گے جو اجمالی طور پر یہ ہیں:

(الف)	حیوانات سے استفادہ	(د)	صنعت و حرفت
(ب)	نباتات سے استفادہ	(ھ)	نقل و حمل
(ج)	جمادات سے استفادہ	(و)	تجارت

(الف) حیوانات سے استفادہ

شکار اور ماہی گیری (Hunting and Fishing):

اس سلسلے میں سب سے پہلے شکار کا تذکرہ مناسب ہوگا کیونکہ جدید مورخین نے اس کو پیدائش دولت کا سب سے قدیم ذریعہ قرار دیا ہے اور حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ''ہم سے پیشتر جو پیغمبر تھے وہ سب شکار کرتے تھے'' قرآن مجید میں بری اور بحری جانوروں سے شکار کے ذریعے جو معاشی سہولتیں پیدا کی جاتی ہیں ان کا تذکرہ صراحت سے کیا گیا ہے۔ بحری شکار کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ﴾ (المائدہ:96)

''تمہارے لئے سمندری شکار کا کھانا حلال کر دیا گیا۔ محض تمہارے (مقیمین) اور مسافروں کے فائدے کے لئے۔''

بری شکار کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ

﴿وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ (المائدہ:2)

''جب احرام سے باہر آ ؤ تو شکار کرو۔''

شکار کے ان عام طریقوں کے ساتھ ساتھ بعض خاص تدبیروں کی طرف راہنمائی بھی پائی جاتی ہے مثلاً

﴿وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ (المائدہ:4)

''اور سدھے ہوئے شکاری جانور شکار پر دوڑانے کے لئے (تو اس کے شکار سے کھاؤ) اور سکھاؤ ان جانوروں کو جو تم جانتے ہو۔ پس جب وہ شکار کو تمہارے لئے روک رکھیں تو اس میں سے کھاؤ (اور چھوڑتے وقت) خدا کا نام لے لو۔''

اس آیت سے صرف جانوروں کی مدد سے شکار ہی کا حکم نہیں ملتا بلکہ جانوروں اور پرندوں کو سدھانے کے پیشے کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

قرآن کے علاوہ حدیثوں میں بھی پیدائش دولت کے اس ذریعے کا پتا پایا جاتا ہے چنانچہ ''ایک صحابیؓ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میرا پیشہ شکار ہے اور اس مشغلے کی وجہ سے نماز باجماعت سے محرومی ہوتی ہے پھر کیا کروں؟ آپ نے انہیں فرمایا کہ کیا ہی اچھا کام ہے یہ ہم سے پیشتر جو پیغمبر تھے وہ سب شکار کرتے تھے اور شکار کی تلاش میں نکلتے تھے اور نماز باجماعت مقیم ہی کے لئے ہے پھر جب تم روزی کی تلاش میں جماعت سے غیر حاضر رہو تو جماعت سے نماز پڑھنے والوں اور اللہ والوں کی محبت رکھو یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اپنے اہل وعیال کے لئے تم حلال روزی کو وسعت دو کیونکہ یہی اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔'' (۳)

بری اور بحری شکار سے قطع نظر مچھلیوں کے گوشت سے استفادے کے متعلق بھی قرآن میں ترغیبیں پائی جاتی ہیں کہ

﴿سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ (النحل:14)

''تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ اس سے تازہ بہ تازہ گوشت کھاؤ۔''

بری شکار تو صرف وہیں مل سکتا ہے جہاں جنگلات وغیرہ ہوں اور جنگلوں کی کمی سے روز بروز شکاری پیداوار گھٹ رہی ہے لیکن آبی جانوروں کی غذائی اہمیت بڑھ رہی ہے' دنیا کے 1/4 حصہ خشکی کی آبادی کی غذا کی سربراہی میں توقع ہے کہ انسان مستقبل میں 3/4 حصہ تری کی پیداوار سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرے گا جیسا کہ امریکی پروفیسر کارور نے لکھا ہے کہ

''جوں جوں آبادی اور غذا کی طلب بڑھتی جاتی ہے سمندری پیداوار ہماری قومی زندگی میں زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل کر رہی ہے۔'' (۴)

گلہ بانی (Herding):

پیدائش دولت کے لئے انسان خود جانوروں کی پرورش بھی کرتا ہے۔ اگر ایک طرف ان کے گوشت' پوست' ہڈی' بال' دودھ وغیرہ سے استفادہ کرتا ہے تو دوسری طرف ان سے سواری کا کام لیتا ہے' نیز ان کے ذریعے سے اپنے مال کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر ڈھوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مویشیوں سے استفادے سے متعلق بھی مختلف مقامات پر تذکرہ پایا جاتا ہے کہ

﴿وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ (النحل:5)

''اس نے چوپایوں کو تمہارے ہی لئے پیدا کیا جس میں پشم اور دوسرے فائدے بھی ہیں اور جن میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔''

حیوانات سے جو دولت پیدا کی جاتی ہے اس کا قرآن میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ منافع کا ذکر تو میں نے چرم سازی کی صنعت اور پارچہ بافی کی صنعت کے ذیل میں آگے کیا ہے۔ مشروبات کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ

﴿وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ (النحل:66)

''ذرا چوپایوں میں تو سوچو ہم تمہیں جو ان کے پیٹ میں ہے پلاتے ہیں اور گوبر اور خون کے درمیان سے صاف ستھرا دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے مزے کا ہوتا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ○ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ﴾ (المومنون:22-21)

''ذرا چوپایوں میں تو دھیان کرو تمہیں جو (دودھ) ان کے پیٹ میں سے پلاتے ہیں اور تمہیں ان سے بے شمار فائدے ہیں اور بعضوں کو تو تم کھاتے ہو اُن پر نیز جہازوں پر تم سوار ہوتے ہو۔''

اس بیان کو مزید تفصیل سے ایک اور جگہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ

﴿جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ○ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ﴾ (المومن:80-79)

''تمہارے لئے چوپایوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ اور ان میں تمہارے لئے فائدے ہیں اور انہیں اس لئے پیدا کیا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی دلی خواہش کے مطابق منزل مقصود کو پہنچ جاؤ اور تم چوپایوں اور نیز جہازوں پر سوار کئے جاتے ہو۔''

اسی طرح جانوروں کا گوشت بھی غذا کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ (المائدہ:1)

''تمہارے لئے جانور حلال کئے گئے مگر وہ جانور جن کا تم سے تذکرہ کیا گیا ہے۔''

جانوروں سے کھیتوں میں ہل چلانے اور موٹ رہٹ چلا کر زمین کو سیراب کرنے کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ﴾ (البقرہ:71)

''کہ وہ ایک گائے ہے کہ محنت کرنے والی نہیں۔ وہ زمین پر ہل تو کرتی ہے لیکن موٹ نہیں چلاتی۔''

مختصر یہ کہ بعض جانور سواری، زراعت اور مال ڈھونے کے کام آتے ہیں تو بعض کا گوشت غذا کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور بعض کی ہڈی، بال، کھال دودھ وغیرہ کام آتے ہیں۔

بھیڑ بکریوں کی پرورش سے متعلق بھی قرآن مجید میں یہ ہے کہ حضرت شعیبؑ کی دونوں لڑکیاں بھیڑ بکریاں پالتی تھیں۔

﴿قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ﴾ (القصص:23)

''بولیں کہ ہم (اپنی بکریوں کو) پانی نہیں پلاتے جب تک کہ چرواہے واپس نہ چلے جائیں۔''

اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے قصے میں ہے کہ وہ بھی بھیڑ بکریاں پالا کرتے تھے۔

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى ○ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى﴾ (طٰہٰ:18-17)

''اے موسیٰ! تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ میرا عصا ہے جس کو میں ٹیکتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور دوسرے کام بھی ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن کی طرح حدیثوں میں بھی گلہ بانی سے متعلق حوالہ پایا جاتا ہے۔ گلہ بانی کے سلسلے میں صرف اتنا ہی شرف کافی ہے کہ خود سرور کائنات فرمایا کرتے تھے۔ ''خدا کے ہر ایک نبی نے بکریاں چرائیں۔ صحابہؓ نے دریافت فرمایا اور آپؐ نے بھی؟ فرمایا: ہاں! میں بھی چند قیراطوں (سکوں) پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔'' (۵)

رسول کریمؐ نے اُم ہانی بنت ابی طالب اپنی چچازاد بہن کو مشورہ دیا کہ

''تم بکریاں پالا کرو کہ اس میں برکت رکھی ہے۔'' (۶)

مویشیوں کی نسلی ترقی:

گو کہ مسلمانوں کے مذہب میں کسی جانور کو معبود یا مقدس نہیں ٹھہرایا گیا ہے بلکہ ان کو بتایا گیا ہے کہ عام مویشی بھیڑ بکری، گائے بیل، اونٹ اور گھوڑے وغیرہ یہ سب انسانی خدمات بجالانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تاہم اس کے ساتھ یاد رہے کہ حدیثوں میں جہاں انسانوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم ہے وہیں جانوروں پر بھی سختی نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

بخاری شریف کی مشہور روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے ایک عورت کو جہنم میں محض اس لئے دیکھا کہ اس نے ایک بلی پال رکھی تھی جسے نہ خود کھلاتی تھی اور نہ آزاد چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر کچھ کھالے۔ اسی کتاب بخاری میں ایک دوسرا واقعہ ایک کتے کا ہے کہ ایک شخص کی مغفرت محض اس لئے ہوئی کہ ایک پیاسے کتے کو اس نے پانی پلا دیا تھا۔ (۷)

ایک مرتبہ رسول کریمؐ گزر رہے تھے کہ سامنے ایک گدھے پر نظر پڑی جس کے منہ پر مارنے کے نشان تھے۔

آپؐ نے فرمایا کہ:

''ملعون ہے وہ جو ان جانوروں کے منہ پر مارتا ہے''۔

جانوروں سے چاند ماری کھیلنے کی بھی اسلام میں سخت ممانعت کی گئی ہے۔

نباتاتی غذاؤں کے ساتھ انسانی خوراک میں اسلام نے چونکہ ایسی چیزوں کو بھی جائز قرار دیا ہے جو حیوانوں ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں مثلاً گوشت، چربی وغیرہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناکارہ، بوڑھے، بانجھ جانور مسلمانوں کے علاقے میں بلاوجہ تندرست جوان جانوروں کا پیٹ نہیں کاٹتے۔

مرغبانی یا پرند پروری:

چرندے، پرندے بھی ایک دنیا لئے ہوئے ہیں۔ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَٰٓئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم﴾ (الانعام: 38)

''زمین پر چلنے والے جانور اور اپنے بازوؤں پر اُڑنے والے پرندے میں کوئی ایسا نہیں مگر یہ کہ وہ بھی تمہاری طرح کی اُمتیں ہیں۔''

قرآن نے حضرت سلیمانؑ و حضرت داؤدؑ کے قصوں میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ پرندے ان کے قابو میں کر دیئے گئے تھے اور وہ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ عام طور پر لوگ نامہ بری کا کام کبوتر کی ایک خاص قسم سے لیتے ہیں لیکن ہم سلیمان علیہ السلام کے قصے میں پڑھتے ہیں کہ نامہ و پیام کا یہی کام انہوں نے ہدہد نامی پرندے سے لیا تھا۔ (۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ انسان کی فطری غذاؤں سے پرندوں کا جو تعلق ہے وہ طب جدید کی کوئی نئی تحقیق ہے لیکن قرآن میں جنتی زندگی میں جہاں کہیں لحمی خوراک کا ذکر ہے تو بجائے عام گوشت کے پرند کے گوشت ملنے کی خبر دی گئی ہے مثلاً ارشاد ہے:

﴿وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ (الواقعہ:21)

''اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہو۔''

چنانچہ حدیثوں میں آیا ہے کہ

مر رسول الله صلى الله عليه وسلم الاغنياء باتخاذ الغنم وامر الفقراء باتخاذ الدجاج]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالداروں کو حکم دیا کہ بکریاں پالیں اور غریبوں کو حکم دیا کہ مرغیاں پالیں۔''(۹)

مگس پروری اور کرم پروری:

انسان مگس کی پیداوار شہد اور موم سے بھی دولت پیدا کرتا ہے۔ مگس پروری کی اہمیت خود یوں بھی ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے ایک سورہ کا نام 'النحل' (شہد کی مکھی) رکھا گیا ہے۔

قرآن مجید میں شہد کی مکھی سے جو دولت پیدا کی جاتی ہے اس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل:69-68)

''اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو یہ حکم دیا کہ وہ پہاڑوں درختوں اور جہاں کہ لوگ چھتریاں ڈالتے ہیں وہاں اپنے چھتے بنائے' پھر تمام میوے کھائے اور پروردگار کی تابعداری سے چلے' ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کی پینے کی چیزیں نکلتی ہیں اس میں لوگوں کے لئے شفاء رکھی ہے۔ بے شک جو لوگ سوچ بچار کرتے ہیں ان کے لئے ایک دھیان دینے کی نشانی ہے۔''

بلکہ مذکورہ آیتوں کے آخر میں ''فیه شفاء للناس'' کے جو الفاظ ہیں' اگر ان پر غور کیا جائے تو ایک مستقل طبی مکتب خیال کی اسے بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں جیسا کہ معلوم ہے کہ ہر قسم کے نباتاتی پھولوں اور پھلوں کے رس کو چوستی ہیں اور یہی رس ان کے اندر پہنچ کر ''محل'' یعنی شہد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

﴿ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل:69)

''یہ تمام میوے کھا اور پروردگار کی راہوں میں تابعداری سے چل۔ ان کے پیٹ سے رنگ برنگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی پینے کی چیزیں نکلتی ہیں۔''

اطباء اس قسم کے نباتاتی جوہر کو نباتات سے حاصل کرنے کی غرض سے طرح طرح کی مصنوعی ترکیبیں قرع انبیق وغیرہ کے ذریعے اختیار کرتے ہیں۔ اگر ان ذریعوں کے بجائے شہد کی مکھیوں ہی کو ان نباتاتی جوہروں کی تقطیر کا ذریعہ بنالیا جائے اور جس بیماری میں جن جن نباتاتی دواؤں کے استعمال کی ضرورت ہو بجائے ان دواؤں کے ان ہی مصفی جوہروں کو استعمال کیا جائے جنہیں شہد کی مکھیوں نے نکالا ہو تو دواؤں کے متعلق یہ سارے جھگڑے جو نسخوں میں لکھے جاتے ہیں یعنی ''کوفتہ بیختہ شب در آب ترکردہ صبح جوشاندہ و مالیدہ و در بات سفید آمیختہ بنوشند'' کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہے بلکہ ان ساری منزلوں کو یہاں تک کہ نبات سفید کی شرکت تک کے کام کو ہماری شہد کی مکھیوں ہی سے لیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد

﴿فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (النحل:69)

''اس میں لوگوں کے لئے شفاء رکھی ہے۔'' (۱۰)

مکس پروری کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں شہد کی ان مکھیوں کی پرورش کا کام بڑی پیمانے پر کرتے تھے۔ (۱۱)

کرم پروری سے متعلق بھی قرآن مجید سے اشارے نکالے جا سکتے ہیں مثلاً قرآن مجید کی ذیلی آیت کو لیجئے:

﴿لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ (الحج:23)

''ان کی پوشاک ریشم کی ہے۔''

(ب) نباتات سے استفادہ

جنگل کاٹنا (Cutting Jungle):

جس طرح انسان حیوانات کا شکار کر کے ان سے دولت حاصل کرتا چلا آتا ہے اسی طرح وہ جنگل جا کر لکڑیاں کاٹنا اور ان سے بھی دولت پیدا کرتا ہے۔

قرآن مجید میں جنگلوں سے دولت پیدا کرنے کے متعلق بھی اشارے پائے جاتے ہیں۔

﴿جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ﴾ (یٰس:80)

''ہرے بھرے درخت سے آگ بنائی اور اب تم اس سے سلگاتے ہو۔''

اور ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ﴾ (الواقعہ:72-73)

''کیا تم نے اس آگ کو بھی دیکھا ہے جسے تم سلگاتے ہو؟ آیا تم نے اس درخت* کو پیدا کیا ہے یا ہم نے پیدا کیا ہے اور ہم نے اس (درخت) کو مسافروں کی نصیحت اور ان کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے۔''

جنگلوں کے درختوں سے جو دولت حاصل کی جا سکتی ہے اس کا یوں تذکرہ ہوا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِيْنَ﴾ (المومنون:20)

''اور ایک ایسے درخت کو پیدا کیا جو طور سینا پر اُگتا ہے اور جو روغن نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن کا کام دیتا ہے۔''

حدیثوں میں بھی جنگلوں کی لکڑی سے دولت پیدا کرنے سے متعلق یہ ترغیبی کلمات پائے جاتے ہیں کہ ''رسول کریمؐ نے فرمایا کہ:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ بات کہ کوئی شخص تم میں سے رسی لے کر جنگل جائے' لکڑی کاٹے اور اس کو اپنی پیٹھ پر لاد کر بیچے اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ کسی شخص کے پاس جائے اور اس سے سوال کرے (اور یہ بھی نہیں معلوم کہ) وہ اس کو دے یا نہ دے''۔(۱۲)

بن چرائی:

جنگلات سے لکڑی کے علاوہ قدرت نے چراگاہیں بنائی ہیں جن میں گھاس پات اُگتی ہے۔ گھاس پات کے علاوہ وہاں بعض جڑی بوٹیاں بھی اُگتی ہیں۔ جڑی بوٹیاں کھانے کے علاوہ دواؤں وغیرہ کے کام بھی آتی ہیں چنانچہ قرآن مجید میں اس کی نسبت یہ ہے کہ:

﴿وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾ (طٰہٰ:53-54)

''اور آسمان سے پانی برسایا اور اس سے طرح طرح کی سبزی اُگائی کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔''

ایک اور جگہ یوں ہے کہ:

﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ (والنازعات:31-33)

''اور زمین سے چارہ اور پانی نکالا اور پہاڑوں کو جمایا جس میں تمہارا اور تمہارے جانوروں کا فائدہ ہے۔''

جنگل میں ایسی درخت بھی اُگتے ہیں جو جانوروں کی غذا ہیں چنانچہ بیان ہوا کہ

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ﴾ (النحل:10)

''تمہارے لئے پانی برسایا جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے اور اسی سے درخت نشو و نما پاتے ہیں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔''

غرض جنگلات ہوں یا چراگاہیں ان سے یا تو انسان براہ راست خود ہی دولت پیدا کرتا ہے یا جانور استعمال کرتے ہیں اور پھر جانوروں سے انسان ہی تو دولت پیدا کرتا ہے۔

زراعت اور باغبانی (Agriculture & Gardening):

جس طرح انسان مویشیوں کی پرورش کرتا اور ان سے دولت حاصل کرتا ہے اسی طرح وہ جنگلات کے خود رو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دیگر اشیاء کے علاوہ غذائی نباتات کو اُگاتا اور ان کی پیداوار سے دولت حاصل کرتا ہے۔ ہماری غذا کا بڑا حصہ زیادہ تر زراعت و باغبانی ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اس لئے زراعت و باغبانی کو سب سے زیادہ اہمیت ہے۔

اصول مکاسب میں زراعت و باغبانی کے متعلق تو یہ حال ہے کہ قرآنی بیانوں کا بڑا حصہ جس میں خدا کی نشانیوں پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے ان میں زیادہ تر کھیتی اور باغبانی کا ہی نظام پیش کیا گیا ہے۔ بادلوں کا آنا' کھیتوں کا لہلہانا' باغوں کی سرسبزی اور ان سے انسان کا مختلف طریقوں سے استفادہ کرنا سب کو عجیب انداز میں واضح کیا ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾ (الواقعہ:64-63)

''بھلا کبھی سوچتے بھی ہو جو تم تخم ریزی کرتے ہو۔ آیا ہم اسے اُگاتے ہیں یا تم اُگاتے ہو؟''

کبھی ارشاد فرماتا ہے کہ

﴿وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ﴾ (الانعام:141)

''وہ خدا ہی تو ہے جس نے باغات اُگائے جن میں ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں اور بن ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی اگائی جن کے مزے مختلف ہیں نیز زیتون اور انار کے درخت اُگائے بعض تو مزے اور شکل میں یکساں ہوتے ہیں اور غیر یکساں بھی اور جب پھل پک جائیں تو انہیں کھاؤ۔''

کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ (عبس:32-24)

''انسان کو چاہئے کہ ذرا اپنے کھانے پر بھی نظر ڈالے۔ ہم نے زور شور سے پانی برسایا اور زمین کو پھاڑ ڈالا۔ پھر زمین سے انگور' کھجور' زیتون' ترکاری اور اناج اُگائے اور گھنے باغات اُگائے اور میوہ اور چارہ بھی جو تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہے۔''

غرض اس قسم کی آیتوں کی کافی تعداد قرآن مجید میں موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن کسی ایسی قوم پر نازل ہوا ہے اور ایسے لوگوں کو بلا رہا ہے جو کہ عام طور پر کھیتی اور باغبانی میں مصروف ہیں۔

قرآن نے نباتات سے جو چیزیں نکالی جاتی ہیں' ان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

﴿وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا﴾ (النحل:67)

''کھجور اور انگور سے تم نشے آور شئے اور عمدہ روزی بناتے ہو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدرت نے زمین میں ایسی قابلیت رکھ دی ہے کہ انسان ہزاروں سال سے زمین سے کام لیتا چلا آ رہا ہے' اس پر بھی اس میں درختوں کو نشو ونما دینے کی قابلیت جوں کی توں باقی ہے یا پھر عود کر آتی ہے۔ زمین میں قدرت نے انسانی معاش کا جو سامان مہیا کیا ہے اس کا ذکر ہے کہ

﴿وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ (الاعراف:10)

''بے شک ہم نے تمہیں زمین پر بسایا اور اسی میں تمہارا روزگار بھی پیدا کیا۔''

زراعت ہی کے سلسلے میں یہ بات بھی کہنے کی ہے کہ بعض صحابہ کرام جیسے حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ بڑے پیمانے پر کاشت کیا کرتے تھے چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ

''عمرو بن العاصؓ کا طائف سے تین میل پر وھط نامی ایک قریہ تھا جس میں انہوں نے دس لاکھ انگور کی بیلیں چڑھائی تھیں اور ہر بیل کے انگور درہم میں فروخت ہوتے تھے۔'' (۱۳)

(ج) جمادات سے فائدہ لینا

انسان حیوانات ونباتات کے علاوہ جمادات سے بھی دولت پیدا کرتا ہے۔ زمین کے اوپری پرت کو وہ نہ صرف زراعت وباغبانی کے لئے استعمال کرتا چلا آ رہا ہے بلکہ زمین پر ہی وہ بستا ہے' مکانات بنا کر رہتا ہے' اسی میں سڑکیں بناتا ہے' دکانات اور فیکٹریاں قائم کرتا ہے' مکان بنانے کے سلسلے میں خود زمین ہی کی مٹی' پتھر اور چونا وغیرہ استعمال کرتا ہے۔

پیدائش دولت کے ذرائع میں ایک تو وہ دولت ہے جس کو وہ زمین ہی کے شکم سے نکال رہا ہے یعنی مدنیات اور دوسرے وہ دولت ہے جو وہ تہ آب سے نکال رہا ہے مثلاً موتی' مونگا' اسپونج وغیرہ۔

کان کنی (Mining):

زمین کے نیچے قدرت نے معدنی دولت کے بے شمار خزانے محفوظ کر رکھے ہیں۔ انسان اس معدنی دولت کے استفادے سے بھی اپنی دولت میں خاطر خواہ اضافہ کر رہا ہے۔ زمین کے شکم سے جواہرات اور معدنی دولت برآمد کرنے کا ذکر بھی قرآن مجید میں پایا جاتا ہے چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ میں ہے کہ:

﴿وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾ (السباء:12)

''ہم نے ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ رواں کر دیا۔''

اسی طرح کانوں سے جو لوہا نکالا جاتا ہے ان کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (الحدید:25)

''اور ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی سختی ہوتی ہے اور اس میں لوگوں کے لئے طرح طرح کے فائدے ہیں۔''

زمین کے اندر جو معدنی دولت پوشیدہ ہے اس کے استفادے سے متعلق حدیثوں میں بھی ترغیبیں پائی جاتی ہیں چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ

حضور انورؐ نے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطلبو الرزق فی خبایا الارض (۱۴)

''روزی کو زمین کے پوشیدہ سرمائے میں تلاش کرو۔''

یہاں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ بعض صحابہ کرام بھی کان کنی کیا کرتے تھے۔ اس کی کچھ تفصیل آئندہ تقسیم دولت کے تحت پیش کی گئی ہے۔

(د) سمندر کی تہ سے اشیاء کی برآمد

انسان مال و دولت کا ایسا دلدادہ ہے کہ وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر سمندر کے اندر سے موتی' مونگا وغیرہ نکالتا ہے۔ زمین کے اندر سے معدنیات کا نکالنا تو اتنا زیادہ خطرناک نہیں ہے جتنا کہ سمندر کے اندر سے چیزوں کا نکالنا۔ قرآن میں سمندر کے منافع کے ذکر میں اس طرح ہے کہ

﴿سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ (النحل: 14)

''تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ اس سے تازہ بہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے موتیوں وغیرہ کا گہنا نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو۔''

اور ایک جگہ یوں ہے کہ

﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (الرحمٰن: 22)

''ان دونوں (سمندروں) سے موتی اور مونگا نکالتے ہیں۔''

پھر اور ایک جگہ ارشاد ہے کہ

﴿وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ (فاطر: 12)

''اس کی قدرت تو دیکھو کہ دونوں دریا باوجود مل جانے کے برابر نہیں ہو سکتے ان میں سے ایک تو شیریں خوشگوار اور پیاس بجھانے والا ہے اور دوسرا ہے کہ اس کا پانی کھارا اور تلخ ہے ہر ایک سے مچھلیوں کا تازہ بہ تازہ گوشت کھاتے ہو اور موتیوں وغیرہ کو نکال کر گہنا بناتے ہو' جسے تم پہنتے ہو۔''

عطیات قدرت پر انسان کا تصرف آئے دن بڑھ رہا ہے اور اب تو وہ بھاپ سے' برق سے' آبشاروں سے' ہوا کی موجوں سے کام لے رہا ہے۔ لیکن ابھی دیگر عطیات قدرت جیسے سورج کی روشنی' سمندر کے مدوجزر (جوار بھاٹا)' ہوا کے جھونکوں اسی طرح معدنیات اور بیسیوں جڑی بوٹیوں اور سب سے بڑھ کر جوہری طاقت وغیرہ سے بڑے پیمانے پر اور کام لینے باقی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی واضح کیا ہے اور پھر اشارہ کرتے ہیں کہ قرآن اپنے ماننے والوں پر یہ لازم کرتا ہے کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے' جب تک اس کی ہر ہر چیز کے متعلق یہ ثابت نہ کر لیں کہ وہ انسان کی کس ضرورت میں کام آتی ہے اور کیونکر ان سے دولت حاصل کی جا سکتی ہے ان کی آسمانی کتاب کی تفسیر پوری نہیں ہو سکتی۔

(ہ) صنعت و حرفت (Industry & Manufacture)

عطیات قدرت سے استفادے کے سلسلے میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان حیوانات' نباتات اور جمادات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دولت حاصل کرتا ہے۔ لیکن ان سے جو خام پیداوار حاصل ہوتی ہے وہ انہیں براہ راست بہت ہی کم استعمال کرتا ہے البتہ وہ ان کی شکل بدل کر اپنے کام میں لاتا ہے مثلاً بھیڑوں سے اُون حاصل کرتا ہے اور اُون سے وہ بیسیوں قسم کے لباس بناتا ہے اسی طرح لوہے سے سینکڑوں قسم کے کل پُرزے آلات' اوزار اور ہتھیار بناتا ہے۔ ایک لکڑی ہی کو لیجئے خام حالت میں وہ صرف جلانے کے کام آتی ہے لیکن اسی سے کشتیاں اور جہاز تیار ہوتے ہیں۔ عمارتی سامان تیار ہوتا ہے' فرنیچر تیار ہوتا ہے' پھر لکڑی کے گودے سے کاغذ تیار ہوتا ہے بلکہ اس کے علاوہ اب تو ایک قسم کا لباس بھی تیار ہونے لگا ہے۔

خام پیداوار کی صورت' شکل اور ترکیب بدلنے سے ان کی افادیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور یہی صنعت و حرفت ہے جس سے انسانی دولت میں بے انتہا اضافہ ہو جاتا ہے جو صنعتیں صرف انسانی ہاتھوں سے راست تیار ہوتی ہیں انہیں دستکاریوں سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو کل پرزوں کی مدد سے تیار ہوتی ہیں انہیں صنعتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسان آج سے نہیں بلکہ صدیوں اور کئی ہزار برس پہلے سے صنعت و حرفت کے کاروبار میں مشغول ہے۔

چنانچہ اس بارے میں خود قرآن مجید میں اشارے پائے جاتے ہیں معمولی دستکاری ہی نہیں بلکہ ایسی صنعتیں جن میں لوہے کو پگھلا پگھلا کر بڑے بڑے کل پرزے اور نازک نازک چھوٹی چھوٹی مصنوعات بنائی جاتی ہیں' قرآن میں ان کا بھی تذکرہ ہے۔ ان آیتوں سے جہاں زمانہ گزشتہ کی صنعتی تاریخ کا مواد فراہم ہوتا ہے وہاں یہ دلالت بھی ہوتی ہے کہ قرآن کے پڑھنے والے بھی ان حالات میں کہ جن میں پہلے لوگوں نے یہ صنعتیں اختیار کی تھیں' یہ صنعتیں جاری کریں۔

جہاز سازی (Ship-Making):

قرآن مجید حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے پڑھنے والوں کے سامنے اس شکل میں پیش کرتا ہے کہ بڑے بڑے شہتیروں کو وہ جہازی تختوں میں بدل کے ان میں ''دسر'' اور لوہے کی میخیں ٹھوک رہے ہیں۔

﴿وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ﴾ (ہود:38)

''نوحؑ کشتی بنا رہے ہیں۔''

کیسی کشتی.....؟

﴿ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ﴾ (القمر:13)

''تختوں اور میخوں والی۔''

پھر اس کشتی کی وسعت کا خاکہ اس طرح پیش کیا ہے کہ

﴿وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾ (ہود:42)

''وہ کشتی موج میں ایسی بہتی ہے گویا کہ پہاڑ ہے۔''

گویا وہ آج کل کا بڑا جہاز تھا۔

دھاتی صنعتیں (میٹل انڈسٹریز):

اسی طرح قرآن پاک حضرت داؤد علیہ السلام کو ذو الاید (دستکار) کے خطاب سے مخاطب کر کے یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ لوہے کو گلا گلا کر ان کو باریک تاروں میں بدل رہے ہیں اور موڑ موڑ کر ان سے زرہ کی کڑیاں بنا رہے ہیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس صنعت میں ان کی رہنمائی اس طرح ہو رہی ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾ (السباء:11)

''لوہے کی زرہیں بنا اور اندازے سے اس کی کڑیاں جوڑ۔''

کہیں حضرت سلیمانؑ کے کارخانے کا ذکر ہو رہا ہے اور کام کرنے والے صناع کاریگر تماثیل سازی (مجسمہ سازی)' ظروف سازی وغیرہ میں مشغول ہیں اور کیسے کیسے ظروف اور برتن جیسے بڑی بڑی دیگیں' دیگچے' حوضوں کے سے لگن اور بائیلرس مختلف کارخانوں (فیکٹریوں) میں بن رہے ہیں کہ

﴿یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ﴾ (السباء:13)

''وہ (کاریگر) سلیمان کے لئے جو وہ چاہتے تھے بناتے تھے۔ قلعے' مجسمے اور حوضوں کے سے لگن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں (بائیلرس) کام کرو داؤدؑ کے گھرانے والو حق مان کر۔''

اسی طرح ذوالقرنین کے بیان میں لوہے کی چادروں' پگھلے ہوئے تانبے اور رانگ کی دیوار کا پتہ ملتا ہے کہ

﴿اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا﴾ (الکہف:96)

''تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (چنانچہ جب وہ لے آئے تو ایک بڑی دیوار بنائی) یہاں تک کہ جب دونوں کے درمیان میں اس دیوار کو ان ہی کے برابر بلند کر دیا تو کہا دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو آگ سا گرم کر دیا تو کہنے لگا کہ پگھلا ہوا تانبا مجھے دو کہ میں اس پر ڈالوں گا۔''

ترابیاتی صنعتیں (سرامک انڈسٹریز):

ان ہی قرآنی آیتوں میں فرعون (شہنشاہ مصر) اپنے وزیر ہامان کو پکی اینٹوں سے ایک مینارے کی تعمیر کا حکم دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

﴿فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا﴾ (القصص:38)

''اے ہامان! مٹی کے گارے کو جلا اور میرے لئے ایک مینار بنا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں ہے کہ وہ اپنے بچپن میں مٹی کے کھلونے چڑیا وغیرہ بناتے تھے۔

﴿اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ﴾ (آل عمران:49)

''میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے۔''

ترابیاتی صنعتوں کے منجملہ شیشہ سازی کا بھی قرآن میں تذکرہ ہے جو ترابیاتی صنعتوں کی ایک شاخ ہے۔ اس میں سلیمان علیہ السلام کے شیش محل (کرسٹل پیلس) کا بھی ذکر ہے چنانچہ سلیمان عہد کی تعمیری ارتقاء کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ

﴿صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ﴾ (النحل:44)

''ایک محل (تھا) جس میں آئینے جڑے ہوئے تھے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پارچہ بافی وغیرہ (ٹیکسٹائل انڈسٹری):

صنعت پارچہ بافی' بلانکٹ سازی' خیمہ سازی کی طرف ذیلی آیت میں رہبری کی گئی ہے:

﴿جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ م بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ﴾ (النحل:80)

''اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھال سے ڈیرے بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے دن ہلکا پاتے ہو (کہ جہاں چاہو لے جا سکو) اور اپنے قیام کے دنوں میں اور بھیڑوں کے بالوں' اونٹوں کے بالوں اور بکریوں کے بالوں سے اسباب بنائے اور ایک مدت تک کے لئے کام آنے والی چیزیں بنائیں۔''

اسی طرح گرمائی لباس اور جنگی لباس کا یہ تذکرہ ہے کہ

﴿وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ (النحل:81)

''اور تمہارے لئے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ڈریس (زرہ وغیرہ) جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔''

ریشم سازی (سلک انڈسٹری):

ریشم سازی کی صنعت سے متعلق بھی قرآن سے مواد فراہم ہو سکتا ہے مثلاً جنتیوں کے لباس کے تذکرے میں یہ بیان کہ

﴿لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ (الحج:23)

''ان کی پوشاک ریشم کی ہے۔''

یا مثلاً ارشاد ہوا ہے کہ

﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ﴾ (الدھر:21)

''ان کی پوشاکیں گاڑھے اور باریک سبز ریشم کی ہیں۔''

یا مثلاً

﴿وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ (الکہف:31)

مذکورہ بالا آیتوں سے ہی رنگ سازی اور رنگریزی کے متعلق بھی اشارے نکالے جا سکتے ہیں لیکن ہم ایسی تفصیل میں نہ جائیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیور سازی (Ornaments Making):

خوشنما لباس کے ساتھ خوش وضع زیورات بھی مستورات کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ جنتیوں کے لباس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ

﴿وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ (الدہر:21)

''انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

چاندی کے زیوروں کے علاوہ سونے کے زیورات بھی انہیں ملیں گے۔

﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ (الکہف:31)

''اور وہ وہاں سونے کے کنگن پہنیں گے۔''

سونے اور چاندی کے زیورات تو رہے ایک طرف ہیرے' جواہرات' جڑاؤ زیوروں کے علاوہ موتیوں کے زیوروں کا ذکر بھی ہے۔

﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ (الحج:23)

''اور انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں کا گہنا پہنایا جائے گا اور ان کی پوشاکیں ریشم کی ہوں گی۔''

قالین بافی اور فرنیچر سازی:

جس طرح مستورات کے بناؤ سنگھار کے لئے خوشنما لباس اور خوش وضع زیوروں کی ضرورت ہے اسی طرح کمرے کی سجاوٹ کے لئے بھی اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ جنت والوں کے آرام و سکون کی حالت کا بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ

﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ﴾ (الغاشیہ:13)

''اس میں سریر بچھے ہوئے ہیں' آبخورے دھرے ہیں اور ریشمی قالین قطار در قطار بچھے ہیں اور مخملیں نہالچے بچھائے گئے ہیں۔''

نیز ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ (الکہف:31)

''صوفوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام ہے۔''

صنعت چرم سازی:

چرمی اشیاء کی صنعت سے متعلق بھی قرآن مجید سے اشارے نکالے جاسکتے ہیں مثلاً قرآن مجید کی اس آیت کو لیجئے جو اوپر بلانکٹ سازی اور خیمہ سازی کی ذیل میں گزری' فرمایا گیا ہے کہ

﴿وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ﴾ (النحل:80)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور تمہارے لئے چوپائے کی کھال سے ڈیرے بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے دن ہلکا پاتے ہو کہ آسانی سے جہاں چاہو لے جاسکو اور اپنے قیام کے دنوں میں بھی۔''

صنعت دباغت سے متعلق حدیثوں سے بھی راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ''رسول اللہؐ نے ایک مری ہوئی بکری دیکھی آپؐ نے کہا کہ تم اس کی کھال سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے؟ صحابہ نے کہا کہ وہ تو مری ہوئی ہے۔ آپؐ نے کہا کہ حرام تو صرف اس کا کھانا ہے۔'' (۱۵)

جوتا سازی بھی آج کل ایک بہت بڑی صنعت بن گئی ہے۔ باٹا کا کارخانہ تو گویا تمام دنیا میں مشہور ہے۔ قرآن پاک میں بھی جوتوں کا ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے تو انہیں حکم ہوا کہ

﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ (طٰہٰ:12)

''اپنی دونوں جوتیاں اتار ڈال بے شک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔''

حدیثوں میں بتایا گیا ہے کہ

''نجاشی شاہ حبشہ نے رسول اللہؐ کی خدمت میں دو سیاہ موزے بھیجے تھے اور آپؐ نے انہیں پہنا تھا۔'' (۱۶)

عام طور سے آپؐ جس قسم کے پاپوش پہنتے تھے' حدیثوں میں اس کی تفصیل موجود ہے چنانچہ عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے دو جوتیاں بغیر بال کے چمڑے کی ان کے سامنے نکالیں۔ ان میں دو تسمے تھے' پھر اس کے بعد ثابت بنانی نے حضرت انسؓ سے نقل کر کے مجھ سے بیان کیا کہ وہ نبی کریمؐ کی جوتیاں تھیں۔ (۱۷)

کھلونے سازی (Toys Making):

ترابیاتی صنعتوں کے بیان میں قرآنی حوالوں سے ہم نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے بچپن میں مٹی کے کھلونے وغیرہ بناتے تھے۔

کھلونے سازی سے متعلق حدیثوں میں بھی تذکرہ پایا جاتا ہے چنانچہ ''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک (یا غزوۂ حنین) سے تشریف لے آئے اور ایک بڑے طاق پر پردہ پڑا ہوا تھا' اتفاق سے ہوا چلی اور اس نے میری گڑیوں کے پردے کو ایک طرف سے کھول دیا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپؐ نے گڑیوں کے درمیان میں ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کاغذ کے دو پر تھے پھر آپؐ نے فرمایا کہ اچھا وہ کیا ہے جو میں گڑیوں کے درمیان میں رکھا ہوا دیکھتا ہوں؟ جواب دیا گھوڑا ہے۔ فرمایا اور گھوڑے پر یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ اس کے دو پر ہیں۔

حضور اکرمؐ نے بطریق تعجب فرمایا گھوڑا ہے اور اس کے دو پر ہیں! عائشہؓ نے کہا کیا آپؐ نے سنا نہیں کہ سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

''یہ سن کر حضورؐ ہنس پڑے' یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے''۔ (۱۸)

اسی طرح تعمیری صنعتوں میں کوہ کنی' سنگ تراشی اور ستون سازی اور مختلف امور کا ذکر مختلف قوموں کے بیان میں آتا ہے مثلاً ثمود کے متعلق ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ﴾ (الفجر:9)

''اور ثمود جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے۔''

پھر ان ہی کے متعلق یہ ذکر ہے کہ

﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا﴾ (الاعراف:74)

''نرم زمین پر محل تعمیر کرتے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے۔''

اسی طرح عاد کے ذکر میں ایک بے مثل شہر کا نقشہ دماغوں کے سامنے بے نقاب کرتا ہے۔

(ھ) نقل و حمل (Transportation)

تیار مال کو کارخانے سے' زرعی پیداوار کو کھیت سے' لکڑیوں کو جنگل سے اور اسی طرح معدنیات کو کانوں سے نکال کر بازار میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ نقل مکان سے ان اشیاء میں افادیت پیدا ہو جاتی ہے' لیکن انسان فطری طور پر اکثر جانداروں کے مقابلے میں کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ان بوجھوں کو بڑے پیمانے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے بذات خود نا قابل ہے اس لئے وہ اپنی عقل سے کام لے کر مختلف جانوروں سے بار برداری کا کام لیتا رہا ہے۔

قرآن مجید میں مواصلات' حمل و نقل نیز بری اور بحری راستوں کی ان سہولتوں کا بھی ذکر ہے' جن کے ذریعے ایک ملک کی تجارت دوسرے ملک سے ہوتی ہے۔

مقدس قرآن نے ان سواریوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جن پر ہر طرح کا بیش قیمت مال لاد لاد کر انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل کرتا ہے' ''انعام'' یعنی چارپایوں کے تذکرے میں ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النحل:7)

''اور وہ تمہارے مال و اسباب کو ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر تکلیف اٹھائے پہنچ نہ سکتے تھے بے شک تمہارا پروردگار مہربان اور شفقت کرنے والا ہے۔''

مال و اسباب لادنے کے علاوہ انسان گھوڑے' اونٹ' خچر وغیرہ سے سواری کا کام بھی لیتا ہے۔

﴿وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل:8)

''گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تمہاری سواری کا کام دیں اور زینت بنیں اور ان کو بھی پیدا کرتا ہے جن کو کہ تم (عرب) نہیں جانتے۔''

گو بظاہر قرآن مجید نے سواری کے لئے عموماً جو جانور کام آتے ہیں' ان کے سلسلے میں صرف اونٹ' گھوڑے' گدھے' خچر' ہاتھی کا نام لیا ہے پھر بھی اس مذکورہ آیت میں ویخلق مالا تعلمون (اور ان کو بھی پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے) سے وہ تمام دیگر جانور بھی مراد لئے جا سکتے ہیں جو دنیا کے اور حصوں میں سواری یا بار برداری کے کام آتے ہیں مثلاً تبت میں یاک نامی ایک چھوٹی راس کا بیل ہوتا ہے جس کے لانبے لانبے بال ہوتے ہیں۔ سائبیریا کے بعض حصوں میں رینڈیر نامی ایک قسم کا بارہ سنگھا ہوتا ہے نیز کتے سے بھی بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اسی طرح ہندوستان' پاکستان وغیرہ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیجنے کا کام دیتے ہیں علیٰ ہذا! زیر بحث کو سدھا کر کام میں لانے کی جو کوشش کی جارہی ہے یہ سب یخلق مالا تعلمون (پیدا کرتا ہے ان چیزوں کو جنہیں تم نہیں جانتے) میں آسکتے ہیں۔ خیر یہ تو جانوروں کے ذریعے مال و اسباب بھیجنے کا ذکر تھا۔

سمندر یا دریاؤں کے کنارے رہنے بسنے والے کشتیوں اور جہازوں کا استعمال کرتے ہیں' قرآن مجید نے بحری راستوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے ذریعے جہازوں میں تجارتی مال لادلاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک کو جو منتقل کئے جاتے ہیں مختلف مقاموں پر ان کا ذکر کر کے بحری تجارت اور اس کے امکانات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

قرآن میں ان دیو پیکر تجارتی جہازوں کو جو سمندر کے سینوں کو چیرتے ہوئے ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف برفانی پہاڑوں کی طرح تیرتے ہوئے آتے جاتے رہتے ہیں ان کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ (الشوریٰ:32)

''اور اس کی نشانیوں میں جہاز (بھی) ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کے مثل بلند ہیں۔''

پھر دو پارے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ (الرحمٰن:24)

''اور تیرتے ہوئے جہاز اسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کے مثل بلند ہیں۔''

اس نے مسلمانوں کو پیدائش دولت کے اس اہم ذریعے یعنی جہاز رانی اور بحری تجارت اور بحری سفر پر تاکید کر کے کھلے لفظوں میں ہدایت کی ہے۔

﴿وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (النحل:14)

''اور تو جہازوں کو سمندر میں پانی کو چیرتے ہوئے چلتا دیکھتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کا شکر کرو۔''

﴿وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ (البقرہ:164)

''اور کشتیاں جو کہ سمندر میں چلتی ہیں لوگوں کے لئے فائدہ رساں ہیں۔''

نیز اور ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (بنی اسرائیل:66)

''تمہارا پروردگار وہی ہے جو سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے۔''

انسان جسدی حیثیت سے سمندر کے سامنے ایک حقیر تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا لیکن اندرونی طور پر انسان میں جو عقلی قوت بھری گئی ہے قرآن نے توجہ دلائی ہے کہ یہ ایک ایسی لاثانی خصوصیت ہے جس کے استعمال سے وہ سمندروں کو بھی قابو میں لاسکتا ہے بلکہ لے آیا ہے مثلاً ارشاد ہوا ہے:

﴿سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الجاثیہ:12)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں جس کے ذریعے تم اس کا فضل تلاش کرو تا کہ تم اس کا شکر کرو۔''

انسانی تصرفات کی وسعت:

قرآن کی بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جیسا کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے کہ تسخیر کے حدود اس سے آگے اور بھی ہیں' کائنات میں زمین سے متعلق بیان ہوا ہے کہ

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾ (نوح:20-19)

''خدا نے زمین کو فرش راہ بنا دیا تا کہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو۔''

نیز زمین ہی سے متعلق یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ

﴿وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (الانبیاء:31)

''اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنائے تا کہ لوگ راہ پائیں۔''

زمین چونکہ سہل الحصول اور دبی پڑی تھی اس لئے اس کو بآسانی مسخر کر لیا پھر سمندر کو گو کہ وہ زمین کی طرح خاموش نہ تھا بلکہ موجوں کا ایک تلاطم تھا' اپنی قابلیت کے زور سے زیر کیا۔

﴿سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الجاثیہ:12)

''تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں جس کے ذریعے تم اس کا فضل تلاش کرو تا کہ تم اس کا شکر کرو۔''

بحری حمل و نقل کے اس زمانے میں جو وسائل تھے' قرآن مجید صرف انہی کا ذکر نہیں کرتا بلکہ فلک (بادبانی کشتیوں) کے ذکر میں تعمیم کرتا ہے کہ

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ (یٰسین:41)

''اور ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتیوں میں سوار کیا اور کشتیوں کی سی سواریاں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔''

مذکورہ آیت سے واضح طور پر بحری حمل و نقل کے اور دیگر وسائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ غرض مختلف قسم کے جہازوں اور آب دوز کشتیوں وغیرہ کی شکل میں آمد و رفت کے جو وسائل انسان کو عطا ہوئے یا آئندہ ہو سکتے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ

مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ (اور ان جیسی سواریاں جن پر سوار ہوتے ہیں) کے فقرے کی عمومیت میں داخل نہیں ہو سکتے!

غرض یوں پھر انسان نے دیگر عطیات قدرت پر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش شروع کی۔ ہر روز ایک نئی دھن سمائی اور کرۂ ہوائی کی تسخیر بھی سوچنے لگا۔ ہوا کی تسخیر گو زمین اور سمندر کی تسخیر سے زیادہ دشوار تھی' پر اس نے اپنی عقل کے زور سے اس کو بھی مسخر کیا اور ہوا کو بھی اپنے قابو میں لے آیا اور اس سے بیسیوں کام لینے لگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض گوناگوں سواریوں کے ذریعے سے انسان دیگر ملکوں سے تعلقات قائم کئے ہوئے ہے۔ وہ اپنا مال اور اپنی زائد پیداوار دوسرے ملکوں کو بھیجتا ہے اور وہاں سے ان کے بدلے ان اشیاء کو منگواتا ہے جو اس کے ہاں پیدا نہیں ہوتیں۔

اس اسلامی تعلیم سے عربوں اور دوسرے مسلمانوں پر جو اثر پڑا اس کو معلوم کرنے کے لئے اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بحری تجارت اور بحریہ میں عربوں اور دوسرے مسلمانوں نے جو ترقی کی اس کا تاریخی مطالعہ ضروری ہے اس کا تفصیلی تذکرہ تو کوئی معاشی مورخ (اکنامک ہسٹورین) ہی کرے گا۔

واسکوڈی گاما کا عرب رہنما:

عرب جہاز رانوں نے جہاز رانی میں جو ترقی اور مہارت حاصل کی تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ خود واسکوڈی گاما کی ایک مسلمان عرب شہاب الدین احمد بن ماجد نامی شخص نے راہنمائی کی تھی۔ مسلمان مورخین کے بیانوں کے علاوہ خود انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بھی ذیل کا تذکرہ موجود ہے۔

''شہاب الدین احمد بن ماجد پندرہویں صدی عیسوی کا ایک عرب جہاز ران تھا اور بحر ہند اور بحیرۂ قلزم، خلیج فارس، مغربی چین کے سمندر اور مجمع الجزائر ملایا کے پانیوں سے متعلق بحری ہدایتیں لکھی ہیں۔ 1498ء میں واسکوڈی گاما ملندی پہنچا جو کہ افریقہ کے مشرقی ساحل پر واقع ہے تو اس نے ایک ناخدا کو اپنے ساتھ لیا جس نے اس کو سیدھے کالی کٹ پہنچا دیا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ اور اس کی اقسام

سرمایہ کی تعریف: Definition of Capital

لفظ ''سرمایہ'' Capital معاشیات میں مختلف معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عام بول چال میں سرمایہ سے مراد Money یعنی زر لیا جاتا ہے۔ اور معیشت میں یہ تعریف درست نہیں ہے۔ بعض معیشت دان سرمایہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ انسان کی دولت کا وہ حصہ علاوہ زمین کے جس سے آمدن حاصل ہو سرمایہ کہلاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی درست نہیں ہے کیونکہ زر جو دولت کا ایک حصہ ہے جب کسی کو قرض دیا جاتا ہے تو اس سے سود کی صورت میں آمدن حاصل ہوتی ہے کسی بھی صورت میں اُسے سرمایہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

''دولت کا وہ حصہ جس سے مشینیں یا خام مال خریدا جا سکے جو پیدائش کے عمل میں پیداواری صلاحیت رکھتا ہو سرمایہ کہلاتا ہے''۔

لیکن تمسکات، بانڈز اور اشیاء کے ذخیرہ کو جو ایک فرد کی ملک ہوں اور اس سے آمدن بھی حاصل ہو۔ ان کا مالک کوئی دوسرا افراد بن جائے تو اس کو سرمایہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

''سرمایہ کی درست تعریف یہ ہے کہ پیدائش کے لیے پیدا کردہ ذریعہ Prodnced means of production کو سرمایہ کہا جاتا ہے''۔

یہ تعریف سرمایہ کو زمین Land اور لیبر (Labour) سے تمیز کر دیتی ہے کیونکہ یہ دونوں عاملین پیدائش انسان کے پیدا کردہ نہیں ہیں عموماً زمین اور لیبر کو بنیادی عاملین پیدائش تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن سرمایہ بنیادی اور پہلا عامل پیدائش نہیں ہے لیکن فطرت سے کام لیتے ہوئے انسان سرمایہ کو پیدا کیا ہے۔

سرمایہ کی اقسام: Kinds of Capital

ا۔ مادی سرمایہ Physical Capital

ایسی مادی اشیاء جو انسان کی پیدا کردہ ہیں جس سے مزید اشیاء پیدا کی جا سکیں انہیں فزیکل سرمایہ کہتے ہیں مثلاً مشینیں۔ آلات، اوزار، کارخانے، نہریں، ڈیم اور ذرائع نقل و حمل کو سرمایہ کہہ سکتے ہیں اس لیے یہ انسا کے پیدا کردہ ہیں۔ اور انسان ان کو سرمایہ کاری کے لیے استعمال میں لا سکتا ہے۔ انہیں فکسڈ سرمایہ Fixed Capital بھی کہتے ہیں۔

فکسڈ سرمایہ:

فکسڈ سرمایہ کو ان معنوں میں نہیں کہ اقامتی لحاظ سے یہ اشیاء فکسڈ ہیں بلکہ فکسڈ سرمایہ اس لیے کہ ایسی پائیدار اشیاء جن سے مزید اشیاء پیدا کی جا سکتی ہیں۔

ورکنگ کیپٹل: Working Capital

خام مال یا اسی قسم کی وہ اشیاء جو ابھی تیاری کے مراحل میں ہوں ان کو working Capital کہا جاتا ہے اور ایک دفعہ کے صرف سے وہ چیزیں غائب ہو جاتی ہیں اور مزید یہ کہ سرمایہ جو ان پر صرف کیا جاتا ہے ان کی مدد سے مالی تیار ہو کر مارکیٹ میں قیمتاً بک جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔انسانی سرمایہ: Labour as Human Capital

کنڈلبرگر Kindlerberger اپنی کتاب Economic Development ''معاشی ترقی'' ص:103-97 لکھتے ہیں کہ Physical Capital (مادی سرمایہ) کی غریب ممالک میں انتہائی کمی دیکھنے میں آتی ہے لیکن Huma Capital (انسانی سرمایہ) غریب ممالک میں عموماً بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔

لیکن اس انسانی سرمایہ کا انحصار اس بات پر ہے کہ لوگوں کو ان علوم وفنون سے آگاہی حاصل ہو جن سے انسان (مادی سرمایہ Physical Capital کو پیدا کرتا ہے۔

فنی اداروں اور کارخانوں میں عملی تربیت کا بندوبست:

نظریاتی تعلیم کے ساتھ ساتھ فنی اور میکنیکی اداروں میں عملی تربیت کا اہتمام کرنے سے انسانی سرمایہ کو چلایا جا سکتی ہے۔

کام کے متعلق مارکیٹ کی مکمل آگہی:

مارکیٹ میں کام کی نوعیت کے اعتبار سے اجرتوں سے انسانوں سرمایہ (یعنی لیبر) احسن انداز سے معاشی ترقی میں کردار ادا کرتا ہے۔

مزدوروں کے لیے صحت مندانہ ماحول:

مزدوروں کی صحت مندانہ حالت فزیکل سرمایہ کو کام میں لانے کے لئے از حد ضروری ہے۔

معاشی ترقی کے لیے کیپٹیل کی نشوونما میں تعلیم کا کردار:

معیشت دان انسانی اور مادی وسائل کی ترقی کے لیے تعلیم کی افادیت واہمیت کو عرصہ دراز سے تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ الفریڈ مارشل نے تعلیم کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے اُسے ''قومی سرمایہ کاری'' سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر قسم کے سرمائے میں انتہائی مفید سرمایہ کاری وہ ہے جو انسانی وسائل کو ترقی دینے کے لیے کی جاتی ہے۔

کیرن کو اس اپنی تصنیف ''معاشی ترقی کے عوامل'' میں تعلیم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''بین الاقوامی غربت وافلاس بظاہر ایک معاشی مسئلہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اُسے گہری نظروں سے دیکھا جائے تو یہ ایک تعلیمی مسئلہ ہے۔ جس غربت کو دور کرنے کی ضرورت ہے'' وہ جدید اثاثوں کی کمی'' والی غربت سے زیادہ ذہنی اور روحانی قوتوں کی کمی والی غربت ہے''۔

کوئی ملک اُس وقت تک ترقی یافتہ نہیں کہلا سکتا تاوقتیکہ اس میں صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں جیسا تعلیم وتربیت کا نظام قائم نہیں ہو جاتا۔

دور حاضر کی سائنسی اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان اور اس کے کام کے مابین ایک رشتہ قائم کر دیا ہے جس میں تعلیم کو زبردست اہمیت حاصل ہو چکی ہے انسان جیسے جیسے تعلیم سے آراستہ ہو کر آگے بڑھتا جا رہا ہے اس کے لیے نئے نئے افق روشن ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ارض وسماں کی وسعتیں سمٹتی چلی جا رہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فزیکل کیپٹل، سے حقیقی فائدہ تبھی اٹھایا جا سکتا ہے جب تک ہیومین کیپٹل کو ترقی نہ دی جائے اور یہ تعلیم کے بغیر ناممکن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''بلاشبہ آبپاشی، بجلی، نقل و حمل، فولاد، کیمیاوی کھاد اور مشینوں کی تیاری جیسے منصوبوں کو مکمل کرنا معاشی ترقی کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن یہ منصوبے بذات خود تو مکمل نہیں ہو جاتے انہیں وہی افراد مکمل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں جو تعلیم و تربیت یافتہ ہوتے ہیں لہٰذا انسان پر سرمایہ کاری یعنی اُسے تعلیم و تربیت مہیا کرنا معاشی ترقی کے لیے ناگزیر ہے''۔(۱۹)

گویا معاشی ترقی تعلیم و تربیت کے بغیر مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

پیداواری عمل کی اہمیت:

عرصہ دراز سے ترقی پسند ذہنوں کے مالکِ معیشت دان سرمایہ اندوزی کو معاشی ترقی کے لیے اہم کلیدی عامل کی حیثیت دیتے چلے آتے ہیں اور پیداواری عمل سرمایہ اندوزی کے بغیر ناممکن ہے۔

ایڈم سمتھ کی رائے میں

''کسی قوم کی معاشی ترقی کا انحصار سونے یا چاندی کے جمع کرنے پر نہیں بلکہ اس کے افراد کے پیداواری صلاحیت میں اضافہ پر ہوتا ہے۔ یہ اضافہ مشینری اور اس قسم کے دوسرے پیداواری ساز و سامان کی صورت میں سرمایہ اندوزی سے ممکن ہوتا ہے''۔

ڈبلیو۔ آرتھر لیوس (Lewis) ایک ترقی پذیر ملک کے لیے سرمایہ اندوزی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ترقی پذیر ملک کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی خام قومی پیداوار کے چار سے پانچ فیصد سے لے کر بارہ سے پندرہ فیصد سالانہ کی کیونکر بچت کرے''۔

ڈبلیو۔ راسٹو کے نزدیک کسی ملک کے لیے خود پر انحصار کرتے ہوئے اپنی ترقی کی رفتار کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی خام قومی پیداوار کا 10 فیصد سے زیادہ سرمایہ کاری کے لیے مختص کرے۔

سرمایہ اندوزی معاشی ترقی کے لیے کسی حد تک مفید اور کارآمد ہے اس کا اندازہ اس سے حاصل ہونے والے مندرجہ ذیل فوائد سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ سرمایہ اندوزی نئی نئی ٹیکنالوجی کو متعارف کرانے کی حوصلہ افزائی کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ نئی مشینری کے لیے مخصوص فنڈ رکو بہتر اور زیادہ ترقی یافتہ ساز و سامان کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس طرح پیداواری عمل کو نئی ترقی یافتہ بنیادوں پر استوار کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔

۲۔ سرمایہ اندوزی کی بدولت محنت کی قابلیت و مہارت کو بہتر سے بہترین بنایا جا سکتا ہے۔

۳۔ سرمایہ اندوزی کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے تاہم محض سرمایہ مہیا ہو جانے سے معاشی افزائش کا عمل جاری نہیں رکھا جا سکتا بلکہ اس مقصد کے لیے دیگر عاملین مثلاً موزوں تنظیم، ٹیکنالوجی، موزوں ترغیبات وغیرہ کا اشتراک عمل بھی ضروری ہے۔

صنعتی ترقی اور سرمایہ اندوزی:

سرمایہ اندوزی یا تشکیل سرمایہ سے مراد نئی اشیائے سرمایہ پیدا کرنا ہے۔ مثلاً نئے کارخانے قائم کرنا۔ نئی مشینیں نصب کرنا نہریں تعمیر کرنا۔ نئی سڑکیں تعمیر بنانا وغیرہ گویا کہ انسان محنت سے معرض وجود میں آنے والی اشیاء سرمایہ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذخیرہ کی مقدار میں اضافہ کرنا اور ان کی نوعیت کو بہتر بنانا ہی سرمایہ اندوزی کہلاتا ہے۔ سرمایہ کی تشکیل میں معاشی ترقی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

معیشت کے مختلف شعبوں مثلاً زراعت، صنعت، تجارت، نقل و حمل، رہائشی مکانات، اور بجلی کے ذرائع کا دارومدار سرمایہ اندوزی ہی پر ہے۔ سرمایہ اندوزی کے زیادہ ہونے کی صورت میں، معاشی ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ اس کے برعکس حالات میں کم۔ پسماندہ ممالک کی راہ میں سب سے اہم رکاوٹ سرمایہ کی قلت ہے۔

خوشحالی اور سرمایہ اندوزی:

صرف وہی ملک خوشحالی اور ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے جس کے پاس نہ صرف سرمایہ کی مقدار زیادہ ہو۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس مقدار میں اضافہ بھی ہو۔ اشیائے سرمایہ کی تشکیل کے لیے موجودہ صرف کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ یعنی اشیائے صارفین کی مقدار کم کر کے ہی اشیائے سرمایہ کی پیدائش ممکن ہوتی ہے۔ چنانچہ اشیائے سرمایہ کی مقدار کا دارومدار لوگوں کی صرف کی قربانی وسعت پر گا یعنی اگر کوئی ملک اور قوم اپنی پیدا شدہ تمام اشیاء کی مقدار خرچ کر لیتی ہے اور اس میں سے مستقبل کے لیے کچھ بچا کر انہیں رکھتی تو مستقبل میں یہ ملک پیداواری قوت سے محروم ہو جائے گا۔ اس طرح ملک کی قومی آمدنی اور فی کس آمدنی کم ہو جائے گی۔

قومی آمدنی اور سرمایہ اندوزی:

قومی آمدنی اور سرمایہ اندوزی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ایک میں اضافہ دوسرے میں اضافہ اور ایک میں کمی دوسرے میں کمی کا باعث بنتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی ملک میں آمدنیوں کا معیار بہت پست ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہاں کے لوگ آمدن کا زیادہ حصہ اشیائے صرف پر خرچ کریں گے۔ چنانچہ بلند میلان صرف کی بناء پر بچتیں کم ہوں گی۔ کم بچتوں کی وجہ سے سرمایہ کاری کم ہوگی۔ کم سرمایہ کاری قومی آمدنی میں کمی کا باعث بنے گی۔ اور اس طرح فی کس آمدنی کم ہو جائے گی۔ چنانچہ کم آمدنی والا ملک اس منحوس چکر میں ہی پھنسا رہے گا۔ اور کبھی بھی اس سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے۔

''ایک غریب ملک اپنی غربت کی وجہ سے غریب رہتا ہے''۔

اس منحوس چکر سے نکلنے کے لیے سرمایہ اندوزی کا عمل ضروری ہے یہ ٹھیک ہے کہ کسی ملک کی معاشی ترقی کے ابتدائی دور میں کم آمدنیوں کی وجہ سے سرمایہ اندوزی کی شرح بھی پست رہتی ہے۔ مگر جب ایک دفعہ سرمایہ اندوزی کا عمل شروع ہو جائے تو پھر مسلسل عمل کی وجہ سے اس میں بتدریج اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

سرمایہ اندوزی کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بوکانن Buchannan اور ایلس Ellis لکھتے ہیں۔

''سرمایہ اندوزی کی قلت معاشی ترقی کی راہ میں سخت اور شدید قسم کی رکاوٹ بنتی ہے''۔

لارڈ کینز Keynes نے بھی مکمل روزگار کے حصول کے لیے سرمایہ اندوزی اور سرمایہ کاری کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔

ہیرڈ اور ڈومر Harrad and Domar نے عمل پیدائش کو جاری رکھنے کے لیے سرمایہ کاری میں اضافہ پر زور دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی یافتہ ممالک امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور جاپان کی خوش حالی کا راز اس بات میں ہے کہ انہوں نے سرمائے کی مقدار بڑھانے پر بہت توجہ دی، اپنی آمدن کا زیادہ حصہ بچا کر بڑی بڑی مشینیں بنائیں اور ان کی مدد سے کثیر مقدار میں اشیائے صرف تیار کر کے اپنے باشندوں کا معیار زندگی بلند کیا۔ مشینوں اور دیگر اشیائے سرمایہ کی مدد سے نہ صرف اشیاء کی زیادہ مقدار تیار ہوتی بلکہ ان کا معیار بھی بہترین ہو جاتا ہے اور لاگت بھی کم آتی ہے۔ مشینوں سے کام لینے والے مزدوروں کی استعداد بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ پسماندہ ممالک کی غربت کا سبب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ان کے پاس سرمایہ تھوڑا ہوتا ہے اور وہ اپنے قدرتی ذرائع سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے انہیں غیر ممالک سے قرض لینا پڑتا ہے۔ ایک خوددار اور غیرت مند قوم اُسی صورت میں اپنی کو دداری، وقار اور ان برقرار رکھ سکتی ہے جب وہ اپنے وسائل کو استعمال میں لاتے ہوئے اپنی آمدن میں سے کچھ پس انداز کرے اور پھر تمام بچتوں کو سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرے۔ اور اس طرح خود کفیل ہو کر اقوام عالم میں سر اونچا کر کے زندگی گذار سکتی ہے۔

سرمایہ جمع کرنا Accumulation of Capital:

سرمایہ اندوزی میں اضافہ کرنے کے لیے دو ذرائع اختیار کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ ملکی ذرائع Domestic Sources

۲۔ بیرونی ذرائع Foreign Sources

(الف)۔ ملکی یا اندرونی وسائل Domestic Sources:

سرمایہ اندوزی میں اضافہ کر لیے جو اندرونی وسائل استعمال کیے جا سکتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دفینوں کا استعمال Use of Hoardings:

پسماندہ ممالک میں اکثر لوگ اپنے روپے اور قیمتی زیورات کو گھروں میں رکھتے ہیں۔ خاص طور پر دیہاتوں میں یہ رواج بہت زیادہ ہے۔ اس طرح جو روپیہ یا زیورات گھروں میں پڑے رہتے ہیں ان کو پیداواری کاموں میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اندازے کے مطابق قومی آمدنی کا تقریباً 3 فیصد دفینوں کی شکل میں جمع رہتا ہے۔ اگر ان دفینوں کو استعمال میں لانے کے لیے مناسب اقدامات اختیار کیے جائیں تو سرمایہ اندوزی کی شرح میں کافی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو اس بات کا قائل کیا جائے کہ جو رقوم ان کے پاس بے کار پڑی رہتی ہیں۔ وہ پیداواری مقاصد میں استعمال کی جانی چاہئیں۔ اس کے علاوہ بینکاری کی سہولیات میں اضافہ کرنا بھی ضروری ہے۔ سرمایہ کاری کے مواقع بڑھا کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں جون 1971ء میں کرنسی نوٹوں کو منسوخ کرنے کی صورت میں معلوم ہوا کہ لوگوں نے کروڑوں روپے اپنے پاس بے کار رکھے ہوئے تھے۔

۲۔ انفرادی بچتیں Individual Savings:

سرمایہ اندوزی کے لیے کسی قوم کے ضروری ہے کہ وہ اپنے صرفی اخراجات کی قربانی دے کر بچت ضرور کرے۔ بچت کے بغیر سرمایہ کاری نہیں ہو سکتی اور بغیر سرمایہ کاری کے کوئی معیشت نیپ نہیں سکتی۔

سرمایہ اندوزی کا دارومدار انفرادی بچتوں پر ہوتا ہے۔ انفرادی بچتوں سے مراد رقم ہے جو لوگ اپنی آمدنی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ضروریات زندگی پر خرچ کرنے کے بعد بچا لیتے ہیں۔ یعنی ضروریات زندگی پر خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے اُسے انفرادی بچتوں کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی بچتیں لوگ بنکوں میں جمع کروا دیتے ہیں اور اس طرح عام لوگوں کو کاروباری ضروریات کے لیے بینکوں سے رقوم مل جاتی ہیں۔ لوگوں کی آمدنیاں جتنی زیادہ ہوں گی۔ انفرادی بچتیں بھی اُسی قدر زیادہ ہوں گی۔ اور لوگوں کی آمدنیاں جتنی کم ہوں گی۔ انفرادی بچتیں بھی اُسی قدر کم ہوتی ہیں۔

پاکستان میں فی کس آمدنی بہت کم ہے۔ اس لیے بچتوں کی شرح بھی بہت پست ہے۔ اس لیے تمام آمدنیاں ضروریاتِ زندگی پر خرچ کر دیتے ہیں۔ مختلف اقدامات اختیار کر کے لوگوں میں بچتوں کا رجحان پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً پوسٹ آفس سیونگ سرٹیفکیٹ وغیرہ۔

بنکوں کی سہولتوں میں اضافہ کر کے، سرمایہ کاری کے مواقع بڑھا کر اور منافع کے حصول کو آسان بنا کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قوم بچانے کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔ بچتوں میں اضافہ سرمایہ اندوزی کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

انفرادی بچتیں بچت کرنے کی طاقت (Power to save) کے ساتھ ساتھ ارادہ بچت (Will to save) پر بھی موقوف ہیں۔ بہت سے افراد اور خاندان نجی اور قومی مفادات کے تحت بچت کرتے ہیں۔ بعض افراد اپنے نئے کاروبار کا آغاز کرنے، پرانے کاروبار کو وسعت دینے، بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے، اولاد کی شادی کرنے یا اپنے بچوں کے لیے بزنس کا اچھا آغاز کرنے کے لیے بچتیں کرتے ہیں اور یہ تمام بچتیں سرمایہ اندوزی میں مدد و معاون بنتی ہیں۔

لیکن اسلامی نظم معیشت میں مذکورہ بالا اقدامات کو اختیار کر کے اور ''سود'' کے عنصر کو خارج کر کے، مضاربت اور شراکت کے اصولوں کو داخل کر کے نہایت آسانی کے ساتھ لوگوں کو بچتوں پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ کاروباری بچتیں Corporate Savings:

کاروباری بچتوں سے مراد مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے وہ غیر منقسم شدہ منافع جات ہیں جو وہ اپنے حصہ داروں میں تقسیم نہیں کرتیں بلکہ مستقبل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بچا کر رکھ لیتی ہیں تاکہ ضرورت کے وقت اس رقم کو استعمال کیا جا سکے یا اُسے دوبارہ کاروبار کی ترقی میں صرف کیا جا سکے۔ لہٰذا کاروباری بچتیں بھی تشکیل سرمایہ میں مددگار ہوتی ہے۔

۴۔ سرکاری بچتیں Public Savings:

حکومتیں ہر سال اپنا بجٹ تیار کرتی ہیں جس میں آنے والے سال کے دوران مختلف مدات سے کس قدر آمدنی حاصل ہوگی اور اس طرح سال بھر کے دوران مختلف مدات پر کتنا خرچ ہوگا۔ اگر سال بھر کے دوران آمدنی زیادہ ہو اور خرچ کم تو ایسے بجٹ کو فاضل بجٹ (surplus) کہا جاتا ہے۔ یہی فاضل رقم جو حکومت زائد آمدنی کے طور پر حاصل کرتی ہے۔ سرکاری بچت کہلاتی اور تشکیل سرمایہ کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ ٹیکس Taxes:

سرمایہ اندوزی میں اضافہ کے لیے ٹیکس بھی عائد کیے جا سکتے ہیں اور ان ٹیکسوں کے ذریعے حاصل ہونے والی رقوم کو ترقیاتی پروگراموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں حکومت نے کافی ٹیکس عائد کیے ہوئے ہیں۔ ٹیکسوں کے نظام کو مزید بہتر بنا کر سرمایہ اندوزوں کی شرح کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ اور ٹیکسیشن محکمہ کے اہلکاروں میں رشوت اور بد دیانتی کے رجحان کا خاتمہ کر کے اربوں روپیہ سرکاری خزانہ میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ جو تشکیل سرمایہ کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹیکسوں کی صورت میں حاصل کی ہوئی رقوم کو جبری بچتیں کہا جاتا ہے۔

۶۔ بازارِ سرمایہ:

سرمایہ اندوزی کا ایک بذریعہ بازارِ سرمایہ ہے جو کہ ان متعدد مالیاتی اداروں بینکوں، انشورنس کمپنیوں اور سرمایہ کاری کرنے والی ایجنسیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو ملکی بچتوں کو سرمایہ کاری کے لیے فعال بناتے ہیں۔ کسی ملک کا مستعد بازارِ سرمایہ بچت کے رُجحان کی حوصلہ افزائی میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۷۔ سرمایہ کاری:

سرمایہ اندوزی کا ایک ذریعہ سرمایہ کاری ہے۔ سرمایہ کاری سے مراد صرف دولت سے بچائے ہوئے مالی اور مادی مسائل کو اشیائے سرمایہ کی پیداوار کے لیے وقف کرنا ہے۔

۸۔ بے کار ذرائع کا استعمال Using idle Resources:

پسماندہ ممالک میں ایسے ذرائع کثرت سے موجود ہیں جن کو استعمال نہیں کیا جا رہا۔ ان ذرائع کو استعمال میں لا کو پیداوار کو بڑھایا جا سکتا ہے پاکستان میں ایسے افراد موجود ہیں جو کافی وقت بے کار رہتے ہیں۔ دیہاتوں میں مستور بے روزگاری موجود ہے۔ جس کام کو کرنے کے لیے تین افراد درکار ہوں وہاں پانچ افراد کام پر لگے ہوتے ہیں۔ اگر ان دو افراد کو جو فالتو ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے کام پر لگا دیا جائے تو اس طرح ملکی پیداوار کو کافی حد تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کاشت کار سال کا بیشتر حصہ بے کار رہتے ہیں اس دوران اگر مختلف گھریلو صنعتوں کو قائم کر لیں تو ان آمدنی بڑھ سکتی ہے۔ فالتو افراد کو کام پر لگا کر سرمایہ کی کمی کو کافی حد تک پورا کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ افراطِ زر Inflation:

پسماندہ ممالک میں، چونکہ بچتوں کے ذریعے سرمایہ اندوزی کی شرح میں خاطر خواہ اضافہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے افراطِ زر کا طریقہ اختیار کر کے بھی سرمایہ اندوزی کی شرح کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس طریقہ کے تحت بغیر کسی زرِ ضمانت کے حکومت مزید نوٹ جاری کر دیتی ہے۔ اس طریقہ کو تمویل خاسر کہا (Deficit Financing) جاتا ہے۔ اس طریق کار کو اپنانے سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ اُسی سورت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جب لوگوں کی قوتِ خرید میں اضافہ کے ساتھ پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔ اگر پیداوار پہلے جتنی رہے تو قیمتوں میں اضافہ کے وجہ سے ملک افراطِ زر کا شکار ہو جاتا ہے۔ افراطِ زر ملک کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ حکومت پاکستان بھی وقتاً فوقتاً افراطِ زر کا طریقہ اختیار کر کے سرمایہ کاری کو بڑھانے کی کوشش کرتی ہے۔

۱۰۔ مالیاتی پالیسی:

سرمایہ اندوزی کے لیے حکومت کی مالیاتی پالیسی بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے مثلاً حکومت نجی افراد، کمپنیوں اور کارپوریشنوں کو ٹیکس میں چھوٹ دے کر، سرکاری قرضوں پر پُرکشش منافعوں کی ترغیبات مہیا کر کے، رضا کارانہ بچتوں کی حوصلہ افزائی کر سکتی ہے۔ اور اس طرح سرمایہ اندوزی کے مواقع پیدا کر سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجارہ داری

(Monopoly)

اجارہ داری کا مفہوم:

''خالص اجارہ داری منڈی کی ایسی تنظیم ہے جس میں واحد فرم ایسی شے تیار کرتی ہے جس کا کوئی قریبی نعم البدل نہیں ہوتا۔'' (ڈی سالوے ٹور D. Salvatore)

ایک تعریف یوں ہے:

"In a monopoly situation, there is only one firm in industry and no close substitution to monopolist." (A. Kontsoyiannis)

پاکستان میں واپڈا، ڈاکخانہ مثالیں ہیں۔

اسلامی معیشت میں اجارہ داری (Monopoly in Islamic Economy):

اجارہ داری مکمل مقابلے کی ضد ہے اس عنوان کے تحت ہم اس بات پر بحث کریں گے کہ اسلامی معیشت کے اندر اجارہ دارانہ حالات میں سرمایہ کار کون سا رویہ اختیار کرتا ہے اور شے کی قیمت کا تعین کس اصول کے تحت ہوتا ہے۔ کسی فرم، صنعت یا ادارہ کو ایک شے کی مقدار و قیمت پر مکمل کنٹرول حاصل ہو اور وہ شے کہیں اور سے دستیاب نہ ہو۔

اجارہ داری اس وقت وجود میں آتی ہے جب کسی کاروبار میں کسے شے کی رسد پر اس قدر قابو حاصل ہو جائے کہ اجارہ دار اپنے انفرادی عمل سے شے کی قیمت کو متاثر کر سکے اور شے کا کوئی قریبی بدل بھی موجود نہ ہو۔ اجارہ دار کو جب اجارہ دارانہ قوت حاصل ہوتی ہے تو وہ یا تو شے کی قیمت کا خود تعین کرتا ہے یا پھر حقدار فروخت کا تعین کر سکتا ہے۔

عام طور پر اجارہ دار زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی غرض سے خود قیمت مقرر کرتا ہے۔ مگر اسلام میں لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اجارہ دار کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صارفین کا احساس کرنا پڑتا ہے۔

اس شکل میں توازن نقطہ ایم پر ہے کیونکہ ایم آر و ایم سی خطوط یہاں کاٹتے ہیں۔ مقدار او ڈی اور قیمت او پی بنتی ہے۔ کیونکہ نقطہ ای کو ڈی اور بی سے ملایا گیا ہے۔ اے سی خطای سے گزر کر اوپر جاتا ہے۔

اگر منیجر، ناظم یا آجر میں اسلامی شعور پیدا ہو جائے یعنی اگر اس میں عدل و احسان کی روح اور خدمت و بھلائی خلق کا جذبہ اُجاگر ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کا مقصد آجر کے پیش نظر نہیں رہتا بلکہ منافع ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ منتظم صرف تسلی بخش منافع کمانے کو ترجیح دے گا۔ جب مناسب نفع کی منطق کام کر رہی ہوگی تو پیداوار کی قیمت کم اور مقدار فروخت زیادہ ہو جائے گی۔ اس طرح اجارہ دارانہ قوت اسلامک اکانومی میں زیادہ بہتر مفاد کے لئے استعمال ہو سکے گی۔ مال کا اتلاف نہیں ہوگا اور پیدائش دولت میں اسراف کا عمل وجود میں نہیں آسکے گا۔

اجارہ داری کی صورتیں (Form of Monopoly):

اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قدرتی اجارہ داری اور دوسری مصنوعی (Artificial) اجارہ داری ہے۔ پھر قدرتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اجارہ داریوں کی بھی دو اقسام ہیں۔ ایک تو وہ اجارہ دارانہ قوت جو کسی کاروبار سے جدا نہیں کی جا سکتی۔ دوسری قسم یہ کہ جو معاشی نقطۂ نظر سے اجارہ داری ہونی چاہئے۔ کیونکہ اس میں فرد اور معاشرے دونوں کا فائدہ ہوگا لیکن ہم نے فرض کر رکھا ہے کہ ہمارا آجر عادل اور محسن ہے چنانچہ عدل اور احسان کی یہ اقدار اسے مائل کریں گی کہ وہ قدرت کے عطا کردہ اس عطیہ کو ان اقدار کے مطابق استعمال کرے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنوعی اجارہ داری معیشت میں کس طرح وجود میں آتی ہے؟ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ کسی کاروبار میں کسی معدنی ذریعہ پر مکمل اجارہ داری حاصل ہو۔ اسلامی معیشت میں اس قسم کی اجارہ داری بھی ریاست کی ملکیت ہوتی ہے۔ اگر حکومت انہیں ٹھیکے پر بھی دے دیتی ہے تو آجر عدل و احسان کی اقدار سے روگردانی نہیں کرے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قانونی تحفظات کی بنا پر مصنوعی اجارہ داری وجود میں آتی ہے۔ فرض کریں حکومت کسی خاص صنعت کو کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص کر دیتی ہے۔ اسلامی معیشت میں اس قسم کی اجارہ داری کے لئے کوئی جگہ نہیں کیونکہ اسلام طبقات کا قائل نہیں ایک اجارہ داری ایک خاص علامت کی بنا پر بھی وجود میں آتی ہے اور اس کی اہمیت بھی ہے کیونکہ ٹریڈ مارک کی وجہ سے جدت و اختراع وجود میں آتی ہے۔ اگر آجر عادل اور محسن ہے تو جائز فرق کے لئے تجارتی علامت (Trade Mark) استعمال کرے گا۔ دھوکے کے لئے نہیں جیسا کہ سیکولر اکانومی میں ہوتا ہے۔

اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے جن تدابیر سے کام لیا جاتا ہے:

۱۔ اجارہ داری والی صنعت میں دوسرے کاروباری حضرات یا آجرین کو داخل نہ ہونے دیا جائے۔

۲۔ ناجائز تجارتی حربے مثلاً اعزاق محنت کاروں میں اضطراب پھیلانا۔

اسلامی معیشت میں قدرتی اجارہ داریاں تو ضرور پائی جائیں گی مگر باقی تمام اجارہ داریاں حکومت کے قبضہ میں ہوں گی اور کسی حد تک شے میں فرق بھی پایا جائے گا مگر مصنوعی اجارہ داریوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

اسلامی معیشت میں ماسٹر سٹرکچر کی نوعیت:

اسلامی معیشت میں مارکیٹ کا ڈھانچہ دراصل حقیقت تعاونی مقابلہ کاری یا تعاونی مسابقت کا ہوگا یعنی نہ تو اجارہ داری ہوگی نہ ہی مکمل مقابلے کی صورتحال، کاروبار آپس میں صحت مند مقابلہ بھی کریں گے اور تعاون بھی۔ یعنی معاونت کے لئے مقابلہ کریں گے۔ یہ تعاون آپس میں بھی ہوگا اور معاشرے میں بھی۔ اسلامی معیشت میں اطلاعاتی خلاء (Information Gap) نہیں ہوگا۔ ہر کاروباری شخص کو منڈی کے حالات سے پوری طرح آگاہی ہوگی۔

اجارہ داری کے رفاہی اثرات

اجارہ دار منڈی کے کئی سماجی اثرات ہوتے ہیں جو اچھے یا بُرے ہو سکتے ہیں۔

حمایت میں دلائل:

یہ نکات اس منڈی کے فوائد اور خوشگوار اثرات پر روشنی ڈالتے ہیں جو کچھ یوں ہیں:

۱۔ مستحکم قیمت:

کسی شے کی پیدائش و تقسیم پر ایک ہی فرم کو مکمل کنٹرول ہوتا ہے اس لئے آئے دن قیمتوں میں ردوبدل نہیں ہوتا بلکہ یہ ٹھہری رہتی ہے۔ طلب و رسد میں توازن کے باعث استحکام رہتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ داخلی و خارجی کفایتیں:

عموماً اجارہ دار کاروبار وسیع پیمانے پر شروع کرتا ہے۔ اس لئے اسے بہت سی اندرونی و بیرونی کفایات مل جاتی ہیں اور وہ ان سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کاروبار مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اس کی ساکھ بن جاتی ہے۔

۳۔ لاگت میں کفایت:

اجارہ فرم کا کوئی رقیب یا حریف نہیں ہوتا کیونکہ اس کا کسی سے مقابلہ نہیں ہوتا اس لئے اشتہار بازی، نشر و اشاعت (Publicity) اور پروپیگنڈہ پر اخراجات نہیں اٹھانے پڑتے۔

۴۔ سرکاری آمدنی بڑھنا:

چونکہ اجارہ داری کے تحت کاروباری جسامت خاصی بڑی ہوتی ہے۔ پیدا کردہ اشیاء پر کئی قسم کے محصولات عائد کئے جاتے ہیں۔ اس لئے گورنمنٹ کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔ کلیاتی استحکام:

اس کی موافقت میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ اس کے سبب معاشی استحکام ملتا ہے۔ سرمایہ کارانہ اور قیمتوں کی پالیسی سے کئی اثرات پڑتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اجارہ داری کے طویل المدت پروجیکٹ ہونے کی بناء پر دوررس نتائج نکلتے ہیں۔

۶۔ تحقیق و جستجو:

اجارہ دار وافر سرمایہ رکھتا ہے اور پیداواری استعداد بڑھانے کے لئے تحقیقی کام پر توجہ مبذول کرتا ہے جس سے نہ صرف اسے خود بلکہ معاشرے کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ نئی ایجادات اور دریافتیں سامنے آتی ہیں۔

۷۔ معاشرتی ذمہ داری:

چند علمائے معاشیات کی رائے یہ ہے کہ بڑے بڑے کاروباری راہنماؤں میں مضبوط سماجی ذمہ داری کا شعور پایا جاتا ہے جس سے اجارہ داری کی قوت کے نقصان کا ازالہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک مصنف کے الفاظ ہیں کہ

"Although industry leaders command (غلبہ رکھتے ہیں) tremendous (کافی) economic power, we are assured (یقین ہونا) that they have social maturaty (پختگی) not to wield power in a manner determined to public interest (مفاد عامہ) . The public and demand attitude of business monopolies in earlier decades (دہائیوں) is allegedly a thing of past." (Paul T. Heyne)

۸۔ ٹیکنالوجی کی ترقی:

چونکہ بڑی فرمیں کافی سرمایہ دار ہوتی ہیں اس لئے وہ انہیں نئی ٹیکنالوجی کو اپنانے کا محرک بنتا ہے کیونکہ وہ مالی استطاعت رکھتی ہیں جیسا کہ جان کیتھ گالبرتھ (J.K. Galbraith) کہتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

"The modern industry of a few large firms is an excellent (شاندار) instrument for inducing (راغب کرنا) technical change. It is admirably (تعریفی طور پر) equipped (لیس ہونا) for financing technical department. It's organization provides (مہیا کرنا) strong incentives for under taking (اختیار کرنا) development and for putting it into life."

۹۔ خطرات برداشت کرنا:

اجارہ دار خطرات کا مقابلہ کرنے کی سکت اور قوت و اہلیت رکھتا ہے۔ معاشی حالات کا تغیر و تبدل اس کی استعداد پر کم اثرات ڈالتا ہے جیسا کہ سرد بازاری کی لہر جب دیگر بہت سی فرموں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو اجارہ دار محفوظ ہونے کی پوزیشن سنبھال لیتا ہے اس لئے معاشرے کو بھی فائدہ مل سکتا ہے۔

۱۰۔ سرکاری اجارہ داری:

بعض اوقات خود حکومت اجارہ داری کی سرپرستی کرتی ہے کیونکہ کسی نایاب چیز کی سپلائی ایک ہی شعبہ کو سونپ دی جاتی ہے اور وہی ادارہ اس کی تیاری و ترسیل کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے تاکہ وہ شے سستے داموں صارفین کو ملتی رہے جیسا کہ پاکستان میں ریلوے، ڈاک خانہ مگر گورنمنٹ خود قیمتیں بلند نہ کرتی رہے۔

اجارہ داری کے بُرے اثرات

جہاں تک اجارہ دار فرم کا تعلق ہے اس کے کئی منفی پہلو یا نقصانات بھی ہیں اور یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے:

۱۔ صارفین کی پسند سے غفلت:

ہر اجارہ دار اپنی مرضی کی شے تیار کرتا ہے۔ اسے افراد اور عوام کی پسند و ناپسند سے غرض نہیں ہوتی وہ ان کے شوق اور ذوق کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

۲۔ نئی فرموں کی حوصلہ شکنی:

یہ ایک اور نقصان ہے کہ کوئی بھی اجارہ دار کسی نئی فرم کے داخلہ کو نگاہ تحسین سے نہیں دیکھتا بلکہ حقارت و منافرت سے کام لیتا ہے۔ کئی رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ مختلف ہتھکنڈوں اور طریقوں سے اسے بھگانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ نئے افراد آگے نہیں آسکتے۔

۳۔ منافع بطور ٹیکس:

ایک اجارہ دار لمبی مدت میں بھی غیر معمولی منافع کمانے کے اہل ہوتا ہے اور چونکہ یہ غائب نہیں ہوتا اس لئے اسے نجی محصول کا نام دینے میں کوئی تامل نہیں ہے اور محسوس ہوتا ہے یہ فرموں کی طرف سے صارفین پر پرائیویٹ ٹیکس کے مترادف ہے۔

۴۔ ناہموار تقسیم دولت:

اجارہ دار کافی دولت مند ہوتے ہیں وہ اپنی اجارہ داری کی وجہ سے مزید سرمایہ اکٹھا کر لیتے ہیں اور یوں امیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے امیر تر ہو جاتے ہیں۔ قومی دولت کا بیشتر حصہ ان کی تجوریوں میں جاتا ہے۔ اکثریت غربت کا شکار ہوتی ہے۔ یہ بات پاکستان کے حوالے سے روز روشن کی مانند واضح ہے کہ یہاں بھی کئی اجارہ داریاں ہیں جنہوں نے بہت سرمایہ جمع کر رکھا ہے۔ یہ چند خاندانوں میں مرتکز ہے اور یہ بہت بڑا سماجی روگ ہے۔

۵۔ بے جا خرچ:

قومی دولت کا بہت ضیاع (Wastage) ہوتا ہے کیونکہ اجارہ دار عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ فضول خرچی پروان چڑھتی ہے جس سے کم پس اندازی اور قلیل سرمایہ کاری ہوتی ہے۔ ملک بحیثیت مجموعی ایسے سرمایہ سے محروم رہتا ہے۔

۶۔ ایجادات و اختراعات کا فقدان:

بعض نقاد یہ دلیل دیتے ہیں کہ اجارہ داری کے تحت معاشی استعداد کاری کی کمی ہوتی ہے کیونکہ نئے طور طریقوں اور فنون پر توجہ نہیں دی جاتی اور اجارہ دار نئی دریافتوں اور ایجادوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ اخراجات نہیں کرنا چاہتا۔

۷۔ ترقی میں رکاوٹ:

اجارہ داری کے مخالف ماہرین کہتے ہیں کہ یہ منڈی اقتصادی ترقی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کے وجود سے معیشت آگے کی جانب رواں دواں نہیں ہو سکتی کیونکہ کئی قسم کی دشواریاں پیش آتی ہیں جنہیں عام حالات میں دور نہیں کیا جا سکتا اور اس کے باعث ترقی نہیں ہو سکتی۔

۸۔ مکمل روزگار کے حصول میں ناکامی:

اجارہ داریوں کے قیام کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ کامل روزگار کی سطح حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ بیروزگاری زیادہ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

اس کا اہم سبب یہ ہے کہ کوئی بھی اجارہ دار زیادہ محنت کام پر لگانا پسند نہیں کرتا کیونکہ مصارف بڑھتے ہیں اور منافع گر جاتا ہے چنانچہ مکمل روزگار کی سطح حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

۹۔ سماجی کردار:

بڑی، دیونما (Giant) کارپوریٹ اجارہ داریاں معاشرے میں غالب قوت (Dominant Force) کا روپ دھار چکی ہیں جن کے سبب ادارے اور تنظیمیں اخلاقی اقدار کھو ڈالتی ہیں۔ نیز انسانیت سوز (Dehumanizing) کارروائیاں پنپنے لگتی ہیں جن سے سکون و اطمینان غارت ہو جاتا ہے۔ نظم و ضبط کی رسی ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور مثالی روایات دم توڑ دیتی ہیں۔

۱۰۔ سیاسی خطرات:

یہ بھی بہت بڑا نقصان ہے کہ سیاست ہچکولے کھانے لگتی ہے کیونکہ بڑی بڑی اجارہ داریاں مالی لحاظ سے خاصی مضبوط ہوتی ہیں جو حکومت کے لئے خطرے کا الارم ہوتا ہے۔ انتخابات کے موقع پر بڑے بڑے سیاستدانوں کی مالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعانت کی جاتی ہے اور وہ عنان اقتدار سنبھالتے ہی اجارہ داروں کو بلا جواز مراعات دینے لگتے ہیں جس سے سیاست کی چولہیں ہلنے لگتی ہیں۔ اس کی واضح مثال کثیر الاقوامی کارپوریشنوں (MNCS) کی ہے جن سے امریکہ جیسا طاقتور ملک خائف ہے۔ پاکستان میں بھی ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں۔

جدید معاشیات میں فرم کا رویہ

(Firm Behaviour in Modern Economics)

ہر فرم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا منافع زیادہ سے زیادہ ہو اس مقصد کو پانے کے لئے فرم تین طریقے اختیار کر سکتی ہے:

۱۔ فرم اپنی قیمت فروخت کم کر دے۔
۲۔ اپنی لاگت کم کر دے۔
۳۔ اپنی پیداوار زیادہ سے زیادہ کر دے۔

معیشت خواہ کسی قسم کی بھی ہو اسے مندرجہ ذیل پانچ باتوں کے بارے میں فیصلہ کرنا پڑتا ہے:

۱۔ کون سی اشیاء پیدا کی جائیں۔
۲۔ کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں۔
۳۔ کارخانہ کس جگہ لگایا جائے۔
۴۔ کس طرح اشیاء پیدا کی جائیں۔
۵۔ کن کے لئے پیدا کی جائیں۔

کامل مقابلہ کے تحت قیمت کا تعین

(Price-Determination Under Perfect Competition)

مکمل مقابلہ کے تحت اشیاء کی قیمتیں رسد و طلب کے توازن سے مقرر ہوتی ہیں۔ مکمل مقابلہ کے تحت فرم کے رسد و طلب کے خطوط ایک دوسرے کو جس نقطہ پر قطع کرتے ہیں وہ اس کا نقطہ توازن کہلاتا ہے۔

اسلامی معیشت میں رویہ فرم

(Behaviour of Firm in Islamic Economy)

اسلامی معاشیات میں آجر کا مقصد سرمایہ دارانہ نظام میں آجر کے مقصد سے مختلف ہوتا ہے۔

اسلامی فلسفہ زیست (Islamic Way of Life):

اس کائنات کا ایک ہی خدا ہے وہی سارے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس کے نظام میں کسی قسم کی بناوٹ نہیں ہے۔ ایک مسلمان آجر اس بات کو ذہن میں رکھتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے زمین اور اس کی سب چیزیں خدا نے بنی نوع انسان کے لئے بنائی ہیں اس لئے ہر فرد کا یہ پیدائشی حق ہے کہ وہ ان چیزوں کو حاصل کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کی زندگی کا مقصود (Aim of Man's Life):

انسان خدا تعالیٰ کا بندہ ہے اس کا کام یہی ہے کہ اپنے خالق کی اطاعت اور بندگی کرے۔ انسان زندگی کے ہر کام کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور یہ جواب دہی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ہوتی ہے۔ ہر انسان کی سعی و کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ آخرت کی جوابدہی کے سامنے کامیاب ہوں۔

اسلام کی بنیادی صفات بھی فرم کے رویہ کا تعین کرتی ہیں۔ اس کی بنیادی صفات حسب ذیل ہیں:

انصاف' مساوات' احسان' بھائی چارہ' تعاون' تقویٰ۔

ایک مسلم آجر ہمیشہ صرف اپنے منافع کو بڑھانے کی کوشش نہیں کرتا اس کی سادہ سی وجہ اسلام کے احسان و انصاف کی صفات ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے ذہن میں انصاف کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ اسلامی اقدار اس کی معاشی مقبولیت پر کم ہی حدود نافذ کرتی ہیں اور ان حدود کے اندر رہ کر وہ اپنے منافع کو جہاں تک ممکن ہو سکے زیادہ کر سکتا ہے۔ ایک آجر کو اپنے ذہن میں احسان و تعاون کے احساسات رکھنے چاہئیں۔ ایک مسلم آجر اپنے منافع کے کچھ حصہ کو معاشرتی بھلائی کے لئے قربان کر سکتا ہے۔

جس طرح ایک آجر کم یا زیادہ نفع حاصل کرتا ہے اسی طرح اسے نقصان کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کی نظر میں ایک فرم کو کم از کم اتنا منافع ضرور رکھنا چاہئے جس سے وہ نقصان کے دور میں گزارہ کر سکے یعنی تسلی بخش منافع اور حدود کے درمیانی منافع کو تسلی بخش منافع کہتے ہیں۔

حلال و حرام (Lawful and Unlawful):

سرمایہ دارانہ معیشت اور جدید معاشیات میں ایک فرم منافع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لئے حرام و حلال کے تصور سے نا آشنا ہوتی ہے۔ ان کا مقصد صرف روپیہ کو زیادہ سے زیادہ کرنا ہوتا ہے لیکن ایک مسلم آجر اشیاء کو پیدا کرتے ہوئے اس بات کو پیش نظر رکھتا ہے کہ وہ صرف حلال اشیاء پیدا کرے جن سے لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں جو ملک کے متوسط اور غریب طبقہ کے مطابق ہوں۔ اسی طرح وہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت کو بھی استعمال نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی اشیاء کو ناجائز ذرائع (سمگلنگ/ ذخیرہ اندوزی) سے فروخت کر کے زیادہ منافع حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی نظر میں خدا اور رسول کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے ہر فعل کو خدا دیکھ رہا ہے اور آخرت میں اسے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اس لئے وہ حرام اشیاء کی پیداوار سے گریز کرتا ہے۔

خوشحالی کا محرک (Motive for Prosperity):

ایک مسلم آجر کا بنیادی محرک لوگوں کی خوشحالی اور کامیابی حاصل کرنا ہے یعنی ایسی اشیاء پیدا کرے جن کی وجہ سے لوگوں کی فلاح میں اضافہ ہو۔ وہ لوگوں کی معاشی ضروریات سے بے خبر نہیں ہوتا جب ایک آجر اسلامی روح کے ساتھ کام کرتا ہے تو وہ اپنی آجرانہ سرگرمیوں کو لوگوں کی معاشرتی طلب کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔

مادی اقدار کی بجائے انسانی اقدار کی برتری:

۱۔ سب سے پہلے لوگوں کی ضروریات زندگی سستے داموں سے مہیا کرتا ہے تا کہ غریب لوگ زیادہ سے زیادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروریات زندگی سے مستفید ہو سکیں۔

۲۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ذرائع پیدائش کس شعبے میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اگر ان کا رجحان نفسیات کی طرف ہو تو وہ نہیں زیادہ معاشرتی شعبے کی طرف موڑتا ہے۔

۳۔ وہ لوگوں کو تمدن اور ثقافت کی اشیاء کی طرف راغب کرتا ہے اور اس سلسلے میں وہ اشتہار بازی سے کام لیتا ہے اور قیمت کم کر دیتا ہے۔

یہ تمام بحث تو مکمل مقابلہ کے تحت تھی' اب فرم کا رویہ اجارہ داری' اجارہ دارانہ مقابلہ اور دو جارہ اور چند جارہ کے تحت کیا ہوتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے محرک کا معیشت کے ساتھ تعلق ہے کہ اس سے کم رسد اور زیادہ قیمت یعنی افراط زر جیسے سماج دشمن نتائج پیدا ہوتے ہیں اس کے علاوہ ایک اجارہ دار اپنی مرضی کے مطابق اپنی شے کے معیار کو متاثر کرتا رہتا ہے لیکن چونکہ اس چیز کا کوئی قریبی نعم البدل نہیں ہوتا اس لئے صارف کو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چیز خریدنا پڑتی ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک اجارہ دار جو اپنی اجارہ داری سے پوری طرح فیض یاب ہو رہا ہے۔ اسلامی اصولوں سے گہرے طور پر متاثر ہوتا ہے۔ اب وہ آجر اپنے منافع کے زائد معیار کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکے گا کیونکہ یہ اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی ہوگی۔ نیز مکمل مقابلہ والی منڈی میں بھی بلند منافع آوری اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔

سب سے پہلے تو یہ ہے کہ منافع کا زیادہ سے زیادہ محرک ہی غیر اسلامی ہے۔

دوسرا یہ کہ اجارہ داری سے لوگوں کی ضروریات مناسب طور پر پوری نہیں ہوتیں اس لئے اجارہ داری کی پالیسی معاشرے کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔

اسلامی نظم معیشت میں اجارہ دار سب سے پہلے اشیاء کی قیمت مقرر کرے گا اور تسلی بخش منافع کمانے کی کوشش کرے گا۔

اجارہ دار دوسری فرموں کو داخلے کی اجازت دے گا۔ اس طرح اسلامی اصولوں کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکے گا۔ اگر کامل مقابلہ والی منڈی ہوگی تو تعاون و معاملہ فہمی ہوگی۔

دو جارہ اور چند جارہ (Duopoly and Oligopoly):

دو جارہ سے مراد ہے کہ جب رسد مہیا کرنے والی فرموں کی تعداد دو ہو اور چند شخصی جارہ سے مراد ہے جب فروخت کرنے والے اداروں کی تعداد دو سے زیادہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں فرموں کی تعداد کم ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی فرم گاہک کھینچنے کے لئے قیمت کم کر دے تو دوسری فرم بھی انتقاماً قیمت کم کر دیتی ہے۔ ان میں قیمت کم کرنے کی جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یہ دونوں صورتیں کافی حد تک اجارہ داری سے ملتی ہیں۔ فرموں کے منافع جات زیادہ سے زیادہ ہوتے ہیں اور جب وہ ایک گروپ کی صورت میں کام کرتے ہیں تو از سر نو اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں۔

اسلام کی رو سے ان پر جو اثرات رونما ہوتے ہیں وہ اجارہ داری جیسے ہی ہیں۔ قیمتیں کم ہو جاتی ہیں اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نتیجے میں اب فرمیں زیادہ سے زیادہ منافع کا محرک نہیں رکھتی ہیں بلکہ ان کے اندر احسان و انصاف کے احساسات اُجاگر ہوتے ہیں۔

دو کی اجارہ داری اور چند کی اجارہ داری غیر مکمل مقابلہ کی اقسام ہیں۔ اجارہ دارانہ شکل میں فرموں کی تعداد اگرچہ زیادہ ہوتی ہے مگر مکمل مقابلہ کے برعکس قلیل ہوتی ہے۔ سب فرمیں اور صنعتیں اسلامی اصولوں کی پاسداری کرنے کی پابند ہوں گی۔ خلاف ورزی کی صورت میں ریاست مداخلت کر کے سخت ایکشن لے سکتی ہے۔

علاوہ ازیں غیر مکمل والی صنعت میں موجود فرمیں بے جا مقابلہ کرتی ہیں۔ اپنی اشیاء کو متعارف کرنے اور مقبول عام بنانے کی خاطر کثیر رقم نشر و اشاعت پر خرچ کی جاتی ہے جو لاگت فروخت کاری (Selling-Cost) کہلاتی ہے اور اس کو قیمت میں شامل کر لیا جاتا ہے اس سے بھی اشیاء مہنگی ہو جاتی ہیں جس کا سارا نا روا بوجھ صارفین پر پڑتا ہے۔ جدید دور میں اس قسم کے مصارف بہت بڑھ گئے ہیں جن کی بنا پر گرانی کا گراف اوپر کو چلا جاتا ہے۔ اسلامی معیشت میں ایسی لاگت کا کوئی جواز نہیں بن سکتا۔ نیز یہ کہ حکومت کئی قسم کے محصولات عائد کرتی رہتی ہے کیونکہ اس میں فضول خرچی کا عنصر غالب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقوق ملکیت

(Ownership Rights)

تعلیمات اسلامیہ میں جائیداد (Property) بنانے' اپنے پاس رکھنے' اشیاء تیار کرنے' انہیں فروخت کرنے' تبادلہ کرنے اور فائدہ اٹھانے کی مکمل تصریحات (Illustrations) پائی جاتی ہیں۔ نیز یہ کہ مکانات' دکانات' کارخانہ جات' آلات اور قطعات اراضی کی منتقلی (Transfer) کے احکامات بھی ملتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کا جائزہ (Appraisal) لینا اشد ضروری ہے کہ حق ملکیت کسے کہتے ہیں اور یہ کہ اس کی مقتضیات وتفصیلات کیا ہیں۔ یہاں انہی امور پر بحث کی جاتی ہے تاکہ متعدد پہلو واضح کئے جاسکیں۔

تعارف (Introduction):

سب سے پہلے اس کی چند تعریفیں دی جاتی ہیں۔ مشہور مغربی محقق اور ماہر قانون جان آسٹن نے ملکیت یا (Dominium) کی تعریف اس طرح کی ہے:

''اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے یہ کسی متعین شے پر ایک حق کی نشان دہی کرتا ہے جو استعمال کے اعتبار سے غیر محدود اور تصرف وانتقال کے اعتبار سے بے قید ہے۔'' (۲۰)

اس تعریف کا حقیقی جوہر استعمال' تصرف اور انتقال کے حقوق کا بے قید اور غیر محدود ہونا ہے۔ یہ تعریف ملکیت کو ایک مطلق حق کے طور پر پیش کرتی ہے جو اپنے اصل کے اعتبار سے' حدود وقیود سے ناآشنا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر ملکیت اس تعریف پر پوری اترے۔ جیسا کہ آسٹن نے آگے چل کر خود لکھا ہے زیادہ تر املاک پر مالک کے اختیارات رواج' قانون ملکی اور دوسروں کے حقوق ملکیت سے ابھرنے والی قیود کے ذریعے محدود ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی حق ملکیت کی اصل اور بنیادی تعریف یہی سمجھی گئی ہے۔ مغربی علماء قانون حق ملکیت کی تعریف عموماً اسی طور پر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق ملکیت کا اصل جوہر دوسروں کو اپنی ملک پر مالکانہ تصرف سے محروم رکھنے کا قانونی حق ہے۔ (۲۱)

حق ملکیت کی یہ تعریف اسلامی تصور ملکیت سے ہٹی ہوئی ہے کیونکہ اسلامی نظریہ ملکیت میں اطلاق اور بے قیدی کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ مالک اپنی ملک میں مالک حقیقی کا نائب ہے اور اس کا تصرف اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ اللہ نے فرد کے اس حق کو ایسے حدود کا پابند بنایا ہے جن کا منشاء خود مالک کی شخصیت اور دوسرے افراد نیز پورے معاشرہ کو ملکیت کے مضر استعمال سے محفوظ رکھتا ہے۔ ساتھ ہی اللہ نے حق ملکیت کے ساتھ مالک پر کچھ مثبت ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں جو اس حق سے علیحدہ نہیں کی جاسکتیں۔ اکثر اوقات یہ ذمہ داری اپنی ملکیت میں دوسروں کا حق تسلیم کرنے' اس میں سے ان کا حصہ نکالنے یا انہیں اس کے استعمال کا موقع دینے اور خود استعمال کرتے وقت دوسروں کے مضارع کو بھی ملحوظ رکھنے کی شکل میں عائد کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان حدود اور ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے ملکیت کا کوئی بے قید اور مطلق تصور اسلامی نظریہ میں راہ نہیں پاسکتا۔

فقہ اسلام میں بھی ملکیت کی متعدد تعریفیں ملتی ہیں۔ لیکن چند الفاظ میں کی جانے والی کوئی تعریف ان حدود اور ذمہ داریوں کا احاطہ نہیں کرسکتی جو اسلام میں حق ملکیت کے ساتھ لازماً وابستہ ہیں۔ ہمارے نزدیک حق ملکیت کی ایک مختصر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جامع اور دوسری تعریفوں سے نسبتاً بہتر تعریف وہ ہے جو مشہور حنفی محقق علامہ زین العابدین ابراہیم ابن نجیم (م 970ھ) نے کی ہے۔ خود یہ تعریف اس تعریف کے مطابق ہے جو ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان کی ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

الملک قدرة شبتها الشارع ابتداء" علی التصرف الا لمانع

''ملکیت تصرف کر سکنے کا اختیار ہے جس کا منبع شارع کا اذن ہے الا یہ کہ کوئی مانع نہ پایا جائے۔''

ملکیت کی بعض دوسری تعریفیں یہ ہیں:

فی اصطلاح الفقه الملک اتصال شرعی بین الانسان و بین شیئ یکون سببا لتصرفه ومانعا عن تصرف غیره

''فقہ کی اصطلاح میں ملکیت انسان اور کسی چیز کے درمیان ایک شرعی تعلق کا نام ہے جو اس کے تصرف کا سبب بنتا ہے اور دوسروں کو تصرف سے روکتا ہے۔''

عبیداللہ بن مسعود الحنفی قاضی القضاۃ فرماتے ہیں:

''ملک انسان اور کسی چیز کے مابین شریعت کا تجویز کردہ ایسا واسطہ ہے جو اس فرد کے لئے جائز قرار دیتا ہے کہ وہ اس شے میں تصرف کرے اور دوسرے کے تصرف کو روکتا ہے۔''

مزید برآں ایک تعریف یہ کی جاتی ہے:

''ملک تصرف کرنے کی وہ قدرت ہے جو شریعت سے براہ راست ثابت شدہ ہو بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو یعنی ایسی قوت کہ شرعی (قانونی) رکاوٹ نہ ہو تو ہر طرح کا تصرف ہو سکتا ہے۔ اس کی طاقت وکیل کو بھی ہوتی ہے مگر بلا واسطہ نہیں ہوتی بلکہ موکل کی عطا کردہ ہوتی ہے لہٰذا وکیل مالک نہیں کہلا سکتا۔'' (۲۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا موقف اس طرح ہے:

''آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے مقابلے میں اسے نفع اٹھانے کا حق زیادہ دیا گیا ہے۔''

۸۔ ایک اور مفہوم یہ ہے:

''کسی شے کا اس طرح ہونا کہ خود اس کے عوض استفادہ ہو سکے، مالک و مملوک کے مابین کوئی نسبت اور تسلط کی حالت ہو۔ کسی چیز کا ایک دوسری شے کے ساتھ مخصوص ہونا اور مالک کے مملوک پر محیط ہونے کا اعتبار ہونا شامل ہے۔'' (۲۳)

شرعی طریقہ جات (Methods of Shariah):

اب ہم ان طریقوں اور ذرائع کا مطالعہ کرتے ہیں جن کی وساطت سے حاصل کی جانے والی چیزیں کسی کی ملکیت قرار پاتی ہیں۔ ان کا اطلاق عام ہے مگر دو طرح کی اشیاء اصولی طور پر مستثنیٰ رکھی گئی ہیں:

۱۔ وہ مشترکہ یا اجتماعی اقسام دولت جو انفرادی ملکیت کے قابل نہیں قرار دی گئی ہیں مثلاً دریا، پہاڑ، عام سڑکیں وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۔ وہ حرام اشیاء جو کسی مسلمان کی ملک نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان کا صرف کرنا یا ان کی لین دین ان پر حرام ہے مثلاً شراب' سور اور اس کا گوشت وغیرہ۔

حصول ملکیت کے شرعی طریقے:

فقہائے اسلام نے حصول ملکیت کے شرعی طریقوں کو مختلف اسالیب پر مرتب کیا ہے جنہیں بیان کیا جاتا ہے:

(اول) مباح چیزوں پر قبضہ:

ایسی تمام اشیاء جو کسی کی ملک میں نہ ہوں اور جنہیں اسلامی قانون ذاتی ملکیت میں آنے کے قابل قرار دیتا ہو' انفرادی ملکیت میں لائی جا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ایسا کرنے میں ان خصوصی ضوابط کی بھی پابندی کی جائے جو مختلف اشیاء کو ذاتی ملک میں لانے کے بارے میں مقرر کیے گئے ہوں۔

بعض استثنائی حالات کو چھوڑ کر اس دفعہ کا اطلاق زیادہ تر ''احیاء اموات'' شکار اور شکار سے ملتے جلتے قبضہ ابتدائی پر ہوتا ہے۔ مستثنیٰ حالات میں حالت جنگ اور شدید اضطراری کیفیت شامل ہے۔ حالت جنگ میں اسلامی فوج کے سپاہی (مجاہد) کو اپنے مقتول کے جسم پر پائے جانے والے لباس' ہتھیار وغیرہ پر قبضہ کر لینے کا اختیار دیا گیا تھا جسے سلب کہتے ہیں۔ (۲۴) ایک انسان جو بھوک' پیاس یا اسی طرح کی بنیادی ضرورت کے تحت ایسے شدید اضطرار میں مبتلا ہو کہ جان چلی جانے کا اندیشہ ہو اسے آخری چارۂ کار کے طور پر' اپنی ضرورت کی ہر چیز کسی کے مال میں سے لے لینے کا حق دیا گیا ہے۔ اصولی اعتبار سے اور عملی نقطۂ نظر سے بھی' ان استثنائی حالات کی اہمیت زیادہ نہیں۔

ا۔ احیائے موات (Waste Lands):

شریعت کی اصطلاح میں ''موات'' کا اطلاق ان زمینوں پر ہوتا ہے جو ''آبادی سے باہر ہوں' کسی کی ملک میں نہ ہوں' نہ ان پر کسی کا کوئی مخصوص حق ہو..... آبادی سے باہر کی جو زمینیں آبادی والوں کے کام آتی ہوں' مثلاً چراگاہ یا ایندھن حاصل کرنے کی جگہ تو وہ موات نہیں سمجھی جائیں گی..... اسی طرح نمک' تیل' تارکول وغیرہ ایسی اشیاء کے علاقے جن کی ضرورت سارے مسلمانوں کو ہو' وہ بھی موات نہیں سمجھے جائیں گے۔ (۲۵)

وہ زمینیں بھی موات نہیں ہیں جن میں نمک' کول تار وغیرہ کی کھلی ہوئی کان پائی جائے کیونکہ یہ چیزیں مباح عام ہیں اور ان کی کانوں کو قبضہ کے ذریعے انفرادی ملکیت نہیں بنایا جا سکتا۔ (۲۶)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ایسی زمینوں کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

> ''کئی زمینیں جو نہ کسی کی ملک میں ہوں نہ کسی شہر یا گاؤں کے باشندے انہیں چراگاہ کے طور پر یا ایندھن حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہوں اور جو آبادی کی آخری حد سے کم از کم اتنے فاصلے پر واقع ہوں کہ ایک بلند آواز آدمی اگر وہاں کھڑا ہو کر پوری قوت سے چلائے تو بھی وہاں نہ سنائی دے۔'' (۲۷)

فقط یہی اہم نہیں کہ اس زمین پر کوئی دوسرا پہلے سے قبضہ نہ کر چکا ہو بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ ریاست نے اسے حمیٰ..... سرکاری کاموں کے لئے مخصوص..... تو نہیں قرار دے دیا ہے۔ (۲۸)

ریاست کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ اس طرح کی کوئی زمین کسی فرد یا ادارے کے لئے مخصوص کر دے۔ (۲۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کیا یہ بھی ضروری ہے کہ فرد کسی 'موات' زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے ریاست سے باقاعدہ اجازت حاصل کرے؟ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے۔(۳۰)

اجازت طلبی ضروری قرار دینے کا ایک اہم فائدہ یہ ہوگا کہ متعدد افراد کے ایک ہی قطعہ زمین پر قبضہ کی خواہش سے جھگڑے رونما ہونے کا امکان نہ باقی رہے گا۔(۳۱)

دور جدید کے حالات پر نگاہ کرتے ہوئے ہماری رائے یہ ہے کہ شافعی مسلک کے مطابق اس بات کو حکومت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ قبضہ کرنے والے کو احیاء کے لئے کتنی مدت تک موقع دیا۔(۳۲)

غیر مملوکہ افتادہ زمینوں کو کارآمد بنانے والے کے حق ملکیت کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث سے ملتا ہے جن میں سے ایک حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ اوپر فقہاء کے حوالہ سے جو دوسرے ضابطے نقل کئے گئے ہیں وہ بھی زیادہ تر حدیثوں سے ماخوذ ہیں۔

[عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: 'من امر ارضاً لیست لاحد فھو احق بھا' قال عروۃ قضیٰ بھا عمر فی خلافتہ]

''حضرت عائشہ صدیقہؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: 'جو کسی ایسی زمین کو آباد کرلے جو کسی کی ملکیت نہ ہو وہ اس کا حقدار ہے۔' عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔''(۳۳)

[عن سعید بن زید عن النبی ﷺ قال من احییٰ ارضًا میتۃ فھی لہ ولیس لعرق ظالم حق]

''سعید بن زید نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس نے کسی مُردہ زمین کو کارآمد بنالیا وہ اس کی ہوگئی اور ظالم کے لئے کوئی حق نہیں''۔(۳۴)

[موتان الارض للہ وللرسول ثم ھی لکم منی ایھا المسلمون]

''مردہ زمینیں اللہ کی اور اس کے رسول کی ملک ہیں۔ اس کے بعد اے مسلمانو یہ میری طرف سے تمہارے لئے ہیں۔''(۳۵)

۲۔ شکار کرنا (Hunting):

''افتادہ زمین کے علاوہ جنگلی مویشی اور گھاس پانی پر بھی اولین قبضہ سے انفرادی ملک بن جاتی ہیں''۔(۳۶)

قرآن نے خشکی اور سمندر میں پائی جانے والی حلال مخلوقات کے شکار کو رزق حلال کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی' چارہ اور آگ کو مباح عام اشیاء قرار دے کر ہر فرد کو اس بات کا حق دیا ہے کہ وہ بقدر ضرورت استعمال میں لانے کے لئے ان چیزوں کو اپنی ملکیت بنا سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

[الناس شرکاء فی الماء والکلاء والنار]

''سارے انسان پانی' گھاس اور آگ میں شریک ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[السلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار]

''سارے مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی' گھاس اور آگ میں۔'' (۳۷)

شکار کے ذریعے جانوروں پر قبضہ کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ بلا اجازت دوسروں کی مملوکہ زمین نہ استعمال کی جائے اور نہ ایسے جنگلات میں شکار کھیلا جائے جو ریاست نے سرکاری اغراض کے لئے مخصوص قرار دے دیئے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں ہر فرد کو ان ذیلی ضوابط کی پابندی کرنی ہوگی جو حکومت مصالح عامہ کے پیش نظر وقتاً فوقتاً وضع کرے۔

سمندر' دریا' جھیل اور تالاب وغیرہ پانی کے بڑے بڑے ذخیرے انفرادی ملکیت نہیں بن سکتے لیکن ہر فرد کو ان میں سے اپنی مختلف ضروریات مثلاً پینے اور آبپاشی کے لئے پانی حاصل کرنے کا حق ہے۔ جو پانی ان ذخیروں سے نکال کر محفوظ کر لیا جائے وہ ذاتی ملکیت بن جاتا ہے۔ کنوئیں کا پانی بھی اصلاً مباح عام ہے مگر کنوئیں کے مالک کو اردگرد کی زمینوں کی ملکیت کے سبب دوسرے افراد کو اپنی ضرورت کی حد تک روکنے کا حق حاصل ہے۔

ان پانیوں میں جو مچھلیاں یا دوسری قدرتی مخلوقات پائی جاتی ہیں' وہ بھی مباح عام ہیں۔ ہر مباح عام چیز کی طرح یہ بھی قبضہ کے ذریعے ذاتی ملکیت بنائی جاسکتی ہیں۔ بعض محققین کے نزدیک یہی اصول ذاتی طور پر تعمیر کرائے ہوئے حوض یا تالاب پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ (۳۸)

ایسے حالات میں جبکہ کسی مباح عام چیز تک پہنچنے کے لئے کسی کی زمین میں سے گزرنا ضروری ہو' زمین کے مالک کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر ضرورت مند کو مطلوبہ چیز کسی اور ذریعہ سے نہ مل سکتی ہو تو اسے مالک زمین کے منع کرنے کے باوجود مباح عام چیز کو حاصل کرنے کے لئے اس کی زمین پر سے گزرنے کا حق حاصل ہے۔ (۳۹) بعینہٖ یہی اصول گھاس اور خودرو چارے پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ (۴۰)

۳۔ معدنیات اور دفینے (رکاز) (Minerals & Hoardings):

پانی' آگ اور چارے وغیرہ کی طرح معدنی اشیاء کے وہ ذخیرے بھی مباح عام ہیں جو سطح زمین پر کھلے ہوئے پائے جائیں (یعنی معادن ظاہرہ) اور جن کے حصول میں زیادہ محنت کی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ نمک' تارکول' پارہ اور کیمیاوی خاصیتیں رکھنے والے معدنی پانی کے ذخیرے اسی ذیل میں آتے ہیں۔ ہر فرد کو ان ذخیروں سے استفادہ کا حق حاصل ہے جو فرد ان چیزوں کو جتنی مقدار میں نکال لے گا وہ قبضہ کی بنا پر ان کا مالک ہو جائے گا۔ البتہ خود یہ ذخیرے انفرادی ملکیت نہیں بنائے جاسکتے۔ یہی حیثیت سمندر میں پائے جانے والے موتی' مرجان اور دوسری قیمتی اشیاء کی بھی ہے۔ (۴۱)

ان معدنی ذخیروں کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے جو زمین کے اندر چھپے ہوئے پائے جاتے ہیں (یعنی معادن باطنہ) اور جن کے نکالنے میں کافی محنت اور اخراجات کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً سونے' چاندی' لوہے اور تانبے وغیرہ کی کانیں' حنفی' شافعی اور حنبلی مکاتب فقہ کی رائے یہ ہے کہ اگر یہ کانیں کسی شخص کی مملوکہ زمین میں پائی جائیں تو مالک زمین کی یا اس شخص کی ملکیت ہوں گی جس کو زمین کے مالک نے ان کے نکالنے کی اجازت دی ہو۔ اگر یہ کانیں غیر مملوکہ اور مباح عام زمینوں میں پائی جائیں تو اس شخص کی ملکیت ہوں گی جو ان کو دریافت کرے اور نکالے۔ تفصیلات میں اندرون مکاتب فقہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں قابل ترجیح رائے مالکی مکتب فقہ کی ہے جس کے مطابق زمین کے اندر پائی جانے والی کانیں اصلاً تمام مسلمانوں کی ملکیت ہیں اور ان کی مالک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختار اسلامی ریاست ہے۔(۴۲)

دفینوں سے مراد وہ سکے' سونے چاندی کے برتن' اسلحہ اور دوسرے قیمتی سامان ہیں جو زمین کے اندر دفن کئے ہوئے پائے جائیں۔ اگر قرائن سے یہ ثابت ہو جائے کہ دفینہ اسلامی دور حکومت سے پہلے کا ہے اور اس کا مالک کوئی مسلمان یا ذمی نہیں تھا تو وہ پانے والے کی ملکیت بن جائے گا' بشرطیکہ اس نے اسے اپنی مملوکہ زمین میں یا کسی ایسی زمین میں پایا ہو جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔ مملوکہ زمین میں پائے جانے والے دفینے زمین کے مالک کی ملکیت قرار پائیں گے۔(۴۳) دفینہ اگر ریاست کی کسی زمین میں پایا گیا ہے تو وہ ریاست کی ملکیت قرار پائے گا۔

اگر سکے اسلامی دور کے ہوں یا قرائن سے یہ ثابت ہو جائے کہ مال مدفون کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت تھا تو وہ لقطہ قرار پائے گا اور پانے والے کی ملکیت میں نہیں داخل ہوگا۔(۴۴)

اگر دفینہ کی حیثیت مشتبہ ہو اور قرائن سے اس بات کا فیصلہ نہ کیا جا سکے کہ وہ کس دور کا ہے اور کس کی ملکیت ہے تو ایک رائے یہ ہے کہ اسے غیر اسلامی دور کا دفینہ قرار دے کر زمین کے مالک کی' یا غیر مملوکہ زمین میں اسے پانے والے کی' ملکیت قرار دیا جائے اور دوسری رائے یہ ہے کہ اسے اسلامی دور کا مال سمجھ کر لقطہ قرار دے دیا جائے۔(۴۵)

(دوئم) جائیداد کی منتقلی بذریعہ معاہدہ:

حصول ملکیت کا دوسرا شرعی طریقہ کسی مملوکہ چیز کا شرعاً درست معاہدہ کے ذریعے مالک سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونا ہے۔ یہ انتقال بالعوض بھی ہو سکتا ہے اور بلا عوض بھی۔ اس طرح کے انتقال ملکیت کی ایک عام شکل تجارتی سودے کی ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی ملکیت فروخت کنندہ سے خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ دوسری شکل ہبہ کی ہے۔ ایک فرد کو دوسرے فرد' ادارے یا ریاست کی جانب سے عطیہ مل سکتا ہے۔ اسی کی ایک شکل وصیت بھی ہے جس کے ذریعے مالک کے مرنے کے بعد متعلقہ ملکیت اس شخص کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو۔

وصیت کے علاوہ ایسے سب معاہدوں میں طرفین کی رضامندی شرط ہے۔ یہاں ہمیں ان تفصیلی ضوابط کا جائزہ نہیں لینا ہے جو تجارتی سودے' ہبہ یا وصیت کے سلسلہ میں اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ ان ضابطوں کا منشاء یہ ہے کہ معاملہ جبر و اکراہ' دھوکا فریب اور ابہام و لاعلمی سے پاک ہو اور کوئی فریق دوسرے کا استحصال نہ کرے۔ ایسے ضابطے مقرر کئے گئے ہیں کہ ایک فریق دوسرے فریق کے بھولے پن' کمزوری و بے بسی' شدت احتیاج اور ناواقفیت سے بے جا فائدہ نہ اٹھا سکے۔

چند حالات میں انتقال ملکیت کا معاملہ جبراً بھی کرایا جا سکتا ہے۔ اس کی نمایاں ترین مثال حق شفعہ کی ہے۔ مالک اگر اپنی غیر منقولہ جائیداد مثلاً مکان' کھیت' باغ وغیرہ فروخت کر رہا ہو تو اس کی خریداری کا اولین حق شریک یا پڑوسی کو پہنچتا ہے۔(۴۶)

وہ مالک کو مجبور کر سکتا ہے کہ اگر اسے جائیداد فروخت کرنا ہے تو دوسرے خریداروں پر اسے ترجیح دے۔ مالکی فقہ میں بعض منقولہ املاک کے سلسلہ میں بھی شفعہ کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن حنفی فقہ کے مطابق اس کا اطلاق صرف غیر منقولہ املاک پر ہوتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حق پڑوسی کو نہیں۔ صرف شریک کو پہنچتا ہے۔(۴۷)

شریک اسے کہتے ہیں جو متعلقہ جائیداد' سامان یا جانور کے ایک حصہ کا مالک ہو اور ابھی بٹوارہ نہ ہوا ہو' یا خود وہ چیز ناقابل تقسیم ہو۔ حنفی مسلک کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے جن کا مطالعہ مآخذ سے کیا جا سکتا ہے۔ شریک کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس حق کا ثبوت دوسرے قوانین میں بھی ملتا ہے مگر پڑوسی کو حق شفعہ دینا اسلامی فقہ کا خصوصی امتیاز ہے۔

معاہدۂ بیع میں جبر و اکراہ کا دخل ایسے حالات میں بھی جائز ہے جب ریاست اجتماعی ضروریات کے لئے کسی ذاتی ملک کے حصول پر مجبور ہو۔

(سوئم) وراثت (Inheritance):

انتقال ملکیت کی ایک شکل خونی رشتہ کی بناء پر ملکیت کا ایک شخص سے دوسرے فرد کی طرف منتقل ہونا ہے۔ انتقال ملکیت کی اس صورت کو پچھلی شکلوں سے ممتاز کرنے والی چیز یہ ہے کہ اس میں مالک کی رضامندی شرط نہیں ہے۔ یہ انتقال مالک کی مرضی سے قطع نظر بلکہ بعض اوقات اس کے علی الرغم شارع کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ جس نے ان رشتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جن کے پائے جانے پر مرنے والے کی ملکیت کے مقررہ حصے متعین افراد کو منتقل ہوں گے۔ وراثت کا ضابطہ قرآن کریم میں سورۂ نساء میں ملتا ہے اور اس کی مزید تشریح سنت نے کر دی ہے۔ ضابطۂ میراث کے مطابق ایک فرد کو اس کے ماں باپ اور دوسرے قریبی اعزہ کے انتقال پر ان کی ملکیت کا ایک حصہ مل جاتا ہے۔ متوفی (Deceased) کی ملکیت کی اس قانون کے مطابق تقسیم لازمی ہے اور بجز ایک تہائی ملکیت کی حد تک وصیت کا اختیار استعمال کرنے کے مالک اس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا۔ بعض مغربی ممالک کے توریث اولاد اکبر کے قانون کے برخلاف یہ ضابطہ مرنے والے کی جائیداد کو عموماً متعدد افراد کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوتے ہیں۔

۱۔ قبضہ و استعمال کا حق (Right of Possession and Use):

اسلام میں ہر مالک اپنی جائیداد استعمال میں لا سکتا ہے۔ یہ استعمال اپنے مفاد کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور دوسروں کے فائدے کے لئے بھی۔ خدا نے اشیاء کائنات پیدا ہی اسی لئے کی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ حاصل کرے۔ قرآن کریم نے بار بار انسان کو اس بات پر ابھارا ہے کہ کائنات میں پھیلی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور ان کو اپنی دنیوی اور اخروی کامیابی کے لئے ذریعہ کے طور پر استعمال کرے۔ استعمال کی بے شمار صورتیں ہوتی ہیں' ان طریقوں کی تخصیص و تحدید نہیں کی جا سکتی۔ شریعت نے صرف چند حدود متعین کر دیئے ہیں' ان حدود کے اندر رہتے ہوئے مالک کو اپنی ہر خواہش کی تسکین اور غرض کی تکمیل کے لئے اپنی ملکیت کو استعمال میں لانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

حق تصرف حق استعمال کا لازمہ ہے۔ اپنی قدرتی (پیدائشی) حالت میں اشیاء جس شکل میں پائی جاتی ہیں ان میں ترمیم و تبدیلی عمل میں لا کر انسان اسے زیادہ مفید مطلب بنا لیتا ہے۔ وہ سارے تصرفات اصولاً درست ہیں جن کا منشاء اپنی مملوکہ چیز کو زیادہ مفید مطلب بنانا ہو۔ اس حق کا اطلاق منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اور ذی روح اور غیر ذی روح ہر طرح کی املاک پر ہوتا ہے۔ ان تصرفات کی بھی کوئی انتہا نہیں' انسان کی جدت پسند طبیعت ہر دور میں نئی ہیئتیں تلاش کر لیتی ہے۔ اسے اس کی پوری آزادی ہے کیونکہ اشیاء کائنات اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہیں۔ البتہ ان تصرفات کو شریعت کے متعین کردہ حدود کے اندر ہونا چاہئے۔

۲۔ سرمایہ منافع بخش کاروبار میں لگانا:

ہر مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی املاک کو مزید نفع کمانے اور اس طرح انہیں اپنی ملکیت میں اضافہ کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے استعمال کرے۔ اس مقصد کے تحت اپنی ملکیت کے ذریعے خود کوئی پیداآور کاروبار کرسکتا ہے اور کسی دوسرے کاروباری کے واسطہ سے بھی اپنا منشا پورا کرسکتا ہے۔ اسلام نے اس حق کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے۔

سرمایہ یا مال و جائیداد کو تجارتی، صنعتی یا زرعی کاروبار میں لگانے کے علاوہ اپنی منقولہ یا غیر منقولہ املاک کو کرایہ پر دینا بھی نفع آور کاروبار کی ایک جائز شکل قرار دیا گیا ہے۔

ملکیت کے ذریعے نفع کمانے کا حق سخت ترین اعتراضات کا ہدف بنایا گیا ہے۔ اوپر ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ بعض مفکرین ملکیت کا حق تسلیم کرتے ہیں مگر اس مخصوص حق کا انکار کرتے ہیں۔ انفرادی ملکیت کو ختم کر کے اجتماعی ملکیت کا نظام قائم کرنے کی تجویز بھی اس مخصوص حق کو ختم کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس حق پر قدرے تفصیلی گفتگو کریں۔ ہم یہ واضح کریں گے کہ اسلام کن دلائل کی بناء پر نفع اور کرایہ کو درست سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک منافع (Profit) اور کرایہ (Hire) کا تصور کیا ہے۔ یاد رہے کہ اسلام نے سود (Interest) کو ممنوع قرار دیا ہے۔

منافع (Profit):

نفع کمانے کا ذریعہ زیادہ تر مالک کا نقد سرمایہ ہوتا ہے۔ تاریخی طور پر نقد سرمایہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کی چار صورتیں بتائی گئی ہیں:

۱۔ اپنے سرمایہ سے خود کاروبار کرنا اور اس سے ہونے والے منافع کو اپنا سمجھنا ہے۔

۲۔ کسی کاروبار میں سرمایہ کے ساتھ شریک ہو جانا اور نفع میں طے شدہ نسبت کے مطابق حصہ دار بننا ہے۔

۳۔ خود کاروباری عمل میں حصہ نہ لینا بلکہ سرمایہ کو اس شرط پر کسی فرد کے حوالے کرنے سے منافع کا حصہ لینا ہے۔

۴۔ سرمایہ کو ایک متعین شرح سود پر قرض دینا بھی شامل ہے۔

اولیں صورت میں نقد سرمایہ کے علاوہ ملکیت کی دوسری قسمیں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ سرمایہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کی بعض جدید شکلیں مثلاً کمپنیوں کے حصے خریدنا، یا سرکاری بانڈ (Bonds)، تمسکات (Securities) یا بچت کے سرٹیفکیٹ (Savings Certificates) وغیرہ ہیں۔

مالک کے چند حقوق (Several Rights of Owner):

اسلام میں کسی جائیداد کے مالک کو چند حقوق دیئے گئے ہیں اور وہ انہیں بغیر کسی رکاوٹ (Restraint) کے ان سے استفادہ کرسکتا ہے البتہ اسے کئی اصولی ہدایات پر عمل درآمد کرنا پڑے گا۔ روایتی معاشیات کے برعکس مالک کو شتر بے مہار کی طرح آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جو چاہے کرتا پھرے۔ املاک سے جائز صورت میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ درحقیقت حق ملکیت مختلف حقوق کا مرکب (Mixture) یا مجموعہ ہے۔ ان حقوق کا آئندہ صفحات میں جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ چار حصوں میں منقسم کئے گئے ہیں۔

کاروبار کرنے کی کچھ یہ صورتیں ہیں:

(الف) شرکت (Partnership):

سرمایہ کے نفع آور استعمال کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک فرد اپنے سرمایہ کے ساتھ دوسرے فرد یا افراد سے مل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کر کاروبار کرے۔ کاروبار میں ہر شریک سرمایہ اور کاروباری جدوجہد دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ اس شکل میں نفع اور نقصان میں ہر شریک پہلے سے طے شدہ نسبت کے مطابق حصہ دار ہوگا۔ یہ شرکت کی سادہ ترین شکل ہے۔

اس شکل میں اور ذاتی کاروبار کی شکل میں ہونے والے نفع کے اندر اصولاً کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ اس لئے اس شکل میں نفع کے وقوع اور اس کے استحقاق پر علیحدہ گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

شرکت سے متعلق تفصیلی قانونی بحثوں کا مطالعہ اسلامی فقہ کی کتابوں کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ تفصیلات میں مختلف فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہے اس کی نشاندہی یا اس پر بحث ہمارے لئے ضروری نہیں۔ ذیل میں ہم صرف بعض اہم باتوں کا ذکر کریں گے۔

اگر دو فریق برابر سرمایہ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوں تو امام مالک اور شافعی کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ دونوں نفع اور نقصان میں برابر برابر شریک ہوں۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ غیر مساوی نسبتیں بھی طے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر چہ ان کا سرمایہ برابر ہے لیکن کاروباری صلاحیتوں اور عملی جدوجہد کے اعتبار سے دونوں افراد کے درمیان فرق ممکن ہے۔ شرکت کی اس عام شکل کو فقہی اصطلاح میں شرکت العنان کہا جاتا ہے۔ اس شکل میں شرکاء کی ذمہ داری (Liability) سرمایہ میں ان کے حصوں کی نسبت سے متعین ہوتی ہے۔ (۴۸)

شرکت کی ایک اختلافی شکل شرکت المفاوضہ ہے۔ شرکاء اپنے تمام سرمایہ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہوتے ہیں، لیکن ان سرمایوں کا باہم مساوی ہونا ضروری ہے۔ خسارہ کی شکل میں شرکاء کی ذمہ داری غیر محدود (Unlimited Liability) ہوتی ہے۔ نفع کی شکل میں ہر شریک کو برابر برابر حصے ملتے ہیں۔ شرکت کی اس شکل کو صرف فقہ حنفی میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔ (۴۹)

(ب) مضاربت (Mudarabat):

سرمایہ کو نفع آور کاروبار میں لگانے کی تیسری شکل یہ ہے کہ مالک اپنا سرمایہ کسی کاروباری فرد کے سپرد کر دے۔ صاحب سرمایہ صرف سرمایہ فراہم کرے اور کاروباری فریق اسی سرمایہ کے ذریعے کاروبار چلائے۔ یہ مضاربت کی سادہ ترین شکل ہے جس میں ایک شریک صرف سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا صرف کاروباری جدوجہد کرتا ہے، سرمایہ نہیں لگاتا۔

کاروبار میں نفع ہوگا تو دونوں فریق اس نفع میں طے شدہ نسبتوں کے مطابق حصہ دار ہوں گے۔ کاروبار میں نقصان ہوگا تو اس کو سرمایہ لگانے والا برداشت کرے گا، کاروباری فریق کو صرف یہ نقصان ہوگا کہ اسے اپنی سعی و جہد کا کوئی صلہ نہ مل سکے گا۔ کسی فریق کے حق میں بہر صورت کسی متعین رقم کی ادائیگی کا معاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ سرمایہ فراہم کرنے والا یہ شرط نہیں پیش کر سکتا کہ نفع ہو یا نقصان اسے ایک متعین رقم ضرور ملنی چاہئے۔ اسی طرح کاروباری جدوجہد کرنے والا فریق یہ شرط نہیں طے کر سکتا کہ نفع ہو یا نقصان اسے ایک متعین رقم ملنی چاہئے۔ البتہ نفع کی تقسیم کے لئے دونوں فریق باہمی رضامندی سے جو تناسب بھی چاہیں مقرر کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ جائیداد منتقل کرنے کا حق (Right of Transferring Property):

ہر مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت کسی دوسرے کو منتقل کر دے۔ یہ انتقال ملکیت کسی دوسری ملکیت (مثلاً نقد سرمایہ یا جائیداد وغیرہ) کے عوض بھی ہو سکتا ہے اور بلا عوض بھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملکیت کو منتقل کر سکنے کا اختیار حق ملکیت کا ایک اہم جزو ہے۔ یہ حق اس مقصد سے بھی ہم آہنگ ہے جس کے لئے انسانوں کو مالکانہ حقوق عطا کئے گئے ہیں۔ اس حق کے استعمال سے ملکیت کے فوائد مالک سے کسی ایسے فرد یا ادارے کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جسے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود مالک کو اس کا معاوضہ یا اس کے بلاعوض دینے کی شکل میں اس سے حاصل ہونے والا اُخروی ثواب یا دوسرے دنیوی فوائد اس ملکیت سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ حق ملکیت کا منشاء ان اغراض کی تکمیل ہے جو زندگی کو قائم رکھنے اور اسے بہتر بنانے کے جذبہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ منشا انتقال ملکیت کے حق کے بغیر نہیں پورا ہو سکتا۔

کسی شے کی فروخت یا ہبہ یا وصیت کے ذریعے اس کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے کی شکل میں اصل چیز کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس کرایہ پر دینے، عاریت کے طور پر دینے اور ایک اعتبار سے وقف کی شکل میں اصل چیز کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی بلکہ اس چیز کے فوائد استعمال دوسرے کی ملک بن جاتے ہیں۔ کرایہ پر دینے اور عاریت کی شکل میں عارضی طور پر اور وقف میں مستقل طور پر۔ ان شکلوں کو ہم ملکیت کے جزئی انتقال سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جزئی انتقال ملکیت کو ایسی شرائط کا پابند نہیں بنایا جا سکتا جو منتقل کردہ فوائد ملکیت کی نفی کے ہم معنی ہوں مثلاً مکان کرایہ پر دیا جائے اور یہ شرط لگا دی جائے کہ کرایہ پر لینے والا اس میں نہ رہ سکے گا۔

بغیر معاوضہ انتقال ملکیت، یعنی ہبہ سے عموماً اہم انسانی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے۔ دین اسلام نے کمزوروں کی مدد اور سماجی اغراض کی تکمیل کے لئے ایسا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ حق بستر مرگ پر ساقط ہو جاتا ہے۔ (۵۰)

کسی انسان کی موت کا قریب آ جانا اس کی ملکیت کی حیثیت میں ایک بنیادی تبدیلی کا پیش خیمہ ہے کیونکہ موت کے بعد اس کی ملکیت اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہوگی بلکہ قوانین میراث (Inheritance) کی رُو سے منقسم کی جائے گی۔ چنانچہ بستر مرگ (Death Bed) پر اعلان کردہ ہبہ کو وصیت (Will) قرار دیا جائے گا اور اسے ترکہ کے تیسرے حصہ پر لاگو کیا جائے گا۔

۴۔ محافظت کا حق (Security Right):

ہر مالک کو اپنی جائیداد کی حفاظت کرنے اور دوسروں کو ان پر دست اندازی سے روکنے کا حق حاصل ہے۔ یہ حق ملکیت کے حق کے اولین لوازم میں سے ہے۔ حق ملکیت کو مؤثر اور حقیقی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مالک کو اس بات کا اختیار حاصل ہو کہ وہ دوسرے افراد کو بغیر کسی حق کے اس میں مداخلت کرنے سے روک سکے۔ البتہ جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے، اس حق کا استعمال اس حد تک مناسب ہے جس حد تک اپنی ملک سے خود استفادہ کرتے رہنے کے لئے ضروری ہو۔ صرف مالکانہ ذہنیت، خودغرضی اور مردم بیزاری یا مردم آزاری کے جذبہ کے تحت ایسا کرنا ایک غیر معقول بات ہے۔

اسلام نے مالک کے حق تحفظ کو واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اس حق کے استعمال کو بعض حالات میں ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ اہم مقاصد اور مصالح ضائع نہ ہو جائیں جو ملکیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اپنی ملکیت کی حفاظت کے لئے انسان اپنی جان تک دے سکتا ہے جو خود اللہ کی ایک مقدس امانت ہے۔ اپنی ملکیت کی حفاظت میں مارا جانے والا شہادت کا درجہ پاتا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

[عن عبداللہ بن عمرو قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من قتل دون مالہ فھو شھید]

''عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔''(۵۱)

[عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الیٰ رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ ارأیت ان جاء رجل یرید اخذ مالی قال فلا تعطہ مالک قال ارأیت ان قاتلنی قال قاتلہ قال ارأیت ان قتلنی قال فانت شھید قال ارأیت ان قتلتہ قال ھو فی النار]

''ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ کی کیا رائے ہے اگر میرے پاس کوئی آدمی میرا مال چھیننے کے ارادہ سے آئے؟ آپؐ نے فرمایا: تو تم اس کو اپنا مال نہ دو۔ اس نے کہا اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ آپؐ نے فرمایا تو تم شہید ہو گے۔ اس نے کہا کہ اگر میں اس کو قتل کر دوں تو آپؐ کی کیا رائے ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گا۔''(۵۲)

تصرف اور استعمال حق پر پابندیاں

(Limitations on Possession, Utilization Right)

اسلام میں اس بات کی کھلی رخصت نہیں دی گئی کہ جائیداد کو جس طرح جی کرے استعمال میں لایا جائے اور زیر قبضہ رکھا جائے بلکہ اس ضمن میں چند قدغنیں (Constraints) عائد کی گئی ہیں تا کہ بے اصولی نہ ہونے پائے۔

یہ حدود و قیود نیچے آ رہی ہیں۔

ا۔ مال ضائع نہ کرنا:

اسلامی تصور ملکیت کا اولین تقاضا ہے کہ فرد کو اپنی ملکیت کے ضائع کرنے کا اختیار نہ دیا جائے۔ ملکیت مالک حقیقی کی امانت ہے اور امین کو امانت کے ضائع کر دینے کا حق نہیں۔

پھر انسان کو حق ملکیت دینے کا منشا یہ ہے کہ وہ اسے اپنے مقاصد حیات کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ اضاعت مال اس منشاء کے منافی ہے لہٰذا پروردگار عالم نے انسان کو ایسا کرنے کا حق نہیں دیا ہے۔

قرآن کریم نے مال تلف کرنے کو فساد سے تعبیر کیا ہے اور فساد پیدا کرنے کو حرام قرار دیا ہے:

﴿وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَ یُھْلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ﴾(البقرہ:205)

''اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں اس لئے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے..... حالانکہ اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صراحت فرما دی ہے کہ مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے:

[قال و کان ینھی عن قیل و قال، و کثرۃ السوال و اضاعۃ المال و منع وھات، و عقوق الامھات و وأدالبنات](۵۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(راوی) نے کہا کہ آپ ﷺ قیل وقال کرنے' بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے (۵۴) مال کو ضائع کرنے' خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے' ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

[سمعت النبی ﷺ یقول: ان اللہ کرہ لکم ثلاثا: قیل و قال و اضاعۃ المال و کثرۃ السوال](۵۵)

''(مغیرہ بن شعبہ نے کہا) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''اللہ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے قیل وقال کرنا' مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔''

''اضاعت مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنا اور تلف بے جا کے حوالہ کرنا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے ہم معنی ہے اور اللہ فساد پیدا کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کر دے گا تو کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔''

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مال واملاک انسانی زندگی کا سہارا ہیں۔ اس سہارے کو غلط طریقہ سے ضائع کرنا پوری انسانیت کی حق تلفی اور اس پر ظلم کے مترادف ہے۔ مفید اشیاء کی تباہی انسانیت کا مشترکہ نقصان ہے۔

۲۔ مال کے ناجائز خرچ سے منع کرنا:

اسلام میں مال کو غیر شرعی کاموں پر لگانے سے روکا گیا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ مجرم گردانا جائے گا جیسا کہ مے نوشی' زنا کاری' قحبہ گری' جوئے بازی' تخمین سازی' ریچھ کتے لڑانا' شرطیں لگانا اور دیگر محرمات پر رقم صرف کرنا بالکل ممنوع ہے۔ فقط دکھاوے (Showness) اور اظہار امارت کے لئے خرچ کرنا بھی غیر مناسب ہے۔

۳۔ فضول خرچی:

اس کے لئے شرعی اصطلاح اسراف بولی جاتی ہے۔ جس کا اطلاق ہر ایسے فعل پر ہوتا ہے جو صحیح انسانی و اسلامی طرز عمل سے ہٹا ہوا ہے۔ عمداً اور بلا مزید ضرورت کے زائد مقدار میں مال یا رقم لگانا اس کے زمرے (Category) میں آتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس سے روکا گیا ہے۔

۴۔ عیش وعشرت کی ممانعت:

دین حق کی منشاء یہ ہے کہ لوگ اپنی چہار روزہ یعنی عارضی زندگی کو پُرتنعم اور پُرعیش نہ بنائیں۔ یعنی خاص حدود کو عبور نہ کریں بلکہ درمیانی راہ اختیار کرنے کی زبردست تلقین کی جاتی ہے۔ افراط وتفریط سے اجتناب برتنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ اگرچہ مال ودولت قیام زیست کے لئے ہی ہیں مگر پاک وصاف زندگی گزارنے کے چند ضوابط بھی بتائے گئے ہیں۔ ان کی خلاف ورزی قابل مواخذہ ہے۔ لہٰذا بے جا عیش وعشرت پر رقوم اڑانا منع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انفرادی ملکیت کا تصور

اسلامی تصور ملکیت:

اسلام نے یہ تصور دیا ہے کہ کائنات کی کوئی چیز اس کا ایک حقیر ذرہ بھی اصلاً انسان کی ملک نہیں ہے۔ دوسرے شیاء کا کیا ذکر خود اپنی ذات پر بھی انسان کو اس قسم کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں۔ اس کے مالکانہ حقوق جن چیزوں پر بھی ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے ہیں۔ اس کی اپنی جان، جسم اور قوتیں، زمین، اور گھر بار، اس کا سارا مال، اس کی تمام املاک اللہ کی طرف سے امانۃً سپرد کی گئی ہیں۔

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (المؤمنون: 84-82)

''پوچھئے کہ زمین اور اس کی ساری موجودات کس کی ملک ہیں۔ بتاؤ اگر تمہیں علم ہو، وہ جواب دیں گے سب کچھ اللہ کا ہے۔ پوچھئے کہ ساری چیزوں کی حکمرانی کس کے ہاتھ میں ہے؟''۔

نیز فرمایا:

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ○ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ○ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ﴾ (الواقعہ: 72-63)

''تم نے اپنی کھیتی پر غور کیا ہے؟ اسے تم لگاتے ہو یا اس کے اصل اُگانے والے ہم ہیں؟ تم نے اُس آگ پر غور کیا ہے جسے تم سلگاتے ہو؟ اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟''۔

ارشاد فرمایا:

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرہ: 284)

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے''۔

یہ آیات واضح طور پر آگاہ کرتی ہیں کہ انسان کے پاس جو مال و املاک ہیں اُن کا اصل مالک اللہ ہی ہے۔ انسان محض نائب کے طور پر ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے ہی ہے کہ نائب کا تصرف اُنہی حدود کے اندر اور الٰہی مقاصد کے تحت ہونا چاہیے جو مالک حقیقی نے مقرر کر دیے ہوں۔ نائب کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل مالک نے دیئے ہوں اور اسے ان ذمہ داریوں کو بھی ادا کرنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے حقوق ملکیت کے ساتھ انسانوں پر عائد کی ہوں۔ اس فکر کا تقاضا ہے کہ انسان کے مالکانہ حقوق مطلق اور بے قید نہیں بلکہ محدود اور مقید ہوں۔ مالکانہ کے تصرف کے باب میں خود کو پوری طرح آزاد سمجھنا گمراہ قوموں اور بگڑے ہوئے افراد کا شعار ہے۔ قرآن متعدد ایسے افراد اور قوموں کے کردار سامنے لاتا ہے جو خود کو مختار کل سمجھ بیٹھے اور اس طرح اپنے اللہ کو حریف اور مدمقابل بنانے کی جرأت کی۔ اس طرح کی ایک بہکی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت یہ کہہ کر رد کی تھی کہ

''انہوں نے کہا اے شعیب (علیہ السلام) کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو''۔ (ہود: 87)

حقوق ملکیت میں اس بے قیدی کا مظاہرہ اپنے مزاج کے اعتبار سے شرک کے مترادف ہے اور استکبار کی اس روش کا انجام جہنم ہے۔ سورۂ قلم میں اصحاب الجنہ کا واقعہ اور سورۂ کہف میں اس سے متعلق تمثیل لا کر قرآن ہمیں اسی حقیقت پر متنبہ کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کی کہانی سنا کر وہ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ دنیوی مال و متاع کو الٰہی ہدایت سے بے نیاز ہو کر برتنے کا انجام بہت برا ہے۔ احادیث نبویہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو واقد اللیثیؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب نبی ﷺ پر وحی نازل ہوئی تھی تو ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور آپ ہمیں قرآن سناتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

''ہم نے مال اس لیے دیا ہے کہ نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ ادا کی جائے۔ ابن آدم کی حرص کا یہ عالم ہے کہ اس کے پاس اگر ایک چراگاہ ہو تو وہ چاہے گا کہ ایک اور مل جائے۔ اور اگر اس کے پاس دو چراگاہیں ہوں تو وہ چاہے گا کہ اُن سے ساتھ ایک اور بھی ہو۔ ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی سے بھر سکتا ہے۔ پھر جو توبہ کرے گا اور باز آجائے گا اللہ اسے معاف کر دے گا''۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

[نعم العون على تقوى الله المال](۵۶)

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے میں مال بڑا اچھا مددگار ہے''۔

مال و املاک کی صحیح حیثیت یہی ہے کہ وہ صالح طریقہ سے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

[لمن اخذه بحقه و وضعه في حقه فنعم المعونة هو](۵۷)

''پس جو اس کو جائز طریقہ سے کمائے اور حق کے مطابق خرچ کرے تو اس کے لیے بہت اچھا مددگار ہے''۔

ا۔ انفرادی ملکیت کا حق:

اس کے باوجود اسلام انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ ایسی انفرادی ملکیت کو اس نے اپنے نظام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ پھر وہ اس حق کو تسلیم کرنے پر مرتب ہونے والے لازمی نتائج کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً حق دار کے حق کی حفاظت اور اُسے چوری، ڈاکہ، لوٹ مار وغیرہ کی تمام شکلوں سے محفوظ رکھا۔ ساتھ ہی وہ اس بات کو بھی غلط قرار دیتا ہے کہ بغیر کسی اجتماعی ضرورت اور بغیر پورا معاوضہ دیے ہوئے کسی کی ملکیت چھین لی جائے۔ اس تحفظ کی عملی طور پر ضمانت وہ دست اندازی کی ان تمام شکلوں پر سخت سزائیں مقرر کر دیتا ہے۔ ساتھ ہی وہ اصلاحی ہدایات اپنی جگہ پر ہیں جن کے ذریعہ وہ نفس کو ان چیزوں کی طرف لپکنے سے روکتا ہے جو اس کی اپنے پاس نہیں بلکہ دوسروں کی ملک ہیں۔ اسلام نے اپنے ذاتی ملکیت کے دوسرے لوازم بھی تسلیم کئے ہیں۔ یعنی اپنے مال میں تجارت، اجارہ، رہن، ہبہ اور ایسے تصرفات کی ان تمام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکلوں کا پورا پورا حق جو حلال ہوں اور ایسے تصرفات کے لیے اسلام نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کے اندر رہوں۔

۲۔ حق ملکیت کے دلائل:

اسلام میں حق ملکیت کے تسلیم کئے جانے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ بات بھی شبہ سے بالا ہے کہ یہ حق اسلامی طرز زندگی کا ایک بنیادی اصول اور اسلام کے اقتصادی نظام کی اساس ہے۔ یہ ایسا بنیادی اصول ہے جس کی خلاف ورزی صرف ضرورت کی صورت میں ضرورت کی حد تک ہی کی جاسکتی ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ (النساء:32)

''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ خود کمائیں''۔

﴿وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ﴾ (النساء:20)

''یتیموں کا مال ان کے حوالے کر دو اور بڑی چیز کو اچھی چیز سے بدل نہ لو''۔

قرآن میں فرمایا:

''رہی دیوار تو وہ اسی شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا، اُن کا باپ ایک صالح آدمی تھا۔ پس تیرے رب کی مشیت یہ ہوئی کہ وہ دونوں لڑکے پختہ عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ برآمد کر لیں۔ یہ تیرے رب کی طرف سے کرم فرمائی تھی''۔ (الکہف:82)

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ کشتی یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ:

[ومن قتل دون ماله فهو شهيد] (۵۸)

''جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے''۔

چوری کی سخت سزا، اس حق کے احترام اور اس پر دست درازی کی ممانعت کی کھلی دلیل ہے۔

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ (المائدہ:38)

''چوری کرنے والے مرد یا عورت کا حکم یہ ہے کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں اس جرم کے بدلے جس کے وہ مرتکب ہوئے اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر''۔

چھینا جھپٹی حرام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو کسی دوسرے کی زمین کا تھوڑا سا حصہ بھی غصب کرے گا ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا''۔ (۵۹)

انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرنا اور اس کا تحفظ محنت اور بدلہ کے درمیان عدل قائم کرنے کا کام کرتا ہے۔ اس طور پر فطرت سے ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور نفس انسانی میں راسخ میلانات کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں۔ وہ میلانات جن کی اسلام نظامِ اجتماعی کی تشکیل میں پوری پوری رعایت ملحوظ رکھتا ہے۔ ساتھ ہی ایسا کرنا جماعتی مصالح سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ کیونکہ یہ فرد کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ زندگی کی ترویج و ترقی کے لیے جو کچھ بھی اُس کے بس میں ہو کر گذرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید براں حق ملکیت افراد میں وہ آزادی اور عزت نفس پیدا کرتا ہے اور ان کی شخصیت کو اس انداز پر نشو و نما دیتا ہے کہ وہ اس دین کے علم بردار بن کر رہیں، منکر کی روک تھام کرنے اور حکمران کا احتساب کرتے ہوئے اس کو نصیحت کرنے کے قابل ہو سکیں بغیر اس کے کہ انہیں اس بات کا اندیشہ لاحق رہے کہ ان کی روزی نہ چھن جائے۔ جیسا کہ روزی کے حاکم کے ہاتھوں میں رہنے سے لازم آتا ہے۔

۳۔ انفرادی ملکیت کے غایات و مقاصد:

اپنی اولاد سے محبت اور اپنی محنت کے ثمرات ان کو ورثہ میں منتقل کر جانے کی خواہش بھی بالکل فطری ہے۔ آدمی جو مال ان کے لیے بچا رکھتا ہے وہ محنت ہی ہے جسے مال کی صورت میں جمع کر کے رکھا گیا ہے۔ اور اپنی زندگی میں اپنے آرام و آسائش کا ذریعہ بنانے کے بجائے اپنی اولاد کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے لیے رکھ چھوڑا گیا ہے۔ ان فطری میلانات کا ساتھ دینے اور ان کے تقاضے پورے کرتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ تاکہ انسان محنت اور پیدائش دولت کی مہم میں اپنی ہی ضروریات کی خاطر اور اپنے ہی ذوق و شوق کے تحت پورے کوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھے اور اس میں اپنی پوری طاقت صرف کر دے۔ حالانکہ وہ کسی طرح بھی کود کو محنت کرنے پر مجبور نہ پاتا ہو۔ ناپسندیدگی اور مایوسی کے جذبات اس کے پاس پھٹکیں۔ اس کی کدوکاوش کا حاصل بالآخر جماعت کے حصہ میں آئے گا۔

مزید برآں قرآن مجید میں حضرت محمد ﷺ کے علاوہ متعدد دوسرے انبیاء کی دعوت اور ان کی اصلاحی سرگرمیوں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ مگر ہمیں یہ نہیں نظر آتا کہ کسی نبی نے زمین یا دوسرے ذرائع پیدائش کی ذاتی ملکیت کیا صولی طور پر نفی کی ہو۔ خلافت راشدہ میں جب کتاب و سنت کی روشنی میں اسلامی قوانین کی تربیت و تدوین عمل میں آئی تو اس میں اشیاء استعمال اور ذرائع پیدائش دونوں پر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کیا گیا فقہ اسلامی کے مختلف مکاتب میں کوئی ایسا اختلاف نہیں پایا جاتا جو ملکیت کے باب میں اشیاء استعمال اور ذرائع پیدائش کے درمیان اصولی تفریق کرتا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اشیاء کو چھوڑ کر افراد کو ہر طرح کی املاک رکھنے اور اُن پر تصرف کرنے کا مجاز بنایا گیا ہے۔ البتہ ملکیت کا حصول اور اس پر تصرف ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اور ان شرائط کی پابندی کرتے ہوئے ہونا چاہیے جو اسلام نے متعین کر دئے ہیں۔

۴۔ انفرادی ملکیت کے حدود:

۱۔ اسلامی نظام میں ملکیت کے حقوق صرف تندرست و توانا مردوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کو بھی یہ حقوق پہنچتے ہیں۔ اگر مزارعت ممنوع ہو تو ان سب کے لیے زرعی ملکیت بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

۲۔ اسلامی قانون وراثت کی رُو سے جس طرح ایک آدمی کی میراث اس کے مرنے پر بہت سے آدمیوں کے درمیان بٹ جاتی ہے۔ اسی طرح بسا اوقات بہت سے مرنے والوں کی میراث ایک آدمی کے پاس بھی جمع ہو سکتی ہے۔ اب یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اسلام کا قانون وراثت تو بیسیوں اور سینکڑوں ایکڑ تک زمین ایک شخص کے پاس سمیٹ لائے۔ اگر اس کا قانون زراعت اس کے لیے ایک محدود رقبے کے سوا باقی تمام ملکیت سے انتفاع کو حرام کر دے۔

۳۔ اسلامی قانون بیع و شرا نے کسی نوعیت کی جائز اشیاء کے معاملہ میں بھی انسان پر یہ پابندی عائد نہیں کی ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی زیادہ سے زیادہ ایک مخصوص حد تک ان کو خرید سکتا ہو۔ اور اس سے زیادہ کی خریداری کا مجاز نہ ہو۔ خرید و فروخت کا یہ غیر محدود حق جس طرح تمام جائز چیزوں کے معاملہ میں آدمی کو حاصل ہے۔ اسی طرح زمین کے معاملہ بھی حاصل ہے۔

۴۔ اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی ہے۔ جائز ذرائع سے جائز چیزوں کی ملکیت، جب کہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق و واجبات ادا کئے جاتے رہیں، بلا حد و نہایت رکھی جا سکتی ہے۔ روپیہ پیشہ، جانور، استعمال اشیاء، مکانات، سواری، غرض کسی چیز کے معاملہ میں بھی قانوناً ملکیت کی مقدار پر کوئی حد نہیں۔ یہ آخر تہاز رعی جائداد میں وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی بنا پر صرف اس کے معاملہ میں شریعت کا میلان ہو کر اس کے حقوق کو حقدار کے لحاظ سے محدود کر دیا جائے۔ یا انتفاع کے مواقع سلب کر کے ایک حد خاص سے زائد ملکیت کو آدمی کے لیے عملاً بے کار کر دیا جائے؟

۵۔ اسلام نے احسان اور فیاضی کی تعلیم تو زندگی کے ہر معاملہ میں دی ہے۔ لیکن واجبی حقوق وصول کر لینے کے بعد یہ کسی معاملہ میں بھی ہم اُس کا یہ طریقہ نہیں دیکھتے کہ وہ فیاضی کو آدمی پر فرض قرار دیتا ہو۔ مثلاً جو شخص زکوٰۃ ادا کر چکا ہے اسلام اس کو یہ ترغیب تو ضرور دیتا ہے کہ وہ اپنا ضرورت سے زائد روپیہ حاجت مند لوگوں کو بخش دے۔ مگر وہ اس بخشش و سخاوت کو فرض نہیں کرتا اور نہ یہ کہتا ہے کہ حاجت مند کو فرض کی شکل میں روپیہ دینا یا مضاربت کے اصول پر روپیہ دے کر اس کے کاروبار میں شریک ہو جانا حرام ہے۔ مدد صرف عطا اور بخشش ہی کی شکل میں ہونی چاہیے۔ اسی طرح مثلاً جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد مکانات ہوں یا ایک بڑا مکان اُس کی ذاتی ضرورت زیادہ کی گنجائش رکھتا ہو۔ اسلام بہت پسند کرتا ہے کہ آدمی اپنے ایسے مکانات سے ان لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا مفت موقع دے دے جو گھر نہ رکھتے ہوں۔ لیکن یہ نہیں کہا کہ یہ موقع لازماً مفت ہی دیا جانا چاہیے، کرایہ پر مکان دینا حرام ہے۔ ایسا ہی معاملہ ضرورت سے زائد پنکھوں، برتنوں اور سواریوں وغیرہ کا بھی ہے۔

۶۔ اسلامی قانون نے تجارت، صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ شرکت یا مضاربت کے اصول پر دوسروں کے ساتھ معاملات کرے۔ ایک شخص دوسرے کو اپنا روپیہ دے کر اس سے مضاربت کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ سرمایہ اور محنت میں شریک ہو کر مشترک کاروبار کر سکتا ہے۔ اس کو اپنا سرمایہ کسی عمارت کی شکل میں، کسی مشین یا انجن کی شکل میں، کسی موٹر یا کشتی یا جہاز کی شکل میں دے سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ تو اس پر کام کر اس کی آمدنی میں میرا اتنا حصہ ہے۔ لیکن آخر اس بات کے لیے کون سے معقول وجوہ ہیں کہ ایک شخص اپنا سرمایہ زمین کی شکل میں دوسرے کو دے کر یہ نہ کہہ سکے کہ تو اس میں کاشت کر پیداوار میں تہائی یا چوتھائی یا نصف کا میں شریک ہوں؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور اراضی (زمین)

(Islam and Land)

''زمین پہلا اور اہم عنصر پیدائش ہے۔ اس کی مقدار معینہ ہے جس میں کمی بیشی ممکن نہیں ہے۔ یہ قدرت کا بہترین عطیہ (Gift) ہے۔ کیونکہ اس میں کسی فرد معاشرہ یا قوم کی محنت و تنظیم کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ ربّ ذوالجلال ولاکرام کا دیا ہوا فرش عظیم ہے جس پر ساری دھرتی بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ زمین کئی استعمالات میں لائی جاتی ہیں۔ فلک بوس عمارات تعمیر کی جاتی ہیں دکانات و کارخانہ جات اس پر بنائے جاتے ہیں کانیں اس کا سینہ چیر کر نکالی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہر ذی روح جب لقمہ اجل بنتا ہے تو اس میں لحد کھودی جاتی ہے۔ جس کی آغوش میں وہ ابدی نیند سوتا ہے اور یہی انسان کی آخری آرام گاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ﴾ (البقرہ:22)

''(تمہارا رب وہ ذات ہے) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمانوں کو چھت' پھر آسمان سے پانی نازل فرمایا جس سے قسم قسم کے (پھل) تمہارے رزق کے لئے پیدا فرمائے۔''

﴿وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (الرعد:4)

''اور زمین میں مختلف کھیت ہیں جو ایک دوسرے سے متصل ہیں اور انگور کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسرے سے ملی ہوئی اور بعض بن ملی ہوئی۔ حالانکہ انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو بعض پر پھل میں بڑھا دیتے ہیں یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔''

﴿وَ لَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ﴾ (الاعراف:10)

''اور ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا اور ہم نے اس میں تمہاری معاش رکھ دی۔''

سطح زمین پر واقع بلند و بالا پہاڑ جن کا پتھر جن کی وادیاں' جن کے سبزہ زار' جن کے جنگلات اور چراگاہیں انسان کے معاش اور پیداش دولت میں معاون ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیات روشنی ڈالتی ہیں۔

﴿وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل:15)

''اور زمین پر بھاری بوجھ (پہاڑ) رکھ دیئے کہ کہیں تمہیں لے کر جھک پڑے اور دریا بہا دیئے اور راستے بنائے تاکہ تم راہ پاسکو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا﴾ (الرعد:3)

''وہی ذات ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بوجھل پہاڑ رکھ دیئے اور دریا بہا دیئے۔''

زمین کی سطح پر رواں دریا' موجیں مارتے بحر بے کراں' گہری جھیلیں' ندی نالے زمین کے اوپر اور اندر آبی ذخائر مراد ہیں۔ جن سے انسان مچھلیاں اپنی خوراک کے لئے پکڑتا ہے۔ سمندروں اور دریاؤں کو جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے پار کرتا ہے جو اس کے ذرائع نقل و حمل کا کام دیتے ہیں۔ دریاؤں کے بلندیوں سے گرتے پانیوں کے ذریعے بجلی پیدا کرتا ہے جس سے نہ صرف اپنا گھر روشن کرتا ہے' سردی میں تاپتا ہے بلکہ کارخانے' ملیں اور ریل گاڑیاں چلاتا ہے۔ اسی پانی سے اپنی بے گیاہ زمین سیراب کر کے اسے لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کر لیتا ہے' منوں اناج اٹھا کر اپنا اور آبنائے جنس کا پیٹ بھرتا ہے اور آتش شکم ٹھنڈی کرتا ہے۔ زمین کے پانی کی نعمت کیا ہے انسانی زندگی کی روح اور جان ہے۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانبیاء:30)

''اور پانی سے ہم نے ہر شے کو زندگی بخشی۔''

پانی بحیثیت معاشی عامل کے متعلق قرآن حکیم کی ان آیات کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کئی دیگر نظائر بھی قابل توجہ ہیں۔

﴿وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (البقرۃ:164)

''اور پانی اللہ کریم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا''۔

﴿وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ (البقرۃ:22)

''اور آسمان سے اپنی نازل کیا اور اس سے تمہارے رزق کے لئے میوہ جات پیدا کئے۔''

زمین کے اندر سب معدنی ذخائر اور دھاتیں جنہیں کام میں لا کر انسان اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے لے کر معاشی کی منازل تک طے کرتا ہے' بھی زمین بطور عامل پیدائش میں شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں چند اور قرآنی آیات دی جاتی ہیں:

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰی﴾ (سورۃ طٰہٰ:6)

''اس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے۔''

﴿وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (المنافقون:7)

''اور اللہ کریم ہی کے لئے ہیں آسمانوں کے اور زمین کے خزانے۔''

زمین بحیثیت عامل پیدائش میں آسمانوں سے نازل ہونے والی تمام برکات اور زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں جمع اور پنہاں شدہ تمام برکات بھی شامل ہیں۔ مثلاً ہوا' گرمی' سردی اور سورج کی روشنی وغیرہ جو انسان میں نشاط پیدا کر کے اسے معاشی عمل کے لئے تیار کرتی ہے۔ جو فصلوں کی کاشت اور براشت کے لئے لازمی ہیں اور عمل پیدائش کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس بارے میں یہ نظائر ملاحظہ کریں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (البقرہ:164)

''اور اس پانی میں جو اللہ کریم نے آسمان سے اتارا' پھر اس سے زمین کو بے گیاہ ہونے کے بعد زندہ کیا اور اس میں ہر قسم جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے بیچ معلق ہیں' نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں۔''

جس طرح خدا تعالیٰ نے تمام مخلوق کے فائدہ کے لئے مسخر کر دیا ہے اسی طرح زمین کی بھی تخلیق اسی مقصد کے لئے کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ﴾ (رحمٰن:11)

''خدا نے زمین مخلوق کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہے' اس زمین میں میوے اور کھجور کے درخت جن پر غلاف ہوتا ہے اور بھوسے دار غلہ اور پھل پھول وغیرہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔''

قرآن میں اس طرح کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں انسان کو خطاب کر کے یہ بات کہی گئی ہے کہ خدا نے زمین کو تمہاری روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ﴾ (الملک:15)

''اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے زمین تمہارے لئے ہموار بنائی ہے تو تم اس کے اوپر چلو اور اس کا اگلا ہوا رزق کھاؤ۔''

ان آیات میں ایک طرف انسان کو زمین سے فائدہ حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے سامان رزق کی فراہمی کی ترغیب دی گئی ہے تو دوسری طرف یہ بات بھی ذہن نشین کرا دی گئی ہے۔ کہ ہماری طرح زمین کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے' اور زمین ہی کو نہیں بلکہ وہ سامان غذا جسے بظاہر تم اپنے دست و بازو اور دوسرے مادی وسائل سے بہم پہنچاتے ہو وہ سب بھی خدا کی قدرت تخلیق کی اونیٰ کرشمہ سازی ہے' ورنہ اگر اس کی خفیہ و پوشیدہ مدد شامل حال نہ رہے تو پھر ایک دانہ بھی تم اُگا نہ سکو گے:

ان اصولی ہدایات کی پوری تفصیل آپ کو ارشادات رسول اور اسوہ نبیؐ میں ملے گی۔

حدیث نبویؐ میں سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اسی زمین کو اپنے لئے روزی کا وسیلہ بناؤ جو تمہیں حلال اور جائز ذریعہ سے ملی ہو' یا تم نے خود جائز اور حلال ذریعہ سے حاصل کی ہو' اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ممکن ہے کہ یہاں قانونی گرفت سے بچ جاؤ' مگر قیامت کی سزا سے نہ بچ سکو گی آپؐ نے فرمایا کہ:

[من اخذ شبرا من الارض ظلما فانه يطوقه يوم القيامة من سبع ارضين] (٦٠)

''جو شخص ایک بالشت زمین بھی ظلم سے کسی کی دبا لے اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس زمین کا سات گنا بوجھل طوق ذلت اس کے گلے میں ڈال دے گا۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظلم سے کوئی زمین حاصل کرنے کی صرف یہی صورت نہیں ہے کہ آپ زبردستی کسی کی زمین کے مالک بن جائیں بلکہ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کسی کی زمین دھوکے سے اپنے نام کرالیں' کچھ روپیہ قرض دے دیا اور اس کا دباؤ ڈال کر اونے پونے کم قیمت پر اس کی زمین یا مکان لکھوالیا چھوٹے مقدمات داخل کر کے قانونی داؤ پیچ سے اس کے مالک بن بیٹھے' غرض یہ کہ جو زمین کسی دباؤ یا فریب سے حاصل کی جائے گی وہ سب ظلم میں داخل ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تحدید ملکیت (Limitation of Ownership)

پاکستان سمیت کئی مسلم ممالک نے اصلاحات اراضی کی ہیں اور جائیداد رکھنے کی ایک حد (Ceiling) مقرر کر دی جاتی ہے جس سے زائد نہ تو کوئی فرد اور نہ ہی کوئی خاندان زرعی زمین اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ تعلیمات اسلامیہ کے حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس عنوان کا موادذی تکریم عدالت عظمیٰ پاکستان کے تاریخی فیصلہ سے لیا گیا ہے۔

۱۔ کیا اسلام میں زمین کی انفرادی ملکیت تسلیم کی گئی ہے؟

۲۔ کیا اسلام نے زمین یا دوسری املاک میں ملکیت کی کوئی حد مقرر فرمائی ہے؟

۳۔ اگر اسلام نے از خود ملکیت کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو کیا کسی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ملکیت کی کوئی حد مقرر کر دے؟ اور کسی قانون کے ذریعہ عوام کو اس بات کا پابند بنا دے کہ وہ اس مقررہ حد سے زائد کوئی چیز اپنی ملکیت میں نہ لائیں؟

۴۔ کیا اسلام میں حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ افراد کی کسی شخصی ملکیت کو ان کی رضامندی کے بغیر ان کی ملکیت سے نکال دے؟ اگر یہ اختیار حاصل ہے تو کن حالات میں؟ اور معاوضے کے ساتھ یا بلا معاوضہ؟

ان چار نکات سے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی تحقیق کا نتیجہ ذیل میں درج کرتے ہیں:

زمین کا مسئلہ:

چونکہ زیر نظر مقدمات میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ اسلام میں زمین کی انفرادی ملکیت جائز نہیں ہے بلکہ دونوں فریق اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام میں زمین انفرادی ملکیت کے تحت آ سکتی ہے' وفاقی شرعی عدالت نے بھی اپنے فیصلے میں اس بات کو تسلیم کیا ہے' اس لئے اس نکتہ کی توضیح وتشریح میں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں' البتہ چونکہ دوسرے زیر تصفیہ نکات اسی نکتہ پر موقوف ہیں' اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ اس مسئلے میں قرآن وسنت کے موقف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ملکیت زمین

قرآن کریم جس معاشرے میں نازل ہوا' وہاں اشیائے صرف (Consumer Goods) اور عوامل پیداوار (Factors of Production) دونوں پر انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا جاتا تھا اور اسی کے مطابق معاملات جاری تھے۔ قرآن کریم نے انفرادی ملکیت کے اس اصول میں عملاً کوئی تبدیلی پیدا نہیں فرمائی البتہ کئی مقامات پر یہ واضح فرمایا کہ زمین وآسمان کی تمام اشیاء پر حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے' وہی ان اشیاء کا خالق اور ان کا حقیقی مالک ہے اور اس مالک حقیقی نے یہ چیزیں انسانوں کو عطا فرمائی ہیں جس کے نتیجے میں وہ دنیاوی احکام ومعاملات کے لحاظ سے ان اشیاء کے مالک قرار پا گئے ہیں اور ان کو ان مملوکہ اشیاء پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہو گئے ہیں لیکن چونکہ یہ ملکیت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے' اس لئے یہ بالکل بے مہار اور مادر پدر آزاد ملکیت نہیں ہے بلکہ اپنے حصول کے طریقے اور استعمال کے لحاظ سے بہت سی حدوں کی پابند ہے چنانچہ ان دنیوی مالکوں پر واجب ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کریں اور ان حدود سے تجاوز نہ کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن کریم نے ملکیت کی یہ حقیقت متعدد مقامات پر بیان فرمائی ہے' ایک طرف یہ ارشاد فرمایا:

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرہ:284)

''اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

النساء4:126' 131' 132

لیکن دوسری طرف یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کا مالک حقیقی ہونے کے باوجود دنیوی احکام کے لحاظ سے ان اشیاء کی ملکیت انسانوں کو عطا فرمادی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ﴾ (یٰسین:71)

''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مویشی پیدا کئے' پھر یہ لوگ ان کے مالک ہو گئے۔''

اس طرح یہ واضح فرمانے کے باوجود کہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں' اللہ تعالیٰ نے دنیوی احکام کے لحاظ سے ان اشیاء پر انفرادی ملکیت تسلیم فرمائی اور اس حیثیت سے قرآن کریم میں جابجا ان اشیاء کو ''انسانوں کا مال'' (یعنی ان کی ملکیت) قرار دیا گیا ہے (۶۱) اور اسی بناء پر ان انفرادی ملکیتوں میں غیر مالک کی مداخلت کو منع فرمایا گیا ہے۔

مثلاً ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النساء4:29)

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے مت کھاؤ۔''

لیکن جابجا یہ تنبیہ بھی فرمادی گئی کہ چونکہ تمہاری یہ انفرادی ملکیت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے' جو ان تمام چیزوں کا حقیقی مالک ہے' اس لئے جہاں اللہ تعالیٰ تمہیں ان املاک کو خرچ کرنے کا حکم دے' وہاں تمہارے لئے ان کا خرچ کرنا ضروری ہو گا نیز اگرچہ کسی دوسرے شخص کو تمہاری انفرادی ملکیت میں مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے لیکن تمہیں از خود اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کرنا چاہئے کہ اس ملکیت کے ذریعے دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرو' ارشاد ہے:

﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ (النور:33)

''اور ان (غلاموں) کو دو اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے دیا ہے۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ﴾ (القصص:77)

''اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کی جستجو کر اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (دوسروں کے ساتھ) احسان کر اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔''

انفرادی ملکیت کی یہ حقیقت کہ دنیا کی ہر چیز اصل میں اللہ کی ہے اور اللہ نے بندوں کو اس کا مالک بنایا ہے'

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن کریم نے جا بجا بیان فرمائی ہے اور اس حقیقت کے اعتبار سے اشیاء صرف اور وسائل پیداوار کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا چنانچہ زمین کے بارے میں بھی بعینہٖ یہی بات قرآن کریم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی ہے:

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (الاعراف:128)

''بلاشبہ زمین اللہ کی ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث (مالک) بنا دیتا ہے۔''

جس طرح زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو گزشتہ آیات میں اصلاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دے کر یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں تمہیں مالکانہ حقوق کے ساتھ عطا فرما دی ہیں بعینہٖ اسی طرح سورۂ اعراف کی اس آیت میں زمین کے بارے میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ وہ اصلاً میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے۔

تقریباً یہی بات سورۂ انعام کے آخر میں ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی ہے:

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم نے ''ملکیت'' کی حقیقت اور اس کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں عام اشیاء صرف اور زمین کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا بلکہ جس قسم کی انفرادی ملکیت عام اشیاء صرف میں انسانوں کے لئے جائز قرار دی ہے اسی قسم کی ملکیت زمین پر بھی برقرار رکھی ہے اور جس قسم کے حقوق عام اموال پر عائد کیے ہیں اسی قسم کے حقوق زمین پر بھی عائد فرمائے ہیں' جس طرح عام اشیاء صرف کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (البقرۃ:29)

''(اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ تمام چیزیں پیدا فرمائیں جو زمین میں ہیں۔''

- اسی طرح زمین کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ﴾ (الرحمٰن:55)

''اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے بنایا ہے۔''

لہٰذا جس طرح پہلی آیت سے اشیاء صرف میں انفرادی ملکیت کی نفی نہیں ہوتی' اسی طرح دوسری آیت سے زمین کی انفرادی ملکیت کی نفی کا کوئی سوال نہیں' حقیقت حال دونوں جگہ یہ ہے کہ اشیاء صرف ہوں یا زمین اور دوسرے وسائل پیداوار' وہ سب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمائے ہیں' ان پر اصلی اور حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام چلانے کے لئے ان پر بندوں کو انفرادی ملکیت کے حقوق عطا فرمائے ہیں البتہ ساتھ ہی ان پر کچھ فرائض عائد فرما دیئے ہیں کہ وہ اپنی ان املاک سے فائدہ اُٹھاتے وقت ان فرائض کو فراموش نہ کریں اور ان کا ایسا غلط استعمال نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہو۔

قرآن کریم کے بعد سنت کی طرف آئیں تو اس میں زمین کی انفرادیت ملکیت کے احکام اور اس کے حقوق و فرائض اور زیادہ تفصیل کے ساتھ موجود ہیں' ذیل میں چند وہ احادیث ذکر کی جاتی ہیں' جن سے زمین کی انفرادی ملکیت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے:

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو احق] (۶۲)

''جو شخص کسی ایسی زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو تو وہ اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس حدیث سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوا کہ بنجر اور غیر مملوک زمین کو آباد کرنے سے وہ آبادکار کی ملکیت میں آ جاتی ہے اور دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوا کہ جو زمین کسی کی ملکیت میں ہو وہ خواہ غیر آباد پڑی ہو اسے آباد کرنے سے اس پر ملکیت کے حقوق حاصل نہیں ہوتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا حکم اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے مثلاً حضرت سعید بن زیدؓ آپؐ سے یہ الفاظ روایت فرماتے ہیں:

[من أحيا أرضا ميتة فهي له، و ليس لعرق ظالم حق](٦٣)

''جو شخص مردہ (غیر مملوک، غیر آباد) زمین آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہے اور دوسرے کی زمین میں ناحق طور پر آبادکاری کرنے والے کو کوئی حق حاصل نہیں۔''

ان احادیث سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوا کہ زمین اصلاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے لیکن جب کوئی شخص کسی غیر مملوک، لاوارث اور بنجر زمین کو آباد کر لے تو وہ اس کی ملکیت میں آ جاتی ہے، دوسری طرف ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آبادکاری سے صرف انہی زمینوں پر آبادکار کو ملکیت حاصل ہوتی ہے جو پہلے سے کسی شخصی ملکیت میں نہ ہوں لیکن اگر زمین پہلے سے کسی شخص کی ملکیت میں ہے تو خواہ وہ غیر آباد کیوں نہ پڑی ہو اس پر اس کی اجازت کے بغیر آبادکاری جائز نہیں اور ایسی آبادکاری سے آبادکار کا کوئی حق پیدا نہیں ہوتا، اس طرح یہ احادیث شخصی ملکیت کے ثبوت پر بھی دلالت کرتی ہیں اور اس بات پر بھی کہ جو زمین کسی کی شخصی ملکیت میں ہو دوسروں کے ذمے اس کی ملکیت کا احترام اسی طرح واجب ہے جس طرح اشیاء صرف کی ملکیت کا۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی بنجر زمینیں متعدد صحابہ کرامؓ کو مالکانہ حقوق کے ساتھ عطا فرمائیں، مفتوحہ اراضی کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما کر انہیں ان اراضی کا مالک بنایا اور جب بنونضیر کے یہودی جلاوطن ہوئے تو ان کی متروکہ اراضی مہاجرین میں تقسیم کی گئیں، عبدالرحمٰن بن کعبؒ فرماتے ہیں:

[فاعطى النبي صلى الله عليه وسلم اكثرها للمهاجرين و قسمها بينهم و قسم منها رجلين من الانصار كانا ذوي حاجة لم يقسم لاحد من الانصار غيرهما](٦٤)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کی اکثر زمینیں مہاجرین کو دے دیں اور انہیں ان کے درمیان تقسیم فرمایا اور انصار میں سے بھی دو صاحبان کو زمین کا حصہ عطا فرمایا جو ضرورت مند تھے، انصار میں سے ان صاحبان کے سوا کسی کو ان زمینوں میں سے کچھ نہیں دیا۔''

اسی طرح جب خیبر فتح ہوا تو آپؐ نے وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم فرمائیں، امام زہریؒ فرماتے ہیں:

[خمس رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر ثم قسم سائرها على من شهدها ومن غاب عنها من اهل الحديبية](٦٥)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی اراضی کا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکالا، پھر باقی تمام اراضی کو غزوۂ حدیبیہ کے شرکاء میں تقسیم فرما دیا جو اس وقت وہاں موجود تھے، ان کو بھی دیا اور جو موجود نہ تھے ان کو بھی۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کرامؓ کو آپؐ نے مختلف اراضی بطور عطیہ عنایت فرمائیں مثلاً امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس کے آٹھ نو واقعات ذکر فرمائے ہیں جن میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وائل بن حجرؓ۔ حضرت بلال بن حارثؓ۔ حضرت ابیض بن جمالؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ وغیرہ کو زمینیں عطا فرمائیں۔ (۶۶)

ملکیت کی حد از روئے اسلام:

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن وسنت نے زمین یا دوسری املاک میں انسان کے لئے ملکیت کی کوئی ایسی حد مقرر فرمائی ہے جس سے زائد ملکیت حاصل کرنا یا باقی رکھنا از روئے شریعت ممنوع ہو؟

اس سوال کا جواب بھی سادہ اور واضح ہے اور غالباً اس میں کوئی اختلاف رائے بھی نہیں ہے اور وہ یہ کہ اسلام نے حصول ملکیت کے طریقوں پر تو حلال وحرام کی پابندیاں عائد کی ہیں اور جائز طور پر حاصل کی ہوئی املاک پر کچھ مالی ذمہ داریاں (زکوٰۃ وعشر وغیرہ) بھی لگائی ہیں لیکن اگر کوئی شخص صرف جائز طریقوں پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی املاک میں اضافہ کرے اور ان پر عائد ہونے والے شرعی واجبات بھی ادا کرتا رہے تو پھر املاک کی کوئی ایسی آخری مقدار شریعت نے مقرر نہیں فرمائی جس کے بعد املاک میں کوئی جائز اضافہ ممکن نہ ہو۔

نہ صرف یہ کہ قرآن وسنت میں جائز طریقے سے حاصل کی ہوئی املاک کی کوئی حد بیان نہیں کی گئی بلکہ اس کے برعکس ایسی آیات موجود ہیں جن سے ایسی شرعی تحدید کی نفی ہوتی ہے' مثلاً سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (البقرہ:212)

''اور اللہ جس کو چاہتا ہے' بے حساب رزق دیتا ہے۔''

ایک دوسرے موقع پر اللہ کے نیک بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ○﴾ (النور 24:38)

''وہ لوگ کہ کوئی تجارت یا بیع ان کو اللہ کی یاد' نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی' وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین اعمال کا بدلہ دے اور اپنے فضل سے انہیں اور بھی زیادہ دے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔''

جن ذرائع سے انسان حصول دولت کی کوشش کرتے ہوئے دوسروں کا حق مار سکتا تھا' یا ان پر کسب معاش اور حصول دولت کے دروازے بند کر سکتا تھا' اس کو تو حلال اور حرام کے احکام کے ذریعے اسلام نے خود ہی منع کر دیا لیکن ان احکام کی رعایت رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنی دولت کو بڑھائے تو شریعت کی نظر میں وہ کوئی گناہ یا عیب نہیں ہے بلکہ اگر نیت بخیر ہو تو موجب اجر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص جائز اور پاک صاف ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ صنعتیں قائم کرے' زیادہ سے زیادہ زمینوں کو آباد کرے اور اس جدوجہد میں اپنے اسلامی فرائض کو فراموش نہ کرے تو اس سے مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے' معاشی سرگرمیوں میں تیزی آتی ہے' روزگار کے مواقع بڑھتے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور اگر اسلامی احکام کی پوری رعایت ہو تو انہی سرگرمیوں سے گردش دولت کا دائرہ وسیع ہوتا ہے' غربت میں کمی آتی ہے اور بالآخر اس سے پورے ملک کے لئے معاشی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔

ان آیات قرآنی سے یہ بات واضح ہے کہ نہ صرف یہ کہ قرآن کریم نے حلال ذرائع سے حاصل کی ہوئی ملکیت کی کوئی کمیاتی حد (Quantitative Limit) مقرر نہیں فرمائی بلکہ ایسی تحدید کی نفی فرمائی ہے البتہ حلال وحرام کے احکام کے ذریعے کسب معاش کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا حق مار کر ملکیت میں اضافہ کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی چنانچہ سود' قمار اور اکتناز وغیرہ کو حرام قرار دے کر اور دوسری طرف زکوٰۃ وصدقات اور وصیت کے احکام جاری فرما کر دولت کے ناجائز طور پر صرف چند ہاتھوں میں رہنے کی راہیں مسدود فرما دی ہیں۔

حکومت کی طرف سے تحدید ملکیت:

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ وہ مصالح عامہ کے پیش نظر اپنے باشندوں کے لئے ملکیت کی کوئی حد مقرر کر دے؟ اور اس حد سے زائد کوئی چیز ملکیت میں لانے یا رکھنے کو قانوناً ممنوع قرار دے دے؟

اس سوال کے جواب کے لئے جب ہم قرآن وسنت اور فقہ اسلامی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تحدید ملکیت کی کئی صورتیں ممکن ہیں اور ان میں سے ہر ایک صورت کا حکم جدا ہے۔

تحدید ملکیت کی پہلی صورت یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ملکیت کی ایک مستقل حد مقرر کر دی جائے اور یہ مستقل قانون بنا دیا جائے کہ اس سے زائد کوئی چیز نہ ملکیت میں لائی جا سکتی ہے' نہ رکھی جا سکتی ہے۔ اس طرح کی مستقل تحدید قرآن کریم کی رو سے ہرگز جائز نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اسلام نے جائز ملکیت پر کوئی حد عائد نہیں کی لہٰذا شرعی احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے جائز ذرائع سے ملکیت میں اضافہ کرنا جائز اور مباح کام ہے اور جس چیز کو شریعت نے جائز قرار دیا ہو' اسے مستقل طور پر ممنوع یا حرام قرار دینے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر واضح فرمایا ہے کہ جس طرح حرام چیزوں کو حلال کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص کو بھی اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام قرار دے دے۔ ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (المائدہ:87)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں' ان کو حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق﴾ (الاعراف:)

''آپ کہہ دیجئے کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور رزق کی پاکیزہ اشیاء کو۔''

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ (یونس:1)

''آپ کہہ دیجئے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ اتارا تھا' پھر تم نے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال کر ڈالا۔ آپ کہئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟''

لہٰذا جب قرآن وسنت نے جائز طریقے پر حاصل کی ہوئی املاک کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی تو اپنی طرف سے کوئی حد مقرر کر کے اس سے زائد املاک کے حصول کو مستقل طور پر ناجائز قرار دینا ایک حلال کو حرام کرنا ہے جس کا کسی کو اختیار نہیں اور اگر کوئی قانون مستقل طور پر ایسی تحدید عائد کرے تو وہ قرآن وسنت کے احکام سے یقیناً متصادم ہوگا۔

عارضی تحدید ملکیت:

تحدید ملکیت کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مصلحت عامہ کی خاطر عارضی طور پر کچھ عرصے کے لئے ملکیت کی کوئی حد مقرر کر دی جائے' اس عارضی تحدید ملکیت کی بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ مالکوں کی موجودہ املاک کو چھیڑے بغیر یہ حکم جاری کیا جائے کہ آئندہ کوئی شخص فلاں چیز ایک مقررہ حد سے زیادہ اپنی ملکیت میں نہیں لا سکے گا۔

۲۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی بھی چیز کی ملکیت کی ایک حد اس طرح مقرر کر دی جائے کہ جس شخص کے پاس اس وقت بھی وہ چیز اس مقررہ حد سے زیادہ موجود ہو' اسے وہ زائد مقدار حکومت کے حوالے کرنی ہوگی اور آئندہ اس حد سے زیادہ وہ چیز ملکیت میں لانا جائز نہیں ہوگا۔

ان دونوں صورتوں پر الگ الگ گفتگو کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے' وہ درحقیقت ملکیت کی تحدید نہیں ہے بلکہ ملکیت کی کسی خاص شکل کے حد سے زیادہ استعمال پر پابندی ہے۔ مثلاً مصالح عامہ کے پیش نظر عارضی طور پر یہ قانون بنا دیا جائے کہ جس شخص کے پاس سو ایکڑ یا اس سے زیادہ زمین موجود ہے' وہ اب کوئی نئی زمین نہیں خرید سکتا یا جس شخص کے پاس رہائش کے لئے ایک مقررہ رقبے کا مکان موجود ہے' وہ اب کوئی نیا مکان نہیں بنا سکتا۔

اس قسم کی تحدید اگر مصالح عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت کی طرف سے عائد کی جائے اور اس کا مقصد کسی حلال کو حرام کرنا نہیں بلکہ عارضی طور پر ایک انتظامی حکم جاری کرنا ہو تو قرآن وسنت سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا حاصل ایک مباح کام پر عارضی پابندی لگانا ہے اور اسلامی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مصالح عامہ کے پیش نظر کسی مباح کام پر عارضی طور سے کوئی پابندی عائد کر دے اور ایسی صورت میں عوام پر واجب ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کریں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِى الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ (النساء:59)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے ذمہ داروں کی اطاعت کرو۔''

یہی اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

[عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: السمع والطاعة حق مالم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة] (٦٧)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (امیر کی) بات سننا اور ماننا برحق ہے' جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دے۔ پس اگر وہ کسی معصیت کا حکم دے تو پھر سننا ماننا نہیں۔''

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی و انما الامام جنة یقاتل من وراء و یتقی به فان امر بتقوی الله و عدل فان له بذالک اجرا و ان قال بغیره فان علیه منة](٦٨)

''جو شخص امیر کی اطاعت کرے' وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو امیر کی نافرمانی کرے' وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ امام تو ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے ہو کر جنگ کی جاتی ہے اور اس سے بچاؤ کیا جاتا ہے' پس اگر وہ خوف خدا کے ساتھ حکم دے اور انصاف کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہے اور اگر اس کے خلاف حکم دے تو اس پر اس حکم کی وجہ سے عذاب ہوگا۔''

بہرصورت! قرآن وسنت کے احکام سے یہ بات عیاں ہے کہ مباحات کے دائرے میں اگر اسلامی حکومت کوئی ایسا حکم دے جس میں اس نے قرآن وسنت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کی ہو تو اس کی اطاعت واجب ہے اور اگر وہ ایسا حکم انصاف کے ساتھ عوام کی مصلحت کے لئے دے تو وہ اس کے لئے باعث اجر ہے۔

لیکن اس اصول کے ساتھ ہر جگہ یہ شرط موجود ہے کہ حاکم کا صرف وہ حکم قابل اطاعت ہے جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو اور عوام کی مصلحت کے مطابق ہو لہٰذا حاکم کے حکم کے جائز طور پر واجب الاطاعت ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں:

۱۔ وہ حکم مباحات کے دائرے میں ہو۔
۲۔ اس حکم سے قرآن وسنت کے کسی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو۔
۳۔ اس حکم سے کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو۔
۴۔ وہ حکم مصلحت کے مطابق ہو۔

ان شرائط کے ساتھ حاکم کا حکم واجب التعمیل ہے اور اسی اصول کو فقہاء کرام نے اپنے اس معروف اصول (Maxim) کے ذریعے بیان کیا ہے کہ:

[تصرف الامام علی الرعیة منوط بالمصلحة](٦٩)

''امام کا رعیت پر تصرف مصلحت کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔''

لہٰذا اگر کوئی اسلامی حکومت مصالح عامہ کے پیش نظر یہ حکم جاری کرے کہ آئندہ کوئی باشندہ فلاں چیز مقررہ حد سے زائد اپنے اختیار سے اپنی ملکیت میں نہ لائے تو چونکہ اس حکم سے مذکورہ بالا چار شرائط کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی' اس لئے ایسا حکم جائز اور واجب التعمیل ہے چنانچہ ایسی تحدید ملکیت جس میں کسی کی ملکیت چھیننی نہ پڑے بلکہ اس کے طریق استعمال پر پابندی عائد کی گئی ہو' مصالح عامہ کے تحت ہو تو شریعت کے خلاف نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احیاء موات (بنجر زمین کی آبادکاری)

ارض موات:

موات (بنجر) عربی میں ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں تعمیر یا زراعت کے کوئی آثار نہ پائے جائیں۔ اور نہ یہ بستی والوں کی مشترکہ ضروریات کی تکمیل میں کام آتی ہو۔ مثلاً تفریح گاہ مواشی اور سواری کے جانوروں کی چراگاہ، ایندھن حاصل کرنے کی جگہ، یا قبرستان نہ ہو..... اور نہ تو کسی کی ملکیت میں ہو نہ کسی کے قبضہ میں..... اب جو بھی ان زمینوں یا ان کے کسی ٹکڑے کو آباد کرے یہ زمین اس کی ملکیت ہو جائے گی۔

فطری اصول کی پیروی:

''موات'' کے بارے میں نبی ﷺ نے اُس قدیم ترین اصول کی تجدید فرمائی جس سے دنیا میں ملکیت زمین کا آغاز ہوا ہے۔ جب انسان نے اس کرہ خاکی کو آباد کرنا شروع کیا تو اصول یہی تھا کہ جو جہاں وہ پڑا ہے وہ جگہ اسی کی ہے۔ اور جس جگہ کو کسی نے کسی طور پر کارآمد بنالیا ہے اُس کے استعمال کا وہی زیادہ حقدار ہے۔ یہی قاعدہ تمام عطیات فطرت پر انسان کے مالکانہ حقوق کی بنیاد ہے اور اسی کی توثیق نبی ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے ارشادات میں فرمائی ہے۔ احادیث میں آتا ہے۔

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی ملک نہ ہو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ اسی پر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں عمل کیا۔ (۷۰)

۲۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ جس کسی نے مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی بیکار پڑی ہوئی زمین کو کارآمد بنایا وہ زمین اسی کی ہے۔ (۷۱)

۳۔ سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی افتادہ زمین پر احاطہ کھینچ لیا وہ اسی کی ہے۔ (۷۲)

۴۔ عروہ بن زبیر (تابعی) کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ زمین خدا کی ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں۔ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہی اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ قانون ہم تک سب ﷺ سے انہی بزرگوں کے ذریعہ پہنچا ہے جن کے ذریعہ سے پنج وقتہ نماز پہنچی ہے۔ (یعنی صحابہ کرامؓ)۔ (۷۳)

ملکیت کے دو ضابطے:

اسی فطری اصول کی تجدید و توثیق کرنے کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے دو ضابطے مقرر فرما دیے۔ ایک یہ کہ جو شخص دوسرے کی مملوکہ زمین کو آباد کرے وہ اس آبادکاری کی بنا پر ملکیت کا حق دار نہ ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ جو شخص کو اخواہ احاطہ کھینچ کر یا نشان لگا کر کسی زمین کو روک رکھے اور اس پر کوئی کام نہ کرے اس کا حق تین سال کے بعد ساقط ہو جائے گا۔ پہلے ضابطے کو آپ نے اس طرح بیان فرمایا۔

۱۔ ''سعید بن زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی نے کسی مردہ زمین کو زندہ کر لیا وہ اسی کی ہے، اور دوسرے کی زمین میں ناروا طور پر آبادکاری کرنے والے کے لیے کوئی حق نہیں ہے'' (۷۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ''طاؤس (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیر مملوکہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اللہ اور رسول کی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ تمہارے لیے ہے۔ پس جو کوئی مردہ زمین کو زندہ کر لے وہ اسی کی ہے۔ اور بے کار روک کر رکھنے والے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے''۔(۷۵)

۳۔ ''حضرت عمرؓ کے پوتے سالم بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے برسر منبر فرمایا کہ جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ہے۔ مگر خواہ مخواہ روک رکھنے والے کے لیے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے۔ یہاں علان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ بعض لوگ زمینوں کو یونہی روک رکھتے تھے اور ان پر کوئی کام نہ کرتے تھے''۔(۷۶)

کیا آبادکاری کیلئے حکومت کی اجازت ضروری ہے:

یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اگر کوئی اختلاف ہے تو صرف اس امر میں ہے کہ آیا محض آبادکاری کا فعل کر لینے ہی سے کوئی ارض موات کا مالک ہو جاتا ہے یا ثبوت ملکیت کے لیے حکومت کی منظوری ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس کے لیے حکومت کی منظوری کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف امام محمد امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں احادیث بالکل واضح خدا اور رسول کے دیے ہوئے حق کی بنا پر مالک ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ حکومت کا کام ہے کہ جب معاملہ اس کے سامنے آئے تو وہ اس حق کو تسلیم کرے اور نزاع کی صورت میں اس کا استقرار کرائے امام مالک کے نزدیک بستی سے قریب کی زمینیں ان کے نزدیک اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ رہیں دوسری قسم کی زمینیں تو ان کے لیے امام کے عطیہ کی شرط نہیں۔ وہ محض آباد کرنے سے آدمی کی ملک ہو جاتی ہے۔

اس معاملہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز دونوں کا طرز عمل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی زمین کو افتادہ سمجھ کر آباد کر لیتا، اور بعد میں کوئی دوسرا شخص اگر ثابت کرتا کہ زمین اس کی تھی تو اس کو اختیار دیا جاتا تھا۔ کہ یا تو آبادکار کے عمل کا معاوضہ ادا کر کے اپنی زمین لے لے، یا زمین کی قیمت لے کر حق ملکیت اس کی طرف منتقل کر دے۔(۷۷)

بنجر زمین کی اقسام:

احادیث وآثار اور فقہاء کے مطابق خلافتِ راشدہ میں مندرجہ ذیل قسم کی زمینیں بنجر سمجھی جاتی تھیں۔

۱۔ سخت پتھریلی یا رملی زمین۔

۲۔ چٹیل میدان

۳۔ خشک ٹیلے

۴۔ وہ زمین جو جھاڑیوں، دلدلوں اور سیلاب کی زد میں آگئی ہو۔

۵۔ ندیوں کا رخ تبدیل ہو جانے سے جو زمین ناقابل کاشت ہو گئی ہو۔

۶۔ جھیل اور اسی قسم کی وہ تمام زمینیں جن سے عدم صلاحیت کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو۔(۷۸)

ایسی تمام زمینیں بنجر قرار دی جاتی تھیں اور خلافت اُن کو قابل کاشت بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی تھی۔

اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنر کو یہ خط لکھتے ہیں۔

''جتنی سرکاری زمینیں ہوں ان کو سب لوگوں میں تقسیم کر دو اور پیداوار کی حیثیت کے مطابق جتنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن وہ خلافت کو ادا کریں اس کو منظور کر لو۔ اگر زمین زیادہ خراب ہو اور اس میں محنت اور اخراجات کی ضرورت پڑے تو لوگوں میں مفت تقسیم کر دو۔ اور اگر اس کے لیے بھی کوئی تیار نہ ہو تو سرکاری خزانہ کے اخراجات سے اس میں کاشت کراؤ تاکہ زمین کو خالہ نہ رہنے دو"۔(۷۹)

لیکن اس سے وہ تمام زمینیں مستثنیٰ قرار دی جاتی تھیں جن کا تعلق شہری ضروریات سے ہوتا تھا اور جن میں تمام لوگ قانوناً برابر شریک سمجھے جاتے تھے۔ مثلاً قبرستان، چراگاہ، جنگلات، ریوڑوں کے بیٹھنے کی جگہیں وغیرہ۔ ایسی زمینیں بھی مستثنیٰ ہوتی تھیں جو کنواں، تالاب، چشمہ وغیرہ کی حفاظت کے لیے ان کے اردگرد چاروں طرف چھوڑی جاتی تھیں۔ جن کو عربی میں "حریم" کہتے ہیں۔

آبادکاری کی شکلیں:

۱۔ ایک شکل تو یہ تھی کہ خلافت اپنے مصارف سے اس کو آباد کراتی تھی جیسا کہ یحییٰ بن آدم لکھتے ہیں۔

"خلافت اگر مناسب سمجھے تو سرکاری خرچ سے کسی کاشت کار کے ذریعہ اس میں کاشت کرائے"۔(۸۰)

اس صورت میں کاشت کار کا مقرر معاوضہ ملتا تھا اور پیداوار اور خلافت کی ہوتی تھی۔

۲۔ دوسری صورت یہ تھی کہ کاشت کار کو اپنی محنت اور اخراجات سے زمین کو آباد کرنے کی اجازت دے دی جاتی تھی اور یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ اس زمین پر انہیں صرف کاشت کا حق حاصل ہوگا۔ فروخت یا ہبہ کرنے وغیرہ جیسے اختیارات حاصل نہ ہوں گے۔ یعنی اس صورت میں اس کو صرف زمین کی پیداوار کا مالک بنایا جاتا تھا۔ اُس کی ذات کا نہیں۔ اسی لیے بیع، ہبہ وغیرہ کا اختیار نہ ہوتا تھا۔(۸۱)

۳۔ تیسری شکل یہ تھی کہ خلافت کسی کو حق ملکیت دے کر آبادکاری کی اجازت دے دے۔ اس صورت میں آباد کرنے والے کو ہر قسم کے تصرفات اور جملہ حقوق حاصل ہوتے تھے۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسف ہارون الرشید کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"اب جو صورت مناسب سمجھیں اور جس میں فلاح و بہبود ہو اس میں آپ کو پورا اختیار ہے۔ مناسب ہو تو کسی کو جاگیر کے طور پر دے دیجئے یا اجرت دے کر کاشت کرائیے"۔(۸۲)

بہرحال آبادکاری کی جو بھی صورت ہوتی کبھی تو خلیفہ کی عام اجازت ہوتی اور کبھی اجازت لینا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ کیوں کہ زمین دراصل خلافت کی ہوتی تھی اور وہی زمین کی حیثیت اور مفاد عامہ کو بہتر طور پر سمجھ سکتی تھی۔ اس لیے آباد کاری کے سلسلہ میں آخری فیصلہ خلافت ہی کا سمجھا جانا مناسب بھی تھا۔ اس لیے آبادکاری کے سلسلہ میں آخری فیصلہ خلافت ہی کا سمجھا جانا مناسب بھی تھا۔ طبرانی کی مندرجہ ذیل روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

"آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس پر خلیفہ خوش ہو"۔(۸۳)

خلافت کی جانب سے اجازت ملنے کے بعد کاشت کار اگر زمین کو بے کار پڑی رہنے دیتا تو اس کو بے دخل کیا جا سکتا تھا۔ تین سال کی مہلت دینا لازمی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ لوگ اتنی زمینیں روکتے جا رہے ہیں کہ وہ انہیں آباد نہ کر سکیں گے تو آپ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ "جو شخص آباد کرے گا اُسی کی ملکیت ثابت ہوگی۔ صرف قبضہ کر کے روک لینا آبادکاری کے بغیر ملکیت کے لیے کافی نہ ہوگا"۔(۸۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلافت کا مقصد دراصل غیر مرزوعہ اراضی کو قابل کاشت بنانا ہوتا تھا۔ تاکہ حقوق عامہ اور عام مفاد جو زمین سے متعلق ہیں وہ رائگاں نہ ہونے پائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا تھا جب کہ زمین پر کاشت کی جاتی اور اسی کو ملک کی علت قرار دیا جاتا۔ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان میں یہی رُوح کارفرما ہے۔

''زمین بھی اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے گا وہ اسی کی ہوگی''۔(۸۵)

زمین بے کار رکھنے کی صورت میں جب پرانے قابضین کو بے دخل کر دیا جاتا تھا تو نئے لوگوں کے لیے جواز کی کیسے گنجائش نکل سکتی تھی۔ اس کی تائید میں وہ تمام آثار و احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ اور خلفاء نے آبادکاری کو علت ملک قرار دیا تھا۔ کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس میں بلاوجہ روک رکھنے کو سبب ملک بتایا گیا ہو۔

کیا آبادکاری کے لئے تین سال کی مہلت ضروری ہے؟

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر قابض شخص کو تین سال تک مہلت دینا ضروری ہے۔ اس سے پہلے بے دخل کرنا درست نہیں ہے اور اس اثناء میں کسی اور کو آباد کرنا جائز نہیں۔ دراصل ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ قابض کو بوقت ضرورت تین سال تک کی مہلت دی جا سکتی ہے۔ مگر لازمی طور سے یہ اس کا حق نہیں ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ فرد کا بھی خیال رکھا جائے تین سال تک کسی اور کو آبادکاری کی اجازت نہ دی جائے۔ لیکن جب کوئی دوسرا کاشت اس کے لیے تیار ہے تو اس حسب مصلحت اجازت مل جائے گی۔ ایسی حالت میں تین سال بے کار رکھنے کی اجازت دینا خلافت کو بھی جائز نہ ہوگا۔ اس ضمن میں کتب فقہ کی تصریح یہ ہے۔

''تین سال کی قید بطریق دیانت ہے۔ قانون یہ ہے کہ ایسی صورت میں جب کوئی دوسرا شخص تین سال گذرنے سے پہلے آباد کرلے گا تو اس کا مالک ہو جائے گا''۔(۸۶)

اسلام میں ایک عام قانونی کلیہ یہ ہے:

''لا ضرر و لا ضرار فی الاسلام''

''اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے''۔

آبادکاری کے لئے مناسب تر صورت اختیار کی جائے:

خلافت راشدہ میں بنجر زمین کی آبادکاری میں تمام وہ صورتیں داخل تھیں جو حالات و مقامات کے لحاظ سے زمین کے لائق مناسب ہوتیں۔ مثلاً اس جگہ کنواں کھودنا، چشمہ نکالنا، نالیاں بنانا، درخت لگانا، عمارت تعمیر کرنا، کھیتی بونا، دوسرے سے کاشت کروانا اور زمین کو کرایہ پر دینا۔

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں:

''و یعمرها بما فیه مصلحتها''(۸۷)

''اور جس میں زمین کی مصلحت ہو اس کے مطابق اس کو آباد کرے''۔

یعنی زمین جس قسم کے کام کے لائق ہو اس میں وہی کام ہونا چاہیے۔ ایسا نہ تھا کہ زمین تو کاشت کاری کے لیے موزوں ہے لیکن محض روک رکھنے کے لیے کوئی اور کام اس پر شروع کر دیا۔ نہیں صورت میں آبادکاری کا حکم اس زمین پر نہ لگایا جاتا تھا اور نہ ایسے شخص کو آباد کرنے والا سمجھا جاتا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبادکاری کے باعث ملکیت کو تمام قوانین میں ذریعہ ملکیت تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اسلام نے اُسے جن شرائط کا پابند بنایا ہے اس نے اس ضابطہ کو ایک مخصوص مزاج عطا کر دیا ہے۔ اسلامی ضابطہ امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں بنائے ملکیت صرف قبضہ کو نہیں بلکہ قبضہ کر کے کارآمد بنانے کو قرار دیا گیا ہے۔ اس امر کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایک فرد کا قبضہ دوسرے افراد یا سارے معاشرہ کے لیے مضرت رسانی کا باعث نہ بنے۔ ان امتیازات کی بنا پر اسلامی نظریہ ملکیت پر بنائے قبضہ سے مختلف مزاج کا حامل ہے۔ اسلام نے ہر حال میں ذاتی ملکیت کو مفید انسانیت بنا کر رکھنے کا اہتمام کیا ہے اور یہ اہتمام کیا ہے اور یہ اہتمام اس ضابطہ میں بہت نمایاں ہے۔

عصر حاضر میں ملکیت بنا پر آبادی کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ تاریخ کے گذشتہ ادوار میں جب آبادی کم تھی اور زمینیں بکثرت بے کار پڑی رہتی تھیں تو اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی ماضی قریب میں نئے براعظموں کی دریافت نے ایک بار پھر وہی صورت حال پیدا کر دی تھی۔ اب سائنس کی ترقی نے عظیم ریگستانوں، برف سے ڈھکے ہوئے علاقوں، اور زیر سمندر زمین کو مفید استعمال میں لانے کی راہیں کھول دی ہیں۔ ان نئے امکانات کے پیش نظر اس ذریعہ کی اہمیت پھر بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ کرہ ارض کا بیشتر حصہ سمندر، برف یا ریت سے ڈھکا ہوا ہے۔ اسی طرح دین اسلام کے اس فطری قانون پر عمل درآمد کے امکانات پھر روشن ہو گئے ہیں۔

بڑی شرائط (Main Conditions):

کئی اہم شرطیں یہ ہیں:

۱۔ وہ بیکار بنجر اور سرزمین موات کہلائے گی جو آبادی کے اندر واقع نہ ہو اور نہ ہی آبادی کے قریب پائی جائے بلکہ متعلقہ آبادی سے ایک دو کلومیٹر دور ہو آبادی کے اندر بے کار اراضی افراد و جانوروں کی ضروریات کے لئے مخصوص ہوں گی۔ مثلاً مکان بنانے کے لئے یا کوئی اور اجتماعی کام کے لئے یا جانوروں کے چراگاہ کے لئے مخصوص ہوں گی۔ ان پر کوئی قبضہ نہیں جما سکتا البتہ وہ زمین جو آبادی سے قریب تو ہو مگر زراعت کے علاوہ کسی اور کام نہ آ سکتی ہو تو اس پر حکومت سے اجازت لے کر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی مالک یا تو رہا ہی نہ ہو یا اگر رہا ہو تو اب موجود نہ ہو اگر وہ موجود ہے اور اس میں کھیتی باڑی کر سکتا ہے۔ لیکن تین برس تک اس نے پرتی چھوڑ دیا ہے تو حکومت اس کو کورٹ آف وارڈ (حجر) کر کے دوسرے کو دے دے گی۔ نبی کا ارشاد ہے:

[لیس المحتجر بعد ثلث سنین حق] (۸۸)

''تین سال تک زمین بے کار چھوڑ دینے والے کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔''

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حکومت سے اجازت لے کر کسی بیکار زمین کو آباد کرے اگر حکومت کی اجازت کے بغیر ایسا کرے گا تو وہ مالک نہیں ہو گا کیونکہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

[لا حمی الا للہ و رسولہ] (۸۹)

''کسی بے کار زمین کو اپنانے کا حق صرف اللہ اور رسولؐ (حکومت) کو ہے۔''

جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ جہاں کوئی ایسی بے کار زمین دیکھتے تھے جس میں زرخیزی کی صلاحیت ہوتی تھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے اپنے اور اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ ایسی زمین پر کسی کو گورنمنٹ کی اجازت کے بغیر قبضہ جمانے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔ مذکورہ بالا ارشاد نبوی کا یہی مفہوم ہے۔ (۹۰)

اس سلسلہ میں دوسرا ارشاد ہے کہ:

[لیس للمرا الا ما طابت نفس امامه] (۹۱)

''کوئی آدمی امام یعنی حکومت کی رضامندی کے بغیر کسی بیکار چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔''

تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بیکار زمین کے آباد کرنے میں حکومت کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ رائے امام شافعیؒ امام احمدؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کی ہے۔ (اوپر امام مالکؒ کی رائے نقل کی جا چکی ہے) لیکن امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ بے کار زمین کے تیار کرنے میں حکومت سے اجازت ضروری ہے اس لئے کہ اگر ایک آدمی ایک زمین پر قبضہ کرے اور تین سال تک اسے آباد نہ کرے تو اس کی حکومت کے سامنے اس کی وجہ بیان کر کے پھر اجازت لینی ہوگی یا پھر اسے چھوڑ دینا ہوگا دونوں صورتوں میں بیت المال کے مال کی طرح اجازت لینے کی ضرورت ہوگی۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ جس زمین کو آباد کرنا چاہتا ہے وہ اس کی جتائی گڑائی شروع کر دے۔ یا پانی دینے کے لئے نالیاں وغیرہ بنا دے یا اسے گھیر دے یعنی اسے آباد کرنے کا کام شروع کر دے۔

اگر یہ چار شرائط پائی جائیں گی تو اس غیر آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا ورنہ نہیں۔ (۹۲)

مفاد عامہ کی چیزوں کا حکم:

جو چیزیں مفاد عامہ کی ہیں ان کو حکومت کسی خاص فرد کی ملکیت میں نہیں دے سکتی۔ مثلاً نمک کی کان، کوئلہ کی کان یا دوسرے معدنی ذخائر یا تارکول پٹرول وغیرہ کے چشمے یا ندی اور تالاب وغیرہ کو کسی کی ملکیت میں نہ دینا چاہئے۔ اسی طرح وہ تالاب یا پوکھرا جس کو کسی نے اپنے خرچ سے کھدوا کر رفاہ عام کے لئے وقف کر دیا اور اپنا حق ملکیت نہ قائم کیا ہو راقم الحروف کے نزدیک اسی حکم میں ہیں اس وقت معاشرہ میں بہت سے اختلاف اسی بناء پر ہیں پردھان یا ایس ڈی ایم وغیرہ رفاہ عام کی چیزوں کو کسی کے نام الاٹ کر دیتے ہیں۔ عام طور پر فقہاء اس میں موات کے لئے بستی کے باہر ہونے کی قید لگاتے ہیں مگر علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ اگر وہ کسی کی خاص ملکیت نہ ہو تو وہ خواہ آبادی کے اندر کیوں نہ ہو اسے حکومت کسی خاص شخص کو آلاٹ نہیں کر سکتی، وہ لکھتے ہیں:

[فاذا لم یکن ملکا لاحد و لا حقا خاصا لم یکن منتفعا به کان بعیدا او قریبا منها] (۹۳)

کچھ دیگر مسائل (Some Other Problems):

۱۔ اگر حکومت کسی بیکار یا پڑی ہوئی زمین کے سلسلے میں کسی کو یہ اجازت دے کہ اس سے صرف فائدہ اٹھاؤ مگر اس پر تمہارا حق ملکیت نہ ہوگا تو اس کا حق ہے (مجلہ) لیکن ملکیت میں سے دینے کے بعد پھر حکومت بغیر کسی وجہ کے واپس نہیں لے سکتی۔

۲۔ اگر کسی نے دس ایکڑ زمین آباد کرنے کیلئے حکومت سے لی مگر 5 ایکڑ اس نے آباد کی اور 5 ایکڑ بیکار چھوڑ دی ہے تو اگر معذوری سے اس نے ایسا کیا ہے تو خیر ورنہ تین برس کے بعد حکومت دوسرے کو دے سکتی ہے۔ اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے تمام زمین آباد کر دی ہے اور بیچ میں تھوڑی سی چھوڑ دی ہے تو اس سے کوئی ہرج نہیں ہے وہ اس کی ملکیت میں رہے گی حکومت کسی کو نہیں دے سکتی۔(۹۴)

۳۔ اگر کسی نے کوئی زمین آباد کی اور پھر دوسرے لوگوں نے آ کر اس کے اردگرد کی زمین آباد کر لی پہلے آدمی کے آنے جانے کے لئے بھی لامحالہ ان کو راستہ چھوڑنا پڑے گا اور اس کے آنے جانے کے لئے بھی۔(۹۵)

۴۔ اگر کسی نے زمین کو جوتا بویا تو نہیں مگر اس کے گرد چار دیواری یا کھاواں بنا دیا۔ یا لوہے کے تار سے گھیر لیا یا درخت کی شاخیں بانس وغیرہ گاڑ دیا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے آباد کر دیا خواہ کھیتی کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس نے اس کے گرد صرف کانٹے دار یا بغیر کانٹے کی جھاڑ پات رکھ دی یا چند پتھر اِدھر اُدھر گاڑ دیے یا اس کی گھاس وغیرہ صاف کر دی یا اس کے پاس کنواں کھود دیا اور تین برس تک کھیتی نہیں کی تو اس پر آباد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

اب حکومت اگر چاہے تو وہ زمین برس تک کھیتی نہیں کی تو اس پر آباد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اب حکومت اگر چاہے تو وہ زمین دوسرے کو دے سکتی ہے یا پھر اگر وہی لینا چاہتا ہے اور حکومت یہ سمجھتی ہے کہ یہ کسی معذوری کی وجہ سے آباد نہ کر سکا تھا تو اس کو بھی دے سکتی ہے اس بارے میں حدیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ دونوں موجود ہیں۔(۹۶)

۵۔ جو کنواں اس نے غیر آباد زمین میں کھودا ہے وہ اسی کی ملکیت ہوگا خواہ زمین اس کی ملکیت میں نہ رہے۔

غیر مسلم کا حکم:

جس طرح مسلمان کسی زمین کو آباد کرے گا تو اس کا مالک ہو جائے گا اسی طرح اگر غیر مسلم بھی کوئی زمین آباد کرے گا تو وہ اسی کی ملکیت ہو جائے گی دوران میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آب پاشی کا انتظام (Management of Irrigation):

۱۔ آب پاشی کے لئے ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی زمین پر کنواں کھودے یا کوئی اور کام کرے اسی طرح ندی و تالاب وغیرہ سے بھی ہر شخص کو آب پاشی کا حق ہے ندی تالاب میں ایک ہی گھاٹ ہو اور پہلے یا بعد میں آبپاشی کرنے میں اختلاف ہو تو جس کا زیادہ نقصان ہوگا وہ پہلے آبپاشی کرے گا ندی تالاب میں مشین فٹ کر کے بھی آبپاشی کرنے کا حق ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے دوسروں کو نقصان نہ ہوتا ہو۔ مثلاً بالکل پانی ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو اور غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کی آب پاشی کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو یا جانوروں کے پانی پینے کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو یا اس سے دوسری اجتماعی ضرورتیں وابستہ ہوں تو مشین فٹ کر کے پانی نکالنے سے روکا جائے گا۔(۹۷)

۲۔ جہاں آب پاشی کا انتظام نہ ہو یا ہو تو ضرورت پوری نہ ہوتی اور یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے البتہ اگر حکومت کے خزانے میں اس کی گنجائش نہ ہو تو پھر عام پبلک سے یہ کام رضا کارانہ لیا جا سکتا ہے۔ اگر لوگ رضا کارانہ نہ کریں تو حکومت اس کے لئے ٹیکس لگا سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس سے عوام کا فائدہ ہے۔ نہر کی کھدائی اگر حکومت کے خزانہ سے ہو تو اس میں وہ عام آمدنی کا پیسہ خرچ کر سکتی ہے۔ عشر زکوٰۃ کا پیسہ نہیں خرچ کر سکتی لیکن اس صورت میں حکومت ان سے پانی کا کرایہ نہیں لے سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۳۔ جن تالابوں، نہروں اور کنوؤں سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اگر وہ پٹ جائیں یا خراب ہو جائیں تو ان کے استعمال کرنے والوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مل کر اس کو درست کریں یا کرائیں اگر وہ نہ کریں گے تو حکومت ان سے بچہ اس کی مرمت کر سکتی ہے اور اگر حکومت خود اس کی مرمت کراتی ہے تو وہ عام لوگوں کی ملکیت ہو جائیں گی جو لوگ اس سے پہلے فائدہ اٹھاتے تھے ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ کسی دوسرے کو فائدہ اٹھانے سے منع کر دیں۔

کنویں کے گرد کی زمین:

اگر کوئی کنواں کھود آ گیا ہے تو جس کی زمین میں کھودا گیا ہے اس نے کھودنے سے پہلے منع نہیں کیا ہے یا اجازت دے دی ہے تو اس کے گرد اتنی زمین کنویں کی ملکیت سمجھی جائے گی جتنی کہ اس سے کام لینے والوں کی ضرورت ہو گی۔ مثلاً اگر صرف آدمیوں یا جانوروں کے پانی پینے کے لئے ہے تو کنویں کے گرد تقریباً دس گیارہ گز زمین کنوئیں کی سمجھی جائے گی اور اگر اس سے آب پاشی بھی کی جائے تو پھر ضرورت کے مطابق اس میں کچھ اور اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے اگر کسی زمین میں کنواں سے پانی لینے سے نہیں روک سکتا البتہ اگر کنویں کے ارد گرد اسی کی زمین ہے تو وہ اپنی زمین سے گزرنے سے روک سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص پانی پینے کے لئے پریشان ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اسے پانی پینے کی اجازت دے اگر نہیں دیتا تو زبردستی اس کے کنویں یا مشک سے وہ پانی لے سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی نے پرتی زمین میں نہر کھودی اور بغل میں کسی دوسرے کی زمین ہے تو اسے نالی بنانے اور اس کے کناروں پر منڈیر بنانے کی اجازت ہے اس لئے کہ اس کے بغیر نہر بنانے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا یہ رائے صاحبین کی ہے امامؒ اس کی اجازت نہیں دیتے۔

گزرگاہیں (Passages):

اسلامی شریعت میں راستہ اور گزرنے اور پانی بہانے کے لئے بھی کچھ قاعدے مقرر کر دیے گئے ہیں۔ تاکہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔

۱۔ راستہ میں جو چیزیں گزرنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہوں گی ان کو دور کیا جائے گا خواہ وہ قدیم زمانہ سے کیوں نہ ہوں مثلاً کھڑکیاں اور دروازے جو عام راستہ پر کھلتے ہوں یا بارجہ نکلا ہوا گر ان سے چلنے والوں کو یا سواری کو لے جانے میں تکلیف ہو تو اس سے روکا جائے گا۔

۲۔ اگر کسی شخص کو مٹی ڈالو یا اینٹ اپنے مکان کی تعمیر کے لئے رکھنے کی ضرورت ہو تو وہ ایک کنارے پر رکھے اور پھر جلد ہی اٹھالے اور اگر ان کے رکھنے سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو رہی ہو تو رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

۳۔ عام گذرگاہ اور گلی میں ہر شخص کو اپنے مکان کا نیا دروازہ اور کھڑکی کھولنے کی اجازت ہے لیکن اگر کسی شخص کا وہ خاص راستہ ہو تو پھر اس میں کھڑکی اور دروازہ کھولنا جائز نہیں ہے۔

۴۔ اگر کوئی خاص راستہ چند آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر نیا راستہ بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

۵۔ خاص راستے سے جن لوگوں کی آمد و رفت ہوتی ہے ان میں سے کسی دوسرے آدمی کو اپنے چھت کا پانی گرانا یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناب دان کھولنا دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

۶۔ اگر عام راستے میں کسی وقت بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ ہو جائے تو پھر خاص راستہ سے گزرنے کی اجازت ہے ان لوگوں کو جن کا وہ راستہ ہے راستہ روکنے کا حق نہ ہوگا اور نہ اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔

۷۔ اگر راستے کے دونوں طرف کسی کے دو مکان یا دو کمرے ہوں تو اس کو دونوں کے درمیان راستے کے اوپر چھت ڈال کر راستہ بنانے کا حق نہ ہوگا۔ اس سے اسے روکا جائے گا۔ (۹۸)

۸۔ اگر راستہ چوڑا کرنے کے لئے کسی کا گھر یا زمین کا لینا ضروری ہو تو حکومت لے سکتی ہے مگر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے قیمت دینا ضروری ہے۔ (۹۹)

۹۔ اگر کوئی پرانا عام راستہ ہے تو اس پر ہر شخص کو چلنے اور اس میں نابدان کھولنے کی اجازت ہوگی لیکن اگر کوئی غیر شرعی کام ہو یا چلنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہو مثلاً گانے بجانے والے گزریں یا بہت گندا بدبودار پانی کوئی بہائے تو اس سے روکا جائے گا۔

۱۰۔ اگر کسی کو اپنے مکان کی مرمت یا تعمیر کی ضرورت ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ پڑوسی کے گھر یا صحن میں سے ہو کر نہ جائے تو پڑوسی کو اجازت دینی ہوگی اگر نہ دے گا تو یا تو خود بنوا دے یا پھر حکومت اس کو اجازت دینے پر مجبور کرے گی۔

۱۱۔ اسی طرح اگر بارش کا پانی بہت زمانہ سے کسی پڑوسی کے صحن سے بہ رہا ہے تو دوسرے کو روکنے کا حق نہیں ہے البتہ اگر اس کی وجہ سے گندگی ہوتی ہے تو گندگی کا دور کرنا ضروری ہوگا ورنہ وہ روک سکتا ہے۔ اگر مکان کئی منزلہ ہوں اور راستہ میں بہت سے لوگوں کے نابدان بہتے ہیں تو جس کا گھر سب سے نچلی سطح پر ہے اس کو کسی کے نابدان کے روکنے کی اجازت نہ ہوگی اگر روکے گا تو حکومت اس کو اس سے باز رکھے گی۔

۱۲۔ اگر کوئی نیا گھر بنائے تو اس کی دوسرے کے گھر سے نابدان لے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قطیعہ کے احکام ومسائل

قرآن وحدیث سے دلائل کی روشنی میں واضح ہے کہ زمین کی شخصی ملکیت جائز ہے۔اس نقطہ نظر کی مزید توضیح اسلامی ریاست کے عمل سے ہوتی ہے۔جس میں مختلف ادوار میں اسلامی ریاست نے مختلف افراد کو زمینیں بطور عطیہ دیں اسے قطیعہ کہا جاتا ہے۔یہ زمینیں موات اور خالصہ دونوں طرح کی زمینوں پر مشتمل تھیں۔

طریقہ اقطاع:

نبی کریمؐ سے لے کر خیر القرون تک کے تمام اسلامی خلفاء بنجر زمینوں کی آبادکاری کے لئے انہیں مختلف افراد امت کو بطور اقطاع یا جاگیر دیتے آئے ہیں۔

جیسا کہ نیچے سے ظاہر ہے:

[وفی روایة ابی داؤد و احمد انه صلی الله علیه وسلم اقطعه حضر فوسه فاجری فرسه حتی قام ثم رمی سوطه فقال اعطوه من حیث بلغ السوط](۱۰۰)

''ابوداؤدؒ اور امام احمدؒ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت زبیرؓ کو وہاں تک زمین عنایت فرمانے کا حکم دیا جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکتا تھا۔انہوں نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔یہاں تک کہ وہ تھک کر رک گیا۔پھر انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا۔آپؐ نے فرمایا انہیں وہاں تک زمین دے دو جہاں تک ان کا کوڑا پہنچا ہے۔''

[عن ابن عباس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اقطع بلال بن الحارث المزنی رضی الله عنه معاون القبله وهی من اعمال الفرع..... ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اقطعه العقیق اجمعه](۱۰۱)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت بلال بن الحارث المزنیؓ کو معاون قبلہ (مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان) کی اونچی زمین بطور جاگیر عطا فرمائی.....ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ نے پوری وادی عقیق عنایت فرمائی۔''

[عن عدی بن حاتم رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اقطع فرات بن حیان العجلی ارضا بالیمامه](۱۰۲)

''حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرات بن حیان العجلیؓ کو یمامہ میں زمین بطور جاگیر عطا فرمائی۔''

خلفاء راشدینؓ کے اقطاع:

خلفاء راشدین نے نبی کریمؐ کے اسوہ حسنہ کی پیروی میں مستحقین کی قطعات اراضی دیئے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

[اقطع ابوبکر طلحة بن عبیدالله ارضا و کتب له بها کتابا واشهدله ناسافیهم عمر](۱۰۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کو زمین بطور جاگیر دی اور انہیں اس کا پروانہ بھی لکھ کر دیا جس پر لوگ گواہ ٹھہرائے گئے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔''

[عن موسى ابن طلحة قال اقطع عثمان بن عفان رضى الله عنه لعبدالله بن مسعود فى النهر وعمار بن ياسر سنينا واقطع خبابا معبنى واقطع سعد بن مالك قرية هرمز](۱۰۴)

''حضرت موسیٰ ابن طلحہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نہر میں (۱۰۵) اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو سینا (۱۰۶) میں زمینیں دیں۔ انہوں نے حضرت خباب بن ارتؓ کو معبنی کی زمین اور حضرت سعد بن مالکؓ کو ہرمز کا گاؤں عنایت فرمایا۔''

[عن موسى بن طلحة ان عثمان اقطع خمسة من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم الزبير وسعد وابن مسعود واسامة بن زيد و خباب بن الارت](۱۰۷)

''حضرت موسیٰ بن طلحہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے نبی کریمؐ کے پانچ اصحابؓ کو زمینیں دیں ان حضرات میں حضرت زبیر بن عوامؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خباب بن ارتؓ شامل ہیں۔''

ان روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نبی کریمؐ اور خلفاء راشدینؓ نے مختلف افراد امت کو زمینیں بطور جاگیر عطا کیں یہ سب کچھ امت کی فلاح و ترقی کے لئے تھا اور اس کی دینی و دنیوی مصالح بھی تھیں۔

اقطاع کی شرطیں (Conditions):

کیا یہ اقطاع (جاگیر دینا) خلیفہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جو زمین جس کو چاہے خوش ہو کر عنایت کر دے؟ ہرگز نہیں بلکہ اسلام کے اقتصادی نظام سے اقطاع کے طریقہ کو چند ضابطوں کا پابند بنایا ہے فقہاء اسلام نے اپنی کتب فقہ کے ابواب احیاء الموات (مردہ زمینوں کی آبادکاری) اور اقطاع الارض (زمین کو بطور جاگیر دینا) میں ان قواعد کو مفصل بیان کیا ہے۔ یہاں ان قواعد و ضوابط کو مختصراً بیان کیا جا رہا ہے۔

۱۔ وہ زمین اسلامی ریاست کے کسی مسلم یا ذمی رعایا کی ملکیت نہ ہو امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں: (۱۰۸)

''امام کو چاہئے کہ وہ تمام بنجر زمینیں بطور قطعات دے دیں اسی طرح ایسی تمام زمینیں بھی جو نہ تو کسی کی ملکیت ہوں نہ کسی کے قبضہ میں ہوں''۔

۲۔ ایسی زمین رفاہ عام اور مصالح عامہ کے کام نہ آتی ہو یا نہ آ سکے اور شہر یا گاؤں سے دور واقع ہو۔

امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کے ایک سوال کے جواب میں لکھا:

''اے امیر المومنین آپ نے ان زمینوں کے بارے میں دریافت کیا ہے جو فوج کشی کے ذریعہ سے یا مصلحت کی راہ سے فتح کی گئی ہیں اور ان زمینوں کے بارے میں دریافت کیا جو بعض دیہاتوں میں اسی حالت میں موجود ہیں کہ نہ ان میں مکانات ہونے کے نشانات پائے جاتے ہیں اور نہ زراعت کے تو ان کے بارے میں کیا مشورہ ہے؟ اگر کسی زمین میں نہ مکانیت کے آثار ہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور نہ ہی زراعت کے نشانات اور نہ ہی وہ اہلیان بستی کے حق میں ''فئی'' اور نہ قبرستان ہو اور نہ چراگاہ اور نہ وہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو تو ایسی زمین ''ارض موات'' (بنجر زمین) ہے۔ پس جو شخص اس کو یا اس کے کچھ حصہ کو آباد کر لے تو وہ اسی کی ہو جائے گی۔ ایسی زمینیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو آپ کو بطور جاگیر دینے کا اختیار حاصل ہے اور اگر مناسب سمجھیں تو اجرت پر کاشت کرالینا یا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر لینا بھی جائز ہے۔''(۱۰۹)

۳۔ اقطاع یا احیاء الارض (مردہ زمین کا آباد کرنا) خلیفہ وقت کی اجازت سے ہوگا یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔

۴۔ اقطاع یا احیاء الموات میں یہ شرط ہے کہ جس شخص نے مردہ زمین کو احاطہ کر کے آباد کیا یا جسے وہ آبادکاری کی غرض سے دی گئی مگر اس نے اسے تین سال تک آباد نہ کیا جس سے اقطاع اور احیاء الموات کا مقصد اور زمین کی آبادکاری فوت ہو گیا تو یہ زمین اس شخص کے قبضہ سے نکال کر بحق سرکار رکھی جائے گی یا کسی دوسرے شخص کو آبادکاری کی شرط پر دے دی جائے گی۔ اس ضمن میں نبی کریمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

[عادی الارض للہ وللرسول ثم لکم من بعد فمن احیا ارضا میتة فھی له ولیس لمحتجر حق بعد ثلاث](۱۱۰)

''(غیر مملوکہ) افتادہ زمین اللہ کریم اور رسول کریمؐ (اسلامی ریاست) کی ہے۔ پھر ان کے بعد تمہارے لئے ہے۔ جس شخص نے مردہ زمین کو زندہ (آباد) کر لیا وہ اسی کی ملکیت ہو گی مگر بے کار اور بے کاشت روکے رکھنے والے کا حق تین سال کے بعد ساقط ہو جائے گا۔''

۵۔ مردہ زمین کو آباد کرنے یا جاگیر دینے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ کنوئیں' بادلی' تالاب' چشمہ وغیرہ کی حریم نہ ہو۔ جنگل میں کنوئیں' بادلی چشمہ اور آبادی کے قریب تالاب وغیرہ کی ضروریات اور ان کی حفاظت کے لئے چاروں طرف جو جگہ چھوڑی جاتی ہے اس کو حریم یا باڑہ کہتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محنت کی عظمت

(Dignity of Labour)

اس کا بڑا مقام ہے۔ اسلام! تیرے احسانات کا کیا ٹھکانہ تو نے ان بے نواؤں کو بانوا بنایا۔ تیرے علیم و حکیم اور غفور و شکور اللہ کریم نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام..... جو انسانیت کے گل سرسبد تھے..... سے وہ کام اور پیشے کرائے جنہیں اس دنیا کے وڈیروں نے ذلت کی نگاہ سے دیکھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے انہیں اپنا کر دراصل ان پیشوں سے متعلق غریب لوگوں کی عظمت کو بڑھایا ہے۔ آپ بھی میرے ساتھ یہ دو حدیثیں پڑھیں اور مزدور کی عظمت کا اندازہ کرتے جائیں:

عن المقدام عن النبی ﷺ قال: ما اکل احد طعامًا قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یأکل من عمل یدہ (۱۱۱)

''حضرت مقدم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اللہ کریم کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔''

حضرت داؤد علیہ السلام ''زرہ'' بناتے تھے اور جنگ کے لئے لوہے کی قمیص کی صنعت کا کام کرتے تھے۔ حدیث میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (۱۱۲)

کان داؤد زرعاً و کان آدم حراثًا و کان نوح نجاراً و کان ادریس خیاطاً و کان موسیٰ راعیًا (۱۱۳)

''حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چکرایا کرتے تھے۔''

فخر انبیاء علیہم السلام فخر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آقا و مولیٰ قراریط کے عوض مکہ مکرمہ میں نبوت ملنے سے قبل اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (۱۱۴)

آنحضرتؐ نے اپنے اس عمل اور بعض دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے اعمال سے یہ ترغیب دی کہ معاش کمانے کے لئے بظاہر کوئی حقیر پیشہ اختیار کرنا پڑے تو ہچکچانا نہیں چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دست کاری کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اختیار دیا۔ لیکن وہ اس سے الگ رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے خطبہ دیا جس میں اللہ رحیم کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسے کام سے الگ رہتے ہیں جس کو میں خود کرتا ہوں اور اللہ کریم کی قسم! میں اللہ کریم کی معرفت اور تقویٰ تم سے زیادہ رکھتا ہوں۔'' (۱۱۵)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں آہن گری کا کام کیا کرتے تھے۔ ہتھوڑا چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ سیاہ اور کھردرے ہو گئے تھے۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران مصافحہ یا کسی اور طریقہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے یہ کھردرا پن محسوس کیا تو وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ہتھوڑا چلاتے چلاتے کیونکہ اس ذریعہ سے اپنے اہل وعیال کے لئے روزی کماتا ہوں۔'' آپؐ نے ان کے ہاتھ چومتے ہوئے فرمایا:

هذه يد يحبها الله و رسوله

''یعنی یہی وہ ہاتھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کریمؐ محبت کرتے ہیں۔'' (۱۱۶)

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک یہودی دشمن کی مزدوری کی اس کے باغ میں مٹی کے ڈھیر پر ستر ہ ڈول پانی کے بہا کر آپ نے سترہ کھجوریں کمائیں اور لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ آپؐ نے انہیں کھا کر اپنی بھوک کا سامان فرمایا۔'' (۱۱۷)

دراصل محنت اور پیشہ انسان کی ذلت ورسوائی کا موجب نہیں بنتے بلکہ یہ انسان (اور مسلمان) کی عظمت ہے کہ وہ حقیر پیشہ اختیار کر کے بھی اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ اسلامی اقتصادیات کی پیشوں کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس وقت بھی جب اسلامی تہذیب وتمدن کا سورج نصف النہار پر تھا' مسلمانوں نے آدھی سے زیادہ دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ ان کی عظمت کا پھریرا نصف عالم پر لہرا رہا تھا مگر اس امت کے علماء کرام' فقہاء عظام..... جو دراصل کسی بھی قوم' جماعت یا معاشرہ کا معزز ترین طبقہ ہوتے ہیں..... اپنے پیشوں کے لحاظ سے پہچانے جا رہے تھے اور آج بھی علم دین کی تاریخ میں ان کے مبارک نام ان کے پیشوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً امام قدوریؒ (ہانڈی بیچنے اور بنانے والے)' امام قفالؒ (تالے بنانے اور بیچنے والے)' امام بصاصؒ (پینٹر کا کام کرنے والے)' امام صفارؒ (برتن فروش)' امام صیدلانیؒ (عطر فروش)' امام دقاقؒ (آٹا فروش)' امام صابونیؒ (صابن بنانے اور بیچنے والے)' امام نعالیؒ (جوتے فروش)' امام بقالیؒ (سبزی فروش) وغیرہ۔ (۱۱۸)

''امام اعظم ابوحنیفہؒ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ (۱۱۹)

امام احمد بن عمر بن مہیرؒ موچی تھے ان کے والد محترم امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کے عظیم شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ عباسی خلیفہ مہتدی باللہ کے لئے کتاب الخراج لکھ رہے تھے جبکہ اپنی معاش جوتیاں تیار کر کے اور بیچ کر پورا کرتے تھے۔ (۱۲۰)

''ملازم اور مزدور تمہارے بھائی ہی ہیں۔ خدا نے انہیں تمہارا ماتحت بنایا ہے تو خدا نے جس کے تحت ان کے کسی بھائی کو کیا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ خود جو کھائے وہی اس کو کھلائے اور خود جو پہنے وہی اس کو پہنائے اور اس سے ایسا سخت کام نہ لے جو اس کو نڈھال کر دے' اگر سخت کام لینا ہو تو خود بھی اس میں شریک ہو کر اس کی مدد کرے۔'' (۱۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محنت کش طبقہ اور مزدوروں کے سلسلے میں کہا:

[اكرموهم ككرامة اولادكم و اطعموهم مما تاكلون] (۱۲۲)

''ان کی عزت افزائی کرو جتنی اپنی اولاد کی کرتے ہو اور ان کو وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو۔''

نیز اس طرح ارشاد گرامی ہے:

[الكاسب حبيب الله]

''یعنی مزدور اللہ کا دوست ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

[لا یدخل الجنة سیئ الملکة]

''اپنے ماتحتوں سے بدخلقی اور بدمعاملگی کرنے والے جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔''

آخرت میں جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت سے محروم ہوں گے ان میں ایک وہ شخص بھی ہے۔

رجل استاجر اجیرا فاستوفی مهنه ولا یعطه اجرهٗ (۱۲۳)

''جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر رکھا پھر اس سے پورا پورا کام لیا اور اس کی مزدوری مار بیٹھا۔''

مزدوری مار بیٹھنے میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے استحقاق یا اس کی ضروریات سے کم مزدوری دی جائے۔

آپؐ نے ادائیگی اُجرت کے بارے میں فرمایا کہ

[اعطوا لاجیر اجره قبل ان یجف عرقه](۱۲۴)

''مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔''

ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ اگر ملازم غلطی کرے تو کتنی بار معاف کیا جائے۔ آپؐ خاموش رہے۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر تیسری بار پوچھا تو فرمایا'

[کل یوم سبعین مرة]

''ہر دن اگر ستر مرتبہ بھی غلطی کرے تو معاف کرو۔''

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس تعلیم کا عملی نمونہ تھی۔ آپؐ نے اپنے ذاتی ملازموں، خادموں اور مزدوروں سے کبھی نابرابری کا سلوک نہیں کیا اور نہ ہی غلطی پر سزا دی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

''میں دس برس تک آپؐ کی خدمت میں رہا مگر آپؐ نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ یہ کام ایسے کیوں کیا یا یہ کام کیوں نہیں کیا؟''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معاشی تنظیم وکاروبار کی مختلف شکلیں اور اسلامی احکام

تنظیم (Organization):

تنظیم ایک قسم کی دماغی محنت ہے' کاروباری قابلیت یا تنظیم کے بغیر کوئی ملک اعلیٰ پیمانے پر دولت پیدا نہیں کر سکتا اس بناء پر اہل معیشت نے تنظیم کو ایک علیحدہ عامل پیدائش قرار دیا ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ایسی محنت کا بھی تذکرہ ہے جس میں بجائے جسم کے زیادہ تر دماغ سے کام لیا جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو بادشاہ مصر نے قحط کے زمانے کے لئے غلے کی فراہمی اور راتب بندی کے کاروبار کی تنظیم پر مقرر کیا تھا۔ آج کل کی اصطلاح میں انہیں رسد اور اغذیہ کی فراہمی کا وزیر مقرر کیا گیا تھا چنانچہ بادشاہ مصر نے ان سے گفتگو کے بعد خواہش کی کہ:

﴿اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ﴾ (یوسف:54)

''آج سے تم ہمارے نزدیک معزز و معتبر ہو۔''

حضرت یوسفؑ نے نوکری کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور پھر اپنے متعلق یہ کہا کہ

﴿اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ (یوسف:55)

''ملک کے خزانوں پر مجھے مامور کر دو میں ان کی حفاظت کرنے والا اور بڑا واقف کار ہوں۔''

غرض اسی طرح حضرت یوسفؑ مختار کل بن کر سات سال تک مصر میں راتب بندی اور رسد کی فراہمی کی تنظیم کرتے رہے۔

مسئلہ تنظیم پر اگر غور کیا جائے تو اسلام تنظیم ہی تنظیم نظر آتا ہے نماز میں امامت' حکومت میں خلافت' حج میں امارت' غرض یہ سب اسلامی تنظیم کے مظاہر ہیں۔ حضور اکرمؐ کو تنظیم پر اتنا اصرار تھا کہ جب دو تین آدمی بھی سفر کرتے تو ایک کو امیر اور دوسروں کو مامور بنا دیا کرتے تھے چنانچہ ابوسعید الخدری کا بیان ہے کہ ''رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ:

''جب سفر کے لئے تین شخص روانہ ہوں تو ایک کو امیر بنا لیا جائے۔'' (۱۲۵)

رسالت مآب ﷺ مدینہ طیبہ کو اگر ایک ہفتہ کے لئے بھی چھوڑتے تو کسی کو وہاں کا نائب بنا دیتے یہی نہیں بلکہ بیعت عقبہ جیسے ابتدائی زمانے میں نقباء مدینہ کی قلیل جماعت کے لئے ماموری کا حکم دیا۔ تنظیم کی پابندی کے متعلق ان حدیثوں سے بھی اندازہ ہوتا ہے جس میں جماعت کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً:

[ید اللہ علی الجماعۃ من شذ شذ فی النار] (۱۲۶)

''اللہ کا دست قدرت جماعت پر ہے جو الگ ہوا وہ دوزخ میں جائے گا۔''

تنظیم کو باقاعدہ چلانے کے لئے تقسیم عمل وغیرہ پر زور دیا جاتا ہے اس سلسلے میں صرف اتنا اشارہ ہی کافی ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر کئی میل کی کائی کھودی گئی تو اس میں حضور اکرمؐ نے خندق کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر چالیس چالیس گز کا فاصلہ دس دس صحابیوں میں تقسیم کیا۔ (۱۲۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور تجارت

(Islam and Trade)

جدید دور میں تجارت زوروں پر ہے یہ چاہے اندرون ملک ہو یا بیرون ملک ہو اس کی اہمیت وافادیت آئے دن بڑھتی جارہی ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں کئی قواعد وضوابط وضع کر رکھے ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ اس موضوع پر پوری روشنی ڈالے گا۔

تعریف(Definition):

سب سے پہلے اس کا تعارف کروانا ضروری ہے۔ تجارت کا عام فہم مفہوم بیع وشراء یعنی خرید وفروخت ہے مگر علماء اسلام نے تجارت کے فنی مفہوم کی وضاحت کے لئے مختلف انداز اختیار کئے ہیں۔ چند نظائر ملاحظہ ہوں:

التجارة التصرف فی رأس المال طلبا للربح (۱۲۸)

''تجارت اصل (سرمایہ) میں اس طرح تصرف کرنے کا نام ہے جس سے منافع ہو۔''

اسی طرح کے الفاظ فرید وجدی نے تجارت کی تعریف میں تحریر کئے ہیں:

التجارة: الصرف فی المال لغرض الربح (۱۲۹)

''تجارت رأس المال (Capital) میں ایسے تصرف کو کہتے ہیں جس کی پشت پر نفع کمانے کا جذبہ کارفرما ہو۔''

ان دونوں تعریفوں سے یہی مفہوم مترشح ہے کہ تجارت کا مقصد نفع کمانا ہے۔ گو جائز نفع کمانا درست ہے مگر تجارت کا صرف یہی مفہوم متعین کرنا پیشہ تجارت کو اس کے عالی منصب سے گرانا ہے۔ کیونکہ تجارت ایسے بابرکت کاروبار کا مدعا نفع کمانا ہی ٹھہرائیں تو پھر مذموم سرمایہ دار اہن ذہنیت کی راہیں کھل جائیں گی اور ہر تاجر کا مقصد اپنے نفع کو زیادہ سے زیادہ کرنا بن جائے گا۔ اس مذموم مقصد کے حصول کے لئے وہ ان تمام قبیح حرکات اور انسان کش افعال کا ارتکاب کرے گا جس سے اس کا منافع زیادہ سے زیادہ ہو مثلاً سودی کاروبار' ملاوٹ' دھوکہ دہی' کم تولنا' جھوٹ بولنا وغیرہ۔

اسلام کے منصفانہ اقتصادی نظام میں تجارت انسانوں میں باہمی معاونت اور خدمت خلق کی ایک بہترین صورت ہے جس کے ذریعے تجارت پیشہ افراد اپنے دوسرے ابنائے جنس کو اپنی پیدا کردہ یا تیار کردہ یا دور دراز سے لائی ہوئی اشیاء وخدمات بالعوض یا بالمبادلہ پیش کر کے تعاون باہمی کا ایک نظام قائم کرتے ہیں۔ جہاں نفع کمانا ثانوی مقصد ہوتا ہے اور انسانی ہمدردی اور خدمت خلق اولین مقصد ہوتا ہے اس طرح تجارت وسائل حیاۃ میں سے ایک اہم وسیلہ کا درجہ رکھتی ہے اور عمران کی ترقی کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔

ان التجارة فی البسط معانیها تبادل منافع (۱۳۰)

''تجارت اپنے عام فہم اور سادہ ترین مفہوم میں منافع کا تبادلہ ہے۔''

یہ تجارت کی زیادہ جامع تعریف ہے جس کی رو سے تجارت کا مقصد منافع جات اور فائدوں کا تبادلہ ہے۔ تجارت کا یہ مفہوم اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تجارت وجود میں اس لئے آئی کہ اس کرۂ ارضی پر بسنے والے تمام انسان اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے میں دوسروں کے محتاج ہیں۔ ہر شخص کسی نہ کسی شئے یا خدمت کے لئے دوسرے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محتاج ہے۔ ایک شخص جو نفع آور اشیاء تیار کرتا ہے یا رکھتا ہے وہ دوسرے کو نقدی کے عوض بیچ یا تبادلہ میں دے کر اس سے اپنی ضرورت کی اشیاء اور خدمات حاصل کرتا ہے گویا یہ نفعوں کا تبادلہ ہے جو معاشرت اور معاش کی روح ہے جس کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے۔

قرآنی شواہد (Quranic Evidences):

قرآن مقدس میں تجارت کی بابت کئی آیات آئی ہیں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ کتاب اللہ میں ایسے متعدد نظائر ہیں جن سے تجارت کی اہمیت اور ترغیب پر روشنی پڑتی ہے جیسا کہ:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعہ:15)

''پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (بذریعہ تجارت) تلاش اور حاصل کرو۔''

اس آیت کریمہ میں ''فضل'' سے مراد طلب رزق حلال اور پاکیزہ مال ہے۔ مفسرین نے اس آیت کا شان نزول ترغیب تجارت قرار دیا ہے:

﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:29)

''اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ کریم نے تجارت کو آپس میں تبادلہ کے ذریعے ایک دوسرے کا مال حلال طریقہ سے استعمال کرنے کی اجازت کہا ہے۔ گویا تجارت نام ہی حلال طریقہ سے کمانے اور کھانے کا ہے۔

نزول قرآن کے وقت تجارت عموماً بری ہوتی تھی اور کہیں کہیں بحری تجارت کا بھی رواج تھا مگر بحری تجارت کو پُرخطر خیال کیا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے اس بظاہر پُرخطر مگر نفع بخش اور بین الاقوامی سطح پر تجارتی روابط کو زیادہ اُستوار کرنے والے ذریعہ تجارت بحری سفر کی ترغیب اس انداز میں دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (فاطر:12)

''اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں پانی پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تلاش کریں اس کے فضل کو (بذریعہ تجارت یا پانی کے شکار سے)۔''

ایک دوسرے مقام پر اس طرح کہا گیا:

﴿وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ (البقرۃ:164)

''اور کشتی ہیں جو سمندر میں سامان اٹھائے تیرتی پھرتی ہیں جس سے لوگوں کو تجارتی فائدہ ہوتا ہے۔''

یہی مضمون سورۃ النحل 16 کی آیت نمبر 14 میں بھی مذکور ہے۔

ایک مقام پر عام بیوع (جو تجارت کے سبب سے وجود میں آتی ہیں) کی اباحت اور نتیجتاً ترغیب ان الفاظ میں دی:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ (البقرہ:275)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اللہ کریم نے بیع کو تو حلال کر دیا ہے۔''

اسلام کے حکیمانہ نظام معیشت نے حج ایسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے سفر کے دوران بھی تجارتی اعمال کو جاری رکھنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی حکمت غالباً یہی ہے کہ سفر حج جہاں مسلمان بندہ کے گناہوں کا میل کچیل دھو کر اس کے روحانی ارتقاء کا سبب بنتا ہے وہاں یہ سفر معاشی طور پر وسیلہ ظفر بھی بنے تاکہ مسلمان بندہ کی روحانی اور مادی دونوں ضروریات کی تکمیل ہو سکے (واللہ اعلم) قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (البقرۃ:198)

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم (دوران سفر حج) اپنے پروردگار کا فضل بذریعہ تجارت تلاش کرو۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں موسم حج کے دنوں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز یہ کے مقامات پر تجارتی بازار لگتے تھے جن میں مشرکین عرب اور دیگر زائرین خرید و فروخت کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے موسم حج میں ان مقامات پر تجارتی کاروبار کو گناہ تصور کیا جس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱۳۱)

جب خلافت راشدہ کا عہد آیا اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی انتظامی اور جہاد فی سبیل اللہ کی مشغولیات بڑھ گئیں اور وہ تجارتی کاروبار کو بنفس نفیس نہ جاری رکھ سکے تو ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ نے تعجب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

''امیر المومنین! کیا آپ لوگ حج کے دنوں میں تجارت کیا کرتے تھے؟''

آپ نے فرمایا:

''ہماری تو معاش ہی حج کے دنوں میں حاصل ہوتی تھی۔'' (۱۳۲)

صحیفہ آسمانی..... جو علیم و خبیر کی کتاب ہے..... نے روز اول ہی سے حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ ایسے ان اشخاص کے گمان کی تردید کر دی جو خیال کرتے ہیں کہ شاید تجارت اور حج (یا اسی طرح کی دیگر عبادات) ایک ساتھ نہیں چل سکتیں، لہٰذا ارشاد ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (النور:37)

''(اللہ کریم کے) بندے تو ایسے بھی ہیں جن کو تجارت اور لین دین (کی مشغولیات) اللہ کریم کی یاد سے غافل نہیں کر سکتے۔''

احادیث نبویہ ﷺ:

تجارت ہی وہ بابرکت اور باعزت پیشہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرف قبولیت سے نوازا۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت مبارکہ سے قبل 12 سال اس پیشہ کو عزت بخشے رکھی۔ قبل از نبوت آپ کی شہرت اور نیک نامی کی اصل وجہ بھی وہ معاملات کی صفائی اور سچائی تھی جو ان کے ساتھ تجارتی معاملات کرنے والوں نے دیکھی اور محسوس کی تھی۔ یہی وہ تجارتی دیانت تھی جو مکہ کی متمول ترین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالہ عقد میں لانے کا محرک بنی جبکہ آپ بصریٰ کی منڈی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت بیچ کر زیادہ منافع کما کر لائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

علیکم بالتجارة فان فیها تسعة اعشار الرزق (۱۳۳)

''تجارت کیا کرو اس میں رزق کا 9/10 حصہ ہے۔''

عن ابی سعید ن الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء (۱۳۴)

''حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں (علیہم السلام) صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

اس حدیث مبارکہ میں سچے اور ایمان دار تاجر کو قیامت کے دن عزت و اکرام کی نوید سنائی گئی ہے یعنی تجارت صرف دنیوی رفاہیت کا ذریعہ ہی نہیں اس میں لگنے والا مخلص تاجر جو تجارت کو اُمت مسلمہ کی خیر خواہی کا ذریعہ بناتا ہے وہ روز قیامت بھی سرخرو ہوگا۔

تجارت میں معاشی خوشحالی اور رفاہیت عامہ کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

''جو تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور رفاہیت ہوتی ہے۔'' (۱۳۵)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تجارتی کاوشیں:

ان حضرات کی مبارک زندگیاں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف تھیں ان کی غالب اکثریت نے اپنی معاشی کفالت کے لئے تجارت کو ذریعہ بنایا ہوا تھا اہل مکہ اور مہاجرین مکہ تو تھے ہی تاجر اہل مدینہ منورہ کی بھی ایک بڑی تعداد تجارت پیشہ تھی۔ ہجرت مدینہ منورہ سے قبل مسلمانان مکہ تاجر تھے۔ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہوں نے تجارت میں مشغول رہنا ہی پسند کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ کے مقام سخ پر کارخانہ اور کپڑا کا گودام تھا۔ وہ شروع ہی سے کپڑے کے تاجر تھے حتیٰ کہ خلیفہ بننے کے اگلے روز چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار کا رخ کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستہ روک کر کہتے ہیں اب آپ اُمت مسلمہ کی خدمت کریں۔ وہ بیت المال کے ذریعے آپؓ کی کفالت کرے گی۔ (۱۳۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تجارتی کاروبار حجاز سے نکل کر ایران تک پھیل گیا تھا۔ (۱۳۷)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے اور ان کا کاروبار شام تک وسیع تھا۔ (۱۳۸)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی پارچہ فروشی کا کام کیا کرتے تھے۔ (۱۳۹)

ابوسفیانؓ بن حرب تیل اور چمڑا فروخت کرتے تھے۔ (۱۴۰)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ یمن سے عطر خرید لاتے اور موسم حج میں اسے فروخت کرتے۔ (۱۴۱)

حضرت عمرو ابن العاص اور حضرت عمارہ بن ولید رضی اللہ عنہما کا تجارتی معاملہ نجاشی حبشہ اور اس کے وزراء تک تھا۔ (۱۴۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تجارتی کاروبار یہاں تک ترقی کر گیا کہ جب ان کے تجارتی قافلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تو دھوم مچ جاتی۔ (۱۴۳)

ہجرت سے قبل مدینہ منورہ کی تجارت پر یہودی چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے تجارتی منڈیاں اور کارخانے بنا رکھے تھے انصار رضی اللہ عنہم نے رنگ سازی' کپڑا بننا' آلات حرب بنانا اور دیگر دستکاریاں انہی سے سیکھی تھیں۔ جب اللہ کریم نے انصار رضی اللہ عنہم کو اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا تو تجارتی سربلندی بھی انہی کے حصہ میں آئی۔ (۱۴۴)

تجارت کے اصول

(PRinciples of Trade)

اسلام نے تجارت کے بابرکت پیشہ پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنے کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں اور یوں تجار کو تلقین کی ہے کہ وہ ان ضوابط کی پابندی کریں۔ ان اسلامی ضوابط میں سے چند اہم اس طرح ہیں:

ا۔ اعتقادات و اخلاقیات (Beliefs and Morality):

اسلام نے اپنے قوانین تجارت کی بنیاد عقیدہ اور اخلاق پر رکھی ہے۔ اسلام تاجروں کو سکھاتا ہے کہ وہ اللہ کریم کے بندے ہیں' جو ان کے ہر ڈھکے چھپے کو ہر وقت دیکھتا اور جانتا ہے۔

﴿كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ (النساء:86)

''یقیناً اللہ کریم ہر ایک شئے پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جامع تعلیمات میں اس عقیدہ کی بنیاد ان الفاظ میں فراہم کر دی ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یحب لا خیہ ما یحب لنفسہ (۱۴۵)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

اسلام چاہتا ہے کہ تجارت پیشہ افراد اخلاق حسنہ سے متصف ہوں' وہ اخلاق حسنہ ہیں صدق و امانت' دیانت' معاملات کی صفائی اور اگر معاملہ طے کرنے میں کبھی تکرار تک نوبت پہنچ جائے تو نرم گفتگو اور عزت نفس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوصاف سے متصف تجار کے لئے دعا کی ہے۔

رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع و اذا اشتری واذا اقتضی (۱۴۶)

''اللہ کریم کی رحمت ہو اس شخص (تاجر) پر جو جب کبھی بیچے' خریدے اور قرض لینے کا مطالبہ کرے تو نرم گوئی اور درگزر کا معاملہ کرے۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

الا اخبرکم بمن یحرم علی النار و تحرم علیہ النار: کل قریب ھین: سھل اذا باع' سھل اذا اشتری' سھل اذا اقتضی (۱۴۷)

''کیا تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتا دوں جو آگ پر حرام اور آگ اس پر حرام کر دی گئی ہے۔ ہر ایک نرم پہلوؤں والا: جو جب بیچے' جب خریدے اور جب مطالبہ کرے تو آسانی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معاملہ کرے۔''

عن واثلة ابن الاسقع قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من باع عيبا لم يتنبه لم يزل في مقت الله اولم تزل الملئكة تلعنه (۱۴۸)

''حضرت واثلہ بن اسقعؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس کسی نے ایسے عیب کے ساتھ کوئی شئے روخت کی جس عیب پر اس نے (خریدار کو) آگاہ نہیں کیا تھا' وہ ہمیشہ اللہ کریم کریم کے غضب میں رہے گا یا فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔''

اس ارشاد مبارک میں ان بدقسمت تاجروں کے لئے درس عبرت ہے جو ناقص مال دے کر خالص کی قیمت وصول کرتے ہیں' بھولے اپنی اس انسان دشمن حرکت کو اپنی فرزانگی سمجھ کر خوش بھی ہیں کہ وہ اپنے بھائی انسانوں کو دھوکہ دے کر اور چند کھوٹے سکے کما کر خود اور اپنی اولاد کو حرام کھلا رہے ہیں۔

۲۔ ذخیرہ اندوزی سے اجتناب (Avoidance from Hoarding):

اسلام کے عادلانہ قانون تجارت نے احتکار (ذخیرہ اندوزی) کو اس کی تمام انواع و اقسام کے ساتھ ممنوع قرار دیا ہے اور اسلامی ریاست کو اجازت دی ہے کہ وہ اس ملعون عمل کو روکنے کے لئے دخل اندازی کرے۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے ذخیرہ اندوزی (احتکار) یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ یا دیگر اجناس کی بڑی مقدار اس لئے اکٹھا کر لے یا خرید کر ذخیرہ کر لے کہ بازار گراں ہو جائے اور صارفین میں اس چیز یا جنس کی مانگ کا مرکز صرف وہی بن جائے اور وہ مجبور ہو کر اس ذخیرہ اندوز (محتکر) سے اس کی شرائط اور مقررہ نرخوں کے مطابق خریدیں۔ البتہ اگر بازار میں اس ذخیرہ کی جانے والی شئے یا جنس کی کوئی کمی نہ ہو اور نہ ہی کسی شخص کے کسی شئے کو ذخیرہ کرنے کا قیمتوں پر کوئی اثر پڑتا ہو تو فقہاء نے اس ذخیرہ کرنے کو ذخیرہ اندوزی نہیں کہا۔ (۱۴۹)

اسلام کے قانون تجارت میں ایسا تاجر ملعون اور خطا کار ہے جو ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کرے اور پھر بازار میں اپنا مال لاکر من مانے دام وصول کرے۔ ایسا تاجر دراصل ڈاکو اور قاتل کی طرح ہے جو اپنی قبر کھنے کے لئے اپنے بھائیوں کا خون نچوڑنا چاہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسان دشمن تاجر کے نفسیاتی عمل اور اس کے انجام کی اطلاع اس طرح دی:

من احتكر حكره يريد ان يغل بها على المسلمين فهو خاطى (۱۵۰)

''جس تاجر نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس شئے کی قیمت چڑھائے وہ خطا کار ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز طریقہ تجارت سے نفع کمانے والے تاجر اور ذخیرہ اندوز میں فرق کرتے ہوئے فرمایا:

الجالب مرزوق والمحتكر ملعون (۱۵۱)

''سوداگر کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے۔''

اسلام کے قانون تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو بھی مردود قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسلم نے اس دور میں احتکار کی دو مروجہ صورتوں "تلقی الرکبان" اور "بیع حاضر للباد" کو ممنوع قرار دیا۔ اس سلسلے میں درج ذیل نظائر قابل توجہ ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تلقى الركبان (۱۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے نکل کر باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں سے جا ملنے سے منع فرمایا۔

فقہاء اسلام نے "تلقی الرکبان" کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جب کبھی شہر میں غلہ یا دیگر اشیاء خوردنی کی قلت ہو اور قحط کے آثار نمایاں ہوں اور شہر کے شاطر تجار شہر سے نکل کر شہر کی طرف آنے والے تجارتی قوافل کو راستہ ہی میں روک کر ان کا تجارتی سامان (خصوصاً اشیاء خوردنی) خرید کر اور چور بازار میں لا کر اپنی شرائط کے مطابق فروخت کریں اور من مانی قیمت وصول کریں۔ (۱۵۳)

"تلقی الرکبان" کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شہر کے خود غرض تجار باہر سے آنے والے کسانوں اور سادہ لوح دیہاتیوں کو شہر کا اصل بھاؤ بتائے بغیر انہیں دھوکہ دے کر ان کی اشیاء سستے داموں خرید لیں اور شہر میں لا کر مہنگے داموں فروخت کریں۔ البتہ اگر شہریوں کے اس طرح باہر ہی سے اجناس خرید لینے سے شہر میں نہ قلت ہو اور نہ ہی اشیاء گرانی ہو تو پھر اس طرح شہر کے باہر ہی سے اشیاء کا خرید لینا "تلقی الرکبان" کے معنی میں نہیں آتا۔ (۱۵۴)

نهى رسول الله ﷺ ان يبيع حاضر لباد (۱۵۵)

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ شہر والا دیہات والوں کے لئے بیچنے کا کام کرے۔"

موجودہ دور میں مہذب احتکار کی مندرجہ ذیل شکلیں رائج ہیں:

(الف) شرکت قابضہ: ایسی شرکت میں پیداواری کاروبار کے اکثر حصص شرکاء ہی خریدتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی شے یا خدمت کی پیداوار کی حد اور اس کی قیمت کا تعین اپنی مرضی سے کرتے ہیں اور یوں خریداروں کا استحصال کرتے ہیں۔

(ب) اومانج: اس استحصالی طریقہ کے مطابق چند کمپنیاں مل کر ایک وحدت قائم کر لیتی ہیں اور یوں کسی شئے کی پیداوار اور اس کی قیمت پر اجارہ داری قائم کر لیتی ہیں۔

(ج) وحدت قیمت: چند مل مالکان یا کارخانہ داران مل کر بازار میں ایک قیمت طے کر لیتے ہیں اور اس قیمت کے ذریعے گاہکوں کا استحصال کرتے ہیں اور اپنے نفع کا زیادہ سے زیادہ حصول ممکن بنا لیتے ہیں۔

۳۔ سود کا خاتمہ (Abolition of Interest):

اسلام نے کاروبار سے ہر قسم کے سود کے خاتمہ کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے سود کو معاشی استحصال کی منحوس ترین شکل کہا ہے جس کے معاشی تعاون اور نتیجتاً معاشی فلاح پر نہایت خطرناک آثار مرتب ہوتے ہیں۔

حرمت سود کی اصل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (سورۃ البقرہ:275)

"اللہ کریم نے تجارتی کاروبار کو حلال کر دیا ہے جب کہ سودی لین دین کو حرام قرار دیا ہے۔"

اس جرم میں ملوث افراد کے لئے شدید ترین وعید سنائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (البقرہ:278)

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم واقعی ایماندار ہو تو اللہ کریم سے ڈرو اور جو (تمہارا کسی کے ذمہ) سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر تمہارے خلاف اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔''

اس آیت کریمہ کی رو سے اسلامی ریاست کو واضح طور پر اختیار ملتا ہے کہ وہ سود خواروں سے لڑ کر یعنی انہیں سخت سزائیں دے کر سودی لین دین سے باز رکھے۔

سود خوار کے ذلت آمیز انجام کی خبر اللہ کریم نے بڑے ڈراؤنے انداز میں دی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ:275)

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (آخرت میں اللہ کریم کے حضور) ایسی حالت میں کھڑے ہوں گے کہ گویا انہیں بھوت پریت لپٹ گیا ہو اور وہ خبطی ہو گئے ہوں۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت کا معاملہ بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔''

اس سلسلہ مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے الفاظ قابل غور ہیں' وہ لکھتے ہیں:

''دراصل سود خور انسان روپیہ اور دولت کے خمار میں ایسا بدمست ہوتا ہے کہ وہ انسانی اخلاق' مروت' ہمدردی بلکہ انسانیت کو بے معنی اور مہمل الفاظ سمجھنے لگتا ہے اور خود غرضی' حرص و طمع اور دوسروں کو برباد کر کے اپنے مفاد کا حصول اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں۔ وہ ہر وقت اس تگ و دو میں پاگل کتے کی طرح مجنون و مخبوط پھرتا رہتا ہے اور مظلوموں' بیکسوں کی فریاد حالت زار سے اندھا' بہرا اور گونگا بن جاتا ہے۔ گویا کہ دیوانہ ہے جسے بھوت پریت لپٹ گیا ہو۔'' (۱۵۶)

۴۔ آمیزش کی بندش (Stoppage of Adulteration):

اس کو موجودہ دور میں کاروباری حربہ اور نفع آوری کا بہترین ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ اسلام کے قانون تجارت میں نہایت قبیح حرکت اور انسانیت سوز عمل قرار دیا گیا ہے۔ تجارتی کاروبار میں اس قسم کی حرکات کرنے والے کمینہ فطرت تجار کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ نفع کمائیں' ناقص مال دے کر عمدہ مال کے دام وصول کریں گویا اپنے بھائیوں کا نقصان کر کے اپنا نفع بڑھائیں۔ وہ انہیں دھوکہ دے اور دیوانہ سمجھ کر اپنی اس فرزانگی پر اپنے دل ہی دل میں مفتون ہوئے جاتے ہیں۔ غالباً ان انسان دشمنوں' آستین کے سانپوں کو یہ خبر نہیں کہ اپنی اس انسانیت کش حرکت سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کے اعلیٰ منصب سے بھی محروم ہونے کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تجار کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

[من غش فلیس منا]

''جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔'' (۱۵۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ نے ایک گوالے کا دودھ ملا پانی زمین پر بہا دیا۔ (۱۵۸)

۵۔ جواء/تخمین کی رکاوٹ:

شریعت عادلہ نے کاروبار تجارت میں جواء اور سٹہ بازی سے منع کیا ہے۔ جواء یا سٹہ سے مراد صرف وہی جواء ہی نہیں جو نقد کے ذریعے کھیلا جاتا ہے بلکہ تجارتی کاروبار میں بھی جواء اور سٹہ (Gambling & Speculation) مختلف تجارتی شکلوں میں پایا جاتا ہے جن کے نام گو اور ہیں مگر دراصل وہ تجارتی جوئے ہی ہیں۔ عہد جہالت میں تجارتی جواء کی چند شکلیں بیع ملامسۃ، بیع منابذۃ، بیع مصارہ (کنکری پھینک کر بیع کرنا) وغیرہا تھیں جنہیں اسلام کے عادلانہ نظام تجارت نے حرام قرار دیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی تجارتی جواء کی یہ تمام صورتیں موجود ہیں، جنہیں نہایت جدید ترین سائنسی بنیادوں پر منظم کر دیا ہے۔ مثلاً موجودہ نظام تجارت میں لاٹری، ریس، سٹہ بازی وغیرہا مہذب تجارتی جوئے کی شکلیں ہیں۔ اسلام کے حکیمانہ قانون تجارت کی رُو سے تجارتی جواء نہ صرف تجارتی اور معاشی اور طبقاتی استحصال کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ معاشرتی امن کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے اور مواساۃ رواداری، ہمدردی اور مروت ان تمام صورتوں کو بند کر دیتا ہے جن سے ایک معتدل معاشرہ کی سیرابی ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے جواء کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے۔

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (المائدہ:90)

''بلاشبہ شراب، جواء، بت اور پانسے یہ سب سرتاسر نجاست ہیں اور کار شیطان ہیں، ان سے بچو۔''

ایک دوسرے مقام پر ان کے نجاست اور شیطان ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ﴾ (المائدہ:91)

''بلاشبہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جواء کی راہ سے تمہارے درمیان بغض وعناد قائم کر دے۔''

تجارتی سٹہ کے محرم راز جانتے ہیں کہ یہ تجارتی نظام کو کس طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ جس کی تہہ میں صرف اور صرف ایک جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ بلا محنت محض دھوکہ دے کر اور مکر فریب سے دھن جوڑا جائے۔

۶۔ دھوکہ دہی سے باز رہنا (To Avoid Fraud):

ایسے سب کاروباری امور جو فریب پر مبنی ہیں جن میں غلط باتیں کر کے شے کو فروخت کیا جائے تو یہ سب شریعت الٰہیہ میں ممنوع بتائی گئی ہیں اور سختی سے رد کا گیا ہے۔

آج کل لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ عیب دار مال کے عیب بیان نہیں کرتے اور اسے چھپا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی ناجائز ہے۔ بعض اوقات مال گھٹیا ہوتا ہے اور اسے بلند معیار کا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح قیمت خرید میں بھی بعض دفعہ غلط بیانی کی جاتی ہے۔ اگر اسلام کا ضابطہ تجارت اس وقت رائج ہو تو یہ تمام قاعدے غلط ٹھہرا دیئے جائیں گے اور قانون کے ذریعے انہیں روکا جائے گا۔ اسلامی ریاستوں میں ہمیں محبت کا تصور ملتا ہے۔ حضورؐ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپؐ بازار سے گزر رہے تھے ایک جگہ آپؐ نے ایک دکان پر غلہ پڑا دیکھا۔ آپؐ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس میں ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس کی۔ دکاندار سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ رات بارش ہوگئی تھی تو غلہ بھیگ گیا۔ دھوپ کی وجہ سے اوپر والا حصہ خشک ہوگیا ہے۔ یہ سن کر رسول خداؐ نے فرمایا:

''تمہیں چاہئے تھا کہ نم دار غلہ اوپر رکھتے تا کہ خریدار کو اس کی کوالٹی کے متعلق اندازہ ہو جاتا''۔

اور فرمایا کہ

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اور اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو ایسی چیز فروخت کرے جس میں کوئی نقص ہو اور اس نقص کو بیان نہ کرے۔''

۷۔ آزادیٔ بازار (Freedom of Bazar):

اسلام چاہتا ہے کہ منڈی میں آزادی کی فضاء قائم رہے۔ اگر منڈی میں اجارہ دارانہ عنصر گھس آئے تو ان کی سرگرمیوں کو اسلام ناجائز قرار دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال حضورؐ کے زمانہ سے ملتی ہے جس کو تلقی علب کہا جاتا ہے۔ شہر کے لوگ اپنی غذا خود پیدا نہیں کرتے تھے بلکہ دوسرے شہروں سے منگواتے تھے۔ جب مکہ اور مدینے کے تاجروں کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں تاجر مال لے کر آ رہا ہے تو شہر کے باہر سے ہی مال کم داموں پر خرید لیتے اور منڈیوں میں منہ مانگے داموں فروخت کرتے۔ رسول اللہؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی سے مال نہ خریدے۔ اسے بیع الحاضر الیاد کہتے ہیں۔ حضورؐ نے اس کی ممانعت ان الفاظ میں کی ہے:

''کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو اللہ انہیں ایک دوسرے کے ذریعے رزق دے گا۔''

۸۔ ناپ تول میں کمی کی ممانعت (Prohibiting Measurement):

تجارت کے بابرکت اور باوقار پیشہ کو ناپاک اور بے وقار بنانے کی ایک مکروہ سازش اور انسانیت سوز چال ناپ تول میں کمی ہے۔ اس مکروہ حیلہ کے ذریعے تاجر کم مال دے کر زیادہ کے دام وصول کرنا چاہتا ہے اور اپنے بھائیوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر ان کے خون پسینے سے کمائے ہوئے دام بٹور لیتا ہے۔

اسلام کے قانون تجارت نے اس قبیح حرکت کو بہت بڑا جرم بتایا ہے اور اس پر دنیا و آخرت کی خرابی و رسوائی کی وعید سنائی ہے۔ قرآن مجید نے اس حرکت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ (المطففین:3-1)

''خرابی ہے گھٹا کر دینے والوں کے لئے۔ وہ لوگ کہ جب دوسروں سے مال لیں تو پورا پورا لیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔''

علامہ طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ ماپنے میں بڑے خبیث تھے۔ وہ لوگ ناپ میں پاسنگ مارتے تھے''۔(۱۵۹)

یہاں اس امر کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اہل مکہ اشیاء تول کر فروخت کرتے تھے اور اہل مدینہ منورہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناپ کر فروخت کرتے تھے۔(۱۶۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجار کو ناپ تول میں کمی کے عذاب اور انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

[قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صحاب الكيل والميزان: انكم قد وليتم امرين هلكت فيهما الامم السابقة قبلكم](۱۶۱)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپ تول والوں کو فرمایا: بلاشبہ تمہیں ایسے دو کاموں کی نگرانی سونپی گئی ہے جن میں کوتاہی کی وجہ سے کئی قومیں تم سے پہلے ہلاک ہوگئیں وہ دو کام ہیں ناپ تول۔''

اسلام کا قانون تجارت ناپ تول میں عدل اور قسط سے آگے بڑھ کر یہاں احسان کا درس دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بازار سے گزر رہے تھے' ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو پیشہ ور تولا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

ناپ تول پورا پورا دینے کے خوشگوار معاشرتی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور اس طرح انسانی قلوب ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں کہ بسا اوقات انسان معاشرتی تعلقات کی بہتر استواری کے لئے اپنی خواہشات تک کی قربانی دینے اور مشکلات برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

۹۔عوام کی بھلائی(Public Welfare):

کبھی کبھار کسی ایک کاروباری' یا چند کاروباری افراد کو' بازار کی طاقتوں پر غیر معمولی غلبہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ قابو غلط طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو تو اس کا حکم واضح ہے۔ مگر جہاں اس طرح کی طاقت قدرتی عوامل کے نتیجہ میں حاصل ہو جائے وہاں بھی کاروباریوں کو یہ حق نہیں کہ اس طاقت کو اشیاء کے گراں کرنے' یا بے جا نفع اندوزی اور دوسروں کے استحصال کا ذریعہ بنائیں۔ لاگت سے بہت زیادہ دام لینا' اشیاء کا معیار گرا دینا' صرف نفع اندوزی کی خاطر سماجی ضرورت سے کم مقدار میں مال تیار کرنا' اس قسم کی چند مضرت رساں پالیسیاں ہیں جو عموماً اجارہ داری کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ قانون کی مداخلت سے قطع نظر فرد کی اسلامی ذمہ داریوں اور اس کے مقام بندگی کا تقاضا ہے کہ اپنی کاروباری زندگی میں ہر ایسی پالیسی سے اجتناب کرے جس سے پورے سماج یا اس کے افراد کی ایک معتد بہ تعداد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اگر کسی کاروباری فیصلے کے مضرت رساں اثرات صرف افراد کے ایک گروہ تک محدود ہوں تو کاروباری فرد کو حتی الامکان اپنے فیصلے میں ایسی ترمیم کرنی چاہئے کہ وہ مضر اثرات نہ مرتب کرے۔ اگر مضرت رساں پہلو کا تعلق پورے سماج یا اس کے افراد کی اکثریت سے ہو تو اسے لازماً ایسے فیصلے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ شریعت ایسے مسائل میں عامۃ الناس کی مصلحت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتی ہے اور مصلحت کا تقاضا ہے کہ فرد واحد (کے مفاد) پر جماعت (کے مفاد) کو ترجیح دی جائے۔(۱۶۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک نظیر اس اصول کی بہت واضح ترجمانی کرتی ہے کہ اگر فرد کے کسی جائز کاروباری عمل سے پورے سماج یا اس کے افراد کی ایک معتد بہ تعداد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اسے ایسے عمل سے بھی باز رہنا چاہئے۔ ایک تاجر نے مدینہ میں بہت سے گھوڑے رکھنے شروع کئے۔ حضرت عمرؓ نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ لوگوں نے اس کی سفارش کی تو آپؓ نے فرمایا کہ میں صرف اس شرط پر اسے کاروبار کی اجازت دے سکتا ہوں کہ اپنے گھوڑوں کے لئے چارا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مدینہ کے باہر سے حاصل کرے۔ چنانچہ اس شخص نے یمن سے چارہ منگوانے کا اہتمام کیا۔ (۱۶۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے جائز کاروباری عمل میں جو مداخلت کی اس کا منشاء غالباً یہ تھا کہ مدینہ کے بازار سے اگر یہ شخص بڑی مقدار میں چارہ خریدے گا تو اس کا نرخ چڑھ جائے گا اور مجاہدین اور عام افراد کو تکلیف پہنچے گی۔ حضرت کا یہ فیصلہ اسلام کیاس اصول کے مطابق ہے کہ اجتماع کے مصالح کو فرد کے مصالح پر ترجیح دی جانی چاہئے اور اجتماع کو انفرادی اعمال کے مضرت رساں اثرات سے بچانے کے لئے انفرادی اعمال کو مناسب حدود کا پابند بنانا چاہئے۔

۱۰۔ صلاحیت معاہدہ (Capacity for Contract):

دین اسلام میں تجارتی (یا کسی بھی دوسرے) معاہدہ کے لئے اولین شرط اہلیت معاہدہ ہے۔ یعنی فریقین یا شرکاء معاہدہ تجارت کے اہل ہوں وہ بالغ ہوں یا ممیز ہوں۔ عاقل ہوں اور آزاد ہوں۔ بالفاظ دیگر بچہ، مجنون اور محجور کا معاہدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ غلام اپنے آقا کی اجازت سے تجارتی معاہدہ کرے گا۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نظائر قابل توجہ ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رفع القلم عن ثلاثة: عن المجنون المغلوب حتى يبرء و عن النائم حتى استيقظ و عن الصبى حتى يحتلم (۱۶۴)

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص شرعی تکالیف کے مکلف نہیں ہیں:

۱۔ مجنون اور مجبور یہاں تک کہ اسے جنون سے افاقہ ہو جائے اور مجبوری سے چھٹکارا حاصل کرے۔

۲۔ سونے والا یہ اں تک کہ بیدار ہو جائے.....اور

۳۔ نابالغ یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پالے۔''

اسی طرح ایک دوسری حدیث مبارکہ میں مجبور کے معاہدہ بیع کی بھی نفی کر دی۔

نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضطر (۱۶۵)

''جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور و مقہور کی بیع کو ناجائز قرار دیا۔''

۱۱۔ معاونت (Co-operation):

اسلامی قانون تجارت میں تجارتی معاہدہ کی بنیاد ہی فریقین کے باہمی تعاون پر رکھی گئی ہے۔ یہاں تاجر کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ تجارتی کاروبار کر کے گو اپنی معاشی فلاح بھی حاصل کر رہا ہے مگر اس کا اصل مقصد یہی ہونا چاہئے کہ وہ کاروبار تجارت اپنے عام بھائیوں کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے ان سے تعاون کر رہا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی فریقین میں مکمل تعاون کو تجارتی معاہدہ کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ اس تعاون کی روح یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے نقصان یا ذاتی نفع کو سامنے رکھ کر معاہدہ تجارت نہ کرے۔ قرآن حکیم نے نہایت بلیغانہ انداز میں اس ضابطہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (المائدہ:2)

''بھلائی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا کرو مگر گناہ اور زیادتی کے کاموں میں بالکل تعاون نہ کرو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجارت بھی چونکہ بھلائی اور خیر خواہی کا کاروبار ہے لہٰذا اس میں تعاون کرنا اور اس کا صحیح صورت میں پایا جانا ثواب بھی ہے اور شرط بھی ہے۔

۱۲۔ باہمی رضامندی (Mutual Consent):

کسی بھی تجارتی معاہدہ میں فریقین کی باہمی رضامندی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ رضامندی جتنی گرمجوشی اور خلوص پر مبنی ہوگی اتنا معاہدہ تجارت زیادہ مضبوط، زیادہ قابل عمل اور زیادہ سہل العمل ہوگا۔ اس لئے شریعت عادلہ نے جبر و اکراہ کی رضامندی کو غیر معتبر اور غیر قانونی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز کا اندازہ کیجئے کہ جہاں اس نے تراضی بین الطرفین کا ذکر کیا وہاں تجارتی کاروبار کے لئے ہی کہا۔ دراصل یہ لین دین اور مبادلہ کا معاملہ ہی تمام معاشی سرگرمیوں کی پہلی اینٹ ہے۔ فرمان قرآن یہ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:29)

''اے ایمان والو! آپس میں اپنے مالوں کو باطل طریقہ سے نہ کھایا کرو ہاں مگر تجارت کے ذریعے باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو (تو اور بات ہے)۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جبر اور اضطرار کی رضامندی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس لئے کہ مفلس مضطر اور مجبور ہوتا ہے کہ جس چیز کو پورا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اسے اپنی بے چارگی کی وجہ سے اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ یہ رضامندی ہرگز حقیقی رضا نہیں ہے۔'' (۱۶۶)

۱۳۔ حلت، اطاعت الٰہی اور مخلوق کی خیر خواہی:

تجارتی معاہدہ کا ایک اصول یہ ہے کہ وہ حلال مال تجارت کے لئے ہو، حرام اشیاء کے لئے نہ ہو۔ اس میں کسی طرح بھی اللہ کریم کی نافرمانی کا عنصر شامل نہ ہو۔ نہ ہی وہ کاروبار اللہ کریم کی معصیت پر مبنی ہو مثلاً شراب و منکرات کا کاروبار اور نہ ہی معاہدہ میں کوئی ایسی شق ہو جس میں طرفین کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معجزانہ تعلیمات میں ایسے تمام عقود کے لئے ایک نہایت جامع مگر مختصر اصول تعلیم کیا ہے۔

لا ضرر ولا ضرار

''نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہچانا ہے۔'' (۱۶۷)

تجارتی کاروبار کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

افضل الکسب بیع مبرور

''بہترین کمائی بیع مبرور ہے۔'' (۱۶۸)

والبیع المبرور ھوالذی یبر فیہ صاحبہ فلم یغش ولم یخن ولم یعص اللہ فیہ (۱۶۹)

''اور بیع مبرور ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں معاہدہ کرنے والے ایک دوسرے سے بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ کریں، نہ اس میں دھوکہ و ملاوٹ ہو نہ خیانت اور نہ ہی اللہ کریم کی نافرمانی کی کوئی بات ہو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وہ معاہدہ بیع جس میں فریقین نے ایک دوسرے کی بھلائی کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ دھوکہ دہی کے حیلے تلاش کئے گئے ہوں (مثلاً بیع یا ثمن یا دونوں میں کوئی ابہام رکھا گیا ہو یا معاملہ ایک دو سودے کا ہوا ہے یا دو کا یا تین کا؟ اور ادھار اور نقد دونوں صورتوں میں قیمت برابر ہوگی یا ان میں فرق ہوگا یا معاہدہ بیع میں کوئی ایسی شرط لگا دی جو معاملہ بیع کا جزء نہ ہو یا بیع کو مجہول رکھا یعنی فریقین زبانی قول و قرار پر اکتفا کریں اور بیع اور ثمن میں سے کوئی چیز موجود نہ ہو وہ معاہدہ طے پا جانے کے بعد بھی نزاع اور مناقشہ کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام بیوع سے منع فرما دیا جو فریقین میں مناقشہ کا سبب بنیں یا جن کے ذریعے ایک فریق دوسرے کو دھوکہ دے سکے۔

تجارت کے ارکان اور شروط (Elements and Conditions):

رکن ایسی خصوصیت کا نام ہے جو کسی شئے یا معاملہ کا جزء ہو اور اس کی اصلیت اور حقیقت میں داخل ہو اور اس کے بغیر اس معاملہ کا تصور ہی نہ ہو سکتا ہو۔ احناف کے نزدیک بیع کا رکن صرف ایجاب و قبول ہے اور ایجاب و قبول کی عملی صورت بیع ہے جس کی بدولت بائع اور مشتری کے درمیان دو اشیاء کا (یا نقدی اور شئے کا) تبادلہ وجود میں آتا ہے۔

باقی آئمہ کے نزدیک بیع کے ارکان یہ ہیں۔ احناف کے مطابق رکن تو ایجاب و قبول ہے اور باقی شرائط ہیں۔ (۱۷۰)

ا۔ ایجاب و قبول (Offer and Acceptance):

الف: ایجاب و قبول کے الفاظ ایسے ہوں جن کا مفہوم قبضہ لینا یا دینا ہو مثلاً بائع کہے بِعْتُ (میں نے بیچا) اور خریدار کہے اِشْتَرَیْتُ (میں نے خریدا)۔ ایجاب و قبول صیغہ ماضی میں ہو۔

ب: یہ ضروری ہے کہ ایجاب و قبول کے کلمات بائع و مشتری نے سنے ہوں، ورنہ بیع درست نہ ہوگی۔ اگر اہل مجلس یا گواہان نے ایجاب و قبول سنا ہو مگر بائع کہے کہ اس نے نہیں سنا، اگر وہ بہرا نہ ہو تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا اور بیع منعقد ہوگی۔ (۱۷۱)

ج: ایجاب و قبول کے بعد جب تک مجلس قائم رہے فریقین کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ جب ان میں سے کوئی ایک مجلس سے اٹھ کر چلا جائے تو بیع لازم ہوگی۔ (۱۷۲)

د: ایجاب و قبول بذریعہ خط و کتابت بھی ہو سکتا ہے مثلاً اگر کسی نے خط لکھا تو جب تک وہ خط فریق ثانی کو نہیں پہنچا اور اس نے قبول نہیں کیا تب تک اس کو قبول یا رد کرنے کا اختیار ہے۔ تب تک اس کو اختیار رہتا ہے کہ اپنا پیغام یا خط پھیر لے۔ جب دوسرے فریق نے خط وصول کر لیا تو وہ جس حالت میں لفافہ کھولے یا خط پڑھے یا پیغام سنے اسی حالت میں یا مجلس میں ہی قبول یا رد کر دے۔ اگر اس نے پیغام سن لیا اور بیٹھا تھا، خاموشی سے اُٹھ کر کہیں اور گیا یا گھر میں داخل ہو گیا یا فوراً انکار یا اقرار کے کلمات نہیں کہے تو ایجاب ہو گیا۔ (۱۷۳)

ل: ایجاب و قبول تمام مبیع کا ہوگا اس کے کسی حصہ کا نہیں البتہ اگر چند اشیاء کا سودا اکٹھا طے پائے اور بائع ہر ایک کی قیمت الگ الگ بتا دے تو پھر مشتری اگر تمام اشیاء نہ خریدنا چاہے تو کسی ایک شئے یا جتنی اشیاء اُس مجموعہ میں سے چاہے اس کا ایجاب و قبول کر سکتا ہے بشرطیکہ بائع بھی اس پر راضی ہو۔ (۱۷۴)

ان کے طے ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے اور فریقین کو اس کو توڑنے کا حق نہیں۔ البتہ اگر مشتری مبیع (سودا) میں کوئی نقص دیکھے یا بتائے گئے معیار سے کم تر پائے یا تعداد یا وزن میں کم پائے تو وہ معاہدہ بیع پورا کرنے کا مکلف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوگا۔(۱۷۵)

۲۔عاقدین:

احناف کے نزدیک بیع کی پہلی شرط اور دیگر آئمہ کے نزدیک بیع کا دوسرا رکن عاقدین (یعنی بائع و مشتری) ہے۔فقہاء کرام نے صاحب معاملہ (خریدار یا فروخت کرنے والا) کی چند شرائط بیان کی ہیں:(۱۷۶)

۱۔ صاحب معاملہ عاقل ہو بالغ ہو۔

۲۔ بوقت معاملہ کسی وجہ سے مجنون یا دیوانہ نہ ہو۔

۳۔ مکرہ نہ ہو یعنی اس پر جبر نہ کیا گیا ہو وہ اپنی رضامندی سے معاملہ کرے۔قرآن مجید کی یہ آیت اس شرط کی طرف اشارہ کرتی ہے:

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾(النساء:29)

''ہاں اگر تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما البیع عن تراض

''بلاشبہ خرید و فروخت تو رضامندی کا معاملہ ہے۔''(۱۷۷)

بیع کی قسمیں(Kinds):

فقہاء اسلام نے بیع کی متعدد صورتیں بیان کی ہیں جن کا دارومدار حسب ذیل موضوعات کے تحت کیا جاتا ہے:

اول: ایجاب وقبول کے اعتبار سے:

بیع کی ایجاب وقبول کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں:

۱۔بیع نافذ: اگر ایجاب وقبول ہونے کے فوراً بعد (اشیاء مبادلہ پر) حق ملکیت حاصل ہو جائے اسے بیع نافذ یا بیع قطعی کہتے ہیں۔

۲۔بیع موقوف یا بیع مشروط: اگر بیع میں بائع یا مشتری نے اپنا ایجاب وقبول کسی دوسرے شخص (مثلاً باپ پر یا وکیل ہونے کی صورت میں مالک) کی اجازت پر مشروط کیا ہو اس صورت میں بیع واقع تو ہو جائے گی مگر یہ بیع موقوف یا مشروط ہوگی۔

۳۔بیع فاسد یا ناقص: اگر بیع کا انعقاد اس وقت پر رکھا جائے جب کہ قبضہ حاصل ہو تو ایسی بیع فاسد یا ناقص ہوگی۔بیع فاسد کی ایک دوسری تعریف یہ بھی ہے کہ بیع میں کوئی غیر ضروری شرط لگانا یا ایسی شرط جس کا عقد بیع سے کوئی تعلق نہ ہو وہ بیع فاسد ہوتی ہے مثلاً بائع سے مبیع اس شرط پر خریدنا کہ وہ (بائع) مشتری کو قرض حسنہ دے۔

۴۔بیع باطل: اگر بیع سے حق ملکیت حاصل ہی نہ ہو تو ایسی بیع کو بیع باطل کہتے ہیں۔مثلاً ناپاک یا حرام اشیاء کی بیع۔ایسے سودا میں بیع کا گویا وجود ہی نہیں ہوتا کیونکہ مسلمان حرام یا ناپاک اشیاء کا مالک بن ہی نہیں سکتا کیونکہ حرام اور ناپاک مال مال متقوم ہی نہیں ہوتا۔البتہ اہل کتاب یا غیر مسلم ناپاک یا حرام اشیاء کا معاہدہ کریں تو ان کی بیع درست ہوگی مثلاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل کتاب یا کافر شراب یا سور کی بیع کریں۔

دوئم: مبیع کے طور پر:

اس کی یہ صورتیں ہیں:

۱۔ بیع مقایضہ: ایسی بیع جس میں مال کا تبادلہ مال سے کیا جائے۔ اس بیع میں جن دو مالوں یا اشیاء کا تبادلہ کیا جائے ان میں سے ایک مبیع اور دوسرا ثمن یا قیمت کے قائم مقام بن جاتا ہے۔

۲۔ بیع صرف: اگر نقدی کی بیع نقدی سے کی جائے تو اس بیع کو صرف (یا صرافہ) کہتے ہیں اور اس قسم کا کاروبار تجارت کرنے والے کو صراف کہتے ہیں۔ دراصل صرف' کے معنی نقدی کو اسی جیسی نقدی کے عوض فروخت کرنے کے ہیں۔ مثلاً روپے دے کر ریال لینا۔

۳۔ بیع سلم: ایسی بیع جس میں غیر حاضر مبیع کی قیمت پیشگی وصول کی جاتی ہے۔ بیع سلم کی ایک تعریف نقدی کو کسی مال سے فروخت کرنا بھی ہے۔ اس کا دوسرا نام بیع سلف بھی ہے۔

۴۔ بیع مطلق: جب کوئی شئے دست بدست یا ادھار فروخت کی جائے' تو ایسی بیع کو بیع مطلق کہتے ہیں اور جب بیع کا لفظ بولا جائے تو عرف عام میں اسے بیع مطلق ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ بیع کی کوئی خاص قسم کا نام لینا ہو تو اس قسم کا اصطلاحی نام (مثلاً مقایضہ' صرف' سلم وغیرہ) لیا جاتا ہے۔

سوم: قیمت یا تجارتی نفع ونقصان کے لحاظ سے:

۱۔ بیع مساومتہ: کوئی شئے کسی قدر نقد داموں کے عوض خریدی خواہ وہ دام اس شئے کی بازاری قیمت کے برابر ہوں یا کم وبیش۔

۲۔ بیع مرابحہ: نفع کی بیع۔

۳۔ بیع تولیہ: ایسی بیع کہ مشتری نے جتنے میں کوئی شئے خریدی ہے اتنے میں ہی آگے فروخت کردے۔

۴۔ بیع الضیعہ: نقصان یا گھاٹے کی بیع۔

تجارت کے چند پہلو (Several Aspects of Trade):

تجارتی لین دین میں بعض اوقات کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جو یہ ہیں:

اول: قرض یا ادھار (Loan):

قرض یا ادھار اور تجارتی کاروبار کا چولی دامن کا ساتھ ہے گویا کہ یہ دونوں جڑواں بھائی ہیں جنہوں نے ایک ہی دن جنم لیا تھا۔ تجارتی کاروبار کی تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں تجارت اور لین دین کا ذکر ہوگا وہاں ادھار اور قرض کا تصور بھی موجود ہوگا۔ تجارت کے روز اول سے لے کر آج تک ادھار لین دین کا وجود باقی ہے۔

قرض سے متعلق قرآن میں حکم ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ (البقرۃ:282)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مدت مقررہ تک قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔''

نیز دستاویز کا مقصد توثیق اور احتیاط ہے لہٰذا دستاویز لکھ لی جائے تاکہ ہر ایک حصہ دار لعن طعن سے بچا رہے۔

امام سرخسی نے دستاویز کے فارم کی عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ان الفاظ میں ہو:

هذا ما اشترک علیه فلان و فلان

''یہ وہ دستاویز ہے جس میں فلاں فلاں نے اشتراک کیا ہے۔''

نیز اس دستاویز میں شرکاء کے نام ان کے سرمایہ کی مقدار اور منافع کے حصص وغیرہ درج ہیں۔(۱۷۸)

موجودہ معاشی ترقی اور سائنسی مشینی دور جس نے انسان کو مشین کا بے حس پرزہ بنانے اور ان پاکیزہ جذبات کو کچلنے کی پوری کوشش کی ہے جن پر باہمی ہمدردی، غریبوں کی مدد کرنا اور محبت و موانست کی بنیاد رکھی جاتی تھی۔ مگر یہ دونوں انسانوں کے باہمی تعلق کے اس باب کو بند نہیں کر سکتے جس کے ذریعے ایک دردمند تاجر اپنے غریب بھائی کو چند دنوں، ہفتوں، مہینوں کے لئے کوئی شئے یا سودا یا نقدی ادھار دے کر اس کی معاشی کفالت کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کے معاشی دکھوں کا وقتی مداوا کر دیتا ہے۔

اگر اسلام کے منصفانہ معاشی نظام کی حرمت سود سے متعلق خیر خواہانہ تعلیمات کو عملی طور پر تسلیم کر لیا ہوتا تو آج کے کاروبار تجارت کو استحصالی حربہ بننے کی مہلت نہ ملتی۔ آج بڑے بڑے کارخانہ داران اور تاجران دوکان داروں کو ادھار مال سود کے لالچ میں دیتے ہیں اور دکاندار اس سود کی رقم کو اپنی لاگت اور اخراجات میں شامل کر کے غریب اور محتاج صارفین سے کل ملا کر وصول کر لیتے ہیں اور یوں ان کا استحصال کرتے ہیں۔ مگر اس ظلم کے باوجود بھی بازار کے اکثر متوسط درجہ کے دوکاندار اور دیہاتوں کے دوکاندار بغیر سود کے ہی قرض اور ادھار دیتے ہیں۔ یہ اسلام کے رحیمانہ قانون تجارت ہی کی کرشمہ سازی ہے۔

ادھار لین دین یا قرض کے بارے میں اسلام نے جو عادلانہ تعلیمات دی ہیں ان کا مختصر ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ ان تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا۔ قرض خواہ یا ادھار دہندہ کے لئے ہدایات:

اسلام کے قانون تجارت نے قرض خواہ کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے حاجت مند بھائی کو جب قرض حسنہ یا ادھار پر دے تو اگر وہ تنگ دست ہے تو اسے مہلت دے اور اگر وہ اس قدر مفلس ہے ادائیگی کی قدرت ہی نہیں رکھتا تو اسے معاف کر کے اپنے رب کریم کے خزانہ میں جمع کرا دے۔ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرۃ:280)

''اور اگر مقروض تنگدست ہے تو اسے فراخی تک مہلت دو اور اگر (بعض حالات میں) معاف ہی کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہلت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

من كان له على رجل حق فلمن اخره كان له بكل يوم صدقة (۱۷۹)

''جس شخص کا کسی دوسرے شخص پر حق (قرض) ہو اور وہ اسے مہلت دے تو اس (قرض خواہ) کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لئے ہر دن کے عوض صدقہ (کا ثواب) ہے۔''

۲۔ مقروض یا قرض خواہ کے لئے ہدایات:

اسلام کے قانون تجارت نے مقروض کو بھی تلقین کی ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کا قرض وقت موعود پر ادا کرے۔ خواہ مخواہ تاخیری حربے استعمال کر کے اپنے قرض خواہ کو مجبور نہ کرے کہ وہ اس سے لڑ کر اپنا قرض دینے کا احسان ضائع کرے۔ قرض دراصل قرض خواہ اور مقروض کے درمیان ایک معاہدہ اور عہد ہوتا ہے جسے پورا کرنا فریقین کی قانونی اور اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر قرض خواہ مقررہ میعاد ادائیگی سے پہلے مطالبہ کرے یا مقروض ادا نہ کرے تو دونوں عہد توڑنے والے ہیں اور قرآن مجید کے اس حکم کے توڑنے والے ہیں۔

﴿إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (الاسراء: 11)

''عہد کی یقیناً بازپرس ہوگی۔''

جو مقروض استطاعت کے باوجود قرض نہ ادا کرے اس کی اس مجرمانہ غفلت کو جرم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مطل الغنی ظلم (۱۸۰)

''مال دار مقروض کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے''۔

قرض خواہ ایسے مقروض کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کر کے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ قرض نہ ادا کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جو قرض ادا کئے بغیر مر جاتا تھا۔

البتہ جب اللہ کریم نے مکہ فتح کر دیا اور اُمت مسلمہ پر اللہ کریم نے اپنی دنیوی رحمتوں کے دروازے بھی کھول دیئے تو بحیثیت رئیس مملکت اسلامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے غریب اُمتیوں کے قرض چکا کر ان کی نماز جنازہ پڑھ لیتے۔

اگر مقروض استطاعت کے باوجود بھی قرض ادا نہ کرے تو اس کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی جائے گی اور اسے عدالت سے سزا دلوائی جا سکتی ہے۔

عن الشرید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للواجد یحل عرضہ و عقوبتہ قال ابن المبارک یحل عرضہ یغلظ لہ و عقوبتہ ان یحبس (۱۸۱)

''حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دینے کی قدرت رکھنے والے کی ٹال مٹول (اور نادہندگی) اس کی عزت (بے عزتی) اور اس کو سزا دینے کو جائز کر دیتی ہے۔ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں اس کی عزت کا حلال ہونا یہ ہے کہ اسے سخت سست کہا جائے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے۔''

مسلمان جج کو اجازت ہے کہ وہ قرض خواہ کی خاطر (صاحب استطاعت) مقروض پر اس کی جائیداد فروخت کرانے کا جبر کر سکتا ہے۔ (۱۸۲)

دوئم: رہن (Mortgage):

قرض اور ادھار کا لین دین ضروری نہیں کہ واقف حال یا دوستوں ہی سے کیا جائے۔ اسلام کے قانون تجارت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں خیر اور تعاون کا یہ دروازہ اجنبیوں اور پرایوں کے لئے کھلا ہے۔ البتہ قرض خواہ اپنے قرض کا تحفظ چاہتا ہے جس کا حل اسلام کے حکیمانہ نظام نے ''رہن'' کے جواز سے کر دیا ہے یعنی اگر قرض لینے والا کسی قدر نا قابل اعتبار ہے یا اجنبی ہے مگر وہ حاجت مند ہے تو اسلام کے قانون تجارت نے اجازت دی ہے کہ اس کی کوئی قیمتی چیز مثلاً زیور، زمین، مویشی وغیرہ رہن رکھ کر اسے قرضہ دیا جائے۔ آج کل کے ترقی یافتہ معاشی دور میں بیمہ کمپنی کے ذریعے یہی کام ہوتا ہے مگر اسلام کے قانون رہن اور سرمایہ دارانہ نظام بیمہ میں فرق حلال اور حرام کا ہے جبکہ سود اور جوا کے ناپاک عناصر نے سرمایہ دارانہ بیمہ کو حرام کر دیا ہے۔

قواعد وضوابط (Rules):

اسلام کے قانون تجارت نے رہن کے چند بنیادی کلیے مقرر کئے ہیں جن کی موجودگی میں رہن کا جواز پیدا ہوتا ہے وگرنہ نہیں۔

ا۔ مرہونہ (Pledged):

شئے کے نفع ونقصان کا ذمہ دار راہن (اصل مالک) ہے اور اس سے حاصل ہونے والے وقتی فوائد یا معمولی منافع مرتہن (رہن رکھنے والا) کے حق خدمت اور حق حفاظت مرہونہ یا اس کی دیکھ بھال پر کئے گئے اخراجات کا بدلہ ہوں گے۔ البتہ اس کے دیرپا ثمرات اصل مالک کے ہوں گے مثلاً محمود نے ذوالفقار کے پاس قرض کی ضمانت کے طور پر اپنی گائے رہن رکھی۔ اب گائے مر جائے یا چوری ہو جائے تو محمود کی، گائے نے نر یا مادہ بچہ جنا تو بھی محمود کا لیکن گائے کا دودھ ذوالفقار کے لئے حلال ہوگا کیونکہ یہ حق خدمت اور اس کی پرورش کے اخراجات کا معاوضہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات اس قانون کی تائید میں ہیں مثلاً:

> ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سواری کے جانور پر اس پر خرچ کرنے کے بدلے سواری کی جاسکتی ہے جبکہ اسے گروی رکھا جائے اسی طرح دودھیلے جانور کا دودھ اس پر خرچ کرنے کے بدلے پیا جاسکتا ہے جب وہ گروی رکھا جائے۔ جو سوار ہوتا ہے اور دودھ پیتا ہے اس کے ذمہ اس کا خرچ ہے۔'' (۱۸۳)
>
> ''حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہن اپنے اس مالک کو جس نے رہن رکھا روک نہیں سکتا اس کے لئے اس کے منافع بھی ہیں اور اس پر اس کا تاوان بھی ہے۔'' (۱۸۴)

ا۔ مذکورہ حدیث نمبر 2 سے یہ قانون بھی بنتا ہے کہ مرہونہ مال پر اگر سرکاری ٹیکس یا کسی دوسرے شخص کا حق بنتا ہے تو وہ مالک (الراہن) ہی ادا کرے گا۔

۲۔ جانور (سواری کا ہو یا دودھیال) کے علاوہ کسی دوسرے مرہون مثلاً مکان، دوکان، زیور وغیرہ سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں اور اگر مرتہن (رہن رکھنے والا) انہیں کرایہ یا اُجرت پر یا اجازت راہن دے تو کرایہ اور اُجرت اصل مالک (راہن) ہی کو ملیں گے۔

۳۔ یہی قانون زمین کے لئے ہے اگر مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا جائے) زمین خود کاشت کرے تو بحیثیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کاشتکار وہ صرف اپنے حصہ پیداوار کا حقدار ہوگا اور اگر کسی دوسرے شخص کو بٹائی پر دے تو بٹائی اصل مالک کو ملے گی۔

سوئم: دیوالیہ پن اور قرقی (Bankruptcy and Confiscation):

معاشی مجبوریاں بھی اپنا عجیب رنگ لاتی ہیں کئی بار مفلس مقروض جب اپنا قرض کبھی بھی ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا تو فقہاء اس مقروض کو مفلس (جس کا اردو ترجمہ دیوالیہ کیا جاتا ہے) کہتے ہیں۔ دیوالیہ یا مفلس کے فقہاء نے قوانین بیان کئے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ مفلس آدمی دیوالیہ ہونے کے باوجود قرض کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوتا۔ عدالت اس سے قرض خواہ کو قرض واپس دلوانے کی مجاز ہوگی' خواہ اس کا اثاثہ ہی فروخت کرنا پڑے۔ اس سلسلہ میں یہ نظیر ملاحظہ کریں:

''حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سخی نوجوان تھے۔ اپنے پاس کچھ بچا کر نہیں رکھا کرتے تھے۔ وہ (سخاوت کے لئے) لوگوں سے قرض لیتے رہے حتیٰ کہ ان کا سارا مال قرضہ میں دھر لیا گیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ان کے قرض خواہوں سے بات کریں۔ اگر قرض خواہ معاف کرنے والے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو معاف کرتے (مگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو) آپؐ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مال اُن کے قرض خواہوں کو فروخت کرنا شروع کیا حتیٰ کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خالی دامن اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (۱۸۵)

۲۔ مفلس یا دیوالیہ شخص کے پاس اگر قرض خواہ اپنا اصل مال پالے تو فوراً لے لے۔ یہ نظیر دیکھیں:

عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ایما رجل افلس فادرک رجل مالهٗ بعینه فهو احق من غیره

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مفلس ہو جائے اور کوئی قرض خواہ اس کے پاس اپنا اصل مال (جو قرضہ میں دیا تھا) پائے تو وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔''

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات مقروض جو چیز یا رقم قرض لیتا ہے وہ اس کے پاس ہونے کے باوجود بھی اتنا مجبور و مقہور ہوتا ہے کہ اسے مالک یا قرض خواہ کو واپس نہیں کر سکتا۔

۳۔ اگر قرض خواہ ایک سے زائد ہوں تو عدالت مقروض (مفلس/ دیوالیہ) کا اثاثہ فروخت کر کے اسے قرض خواہوں میں ان کے قرضوں کی نسبت سے تقسیم کر دے۔ یہ نظیر قابل توجہ ہے:

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک شخص نے پھل خریدے جس میں اسے نقصان ہوا اور اس پر قرض بہت چڑھ گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ترغیب دی: انہیں صدقہ دو۔ لوگوں نے انہیں صدقہ دیا مگر صدقہ کی مقدار اتنی نہ ہو سکی جو ان کا قرض چکانے کے لئے کافی ہوتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرض خواہوں سے فرمایا: جو کچھ تمہیں ملتا ہے وہ لے لو اور اس کے سوا اور تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔'' (۱۸۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ جب کوئی مقروض دیوالیہ ہو جائے تو جو کچھ اس کا مال اسباب اس کے پاس ہوتا ہے وہ اس کا نہیں رہتا۔ لہٰذا اسے اس میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عدالت اسے ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔ عدالت کے اس منع کرنے کو فقہ میں حجر جس کا اردو زبان میں ترجمہ قرقی (Confiscation) ہے۔

عن کعب بن مالک عن ابیه ان رسول الله ﷺ حجر علی معاذٍ ماله و باعه فی دین علیه (۱۸۷)

''حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے مال میں تصرف سے روک دیا اور اسے قرض اتارنے کے لئے بیچ ڈالا۔''

عہد جاہلیت کی کچھ تجارتی صورتیں (Forms):

اسلام سے پہلے تجارتی کاروبار کی چند شکلوں کو عربوں نے رواج دے رکھا تھا۔ ان میں بعض معروف اقسام کا یہاں تعارف کرایا جا رہا ہے:

۱۔ بیع منابذہ:

جب بائع (فروخت کرنے والا) مشتری (خریدار) کی طرف کپڑا پھینک دیتا تو بیع لازم ہو جاتی۔

۲۔ بیع ملامسہ:

جب مشتری مبیع (فروخت اور خرید کی جانے والی شئے) کو چھو لیتا تو بیع لازم ہو جاتی حتیٰ کہ وہ نہ تو مبیع کو کھول سکے اور نہ الٹ کر دیکھ سکے۔ اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ آنکھیں بند کر کے تجارتی مال پر ہاتھ لگایا جاتا اور یہ بات طے کر لی جاتی کہ جس مال پر ہاتھ پڑے وہ اتنی قیمت کا ہوا۔

۳۔ بیع حبل الحبلۃ:

مشتری اونٹنی اس وعدہ پر لیتا کہ جب وہ جنے پھر اس کا جو بچہ ہو وہ جنے تب اس کی قیمت ادا کروں گا۔

۴۔ بیع صفقہ:

ایام جاہلیت میں عربوں کے تجارتی لوازمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب مشتری کوئی چیز خریدتا وہ بائع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر یہ ثابت کرتا کہ اب بیع مکمل ہو گئی۔ اس وجہ سے اس بیع کو بیع صفقہ کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ بائع چاہے نہ چاہے مشتری چالاکی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیع کر لیتا جو بائع کو مجبوراً قبول کرنا پڑتی تھی۔ صفقہ تالی پیٹنے کو کہتے ہیں۔

۵۔ بیع محاقلہ:

اناج کی بالیاں پکنے سے پہلے تاجر کھیتوں کی پیداوار خرید کر قبضہ کر لیتے تاکہ بعد میں اناج اپنی من مانی قیمت پر بیچ سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ بیع مزابنہ:

پکی اور ٹوٹی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض فروخت کیا جاتا تھا جس میں نقصان اور جھگڑا دونوں کے امکانات ہوتے ہیں۔

۷۔ بیع مصراۃ:

دودھیلے جانوروں کو فروخت سے قبل ان کے تھن دو تین دن باندھ دیتے تاکہ وہ بیچتے وقت زیادہ دودھ دیں اور یوں خریدار کو دھوکہ دیا جاسکے کہ جانور زیادہ دودھیلہ ہے لہٰذا اس کی قیمت زیادہ ادا کی جائے۔

۸۔ بیع عربان:

''سائی'' اور بیعانہ والے معاملہ کو کہتے ہیں۔ اس قسم کی بیع میں معاملہ یوں طے ہوتا ہے کہ مشتری بائع کو کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ دے دیتا ہے اور شرط یہ ٹھہرتی ہے کہ اگر مشتری وہ مبیع مقررہ وقت کے اندر اندر نہ خرید کر سکے تو بائع (فروخت کرنے والا) بیعانہ کی رقم بطور ہرجانہ ضبط کرلے گا اور اگر بائع مبیع (فروخت کی جانے والی شئے) نہ فروخت کرنا چاہے تو بیعانہ کے برابر اور رقم بطور ہرجانہ دے۔ جاہلیت کا یہ طریقہ تجارت آج کل بھی مروج ہے۔

۹۔ بیع نجش:

ایسی بیع جس میں زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے چالاک بائع (جو عموماً سرمایہ دار ہوتا ہے) یہ حیلہ اختیار کرے کہ وہ چند اشخاص اس قبیح حرکت کے لئے تیار کرے کہ جب مبیع کی بولی ہو رہی ہو یا قیمت طے پا رہی ہو تو وہ صرف قیمت چڑھانے کے لئے اپنی طرف سے مبیع کے زیادہ دام بتاتے جائیں یا مبیع کی اتنی زیادہ جھوٹی تعریف کریں کہ مشتری زیادہ سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے۔

۱۰۔ بیع مضطر:

ایسے حاجت مند شخص کی بیع جو اپنی سخت حاجت میں اپنا مال اونے پونے داموں فروخت کرے یا اپنی مجبوری کی وجہ سے انتہائی مہنگے داموں چیز خریدے۔

۱۱۔ بیع الکالی بالکالی:

اس کو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں۔ ایسی بیع جس میں دونوں طرف سے اُدھار ہو اس کی کئی صورتیں ہوتی تھیں۔ موجودہ دور کی سٹہ بازی بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ نہ مال موجود نہ قیمت کا وجود۔

۱۲۔ بیع غرر:

ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں عوضین (یعنی مبیع یا قیمت، ثمن) میں سے ایک کی مقدار یا مدت یا قیمت متعین اور معلوم نہ ہو مثلاً ہوا میں اُڑتے پرندوں کی بیع، دریا میں مچھلی کی بیع، جانور کے پیٹ میں بچہ کی بیع وغیرہ مذکورہ بالا اشکال تجارت میں سے تین (5-6-7) مدینہ منورہ سے خاص تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں کاروبار کی شکلیں

(Forms of Business in Islam)

یہی کاروبار کی قسمیں یا مالیات کاری کے طریقے (Modes of Financing) یا طریق ہائے (Methods) فراہمی مالیات بھی کہلاتے ہیں۔ متعدد اقسام پر بحث کی جاتی ہے۔

ا۔ شراکت (Partnership)

اس کو شراکہ یا شرکت یا مشارکہ (Musharikah) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ملکر کاروبار کرنے کی بہتر صورت ہے۔

تعارف:

اس کی چند اہم تعریفیں یہ ہیں:

ایک رائٹر کے مطابق:

''شرکت کی صورت میں یہ لازمی نہیں کہ ہر شریک عملاً کاروبار کرنے میں حصہ لے۔ البتہ کسی شریک کو اس میں عملی حصہ لینے سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اصولاً اسے یہ حق حاصل رہے گا خواہ وہ حصہ لے یا نہ لے۔'' (۱۸۸)

ڈاکٹر نجات لکھتے ہیں:

''شرکت یہ ہے کہ دو یا زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایہ کے ساتھ اس معاہدے (Contract) کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور اس کے نفع و نقصان میں مقررہ نسبتوں (Ratios) کے ساتھ شریک ہوں گے۔'' (۱۸۹)

''جب چند افراد سرمایہ جمع کر کے تمام یا ان میں سے کچھ اشخاص کاروبار یا تجارت شروع کریں یا ایک گروپ یا کمپنی قائم کر کے یکساں یا متفرق رقم اکٹھی کر کے کاروبار چلائیں اور منافع و خسارہ کی ذمہ داری حصہ رسدی کے مطابق قبول کریں تو یہ شراکت ہے۔'' (۱۹۰)

شریعت میں اس کے ثبوت ملتے ہیں۔ امام سرخسی کہتے ہیں:

''سائب بن شریک کے ساتھ آنحضرتؐ نے مکے میں تجارت میں شرکت کی تھی۔ ملاقات پر آپؐ نے اس کا ذکر کیا اور پسندیدہ قرار دیا۔'' (۱۹۱)

رسول کریمؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب تک دو شرکاء میں سے کوئی بھی خیانت نہ کرے تو میں ان کا تیسرا ساتھی بن جاتا ہوں۔'' (۱۹۲)

آپؐ کا ہی ارشاد ہے کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان حصہ داروں کے ساتھ ہوتا ہے جو بے ایمان نہ ہوں۔'' (۱۹۳)

سرمایہ کاری کا ایک اور طریقہ جو قدیم زمانہ سے رائج ہے وہ شرکت کا کاروبار ہے۔

''کسی بڑی تجارتی یا صنعتی مہم کو انجام دینا ایک فرد سے ممکن نہیں' اس لئے چند افراد مشترکہ سرمایہ اور محنت کے ساتھ اس مہم کو پورا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں مثلاً دو برابر دولت والے کسی بڑے کاروبار کے لئے شریک ہو جائیں۔ (۱۹۴)

شرکت کے کاروبار میں دو یا دو سے زیادہ اشخاص مل کر سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں۔ دنیا کے اور حصول کی طرح شغل اصل کا یہ طریقہ اسلام سے پہلے عرب کے قدیم معاشی نظام میں بھی جاری تھا اور اسلام کے معاشی نظام میں بھی اس کو برقرار رکھا گیا۔

''شرکت کے ذریعے کاروبار اسلام میں جائز ہے کیونکہ جس وقت آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو لوگوں میں شرکت کا معاملہ جاری تھا پس آپؐ نے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔'' (۱۹۵)

''رسول اکرم ﷺ کے بعد سے لے کر آج تک لوگ شرکت کے ذریعے کاروبار کرتے آئے ہیں۔'' (۱۹۶)

اسلامی نظام معیشت میں مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں اور شراکتوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراکتی کاروبار عام طور پر بہت مقبول تھے' یہاں تک کہ زراعت میں بھی شراکت کا رواج تھا۔ رسول کریمؐ نے شراکت ہی کے ذریعے بے روزگار مہاجرین کو کاروبار سے لگایا تھا چنانچہ ''انصار نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے اور ہمارے بھائیوں (مہاجرین) کے درمیان باغ تقسیم فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا:

''نہیں۔ انصار نے مہاجرین سے کہا تم محنت اپنے ذمے لے لو اور ہم میوے میں شریک کر لیں گے۔ انہوں نے کہا ہاں ہم نے اس کو مانا۔'' (۱۹۷)

فقہی اصطلاح میں اگر شرکت زراعت سے متعلق ہو تو اسے مزارعۃ اور درختوں یا گلاب وغیرہ کی کیاریوں سے متعلق ہو تو اسے مساقات کہتے ہیں۔ (۱۹۸)

''تمام علمائے اسلام ایسی شرکت کے جواز کے قائل ہیں جس میں ہر ایک شریک دوسرے شریک ہی کی طرح اس قسم کا مال یعنی درہم و دینار کاروبار میں لگا دیتا ہے اور انہیں اسی طرح خلط ملط کر دیتا ہے کہ وہ مل کر ایک ہی مال بن جاتے ہیں اور تمیز باقی نہیں رہتی کہ کس کا مال فروخت ہوا اور کس کے مال سے تجارت کا سامان خریدا گیا۔ اگر نفع ہوتا ہے تو سب کو نفع میں حصہ رسدی ملتا ہے اور نقصان ہو تو سب کا حصہ ہوتا ہے۔'' (۱۹۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۔ مضاربت (Mudarabah)

اس کو مضاربہ بھی کہتے ہیں جس کی اہم تعریفیں دی جاتی ہیں۔ نجات صدیقی کے مطابق ''مضاربت یہ ہے کہ ایک فریق سرمایہ فراہم کرے اور دوسرا اس سے کاروبار کرے۔ اس معاہدے کے تحت کہ اسے کاروبار کے نفع میں ایک متعین نسبت سے حصہ ملے گا۔'' (۲۰۰)

ایک مفہوم یہ ہے:

''سرمایہ ایک فرد کا ہو اور اس سے چند افراد مل کر کاروبار کریں یا کئی اشخاص اکٹھے سرمایہ دیں اور ایک فرد کاروبار کرے سب صورتیں جائز ہیں۔'' (۲۰۱)

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''تعاون باہمی کی چند قسمیں ہیں جن میں ایک مضاربت ہے وہ یہ کہ سرمایہ ایک شخص کا ہو اور محنت دوسرے فرد کی ہو۔ رضامندی فریقین کی تصریح سے نفع دونوں کے مابین مشترک ہو۔'' (۲۰۲)

ایک تعریف یہ ہے:

''جب ایک پارٹی سرمایہ مہیا کرے دوسرا فریق اپنی قابلیت' مہارت اور محنت کو استعمال میں لائے۔ منافع فریقین کی افہام و تفہیم سے مقرر ہو دیگر جزئیات و تفصیلات بھی باہمی رضامندی سے طے کر لی جائیں تو یہ مضاربت ہے۔'' (۲۰۳)

ایک مفہوم یوں ہے:

''مضاربتہ ایسے تجارتی معاملہ کا نام ہے جس میں ایک جانب سے راس المال (سرمایہ) اور دوسری طرف سے فقط محنت ہوتی ہے۔ منافع مثلاً نصف نصف یا کم و بیش متعین ہوتا ہے۔'' (۲۰۴)

جواز:

مضاربت کا تصور بڑا ہی قدیم ہے۔ ابتدائے اسلام سے ہی یہ کاروباری طریقہ رائج رہا ہے۔ اس کے شواہد آئندہ چند صفحات میں دیئے جا رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ان کو مکارم اخلاق کی تعلیم دی' حدود الٰہی سے آگاہ کیا اور ایک ایسی سوسائٹی برپا کی' جس میں عدل و قسط قائم کیا گیا۔ آپؐ نے ایک ایسی سٹیٹ کا پورا نظم عرصہ تک چلایا جس میں انسانی زندگی کے اجتماعی شعبوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق منظم کیا گیا۔ اس پورے عرصے میں شرکت اور مضاربت کے طریقے رائج رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے آپؐ کے تربیت یافتہ رفقاء نے یہ طریقے اختیار بھی کئے۔ آپؐ نے ان طریقوں سے روکا نہیں بلکہ ان پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔ ان میں سے بعض طریقے آپؐ نے خود بھی اختیار کئے تھے۔ یہی بات ان طریقوں کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ (۲۰۵)

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ چند مخصوص شرائط کے ساتھ مضاربت کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ (۲۰۶)

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ انہی شرائط کے ساتھ مضاربت کرتے تھے۔ (۲۰۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز یہ کہ مفسرین کرام تجارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ روح المعانی میں ہے:

یسافرون فیها للتجارة و فی قرن المسافرین لابتغاء فضل الله تعالیٰ بهم اشارة الی انهم نحوهم فی الاجر

یعنی **یضربون فی الارض** سے مراد زمین میں تجارت کے لئے سفر کرنا ہے اور **مسافرین فی الارض للتجارة** کو مجاہدین کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تاکہ مجاہدین کے ثواب کی طرح تجار کے اجر کی بھی وضاحت ہو جائے۔ یہی وضاحت مضاربت کی درج ذیل تفاسیر میں بھی موجود ہے۔ (۲۰۸)

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعۃ:10)

اس آیت سے بھی علامہ کاسانی نے مضاربت کے جواز پر دلیل دی ہے۔

ایک دوسری آیت ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (البقرہ:198)

اس میں فضل سے مراد رزق ہے۔ علامہ الماوردی نے بھی اس آیت سے جواز مضاربت پر استدلال کیا ہے۔

جواز مضاربت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی لوگوں کے ہاں مضاربت جاری رہی۔ دراصل یہ معاملہ عہد جاہلیت میں جانا پہچانا تھا۔ اس وقت قراض کے نام سے موسوم تھا۔ قریش چونکہ تجارت پیشہ تھے اور ان کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ وہ اپنا مال مضاربت پر ان لوگوں کو دے دیا کرتے تھے جو منافع میں ایک مقررہ حصہ پر تجارت کرتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو اسلام میں جاری رکھا اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگرچہ ایک طبقہ منکرین حدیث کا ہے جو مضاربت کے شرعی جواز سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے جبکہ وہ اسلام کے ایک اہم قانونی ماخذ حدیث کا انکار کرتے ہیں تو مضاربت کے انکار کرنے سے مضاربت کے شرعی جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کے علاوہ امت مسلمہ میں سے کسی کو کوئی اختلاف ہوتا تو کوئی اس طرف متوجہ نہ ہوتا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مال بھی قراض کی صورت میں لے کر بیرون ملک تشریف لے گئے تھے۔ نہایۃ المحتاج میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پچیس 25 سال کی عمر میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کا مال ملک شام لے جا کر مضاربت کی۔ اس واقع کو استدلال کہا جاتا ہے کہ نبوت کے بعد آپ ؐ نے اس واقع کی تردید نہیں فرمائی۔ لہٰذا اس کی مشروعیت کے لئے یہی کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ ؓ کا مال لے کر ملک شام میں تجارت کے لئے تشریف لے گئے تو یہ مال حضرت خدیجہ ؓ نے بطور مضاربت کے دے کر بھیجا تھا۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

> ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرید و فروخت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی خرید و فروخت اکثر ہوا کرتی تھی۔ آپ ؐ بطور آجر اور بطور مستاجر رہے۔ مضاربت اور شراکت میں حصہ لیا۔ وکیل اور توکیل کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔''

معلوم ہوا مضاربت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے شرعاً ثابت ہے اور جو لوگ مضاربت کا انکار کرتے ہیں گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا انکار کرتے ہیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود لوگوں کو بھی مضاربت پر آمادہ فرمایا کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مضاربت پر آمادہ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص تین بچیوں کی عیال داری کرے تو وہ اسیر ہے اے اللہ کے بندو تم اس کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرو اور قرض دو۔''

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو مضاربت کو ایک مرجوع عمل قرار دیتے ہیں اور خصوصیت قائم کرتے ہیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مضاربت کی ترغیب دی۔ صحابہ کرامؓ نے خود اس مضاربت کو سرانجام دیا۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

''عروۃ البارقی کو آپؐ نے ایک دینار دیا کہ ایک بکری خرید کر لاؤ۔ عروۃ البارقی نے ایک دینار پر دو بکریاں خرید کر لیں۔ ایک کو ایک دینار پر فروخت کر دیا اور دوسری کو بمع ایک دینار کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا تو آپؐ نے عروۃ البارقی کی اس خرید پر برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد عروۃ البارقی اگر مٹی بھی خریدتا تو اس میں بھی نفع پاتا۔''

سنن الکبریٰ میں ہے کہ آپؐ نے عروۃ البارقی کے لئے یوں دعا کی:

سنن بیہقی میں مضاربت کے بارے حضور علیہ السلام نے حکیم بن حزام کو بھی دعا فرمائی کہ ان کی تجارت میں برکت ہو۔

''حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک دینار دے کر بھیجا تا کہ اس سے ایک قربانی خرید کر لائے۔ پس اس نے ایک دینار پر ایک قربانی خریدی اور پھر اس قربانی کو دو دینار پر بیچ کر نفع حاصل کیا۔ پھر ایک دینار کے بدلے ایک قربانی خرید کی۔ یہ ایک قربانی اور ایک دینار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ایک دینار کو صدقہ کر لیا اور حکیم بن حزامؓ کے لئے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کی تجارت میں اس کے لئے برکت عطا کرے۔''

مندرجہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مضاربت کا نہ صرف جواز ہے بلکہ مضاربت باعث برکت بھی ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ:

''مضاربت میں برکت ہے۔''

مضاربت کی شرعی حیثیت آثار صحابہ اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ عمل تھا کہ وہ یتیم کا مال مضاربت پر دیا کرتے تھے۔

ان اعطیٰ زید بن خلیدۃ مالاً مقارضۃ (۲۰۹)

حضرت جابرؓ کا یہ عمل تھا کہ وہ مضاربت میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے تھے:

"عن جابرؓ انه لم یر بالقراض باساً."

مضاربت کے بارے حضرت عمرؓ کا تفصیلی بیان اس طرح ہے:

''حضرت عمرؓ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور عبیداللہ ایک لشکر میں عراق کی جانب گئے۔ واپسی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس گئے تو انہوں نے ان دونوں کی مہمان نوازی کے بعد کچھ مال ان کے حوالے کیا اور فرمایا کہ عراق جا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کر اس مال سے کچھ سامان اور چیزیں خرید لینا اور اس کے بعد مدینہ جا کر فروخت کر دینا اور اصل مال امیر المومنین کے حوالہ کر دینا' منافع تم رکھ لینا۔ چنانچہ جب وہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے سامان فروخت کرنے کے بعد منافع اپنے پاس رکھ لئے اور راس المال حضرت عمرؓ کے حوالہ کرنا چاہا کہ حضرت عمرؓ کو اس تمام معاملہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ تمام لشکر کو تمہاری طرح مال دیا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یا امیر المومنین۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم امیر المومنین کے بیٹے تھے اس لئے تمہیں مال دیا گیا۔ آپ نے تمام مال اور اس کے منافع ادا کرنے کا حکم دیا۔ تو حضرت عبداللہ نے تو تعمیل کی لیکن حضرت عبیداللہ نے عرض کیا امیر المومنین ایسا کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اگر مال ہلاک ہو جاتا یا اس میں کوئی نقص پڑ جاتا تو ہم اس کے ضامن تھے۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تو عبداللہ خاموش ہی رہے لیکن حضرت عبیداللہ اپنا موقف دہراتے رہے۔

اب مضاربت کی مشروعیت اجماع کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔

''واما الاجماع فانه عن جماعة من الصحابة انهم دفعوا مال اليتيم مضاربة منهم عمرؓ و عثمانؓ و ابن مسعودؓ و علیؓ و ابن عمرؓ و عبید الله بن عمرؓ و عائشةؓ ولم ينقل انه انكر عليهم من اقرانهم احدٌ و مثله يكون اجماعاً'' (۲۱۰)

علامہ کاسانی نے مضاربت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔

علامہ ابن رشد لکھتے ہیں کہ مضاربت کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے:

''ولا خلاف بين المسلمين في جواز القراض وانه مما كان في الجاهلية فاقره الاسلام.'' (۲۱۱)

''یعنی مضاربت کے جواز میں اُمت مسلمہ کا کوئی اختلاف نہیں۔ زمانہ جاہلیت سے اس پر عمل ہے حتیٰ کہ اسلام نے اسے برقرار رکھا''۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں تمام اہل علم کا مضاربت پر اجماع ہے:

''واجمع اهل العلم على جواز المضاربة في الجملة.'' (۲۱۲)

کتاب الفقہ میں ہے مضاربت کے اجماع کی دلیل یہ ہے کہ تمام مسلمان اس کے جواز پر جمع ہیں اور آج تک کوئی بھی اس کا مخالف نہیں ہے۔

''دليل المضاربة الاجماع فقد اجمع المسلمون على جواز ذالك النوع من المعاملة ولم يخالف فيه احد وقد كان معروفاً في الجاهلية فاقره الاسلام لما فيه من المصلحة'' (۲۱۳)

علامہ شوکانی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ سے مضاربت کا عمل ثابت ہے اور یہ آثار صحابہؓ اس بات کی دلیل ہیں کہ مضاربت کا عمل ثابت ہے: (۲۱۴)

بہر طور یہ کہ قرآن و حدیث میں سنت و آثار صحابہؓ اور اجماع امت کے بعد معاملہ مضاربت کے جواز میں قیاس بھی موید ہے اس لئے کہ معاشرے میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس مال ہوتا ہے لیکن تجارت کی اہلیت نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی یا ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں کہ تجارت کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن مال نہیں رکھتے لہٰذا شریعت نے دونوں کے لئے آسانی پیدا فرما دی ہے۔ چنانچہ عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری ٹھہری تاکہ غنی اور زکٰی فقید اور غنی سب کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

سبل السلام میں بھی قیاساً مضاربت کے جواز کی توضیح پیش کی گئی ہے:

"وھو نوع من الاجارۃ الا انہ عفی فیھا من جھالۃ الاجر و کانت الرخصۃ فی ذالک لمواضع الرفق بالناس." (۲۱۵)

۳۔ مزارعت (Tenancy)

یہ ایک ایسا مرکزی اہمیت کا حامل موضوع ہے جس پر سیر حاصل بحث درکار ہے۔ کیونکہ علماء و فقہا میں اختلاف رائے موجود ہے۔ دو قسم کے مباحث پائے جاتے ہیں۔ کئی دلیلیں اس کے خلاف ہیں اور چند اس کی موافقت میں پیش کی جاتی ہیں۔

حنفی مسلک کے لئے (صنائع بدائع الواضح) شافعی کے لئے (فتح القدیر) اور سرخسی (المبسوط) قابل ذکر ہیں۔ شافعی کے لئے (منہاج الطالبیہ وعمدہ المفلین) ابوزکریا یحییٰ بن شرف النوری (کتاب المساقاۃ) مالکی کے لئے (بالتہ السالک الاقرب المسالک)، شیخ انصاری حنبلی کے لئے ابن قدامہ کی (المغنی اور شرح الکبیر) سید ابوالاعلیٰ مودودی (مسئلہ ملکیت زمین) اہم ہیں۔

عدم جواز (Non-justification):

ایسی احادیث مبارکہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت اور نتیجتاً زمینداری یا اس کے نتیجہ میں مزارعت اسلام کے منصفانہ معاشی نظام میں ناجائز ہے۔ ان میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں:

[عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امر کان لنا نافعا اذا کانت لاحدنا ارض ان یعطھا ببعض خراجھا اوبدراھم وقال اذا کانت لاحد کم ارض فلیمنحھا اخاہ اولیزرعھا] (۲۱۶)

"حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں: رسول اللہؐ نے ہمیں ایک ایسے معاملہ سے منع فرمایا جو (بظاہر) ہمارے لئے نفع بخش تھا وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کے پاس اگر زمین ہو تو وہ اسے نہ بٹائی پر دے نہ دراہم (نقد لگان) پر دے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا جس کسی کے پاس زمین ہو وہ یا تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت (بطور احسان برائے کاشت دے دے) یا (اگر خود زراعت کر سکتا ہے تو) خود اسے کاشت کرے۔"

[عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا اولیمنحھا فان ابی فلیمسک ارضہ] (۲۱۷)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جس شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود کاشت کرے یا کسی (مسلمان) کو بطور احسان مفت دے دے اور اگر وہ دونوں باتوں سے انکار کرے تو پھر اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے۔"

ترجمہ: "حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے فقہاء کرام جو مزارعت اور مساقات کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ اسے سادہ زمین اور کھجور (باغات) دونوں کو تہائی (1/3) چوتھائی (1/4) اور کم وبیش پر دینا سب ناجائز ٹھہراتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کی بنیاد حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی حدیث پر رکھتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ ایک (باغ یا کھیت کی) چار دیواری کے پاس سے گزرے اور دریافت فرمایا یہ کس کی چار دیواری ہے؟ حضرت رافعؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یہ میری ہے میں اس کا اجارہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اس میں سے کسی چیز کا بھی اجارہ نہ کیا کرو۔ امام ابوحنیفہؒ اور جو فقہائے کرام مساقات کو ناجائز فرماتے ہیں ان کا استدلال اس حدیث پر ہے۔ امامؒ نے فرمایا: ایسا اجارہ فاسد اور مجہول ہے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ جن دیگر فقہاء کرام کی طرف اشارہ ہے ان سے مراد حضرت حمادؒ حضرت مجاہدؒ حضرت سالمؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ عمرو بن دینار کبار فقہاء ہیں۔

جواز کی روایات:

اب ہم ان روایات میں سے کئی نقل کرنے کی سعادت پا رہے ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مزارعت اور زمیندارہ سسٹم دونوں جائز ہیں۔ زمین کا نقد لگان اور بٹائی دونوں پر دینا درست ہے۔ مصطفیٰ کریمؐ کے زمانہ مبارک خلفاء راشدینؓ کے عہد سعید اور تابعین تبع تابعین کے دور میں بھی مالکان زمین اپنی زمین بٹائی اور نقد لگان دونوں پر دیا کرتے تھے اور اسے جائز تصور فرماتے تھے:

[عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطی خیبر الیھود علی ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطر ما خرج منھا](۲۱۸)

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف (1/2) بٹائی پر ہو۔"

[عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان المزارع فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نوا یکرون مزارعھم](۲۱۹)

"حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ مالکان زمین نبی کریمؐ کے زمانہ میں اپنی زمینیں کرایہ (اجارہ) پر دیا کرتے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں۔

[قال ابن عباس ان النبی ولکن قال ان یمنح احدکم اخاہ خیر لہ من ان یاخذ شیاً معلوما]

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: نبی کریمؐ نے زمین کو اجارہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے زیادہ پسند فرمایا کہ تم میں سے کوئی اگر اپنے (کاشتکار) بھائی کو زمین مفت بطور احسان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے دے اس کی بجائے کہ اس سے مقررہ معاوضہ (کرایہ بٹائی) لے کر دے۔

[(قال ابن عباس رضی اللہ عنہ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم المزارعة ولکن امران یرفق بعضهم ببعض](۲۲۰)

''(حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:) رسول اللہؐ نے مزارعت کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ ترغیب دی کہ (مالکان زمین اور مزارعین) باہم حسن سلوک اور نرمی کا معاملہ کریں۔ لین دین کا معاملہ اس بارہ میں نہ کریں۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایات میں غور کریں تو حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ مصطفیٰ کریمؐ نے زمیندار اور مزارعت کو حرام نہیں ٹھہرایا بلکہ مالکان زمین کے اس رویہ کو استحصال کی نگاہ سے دیکھا ہے کہ اگر وہ خود اپنی زمین کاشت نہ کر سکیں اور خوہ مخواہ ایک معاشی فلاح کے ذریعے کو یونہی بیکار چھوڑے رکھیں اور ملک و قوم کی معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالیں تو بہتر ہے اپنی فاضل زمین اپنے محتاج کسان بھائی کو بطور احسان مفت دے دیں اور اگر کوئی بخیل زمیندار ایسا نہ کرے تو پھر سزا کے طور پر اسے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے اور ہر عقلمند جانتا ہے۔ ایسا وہی کر سکتا ہے جو معاشی سوجھ بوجھ اور عقل دونوں سے عاری ہو۔ (واللہ اعلم)

مزارعت کی شکلیں (Forms):

مزارعت کی بعض شکلوں اور ان کے بارے میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ درج ذیل ہے:(۲۲۱)

۱۔ مزارعت کی سب سے سادہ شکل یہ ہے کہ زمین کا مالک صرف زمین فراہم کرے اور کاشتکار اپنے پاس سے بیج اور آلات زراعت فراہم کر کے اپنی محنت سے اس زمین پر کاشت کرے پیداوار میں دونوں فریق طے شدہ نسبتوں سے شریک ہوں۔

۲۔ مزارعت کی دوسری شکل یہ ہے کہ زمین کا مالک بیج بھی فراہم کرے اور کاشت کار آلات زراعت فراہم کر کے اس زمین پر محنت کرے۔ پیداوار میں دونوں فریق طے شدہ نسبتوں سے شریک ہوں۔

مزارعت کی تیسری شکل یہ ہے کہ زمین مالک کی ہو محنت کاشت کار کرے اور بیج اور آلات زراعت دونوں فریق مل کر فراہم کریں۔ پیداوار میں دونوں طے شدہ نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں۔

۳۔ مزارعت کی چوتھی شکل یہ ہے کہ زمین بیج اور آلات زراعت زمین کا مالک فراہم کرے اور کاشت کار صرف محنت کرے پیداوار میں دونوں فریق طے شدہ نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں۔

۴۔ مزارعت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین بیج آلات زراعت اور محنت ہر چیز میں دونوں فریق شریک ہوں اور پیداوار میں طے شدہ نسبتوں کے مطابق حصہ دار ہوں۔

امام مالک اور مالکی فقہاء کے نزدیک مزارعت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ زمین کے کرایہ کے بقدر اس کے استعمال کی ایک قیمت مقرر کر لی جائے۔ اسی طرح محنت کے معاوضہ کا بھی اندازہ کر کے ایک رقم متعین کر لی جائے اور آلات زراعت کے استعمال کا معاوضہ بھی نقد میں متعین کر لیا جائے۔ دونوں فریق آدھا آدھا بیج فراہم کریں۔ پیداوار میں دونوں کے حصے ان کے لگائے ہوئے سرمایہ کی نسبتوں کے مطابق ہوں۔ ہر ایک کا فراہم کردہ سرمایہ وہ رقم ہے جو اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فراہم کردہ زمین آلات اور محنت یا ان میں سے بعض کے معاوضہ کے طور پر متعین کی گئی ہو۔ یہ جائز نہیں کہ پیداوار میں دونوں فریق کے حصوں کی نسبتیں ان کے فراہم کردہ عوامل پیداوار کی قیمتوں کی نسبتوں سے مختلف ہوں۔(۲۲۲)

اس تشریح کی روشنی میں بآسانی یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے تیسری اور پانچویں شکل اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پیداوار میں دونوں فریقوں کے حصے ان کے فراہم کردہ سرمایوں کی نسبت سے ہوں اور دوسری شکل اس شرط کے علاوہ یہ ترمیم بھی چاہتی ہے کہ کاشت کار بھی آدھا بیج فراہم کرے بعض مالکی فقہاء کے نزدیک یہ ترمیم بھی ضروری نہیں ہے پہلی شرط کی پابندی کافی ہے۔(۲۲۳) مالک کے فراہم کردہ بیج کی قیمت اس کے لگائے ہوئے سرمایہ کے اندر شامل کرلی جائے گی۔

امام شافعی اور شافعی فقہا کے نزدیک مزارعت کی صرف وہ شکل جائز ہے جو مساقات کے تحت آتی ہو۔ یعنی کسی باغ کا مالک اپنے باغ کی سینچائی اور دیکھ بھال کا کام کسی فرد کے ذمہ اس شرط پر کرے کہ وہ باغ کے پھلوں میں سے ایک حصہ کا حق دار ہوگا۔ اسی فرد کے ساتھ اس باغ میں درختوں کے درمیان جو خالی زمین ہو اس پر کاشت کے سلسلہ میں مزارعت کا معاملہ بھی کیا جاسکتا ہے۔(۲۲۴)

خاص حکم:

چونکہ مزارعت نتیجہ کے اعتبار سے شرکت کا حکم رکھتی ہے۔ اس لئے اس کا سب سے خاص اور امتیازی حکم یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصہ کے اعتبار سے ہو تعداد کے تعین کے اعتبار سے نہ ہو۔ یعنی دونوں میں سے کوئی یہ تعین نہ کرے کہ فلاں حصہ کی پیداوار یا اتنے بورے یا اتنے من پیداوار تو میری ہوگی اور باقی جو کچھ بچے گا وہ تمہارا ہوگا بلکہ یوں طے کرنا چاہئے کہ چوتھائی (1/4) یا نصف (1/2) فلاں کو ملے گا اور بقیہ فلاں کو ملے گا دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے پہلی صورت یعنی کوئی مقدار مقرر کرنے کی صورت میں اگر بفرض محال اتنا ہی غلہ پیدا ہوا جتنا کہ مالک زمین کا حصہ ہے تو وہ سراسر فائدہ ہورہے گا اور کاشتکار بالکل گھاٹے میں رہیں گا۔ لیکن اگر حصہ کے اعتبار سے تقسیم ہوگا تو کم وبیش جتنا پیدا ہوگا دونوں کو اپنے حصہ کے مطابق ملے گا۔ اگر فائدہ ہوگا تو دونوں کو ہوگا اور نقصان ہوگا تو دونوں کو ہوگا۔(۲۲۵)

ارکان وشرائط (Elements and Conditions):

۱۔ مزارعت اور اجارہ ارض کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں اپنی مرضی سے معاملہ کریں دونوں کو بالغ ہونا ضروری نہیں ہے یعنی دونوں ایجاب وقبول کریں یہی شرط مزارعت کا رکن بھی ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جو زمین مزارعت کے لئے دی جائے وہ قابل کاشت ہو اگر کوئی اپنی اوسر بنجر زمین دے کہ یہ کہے کہ تم اس کو قابل کاشت بناؤ اور بنا کر اس میں کھیتی کرو جو پیداوار ہوگی دونوں بانٹ لیں گے تو یہ صحیح نہیں ہے۔(۲۲۶)

۳۔ تیسری شرط یہ ہے جس کا ذکر اوپر تفصیل سے آچکا ہے کہ مالک اور مزارع دونوں اپنا حصہ طے کرلیں کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا دونوں میں سے کوئی بھی نہ تو اپنے لئے کوئی کھیت مخصوص کرکے معاملہ طے کرے اور نہ وزن اور پیمانہ کی مقدار مقرر کرکے یہ کہے کہ زیادہ پیداوار ہو یا کم ہو اتنے من یا اتنے بوجھ ہم لے لیں گے اور جو بچے گا وہ تمہارا ہوگا تو مزارعت صحیح نہ ہوگی۔ اگر دونوں کے حصہ کا تذکرہ نہ ہو تو کاشتکار کے حصہ کا ذکر ضرور ہونا چاہئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اتنا کاشتکار کا ہوگا بقیہ مالک کا۔

اگر زمین لگان پر دینی ہے تو لگان طے ہو جانی چاہئے کہ کتنی ہوگی اس صورت میں کاشتکار کو غلہ اور مالک کو نقد لگان ملے گی۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ زمین' ہل' بیل' بیج کے بارے میں یہ طے ہو جانا چاہئے کہ کس کی کون سی چیز ہوگی یعنی یہ کہ مالک صرف زمین دے کر علیحدہ ہو جائے گا اور ہل بیل محنت اور بیج وغیرہ سب کاشتکار کے ہوں گے یا کوئی صورت ہوگی اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ان میں کئی جائز اور بعض ناجائز ہیں۔مثلاً:

۱۔ زمین ایک شخص کی ہو اور تمام چیزیں یعنی ہل' بیل' بیج اور کام وغیرہ کاشتکار کے ہوں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زمین' ہل' بیل اور بیج سب چیزیں ایک کی ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل بیل اور محنت دوسرے کی ہو۔

۴۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ بیج اور ہل بیل ایک کا ہو اور محنت اور زمین دوسرے کی ہو تو یہ متفقہ طور پر ناجائز ہے۔

۵۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ بیج ایک آدمی کا ہو اور تمام چیزیں دوسرے کی ہوں یہ بھی ناجائز ہے۔(۲۲۷)

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین دے جانے کی مدت متعین کر دی جائے کہ اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لئے دی جائے گی۔(۲۲۸)

۶۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ جو چیز بونی ہو وہ بتا دی جائے مزارع یہ بتا دے کہ گیہوں بوئے گا یا ترکاری بوئے گا یا تمباکو کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کی کاشت کو اپنی زمین میں بونا پسند نہ کرتا ہو اور بعد میں اختلاف ہو اور پھر حصہ کی تعیین میں بھی اس سے مدد ملتی ہے۔البتہ اگر مالک زمین یہ اجازت دے دے کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو پھر اس کو اختیار ہے کہ جو چیز چاہے بوئے۔(۲۲۹)

۷۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ زمین کو خالی کر کے کاشتکار کے حوالہ کر دیا جائے۔

۸۔ آٹھویں شرط یہ ہے کہ بٹائی پر دینے کے بعد دونوں کو طے شدہ حصہ کے مطابق پیداوار میں شریک رہنا پڑے گا ایسا نہیں ہوسکتا کہ فصل کٹنے کے بعد فریق یہ کہے کہ ہم غلہ کے بجائے روپیہ لیں گے یا کوئی دوسری جنس لیں گے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۴۔ مساقات

زمین کو بٹائی پر دینے کا نام مزارعت اور پھل دار درختوں کو بٹائی پر دینے کو مساقاۃ کہتے ہیں۔
اگر کوئی شخص اپنا تیار شدہ درخت یا باغ کسی شخص کو اس شرط پر دے کہ تم اس کی گڑائی سنچائی اور نگرانی کرو جو پھل ہوگا دونوں بانٹ لیں گے تو اس کی شریعت میں مساقاۃ کہتے ہیں۔ سقی کے معنی پانی دینے کے ہیں۔ اسی سے مساقاۃ بنا ہے گویا اصل کام اس میں پانی دینا اور پانی دے کر گوڑنا ہے۔ مزارعت کی طرح مساقات میں بھی کم از کم دو آدمیوں کا پایا جانا ضروری ہے چنانچہ مساقات میں بھی دو آدمی ہوتے ہیں اس کو عقد معاملہ بھی کہتے ہیں۔

لوازمات (Requirements):

مساقاۃ کے ارکان و شرائط بھی وہی ہیں جو مزارعت کے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ معاملہ کرنے والے عاقل ہوں۔

۲۔ مدت مقرر ہو۔

۳۔ دونوں کا حصہ مقرر ہو۔

۴۔ درخت کو حوالہ کر دیا جائے۔

تھوڑے سے جزئی اختلاف کے ساتھ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں ملتی ہے۔
البتہ دو تین باتوں کی وجہ سے مزارعت اور اس میں فرق ہو جاتا ہے۔ (۲۳۰)

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مساقات کا معاملہ لگے لگائے باغ یا درخت میں جائز ہے۔ (۲۳۱)
اس شرط پر یہ معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا کہ درخت یا باغ لگا ؤ تیار ہونے کے بعد دونوں پھل میں شریک رہیں گے مزارعت میں بونے اور غلہ پیدا ہونے کی شرط پر زمین دینا اس لئے جائز ہے کہ اس کی منفعت جلد سامنے آ جاتی ہے۔ اس لئے کاشتکار کا اس میں فائدہ بھی ہے اور مدت کم ہونے کی وجہ سے اختلاف کی گنجائش بھی کم ہے اور یہ بات بھی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو اپنا فیصلہ بدلنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اس کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ دو چار ماہ میں اپنا فیصلہ بدل دے لیکن درخت اور باغ کے معاملہ میں ان میں سے کوئی بات حاصل نہیں ہے۔

۲۔ مزارعت اور مساقات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مساقات کا معاملہ ہو جانے کے بعد بغیر کسی عذر شدید کے دونوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ علیحدہ ہو جائے اگر کوئی فریق علیحدہ ہوگا تو قانوناً اس معاہدہ کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا لیکن مزارعت میں جس فریق نے بیج دیا ہے اگر وہ معاہدہ بغیر عذر کے بھی توڑنا چاہے تو توڑ سکتا ہے لیکن جس نے بیج دیا ہے وہ تو معاملہ باقی رکھنا چاہتا ہے مگر دوسرا فریق بھاگ رہا ہے تو اس کو قانوناً مجبور کیا جائے گا پہلی صورت میں اس کو علیحدہ ہونے کی اس لئے اجازت ہے کہ اگر وہ علیحدہ ہوگا تو اس کے بیج کا نقصان ہوگا اس لئے بیج دینے کے بعد خود بیج کی لالچ اس کو کاشت کرنے یا کرانے پر مجبور کرے گی اس لئے قانون کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن دوسری صورت میں چونکہ بیج والے کا نقصان ہے اس لئے اس کے نقصان کی تلافی کے لئے قانون کا سہارا لینا پڑے گا یہی صورت مساقاۃ میں ہے کہ اگر باغ والا باغ دینے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد بغیر عذر باغ لینے والے کو علیحدہ کرتا ہے تو اس بیچارے کا وقت اور محنت برباد ہوئی اور مالک باغ کو کوئی نقصان نہیں ہوا تو ایک فریق کو بغیر کسی وجہ کے نقصان پہنچانا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اگر باغ لینے والا علیحدہ ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ دوسرا آدمی مالک باغ کو بروقت نہ ملے اور اس کا شدید مالی نقصان ہو جائے گویا اس کی علیحدگی سے ایک طرف اس کی محنت ضائع ہوگئی اور دوسری طرف باغ کے مالک کو بلاوجہ مالی نقصان اٹھانا پڑا اسی لئے دونوں میں سے اجازت اس بات کی نہیں ہے کہ وہ بلاوجہ کسی کو نقصان پہنچائے۔ (۲۳۲)

۳۔ مساقات ان درختوں اور ترکاریوں وغیرہ میں جائز ہے جس کی جڑ زمین ہو اور اسے پانی دینے اور حفاظت کی ضرورت ہو۔ پھل چاہے آئے یا نہ آئے۔ (۲۳۳)

۴۔ اگر مساقات کی کوئی ایسی مدت متعین کی جس مدت میں عموماً پھل نہیں آتا تو یہ معاملہ صحیح نہیں ہے مگر وقت تو پھل آنے کا تھا مگر پھل آنے میں دیر ہوگئی تو اگر پھل آ گیا تو دونوں بقدر حصہ بانٹ لیں گے اور نہ آیا تو معاملہ ختم ہوگیا اور کام کرنے کو اجرت مثل ملے گی۔ (۲۳۴)

مزارعت، مساقات اور اجارہ ارض کے چند دیگر مسائل:

۱۔ اگر یہ بیان نہ کیا گیا کہ زمین میں کسی چیز کی کاشت ہوگی اور نہ مالک زمین نے کسان کو یہ اجازت دی کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو یہ مزارعت یا اجارہ ارض کا معاملہ کالعدم سمجھا جائے گا۔ البتہ اگر معاملہ فسخ کرنے سے پہلے پہلے اس کی وضاحت ہوئی تو معاملہ صحیح ہو جائے گا۔ (۲۳۵)

۲۔ اگر لگان پر زمین دے دی تو جتنی مدت کے لئے دی ہے اتنی مدت میں کسان جتنی فصل چاہے بوئے کاٹے لگان بڑھانے کا اختیار نہ ہوگا البتہ مدت ختم ہونے کے بعد پھر وہ لگان بڑھا سکتا ہے اوپر تفصیل آ چکی ہے۔

۳۔ لگان پر کوئی زمین چار مہینے کے لئے دی ہے مگر چار ماہ میں فصل تیار نہ ہو تو فصل کٹنے تک مالک کو زمین کا لی کرانے کا حق نہ ہوگا مگر جتنی مدت زیادہ کسان نے زمین کو پھنسا رکھا ہے اتنی مدت کی مزید لگان دینی پڑے گی اس مدت کی لگان کا اندازہ طے شدہ لگان کے مطابق کیا جائے گا۔

۴۔ مزارعت، مساقات یا اجارہ ارض میں اگر کاشت کارنے مالک زمین سے بھی کام کرنے کی شرط لگا دی تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا فصل کی تیاری میں جتنی محنت صرف ہوگی وہ سب کاشت کار کے ذمہ ہوگی مالک سے وہ محنت نہیں لے سکتا یوں وہ خود کر لے تو اس کو اختیار ہے۔

۵۔ کھیتی کے اخراجات اور اس کے کاٹنے، دھونے، مالش یا دانہ نکالنے کی ذمہ داری اگر کاشت کار پر ڈالی جائے تو یہ معاملہ صحیح نہ ہوگا بلکہ اپنے اپنے حصہ کے بقدر خرچ برداشت کرنا ہوگا یہ امام صاحب کا مسلک ہے، مگر امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ سارے زرعی اخراجات اور کاٹنے اور مالش کرنے کی ذمہ داری کاشت کار پر ڈالی جاسکتی ہے۔ امام سرخسی نے تعامل کی وجہ سے اسی کو ترجیح دی ہے ہمارے دیار میں بھی یہی تعامل ہے البتہ غلہ پیدا کرنے کے لئے کھاد وغیرہ ڈالنے میں دونوں کو شریک کرنا ضروری ہے۔

۶۔ غلہ تقسیم ہو جانے کے بعد ہر شخص اپنا غلہ اٹھا کر لے جائے کاشت کار پر مالک زمین کا غلہ پہنچانے کی ذمہ داری نہیں ہے اگر اس سے یہ کام لیا جائے گا تو مزدوری دینی پڑے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ جس کا بیج ہو وہ یہ شرط نہیں لگا سکتا کہ بیج کے بقدر غلہ لے لینے کے بعد پھر دونوں تقسیم کریں گے اگر یہ شرط لگائی گئی تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اتنا ہی غلہ پیدا ہو جتنا بیج ڈالا گیا ہے اس لئے دوسرا بالکل محروم ہو جائے گا اور یہ شراکت کے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی فریق بالکل محروم ہو جائے گا اور یہ شراکت کے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی فریق بالکل محروم رہ جائے۔(۲۳۶)

۸۔ اسی طرح جتنی زمین بطور مزارعت کسی کو دی گئی ہے اس زمین کا یا کھیت کا یا فصل کا کوئی حصہ کوئی فریق مخصوص نہیں کرسکتا ورنہ یہ معاملہ باطل ہو جائے گا مثلاً یہ کہ کھیت کا مالک کھیت کے دو ٹکڑے کر دے اور یہ کہے کہ فلاں ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا وہ میرا اور دوسرے ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا وہ تمہارا یا گیہوں اور جو بونے کے لئے معاملہ ہو اور ایک نے یہ شرط لگا دی کہ گیہوں ہمارا ہوگا اور جو تمہارا تو یہ بھی ناجائز ہے اسی طرح کسی کھیت میں لوکی اور آلو بویا گیا اور یہ شرط کسی فریق نے لگائی کہ آلو ہمارا اور لوکی تمہاری یا لوکی ہماری اور آلو تمہارا تو یہ سب صورتیں ناجائز ہوں گی۔(۲۳۷)

فلاں پھل مثلاً لنگڑا آم بہشت یا دسہری یا خاص الخاص یا فلاں بیجو کے درخت کا پھل ہمارا ہوگا یا فلاں چیز کی فصل ہماری ہوگی بقیہ تمہاری تو یہ شرط لگا دینے سے بھی یہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

۹۔ غلہ کی طرح بھوسہ بھی دونوں میں تقسیم ہوگا اگر یہ شرط لگا دی کہ غلہ ایک کا اور بھوسہ دوسرے کا تو یہ صحیح نہیں ہے لیکن جس نے بیگا یعنی بیج دیا ہے اس نے اگر یہ شرط لگا دی کہ کل بھوسہ ہم لیں گے تو یہ شرط صحیح ہے لیکن اگر یہ شرط وہ فریق لگا دے جس نے بیج نہیں دیا ہے تو یہ معاملہ باطل ہو جائے گا فقہاء نے بیج کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بھوسہ ایک ضمنی نتیجہ ہے۔ بیج کا اس لئے بیج والے کو اتنی رعایت دی جاسکتی ہے کہ وہ شرط لگا سکے۔

مزارعت کا معاملہ طے کرتے وقت اگر بھوسہ کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا تھا تو پھر غلہ کی تقسیم کے مطابق بھوسہ کی تقسیم بھی ہوگی۔(۲۳۸)

۱۰۔ مزارعت میں بفرض محال کچھ نہ پیدا ہو تو پھر عامل یعنی کاشت کار کو کچھ نہ ملے گا۔ لیکن اگر مالک نے سب کچھ دے کر کسی کاشت کار سے بطور اجیر کھیتی کرائی تھی اور یہ شرط لگائی تھی کہ جو پیداوار ہوگی اس میں اتنا حصہ تم کو دیں گے تو کچھ پیدا نہ ہونے کی صورت میں اتنے دن کی مزدوری مالک کو دینی پڑے گی۔

۱۱۔ کاشت کار مزارعت کی زمین میں کچھ محنت کر چکا ہے۔ مثلاً دو ایک بار ہل چلا چکا ہے یا کیاریاں بنا رہا ہے یا گھاس وغیرہ صاف کر کے اس میں کھاد وغیرہ ڈال چکا ہے مگر ابھی تک اس نے کھیت میں بویا نہیں ہے تو مالک زمین کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے مگر اتنے دن کی محنت کی اُجرت اس کو دینی پڑے گی اور جو خرچ اس نے کیا ہے وہ واپس کرنا ہوگا۔

۱۲۔ اگر مالک اپنی زمین بوجوت کر کسی کے سپرد کر دے کہ اس کی نگرانی کرو یا اس میں پانی چلا دا جو کچھ پیدا ہوگا اس کا 1/2 یا 1/4 تمہیں ملے گا تو یہ صحیح ہے اسی طرح اگر مزارع کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے تو اس کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ بیج مالک ہی کا ہے تو پھر اس کو اس سے اجازت لینی ضروری ہے لیکن اگر بیج مزارع کا ہے یا اس شرط پر شریک کر رہا ہے کہ میں اپنے حصہ سے اتنا غلہ دوں گا تو ان دونوں صورتوں میں اسے دوسرے کو شریک کر لینے کا حق ہے۔(۲۳۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ غیر اسلامی قوانین میں جو کاشت لگ جانے کا قانون ہے وہ صحیح نہیں ہے کسی کا کھیت، باغ یا کوئی اور چیز کتنے دن بھی کرایہ لگان یا بٹائی پر کاشتکار کے پاس ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے اس پر اس کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی حق ملکیت کا دعوی کرتا ہے تو یہ حرام ظلم اور غصب قرار دیا جائے گا۔ (۲۴۰)

۱۴۔ جب کھیتی پک کر بالکل تیار ہو جائے یا باغ کے پھل کا بڑھنا رک گیا ہو وہ پکنے لگے ہوں اس وقت مزارعت یا مساقات پر کھیتی یا باغ کو دوسرے کو دینا جائز نہیں ہے مثلاً اگر گیہوں کی بالیاں زرد پڑ گئی ہوں یا آرم کے پھل میں پورے طور پر گٹھلی پڑ کر سخت ہو گئی ہو تو اس وقت بٹائی پر دینا نہ چاہئے لیکن جب تک بالیاں ہری ہوں اور پھل کی گٹھلیاں سخت نہ ہوئی ہوں بلکہ نرم ہوں اس وقت تک ان کو مزارعت یا مساقات پر دینا صحیح ہے۔ (۲۴۱)

مساقات کے لوازمات (Requirements):

مساقاۃ کے ارکان و شرائط بھی وہی ہیں جو مزارعت کے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ معاملہ کرنے والے عاقل ہوں۔

۲۔ مدت مقرر ہو۔

۳۔ دونوں کا حصہ مقرر ہو۔

۴۔ درخت کو حوالہ کر دیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حوالہ جات

۱۔ معاشیات مقصد و منہاج..... از ڈاکٹر ذاکر حسین خان

۲. بخاری پ 6 کتاب الزکوٰۃ بروایت ابن عباسؓ نیز بخاری پ 5 کتاب البیوع اور بخاری کتاب الذبائح والصید نیز بخاری کے علاوہ مؤطا محلی وغیرہ میں بھی یہ حدیث درج ہے۔

۳. طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد

۴۔ کارورائنڈ کارمیکائل..... المینٹری اکنامکس

۵. بخاری پ 9' کتاب السلم فی الاجارات

۶. ابن ماجہ باب اتخاذ الماشیہ خودام ہانی نے یہ بیان کیا ہے۔ نیز کنز العمال ج 2

۷۔ تفصیل بخاری پ 14

۸۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو قرآن پ 19' سورہ النمل 27' ع 2

۹. ابن ماجہ' باب اتخاذ الماشیہ' نیز کنز العمال ج 2' ص 199

۱۰۔ اکثر اطباء اور ڈاکٹروں نے شہد کو صحت انسانی کے لئے ازبس مفید قرار دیا ہے حتیٰ کہ بعض امریکی محققوں نے شہد' جو اور زیتون ان تین چیزوں کو صحت کے معیار سے بہترین غذا ثابت کیا ہے اور یوں بھی طبی طبقوں میں یہ سب چیزیں اعلیٰ تسلیم کی جاتی ہیں۔

۱۱. الوثائق السیاسیہ دستاویز (164) بحوالہ ابن سعد 2/1 نیز ابوداؤد اور نسائی کی کتاب الزکوٰۃ

۱۲. بخاری پ 6 کتاب الزکوٰۃ نیز بخاری پ 8 کتاب البیوع نیز بخاری پ 9 کتاب المساقات نیز مسلم وغیرہ

۱۳. یاقوت..... معجم البلدان ج 4..... عنوان وھط

۱۴. طبرانی..... نیز کنز العمال ج 2

۱۵. بخاری..... پ 6' کتاب الزکوٰۃ

۱۶. بخاری پ 7 کتاب الطہارت نیز ابن ماجہ اور ابن سعد الجزء الثالث

۱۷. بخاری پ 12 کتاب الجہاد ابن سعد جزء اول

۱۸. ابوداؤد

۱۹۔ ایل سی چندرا کانٹ L.C.Chandra Kant بحوالہ معیشت پاکستان شیخ مبارک علی، ص: 252

20. John Austin: Lectures on Jurisprudence Vol II, Ed. R. Campbell, 3rd Edition

21. Encyclopaedia Aamericana, "Article on Property" Vol XXII

۲۲. علامہ کمال بن الہمام

۲۳. مصباح الفقاہہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۴. صحیح مسلم' کتاب الجهاد والسیر' باب استحقاق القاتل سلب القتیل
۲۵. علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (م 587ھ) بدائع الصنائع فی ترتیب اشرائع جلد 6
۲۶. ..... ایضاً.....
۲۷. مجلة الاحکام العدلیه' دفعه 1270
۲۸. محمد بن محمد ابو حامد الغزالی' الوجیز' صفحه 242' مطبعة الآداب الموید
۲۹. الکاسانی' حواله بالا
۳۰. کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی المعروف بابن الهمام' فتح القدیر' جلد 8' (کتاب احیاء الموات) مکتبه امیریه بولاق. مختصر الطحاوی
۳۱. قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراهیم' کتاب الخراج
۳۲. یحییٰ بن شرف النووی' منهاج الطالبین و عمدة المفتین' نیز الغزالی' الوجیز' بحواله بالا
۳۳. بخاری' ابواب الحرث والمزارعه و ماجاء فیه' باب من احیا ارضاً مواتاً
۳۴. ابوداؤد' کتاب الخراج والفئے والاماره' باب احیاء الموات
۳۵. ابو عبید القاسم بن سلام' کتاب الاموال' مکتبة التجاریة الکبریٰ
۳۶. مجله الاحکام العدلیه
۳۷. ابوداؤد' کتاب البیوع' باب فی منع الماء با ابن ماجه' باب المسلمون شرکاء فی ثلاث اور ابو یوسف' کتاب الخراج
۳۸. کاسانی' بدائع الصنائع جلد 6
۳۹. ایضاً
۴۰. کاسانی' بدائع الصنائع جلد 6اور مجلته الاحکام العدلیه دفعات 1248`1255
۴۱. کاسانی' بدائع الصنائع جلد 2' موفق الدین ابو محمد عبدالله بن احمد بن محمد(م 620ھ) المغنی جلد 2 اور عبدالرحمان الجزیری' الفقه علی المذاهب الاربعه' جلد 1' زکوٰة المعدن والرکاز' شرکته فن الطباعة
۴۲. المدونته الکبریٰ مطبع خیریه جلد 1' صفحه 247` 249
۴۳. الفقه علی المذاهب الاربعه جلد:1
۴۴. ..... ایضاً .....
۴۵. پہلی رائے احناف کی ہے مگر بعض حنفی فقہاء نے دوسری رائے بھی اختیار کی ہے۔ ملاحظہ ہو کاسانی: بدائع الصنائع' جلد 2 اور فتح القدیر جلد 1' دوسری رائے حنابلہ کی ہے ملاحظہ ہو المغنی جلد 2
۴۶. الکاسانی' بدائع الصنائع' جلد 5

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۴۷. ..... ایضاً.....

۴۸. تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: کاسانی: بدائع الصنائع جلد 6. محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد: بداية المجتهد جلد 2 .
مطبع مصطفى البابى الحلبى و اولاده

۴۹. ..... ایضاً.....

۵۰. هداية المجتهد جلد 2

۵۱. بخاری: ابواب المظالم والقصاص' باب من قتل دون ماله' مسلم: كتاب الايمان

۵۲. مسلم: كتاب الايمان' باب الدليل علىٰ من قصد اخذ مال غيره بغير حق ..... الخ

۵۳. بخاری: كتاب الرقاق' عن المغيره اور بخاری: الادب المفرد

۵۴. كثرة السوال کے معنیٰ ''زیادہ مانگنے'' یعنی مال مانگنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض شارحین نے یہ معنیٰ بھی لئے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن حجر عسقلانی: فتح البارى جلد 11

۵۵. بخاری: كتاب الزكوٰة' باب قوله تعالىٰ لا يسألون الناس الحافاً..... عن مغيره بن شعبه' مسلم: كتاب الاقضيه

۵۶. كنز العمال ،ج:2،ص:20

۵۷. صحيح مسلم كتاب الزكوٰة

۵۸. صحيح بخارى و مسلم

۵۹. ايضاً

۶۰. بخارى ومسلم

۶۱۔ ایسی تمام آیات کو نقل کرنا تو مشکل ہے البتہ چند حوالے درج ذیل ہیں:
البقرة 264:2 و 188 و 261 و 274 و 279' و آل عمران 10:3 و 116 و 180' والنساء 2:4 و 6 و 10 و 36 و 38 و 95' الانفال 28:8 و 36 و 72 والتوبة 24:9 و 34 و 44 و 81 و 85 و 103 و 111' و يونس 88:10 و بنى اسرائيل 6:17' الاحزاب 27:33' والسباء 37:34' و محمد 36:47' والناريات 19:51 والمجادلته 17:58' والحشر 8:59' والصف 11:61' المنافقون 9:63' التغابن 15:64' المعارج 24:70' والليل 1:92' والهمزة 3:104' والهب 2:111.

۶۲. صحيح البخارى' كتاب الحرث والمزاعة' باب من احيا ارضاً النع' حديث نمبر 2335

۶۳. تلخيص سنن ابى دائود للمنذرى ج 4' حديث نمبر 2949 و اخرجه ايضا الترمذى والنسائى

۶۴. تلخيص سنن ابى دائود' ج 4' حديث نمبر 2884

۶۵. تلخيص سنن ابى دائود' ج 4' حديث نمبر 2900 كتاب الخراج والامارة' باب حكم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارض خیبر

۶۶. تلخیص سنن ابی دائود' باب الاقطاع الارضیں' ج 4' حدیث نمبر 2935 تا 2948

۶۷. صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب السمع والطاعة للامام' حدیث نمبر 2955

۶۸. صحیح بخاری' کتاب الجهاد' باب نمبر 109' حدیث نمبر 2957

۶۹. الاشباء والنظائر' ج 1

۷۰. بخاری احمد نسائی

۷۱. احد. ترمذی . نسائی

۷۲. ابو دائود

۷۳. ایضاً

۷۴. احمد . ابو دائود. ترمذی

۷۵. کتاب الخراج ابو یوسف

۷۶. کتاب الخراج ابو یوسف

۷۷. کتاب الخراج ابو یوسف ،ص:36، کتاب الاموال ابو عبید ،ص:285

۷۸. الخراج ،ص:63بلا ذری ،ص:173. عالمگیری ،4،ص:167

۷۹. الخراج یحییٰ بن آدم

۸۰. کتاب الخراج یحییٰ بن آدم،ص:62

۸۱. فتاویٰ عالمگیری ،ج:4، ص:167

۸۲. الخراج ابو یوسف،ص:64

۸۳. نصب الرایه ،ج:4، ص:290

۸۴. الاموال ،ص:290

۸۵. ابو دائود. نصب الرایه

۸۶. فتاویٰ عالمگیری ،ج:4، ص:167

۸۷. الخراج،ص:65

۸۸۔ یہ روایت ضعیف ہے مگر حضرت عمرؓ کے تعامل سے اس کو تقویت ملتی ہے۔

۸۹. بخاری بحواله مشکوٰة

۹۰. حاشیه مشکوٰة بحواله مرقاة

۹۱. معجم طبرانی

۹۲. هدایه ج 4

۹۳. بدائع الصنائع ج 6

۹۴. وترک باقیها فما احیاه یکون مالکاله وباقیه لیس له (المجله)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۵. المجلہ

۹۶. اوپر حدیث نبویؐ نقل کی جا چکی ہے حضرت عمرؓ کے بارے میں عمرو بن شعیب کرتے ہیں کہ ان عمر جعل التحجر ثلث سنین فان ترکھا فی مضی ثلث سنین فاحیاھا غیرہ فھو احق بھا اسی طرح یہ حدیث من حفر بئرا فی اراضی الموات باذن السلطان فھو ملکہ ویملکہ الذی بالاحیاء کما یملکہ المسلم (کتاب الخراج ابو یوسف، کتاب الخراج یحییٰ ابن آدم)

۹۷. ھدایہ ج 4

۹۸. المجلہ

۹۹. المجلہ

۱۰۰. ابو دائود..... حوالہ بالا

۱۰۱. ابو دائود ..... حوالہ بالا

۱۰۲. ابو عبید قاسم بن سلام کتاب الاموال با الاقطاع 56..... حوالہ بالا

۱۰۳. ابو عبید قاسم بن سلام کتاب الاموال باب الاقطاع بعد میں حضرت عمرؓ نے اس معاہدہ پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا لا اختم اھذا کلہ لک دون الناس؟ اس پر مہر نہیں لگاؤں گا کیا یہ ساری زمین دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر تمہارے لئے ہو جائے حوالہ لورہ غالباً آباد اور خراج کی زمین ہوگی۔

۱۰۴. ابو یوسف کتاب الخراج

۱۰۵۔ نہر بین کو نہریں بھی پڑھا گیا ہے اور نہر بیلی بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ بغداد کے نواح میں علاقہ تھا۔ کتاب مراصد الاطلاع 1401

۱۰۶۔ سنینا کو استینیا بھی پڑھا گیا ہے یہ کوفہ کا ایک گاؤں تھا ابو عبید کتاب الاموال حاشیہ باب الاقطاع

۱۰۷. صغبی سواد عراق کا گائوں تھا ' ابو عبید قاسم بن سلام حوالہ مذکورہ

۱۰۸. ابو یوسف ..... کتاب الخراج

۱۰۹. ایضاً

۱۱۰. ایضاً

۱۱۱. صحیح بخاری: ابواب البیوع

۱۱۲. مولانا حفظ الرحمن..... اسلام کا اقتصادی نظام

۱۱۳. حاکم: مستدرک' کتاب البیوع. فتح الباری' ج 4' کتاب البیوع

۱۱۴. صحیح بخاری: کتاب الاجارۃ

۱۱۵. بخاری و مسلم: بحوالہ ڈاکٹر یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے ج 1

۱۱۶. ابن حجر عسقلانیؒ: اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ' ترجمہ سعد الانصاریؓ

۱۱۷. ابن ماجہ: السنن' باب الرجل یسقی کل ولو بتمر

۱۱۸. سید قطب: العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۱۹۔ حضرت امامؒ کو بعض کوتاہ فہم، بے علم اور متعصب آج بھی کہتے ہیں: کیا ہم ایک جولاہے کی بات مان لیں؟

۱۲۰. سید قطب..... حوالہ بالا

۱۲۱. بخاری: ج 1

۱۲۲۔ اس حدیث کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے ان کی عزت افزائی کا مطلب یہ ہے کہ محض ان کو معاشی حیوان نہ سمجھو کہ ان کے سینہ میں بھی دل ہے اور ان کے بھی کچھ معاشرتی اور نفسیاتی جذبات اور احساسات ہیں۔ ان سب کی رعایت اسی طرح کرو جس طرح اپنی اولاد کی کرتے ہو۔ اسی طرح وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو سے مراد یہ ہے کہ ان کی ساری معاشی ضروریات کے پورا کرنے میں جذبہ مساوات کو ملحوظ رکھو۔

۱۲۳. مشکوٰۃ: 258

۱۲۴. .....ایضاً.....

۱۲۵. ابو دائود کتاب الجهاد

۱۲۶. ترمذی

۱۲۷۔ تفصیل کے لئے تاریخ طبری، 5 ہجری جنگ خندق کے واقعات

۱۲۸. امام راغب اصفهانی..... معجم مفردات الفاظ القرآن: لفظ تجر

۱۲۹. فرید وجدی..... دائرہ معارف، ج 2، بیروت 1971ء

۱۳۰. مجلة الاقتصاد الاسلامی، عدد 47، شوال 1405ھ، جون 1985ء

۱۳۱. امام بخاری..... صحیح، کتاب البیوع، باب اول، آخری حدیث

۱۳۲. طبری..... جامع البیان (تفسیر) ج 2

۱۳۳. علی المتقی..... کنز العمال، ج 2

۱۳۴. ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ..... جامع ترمذی ابواب البیوع

۱۳۵. کنز العمال..... الفصل الثالث، فی انواع الکسب و آداب

۱۳۶. ابن سعد..... طبقات، ج 3، ص 131، ذکر ابی بکرؓ

۱۳۷. احمد ابن حنبل..... مسند، ج 1، ج 3

۱۳۸. فتح الباری، ج3

۱۳۹. ابن قتیبہ: کتاب المعارف، عنوان "ضاعات الاشراف"

۱۴۰. ..... ایضاً .....

۱۴۱. طبری: تاریخ

۱۴۲. فتح الباری: ج 3

۱۴۳. فرید وجدی: دائرہ المعارف، ج2

۱۴۴. کرد علی، محمد: الاسلام والحضارة العربية 120:1

۱۴۵. بخاری: صحیح، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لا خیه ما یحب لنفسه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۴۶. بخاری بحوالہ ریاض الصالحین ' باب فضل السماحة فی البیع والشعراء
۱۴۷. بخاری بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح' باب المساهلة فی المعاملة' و حدیث نمبر 1
۱۴۸. ابن ماجه: السنن: کتاب البیوع
۱۴۹. تفصیل کے لئے دیکھئے مرغینانی کی "الهدایه" کتاب البیوع
۱۵۰. مشکوٰۃ المصابیح' باب الاحتکار' حدیث نمبر 4
۱۵۱. طیبی شرح مشکوٰۃ' کتاب البیوع' ابن ماجه' الدارمی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح باب الاحتکار' حدیث 2
۱۵۲. بخاری: کتاب البیوع
۱۵۳. هدایه: کتاب البیوع
۱۵۴. ایضاً
۱۵۵. بخاری: کتاب البیوع
۱۵۶۔ حفظ الرحمٰن..... اسلام کا اقتصادی نظام
۱۵۷. رواه مسلم بحواله مشکوٰۃ المصابیح' باب المنهی عنها من البیوع' حدیث نمبر 26
۱۵۸. الشوکانی: نیل الاوطار' ج 2
۱۵۹. طبری: تفسیر (پاره 30)' سورۃ مطففین آیات 1-3
۱۶۰. علامه زمخشری: الکشاف' آیت ویل للمطففین
۱۶۱. مشکوٰۃ المصابیح' کتاب البیوع' باب السلم والرهن' فصل ثانی' حدیث 3
۱۶۲. امام نووی: شرح مسلم' کتاب البیوع' باب تحریم تلقی الجلب. نیز ملاحظہ ہو: الموافقات للشاطبی جلد 2
۱۶۳. تاریخ طبری..... حوادث 23ھ
۱۶۴. ابوداؤد..... السنن' کتاب البیوع
۱۶۵. ..... ایضاً .....
۱۶۶. شاه ولی الله ..... حجة الله البالغه ج 2
۱۶۷. مسند..... احمد ابن حنبل: ج 21
۱۶۸. رواه احمد بحواله مشکوٰۃ' المصابیح' باب الکسب و طلب الحلال' حدیث نمبر 25
۱۶۹. عبدالرحمان الجزیری: کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه
۱۷۰. کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة قسم المعاملات' کتاب البیوع' باب ارکان البیع "المکتبه التجاریة الکبریٰ مصر" ازعبدالرحمن الجزیری
۱۷۱. مرغینانی..... الهدایه ' کتاب البیوع
۱۷۲. الهدایه' حواله بالا' ابن رشد: هدایة المجتهد' کتاب البیوع' الباب الاول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۷۳. الهدایه' حواله بالا
۱۷۴. .....ایضاً.....
۱۷۵. .....ایضاً.....
۱۷۶. کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة' قسم المعاملات' البیوع' ارکان البیوع
۱۷۷. ابن حبان..... صحیح' ابواب البیوع
۱۷۸. سرخسی..... المبسوط' ج 12' کتاب الشرکه
۱۷۹. احمد: مسند' عن عمران بن حصین رضی الله عنه
۱۸۰. متفق علیه: مشکوٰة' حواله بالا: باب الافلاس والانظار حدیث نمبر 9
۱۸۱. ابوداؤد والنسائی: کتاب البیوع' مشکوٰة' حواله بالا' حدیث نمبر 19
۱۸۲. شاطبی' ابو اسحاق: الموافقات فی الشریعة الاسلامیة' ج 2
۱۸۳. رواه البخاری بحواله مشکوٰة المصابیح' کتاب البیوع' باب السلم والرهن' حدیث نمبر 4
۱۸۴. رواه الشافعیؒ بحواله مشکوٰة المصابیح' حواله' حدیث نمبر 5
۱۸۵. رواه سعیدؒ فی سننه مرسلاً' بحواله مشکوٰة' باب الافلاس والانظار' حدیث نمبر 19
۱۸۶. رواه مسلم بحواله مشکوٰة المصابیح' کتاب البیوع' باب الافلاس والانظار' حدیث نمبر 2
۱۸۷. رواه الدار القطنی و صححه الحاکم و اخرجه ابوداؤد مرسلا
۱۸۸. علی الخفیف..... الشرکات فی الفقه الاسلامی
۱۸۹۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی.....شرکت ومضاربت کے شرعی اصول
190. Muhammad Sharif Chaudhry..... Fundamentals of Islamic Economic System
۱۹۱. شمس الدین سرخسی..... المبسوط
۱۹۲. ابوداؤد سنن..... کتاب البیوع..... نیز حاکم' بیهقی
۱۹۳. .....ایضاً.....
۱۹۴۔ الفریڈ مارشل.....اُصول معاشیات
۱۹۵. هدایه' ج 2' کتاب الشرکته
۱۹۶. مبسوط السرخسی' ج 11' کتاب الشرکته
۱۹۷. بخاری' پ 10 کتاب الشروط
۱۹۸۔ ہر ایک فقہ اور حدیث کی کتاب میں قراض اور شرکت کے مثل مزارعۃ اور مساقاۃ سے متعلق بھی علیحدہ ابواب پائے جاتے ہیں۔
۱۹۹. هدایة المجتهد' ج 2' کتاب الشرکة
۲۰۰۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی.....شرکت ومضاربت کے شرعی اصول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۰۱. علی الخفیف..... الشرکات فی الفقه الاسلامی

۲۰۲. شاه ولی الله محدث دهلوی..... حجة الله البالغه

۲۰۳. برهان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی..... هدایه

۲۰۴۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی.....اسلام کا اقتصادی نظام

۲۰۵. امام شمس الدین سرخسی..... المبسوط

۲۰۶. .....ایضاً.....

۲۰۷. .....ایضاً.....

۲۰۸. تفسیر کبیر' احکام القرن

۲۰۹. کنز العمال

۲۱۰. بدائع الصنائع از علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی

۲۱۱. بدایة المجتهد

۲۱۲. ابن قدامه المغنی

۲۱۳. علامه عبدالرحمن الجزیری کتاب الفقهه

۲۱۴. نیل الاوطار

۲۱۵. سبل السلام

۲۱۶. صحیح بخاری باب الحرث والزراعته جامع الترمذی باب الزکوٰة

۲۱۷. صحیح بخاری .....باب الحرث والزراعته

۲۱۸. بخاری' کتاب المزارعته' باب الحرث والمزارعته

۲۱۹. نسائی' کتاب المزارعته

۲۲۰. صحیح بخاری کتاب الحرث والمزارعته

۲۲۱. مندرجہ بالا تفصیلات زیادہ تر عبدالرحمن الجزیری کی الفقه علی المذاهب الاربعه جلد 3 مباحث المزارعة سے ماخوذ ہیں اور کافی مدد لی گئی ہے۔

۲۲۲. الفقه علی المذاهب الاربعه جلد 3' احمد الدرویر الشرح الضغیر اور المدونة الکبری جلد 4

۲۲۳. احمد الدرویر الشرح الصغیر جلد 2

۲۲۴. امام شافعی کے نزدیک یہ معاملہ صرف کھجور اور انگور کے سلسلہ میں جائز ہے اور امام مالک کے نزدیک ہر باغ کے سلسلہ میں (بدایة المجتهد جلد 2)

۲۲۵. الصنائع 6 المزارعة نوع شرکة علی کون الاراضی من طرف والعمل من طرف اخر والحاصلات تقسم بینهما(المجلة)

۲۲۶. کون الاراضی صالحة للزراعة (المجلة) یشترط عین العقد تعین حصه الفلاح جزء شائعا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

من الحاصلات فان شرط احدهما قفزانا مسماة فهي باطلة(هداية)

۲۲۷. شرح وقایه..... جلد 4

۲۲۸. هدایه ..... ج 4

۲۲۹. یشترط تعین ما یزرع الفلاح ماشاء' المجلة

۲۳۰. وهی المزارعة حکما وخلافا وشروطا (شرح وقایه ج 4)

۲۳۱. المساقاة هی المعاملة فی الاشجار (هدایه ج 4) الکلام فیها کالکلام فی المزارعة

۲۳۲. لیس لصاحب الکرم ان یخرج العامل بغیر عذروکذا لیس للعامل ان یترک العمل بغیر عذر بخلاف المزارعة (هدایه ج 4)

۲۳۳. وتجوز المساقات فی النخیل والشجر والکرم واصول البازنجان (هدایه ج 4)

۲۳۴. (هدایه ج 4)

۲۳۵. (شامی ج 5)

۲۳۶. ونفقة الزرع علیهما بالحصص مثل اجرة والسقی وغیره من العمل یکون علیهما بقدر الحصة کاجرة الحصادوالرفاع والدوس والتذریة فان شرط علی لعامل فسدت وعن ابی یوسف یصح الشرط ولزمه للتعامل قال الامام السرخسی هو الاصح فی دیارنا (شره وقایه ج 4' هدایه ج 3)

۲۳۷. وعلی هذا (ای الایجوز) اذا شرط احد هما ما یخرج من ناحیته معینة والآخر ما یخرج من ناجیته اخری (هدایه ج 4)

۲۳۸. ولو شرط الحب نصفین والبتن الصاحب البذر صحت لایجوز اذا شرط احدهما البتن ولاخر الحب (هدایه ج 4) کیونکہ اس نے کاشت کارکوایک طرح کا دھوکا دیا اور وعدہ خلافی کی ہے اس لئے اس کی تلافی اسی طرح ہوسکتی ہے کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اس کو اخلاقاً و دیانتہ ایسا کرنا چاہئے مگر موجودحالات میں قانوناً بھی اس کی پابندی ضروری ہے۔

۲۳۹. اذا اراد المزارع ان یدفع الارض الی غیره من مزارعة فان کان البذر من قبل رب الارض لیس له ان یدفع الارض الی غیره (فتاوی هندیة ج2)

۲۴۰. واما مجرد وضع الید علی الدکان ونحوها وکونه لیستاجر عدة سنین بدون شیء مما ذکر فهو غیر معتبر فللمو جراخراجها من یده (شامی ج 4ص 24 بحوالہ بہشتی زیور ج 11)

۲۴۱. وان کان باقیته ثمرا لامدر کا کالمزارعة (شرح وقایة ج 4)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں باب:

اسلام میں صرف اور مارکیٹنگ

(Consumption & Market in Islam)

فرم کوئی تنظیمی اکائی ہوتی ہے اور مختلف فرموں کا مجموعہ صنعت کہلاتی ہے نیز منڈی میں کئی فرمیں اور صنعتیں ہوتی ہیں جو لاکھوں سے بھی زائد اشیاء تیار کرتی ہیں۔ منڈی بھی چند قسمیں رکھتی ہے۔ اشیاء کی پیدائش و ترسیل میں فرموں کا اپنا رویہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ان کی بنائی ہوئی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے جنہیں صارفین اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ پھر ان کا بھی طرز عمل ہوتا ہے۔ چنانچہ ان عنوانات کے مختلف پہلوؤں اور جہتوں پر بحث کی جائے گی۔ مغربی و اسلامی معیشت کے کٹہرے میں رکھ کر تبصرہ ہوگا۔ ہماری عملی زندگی میں ان کی اہمیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ عمل پیدائش میں تیزی لانے کی خاطر میلان صرف بھی وسیع کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اشیاء کی نکاسی اسی صورت میں ہوتی ہے۔

ایک مصنف کے الفاظ میں صرف کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

"The rationale (توجیہہ) of consumption pattern (انداز) in Islam is to reduce man's excessive (زائد) psysiological (نفسیاتی) wants arizing from artificial (مصنوعی) factor in order to release (آزاد کرنا) human energy for spiritual (روحانی) pursuits (جستجو تعاقب) (انسانی توانائی)." (1)

جب علم معاشیات میں صرف کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس سے مراد ان اشیاء و خدمات کا استعمال ہوتا ہے جو انسانی احتیاجات کی براہ راست تسکین کر سکیں۔

صرف ہماری معاشی زندگی میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ تمام اقتصادی سرگرمیوں کا مقصد اشیائے صرف کا استعمال ہے۔ ساری معاشی جدوجہد کا منتہا صرف ہے۔ صرف کے انداز پیداوار کی نوعیت کو متعین کرتے ہیں۔ طلب یا صرف کی جو طرز (Style) ہوگی معیشت کے اندر بھی پیداواری سرگرمیاں اسی نوعیت سے ہوں گی۔ صرف انسانی وسائل کی صلاحیت کو متعین کرتا ہے۔ اگر ملک کے افراد مناسب مقدار میں اشیاء صرف کر رہے ہوں تو ان کی استعداد کار بڑھ جائے گی۔ انسانی سرمایہ کاری میں صرف کو بڑا کردار حاصل ہے۔ صرف مجموعی طلب کا اہم جزو ہے۔ امریکی معیشت میں اس کا پچپن فیصد حصہ اشیائے صرف پر استعمال ہوتا ہے۔ اگر صرف کی مقدار زیادہ ہوگی تو مجموعی طلب زیادہ ہوگی پیداوار بڑھے گی روزگار میں اضافہ ہوگا۔ اس طرح صرف پیداوار کی مقدار اور روزگار کا تعین کرتا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں صرف کے فوائد (Utility)

ا۔ صرف سے اجتناب پسند نہ کرنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔" (البقرہ:172)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یوں ہے:

"میں نے تم کو یہ تعلیم نہیں دی کہ تم راہب بن جاؤ۔ میرے دین میں نہ عورتوں اور گوشت سے اجتناب ہے اور نہ ذلت نشینی اور گوشہ نشینی ہے۔ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اپنے اوپر سختی کی جب انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ یہ انہی کے بقایا ہیں جو تمہیں سومیوں اور خانقاہوں میں ملتے ہیں۔"

اس حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضورؐ نے لذات زندگی سے اجتناب کو پسند نہیں کیا۔

۲۔ محدود کرنے کا قائل نہ ہونا:

اگر انسانی احتیاجات کا تجزیہ کریں تو ان احتیاجات کو چار درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ضروریات یا احتیاجات ۲۔ آسائشات یا سہولیات (Comforts)

۳۔ آرائشات یا تعیّشات (Luxuries)

اسلام تعیّشات کی ممانعت کرتا ہے اور پہلی دو احتیاجات کی تسکین کے حق میں ہے۔

حدیث نبویؐ میں آیا ہے:

"وسیع مکان، نیک پڑوسی اور عمدہ سواری آدمی کی بہبود میں داخل ہے۔"

۳۔ دولت فقط زندگی کا مقصد نہ ہونا:

یہ اس لئے ہے تا کہ انسان اعلیٰ وارفع مقاصد کی جانب حرکت کر سکے۔ یہ معیشت صرف کو زندگی کا منتہا سمجھتی ہے۔ معاشی جدوجہد کا مقصد اشیاء صرف کا حصول ہے۔ اسلام اسے منتہا قرار نہیں دیتا۔ صرف ہماری زندگی کا مقصد نہیں بلکہ ایک اعلیٰ زندگی گزارنے کا فریضہ ہے۔

قرآن مجید میں یوں بتلایا گیا ہے:

"جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعے سے آخرت کے گھر کی بہتری کی کوشش کر اور اپنا دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کر بلکہ خلق خدا کے ساتھ احسان کر جس طرح تیرے ساتھ خدا نے احسان کیا ہے۔" (القصص:77)

صرف کے اصول (Principles of Consumption):

اسلام میں دولت و آمدنی کے مصرف کے راہنما اصول اور طریقے بتلائے گئے ہیں۔ اگر انہیں سامنے رکھا جائے تو صارف اقتصادی مسائل کے بھنور میں گرفتار نہیں ہوتا بلکہ آسانی سے بغیر کسی دقت کے خرچ کر سکتا ہے اور آسودگی محسوس کرتا ہے۔

۱۔ حلال و پاک اشیاء (Halal and Pure Goods):

اس بارے میں واضح ہدایات ملتی ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرہ:168)

''اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے۔''

﴿وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (المائدہ:88)

''پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ (المومنون:51)

''اے پیغمبر! تم کھاؤ پاک چیزوں سے اور عمل کرو نیک بلاشبہ جو تم عمل کرتے ہو میں اس کا جاننے والا ہوں۔''

﴿وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف:157)

''اور (نبی اُمّی) حلال رکھتے ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں خبیث چیزیں۔''

''ان آیات میں 'حلال' اور 'طیب' ہر دو اصول کا ذکر کرتے ہوئے سخت تاکید کی گئی ہے کہ 'شیطان کے قدموں کی پیروی' نہیں کرنی چاہئے۔ مراد یہ ہے کہ کھانے' پینے' پہننے اور اشیاء کے استعمال کرنے میں نیز تمام وسائل آمدنی میں 'نظام معیشت' کی روح یہ ہے کہ ایک 'مسلم' کو ایسی تمام اشیاء سے بچنا چاہئے جن کی ترکیب ان عناصر سے کی گئی ہو جو جسمانی امراض کا مبدء بنتے اور اس کو فاسد کرنے میں 'سمیت' کا کام کرتے ہوں اور یا قوائے حیوانی کو برانگیختہ کر کے ان کو اعتدال طبعی سے نکال کر امراض روحانی و اخلاقی کا باعث ہوتے ہوں اور ان اشیاء سے بھی احتراز ضروری ہے جو غرور' خودنمائی' بےقیدی اور جابرانہ نخوت کا سبب بن کر مساوات' اخوت اور مواساۃ باہمی کے رشتوں کو قطع کرتے اور خودغرضی' ظلم اور بداخلاقی کی جانب دعوت دیتے ہوں۔ پس اگر ہمارا کسب و اکتساب ان نجس اوصاف سے پاک ہے تو وہ 'حلال' ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جو شے اپنی معیشت کے لئے حاصل کی گئی ہے وہ اپنی ذات میں بھی اور حصول کے طریقوں میں بھی نفس کو پاک رکھتی اور خبائث نفس سے بچاتی ہو' نیز اس سے دوسرے افراد امت کے لئے معاشی ضیق نہ پیدا ہوتی ہو اور ظلم و سرکشی اور معاشی دستبرد کے وہ جراثیم نہ پھیلتے ہوں کہ جن سے مذموم سرمایہ داری فروغ پاتی اور عام انسانی دنیا کو فلاکت و مسکنت کے قعر ہلاکت میں ڈالتی ہو' پس اگر آمدنی اور وسائل آمدنی میں اُن امور کا پورا لحاظ رکھا گیا تو اس کو اسلامی نقطۂ نظر سے 'طیب' کہا جاتا ہے چنانچہ سلف و خلف نے 'حلالاً طیباً' میں 'طیب' کہا جاتا ہے چنانچہ سلف و خلف نے 'حلالاً طیباً' میں 'طیب' کی جو تفسیریں کی ہیں' علامہ رشید رضا نے تفسیر المنار میں ان کا یہ قدر مشترک نکالا ہے۔

طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لئے کہ نص قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے اُن کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لئے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لئے ان کا استعمال درست نہیں اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت اس شے کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے' ان کی ممانعت 'طیب' کہہ کر دی گئی۔ (۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ میانہ روی (Moderation):

دو حصوں پر تقسیم ہے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾ (الاعراف:31)

''کھاؤ اور پیو اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔''

﴿وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ﴾ (بنی اسرائیل:27-26)

''اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو بے شبہ (اخراجات میں) حد سے تجاوز کرنے والے شیطانوں کے بھائی (ہم پلہ) ہیں۔''

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ ''اسراف'' نہ ہو اور دوسری یہ کہ ''تبذیر'' نہ ہو۔ علامہ ماوردی ''اسراف'' اور ''تبذیر'' کے باہمی فرق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا ''اسراف'' ہے اور یہ ثبوت ہے ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں اور کیفیت یعنی مواقع صرف وخرچ میں حد سے تجاوز کا نام ''تبذیر'' ہے اور یہ شہادت ہے ان مواقع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں۔'' (۳)

صرف وخرچ میں اسراف اور تبذیر معیشت فاسدہ کی علامات ہیں اس لئے ''اقتصاد'' اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے مثلاً عام حالات میں یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر حاجت کے وقت دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے بلکہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہئے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی ادا کے ساتھ ساتھ جو ''غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کئے ہیں'' اپنی اور اہل وعیال کی حاجات وضروریات کے لئے کچھ پس انداز ہو۔ نیز یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ بخل اور تقتیر کو کام میں لائے اور خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے عطاء الٰہی کے باوجود معیشت کو تنگ کرے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

[الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة]

''(آمد وصرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔'' (۴)

اور حافظ عماد الدین بن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے جب ''انفاق'' (خرچ کرنے) کا حکم دیا تو ''اسراف'' سے منع فرما دیا اور میانہ روی کی تلقین فرمائی جیسا کہ دوسری آیت میں بہت صراحت کے ساتھ اس کا حکم فرمایا ہے ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾ (الفرقان:67)

''اور (ایمان والے) وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اختیار کرتے ہیں''۔

اور امام رازیؒ آیت والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا و کان بین ذالک قواما کی تفسیر میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارشاد فرماتے ہیں:

''اسراف اور تقتیر' کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ بیجا غلو کرتے ہیں اور نہ بے محل بخل برتتے ہیں اسی لئے قرآن عزیز میں دوسری جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

﴿وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ (بنی اسرائیل:29)

''اور اپنے ہاتھ کو نہ اپنی گردن کے ساتھ ہی باندھ لو (یعنی بخل نہ کرو) اور نہ بالکل ہی کھول دو (یعنی اسراف نہ کرو)۔''

اور آیہ کان بین ذلک قواما میں ''قوام'' سے اعتدال اور میانہ راہ مراد ہے یعنی میانہ روی ان کا شعار ہے۔(۵)

۳۔ انفاق:

''صرف مال'' کا دوسرا حصہ اجتماعی معیشت سے متعلق ہے اس لئے اس بحث کا بہت کچھ تعلق اگرچہ حکومت اور فرائض حکومت سے وابستہ ہے تاہم فرد چونکہ جماعت ہی کا ایک حصہ ہے اس لئے بلا تکلف یہ مسئلہ انفرادی معیشت میں بھی زیر بحث آیا اور اجمالی صورت میں بھی مذکور ہوا۔ چنانچہ قرآن عزیز نے افراد ملت کو جگہ جگہ اس جانب توجہ دلائی ہے اور نظام معیشت میں اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور زکوٰۃ اور وراثت کے احکام کے علاوہ ''انفاق'' کے نام سے بہت زیادہ اس کو نمایاں کیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ﴾ (بنی اسرائیل:26)

''اور قرابت والے اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دو۔''

﴿وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام:141)

''اور کھیتی کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔''

امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ یہ ''حق'' زکوٰۃ مفروضہ (عشر) کے علاوہ ہے۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (بقرہ:219)

''اے محمد (ﷺ) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے کہ حاجت سے زائد مال!''

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (بقرہ:215)

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرو پس والدین کے لئے ہو اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے اور جو نیکی بھی تم کرو بے شبہ اللہ جاننے والا خبردار ہے۔''

۴۔ دوسروں کے لئے خرچ (Expenditure for Others):

ان آیات کے علاوہ وہ آیات بھی قابل لحاظ ہیں جن میں قرآن عزیز نے ''مؤمنین'' کی امتیازی خصوصیات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمار کراتے ہوئے ان کی عبادت گزاری اور پرہیز گاری کے اوصاف کے ساتھ ساتھ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کا بھی ذکر کیا ہے اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان مقامات میں ''زکوۃ مفروضہ'' مراد نہیں ہے۔ مثلاً سورۃ الذاریات میں ارشاد ہے:

﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ o وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذاریات:18)

''اور صبح کے وقت وہ (مومن) اللہ سے معافی طلب کرتے ہیں اور ان کے مالوں میں حق ہے مانگنے والوں کا اور معاشی زندگی سے ہارے ہوؤں کا۔''

اور سورۃ المعارج میں ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ o وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ o لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج:24)

''اور وہ جو اپنی نمازوں پر قائم ہیں اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے سائل کیلئے اور (معاشی زندگی سے) ہارے ہوئے کیلئے۔''

۵۔ نظافت (Cleanliness):

یعنی جو کچھ کھایا پیا جائے وہ صاف ستھرا ہو۔

۱۔ صفائی نصف ایمان ہے۔ (الحدیث)

۲۔ کھانے کی برکت اس میں ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھو لئے جائیں۔ (الحدیث)

۳۔ جب پانی پیو تو اس میں پھونک مت مارو۔ (الحدیث)

۴۔ جب تم سونے لگو تو چراغ بجھا دو دروازے بند کر دو اور کھانے پینے کی اشیاء ڈھانک دو۔ (الحدیث)

۵۔ پینے یا کھانے سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بعد میں الحمد للہ پڑھیے۔ (الحدیث)

۶۔ اصول احسان شناسی (Priniciple of Beneficience):

اس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف کرتے وقت اس بات کو یاد رکھے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس کے استعمال کے بعد جو فائدہ ہوگا اسے بھی خدا ہی کی راہ میں استعمال کرے گا۔

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (المائدہ:93)

''ایسے لوگ جو ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جسے وہ کھاتے ہوں جبکہ وہ متقی اور ایمان والے ہوں۔ نیک کام کریں اور پھر تقویٰ اختیار کریں۔ ایمان والے ہوں اور پھر متقی ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔''

اس کے علاوہ ہر نشہ آور شے حرام ہے۔ البتہ دوا کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔اخلاقیات(Morality):

یعنی صرف کرتے وقت صرف فوری فائدے کا پہلو ہی سامنے نہ ہو بلکہ اخروی فائدے اور اخلاقی وروحانی اقدار کی ترقی کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھنا چاہئے۔اسی طرح نشہ آور اشیاء بھی حرام ہیں۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾(البقرہ:219)

''آپؐ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ فائدے سے زیادہ ہے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(المائدہ:98)

''اے ایمان والو شراب' جوا' بت اور پانسے وغیرہ گندے شیطانی کام ہیں۔پس تم ان سے بچو تا کہ فلاح پاسکو۔''

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾(المائدہ:91)

''بے شک شیطان یہ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے سے دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔تو کیا تم شراب اور جوئے سے باز نہیں آؤ گے۔''

اسی طرح رمضان کے مہینے میں نہ صرف حرام بلکہ حلال چیزوں سے بھی پرہیز اخلاقی اصول کی بہتر مثال ہے۔

۸۔بخل سے اجتناب(Avoidence from Miserliness):

اخراجات کے سلسلے میں اگر ایک انتہا اسراف ہے تو دوسری بخل ہے۔اسلام نے اس کی بھی اسی طرح ممانعت کی ہے جس طرح اسراف کی۔سورہ آل عمران کی 180 ویں آیت میں ارشاد ربانی ہے:

''جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ بخل ان کے لئے اچھا ہے۔درحقیقت یہ ان کے لئے بُرا ہے۔''

سورۃ الحدید کی 23 ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل پر اُکساتے ہیں۔''

سورۃ توبہ کی 35 ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور جو لوگ سونا چاندی جمع رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے جس دن کہ یہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا یہ ہے وہ مال جسے تم نے اپنی ذات کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خزانہ بنا کر رکھا تھا اب اس خزانے کو جمع کرنے کا مزہ چکھو۔''

حضورؐ نے بھی فرمایا ہے کہ

''جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یہ مال قیامت کے دن ایک سانپ کی شکل میں نمودار ہوگا جو ان کے گلے میں لٹکا ہوگا۔ یہ انتہائی زہریلا سانپ اسے بار بار ڈسے گا اور کہے گا۔ میں ہوں تیرا مال! میں ہوں تیرا مال!''۔

حصول آمدن کے ممنوع ذرائع

اسلام کے معاشی نظام میں آمدنی حاصل کرنے کے متعدد ذرائع سے منع کیا گیا ہے۔ اس باب میں انہی پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان میں چند وسائل یہ ہیں:

اسراف وتبذیر

اسراف:

مناسب طور پر خرچ کرنے میں اپنا ہی بھلا ہے۔ کام بھی نکل جاتا اور انسان تنگ دستی سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ مگر غیر مناسب طور پر خرچ کرنا اسراف یعنی زیادتی ہے جو شخص اس اندھیرے میں گھر گیا وہ عمر بھر اس سے نہ نکل سکا۔ قرآن مجید نے اسراف سے روکنے میں بڑی تاکید فرمائی ہے:

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الاعراف:31)

''کھانے پینے پر ضرورت کے مطابق خرچ کرو مگر اسراف سے بچو۔ حد سے زیادہ کرچ کرنے والوں کا اللہ دوست دار نہیں ہے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل:27)

''اسراف کرنے والے بلاشک وشبہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے''۔

ایک شخص ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا۔ مگر اس وقت ام المومنینؓ اپنا نقاب رفو کر رہی تھیں۔ جب سائل کو یہ معلوم ہوا تو عرض کیا ''اگر میں لوگوں کو بتا دوں کہ آپ پرانا برقعہ رفو کر رہی ہے۔ تو آپ کو بخیل نہ سمجھیں گے؟'' حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

''جو لوگ پرانی پوشاک سے پرہیز کرتے ہیں۔ انہیں نیا لباس بھی نصیب نہیں ہوتا''۔

ابلہے کو روز روشن شمع کا فوری نہد
زود باشد کش بشب روغن نہ باشد در چراغ

''یعنی جو شخص دن میں چراغ روشن رکھے۔ شب کے وقت ضرور اس کے چراغ سے تیل ختم ہو جائے گا''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی اسراف سے بالکل پاک تھی۔ آپؓ شروع ہی سے لباس میں معمولی کپڑا استعمال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے۔ خلیفۃ المسلمین ہونے کے بعد یہ سادگی اور بھی ترقی کر گئی۔ آپؓ کی وفات کے وقت آپؓ کے ہاں صرف یہ سامان نکلا: ایک حبشی غلام' ایک اونٹ' ایک پرانی چادر' اور ان چیزوں کے لیے بھی اپنی صاحبزادی جناب ام المومنین حضرت عائشہؓ کو وصیت فرمائی کہ:

''میرے بعد یہ تینوں چیزیں حضرت عمرؓ کو واپس دے کر مجھے ان سے بری کر دینا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سو رہے تھے کہ کسی شخص نے ان کی نیند میں انہیں چادر اڑھا دی۔ آپؓ کی آنکھ کھلی تو چادر کے ریشمی بیل بوٹے دیکھ کر فرمایا:

''اگر یہ نہ ہوتے تو اس کے استعمال میں مضائقہ نہ تھا۔۔۔''

مطلب یہ کہ ریشمی کام پر خرچ کرنا اسراف ہے اور یہ عادت انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ بعض قوموں کی اس عادت نے انہیں کس طرح دوسروں کا محتاج بنا دیا۔

حضرت عمر فاروقؓ خلیفۃ المسلمین ہونے کے بعد فضول خرچی سے اس قدر بچتے کہ چھنا ہوا آٹا نہ کھاتے۔ لباس میں ایک معمولی قمیص اور سر پر درویشانہ کلاہ رہتی۔ آپؓ کے عہد میں اسلامی فوجوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور شہر کے عیسائی باشندوں کی درخواست پر امیر المومنینؓ کو بیت المقدس جانا پڑا۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے جو لباس پہن رکھا تھا۔ اس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ حج بیت اللہ سے واپس آئے۔ تو حساب لگانے پر معلوم ہوا کہ آمد و رفت میں 80 درہم صرف ہو چکے تھے۔ آپؓ نے افسوس کے لہجے میں فرمایا:

''کس قدر نامناسب ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے مال میں استاف کیا!''

مطلب یہ ہے کہ حاکم اور والی کو بھی سادگی سے بسر اوقات کرنا چاہیے۔

حضرت علیؓ جو قمیص زیب تن فرماتے۔ اس کی آستینیں اکثر آدمی کلائی تک ہوتیں۔ آپ تہ بند بھی نصف ساق تک استعمال فرماتے اور ایک چادر سر پر عمامہ یا کبھی ٹوپی اوڑھتے۔ دوسرا جوڑا ان کے پاس تھا ہی نہیں۔ اسی لباس کے ساتھ ہاتھ میں درہ لے کر بازار تشریف لے آتے۔ یہ زمانہ آپؓ کی خلافت کا عہد مبارک تھا۔

ایک مرتبہ اصحاب نے عرض کیا'' آپؓ اس قدر مختصر لباس کیوں استعمال فرماتے ہیں؟

حضرت علیؓ نے فرمایا:

''سادہ اور معمولی لباس دل میں خوف خدا پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لیے اچھا نمونہ ہے۔ اگر وہ اس سادگی سے زندگی بسر کریں''۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں:

''مال اپنے پاس جمع کرنا اس شخص کا حق ہے جو اللہ کے حکموں کو جانتا ہے اور اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ جو دولت کو دوسروں کے حقوق کے لیے محفوظ رکھتا ہے نہ اپنے لطف و سرور کے لیے۔ مالدار شخص کی مثال ایک وکیل کی ہے جو اپنے مالک کے مال میں سے صرف اس کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتا ہے اور اس کی اجازت کے بغیر ایک حبہ صرف نہیں کرتا''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبذیر

مفہوم:

تبذیر سے مراد زائد خرچ کرنا۔

اسراف اور تبذیر میں فرق:

اسراف اور تبذیر میں فرق یہ ہے کہ اسراف سے مراد جائز خرچ کرنے کی بجائے زیادہ خرچ کرنا ہے مگر تبذیر اس خرچ کو کہا جاتا ہے جو سراسر غیر ضروری اور ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ تبذیر کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل: 27-26)

''اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور بے شک شیطان اپنے رب کا سب سے بڑا ناشکرا ہے''۔

قول بزرگ اور تبذیر:

ایک بزرگ کا قول ہے کہ راہ اللہ میں انسان پوری زندگی بھی خرچ کر دے تو اسے ہم تبذیر نہیں کہیں گے، بلکہ اگر باطل کے لیے معمولی رقم بھی خرچ کی جائے تو وہ تبذیر کہلائے گا۔

امام قرطبیؒ اور تبذیر:

امام موصوف فرماتے ہیں ناجائز کام میں ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے۔ مثلاً نشہ آور اشیاء خریدنا اور فروخت کرنا قیمت لباس استعمال کرنا، قیمتی برتنوں میں کھانا مردوں کا ریشمی لباس و سونا پہننا وغیرہ کیوں کہ اس کے بغیر انسان زندگی کے شب و روز بسر کر سکتا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان:

آپ فرماتے ہیں غیر حق میں بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔

امام مالکؒ کا قول:

امام موصوف کے نزدیک تبذیر یہ ہے کہ انسان مال کا حصول حق کے مطابق کرے مگر خرچ حق کے خلاف کرے اس کو اسراف کا نام بھی دے سکتے ہیں اور یہ حرام ہے مختصر یہ کہ انسان کو اسراف و تبذیر سے کنارہ کشی اختیار کر کے اعتدال کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بخل

بخل یہ ہے کہ ہمسایہ کے بچے تک بھوک سے مر جائیں مگر مال داروں کا دل نہ پسیجے۔ یتیم مارے مارے پھریں اور دولت مندان کے سر پر ہاتھ نہ رکھیں۔ مہاجر ٹھوکریں کھا کھا کر برباد ہو جائیں اور دوسرے لوگ اپنے پاس سب کچھ ہوتے سوتے ان کی خبر گیری نہ کریں اس لیے کہ ان کے خزانوں میں کمی نہ آ جائے۔ ایسے بخیل دولت مندوں اور امیروں کے لیے قرآن فرماتا ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبہ:35-34)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی گھر میں یوں دھر رکھیں کہ اللہ کی راہ میں انہیں کرچ ہی نہ کریں ان کے لیے دردناک عذاب نہ ہوگا تو کیا ہوگا؟ وہ عذاب جس میں انہیں دوزخ میں ڈال کر ان کی پیشانی' ان کے پہلو اور ان کی پیٹھ پر اسی سونے' در چاندی کے سکوں اور ٹکڑوں کے گرم گرم داغ دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔ اے بدبختو! یہی وہ مال ہے جس کو تم غریبوں سے چھپا کر رکھتے تھے''۔

بخیل کے لیے قرآن نے یہ بھی فرمایا:

﴿اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ﴾ (الھمزہ:7-2)۔

''یہ بخیل ہے۔ جس نے مال بٹورا اور اسے سنبھال کر دھرتا گیا۔ گویا کہ یہ سدا اس کی ملکیت ہے اور ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔! یہ وہی خطا کار شخص ہے جس کا ٹھکانہ حطمہ ہے۔ تم جانتے ہو وہ حطمہ ہے کیا؟ وہ ایسی آگ ہے جو دلوں کو چاٹ جائے گی!''۔

کیونکہ بخل کا تعلق قلب سے ہے۔ اس لیے بخیل کی سزا اس کے دل پر سچ فرمایا: رسول خدا ﷺ نے!

بخیل اور سخی کی مثال یہ ہے کہ دو شخص ہیں اور دونوں نے لوہے کی زرہیں پہن رکھی ہیں۔ سخی سے جب سوال کیا جاتا ہے تو اس کا دل خوشی سے بھر جاتا ہے۔ اس وقت اس کی زرہ کے حلقے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک سے یہ کڑیاں کھل جاتی ہیں اور اس کا دل خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔

بخیل! جونہی اسے کچھ خرچ کرنا پڑا۔ زرہ کا ایک ایک حلقہ سکڑنا شروع ہوا۔ اور ذرع نے اسے اسی قدر بھینچا کہ وہ جہاں اس پر کھڑا تھا۔ ایک ستون بن کر رہ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص کے جیب کا دہانہ کھولا۔ اسے پھر سمیٹ دیا اور فرمایا کہ:

''سخی اور بخیل کی مثال ایسی ہے''۔ (۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر:9)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اور جس کا قلب بخل سے بچا رہا وہ کامیاب ہو گیا!''۔

حضرت سعید بن عاصؓ کی یہ حالت تھی کہ اگر ان سے کوئی شخص اس وقت سوال کرتا۔ جب وہ خود خالی ہاتھ ہوتے تو اس کو دستاویز لکھ دیتے کہ ''جب ہو گا دے دیا جائے گا۔'' آپؓ کے انتقال کے وقت اسی ہزار اشرفیاں ان پر قرض تھیں۔ بیٹے نے پوچھا: ''آپؓ پر یہ قرض کیوں کر ہوا؟'' فرمایا:

''کسی شریف آدمی کی ضرورت پوری کی۔ کسی حیادار آدمی کو اس کے سوال کرنے سے پہلے دے دیا اور اسی میں قرض بڑھتا گیا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک مرتبہ 20 ہزار درہم سے بھی زیادہ آ گئے۔ مگر آپؓ نے وہیں بیٹھے بیٹھے لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ سب کچھ کر چ کر دیا تو ایک سوالی اور آ گیا اور اسے دوسرے سے قرض لے کر دیا۔

حضرت قیس بن سعدؓ نہایت فیاض اور بہادر صحابی تھے جنگوں میں انصار مدینہ کا علم انہی کے ہاتھ میں رہتا۔ وہ قرض لے لے کر اپنی فوج کو کھانا کھلاتے۔ کیونکہ اس عہد میں فوجیوں کی تنخواہیں نہ تھیں۔

ایک لشکر جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔ دونوں نے ان کی فیاضی دیکھ کر مشورہ کیا کہ اگر یہ اسی طرح خرچ کرتے رہے تو اپنے باپ کا تمام مال ختم کر دیں گے اور ان کو روکنا چاہا۔ ان کے والد حضرت سعدؓ نے سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر شکایت کی کہ

''یا رسول اللہ ﷺ ابن قحافہ اور ابن خطاب سے ہمیں کون بچائے گا۔ یہ دونوں میرے بیٹے کو بخیل بنانے کے درپے ہو گئے۔''

صحابہ کرامؓ پر قرآنی اخلاق کے اثرات ملاحظہ ہوں۔ یہی عادات اختیار کرنے سے تو ان سے دنیا جہان میں اسلام پھیلا۔

خداوند عالم نے بخل پر کس انداز سے تنبیہ فرمائی ہے:

﴿وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا﴾ (النساء:39)

''اس میں تو خود انہی کا بھلا تھا۔ اگر وہ اللہ پر ایمان لے آتے اور یوم حشر پر یقین کر لیتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے۔ اس میں سے اوروں پر بھی صرف کرتے پروردگار ان کے جملہ معاملات سے باخبر ہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اکتناز (Accumulation)

لغوی مفہوم:

اکتناز کا مادہ ''کنز'' ہے۔ کنز کے لغوی معنی اس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زمین میں دفن کر دیا گیا ہو۔(۷) قرآن حکیم میں یہ لفظ ''بڑی دولت'' کے معنوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

﴿اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ﴾ (ھود:12)

''(کافر) یہ کہنے لگیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا۔''

﴿وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ (الکہف:82)

''اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا۔''

اصطلاحی مطلب:

شرعی اصطلاح میں کنز سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں ہے اگرچہ سات زمینوں کے اندر مدفون ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے خواہ وہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو اور اس مفہوم پر حضرت ابوذر غفاریؓ اور چند اہل زہد کے سوا باقی اکابر صحابہؓ اکابر تابعین اور جمہور علماء امت کا اتفاق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اگرچہ بہت سے صحابہ کرام خستہ حال و نادار تھے لیکن حضرت عثمان غنیؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہؓ جیسی مقدس ہستیاں بھی تھیں جن کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ آپ نے ان کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنا تمام مال صدقہ کر دو بلکہ احادیث سے ایسی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ بعض صحابہ نے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہا تو آپؐ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ مستقبل کی ضروریات کے لئے بچت ناگزیر ہے۔ آپؐ نے حضرت کعبؓ بن مالک کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

[امسک علیک بعض مالک فھو خیر لک]

''اپنا کچھ مال اپنے پاس بھی رہنے دے یہ تیرے حق میں بہتر ہوگا۔''(۸)

البتہ اگر ملک میں قحط سالی ہو لوگ بھوکے مر رہے ہوں بیت المال کی آمدن کفایت نہ کرے اس صورت میں صرف زکوٰۃ کی وصولی پر ہی اکتفا نہیں کیا جائے گا اور امراء کے لئے دولت جمع کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

حرمت (Illegality):

اسلام اس بات کی سخت مذمت کرتا ہے کہ انسان ہر وقت دولت سمیٹنے کی فکر میں مگن رہے اور معاشرہ کے محتاج و مفلس طبقہ کو بالکل فراموش کر دے۔

- ﴿وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبہ:35-34)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو''۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی یوں دلیل دیتے ہیں:

''اس آیت میں سونے اور چاندی کا نام بطور مثال اور نمونہ کے لئے دیا گیا ہے کہ عموماً مال و جائیداد کے بڑے ذرائع یہی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ حصول دولت و جمع دولت کا حصہ انہی دو چیزوں میں ہے۔''(۹)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''جو کوئی سونا اور چاندی جمع کرتا ہے' پھر اس سے اس کا حق ادا نہیں کرتا' قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی' انہیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائیگا اور اس کے پہلو' پیشانی اور اس کی پیٹھ کو داغ دیا جائے گا۔''(۱۰)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس طرح تحریر کیا ہے:

''قرآن وسنت کی تعلیمات اور صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی کے مطالعے کے بعد مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشے میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار و اکتناز کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ احتکار یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقے میں محصور ہو جانا۔ اکتناز یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام بن جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ محتاج نہ مفلس طبقہ۔ ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی وکسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور ہوگا اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی..... اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں' صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کر لیں تو یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے یا پھر عمل کر بھی رہے ہیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔''(۱۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

احتکار (Hoarding)

سادہ لفظوں میں اشیائے ضرورت کو روک رکھنا کہ قیمتیں بلند ہونے پر انہیں فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جائے گا اس کو احتکار کہا جاتا ہے۔

لغوی معنی:

لفظ احتکار عربی لغت میں ح-ک-ر سے مشتق ہے۔ ابن منظور (م 711ھ) نے احتکار کے معنی ادخار الطعام للتربص (۱۲) تحریر کیا ہے یعنی غلے کا مہنگا ہونے کے انتظار میں ذخیرہ کرنا۔

ابن سیدہ کے نزدیک احتکار کا مفہوم یہ ہے:

الاحتکار جمع الطعام مما یؤکل (۱۳)

''یعنی اشیاء خوردنی کا اس لئے ذخیرہ کرنا تا کہ ان کی قیمتیں بڑھ جائیں''۔

علامہ زبیدی (م 1206ھ) نے احتکار کے لغوی معنی یہ بیان کئے ہیں۔

و الاحتباس انتظار وقت الغلاء به (۱۴)

''اشیاء کو گراں بیچنے کے لئے روک رکھنا احتکار کہلاتا ہے''۔

ان تمام معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء لغت کے نزدیک احتکار غلہ مہنگے داموں فروخت کرنے کے لئے ذخیرہ کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی مطلب:

علماء اسلام نے احتکار کی مختلف اصطلاحی تعریفیں کی ہیں۔

امام مجد الدین ابن الاثیر (م 606ھ) نے احتکار کی اصطلاحی تعریف یہ بیان کی ہے:

احتکر طعاما ای اشتراه و جسه لیقل فیغلوا (۱۵)

''اشیاء خوردنی کا ذخیرہ کرنا یعنی ان کو خرید کر اپنے پاس رکھ لینا تا کہ ان کی قلت ہو اور ان کی قیمتیں بڑھ جائیں۔''

مُلّا علی قاری (م 1014ھ) نے مرقاۃ المفاتیح میں احتکار کی یہ تعریف کی ہے:

احتکار هو حبس الطعام حین احتاج الناس به حتی یغلوا (۱۶)

''لوگ جب اشیاء خوردنی کے محتاج ہوں اس وقت ان اشیاء کی فروخت روک دینا تا کہ ان کی قیمتوں میں گرانی ہو جائے' احتکار کہلاتا ہے۔''

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری کے نزدیک احتکار کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

''.....کوئی شخص ''غلہ'' وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے خریدے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا ''مرکز'' صرف وہی بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائے اور وہ من مانی گراں فروشی کرے۔'' (۱۷)

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص انسانی ضروریات کی عام اشیاء میں سے کسی چیز کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لئے ذخیرہ کرے تا کہ بازار میں اس کی مصنوعی قلت پیدا ہو اور وہ اسے مہنگے داموں فروخت کرے۔

شرطیں (Conditions):

ائمہ فقہا کے نزدیک اگر چہ احتکار کی متعدد شرائط ہیں لیکن ان میں اہم اور قابل ذکر چار شرائط ہیں:

پہلی شرط مال سے متعلق ہے کہ شرع اسلامی میں کس مال کی ذخیرہ اندوزی کو احتکار کہا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انسانوں اور حیوانوں کی اشیاء خوردنی مثلاً گندم' جو اور بھوسہ میں احتکار ممنوع ہے۔

امام مالک بن انس (م 179ھ) اشیاء خوردنی کے علاوہ کائی (ایک قسم کی گھاس)' اون اور زیتون کی ذخیرہ اندوزی کو بھی احتکار میں شمار کرتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں حرمت احتکار کے اہم مقاصد یہ ہیں:

۱۔ دولت فرد واحد یا چند مخصوص افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہو۔

۲۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کو بے جا معاشی تکلیف نہ ہو۔

اگر احتکار کو صرف اشیاء خوردنی تک محدود کر دیا جائے تو عصر حاضر میں بہت سی ایسی اشیاء بھی ہیں جن کا تعلق بظاہر خورد و نوش سے نہیں لیکن حیات انسانی کی بنیادی ضروریات میں شامل ہیں مثلاً کھاد' سیمنٹ' پٹرول وغیرہ ہمارے ہاں سالانہ بجٹ کے موقع پر کئی اشیاء کا ذخیرہ کر دیا جاتا ہے تا کہ گرانی پر بیشتر منافع ملے۔

شرعی احکام (Rules of Shariah):

اسلام میں دولت و سرمایہ داریت سے متعلق ہر وہ اصول نا قابل تسلیم ہے جس میں کسی نہ کسی طرح احتکار و اکتناز کی کوئی صورت پیدا ہو سکے اور اس سے دولت پھیلنے کی بجائے خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو جائے اور عام انسانی زندگی متاثر ہو۔ قرآن پاک میں احتکار و اکتناز کی حرمت کا ذکر دو طرح سے کیا گیا ہے:

۱۔ وہ آیات جن میں احتکار و اکتناز کی حرمت بیان کی گئی ہے۔

۲۔ وہ آیات مظہرہ جن میں انفاق فی سبیل اللہ کے وجوب کا ذکر کیا گیا ہے۔

اگر چہ متعدد قرآنی آیات میں احتکار و اکتناز کی حرمت اور وجوب انفاق کا ذکر ہے مگر ذیل کی آیات اس مضمون کے اعتبار سے قابل غور ہیں:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (توبہ:35-34)

''اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لئے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے ان کی پیشانیاں' پہلو اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ خزانہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا پس خزانہ جمع کرنے کا مزا چکھو۔''

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ﴾ (الھمزہ:4-1)

''بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب چین اور بدگو ہے جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا ہرگز نہیں۔ وہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔''

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (حشر:7)

''(فقراء مساکین قرابت داروں اور یتیموں وغیرہ پر اللہ تعالیٰ نے اس لئے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے) تاکہ مال و دولت صرف دولت مندوں میں ہی محدود ہو کر نہ رہ جائے۔''

ان آیات مقدسہ میں حرمت اکتناز و احتکار، ادائے زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت و ثروت جمع اور ذخیرہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ خرچ کرنے کے لئے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی عیش کوشی کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔

قرآن پاک میں احتکار کی حرمت کا ذکر بالواسطہ کیا گیا ہے جبکہ احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً محتکر کے لئے وعیدوں اور جالبین (احتکار نہ کرنے والے) کے لئے بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

محتکرین کے لئے ان احادیث میں وعید سنائی گئی ہے۔

عن معمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من احتکر فھو خاطی (۱۸)

''حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا خطا کار ہے۔''

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من احتکر یرید ان یتغالی بھا علی المسلمین فھو خاطی وقد بریٔ منہ ذمۃ اللہ (۱۹)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مسلمانوں کے لئے قیمتیں بڑھانے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ خطا کار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔''

ذخیرہ اندوزی نہ صرف ملکی معیشت کے لئے نامناسب ہے بلکہ معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کو مصائب سے دوچار کرنے کا سبب بنتی ہے۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بعض خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے عہد خلافت میں احتکار کو ممنوع قرار دیا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ اعلان فرمادیا تھا:

''ہمارے بازار میں کوئی ذخیرہ اندوزی نہ کرے جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد دولت ہے وہ کسی ایک غلہ کو خرید کر ہمارے ملک میں ذخیرہ اندوزی نہ کریں اور جو شخص گرمی یا سردی میں تکلیف اٹھا کر ہمارے ملک میں غلہ لائے وہ عمرؓ کا مہمان ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ بیچے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور ہو رہنے دے۔'' (۲۰)

علامہ شوکانی (م 1250ھ) نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کیا ہے (۲۱) کہ آپ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ذخیرہ اندوز کا غلہ (سزا کے طور پر) جلا دیا۔

''بازر میں مال درآمد کرنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو شخص چالیس دن تک غلہ روک کر رکھتا ہے اور اس کے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے' وہ اللہ سے بیزار ہوا اور اللہ اس سے بیزار ہوا۔ (۲۲)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے شخص کی نفسیات اس طرح بیان کی ہے: احتکار کرنے والا بُرا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بھاؤ سستا کر دے' غمگین ہو جاتا ہے اور اگر مہنگا کر دے تو خوش ہو جاتا ہے۔ (۲۳)

روک تھام کرنا (To Control):

احتکار کے سدباب کے لئے شریعت اسلامیہ میں چار طرح کے اقدامات کئے گئے ہیں:

۱۔ اخلاقی اقدامات کا ذکر قرآن و حدیث میں محتکرین کے لئے وعیدوں اور جالبین کے لئے وعدوں کی صورت میں کیا گیا ہے جن کا تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔

۲۔ قانونی اقدامات سے مراد یہ ہے کہ اسلام نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو قانوناً جائز قرار دے دیا ہے۔

عہد رسالت میں احتکار کی دو مروجہ صورتیں تھیں:

۱۔ بیع تلقی الرکبان ۲۔ بیع حاضر للباد

تلقی الرکبان کے متعلق بخاری کی روایت ہے:

''عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم غلہ لانے والے قافلوں کے پاس (شہر آنے سے پہلے) پہنچ جاتے تھے اور ان سے غلہ خرید لیا کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس فعل سے منع فرما دیا کہ ہم اس غلے کو بازار میں پہنچنے سے پہلے خریدیں۔'' (۲۴)

فقہاء اسلام نے ''تلقی الرکبان'' کی تشریح یوں کی ہے کہ جب کبھی شہر میں غلہ یا دیگر اشیاء خوردنی کی قلت ہو اور قحط کے آثار نمایاں ہوں اور شہر کے بڑے بڑے تاجر شہر سے نکل کر شہر کی طرف آنے والے تجارتی قافلوں کو راستے میں ہی روک کر ان کا تجارتی سامان خصوصاً اشیاء خوردنی خرید کر چور بازاری سے اپنی شرائط کے مطابق فروخت کریں اور من مانی قیمت وصول کریں تو یہ تلقی الرکبان کہلاتا ہے۔ (۲۵)

''تلقی الرکبان'' کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہر کے تاجر باہر سے آنے والے کسانوں اور عام دیہاتیوں کو شہر کے اصل بھاؤ سے بے خبر رکھ کر ان کی اشیاء سستے داموں خرید لیں اور شہر میں لا کر مہنگے داموں فروخت کریں۔

لیکن یہ صورت نہی تب آئے گی جب شہر میں اس مال کی قلت ہو اگر شہر میں اس مال کی نہ قلت ہو اور نہ ہی گرانی ہو تو ان اشیاء کا شہر کے باہر خرید لینا ''تلقی الرکبان'' میں نہیں آئے گا۔

عہد رسالت میں احتکار کی دوسری مروجہ صورت ''بیع حاضر للباد'' تھی اس بیع کے متعلق بھی صحیح بخاری میں روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے:

عن عبداللہ بن عمر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیع حاضر لباد (۲۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ شہر والا دیہات والوں کے لئے بیچنے کا کام دے۔''

فقہاء اسلام نے ''بیع حاضر لباد'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تاجر کا سامان تجارت شہر میں موجود ہے مگر وہ اپنی نفع اندوزی اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی خواہش کی تکمیل کے لئے شہریوں کی ضروریات جاننے کے باوجود اپنا سامان ان کے ہاتھوں فروخت نہ کرے بلکہ دیہات میں جا کر سادہ لوح دیہاتیوں کو مہنگے داموں فروخت کرے۔

اس بیع کی ایک اور شکل یہ بھی ہے کہ شہری دیہاتیوں کے درمیان مانع بن کر خود دیہاتیوں کی جانب سے ذمہ دار بن کر گراں قیمت پر اشیاء خرید کراتا ہے۔ اگر شہری کا یہ عمل فریقین میں سے کسی کے لئے بھی نقصان کا باعث بنے تو یہ کاروبار ممنوع ہے لیکن اگر وہ صرف دلال کا کام کرے اور اس کی نیت اور عمل دونوں سے کسی فریق (دیہاتی یا شہری) کو نقصان نہ پہنچے تو یہ عمل (دلالی) درست ہے۔

بیع کی ان صورتوں کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں ہر وہ بیع ناجائز ہے جس سے کسی طرح بھی احتکار ممکن ہو جیسے موجودہ دور میں احتکار کی مندرجہ ذیل شکلیں رائج ہیں:

۱۔ شرکت قابضہ:

ایسی شرکت جس میں پیداواری کاروبار کے اکثر حصص حصہ دار ہی خرید لیتے ہیں لہٰذا وہ کسی شے یا خدمت کی پیداوار کی حد اور اس کی قیمت کا تعین اپنی مرضی سے کرتے ہیں اور یوں خریداروں کا استحصال کرتے ہیں۔

۲۔ اوماج:

اس کا مطلب یہ ہے کہ چند کمپنیاں مل کر ایک وحدت قائم کر لیتی ہیں اور یوں کسی شئے کی پیداوار اور اس کی قیمت پر اجارہ داری قائم کر لیتی ہیں۔

۳۔ قیمت کی یکسانیت:

چند مل مالکان یا کارخانہ داران مل کر بازار میں ایک قیمت طے کر لیتے ہیں اور اس قیمت کے ذریعے گاہکوں کا استحصال کرتے ہیں اور اپنے نفع کا زیادہ سے زیادہ حصول ممکن بنا لیتے ہیں۔ (۲۸)

قانونی طریقہ (تسعیر) (Legal Methods):

احتکار کے تدارک کے لئے اسلام صرف اخلاقی اور تعزیری اقدامات پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ قانونی وسائل کو بھی پوری طرح استعمال میں لاتا ہے تاکہ اسلامی معاشرے سے اس برائی کا مکمل خاتمہ ہو اور اصلاحی ریاست کے شہری امن و سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ احتکار کے خاتمے کے لئے اسلام جس قانونی وسیلے کو استعمال کرتا ہے اسے فقہی اصطلاح میں ''تسعیر'' کہا جاتا ہے۔

عربی لغت اور فقہ اسلامی میں تسعیر کا معنی بھاؤ مقرر کرنا ہے۔ (۲۹) اسلام نے حکومت یا کسی بیرونی طاقت کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی چیز کی قیمت مقرر کرے کیونکہ اسلام کے عادلانہ قانون تجارت نے قیمتوں کے نظام کو اختیاری تصرفات سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے کیونکہ گرانی کا سبب اگر قدرتی عوامل ہوں تو اس صورت میں قانونی وسائل کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذریعے اشیاء کی قیمتوں کو نیچے لانا اور تاجروں کو سستے داموں مال فروخت کرنے پر مجبور کرنا ظلم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جب قحط پڑا تو صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارزاں نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپؐ نے انکار فرماتے ہوئے اسے ظلم سے تعبیر کیا۔

اس طرح سنن ابی داؤد میں حدیث پاک ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نرخ گراں ہو گئے۔ آپؐ ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیجئے تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے (اشیاء کی پیداوار میں) تنگی پیدا کرنے والا فراخی پیدا کرنے والا رزق عطا کرنے والا اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ طلب کرنے والا نہ ہو جو جان یا مال کے سلسلہ میں کیا گیا ہو۔'' (۳۰)

یہ روایت صرف یہ بتاتی ہے کہ نرخ گراں ہو گئے تھے اس گرانی کا سبب نہیں بتاتیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ گرانی کی وجہ یہ تھی کہ غلہ باہر سے ہی گراں نرخ پر آ رہا تھا اور مدینہ منورہ میں غذائی اجناس زیادہ تر باہر ہی سے درآمد کی جاتی تھیں۔ اس لئے جب باہر سے مہنگا آ رہا ہو تو مقامی تاجروں کو کمتر نرخ کا پابند بنانا صریحاً ظلم تھا اسی لئے آنحضرتؐ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ ایسی صورت میں تسعیر کی بجائے اشیاء کی رسد کو درست کرنے کی کوشش زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 18ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب قحط کے آثار نمایاں ہوئے اور قیمتیں چڑھنے لگیں تو آپ نے غذائی اشیاء کی رسد بحال کرنے کے لئے مصر اور شام سے غلہ، آٹا اور تیل وغیرہ اونٹوں پر منگوائے اس طرح قیمتیں اپنی اصلی سطح پر آ گئیں۔ (۳۱)

بہرحال اگر گرانی قدرتی عناصر کے تحت ہو رہی ہو تو اس میں اسلام نے تسعیر (تعیین نرخ) کو نہ صرف ناجائز بلکہ ظلم کے مترادف قرار دیا ہے لیکن گرانی کی وجہ اگر احتکار ہو تو اس صورت میں اسلامی ریاست کو پورا اختیار ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ متعین کر دے اور تاجروں کو مقررہ قیمت پر اپنے مال فروخت کرنے پر مجبور کرے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو مناسب سزا دے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مرغینانی (م593ھ) نے لکھا ہے:

اگر غلہ کے تاجر من مانی قیمتیں وصول کرتے ہوں اور معقول قیمتوں سے زائد دام وصول کرتے ہوں اور قاضی نرخ مقرر کرنے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں اہل الرائے اور صاحب بصیرت افراد کے مشورہ سے قیمتیں مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی مسئلہ کو امام ابن تیمیہ (م728ھ) نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رویہ صارف کا مغربی تصور و اسلامی تصور کا موازنہ

(الف) رویہ صارف کا مغربی تصور:

مغرب میں سرمایہ داری نظام کے قیام کے بعد رویہ صارف سے متعلق جو نظریہ قائم کیا گیا اس کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی گئی۔

۱۔ معاشی عقلیت پسندی

۲۔ افادیت پسندی

معاشی عقلیت پسندی سے مراد ایسا انسانی طرز عمل ہے جو معاشی کامیابی کے حصول کے لیے اختیار کیا جاتا ہے معروف معیشت دان نے معاشی کامیابی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

" Making of money out of Man"

''یعنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد دولت کمانا ہے اور یہی معاشی فلاح کا پیمانہ بھی ہے''۔

نظریہ افادیت پسندی بذات خود اخلاقی اقدار اور رجحانات کی بنیاد ہے۔ مثلاً ایماندار اس لیے مفید ہے کہ اس سے انسان کا اعتبار قائم ہوتا ہے جو حصول منافع میں معاون ثابت ہوتا ہے اسی طرح وقت کی پابندی اور محنت وغیرہا اس لیے قابل تحسین اعمال ہیں کہ ان سے بہت سے فوائد متوقع ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق صارف کا نصب العین زیادہ سے زیادہ افادہ کا حصول ہے۔

(ب) رویہ صارف کا اسلامی نقطہ نظر:

ڈاکٹر منذر کہف کے مطابق مسلم صارف کا رویہ اسلامی عقلیت پسندی پر قائم ہے جس کی بنیاد مندرجہ ذیل تین تصورات ہیں:

۱۔ اسلام کا تصور آخرت

۲۔ اسلام کا تصور دولت

۳۔ اسلام کا تصور کامیابی

۱۔ اسلام کا تصور آخرت

تصور آخرت کے رویہ صارف پر دو طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۲۔ کسی چیز سے حاصل ہونے والا افادہ دو پہلو رکھتا ہے۔ دنیاوی پہلو اور اخروی پہلو۔ کل افادہ ان دونوں پہلوؤں پر مجموعہ ہے۔

۳۔ صارف کی آمدنی کے متبادل استعمال میں اضافہ ہو جاتا ہے، مثلاً قرض حسنہ، صدقات، خیرات اور آنے والی نسلوں کی بھلائی کے کام۔ آمدنی کے ایسے استعمال Max Weber کے تصور عقلیت پسندی کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے کیونکہ ان میں فوری افادہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ انسان کی آمدنی کے بعض استعمال ایسے بھی ہیں جن میں اسلامی نقطہ نظر کے مطابق تو افادہ مثبت ہے جب کہ مادی نقطہ نظر کے مطابق افادہ صرف یا منفی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا ہے۔

۲۔ اسلام کا تصور دولت:

اسلام میں دولت کا تصور سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں یکسر مختلف ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کا تصور مطلق ملکیت کا ہے۔ جب کہ اسلام میں دولت کا تصور امانت کا ہے۔

سورۃ الحدید آیت نمبر 7 میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ (الاعراف 7:57)

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں تم کو اس نے قائم مقام کیا ہے اس سے اس کی راہ میں خرچ کرو۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں اور خرچ کریں ان کو بڑا اجر ملے گا۔''

یعنی مسلم صارف خدا کی دی ہوئی دولت کا امانت دار ہے اور اس دولت کو خدا کی مقرر کردہ حدود کے مطابق خرچ کرنے کا پابند ہے، مثلاً مسلم صارف صرف حلال اور جائز اشیاء پر خرچ کرے گا جب کہ غیر مسلم صارف کے نزدیک اخراجات میں جائز اور ناجائز حلال اور حرام کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

۳۔ اسلام کا تصور کامیابی:

اسلام کے نقطہ نظر کے مطابق کامیابی دولت جمع کرنے میں نہیں بلکہ خدا کی رضا کو حاصل کرنے میں ہے۔ یعنی وسائل کا استعمال محض ذاتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ مسلم صارف ذاتی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی آمدنی کا ایک حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بھی وقف کرے گا۔ گویا ایک مسلمان صارف کے کل اخراجات اشیاء و خدمات کے ساتھ ساتھ خدا کی راہ میں بھی ہوں گے۔ جب کہ غیر مسلم صارف صرف اشیاء و خدمات پر خرچ کرتا ہے۔

مسلم صارف کے اخراجات دو طرح کے اخراجات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

۱۔ اشیاء و خدمات پر خرچ ۲۔ اللہ کی راہ میں خرچ

معاشی عقلیت پسندی اور اسلامی عقلیت پسندی کے فرق کو اس مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے کہ اگر ایک غیر مسلم صارف شراب پیتا ہے تو اس کو افادہ حاصل ہوتا ہے یعنی مغربی تصور عقلیت پسندی کے مطابق صارف کے لیے الکحل کا استعمال اپنے اندر افادہ رکھتا ہے جب کہ اسلامی عقلیت پسندی کے تحت مسلم صارف چونکہ اللہ کی رضا کا طلبگار ہے اس لیے اس کے لیے شراب یا الکحل کے استعمال میں دنیاوی افادہ تو موجود ہے یا مثبت ہے جب کہ اس کی ساتھ ساتھ اخروی افادہ موجود نہیں ہے بلکہ منفی ہے۔ نتیجتاً شراب کا استعمال مسلم صارف کے لیے بجائے افادہ کے الٹ افادہ کا سبب ہے۔ لہٰذا وہ اس کو استعمال نہیں کرے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حوالہ جات

1. M. A. Mannan..... Islamic Economics

۲. حفظ الرحمٰن سیوہاروی.....اسلام کا اقتصادی نظام

۳. روح المعانی ج 15

۴. کنز العمال ..... عن ابن عمرؓ

۵. .....ایضاً ..... ج 6

۶. بخاری و مسلم

۷. عبدالماجد دریا آبادی..... تفسیر ماجدی

۸. صحیح بخاری (ترجمہ) جلد 4

۹. تفسیر ماجدی..... ازمولانا عبدالماجد دریابادی

۱۰. .....ایضاً.....

۱۱. ترجمان القرآن' جلد2

۱۲. ابن منظور' لسان العرب' بذیل مادہ 'حکر" ج 4

۱۳. .....ایضاً.....

۱۴. زبیدی' تاج العروف' بذیل مادہ "حکر" ج 3

۱۵. ابن الاثیر' النهایه فی غریب الحدیث والاثیر' ج 1

۱۶. مُلّا علی قاری' مرقاۃ المفاتیح' ج 6

۱۷. حفظ الرحمٰن..... اسلام کا اقتصادی نظام

۱۸. امام مسلم' الجامع الصحیح (کتاب البیوع' باب تحریم الاحتکار)' ج 2

۱۹. حاکم' مستدرک علی الصحیحین' ج 2

۲۰. امام مالک' مؤطا (کتاب البیوع' باب الحکرة والتربص)

۲۱. محمد بن علی الشوکانی' نیل الاوطار' ج 2' بحوالہ ڈاکٹر نور محمد غفاری ''اسلام کا قانون تجارت''

۲۲. مشکوۃ المصابیح (ترجمہ) جلد 2

۲۳. .....ایضاً.....

۲۴. امام بخاری' الجامع الصحیح (کتاب البیوع' باب منتهی الیلقی)

۲۵. مرغینانی' الهدایه (کتاب البیوع' باب فیمایکره) ج 3

۲۶. امام بخاری' الجامع الصحیح' ج 1

۲۸. نور محمد غفاری..... ''اسلام کا قانون تجارت''

۲۹. ابن منظور ' لسان العرب مذیل مادہ "سعر" ج 4

۳۰. ابی دالود' سنن ابی دالود (کتاب البیوع' باب فی التسعیر) ج 2

۳۱. ابن جوزی' سیرۃ عمر بن خطاب' مطبع السعادت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب:

اسلام میں تقسیم دولت

(Wealth Distribution in Islam)

اسلام میں گردش دولت کی اہمیت:

دین اسلام میں دولت کی گردش (Circulation) پر کافی زور دیا گیا ہے اور اس کے ارتکاز (Accumulation) کی قطعی ممانعت کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ کثیر دار (Have-Lots) اور قلیل دار یعنی نادار (Have-Nots) کے مابین پائی جانے والی خلیج (Gulf) کو کم سے کم کرنے کی واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ ذرائع پیداوار اور آمدنی کی منصفانہ (Just) تقسیم کی بڑی تلقین کی گئی ہے۔

اسلامی نظم اقتصادیت (Economy) میں تقسیم دولت کی کافی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ پیداوار کا زیادہ تر دارومدار اسی پر ہے۔ چنانچہ عوامل کو صحیح معاوضے دیئے جائیں تو ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور عمل پیدائش آگے بڑھتا جاتا ہے۔

علم معاشیات میں نظریہ تقسیم دولت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ ماہرین معاشیات میں کسی ایک اصول پر اتفاق رائے نہیں ہے۔ تاہم اس کی حقیقت مسلمہ ہے اور کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

کسی معاشی نظام میں قومی آمدنی اور تقسیم دولت کی نوعیت بہت زیادہ افادیت کی حامل ہے کیونکہ اس پر ایک معاشرہ کی خوش حالی اور سلامتی کا انحصار ہوتا ہے۔ قومی آمدنی کی تقسیم کی پہلی اہمیت یہ ہے۔ کہ یہ معاشرتی عدل وانصاف کا تعین کرتی ہے اور اگر معیشت کے اندر تقسیم دولت منصفانہ ہو تو معاشرتی عدل وانصاف قائم ہو جاتا ہے۔

دوسری اہمیت یہ ہے کہ آمدنی اور تقسیم دولت کی نوعیت منڈی کی وسعت پر روشنی ڈالتی ہے اگر تقسیم دولت منصفانہ ہو تو منڈی زیادہ وسیع ہوتی ہے اور اگر تقسیم دولت غیر عادلانہ ہو تو اشیاء وخدمات کے لئے منڈی محدود ہوتی ہے۔ تقسیم دولت عادلانہ ہو تو میلان صرف زیادہ ہوگا اور یہ فقط چونکہ مجموعی صرف کا حصہ ہوتا ہے اس لئے اشیاء وخدمات کی طلب زیادہ ہوگی اور قومی آمدنی بھی بڑھے گی۔

تیسری اہمیت قومی آمدنی اور دولت کی منصفانہ تقسیم کی یہ ہے کہ اگر قومی آمدنی منصفانہ ہوگی تو پیداوار زیادہ ہوگی جس کی وجہ سے قومی آمدنی اور روزگار زیادہ ہوگا۔

چوتھی اہمیت تقسیم دولت اور قومی پیداوار کی یہ ہے کہ یہ تقسیم پیداوار کی نوعیت اور پیداوار کے ڈھانچے کا معیار مقرر کرتی ہے۔ اگر تقسیم دولت غیر ہموار ہو تو امیر طبقہ اشیاء تعیش پر روپیہ خرچ کرے گا اور معیشت میں یہی اشیاء پیدا ہوں گی۔ تقسیم دولت کی نوعیت محنت کی استعداد کار کا بھی تعین کرتی ہے اگر تقسیم دولت عادلانہ ہے تو معاشی ہمواریاں کم ہوں گی ایک عام آدمی کے پاس بھی ضروریات اور استعداد کی اشیاء خریدنے کی سکت ہوگی چنانچہ ضروریات اور استعداد کی کل پیداواری بھی زیادہ ہوگی اور اگر تقسیم دولت غیر مناسب ہو تو امیر طبقہ اشیاء تعیش پر روپیہ خرچ کرے گا اور معیشت میں یہی اشیاء پیدا ہوں گی۔ تقسیم دولت کی نوعیت محنت کی استعداد کار کا بھی تعین کرتی ہے اگر تقسیم دولت منصفانہ ہے تو محنت کی استعداد کار بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ تمام لوگوں کو زندگی کی کم از کم بنیادی سہولیات میسر ہوں گی۔ تقسیم دولت غیر عادلانہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہونے کی صورت میں محنت کی استعداد کار کم ہوگی جس کے نتیجے میں پیدائش دولت بھی قلیل ہوگی۔ تقسیم دولت منصفانہ ہونے کی صورت میں اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔

معاشی ناہمواریوں کے اثرات ہٹانا:

(Removing Effects of Economic Inequalities)

یہ اس طرح ہیں:

۱۔ ہر معاشی نظام میں تقسیم دولت کی نوعیت بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ معاشی ناہمواریاں ناپسند کرتا ہے چونکہ یہ غیر منصفانہ تقسیم دولت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جب معیشت میں دولت کا تفاوت بڑھ جاتا ہے تو دو طبقات وجود میں آتے ہیں ایک طبقے کے پاس افراط دولت ہوتی ہے اور دوسرا غربت و افلاس میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسلام ان دونوں انتہاؤں کو ناپسند کرتا ہے اسلام افراط دولت کا اس لئے مخالف ہے کہ دولت ایمان کی پختگی کے لئے خطرہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا نہ تو اخلاق محفوظ رہتا ہے اور نہ کردار و ایمان حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے:

''میری امت کے بدترین افراد وہ ہیں جو نعمتوں کی گود میں پیدا ہوئے اور اسی میں پروان چڑھتے ہیں مختلف قسم کے کھانے کھاتے ہیں اور طرح طرح کے کپڑے پہنتے ہیں قسم قسم کی سواریاں استعمال کرتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔''

ناداری و افلاس کے بھی اسلام مخالف ہے کیونکہ یہ فرد کو کفر کے قریب لے جاتی ہے۔ حضورؐ ہمیشہ دعا مانگتے تھے:

''میں کفر و فقر و فاقہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

حضور ﷺ نے ہمیشہ اپنی امت کے لئے بھی رزق کثیر کی دعا مانگی ہے۔ اس سے مراد اتنی روزی ہے کہ ایک مسلمان عزت و آبرو سے ایمان کی زندگی بسر کر سکے۔

۲۔ اسلام کی معاشی ناہمواریاں کو ناپسند کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام ایسی فضا میں پرورش یا نمو نہیں پا سکتا جو دولت کی غیر عادلانہ تقسیم کی حامل ہو۔ کیونکہ جس معیشت میں تقسیم دولت غیر منصفانہ ہوتی ہے۔ وہاں کی آبادی کی اکثریت روزگار میں اس قدر مشغول ہوتی ہے کہ زندگی اعلیٰ و ارفع مقاصد کو فراموش کر چکی ہوتی ہے حصول رزق ہی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔

۳۔ معاشی ناہمواریاں کا تیسرا اثر جو قرآن حکیم نے بتایا ہے وہ یہ کہ جب غیر مناسب تقسیم ثروت کے سبب بہت ہی فرق پیدا ہو جاتا ہے اور یہ چیز معاشرے کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی سولہویں آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتی ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ ان میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تو عذاب کا فیصلہ اسی بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آمدنی کو منضبط کرنے کے اہم اصول:

(Important Principles for Income Controlling)

یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تقسیم دولت کا نظام فطری اور قابل عمل ہونا:

فطری نظام سے تقسیم دولت کا ایسا نظام مراد ہے کہ جس میں ہر ایک کو اس کی استحقاق کار کے مطابق حصہ مل سکے یعنی عدل کی قدر معاشرے میں رائج ہو۔

۲۔ حصہ بمطابق استحقاق:

اسلامی فلاسفی کے مطابق چونکہ وسائل پیداوار اس کے تخلیق کردہ ہیں اور معاشی توانائیاں اور وسائل پیداوار سے کام لے کر اشیاء وخدمات پیدا کرنے کی عقل بھی اسی کی عطا کردہ ہے۔ اس لئے استحقاق کا تعین کرنا بھی باری تعالیٰ کا کام ہے۔ قرآن میں صرف عاملین پیدائش کا ہی حق تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ ان کا بھی حق رکھا گیا ہے کہ جو درحقیقت اشیاء وخدمات پیدا نہیں کرتے (سورۃ الذریات آیت 19) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا ایک حق معین ہے۔''

ایک اور جگہ اس طرح آیا ہے:

''اور کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔''

۳۔ گردش آمدنی:

سورہ الحشر کی 17 ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

''تا کہ یہ دولت تمہارے مال داروں کے درمیان گردش میں نہ رہے۔''

اسلام کے معاشی اداروں کی تشکیل کا مقصد ہی یہ ہے کہ دولت گھومتی پھرتی رہے۔

۴۔ تقسیم دولت کا عادلانہ پھیلاؤ:

دیگر نظاموں کی طرح اسلام صرف اخلاقی یا صرف قانونی تدابیر پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان دونوں سے کام لے کر تقسیم دولت کو منصفانہ بناتا ہے۔ دولت کی موزوں تقسیم کی تشریح مزید کی جاتی ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لگان (Rent)

معاشیات میں لگان سے مراد وہ معاوضہ ہے جو ایسے عاملین پیدائش کے استعمال کے بدلے دیا جائے جن کی رسد غیر لچکدار ہو یعنی رقم بڑھ جانے کے باوجود ان کی رسد میں اضافہ ممکن نہ ہو اور یہ عام طور پر زمین پر صادق آتی ہے۔ خاص یا معاشی لگان اور خام لگان اس کی قسمیں ہیں۔

ڈیوڈ ریکارڈ نے نظریہ لگان کی تعریف اس طرح کی ہے:

''لگان زمین کی پیداوار کا وہ حصہ ہے جو ایک کاشتکار یا مزارع زمین کے مالک کو زمین کی ازلی اور پائدار صلاحیتوں (Original & Indestructible Powers of Soil) کے استعمال کی بنا پر دیتا ہے۔ چونکہ زمین کے مختلف ٹکڑے اپنی زرخیزی یا محل وقوع کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان پر اگر برابر رقم لگا دی جائے تو ان کی پیداوار مختلف ہوتی ہے۔ پیداوار کے اس فرق کو جو ایک بڑھیا (Superior) قسم اور گھٹیا (Inferior) قسم کی زمین میں ہوتا ہے۔ لگان کہا جاتا ہے۔''

اس نظریہ پر متعدد اعتراض کئے گئے اور مارشل نے ایک نیا تصور پیش کیا:

''مثیل یا شبہی یا نام نہاد لگان (Quarsi- Rent) وہ آمدنی ہے جو ان مشینوں اور آلات سے حاصل ہوتی ہے جو خود انسان کے بنائے ہوئے ہوں۔''

اب ہم آپ کو اسلامی نظریہ لگان سے متعارف کراتے ہیں اور فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں کہ کون سا خیال بہتر ہے اور کیوں؟

اراضی کے استعمال پر جو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے عموماً اسے لگان کہتے ہیں یہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔ اس کا اطلاق کانوں، چراگاہوں اور آبپاشی کے حقوق وغیرہ کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ اسلام میں لگان کے معنی ہیں خراج زمین اور عشر زراعت سے لیا جاتا ہے۔ (۱)

''قرآن پاک میں ایک جگہ زرعی پیداوار کا لگان دینے کا حکم ہے جب پھل پک جائیں تو انہیں کھاؤ اور فصل کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔'' (۲)

چونکہ قرآن مقدس کی آیات مطلق ہیں واران میں لگان کی شرح کا تعین نہ تھا اس لئے آنحضورؐ نے شارع ہونے کی حیثیت سے لگان کی شرح بھی متعین کر دی تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہ جائے اور مسلمانوں کو مشکلات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اسی کے مطابق عاملین عرب کے باشندوں سے لگان وصول کرتے تھے۔

خراج عربی زبان میں کرایہ اور پیداوار کو کہتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں خراج اراضی کے استعمال کا سرکاری معاوضہ ہے۔ عشر کے معنی دسویں حصہ کے ہیں اور اصطلاحاً پیداوار کا وہ حصہ مراد ہے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اسلامی حکومت مسلم رعایا سے وصول کرتی ہے۔ رسول اکرمؐ نے مختلف والیوں (گورنرز) کے نام تقرر کے جو فرمان صادر فرمائے ان میں لگان کے بارے میں بھی احکامات درج ہوتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن حزم انصاری کو جب نجران میں بنو حارث بن کعب کا والی مقرر کیا تو فرمان میں لگان کا بھی حکم تھا اور مومنین کی زمینوں میں سے بقدر عشر 1/10 حصہ لگان وصول کریں۔ لگان کی یہ مقدار ان زمینوں کے متعلق ہے جو بارش چشمے یا سیلاب سے سیراب ہوتی ہیں اور جو ڈول سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیراب ہوں ان سے 1/20 لیا جائے۔(۳)

اسی طرح آپؐ نے مملوک حمیر کے نام جو فرمان جاری کیا تھا اس میں تحریر تھا۔ اللہ اور اس کے رسول اکرمؐ کی اطاعت کرتے رہو۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، مال غنیمت میں اللہ اور اس کے نبیؐ کا پانچواں حصہ نکال کر ادا کرو اور اس کے علاوہ زمین کا لگان دو جو زمین چشمے یا بارش سے سیراب ہو اس میں سے عشر دیا جائے اور جو ڈول سے سیراب ہو اس میں سے نصف عشر (1/20)(۴)

جو زمین کنوئیں، نہر، ٹیوب ویل سے سیراب ہوتی ہے۔ اس کے لئے بھی نصف کا حکم ہوگا۔ کیونکہ اس پر اخراجات کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

عتاب بن اس پر گورنر مکہ معظمہ کو نبی اکرمؐ نے تصفیف کے تاکستانوں کے جانچنے کا حکم دیا تھا۔ جس طرح کہ نخلستان کی جانچ کی جاتی ہے۔ عتاب کے مطابق رسول اللہؐ میووں اور انگوروں کی جانچ کرنے کے لئے لوگوں کو بھیجا کرتے تھے۔(۵)

حضرت عمرؓ نے مفاد عامہ اور آئندہ نسلوں کی بہتری کے تحفظ پر خیال کے پیش نظر اور صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے عراق شام اور مصر کے بڑے بڑے زرخیز اراضی کے قطعات کو تقسیم نہ کیا اور انہیں تمام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ اس فیصلہ کے بعد عثمان بن حنیف کو جو پیائش کے ماہر تھے اراضی کی پیائش کے لئے روانہ کیا۔ انہوں نے نہایت عمدگی سے سواد کی پیائش کی اور اراضی کا بندوبست بھی کیا۔ پیائش کے بعد یہ کل زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تھی حضرت عمرؓ نے فی جریب ایک درہم اور ایک قفیز خراج مقرر کیا۔ اس کے بعد سواد میں ہر جریب پر خواہ عامر ہو (آباد) خواہ غامر (غیر آباد) لیکن پانی اس تک پہنچتا ہو ایک درہم اور ایک قفیز خراج مقرر کیا اور رطبہ (کھیرا، ککڑی، تربوز) وغیرہ کے ایک جریب پر دس درہم اور دس قفیز مقرر کئے۔

امام ماوردیؒ لکھتے ہیں کہ خراج کی مقدار زمین کی حیثیت پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کے بعد حصوں پر فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم مقرر کر دیا۔ آپ نے اس میں کسریٰ بن قباد (شاہ ایران) کے فیصلے کو امتیاز کیا۔ زمیندار اور کاشتکاروں دونوں کے مفاد کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ لگان کی شرح کم سے کم رہے۔ عمرو بن العاصؓ نے مصر کی زمین پر فی جریب ایک دینار اور تین ارب گیہوں خراج اور ہر باغ پر دو دینار مقرر کر کے عمرؓ کو اطلاع دی انہوں نے توثیق کر دی حضرت عمرؓ کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ ابوزید الانصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ مجھے حضرت علیؓ نے اس علاقہ میں بھیجا جسے دریا نے فرات سیراب کرتا ہے۔ حضرت علیؓ نے بہت سے دیہات کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ:

۱۔ گندم کے گھنے کھیت کی ہر جریب پر 1/2 درہم اور ایک صاع غلہ۔

۲۔ اوسط درجہ کے کھیتوں پر 1/2 درہم۔

۳۔ جو کے کھیت چھدرے ہوں ان کی ہر جریب پر 1/3 درہم۔

۴۔ جو کے کھیتوں پر اس کا نصف اور یہ بھی حکم دیا کہ باغوں پر جس میں نخلستان ہوں اور دوسرے درخت ہوں فی جریب دس درہم۔

۵۔ انگوروں پر جب کہ ان کو کاشت کے لئے تین برس گزر چکے ہوں اور چوتھا ہو اور بار آور ہوں فی جریب دس درہم۔(۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تخفیف مال گزاری ولگان داری:

دنیا کے معاشی نظام میں مال گزاری اور لگان کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک پیداوار میں سے حصہ مقرر کرنا اور دوسری صورت نقد لگان قائم کر دینا اسلام کے معاشی نظام میں بھی یہی دونوں قدرتی صورتیں رائج ہیں۔

پس حکومت کے عائد کردہ لگان اور اس کی قائم کردہ مال گزاری اور افراد امت کے درمیان زمینداری اور کاشت کاری سے پیدا شدہ لگان کی تفصیلات حسب ذیل صورتیں اختیار کر لیتی ہیں۔

اگر زمین افراد ملک کی ذاتی مملوکہ ہے اور حکومت ان سے اجتماعی حق سالانہ محصول لیتی ہے تو اس صورت میں وہ زمین یا عشری ہوگی یا خراجی اگر زمین عشری ہے تو اس کی ہر پیداوار پر عشر (دسواں حصہ پیداوار) لیا جائے گا جو کہ سال میں 2 یا تین مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ اگر خراجی زمین کو مسلمان خریدے تو اس زمین پر خراج ہی قائم رہے گا اور عشری زمین نہیں بن سکتی اگر عشری زمین کو ذمی یا غیر مسلم خریدے تو وہ خراجی ہو جائے گی اس لئے کہ غیر مسلم پر عشر واجب نہیں ہے اور اگر زمین کی مالک حکومت ہے اور وہ اجارہ کاشت کراتی ہے یا کسی فرد خاص کی ملکیت ہے اور وہ دوسرے کسی شخص سے اجارہ پر کاشت کراتا ہے۔ پس اگر نقد لگان ہر زمین کو دیا ہے تو وہ سال میں ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا اور اس کو اجارہ یا استکراء الارض کہتے ہیں اور اگر بٹائی پر دیا جائے تو وہ پیداوار کے ساتھ مربوط رہے گا اور اس کو مزارعۃ کہا جائے گا اور اگر باغ کی پیداوار کا معاملہ ہے تو اس کو مسافاۃ کہا جاتا ہے۔

زراعت کی ان تمام صورتوں میں سے کوئی شکل بھی ہو اسلام کے معاشی نظام میں مسلم اور کافر کی تفریق کے بغیر یہ ضروری قرار دیا گیا کہ اکثر حالات میں کاشت کار کے مصالح کو زمیندار اور حکومت کے مفادات پر مقدم رکھا جائے اور عشر کے علاوہ جو کہ پیداوار کی منصوص زکوٰۃ ہے اور ہر قسم کے لگان اور مال گزاری میں کاشت کار کی سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تخفیف لگان کو اسوہ بنایا جائے اور یہ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں سمجھا گیا کہ لگان یا مال گزاری کی شرح زمین کی حیثیت سے بڑھ کر مقرر کر دی جائے اور ایسا کرنے کو وہ ظلم وعدوان سمجھتا ہے۔ تخفیف لگان اور کاشت کار کی سہولت اسلام کے معاشی نظام میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ ذیل کے احکام واقعات مفصل جواب دے سکتے ہیں:

نبی اکرمؐ نے فتح مکہ کے بعد یہود خیبر سے مخابرہ کا معاملہ کر کے ان کی زمینوں کو انہی کی ملکیت میں چھوڑ دیا اور جب پیداوار کے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو وصولیابی کے لئے بھیجا تو انہوں نے یہود سے صاف صاف لفظوں میں یہ فرمایا:

> ''مجھے نبی اکرمؐ نے اس لئے نہیں بھیجا کہ میں تمہارے مال کو ناحق ہضم کر جاؤں بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمہارے رسول اللہؐ کے درمیان معاہدہ کے مطابق پیداوار کو تقسیم کروں اور تم کو پورا اختیار ہے کہ اگر یہ پسند کرتے ہو کہ ہم عملداری کر کے اس کا تخمینہ کر دوں اور نصف نصف بانٹ دوں تو میں حاضر ہوں اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ خود عملداری اور کنکوٹ کر کے نصف نصف کر دو تو مجھے یہ بھی منظور ہے یہ سن کر یہودی کاشت کار کہنے لگے کہ یہی وہ عدل وانصاف ہے جس کی وجہ سے زمین وآسمان قائم ہیں۔''

مصر میں فراعنہ کے زمانے میں مال گزاری کے حسب ذیل اصول مقرر تھے:

۱۔ خراج نقد اور پیداوار دونوں شکل میں لیا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع بندی کی تشخیص کی جائے۔
۳۔ بندوبست چار سالہ ہو۔
۴۔ خراج مال گزاری کا لگان کے علاوہ غلہ کی ایک بہت بڑی مقدار پائیہ تخت قسطنطنیہ کے لئے وصول کی جائے۔
۵۔ فوج کی رسد کے لئے غلہ یہیں سے لیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ان پانچ اصولوں میں سے انصاف کے پیش نظر ترمیم و اصلاح کی اور حسب ذیل قاعدے مقرر کئے تھے:

۱۔ خراج نقد یا پیداوار دونوں شکلوں میں وصول ہو سکتا ہے مگر اس میں لگان دینے والے کی سہولت کا لحاظ ضروری ہوگا۔
۲۔ تشخیص کا سطور بالا قاعدہ مقرر کرنا اور چند سالوں کا اوسط نکال کر جمع کرنا کاشت کاروں کی معاشرتی زندگی کے اعتبار سے سخت ظلم ہے بلکہ تشخیص لگان زمین کی حیثیت اور پیداوار کی نوعیت کے پیش نظر طرفین سے ہونی چاہئے۔
۳۔ بندوبست سے متعلق کوئی خاص وقت مقرر کرنا نہ حکومت کو مفید ہے نہ رعایا کو بلکہ حسب موقع کاشتکاروں اور مالکان زمین کی سہولت کا لحاظ کر کے کیا جائے۔
۴۔ لگان کے علاوہ کچھ اور وصول کرنا ظلم ہے۔
۵۔ لہٰذا رومیوں کے دونوں قاعدوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں حرمین کو جو غلہ بھیجا جاتا تھا۔ اس کی قیمت حکومت پائی پائی اپنے پاس سے ادا کرتی تھی۔

الف: عشری اراضی کی اقسام (Kinds):

۱۔ عربوں کی زمین سے جس کی حدود شام، کوفہ سے دور یمن تک ہیں۔ رسول پاکؐ اور خلفائے راشدین کے عہد میں خراج نہیں لگایا گیا تھا۔
۲۔ ایسے تمام مسلمان جو اپنی مرضی سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہوں اور زمین ان کے قبضہ میں رہی ہو عشر لگتا ہے۔
۳۔ ایسی ساری زمین جو طاقت سے فتح کی گئی ہو اور مسلم آری کے درمیان منقسم ہوئی۔
۴۔ مسلمانوں کی مستقرات (رہائش گاہ) (Dwelling) جو کہ باغات میں تبدیل ہوئیں۔
۵۔ موات (Waste Lands) جو کہ امام کی مرضی سے ترقی یافتہ اس کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوگا۔

ب: خراجی زمین:

۱۔ عراق کا سواد جو کہ طولاً عرضاً حد بصب سے آبادان اور کوفہ اور حالوں کی ندیوں تک ہے۔
۲۔ مصر چونکہ اس کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے خراج نافذ کر دیا تھا۔
۳۔ شام مصر کا خراج دراصل کرایہ تھا کیونکہ زمین سرکاری جائداد بن گئی تھی اور اس کے کوئی صحیح وارث نہ رہے تھے۔
۴۔ ایسی تمام اراضی جو کہ فورس سے فتح ہوئی۔ فوج میں تقسیم نہ کی گئی اور اصل مالکوں کے پاس ہی رہی یا کسی دوسرے علاقے سے لائے گئے غیر مسلم کو دی گئی۔
۵۔ ایسی زمین جو کہ مسلمان حاکم اور نان بیلیورز (Non-Beliners) کے مابین سمجھوتہ سے آئی جیسا کہ نجران۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۶۔ موات زمین جو کہ حکومت کی اجازت سے ذمیوں نے آباد کی۔
۷۔ ذمیوں کی رہائش گاہیں جو کہ باغات میں تبدیل ہوئیں۔
۸۔ موات کی زمین جو مسلمانوں نے آباد کی بشرطیکہ وہ خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہو اور خراج والے ضلع میں واقع ہو۔

عوامل جو کہ خراجی گنجائش یا وسعت (Capacity) کو متعین کرتے ہیں۔

زمین کی کوالٹی، فصل کی قسم، طریق آبپاش، زمین کا منڈیوں اور شہروں سے فاصلہ ہے، خراج کی تشخیص زمین کے مزرعہ پورشن یا ایریا سے یا پیداوار سے کی جاتی ہے۔

چند ضروری نکات (Point):

۱۔ خراج سال میں صرف ایک بار وصول کیا جاتا ہے خواہ کئی فصلیں ہوں۔
۲۔ خراجی زمین پر کوئی عشر نہیں لگتا۔
۳۔ اگر ساری فصل قدرتی آفات، سیلاب، ژالہ باری وغیرہ سے ضائع ہو جائے تو کوئی خراج نہیں لگتا۔
۴۔ اگر کاشتکار زمین کو کاشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو مگر کاشت نہ کرے تو خراج ملے گا۔
۵۔ گاؤں کے مکانوں اور دوسری رہائش گاہوں (Dwelling) پر خراج نہیں لگتا۔
۶۔ اگر مالک اپنی زمین فروخت کر دے تو خراج بذمہ خریدار ہوگا۔
۷۔ المادری کے مطابق اگر زمین بغیر کرایہ کے لیز (Lease) پر دی جائے تو خراج (ٹیکس) مالک سے وصول ہوگا۔
۸۔ ٹیکس لیتے وقت انصاف اور حسن سلوک ملحوظ خاطر رہے گا۔ نیز آسانی کی خاطر اقساط میں ادا ہوتا ہے۔
۹۔ خراج پیشگی بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور فلڈ کی صورت میں واپسی۔
۱۰۔ اگر دشمن زمین خراب کر دیں تو دوبارہ خراج نہ لیا جائے گا۔ ریکورنگ (Recovering) حکومت کرائے گی۔
۱۱۔ پہلے ضلع والا پیمانہ ہی بنیاد ہوگی۔
۱۲۔ پیمانہ بحساب 60 کیوبیٹس کی جریب، ہر کیوبٹ 7 کا بزب کے برابر جو کہ مٹھی بھر اندازاً 25/4۔
۱۳۔ اگر آبپاشی اور فوائد وہی ہوں تو کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔
۱۴۔ اگر زمین کو موٹی لکڑی سے ڈھانپ لیا جائے تو خراج نہیں لگے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منافع

مفہوم:

عام طور پر کاروباری لوگ اپنی آمدنیوں میں سے کاروبار کے اخراجات منہا کرنے کے بعد جو کچھ بچا لیتے ہیں۔ اسے منافع کہتے ہیں۔ لیکن معاشیات میں منافع کو مختلف معقول میں لیا جاتا ہے۔

قومی آمدنی تنظیمی خدمات کے عوض جو کچھ دیا جاتا ہے منافع کہلاتا ہے۔ پروفیسر سلیگ مین منافع کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

منافع کاروباری مستاجر کی آمدنی ہوتی ہے۔ آجر بطور ایک عامل پیدائش پیداواری کاموں میں حصہ لیتا ہے۔ کاروباری خطرات کا سامنا کرتا ہے۔ دیگر عاملین پیدائش، زمین محنت اور سرمایہ کو کاروبار میں لگا کر ان کے معاوضے لگان، اُجرت اور سود کی شکل میں ادا کرتا ہے اور جو کچھ بچ جائے وہ منافع کی صورت میں قبول کرتا ہے اور اگر نہ بچ سکے تو اسے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

منافع کی اقسام:

منافع دو طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ خالص منافع

۲۔ خام منافع

۱۔ خالص منافع:

خالص منافع محض دو معاوضہ ہوتا ہے جو آجر کو تنظیمی خدمات سرانجام دینے اور نفع و نقصان کی ذمہ داری قبول کرنے کے صلہ میں ملتا ہے۔ اس میں دیگر کسی قسم کے معاوضے شامل نہیں ہوتے۔

۲۔ خام منافع:

اکثر اوقات ناظم جو کچھ کماتا ہے۔ اس میں خالص منافع کے علاوہ کچھ اور معاوضے بھی شامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اس کا خام منافع ہوتا ہے خام منافع میں، خالص منافع کے علاوہ مندرجہ ذیل وقومات بھی شامل ہوتی ہیں۔

۱۔ اپنی زمین کا لگان:

کاروبار میں جو زمین استعمال میں آرہی ہو۔ اگر وہ آجر کی اپنی ہو اور وہ اس کا علیحدہ معاوضہ بطور لگان وصول نہ کرے بلکہ اسے منافع ہی میں شامل کر لے تو اسکا منافع خام ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ کسی اور شخص کو زمین استعمال کے لیے دیتا تو اس کا لگان وصول کرتا اور اب یہی لگان اس کے منافع میں شامل ہے۔

۲۔ اپنی محنت کی اجرت:

بعض اوقات آجر اپنی تنظیمی خدمات کے علاوہ بھی کچھ فرائض سرانجام دیتا ہے مثلاً کاروبار کے لیے کوئی علیحدہ منیجر وغیرہ نہ رکھے بلکہ اس کا کام بھی خود ہی کرے۔ اس طرح بحیثیت منیجر اس کی اجرت بھی منافع میں شامل ہوتی ہے لہٰذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ خالص نہیں رہتا۔

۳۔ اپنے سرمائے کا سُود:

اگر کاروبار میں لگائے گئے سرمائے کا کچھ حصہ آجر کا اپنا ہو اور وہ قرض لے کر سرمایہ کاری نہ کرے تو اس کے سرمائے کا سود بھی منافع میں شامل ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ اپنا سرمایہ دوسروں کو بطور قرض دیتا تو اس پر سود وصول کرتا۔ یا اگر سرمایہ لے کر کاروبار میں لگاتا تو اسے سود ادا کرنا پڑتا۔ پس اس کے اپنے سرمائے کے سود کی موجودگی بھی منافع کو خام بنا دیتی ہے۔

۴۔ اتفاقیہ منافع:

بعض اوقات حالات میں اچانک تبدیلی واقع ہونے سے آجر کا منافع بڑھ جاتا ہے جسے (اتفاقیہ منافع) کہا جاتا ہے مثلاً جنگ کی وجہ سے چینی کی درآمد بند ہو جائے اور چینی کی قیمت بڑھ جانے سے آجروں کو غیر متوقع منافع حاصل ہو جائے۔ اسی طرح سیلاب اور زلزلے بھی اشیاء کی قیمت میں اضافہ کا سبب بن کر اتفاقیہ منافع کو جنم دیتے ہیں۔

۵۔ اجارہ داری کا منافع:

اگر آجر شے کی پیداوار پر اجارہ داری حاصل ہو اور کوئی دوسری فرم وہ شے تیار نہ کر رہی ہو اور نہ ہی منڈی میں شے کا کوئی نعم البدل موجود ہو تو آجر اپنی شے کی زیادہ قیمت وصول کر کے غیر معیاری منافع کما سکتا ہے۔ چونکہ ایسا منافع آجر کی اپنی قابلیت یا کوششوں کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ خام منافع میں شامل کیا جاتا ہے۔

۶۔ تخمینی منافع:

کئی آجر مختلف اشیاء کو کم قیمت پر خرید کر ان کا ذخیرہ کر لیتے ہیں اور مستقبل میں جب قیمتیں بلند ہو جاتی ہیں تو انہیں فروخت کر کے زائد از معیار منافع کماتے ہیں۔ ایسے منافع کو تخمینی منافع کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے خام منافع کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

منافع کے مختلف نظریات:

منافع کی ادائیگی کے بارے میں مختلف ماہرین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جنہیں درج ذیل نظریات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ منافع لگان کی مانند ہے: Rent Theory of Profit

یہ نظریہ امریکہ کے معیشت دان واکر نے پیش کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جس طرح زمین کے مختلف قطعات زرخیزی کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح آجروں کی قابلیت ذہانت تجربہ اور استعداد میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ چونکہ زیادہ زرخیز زمینیں کم زرخیز زمینوں کے مقابلہ میں زیادہ لگان دیتی ہیں لہٰذا زیادہ قابل اور مستعد آجر بھی کاہل، سست اور کم استعداد والے آجروں کے مقابلے میں زیادہ منافع کماتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ جس طرح مختتم زمین صرف مصارف پیدائش ہی پورے کرتی ہے اور لگان نہیں دیتی۔ اس طرح مختتم آجر بھی کاروباری اخراجات ہی پورے کر سکتا ہے اور منافع نہیں کماتا۔ مزید براں جس طرح ریکارڈ کے مطابق لگان قیمت کا حصہ نہیں بنتا۔ اسی طرح منافع بھی لاگت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدائش میں شامل نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا زمین کے لگان اور آجر کے منافع کا ایک ہی اصول ہے۔ پس منافع آجر کی قابلیت کا لگان ہے۔

اعتراضات:

۱۔ زمین قدرت کی طرف سے مفت عطیہ ہے اور اس کی رسد معین ہوتی ہے۔ جب کہ آجروں کی رسد کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔

۲۔ آجر نقصان بھی برداشت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا منافع منفی ہو سکتا ہے۔ جب کہ زمین کا لگان ہمیشہ مثبت رہتا ہے اور یہ کبھی منفی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ ریکارڈو کے نظریۂ لگان کے مطابق مختتم زمین ایسی ہوتی ہے جو لگان نہیں دیتی جب کہ کوئی آجر مختتم نہیں ہوتا۔ یعنی کاروبار میں موجود رہنے کے لیے آجر کے لیے منافع حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ منافع حاصل کیے بغیر آجر کاروبار چالو نہیں رکھ سکتا۔

۴۔ منافع کا انحصار آجر کی قابلیت کے علاوہ کئی دوسرے عوامل پر بھی ہوگا۔ مثلاً سیاسی حالات میں اتفاقیہ تبدیلی، اجارہ داری، فیشن میں تبدیلی اور ناگہانی حالات وغیرہ جب کہ زمین کے لگان کا تعین اس کی زرخیزی کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔

۵۔ زمین کا لگان پہلے سے مقرر ہوتا ہے جب کہ منافع کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کیا جا سکتا یہ اندر سے کم و بیش بھی ہو سکتا ہے۔

۶۔ لگان زمین کو استعمال میں لانے کا معاوضہ ہوتا ہے جب کہ مشترکہ سرمایہ کمپنیوں کے حصہ دار بغیر کوئی کام کیے منافع حاصل کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا اعتراضات کے پیش نظر اس نظریہ کو زیادہ مقبول نہیں سمجھا جاتا۔

۲۔ منافع اجرت کی مانند ہے: Wage Theory of Profit

پروفیسر ٹاز گ (Taussig) اور ڈیون کا کہنا ہے کہ آجر کا منافع مزدوروں کی اجرت کی مانند ہوتا ہے کیونکہ بنیادی طور پر دونوں مزدور ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مزدور جسمانی مشقت کرتا ہے جبکہ آجر ذہنی کاوش کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں کے معاوضوں پر ایک ہی اصول کارفرما ہوتا ہے۔

اعتراضات:

۱۔ مزدور ایک طے شدہ معاہدے کے تحت اجرت حاصل کرتا ہے اور یہ پہلے سے مقرر ہوتی ہے۔ جبکہ آجر کا منافع مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مزدور اور اجر کے کام کی نوعیت میں فرق پایا جاتا ہے۔ آجر کو خطرات کا سامنا ہوتا ہے اور غیر یقینی حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ مزدور کو کسی قسم کا کاروباری خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔

۳۔ مزدور کی اُجرت کبھی منفی نہیں ہو سکتی۔ یعنی وہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ جب کہ آجر کو خسارہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے اور منافع منفی ہو سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۴۔ اُجرت بغیر محنت کے نہیں مل سکتی جب کہ منافع بغیر کسی صلاحیت کا مظاہرہ کئے بھی مل سکتا ہے۔ جیسا کہ مشترکہ سرمایہ کمپنیوں کے حصہ داروں کا منافع وغیرہ۔

۵۔ اجرتیں اور منافع عام طور پر مخالف سمتوں میں حرکت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ ہو جائے تو آجروں کا منافع کم ہو جاتا ہے اور نامکمل مقابلہ کے تحت جب قیمت زیادہ ہونے پر منافع بڑھتا ہے تو اجرتیں کم ہو جاتی ہیں۔

۳۔ منافع خطرہ مول لینے کے معاوضہ ہے:

پروفیسر ہالے (Hawley) کے مطابق منافع خطرہ مول لینے کا معاوضہ ہے کیونکہ جب بھی کوئی آجر کاروبار شروع کرتا ہے تو اسے بہت سے خطرات درپیش ہوتے ہیں مثلاً ممکن ہے اس کے اندازے کے مقابلہ میں شے کی طلب کم ہو جائے اور اس کی قیمت گر جائے یا اچانک اس شے کا فیشن ختم ہو جائے یا کچھ دوسرے افراد اپنی کوششوں سے شے کا کوئی قریبی بدل تلاش کرنے میں کامیب ہو جائیں اور اس طرح شے کی قیمت میں کمی کے پیش نظر اسے خسارے کا سامنا کرنا پڑے۔ جس کاروبار میں خطرے کا زیادہ خطرات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ پروفیسر نائٹ Knight نے خطرات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ایسے خطرات جن کا ذمہ بیمہ کمپنیاں نہ اٹھائیں اور اس کا سامنا آجر کو خود کرنا پڑے۔ مثلاً شے کی طلب، قیمت اور فیشن وغیرہ میں تبدیلی کا خطرہ۔ پروفیسر نائٹ کے مطابق یہی وہ خطرات ہوتے ہیں جنہیں مول لے کر آجر منافع کماتا ہے۔

۲۔ ایسے خطرات جن کی پیش بینی کی جا سکے اور جن کا ذمہ بیمہ کمپنیاں اٹھا لیں مثلاً حادثے، یہ ذمہ داری آجر کی بجائے بیمہ کمپنیوں کی ہوتی ہے۔

۴۔ منافع غیر یقینی حالات کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے:

پروفیسر نائٹ (Knight) کا کہنا ہے کہ آجر کو بہت سے غیر یقینی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کا زیادہ تر کام مستقبل کے بارے میں اندازوں پر ہوتا ہے۔ چونکہ آنے والے حالات کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے وہ اپنی محنت اور کاوش سے اس غیر یقینی کیفیت سے کچھ نہ کچھ کما لیتا ہے جو کہ اس کا منافع ہوتا ہے۔ شائد اس لیے پروفیسر نی ون (Nevin) نے لکھا ہے کہ ''غیر یقینی کیفیت ہی منافع کی اصل توجیہ ہے''۔ آجر مستقبل میں شے کی طلب کے بارے میں حتمی طور پر کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے۔ حالات میں اس قسم کی تبدیلی آئے کہ طلب کم ہو کر رہ جائے۔ یا صارفین کی ذہنی کیفیت میں تبدیلی سے شے کا فیشن بدل جائے وغیرہ۔

پس ان غیر یقینی حالات کا سامنا کرنے سے آجر جو کچھ کما لیتا ہے وہ اس کا منافع ہوتا ہے۔

۵۔ منافع کا متحرک نظریہ:

یہ نظریہ امریکی ماہر معاشیات جسے۔ بی کلارک نے پیش کیا ہے۔ اس کے مطابق معاشی حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے بلکہ ان میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ ان حالات میں تبدیلی آجر کے منافع پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ پیش بینی کر کے ایسے اقدامات کرتا ہے کہ منافع حاصل کر سکے۔ مثلاً لوگوں کی تعداد اور ان کی خواہشات میں تبدیلی، تجارتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالات میں تبدیلی، اشیائے سرمایہ کی رسد میں تبدیلی اور طریقہ پیدائش میں تبدیلی وغیرہ جو آجر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اور تخلیقی قوتوں سے کام لے کر دوسروں سے آگے بڑھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ زیادہ منافع کما لیتا ہے۔

۱۔ کلارک کا کہنا ہے کہ اگر حالات ساکن Static رہیں اور ان میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہو۔ یعنی کاروباری حالات میں کوئی اتار چڑھاؤ نہ ہو۔ مثلاً آباد، سرمائے کی رسد، صارفین کی تعداد، انداز اور طریقہ پیدائش وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہ آئے تو منافع کا عنصر ختم ہو جاتا ہے لیکن حقیقی دنیا میں اس حالات میں آئے دن تبدیلیاں رونما ہوتی رہتے ہیں لہٰذا آجر منافع کما لیتے ہیں۔

۲۔ پروفیسر ٹاسگ (Taussig) کے خیال میں یہ نظریہ آجر کے منافع اور ناظمانہ فرائض و نگرانی میں ایک مصنوعی فرق پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ جامد اور ساکن حالات میں بھی آجر ایک تنخواہ دار منیجر کے برابر معاوضہ حاصل کر سکتا ہے۔

۳۔ پیداواری عمل میں ہر تبدیلی منافع ہی نہیں دیتی، بلکہ بعض تبدیلیاں نقصان کا سبب بھی بنتی ہیں۔

۶۔ جدت و اختراع کا نظریہ: Innovation Theory

یہ نظریہ پروفیسر شمپیٹر Schumpeter نے پیش کیا ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ "آجر اپنے کاروبار میں نئی ایجادات استعمال کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے صلہ میں جو زائد رقم حاصل کرتا ہے وہ اس کا منافع ہوتا ہے"۔ آجر دو طرح سے جدت پیدا کرتا ہے۔

اول وہ نئے اور بہتر طریقہ پیدائش دریافت کر کے خام مال کم قیمت پر حاصل کر کے اور نئی پالیسیوں کے تحت اخراجات کم کرنے کی کوشش کر کے زیادہ منافع کماتا ہے۔

دوم وہ اپنی شے کو نئے اور خوب صورت انداز میں پیش کرتا ہے۔ دل موہ لینے والے اشتہارات کے ذریعے اسے عوام میں مقبول بنانے کی کوشش کرتا ہے اور نئی منڈیاں تلاش کر کے شے کی طلب میں اضافہ کرتا ہے اور اس طرح دوسروں سے سبقت لے جانے پر منافع حاصل کرتا ہے۔

۷۔ نظریہ مختتم پیداواری: Marginal Productivity Theory

اس نظریہ کے مطابق جس طرح دیگر عاملین پیدائش زمین، محنت اور سرمایہ قومی آمدنی میں سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح آجر بھی اپنی مختتم پیداوار کے برابر حصہ منافع کے طور پر حاصل کرتا ہے۔ مختتم آجر وہ ہوتا ہے جس کے کل اخراجات اس کے کل حاصل کے برابر ہوں اور اس طرح وہ معمولی منافع حاصل کرے۔ کیونکہ معمولی منافع کل لاگت میں شامل ہوتا ہے اور یہ اس معاوضے کے برابر ہوتا ہے جو وہ بطور منیجر یا منتظم کسی اور ادارے سے حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ معمولی منافع سے زیادہ کما لے تو یہ اس کا غیر معمولی منافع ہوتا ہے۔ عام طور پر زیادہ مستعد اور باصلاحیت لوگ غیر معمولی منافع کماتے ہیں۔

نتیجہ بحث:

منافع کے بارے میں مندرجہ بالا نظریات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نظریہ منافع کے تعین کی پوری طرح وضاحت نہیں کرتا کیونکہ ہر نظریہ کسی ایک پہلو کی وضاحت تو کرتا ہے جب کہ دیگر پہلوؤں سے چشم پوشی برتتا ہے۔ درحقیقت منافع آجر کے کسی ایک کام کا معاوضہ نہیں بلکہ اُسے بہت سے امور سرانجام دینے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پڑتے ہیں جن کے نتیجہ میں وہ منافع کماتا ہے۔ مثلاً اُسے غیر یقینی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خطرات مول لینے پڑتے ہیں جن پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ کاروبار میں جدت اور تنوع پیدا کر کے دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ فیشن اور اشیاء کی طلب کو مدنظر رکھ کر پیش بینی کرتا ہے۔ اگر حالات اُس کے حق میں ہوں تو اسے منافع مل جاتا ہے۔ ورنہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام باتیں اُس کے منافع کا جواز پیش کرتی ہیں مزید برآں آجر بھی مزدور کی طرح محنت کرتا ہے اور زیادہ مستعد اور قابل آجر زیادہ مختتم پیداوار کی وجہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام نظریات مل کر نظریہ منافع کی وضاحت کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجرت

اجرت کی تعریف:

معاشی اصطلاح میں اجرت سے مراد وہ صلہ ہے جو ایک انسان اپنی دماغی کاوش یا جسمانی محنت کے عوض حاصل کرتا ہے۔ یہ صلہ زر کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور اشیاء کی صورت میں بھی۔ تاہم عموماً اجرت زر کی صورت میں ہوتی ہے۔

اجرت کی دو اقسام ہیں:

۱۔ زری اجرت ۲۔ حقیقی اجرت

۱۔ زری اجرت سے مراد وہ معاوضہ ہے جو کسی محنت کار کو زر یعنی روپے پیسے کی شکل میں ملتا ہے۔

۲۔ حقیقی اجرت سے مراد وہ تمام اشیاء و خدمات ہیں جو ایک مزدور اپنی محنت کے صلہ میں حاصل کرتا ہے۔ اس میں تنخواہ کے علاوہ حاصل ہونے والی دیگر سہولتیں اور رعائتیں شامل ہوتی ہیں۔

اجرتوں کے تعین کے نظریات:

اجرتوں کے تعین کا مسئلہ اہم بھی ہے اور پیچیدہ بھی۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے مختلف ماہرین معاشیات نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں:۔

۱۔ نظریہ مختتم پیداواری: (Marginal Productivity Theory)

یہ نظریہ پروفیسر الفریڈ مارشل نے پیش کیا۔

اس نظریہ کے مطابق اجرت کسی فرم میں لگائے ہوئے آخری مزدور کی مختتم پیداواری مالیت سے متعین ہوگی۔ مکمل مقابلہ کے تحت کام کرنے والی ایک فرم اگر دیگر عاملین پیدائش (زمین اور سرمایہ) کو متعین فرض کر کے مزدوروں کی تعداد میں اضافہ کرتی جائے تو ایک ایسا نقطہ آ جاتا ہے جس کے بعد ہر زائد مزدور کی مختتم پیداوار قانون تقلیل حاصل کی وجہ سے گرتی چلی جاتی ہے اور جب یہ رائج شرح اجرت کے برابر ہو جائے تو مزید مزدوروں کو مختتم پیداوار کی مالیت کے برابر اجرت دی جاتی ہے۔ اس طرح کسی فرم میں مختتم پیداواری مزدوروں کی اجرت کا تعین کرتی ہے۔

یہ نظریہ کی رو سے مزدوروں کی اجرت اس رقم کے برابر ہوتی ہے، جس سے وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے ضروریات زندگی خرید کر محض گزر اوقات کرتے ہیں۔ اجرتیں نہ اس معیار سے زیادہ ہوتی ہیں اور نہ کم۔

۲۔ جدید نظریہ طلب و رسد

اس نظریہ کے مطابق مزدوروں کی اجرت کا تعین عام اشیاء کی قیمتوں کی طرح طلب اور رسد کے اصول کے تحت ہوتا ہے۔ یعنی اجرت اس مقام پر مقرر ہوگی جہاں مزدوروں کی طلب اور رسد باہم برابر ہو جائیں۔ اسے اجرتوں کے تعین کا جدید نظریہ کہتے ہیں۔

اجرتوں کا تعین: اسلامی نقطہ نظر:

ارتکاز دولت کے خاتمہ اور گردش دولت میں اضافہ کے لیے اسلام اجرتوں کے تعین کے مسئلہ کو بہت اہمیت دیتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے اور اس ضمن میں مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کا حکم دیتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مزدوروں کو مناسب اجرت دی جائے، بروقت اور شرائط معاہدہ کے مطابق دی جائے۔ وہ آجروں کو مزدوروں کے حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اجرتوں کے تعین کے سلسلہ میں قرآن پاک کے اس اصول سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

﴿لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲۷۹)

''نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔''

اس کے اصول کے مطابق لازم ہے کہ نہ تو آجر مزدور کو وہ اجرت دے کہ اس کا حق پورا ادا نہ ہو، نہ یہ ہو کہ آجر کو اتنی اجرت دینے پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ (یا اس کا کاروبار) اس کا متحمل ہی نہ ہو سکے۔

مزدور کے حقوق (آجر کے فرائض)

۱۔ حق اخوت:

آجر کے لیے لازم ہے کہ وہ مزدور کے ساتھ اجرتوں کے تعین وغیرہ کا معاملہ کرتے ہوئے اسے اپنا بھائی خیال کرے۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ وہ مزدور کے لیے اسی طرح کی خوشحالی کو پسند کرے جیسی اپنی لیے پسند کرتا ہے۔

۲۔ اجرت کا تعین:

ضروری ہے کہ مزدور کو کام پر لگانے سے پہلے اجرت کا تعین کر لیا جائے اور اجرت بھی ایسی مقرر کی جائے جس سے وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکے۔ مزدور کی کسی مجبوری یا افراط رسد کی بنا پر اسے حقیر و قلیل معاوضہ قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

۳۔ اجرت کی فوری ادائیگی:

مزدور کو اس کے کام کا معاوضہ بروقت اور فوری طور پر ادا کیا جانا چاہیے تاکہ وہ اپنی ضروریات بلا تاخیر پوری کر سکے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

''مزدور کو اس کی اجرت پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔''

۴۔ طے شدہ شرائط کی پاسداری:

مزدور کے ساتھ کام کی طے شدہ شرائط کی لازماً پاسداری کی جائے اور کسی بھی حال میں اس سے انحراف نہ کیا جائے۔ اس میں معاوضہ کی عدم ادائیگی یا اس میں نامناسب تبدیلی وغیرہ کی ممانعت بھی شامل ہے۔

۵۔ استطاعت کے مطابق کام:

مزدور سے اس کی استطاعت کے مطابق ہی کام لیا جائے۔ اگر کسی وقت اس پر کام کا زیادہ بوجھ ڈالنا ناگزیر ہو جائے تو لازم ہے کہ اس کا ہاتھ بٹایا جائے اور اس کے لیے ضروری سہولت پیدا کی جائے۔

۶۔ کریمانہ برتاؤ:

مزدور، مشین اور زمین سے اس بناء پر ممتاز عامل پیدائش ہے کہ یہ انسان ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے مکرم و محترم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہستی بنایا ہے اس لیے اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جا سکتا جو اسے ذلیل و رسوا کرنے والا ہو۔

آجر کے حقوق (مزدور کے فرائض)

۱۔ خیر خواہی:

مزدور کے لیے لازم ہے کہ وہ آجر کا خیر خواہ ہو۔ نیکی و بھلائی کے کام میں اس کا معاون ہو اور اس کے مفادات کی حفاظت کرنے والا ہو۔

۲۔ صلاحیت کار:

مزدور کے لیے لازم ہے کہ جو کام اس کے سپرد کیا جائے اسے انجام دینے کی اس میں صلاحیت بھی ہو۔ با صلاحیت و قابلیت محض دھوکہ اور سفارش سے کسی کام کو ہاتھ میں لے لینا ہرگز مناسب نہیں۔

۳۔ امانت و دیانت:

مزدور کے لیے ضروری ہے کہ وہ امانت و دیانت کی صفت سے متصف ہو۔ قرآن پاک میں اچھے کارکن کے لیے ''قوی و امین'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۴۔ پاس عہد:

آجر کی طرح مزدور کے لیے بھی لازم ہے کہ معاہدہ ملازمت کی شرائط کی پابندی کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم اپنے عہدوں کی پابندی کرو۔'' (المائدہ)

اوقات کار، اجرت، تعطیلات وغیرہ کے بارے میں جو شرائط طے ہو جائیں مزدور کے لیے ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ وعدہ خلافی عند اللہ قابل مؤاخذہ ہے۔

۵۔ غفلت و لاپروائی سے اجتناب:

مزدور کے لیے لازم ہے کہ وہ کام کی انجام دہی پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ کرے اور دانستہ طور پر کسی کوتاہی یا لاپروائی کا مرتکب نہ ہو اور نہ ہی مالک کے مال و املاک کو نقصان پہنچائے۔

حوالہ جات

۱. ماوردی، احکام السلطانیہ
۲. پ 8 الانعام ع 17
۳. تاریخ طبری، فتوح البلدان
۴. ایضاً
۵. ابن ماجہ
۶. فتوح البلدان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں باب:

انتقال دولت یا ارتکاز دولت کی ممانعت

(Prohibition of Wealth Concentration):

اسلام نے دولت کے ارتکاز (ایک یا چند مقامات پر اس کا جمع ہونا) کو بھی پسند نہیں کیا ہے اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف معاشرتی، ادارتی، قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو اور پورے معاشرہ میں گردش کرے۔

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:7)

''ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے ثروت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔''

حضور کا ارشاد گرامی ہے:

[اقسموا المال بين القرائض على كتاب الله](1)

''اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اچھا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جس کا حق مقرر کیا گیا ہے۔''

دولت کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہے:

پہلی قسم کی تدابیر وہ ہیں جن کی پشت پر قانون کی گرفت موجود نہیں ہوتی ایسی تدابیر کو اختیاری تدابیر کا نام دیا جاتا ہے اور دوسری قسم کی تدابیر جن کی پشت پر قانونی طاقت موجود ہوتی ہے۔ انہیں قانونی تدابیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے قانونی تدابیر کو مزید دو قسم کی تدبیر میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلی قسم کی وہ قانونی تدابیر جو مثبت یا ایجابی طور پر ارتکاز دولت کا سدباب کرتی ہیں اور دوسری قسم کی قانونی تدابیر وہ ہیں جو ارتکاز دولت کو پیدا ہونے سے روکتی ہیں۔

ان کو ہم امتناعی تدابیر کا نام دے سکتے ہیں۔ اس طرح مرکوز دولت کے سدباب کے لئے کئی اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔

ارتکاز دولت کے انسداد کے لئے وجوبی اقدامات

ا۔ نفقات واجبہ:

اسلام نے نفقات واجبہ کی صورت میں فرد پر اس کے کنبہ کی کفالت کی ذمہ داری اس پر ڈالی ہے اور یہ ذمہ داری ایک قانونی ذمہ داری ہے کہ کنبہ کے سربراہ کی حیثیت سے اس پر سب سے پہلا فریضہ یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی کفالت کرے اس طرح جو آمدنی فرد کو حاصل ہوتی ہے اس کا ایک حصہ دار زوجہ کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔ بیوی کو اس کا حق اس کی ضروریات اور اس کے سابقہ مرتبہ کو مدنظر رکھ کر ملنا چاہئے۔ بیوی کو حق حاصل ہے کہ اگر شوہر اس کا حق ادا نہیں کرتا تو وہ عدالت سے رجوع کرے بیوی کے بعد فرد پر اس کی اولاد کی کفالت عائد ہوتی ہے۔ بیوہ یا طلاق یافتہ بیٹی کی کفالت بھی سربراہ کنبہ کے ذمہ ہے اولاد اور بیوی کی کفالت کے بعد فرد کا فرض ہے کہ والدین کی کفالت کرے والدین کی کفالت کے بعد نجریب رشتہ داروں کا حق آتا ہے اس طرح اسلام ایک فرد کی آمدنی میں مختلف حصے دار بنا کر معاشرتی تحفظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بنیاد ڈال دیتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں مختلف دائرے بن جاتے ہیں اور ہر دائرہ اپنے اپنے غریبوں' محتاجوں اور مسکینوں کو سنبھالے ہوتا ہے۔ قرآن میں یوں کہا گیا ہے:

''قرابت دار کو اس کا حق دو۔''

۲۔ زکوٰۃ:

مرتکز دولت کی روک تھام کے لئے دوسری تدبیر زکوٰۃ ہے یہ ایک ایسی عبادت ہے جو مال کے ذریعہ سے ادا کی جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا مفہوم طہارت اور نمو ہے فقہا نے زکوٰۃ کی تعریف اس کے تقسیمی اثر کو سامنے رکھ کر کی ہے۔ زکوٰۃ کی حیثیت پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کے اثرات قوی آمدنی' بچت' صرف' حکومت کی آمدنی اور معاشی ترقی پر مرتب ہوتے ہیں زکوٰۃ کا بنیادی مقصد تقسیم ہے فقہاء کے مطابق زکوٰۃ سے مراد مال کا وہ حصہ ہے جو مسلمان مالدار نادار مسلمانوں کو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر فرض ہے اور یہ ایک مقررہ حق کا نام ہے۔

قرآن میں ارشاد ربانی اس طرح ہے:

''ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے۔''

یہ حق کبھی ساقط نہیں ہوتا حتی کہ اگر زکوٰۃ کے مکلف کی موت بھی آ جائے تو یہ حق ساقط نہیں ہونا چاہے مرنے والا شہید ہی کیوں نہ ہو۔ حضورؐ نے مختلف قسم کی ملکیت پر سب سے پہلے نصاب مقرر فرمایا استثنائی حد (Exemption Limit) کہتے ہیں۔ 7½ تولہ سونا یا 52½ تولے چاندی یا دونوں کی الگ الگ مالیت کے برابر رقم سال بھر پڑی رہے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ سونے چاندی یا مال کی صورت میں شرح زکوٰۃ 5/2 فیصد ہے۔ زرعی پیداوار کو اگر مصنوعی آبپاشی سے پیدا کیا جائے تو زکوٰۃ کی شرح پانچ فیصد ہے اگر زرعی پیداوار بارانی زمین سے ہو تو یہ شرح دس فیصد ہے۔ (عشر) دفینے پر زکوٰۃ کی شرح 20 فیصد ہے حضورؐ نے فرمایا:

''جان لو اللہ نے مسلمانوں پر ایک صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر فقراء و مساکین کو دیا جاتا ہے۔''

زکوٰۃ انفاق فی سبیل اللہ کی کمترین حد ہے قرآن نے زکوٰۃ کی رقم کی آٹھ مدات بتائی ہیں:

۱۔ فقراء میں تقسیم ہو۔
۲۔ مساکین کو دی جائے۔
۳۔ زکوٰۃ کو جمع کرنے والے عاملین زکوٰۃ وصول کر سکتے ہیں۔
۴۔ تالیف قلب پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔
۵۔ غلاموں کی گردنیں چھڑانے کے لئے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جا سکتی ہے۔
۶۔ قرض داروں کو بھی زکوٰۃ میں سے رقم دی جا سکتی ہے۔
۷۔ مسافروں کی خبر گیری کے لئے دی جا سکتی ہے۔
۸۔ اور فی سبیل اللہ' فی سبیل اللہ میں فقہاء نے تخصیص کر دی ہے جہاد اور حج کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ان ہدایات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ فقراء و مساکین کو مقدم رکھا گیا ہے۔ فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزر اوقات کے لئے دوسروں کا محتاج ہو معذور، بے روزگار، بیمار، بیوہ عورتیں، یتیم بچے فقراء کی فہرست میں شامل ہیں۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو مالی امداد کا محتاج ہے مگر عام لوگوں کو معلوم نہیں۔ (فقیر مانگنے کے لئے آتا ہے اور مسکین کو آپ تلاش کرتے ہیں۔) فقراء و مساکین کو دینے کے بارے میں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ انہیں اتنا دو کہ وہ بے نیاز ہو جائیں۔ فقراء میں مساکین کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ ایک ضرورت مند جو کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہو مگر کسی معاشی مجبوری کی بنا پر برسر روزگار نہ ہو ایسے افراد کی امداد کے لئے ضروری ہے کہ اتنی رقم دی جائے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔

۲۔ دوسری قسم کے فقراء و مساکین وہ ہیں جو کام کرنے سے بالکل عاجز ہوں۔ ایسے حاجت مندوں کو وظائف دینے چاہئیں تاکہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

۳۔ مال غنیمت اور فیٔ:

یہ تیسری تدبیر ہے جو ارتکاز دولت کے سدباب کے لئے کی جاتی ہے۔ چنانچہ سورۃ انفال کی 41 ویں آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

''تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا اس کا ایک حصہ اللہ کے لئے اس کے رسول اور رسول کے رشتہ داروں کے لئے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہیں۔'' (الانفال: 41)

مال کے لئے سورۃ الحشر کی 7 ویں آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جو مال پھیر دیا اللہ نے رسول کی طرف (کافروں سے لے کر) بستیوں کے لوگوں سے وہ اللہ اور رسول کے اور رسول کے رشتہ داروں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔'' (الحشر: 7)

۴۔ محصولات (Taxes):

ٹیکس وصول کرنے کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:

''آدمی کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔''

اگر تقسیم دولت کے عدم توازن کو دور کرنے کے لئے محصولات عائد کرنا ناگزیر ہو جائے تو حکومت ایسا کر سکتی ہے فقہاء نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ اگر امراء اپنے اختیار فرائض سے غافل ہو جائیں تو حکومت کا فرض ہے کہ محصولات عائد کرے اور اس قسم کو غریبوں پر خرچ کرے۔

۵۔ اصول ہائے میراث (Prinicples of Heritage):

یہ حصہ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی معروف کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں سے لیا گیا ہے۔ انہوں نے اس طرح تحریر کیا ہے:

مذموم سرمایہ داری اور ''اکتناز'' کی ایک بدترین شکل یہ ہے کہ دولت ایک جگہ جمع ہوتی رہے اور مرنے کے بعد بھی وہ ورثاء میں تقسیم نہ ہو بلکہ سٹیٹ کی شکل میں ایک ہی جگہ محفوظ رہے موجودہ زمانے کے تعلقے اور ریاستیں اگر ورثاء میں تقسیم ہوتی رہتیں تو آج ایک تعلقہ بھی تعلقہ اور ایک ریاست بھی ریاست نظر نہ آتی بلکہ تقسیم ہو ہو کر دولت کے یہ خزانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کے درمیان چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح نظر آتے۔

سٹیٹ (۲) اور تعلقہ کا یہ مذموم طریقہ جو سرمایہ داری کی اصل جڑ ہے اسلام سے پہلے بھی دوسری قوموں میں رائج تھا اور آج بھی دنیا کے اکثر حصوں میں رائج ہے۔

اس لئے اسلام کے انقلابی پیغام نے دوسری اصلاحات کے ساتھ ساتھ اس میں بھی اصلاح کا فیصلہ کیا اور اس قدیم طریقہ کو اقتصادی تباہی کا پیش خیمہ بتایا اور اس کو مٹا کر اس کی جگہ ''قانون وراثت'' کو قائم کیا۔

اسلام نے جب اس سسٹم کا اعلان کیا تو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اس کے خلاف یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر ''سٹیٹ'' یا تعلقہ میں تقسیم وراثت کا یہ نظام جاری کر دیا جائے تو اس سے دولت وثروت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بڑی جائیدادیں تقسیم ہو کر چند کھیتوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گی۔

مزید برآں یہ کہ اس وقت اگر ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ اسلام کا تو منشا ہی یہ ہے کہ سرمایہ داری کا یہ نظام اس صورت میں باقی نہ رہے اور دولت تقسیم ہونے کے بجائے ''کنز'' بن کر مخصوص طبقہ میں محدود نہ ہو جائے تو دنیا کے لئے عجیب حیرت زا یا مضحکہ خیز معاملہ بن جاتا اور اس کو ظلم سے تعبیر کیا جاتا تھا لیکن زمانہ آیا کہ تقسیم دولت کے اس قانون کو رحمت سمجھا جائے گا اور غیر مسلم اقوام نے بھی اس کو قانونی حیثیت دینے کی سعی شروع کر دی اور اب عقل ونقل دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ''دولت'' تقسیم کے لئے ہے ''جمع'' کے لئے نہیں۔

بہر حال اسلام نے تمام اقوام کے ترقی پذیر اقتصادی نظریوں سے صدیوں پیشتر اس سرمایہ دارانہ مذموم سسٹم کے خلاف اعلان جہاد کیا اور قانون وراثت کے ذریعے تقسیم دولت کی راہ کھول دی۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا﴾ (النساء:7)

''مردوں کا اس (مال) میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑیں تھوڑا ہو یا بہت اس میں (خدا کا) مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔''

امتناعی تدابیر (Preventive Steps):

یہ ایسی تدابیر ہیں جن کی بنا پر ارتکاز دولت کو پیدا نہیں ہونے دیا جاتا۔ مثال کے طور پر اسلام نے سود کی ممانعت کر کے ارتکاز دولت کے ایک بہت بڑے ذریعہ کو ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح اسلام نے احتکار واکتناز اور سٹہ بازی کی ممانعت کر کے ارتکاز دولت کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ نفع اندوزی، استحصال، دھوکہ فریب کو بھی منع کیا ہے۔ غرض ان تمام امتناعی تدابیر سے کام لے کر اسلام نے ارتکاز دولت کی بیخ کنی کی ہے۔

ارتکاز دولت کے انسداد کے لئے اختیاری اقدامات

صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ صدقات نافلہ اور صدقات واجبہ صدقات واجبہ میں زکوٰۃ وغیرہ شامل ہیں جب کہ صدقات نافلہ کو فرد کی اپنی اختیار پر چھوڑا گیا ہے اسی کو انفاق فی سبیل اللہ بھی کہتے ہیں۔ اسلام صرف قانونی تدابیر پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس بات کی بھی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنی دولت میں محتاجوں کو بھی شریک کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام نے ایک بہت خوبصورت لائحہ عمل دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1۔ انفاق:

قرآن وحدیث میں زکات کے علاوہ آمدنی صرف کرنے کی کافی ہدایات وترغیبات دی گئی ہیں اور اس سلسلے میں ان کے متعدد ثمرات بتائے گئے ہیں مختلف حوالہ جات سے صدقات وخیرات (Alms and Charity) پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ (محمد:37)

''ہاں ہاں یہ تم جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تم میں سے کوئی بخل کرتا ہے اور جو کوئی بخل کرتا ہے (جان لے کہ) وہ اپنی جان سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج اور اگر تم اس حکم سے منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (البقرہ:254)

''اے ایمان والو! اس روزی میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دی ہے قبل اس کے کہ وہ دن (روز قیامت) آ جائے جس دن نہ (اعمال کا) سودا ہوگا نہ کسی کی دوستی وسفارش کام آئے گی اور جو منکر حق ہیں وہی ظالم ہیں۔''

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (البقرہ:265)

''اور جو لوگ انفاق کرتے ہیں (یعنی اپنا مال دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔) خدا کی رضا چاہتے ہوئے اور اپنے دلوں کو مطمئن رکھتے ہوئے ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک باغ اونچائی پر ہو اور اس پر زوردار بارش ہو تو اس پر دوگنا پھل لاتا ہے اور اگر اس پر زوردار بارش نہ بھی تب بھی اس کے لئے اوس (پھل لانے کو) کافی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہے ہیں۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (البقرہ:267)

''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور خراب چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ نہ کیا کرو اور تم خود اس کو کبھی نہ لو سوائے اس کے کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بڑا بے نیاز (اور)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑی خوبیوں والا ہے۔''

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (التوبہ:104-103)

''آپؐ ان کے مال میں سے صدقہ حاصل کریں (اور) اس کے ذریعے آپؐ انہیں ستھرا اور پاک و صاف کر دیں اور (پھر) ان کے حق میں دعائے خیر کریں۔ بے شک آپؐ کی دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی بندوں کی توبہ (معافی) قبول کرتا ہے۔''

انفاق کی حقیقت زمانہ خلف کے اکابرین کے کئی واقعات سے ابھرتی ہے۔ چند عملی مثالیں دی جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے تین دفعہ یہ بات دہرائی یا اللہ عمرو بن العاصؓ کی مغفرت فرما میں جب انہیں صدقہ کے لئے بلاتا تھا تو وہ ضرور آتے تھے اور فراخدلی سے صدقہ دیتے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبداللہؓ نے ایک مرتبہ اپنی جائداد سات لاکھ درہم میں بیچی اور ساری رقم راہ خدا میں خرچ کر ڈالی ایک بار پھر چار لاکھ درہم اپنی قوم میں تقسیم کئے۔ غریب اور محتاج خاندانوں کا خرچ برداشت کرتے تھے۔ بیواؤں اور لڑکیوں کی شادیاں کراتے تھے قرض داروں کا قرض چکاتے تھے ایک شخص کا بیس ہزار درہم کا قرض اپنی طرف سے ادا کیا۔ آنحضورؐ نے فیاض کا لقب عطا فرمایا ایک جنگ کے موقع پر ہزاروں درہم سامان جنگ کے لئے دیئے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بڑے تاجر تھے ایک بار سات سو اونٹوں کا قافلہ اشیائے خورونوش لے کر مدینہ پہنچا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اطلاع ملنے پر انہوں نے بتایا کہ آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ عبدالرحمٰن جنت میں رینگتے جائیں گے۔ جب آپ کو یہ خبر ملی تو کہا کہ میں آپ کو گول بناتا ہوں اور یہ سارا سامان راہ خدا میں دیتا ہوں۔ ایک دفعہ چار ہزار درہم دو مرتبہ چالیس چالیس ہزار درہم دیئے اور ایک وقت جہاد کے لئے 500 گھوڑے اور 5 سو اونٹ حاضر کئے قطعہ اراضی چالیس ہزار درہم میں بیچ کر تقسیم کیا۔

[عن سليمان بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة](۳)

''سلیمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کسی اجنبی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب ہے ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے جو بجائے خود بڑی نیکی ہے)۔''

انفاق اور حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ کا نمونہ (Model of Seerat):

معاشرتی زندگی میں حضورؐ کا طرز عمل نفع بخشی، فیض رسانی اور ایثار و انفاق کا اس قدر نمونہ کامل تھا کہ آپؐ نے معاشرے سے فقر و فاقہ اور معاشی تعطل رفع کرنے کے لئے اپنی ساری کی ساری دولت لٹا دی تھی۔ اس حقیقت کا اندازہ حضورؐ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[قال لو کان لی مثل احد ذهبا لسرنی ان لاتمر علی ثلاث لیال و عندی منه شی الا شیأ ارصده لدین](۴)

''آپؐ نے فرمایا اگر میرے پاس احد کے پہاڑ کے برابر سونا ہوتو مجھے اس بات کی دلی مسرت ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس میں سے کچھ نہ بچے سوائے اس کے کہ جس سے میں قرض ادا کرسکوں۔''

حضورؐ کے پیش کردہ نمونہ انفاق کی عملی جھلک حضرت ابوہریرہؓ سے مروی اس حدیث سے ملتی ہے اور اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی فقر وفاقہ میں کیوں بسر ہوتی تھی وہ فرماتے ہیں:

[فلما فتح الله علیه الفتوح قام فقال انا اولی بالمومنین من انفسهم فمن توفی من المومنین فترک دینا فعلی قضاوه ومن ترک مالا فهو لورثته](۵)

''جب فتوحات کے ذریعے حضورؐ کے وسائل کشادہ ہوگئے تو آپؐ نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں پس آپ اہل ایمان میں سے جو شخص بھی قرض چھوڑ کر مرے گا تو وہ میں ادا کروں گا اور اگر مال چھوڑ کر مرے گا تو اس کے مالک اس کے ورثاء ہوں گے۔''

حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے انفاق کا معمول بیان کرتے ہوئے یہاں تک روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ چھ یا سات دینار ہمارے گھر میں بچ گئے۔ جب کہ باقی سب کچھ راہ خدا میں انفاق کر دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ حضورؐ کے ایام مرض الموت کا ہے۔ آپؐ ساری رات بے چین رہے۔ کروٹیں بدل بدل کر رات گزار دی۔ صبح میں نے بے چینی کا سبب پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا۔ وہ دینار ابھی گھر میں ہی ہیں کسی ضرورت مند کو کیوں نہیں دیئے گئے۔

[ماظن نبی الله لو لقی الله عزوجل وهذه عنده](۶)

''اگر ان دیناروں کے گھر میں ہوتے ہوئے خدا کا نبی خدا سے جاملتا تو اس کا کیا حال ہوتا۔''

ایک اور مقام پر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

[یا ابن آدم انک ان تبذل الفضل خیر لک وان تمسکه شرلک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول](۷)

''اے نبی آدم اگر تو اپنی ضرورت سے بچا ہوا مستحقین پر خرچ کر دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اسے بچا کر رکھے تو یہ تیرے لئے نقصان دہ ہے اپنی ضرورت کے لئے بچا کر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں اور تو انفاق واحسان ان لوگوں سے شروع کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے''۔

نبی اکرمؐ کی اسی عادلانہ، منصفانہ اور ہمدردانہ پالیسی پر بوقت ضرورت صحابہ کرام نے بھی عمل کیا۔ یعنی جب کچھ لوگوں کے پاس صرف سے زائد تھا اور بعض ایسے تھے جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا تو ایسے حالات میں پیش آمدہ مشکل اور تنگی سے نکالنے کے لئے فاضل سامان یا خوراک میں سب برابر کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ساحل کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا یہ لشکر تین سو افراد پر مشتمل تھا اور میں (جابر بن عبداللہ) بھی ان میں شامل تھا۔ ہم مدینہ منورہ سے چل پڑے راستے میں ایک جگہ ہمارا زادراہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ختم ہوگیا حضرت ابوعبیدہؓ نے لشکریوں میں سے جس کے پاس جو کچھ زادراہ تھا لے کر جمع کرلیا تو یہ کھجور کے دو تھیلے بن گئے۔ آپ ہمیں تھوڑا تھوڑا کر کے روزانہ کھانے کو دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم وہ گیا اس دوران ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملا کرتی تھی۔(۸)

زمانہ قحط میں امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے بھی یہ تہیہ کرلیا تھا کہ آئندہ سال تک اگر قحط سالی ختم نہ ہوئی تو ہر کھاتے پیتے گھرانے میں ان کی تعداد کے برابر مزید مفلوک الحال اور قحط کے شکار افراد کو داخل کردیں گے تاکہ سب لوگ ہلاکت سے بچ جائیں۔(۹) یہ الگ بات ہے کہ اللہ کریم نے کرم فرمایا اور قحط سالی دور ہوگئی اور سیدنا فاروق اعظم کو اپنے اس پختہ ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت پیش نہ آئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اور قول ابن حزم نے اس طرح تحریر کیا ہے:

[لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین](۱۰)

''جس بات کا اندازہ مجھے اب ہوا ہے اگر اس کا اندازہ پہلے سے ہوجاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ ارباب ثروت کا فاضل دولت لے کر فقراء و مہاجرین پر تقسیم کردیتا۔''

اغنیاء کے اموال میں فقراء کا کتنا حق ہے؟ اور کتنا ضروری ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں اس پر کتنی وعید ہے؟ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

[ان الله تعالی فرض علی الاغنیاء فی اموالهم بقدر مایکفی فقرائهم فان جاعوا اوعروا وجهدوا فبمنع الاغنیاء حق علی الله تعالی ان یحاسبهم یوم القیامة ویعذبهم علیه](۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے اہل دولت پر ان کے اموال میں ان کے فقراء و مساکین کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کردیا ہے۔ پس اگر فقیر لوگ بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوں گے تو اس لئے ہوں گے کہ اغنیاء نے ان کا حق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امر لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان (امراء) کا محاسبہ کرے گا اور فقراء کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا''۔

2۔العفو یا فاضل پن (Surplusage):

یہ ایک ایسا انقلابی تصور ہے جس کی کسی دیگر نظام میں کوئی نظیر (Precedete) نہیں ملتی۔ العفو اور الکفو دونوں ہی ایسی زبردست تدابیر ہیں کہ جنہیں اختیار کرنے سے دولت کی تقسیم منصفانہ بنانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ زائد از ضرورت (Byond Need) آمدنی اچھے کاموں پر خرچ کرنے اور اقرباء و غرباء کی مالی اعانت کرنے سے مثبت نتائج نکلتے ہیں۔

تعارف (Introduction):

اس کے مفہوم اور محاصل یہ ہیں:

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رقم طراز ہیں:

''امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ضرورت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

زیادہ خرچ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب زکات فرض نہیں ہوئی تھی۔''

امام طبرانی اور امام بیہقی نے ''عفو'' کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جو شئے اہل وعیال پر صرف ہونے سے رہ جائے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ عفو کے تین معنی ہیں:

۱۔ گناہ سے درگزر کرنا۔ ۲۔ میانہ روی سے خرچ کرنا۔

۳۔ لوگوں کے ساتھ احسان برتنا۔

امام عبد بن حمید نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ عفو کے معنی ضرورت سے زائد جس کا صرف کرنا آسان ہو البتہ مجاہد کے مطابق اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔

(العفو) کا صحیح مفہوم (Sense):

اس آیت قرآنی کا سیاق وسباق اور اس کے نزول کا پس منظر واضح طور پر بتا رہا ہے کہ یہ کوئی وجوبی حکم نہیں ہے' ترغیبی اور استحبابی نوعیت کا حکم ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ حکم از خود نازل نہیں ہوا۔ بلکہ صحابہ کرام کے سوال کے جواب میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ آیت کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔ ''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟'' یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ کچھ لوگ اپنا مال اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ کتنا مال خرچ کرنا اجر وثواب کا موجب ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ جو مال تمہاری ضرورت سے زائد ہو اس کی جو مقدار بھی خرچ کرو گے موجب اجر وثواب ہوگی اس سوال کے جواب کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے فضائل نازل ہوئے' تو بعض صحابہ کرام ان فضائل کو حاصل کرنے کے جوش میں اپنا سارے کا سارا مال خرچ کر دیتے تھے اور خود ان کے اور ان کے اہل وعیال کے لئے کچھ نہ بچتا تھا' ان کا یہ جذبہ تو بلاشبہ قابل قدر تھا لیکن اس طرح نفلی صدقہ کرنے کی بنا پر چونکہ خود اپنے نفس اور اپنے بیوی بچوں کا واجب حق پامال ہوتا تھا۔ اس لئے قرآن وسنت نے انہیں اس سے روکا اور یہ بتایا کہ نفلی صدقہ اسی مال سے خرچ کرو جو تمہارے اور تمہارے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد ہو۔

یہ بات ان حدیثوں سے مزید واضح ہو جاتی ہے جو حافظ ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر فرمائی ہیں:

''حضرت جابرؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص محتاج ہو تو سب سے پہلے اپنے نفس پر خرچ کرے' اگر اپنے نفس پر خرچ کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو اپنے نفس کے ساتھ ان لوگوں سے شروع کرے جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے' اگر پھر بھی کچھ بچ جائے تو اسے صدقہ کرے۔''

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے' آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے اوپر خرچ کر' اس نے کہا کہ میرے پاس اس کے علاوہ ایک اور بھی ہے' آپ نے فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: کہ اپنے گھر والوں پر خرچ کر' اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور ہے' آپ نے فرمایا: کہ اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو' اس نے کہا کہ میرے پاس ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بھی ہے' آپ نے فرمایا: کہ اس کے بارے میں تم خود فیصلہ کر سکتے ہو۔'' (۱۲)

ان تمام احادیث سے واضح ہے کہ حالات کے جس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ وہاں صورت حال یہ نہیں تھی کہ لوگ کم خرچ کر رہے تھے اور انہوں زیادہ خرچ کرنے کا حکم دینے کے لئے یہ فرمایا گیا کہ تم فاضل مال صدقہ کر رہے تھے اور انہیں اعتدال کی اس کم ترین حد پر لانا مقصود تھا کہ وہ کم از کم اپنے اور اپنے گھر والوں کی ضرورت کو پورا کر لیں۔ دوسرے الفاظ میں سوال کرنے والوں کو منشا یہ نہیں تھا کہ ہمارے اوپر کتنا خرچ کرنا واجب ہے؟ بلکہ پوچھنا یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ کتنا صدقہ ہمارے لئے جائز ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ ''جتنا ضرورت سے زائد ہو۔'' اس کا خرچ کرنا جائز ہے' اس کے آگے اپنے زیر کفالت بیوی بچوں کا حق مار کر خرچ کرنا جائز نہیں۔

یہ بات ثابت ہوگئی کہ ''زائد از ضرورت خرچ کرنے'' کا مذکورہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے' یعنی ہر شخص کے ذمے شرعاً یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ضرورت سے زائد ہر چیز صدقہ کر دے بلکہ ایسا کرنا مستحب ہے تو اب اس کام کو بزور قانون لازم کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

جدید دور میں جو متمول (Affluent) طبقہ تجوریاں بھر بھر کر رکھتا اور سمیٹتا ہے اور جیسے ان کے اوپر سانپ بٹھا دیتا ہے جبکہ قریبی و ہمسائے فاقہ کشی پر مجبور ہوتے ہیں وہ اگلے جہاں کیا جواب دے گا؟ اگر مسلمانان اسی ایک آیت پر بھی نیک نیتی سے عمل شروع کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بہت سے شدید مسائل از خود حل نہ ہونے لگیں۔

3۔ حق القرابت (صلہ رحمی):

ماں باپ وغیرہ کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہل قرابت کا حق ہے' عربی زبان میں قرابت والوں کا حق ادا کرنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں کیونکہ رحم مادر ہی تعلقات کی جڑ ہے۔ کسی امر میں انسانوں کا اشتراک ہی ان کے باہمی تعلقات اور حقوق و محبت و اعانت کی اصل گرہ ہے۔ یہ اشتراک کہیں ہم عمری' کہیں ہمدردی' کہیں ہمسائیگی' کہیں ہم مذاقی' کہیں ہم پیشگی' کہیں ہم وطنی' کہیں ہم قومی کی مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس اشتراک کے عقد محبت کو استوار اور مضبوط رکھنے کے لئے جانبین پر حقوق کی نگہداشت اور فرائض محبت کی ادائیگی واجب ہے لیکن ان تمام اشتراکوں سے بڑھ کر وہ اشتراک ہے جس کا سبب رحم مادر ہے۔ یہ ہم رحمی خالق فطرت کی باندھی ہوئی گرہ ہے۔ وہ متفرق انسانی ہستیوں کو خاص کر اپنے دست قدرت سے باندھ کر اس طرح ایک کر دیتا ہے کہ اس کا حق توڑنا انسان کی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے حقوق کی نگہداشت بھی سب انسانوں کو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس فطری گرہ کے توڑنے والوں کو فاسق اور ضلالت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ حقوق العباد میں حقوق قرابت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ قرآن مجید میں کم از کم بارہ آیتوں میں اس کی صریح تاکید ہے اور اس کو احسان نہیں بلکہ اس کا فرض اور حق بتاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ (الروم:38)

''تو قرابت دار کو اس کا حق دے دے۔''

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ (بنی اسرائیل:26)

''تم قرابت داری کے حق کو ادا کرو۔''

دوسری جگہ یہ تصریح فرمائی ہے کہ مال و دولت کی محبت اور ذاتی ضرورت اور خواہش کے باوجود صرف خدا کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مرضی کے لئے خود تکلیف اٹھا اپنے قرابت مندوں کی امداد اور حاجت روائی اصلی نیکی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی﴾ (البقرۃ:177)

''اور اصل نیکی اس کی ہے جو باوجود ضرورت کے اس کی محبت کے قرابت داروں کو دے دے۔''

والدین کے بعد اہل قرابت ہی سب سے پہلے ہماری مالی امداد کے مستحق ہیں۔

اگر کسی قرابت دار سے کوئی قصور ہو جائے تو اہل دولت کو زیبا نہیں کہ وہ اس کی سزا میں اپنی امداد اس سے روک لیں۔

﴿وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰكِیْنَ﴾ (النور:22)

''جو لوگ تم میں زیادہ گنجائش و کشائش والے ہیں وہ قرابت مندوں اور محتاجوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھائیں۔''

قرابت کو اسلام میں بہت اہمیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی تمام محنتوں' زحمتوں' تکلیفوں اور مصیبتوں کا جو تبلیغ اور دعوت حق میں آپ ؐ کو پیش آئیں اور آپ ؐ نے اس احسان و کرم کا جو ہدایت اور اصلاح کے ذریعے ہم پر فرمایا' بدل معاوضہ اور مزدوری اُمت سے یہ طلب فرماتے ہیں کہ میرے رشتہ داروں اور قرابت داروں کا حق ادا کرو اور ان سے لطف و محبت سے پیش آؤ۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ (الشوریٰ:23)

''اے نبی آپ ؐ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ پر بجز اس کے کوئی مزدوری نہیں مانگتا کہ ناطے رشتے میں محبت اور پیار کرو۔''

مسلمانوں پر جیسے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ ضروری ہے' ایسے ہی اپنے قرابت داروں کے حق ادا کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل:23)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ؐ نے اہل قرابت سے سلوک کرنے والا فقیری اور خرابی خاتمہ سے محفوظ رہے گا نیز فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنے ظالم قرابت دار پر خرچ کرے۔(۱۳)

غرضیکہ اپنے عزیزوں قریبوں پر سلوک بہت ہی مفید ہے۔ دنیا میں بھی' آخرت میں بھی۔ اس سے زندگی' موت' آخرت سب سنبھل جاتی ہیں۔

اگرچہ والدین کی خدمت بجالانا ان کی اعانت کرنا تو اولاد کا فرض ہے تاہم دوسرے قریبی و بعیدی رشتہ داروں کی مالی مدد کرنا بڑی نیکی ہے اور صاحب حیثیت کو بڑھ چڑھ کر ایسا کرنا اشد ضروری ہے۔ اس سے بھی دولت کی تقسیم ہوتی ہے۔

''اس کی نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ ہی کی جاسکتی ہے۔ دراصل یہ تمام معروفات میں سے ہے۔''(۱۴)

4۔ معادن باطنہ وظاہرہ:

اندرون زمین میں جس قدر دولت ہے خواہ سونا چاندی ہو یا لوہا ان میں 1/5 یعنی خمس فقراء کو دلوایا تاکہ گردش دولت کی تکمیل ہو۔(۱۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ تو معدنیات باطنہ کا حال ہے جو محنت و مشقت کے ذریعہ نکالے جاتے ہیں۔ باقی معدنیات ظاہرہ وہ مجموعی حیثیت سے تمام عوام کا حق ہے کسی شخص کے ساتھ یا کسی طبقے کے ساتھ مختص نہیں۔(۱۶)

قل العفو والی آیت اور ان روایات پر نظر ڈال کر کیا اس امر کا یقین حاصل نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے معاشی نظام میں عوام کی حالت اشتراکی نظام کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پر محبت و خلوص ہوگی اور وہ تمام نقائص بھی نہ ہوں گے جو اشتراکی نظام میں موجود ہیں۔

5۔ شاہ و گدا کی برابری:

امراء عوام کے حقوق کو اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ غصب کرتے ہیں اور پھر عوام کی حق رسی نہیں ہوتی۔ لہٰذا حکومت کا ہونا نہ ہونا عوام کے لئے برابر ہو جاتا ہے اسلام نے قانونی حقوق میں مساوات قائم کر کے اس خامی کو دور کیا اور شاہ و گدا کو قانون انصاف کے آگے برابر کر دیا۔

زبانی دعوے تو ہر حکومت یہی کرتی ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اسلامی تاریخ کے علاوہ کسی دین و آئین میں مساوات قانونی کا عملی رنگ موجود نہیں خلفائے اور شاہان اسلام کو ایک معمولی غریب کے دعوے کی جواب دہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا اور عدالت کا فیصلہ سنتے ہی اس پر عمل کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ مساوات قانونی کے عملی واقعات سے لبریز ہے۔ ہم اختصار ان کو ترک کرتے ہیں لیکن اس کے برخلاف انگلستان کے آئین میں صاف لکھا ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔"

6۔ خراج اور مال گزاری میں عوام کا حق:

"خراج سارے مسلمانوں کا حق ہے اگر زمین پر آفت پڑے یا پانی نہ ہو یا فصل برباد ہو جائے تو خراج وصول نہیں کیا جائے گا۔"(۱۷)

7۔ اجتماعیت (Collectivism):

انفرادیت (Individualism) کا تقاضا پورے کرنے کے بعد اسلام نے مجموعی پہلو کے بارے میں بھی تعلیمات و ہدایات دے رکھی ہیں اور اس کے وسیع تر دائرے کے فرائض سے بھی اس کو آگاہ کیا۔ اسلام نے انسان کو یہ تصور دیا کہ پوری انسانیت ایک برادری ہے اور ایک ہی کنبہ ہے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات:13)

"اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور ذاتیں بنائیں تاکہ ایک دوسرے کا حق پہچانو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو بیشک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے"۔

بیہقی حضرت انسؓ سے مرفوعاً حدیث نقل کرتے ہیں:

[الناس عیال اللہ احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ]

"تمام اولاد آدم اللہ کا کنبہ ہے اللہ کو سب مخلوق میں وہی محبوب ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب جو تو میں خواہ روس ہو یا امریکہ وحدت بشری کے اس فطری اجتماعی مسئلہ کو نظر انداز کرے تو اس قوم کی ساری کوشش اس حیثیت سے ہوگی کہ رواسی امریکہ قوم سربلند ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ باقی اقوام کو مغلوب اور مفلس اور قلاش بنا کر صرف ایک قوم کا پیٹ بھرنا اس کے پیش نظر رہے گا اور اس کی وجہ سے عام معاشی عالمی حالت خراب ہو جائے گی جیسے آج کل کا مشاہدہ ہے کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق نصف انسانی آبادی روٹی سے محروم ہے۔

8۔ وصیت (Will):

اس کے لفظی معنی جانشین بنانے اور تاکید کرنے کے ہیں اور شریعت میں بھی وصیت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو کسی کو اپنی زندگی ہی میں اپنے مرنے والے کا وصی کہلائے گا دوسرے کسی غیر وارث کو اپنی جائداد 1/3 یا اس سے کم پانے کی ہدایت و تاکید کر جانا یہاں پر دوسری قسم کی وصیت کا ذکر کیا جائے گا پہلی قسم کی وصیت کا بیان معاملات کے سلسلے میں ضمناً آچکا ہے۔

آغاز اسلام میں وصیت:

جاہلیت میں وراثت ان ہی مردوں کو ملتی تھی جو جوان بھی ہوں اور جنگ میں جانے کے قابل بھی ہوں۔ بوڑھے مردوں' عورتوں' بچوں' یتیموں' بیواؤں کو ترکے میں سے کچھ بھی نہیں ملتا تھا ابتدائے اسلام میں جب تک کہ ایک اسلامی حکومت نہیں قائم ہوگئی۔ اس وقت تک میراث کی تقسیم کا مفصل حکم نہیں دیا گیا کیونکہ یہ حکم اسی وقت زیادہ موثر ہوسکتا تھا جب ایک قوت نافذہ اس کے لاگو کرنے کے لئے موجود ہو۔ ابتداء وصیت کے سلسلے میں نظام جاہلیت میں صرف اتنی تبدیلی کی گئی کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے والدین یتیموں' بیواؤں اور اپنے غریب اعزہ کو اپنے مال و جائداد سے کچھ دینے کی وصیت کر جایا کریں تاکہ جو ان قومی اعزہ و اقارب ان بے سہارا لوگوں پر ظلم اور ان کی حق تلفی نہ کرسکیں قرآن نے اس حکم کا بڑے پرزور انداز میں ذکر کیا ہے۔

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَ ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ (البقرہ:180)

''جب موت کا وقت قریب ہو جائے تو (۱۸) تمہارے اوپر یہ فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم نے کچھ مال چھوڑا ہے تو اپنے والدین اور اعزہ اقارب کے لئے معقول طریقے پر وصیت کر جاؤ یہ ضروری ہے خدا سے ڈرنے والوں پر''۔

لیکن جب لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت بیٹھ گئی اور ایک حکومت بھی وجود میں آگئی تو 4ھ و 5ھ کے دریان میراث کی تقسیم کا مفصل حکم نازل ہوا اور وصیت کی فرضیت کو استحباب سے بدل دیا گیا اور اس کی وسعت کو 1/3 کے اندر محدود کر دیا گیا یعنی اب وصیت فرض نہیں مستحب قرار پائی اور وصیت کے لئے یہ حد مقرر کر دی گئی ہے کہ مرنے والا اپنی جائداد اور مال صرف 1/3 کے اندر وصیت کرسکتا ہے اس سے زیادہ نہیں اب اس سے ایک طرف ورثہ کا حصہ بھی محفوظ ہوگیا اور دوسری طرف ہر شخص کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ اگر اس کے اعمال میں کوئی کمی یا خامی رہ گئی ہے تو وہ اپنے مال کو کسی کار خیر میں لگا کر اس کمی و خامی کی کوئی تلافی کرسکے اور پھر اسی کے ساتھ یہ موقع بھی دیا گیا ہے کہ اس کے اعزہ و اقارب میں جو لوگ کسی وجہ سے وراثت میں حصہ نہ پاسکتے ہوں یا حصہ تو پاسکتے ہوں مگر وہ ان کی ضرورت بھر نہ ہو اور وہ اس قابل بھی نہ ہوں کہ وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے یا اہل وعیال کے لئے مزید کوئی ذریعہ معاش پیدا کر سکتے ہوں۔ مثلاً مریض، کمزور یا بوڑھے ہوں، بیوہ عورت یا یتیم بچے ہوں۔ ایسے لوگوں کی روزی کا کچھ سہارا مرنے والا اگر چاہے تو وصیت کے ذریعہ کر سکتا ہے اور بعض صورتوں میں تو ایسا کرنا اخلاقاً ضروری ہے۔

شرائط:

وصیت کے سلسلے میں شریعت نے چند ایسی شرطیں لگا دی ہیں کہ اگر ان کی رعایت کی جائے تو نہ تو ورثہ پر کوئی ظلم ہو سکتا ہے اور نہ حد سے زیادہ ایک ہی یا چند آدمیوں کے پاس دولت جمع ہو سکتی ہے اور نہ کسی حق دار کا حق مارا جا سکتا ہے۔ جس وصیت میں یہ شرطیں نہ پائی جائیں گی وہ قانوناً نافذ نہیں ہوگی۔

سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وصیت، تجہیز و تکفین کا خرچ اور قرض وغیرہ ادا کرنے کے بعد پوری کی جائے گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے مال یا جائداد میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کی جائے اگر کوئی 1/3 سے زیادہ وصیت کرے گا تو 1/3 ہی کے اندر اس کی وصیت پوری کی جائے گی خواہ وہ پوری ہو یا نہ ہو کیونکہ اس سے زیادہ وصیت کرنے کا اس کو حق ہی نہیں ہے اور پھر اس میں ورثہ کی حق تلفی بھی ہے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ ایک بار سخت بیمار پڑے۔ نبی کریمؐ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے انہوں نے آپؐ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے پاس مال و جائداد کافی ہے اور میری ایک ہی لڑکی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ترکے کا دو حصہ راہ خدا میں صدقہ کر دوں آپؐ نے فرمایا کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے پھر انہوں نے کہا کہ اچھا تو آدھا صدقہ کر دوں۔ آپ نے پھر منع فرمایا انہوں نے تیسری بار کہا کہ اچھا تو ایک تہائی 1/3 صدقہ کر جاؤں آپ نے فرمایا کہ:

﴿الثلث والثلث كثير﴾ (النساء:12)

''ہاں تہائی تو کر سکتے ہیں مگر یہ بھی زیادہ ہے''۔

پھر اس کے بعد آپؐ نے ایک انتہائی حکیمانہ بات فرمائی:

[انک ان تدرورثتک اغنیا خیر من ان تدعهم عالة یتکففوا الناس](۱۹)

''اپنے وارثوں کو خوش چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو بالکل تنگ دست بنا کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں''۔

حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر لوگ 1/3 کے بجائے صرف 1/4 ہی میں وصیت کیا کرتے تو زیادہ بہتر تھا کیوں کہ نبیؐ نے ایک تہائی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے''۔(۲۰)

تیسری شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا (موصی) عاقل بالغ ہو اور ہوش و حواس کی حالت میں وصیت کرے، اگر کوئی بچہ یا پاگل وصیت کرے گا، تو اس کی وصیت بے کار ہوگی۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ موصی جس کو وصیت کر رہا ہے وہ (وصی) اس کے ترکے کا وارث نہ ہو کیونکہ وہ تو ترکے سے حصہ پائے گا ہی۔ اس کو دوہرا حصہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ نبیؐ نے فرمایا ہے:

[ان الله قداعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث](۲۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اللہ تعالیٰ نے تو ہر حق دار (وارث) کا حق دے ہی دیا ہے۔ اس لئے کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی جائے''۔

وارث کے حصہ پانے کی صورتیں (Forms of Inheritor's Share):

وصیت کے ذریعے جائداد یا روپیہ وغیرہ میں وارث کے حصہ پانے کی صرف حالتیں اس طرح ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ دوسرے ورثہ اس پر راضی ہو جائیں' خواہ وہ موصی کی زندگی ہی میں راضی ہو جائیں یا مرنے کے بعد نبیؐ نے فرمایا ہے' کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے' البتہ اگر دوسرے ورثہ اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہوگی۔ (۲۲)

۲۔ دوسرے یہ کہ کوئی استحقاق کے اعتبار سے تو وراثت کے پانے کا حق دار تھا لیکن کسی دوسرے سبب کی وجہ سے وہ محروم ہو گیا ہے۔ مثلاً دادا کی موجودگی میں کسی کا باپ مر جائے تو وہ پوتا شرعی اعتبار سے محجوب ہو جاتا ہے یعنی اس کے دادا کے ترکے سے حصہ نہیں ملے گا لیکن دادا وصیت کر جائے تو اس کو حصہ ملے گا' بلکہ ایسے محروم ورثہ کو وصیت کر جانا بڑا کار ثواب ہوگا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مکروہ وحرام وصیت:

جس طرح تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے یا عام حالت میں ورثہ کو وصیت کرنا جائز نہیں ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص ناجائز' مکروہ' حرام کام کرنے کی وصیت کر جائے تو وہ وصیت بھی پوری نہیں کی جائے گی۔ مثلاً کسی نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے ریشمی کفن دیا جائے۔ میری قبر پختہ بنائی جائے یا میری قبر پر روزانہ ایک حافظ آ کر قرآن پڑھے اور اس کا خرچ دیا جائے یا خوب دھوم دھام سے چہلم یا نتیجہ کیا جائے تو یہ وصیتیں پوری نہیں کی جائیں گی کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

۱۔ غرض یہ کہ جو چیزیں شریعت میں ناجائز یا مکروہ ہیں یا غیر ضروری اور فضول خرچی ہے' ان کی اگر وصیت کر بھی دی جائے تو وہ پوری نہیں کی جائے گی۔

۲۔ اگر قرض ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے تو وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

۳۔ کسی نے وصیت کی کہ مجھے میرے مکان میں دفن کرنا یا استطاعت کے باوجود اس نے کہا کہ مجھے صرف ایک کفن دینا تو اس کی وصیت پوری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو عام قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور تین کفن دیا جائے گا۔

۴۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے فلاں شخص میری نماز پڑھائے' یا فلاں جگہ میں دفن کیا جاؤں تو ان وصیتوں کو پورا کرنا ضروری تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو تو پورا کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جائز وصیتیں (Valid Wills):

اگر کوئی نیک اور جائز کام کی وصیت کی جائے تو وہ پوری کی جائے گی۔ مثلاً:

۱۔ کسی پر حج فرض تھا اور اس نے اس کے لئے روپے بھی جمع کیا تھا مگر حج سے پہلے انتقال ہو گیا اور انتقال کے وقت اس نے حج بدل کرو وصیت کی تو اس کی یہ وصیت پوری کی جائے گی لیکن ایک ثلث سے زیادہ مال ورثہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اجازت لے بغیر اس وصیت کے پورا کرنے میں خرچ نہیں کیا جائے گا اگر اس کے وطن سے جانے میں ثلث مال سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو حجاز ہی کے کسی آدمی کے ذریعے حج کرا دیا جائے تاکہ اس کی وصیت بھی پوری ہو جائے اور ایک ثلث سے زیادہ مال بھی خرچ نہ ہو۔

۲۔ اگر کسی نے کوئی چیز صدقہ کرنے یا غلہ صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے تو اس چیز یا اس غلے کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔ اس چیز کا دینا یا اتنا غلہ ہی دینا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ اگر کسی نے وصیت کی کہ میرا فلاں دوست یا فلاں عزیز میرے مکان میں بغیر کرایہ ادا کیے رہے تو یہ وصیت جائز ہے لیکن اگر اس نے ایک ہی مکان چھوڑا ہے تو اس کی وصیت صرف 1/3 میں نافذ ہوگی یعنی اس کے دوست کو صرف 1/3 مکان رہنے کے لئے دیا جائے گا بقیہ ورثہ کا ہوگا۔

دوسروں کی حق تلفی یا نقصان پہنچانے والی وصیتیں:

جس طرح ناجائز وصیتیں کرنا گناہ ہے اسی طرح وہ وصیتیں کرنا بھی گناہ ہے جن سے کسی وارث کی حق تلفی یا نقصان ہوتا ہو' بعض صورتوں میں ایسی وصیتیں نافذ ہی نہیں ہوں گی اور بعض میں نافذ تو ہو جائیں گی مگر اس کو سخت گناہ ہوگا قرآن میں وصیت اور قرض کی ادائیگی کا حکم بیان کرتے ہوئے کہا گیا:

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ﴾ (النساء:12)

''میراث کی تقسیم میت کی ہوئی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے بشرطیکہ یہ وصیت اور قرض ورثہ کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو''۔

اس تفسیر میں نبیؐ نے جو الفاظ ارشاد فرماتے ہیں وہ بہت قابل غور ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کتنے مرد عورت ایسے ہوتے ہیں کہ ساٹھ برس تک یعنی پوری عمر خدا کی اطاعت کرتے رہتے ہیں اور جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اپنی وصیت کے ذریعے (ورثہ کو) نقصان پہنچا جاتے ہیں (یا مستحقین کو وصیت نہیں کرتے) جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔ (۲۳)

ورثہ کی حق تلفی اور نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ اگر کوئی ثلث مال سے زیادہ وصیت کرے گا تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ورثہ کی حق تلفی کے لئے ایسا کیا ہے اس لئے یہ وصیت پوری نہیں کی جائے گی اور اس کو حق سے زیادہ وصیت کرنے کی وجہ سے گناہ بھی ہوگا۔

۲۔ مرنے والے کے ذمے کسی کا کوئی قرض یا کسی کی امانت نہ رہی ہو لیکن ورثہ کو نقصان پہنچانے کے لئے وہ اقرار کر گیا ہو کہ میرے ذمے فلاں کا اتنا قرض یا اتنی امانت ہے تو اگر اس کا غلط اور جھوٹ ہونا ثابت ہو جائے تو یہ وصیت اگر ثلث مال میں پوری ہو جاتی ہو تو پوری تو کی جائے گی مگر وصیت کرنے والے کو سخت گناہ ہوگا اس لئے کہ اس سے ورثہ کو نقصان پہنچے گا۔

۳۔ اس کا قرض کسی دوسرے کے اوپر تھا یا اس کی امانت کسی کے یہاں رکھی ہوئی تھی اور اس کا علم سب کو تھا مگر وہ جھوٹ یہ کہے کہ میں اتنا قرض یا امانت پا چکا ہوں تو گو اس کا اقرار قانوناً تسلیم کر لیا جائے گا مگر وہ سخت گنہگار ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا اس لئے کہ اس میں ورثہ کی حق تلفی ہے۔

وصیت سے رجوع کر لینا:

جب تک کوئی شخص زندہ ہے۔ اس کو اپنی وصیت سے رجوع کر لینے کا حق باقی ہے۔ مثلاً کسی نے ایک مکان کسی کو دینے کی وصیت کی لیکن کچھ دنوں کے بعد اس نے کہا کہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں یا اپنی وصیت واپس لیتا ہوں تو اس کو اس کا حق ہے۔ اگر اس نے زبان سے نہیں کہا مگر اس نے کوئی ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا۔ تو بھی وصیت کالعدام ہو جائے گی۔ مثلاً ایک زمین وصیت کی پھر اس میں اپنے لئے مکان بنالیا یا اس میں خود کھیتی کرنے لگا یا جانور وصیت کیا اور اس کو فروخت کر دیا تو اس کے طرز عمل سے اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لیا۔

وصی کی حیثیت:

اگر کوئی شخص زندگی میں موت کے بعد اپنے کاموں کی انجام دہی کے لئے کسی کو ذمے دار بنا جائے تو جس کو اس نے ذمے دار بنایا ہے اس کو شریعت میں وصی کہتے ہیں اور جس نے وصی بنایا ہے وہ موصی ہے وصی موصی کی زندگی میں تو انکار ہو سکتا ہے البتہ موصی کی زندگی میں انکار نہیں کیا تو پھر موت کے بعد اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

9۔ مالی کفارے:

اس عام اور رضا کارانہ انفاق فی سبیل اللہ کے علاوہ قرآن مجید بعض گناہوں یا کوتاہیوں کی تلافی کے لئے مالی کفارے بھی مقرر کرتا ہے۔ مثلاً جو شخص قسم کھا کر توڑ دے اس کے لئے حکم ہے کہ:

﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ (المائدہ:89)

''اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جیسا اوسط درجہ کا کھانا تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا مگر جو ایسا نہ کر سکتا ہو وہ تین کے روزے رکھے۔''

اسی طرح جو شخص اپنی بیوی کو ماں بہن سے تشبیہ دے کر اپنے لئے حرام کر لے پھر اس سے رجوع کرنا چاہے اس کے لئے حکم ہے:

﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ (المجادلہ:4-3)

''قبل اس سے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں (شوہر) ایک غلام آزاد کرے اور جو غلام نہ پاتا ہو وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے اور جو اس کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔''

ایسے ہی کفارہ حج کے سلسلے میں بھی بعض کوتاہیوں کے معاملہ میں تجویز کئے گئے ہیں (البقرہ 196، المائدہ 95) اور ایسا ہی فدیہ روزوں کے معاملہ میں مقرر کیا گیا ہے۔ (البقرہ 184)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

10۔ودیعت:

تعریف:

ودیعت کا لفظ اضداد میں ہے یعنی اس کے معنی کسی کو حفاظت کے لئے کوئی چیز یا مال دینے کے لئے بھی آتے ہیں اور قبول کرنے کے بھی آتے ہیں۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ امانت اور ودیعت دونوں لفظاً ہم معنی بھی ہیں اور دونوں الگ مفہوم وحکم بھی رکھتے ہیں ودیعت کی تعریف شریعت میں یہ کی گئی ہے۔

[احالة المالک محافظة ماله الاخر](۲۴)

''اپنی کسی چیز یا مال کو حفاظت کی غرض سے دوسرے کے حوالے کرنا۔''

مقصد یہ ہے کہ جو چیز ودیعت رکھی جائے وہ ودیعت رکھنے والے کی ملک بھی ہو اور اپنے قصد وارادہ سے وہ کسی کے سپرد کرے تب ودیعت کا رکھنا صحیح ہوگا۔

معاہدہ(Contract):

ودیعت میں دوسرے معاملات کی طرح ایجاب وقبول ضروری ہے۔خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً(۲۵)

حکم:

جس کے پاس امانت وودیعت رکھی جارہی ہے اگر وہ اس کے منظور کرلے تو اب دونوں میں گویا ایک معاہدہ ہو گیا اب امین جب تک اس کو اپنی امانت میں رکھے گا اس کی حفاظت اس کے اوپر اپنے مال کی طرح واجب ہوگی۔اگر اس نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

عرصہ:

دوصورتوں میں معاہدہ وودیعت ختم ہوجاتا ہے:

ایک یہ کہ جتنے دن کے لئے اس نے امانت رکھی تھی وہ مدت ختم ہوگئی۔

دوسرے امین یا مودع یعنی امانت رکھنے والے میں سے کوئی معاہدہ فسخ کردے کیونکہ ان دونوں کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ اس کو جب چاہیں ختم کردیں۔(۲۶)

ودیعت دوطرح سے ہوتا:

ودیعت دوطرح سے رکھی جاتی ہے ایک تو صراحۃً مودع کسی سے یہ کہے کہ میرا یہ مال امانت رکھ لیجئے اور امین نے ہار کر لیا تو اب وہ امین بن گیا دوسرے یہ کہ ایک آدمی نے کسی دوکان پر اپنی کوئی چیز رکھ دی اور دوکاندار نے رکھتے ہوئے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں یا ایک شخص پلیٹ فارم پر یا ریل وموٹر میں یہ کہہ کر کسی ضرورت سے کہیں چلا گیا کہ ذرا میرا سامان دیکھتے رہیے گا اور دوسرا آدمی کچھ بولا نہیں تو وہ چیز اس کی امانت میں آگئی اب اس کی نگرانی اس پر لازم ہوگی اگر اس نے چھوڑ دیا اور وہ چیز چوری ہوگئی تو مودع (سپرد کرنے والا) اس سے تاوان لینے کا حق رکھتا ہے۔البتہ اگر اس نے اسی وقت یہ کہہ دیا کہ میں نہیں دیکھ سکتا یا دوکاندار نے کہہ دیا کہ آپ دوکان پر سامان نہ رکھیئے اور اس کے بعد اس نے چھوڑ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ (۲۷)

ودیعت کی شرائط:

یہ اس طرح ہیں:

اسی چیز کو بطور امانت رکھنا صحیح ہوگا جس پر امین کا قبضہ ہو سکے اگر کسی نے ہوا کے پرندے تالاب کی مچھلیاں یا دوسرے کے قبضہ میں جو چیز ہو اس کی حفاظت کیلئے کہا تو یہ صحیح نہیں ہے خواہ امین قبول کرے یا خاموش ہو جائے۔

مودع اور امین دونوں عاقل یعنی لین دین کے معاملات کی سمجھ رکھتے ہوں بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔

ودیعت کی مدت میں فائدہ مودع کا ہوگا۔

11۔قرض (Debit):

اسے دوسرے لفظوں میں ادھار (Loan) بھی کہتے ہیں علم المعیشت میں اس کی افادیت (Utility) اور اہمیت سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا اسلامی معاشیات میں بھی اس کا کردار مسلمہ ہے لہٰذا تشریح ضروری ہے۔

مفہوم (Meaning):

۱۔ قرض "اقراض" سے ماخوذ ہے۔قرض دینا۔باب ضرب سے قرض یقرض کسی کو بدلہ دینا' باب سمع سے مرجانا۔

القرض هو القطع في اللغة سمي هذا العقد قرضا لما فيه قطع طائفة من ماله

"قرض کا معنی ہے علیحدہ کرنا اور اس کو قرض اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی مال کا ایک حصہ علیحدہ کیا جاتا ہے"۔

هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لاخر لبرد مثله

"یعنی قرض وہ خاص معاملہ ہے جس میں مقرض (قرض دینے والا) مستقرض (قرض لینے والے) کو ایسا مال دیتا ہے جس کی ہم مثل موجود ہے تاکہ اس سے وصولی کے وقت اس جیسی چیز وصول کر سکے۔"

وہ احسان یا عطیہ جو پہلے کیا جائے یا وہ مال جو مقررہ میعاد کے بعد واپسی کی شرط سے دیا جائے۔

قرض اور دین میں فرق:

دین عربی میں عین کے مقابلے میں آتا ہے نقد کے لئے عین اور ادھار کے لئے دین بولا جاتا ہے اور اس سے مقصود کاروبار اور لین دین میں ادھار کا معاملہ کرنا ہے۔خواہ قیمت ادھار ہو یا چیز ادھار ہو۔

الدين ما وجب في الذمة بعقد او استهلاك

"دین وہ مال ہے جو کسی کے ذمہ عقد (بیع وشراء) کے سبب لازم ہوا ہو یا کسی کا مال ہلاک اور ضائع کر دینے کے سبب لازم ہوا ہو۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور قرض یہ ہے کہ ایک کا دوسرے سے صرف اور خرچ کے لئے مال مثلی لینا جیسے نقد روپے لینا' گندم لینا' اس شرط پر کہ اسی جیسا واپس کرے گا۔ مال دینے والا مقرض اور لینے والا مستقرض اور مال قرض کہلاتا ہے۔

قرض میں قبضہ شرط ہے دین میں قبضہ شرط نہیں دین میں مدت مقرر کی جاتی ہے قرض میں مدت مقرر نہیں کی جاتی۔

لزم تاجيل كل دين ان قبل المديون

''ہر دین میں مدت مقرر کرنا لازم ہے بشرطیکہ مدیون اس کو قبول کرے۔''

قرض میں قانونی نقطہ نظر سے دو باتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ ایک حیثیت میں قرض عاریت ہوتا ہے کیونکہ اس میں دوسرے سے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے اس میں معاوضہ کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ کیونکہ مال حفاظت کی خاطر نہیں بلکہ واپسی کی خاطر لیا گیا ہے اور مقصد قرض کے ذریعہ قرض دار کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔

قرض حسنہ کی توضیح:

قبل اس کے کہ قرض کے احکام تحریر کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ کے عنوان (قرض حسنہ) کی وضاحت کر دی جائے کہ کتاب وسنت میں قرض حسنہ کے کیا معانی ہیں۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً﴾ (البقرہ:245)

''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس کو بڑھائے گا اور اسے اچھا بدلہ دے گا۔''

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ (الحدید:18)

''بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور قرض دو اللہ تعالیٰ کو قرض اچھا دوگنا کیا جائے گا ان کے لئے اور ان کو اچھا بدلہ دیا جائے گا''۔

﴿وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا وَّاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (المزمل:20)

''اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو اور جو مال تم اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس پالو گے اور بہتر اور بڑے اجر کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

﴿لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (المائدہ:12)

''اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو تو میں تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا اور تمہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾ (التغابن:17)

''اگر تم اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو تو میں تمہارے لئے اس کو دگنا کرے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ قدر دان اور بردبار ہے۔''

یہ وہ آیات ہیں جن میں قرض حسنہ کی ترغیب اور فضیلت بیان ہوئی ہے اب سوال یہ ہے کہ قرض حسنہ سے کیا مراد ہے؟ تو شیخ محمد بن احمد القرطبی اپنی مایہ ناز تفسیر میں اس طرح رقم طراز کرتے ہیں:

''اس میں تین توجیہات ہیں۔

۱۔ اس سے مراد تمام صدقات ہیں۔

۲۔ اس سے مراد زکوٰۃ کو اچھے طریقے سے ادا کرنا ہے اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ حلال مال سے ادا کرے اور جس سے فقراء کو زیادہ نفع ہو وہ مال دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے اور مستحق پر خرچ کرے۔

۳۔ اس سے مراد ہر نیک عمل ہے خواہ وہ نفس کے ساتھ ہو یا مال کے ساتھ۔ (۲۸)

شیخ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں:

''قرض حسنہ کا معنی ہے بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا اور بعض نے کہا صدق دل کے ساتھ اور صدقات نافلہ جس چیز سے بھی ہو پس وہ استعارہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے ثواب اور جزاء کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کو قرض کے ساتھ تشبیہ دیا ہے اس لئے کہ وہ اس کی مثل بدلہ دے گا اور قرض حسنہ وہ ہوتا ہے جو خوش قلبی کے ساتھ مال خیرات کیا جائے اور بعض نے کہا جس کے بعد احسان جتانا اور تکلیف پہنچانا ہو اور بعض نے کہا جو حلال مال سے صدقہ دیا جائے وہ قرض حسنہ کہلاتا ہے''۔ (۲۹)

زکوٰۃ اور قرض حسنہ میں فرق:

زکوٰۃ کا ادا کرنا قانونی طور پر ضروری ہے لیکن قرض حسنہ سے مقصود ہے دین کی برتری اور رفاہ عام کے سارے اجتماعی کاموں کے لئے انفرادی ذمہ داری کے ساتھ اجتماعی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ وقت کے ملی تقاضوں اور مطالبات کو پورا کرنے کے لئے رضا کارانہ طور پر اپنے ملکی سرمایہ سے کچھ وقف کرنا تاکہ جماعتی مقاصد کو پورا کیا جا سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مال کی متعینہ زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد بھی ایک مسلمان دین کے مالی مطالبات سے سبکدوش نہیں ہوتا اور اب بھی اس کی دولت میں حق باقی رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کے اخلاقی احساسات معاشرے کی بھوک اور ناداری پر قابو نہ پا رہے ہوں یا دین کی حفاظت اور نصرت کا فرض ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ایسی حالت میں قرض حسن یقیناً اخلاقی سے قانونی شکل اختیار کر لے گا اور اس دفعہ کی رو سے اسلامی حکومت مجاز ہوگی اور وہ غریب اور نادار شہریوں کی ضرورتوں اور دین کے مفاد کی خاطر مال داروں پر مزید بار ڈالے۔

''فقہاء کی اصطلاح میں جس چیز کو فرض عین اور فرض کفایہ کہا جاتا ہے اسی کو ہم نے قانونی اور اخلاقی ذمہ داری سے تعبیر کیا ہے۔ زکوٰۃ ان کے یہاں فرض عین ہے تو قرض حسن فرض کفایہ۔'' (۳۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اگر قرض لینے والے نے قرض لیا اور پھر تنگی ہی میں مبتلا رہا تو اسے ''فراخی تک مہلت'' دی جائے گی۔ (فنظرة الی میسرة) میری رائے میں یہ صیغہ حکم کے لئے ہے کیوں کہ یہ شرط اور جواب شرط کی شکل میں وارد ہوا ہے۔

﴿وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ (البقرہ:280)

''اگر (مقروض) تنگ حالی میں مبتلا ہو تو اسے فراخی تک مہلت ملنی چاہئے۔''

اس صیغہ کے استعمال سے حکم دینا مقصود ہے نہ کہ صرف ترغیب اور اظہار پسندیدگی اس حکم کے پہلو بہ پہلو اسلام نرمی برتنے اور سہولت سے پیش آنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ نبی کریمؐ فرماتے ہیں:

رحم الله رجلا سمحا اذا باع فاذا اشترى واذا اقتضى (۳۱)

''اس شخص پر خدا اپنے رحم و کرم کی بارش کرے جو خرید و فروخت میں خوش دلی اور سلیقہ مندی برتتا ہے اور قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی سے پیش آتا ہے۔''

قرض کے تقاضے میں نرمی اور شرافت مقروض کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کا باعث بنتی ہے اور اس کے دل میں قرض دینے والے کی محبت کے لئے جگہ بناتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے اندر یہ جذبہ ابھارتی ہے کہ حتی الامکان ادا کرنے کی پوری کوشش کرے۔ آپؐ نے فرمایا:

[من سره ان ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر اويضع عنه] (۳۲)

''جو قیامت کے روز کرب و اضطراب سے بچنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ تنگ حال مقروض کی مشکلات رفع کرے یا اس سے جو مطالبہ ہو اس میں کچھ کمی کر دے۔''

اور یہ کہ:

[من انظر معسرا وضع له اظله الله يوم القيامة تحت ظل العرش يوم لاظل الا ظله] (۳۳)

''جس نے تنگ حال مقروض کو مہلت دی یا اس کے لئے کچھ کمی (اصل قرض میں سے) کر دی اسے اللہ قیامت کے دن عرش پاک کے سایہ تلے لے لیں گا جب کہ اس دن بجز اس کے سایہ کے کوئی سایہ میسر نہ ہوگا۔''

اس کے بالمقابل اسلام قرض دار کا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ قرض کو ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کرے تا کہ اس طرح اپنی ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہو جائے اور قرض دینے والے کے احسان کا بدلہ واپسی کے معاملہ میں وعدہ کا سچا ثابت ہو کر ادا کر دے۔ نیز اس کے اس طرز عمل کا ایک مزید فائدہ یہ بھی ہوگا کہ معاملات میں لوگوں کا باہمی اعتماد بڑھ جائے گا۔

[من اخذ اموال الناس يريد اداتها ادى الله عنه ومن اخذها يريد اتلافها اتلفه الله] (۳۴)

''جو ادا کرنے کی نیت سے لوگوں کا مال (قرض) لیتا ہو اللہ اس کی طرف سے ادائیگی کا بندوبست فرمائے گا اور جو اڑانے پڑانے کی نیت سے لیتا ہے اللہ اس کو بربادی کے حوالہ کر دے گا۔''

چنانچہ جو ادا کرنے کی نیت سے قرض لے گا وہ ضرور کوشش کرے گا کہ کچھ کمائے اور روزی حاصل کرے اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ دھن کا پکا عزو شرف کمانے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے اور جو اڑانے پڑانے کے خیال سے لے گا وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کے مال پر عیش کرنے ہی میں ٹھاٹ جمائے گا اور سعی و جہد چھوڑ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے گا نتیجہ میں کاہلی اور سستی اسے آدبوچے گی۔ اس کی ہمت جواب دے دے گی اور بالآخر وہ ناکامی اور تباہی سے دوچار ہوگا اللہ کا رسول فرماتا ہے:

[مطل الغنی ظلم](۳۵)

''مال رکھنے والے کا واپسی قرض میں خواہ مخواہ تاخیر کرنا صریح ظلم ہے۔''

ایک شخص نے دریافت کیا کہ:

''اللہ کے رسول کا کیا خیال ہے اگر میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں تو اللہ میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا؟'' رسول اللہؐ نے جواب دیا:

''ہاں بشرطیکہ تو خالصۃً اللہ کے لئے لڑ رہا ہو صبر و ثبات کا مظاہرہ کرے اور الٹے قدم بھاگتے ہوئے نہیں بلکہ آگے کو اقدام کرتے ہوئے مارا جائے۔'' پھر آپؐ نے اس شخص سے فرمایا کہ ذرا اپنا سوال دہرانا اس نے سوال کو دہرایا آپؐ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن قرض نہیں بخشا جائے گا۔ جبریل مجھے یہ بات بتا گئے ہیں۔

''گویا صاحب قدرت مقروض کے سر سے قرض کا بار اس طرح بھی نہیں ہمت سکتا کہ وہ جہاد کرے راہ خدا میں مخلصانہ طور پر صبر و ثبات کے ساتھ لڑے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا نہیں جرأت مندانہ اقدام کی حالت میں مارا جائے۔ کیوں کہ قرض کا تعلق دوسروں کے حقوق سے ہے جو اس کے ذمہ ہیں۔ صرف اللہ کا حق نہیں یہ اس شکل میں جب کہ وہ ادائے قرض پر قادر ہو۔ رہا معذور اور عاجز آدمی تو وہ زکوٰۃ میں سے ایک حصہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ ''انما الصدقت الفقراء والغرمین'' اس کو ادائے قرض کی خاطر صدقہ کے طور پر کچھ دینا بھی مناسب ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے (کاروباری نقطہ نظر سے) پھلوں کا ایک باغ خریدا' آفات سماوی کے نتیجہ میں باغ تباہ ہو گیا۔ بے چارہ بہت مقروض ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اس شخص پر صدقہ کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ لوگوں نے صدقہ کیا۔ لیکن اتنا مال نہ جمع ہو سکا کہ پورا قرض ادا کیا جا سکتا۔ رسول اللہؐ نے قرض خواہوں سے فرمایا کہ جو مل جائے اسے لے لو اب اور زیادہ تمہیں نہیں مل سکتا''۔

جب مسلسل فتوحات کے نتیجہ میں کافی مال جمع ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اگلا قدم اٹھایا۔ اب آپ ﷺ نے یہ دستور بنا لیا کہ مقروض افراد کے مرنے کے بعد ان کے ذمہ کے قرضے بیت المال سے ادا کر دیا کرتے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''مقروض افراد کی میت رسول اللہؐ کے پاس لائی جاتی تو آپ دریافت کرتے کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑا ہے۔ اگر جواب ملتا کہ اس نے اس قدر مال چھوڑا ہے کہ قرض ادا کیا جا سکے تب تو اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ مسلمانوں سے کہہ دیتے کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ ادا کریں۔ جب اللہ نے آپ کو متعدد فتوحات عطا کیں تو آپؐ نے اعلان فرما دیا کہ میں مسلمانوں کا ان کی نسبت بھی زیادہ قریبی اور سرپرست ہوں پس جو اس حال میں انتقال کر گیا کہ اس پر قرض ہے اور ادائیگی کے لئے اس نے کافی مال نہیں چھوڑا تو اس قرض کی ادائیگی ہمارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ ہے اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے ورثاء کا حق ہے۔'' (۳۶)

تحفظ قرض (Sceurity of Loan):

دیئے ہوئے قرض کی حفاظت کے یہ طریقے ہیں:

رجسٹری (Registration):

قرض کی ادائیگی اور ضمانت کی جو صورتیں ہو سکتی ہیں اسلام کے قانونی نظام میں انہیں بھی اختیار کیا گیا ہے یعنی رہن گواہی کفالت بالکمال کہ رجسٹری کے ذریعہ اپنے قرضوں کو محفوظ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

ان مسائل کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ خود قرآن مجید میں پورا ایک رکوع رہن، رجسٹری اور وصولی کے قوانین شہادت کے قواعد کے ساتھ موجود ہے تاکہ کسی شخص کا قرض ضائع ہونے کے پورے خطروں سے تا امکان محفوظ ہو جائے قرآن میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ﴾ (البقرہ:282)

''مسلمانو! جب تم ایک معین معیاد کے لئے کسی سے قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو کاتب کو چاہئے کہ اس قرض کی دستاویز عدل و انصاف سے لکھے، کاتب کو چاہئے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے اور جس طرح خدا نے سکھایا ہے لکھ دے۔''

﴿فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا﴾ (البقرہ:282)

''اور قرض کا تمسک وہ شخص لکھوالے جس کے ذمہ قرض عائد ہوگا اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس میں کچھ بھی کاٹ چھانٹ نہ کرے۔''

﴿فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ﴾ (البقرہ:282)

''اگر وہ شخص جس پر کہ قرض عائد ہوگا بے شعور ہو یا ضعیف ہو یا (تمسک) لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کو ملحوظ رکھ کر شرطیں لکھ دے۔''

﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾ (البقرہ:282)

''اور قرض کے اس معاملہ میں تم اپنے ہی دو آدمیوں کو گواہ بنا لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں جن پر کہ تمہیں اطمینان ہے تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے۔''

﴿وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تَبَايَعْتُمْ وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:282)

''اور جب گواہوں کو گواہی کے لئے بلایا جائے تو آنے سے انکار نہ کریں۔ میعادی (قرض) کا معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں کبھی سستی سے کام نہ لو اور خدا کے نزدیک یہ نہایت ہی منصفانہ کاروائی ہے اور گواہی کے لئے بھی یہ بہت مناسب طریقہ ہے اور نیز شک وشبہ کی بہت کم گنجائش ہے اگر آپس کے نقد چالیس دن کو لکھوا تو کچھ ہرج نہیں خرید وفروخت کے وقت کسی کو گواہ بنالو دستاویز کے کاتب اور گواہ کو کسی قسم کا بھی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری حرات ومنصور ہوگی خدا سے ڈرو خدا تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز سے واقف ہے''۔

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ (البقرہ:283)

''اگر کبھی تم سفر پر ہو اور کوئی دستاویز لکھنے والا نہ ملے تو رہن بالقبض رکھ دو''

﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ﴾ (البقرہ:283)

''اگر تم میں سے ایک کا ایک پر اعتبار ہو تو جس کا اعتبار کیا گیا (یعنی قرض) کو چاہئے کہ دو''

﴿وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:283)

''امانت (یعنی قرض) کو ادا کرے اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے جو کبھی بھی تم گواہی کو نہ چھپاؤ جو کوئی گواہی کو چھپاتا ہے تو ایسے شخص کے دل میں کھوٹ ہے اور جو کچھ تم کیا کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے''

12۔ رہن (Mortgage):

رہن سے متعلق ایک تفصیلی باب حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ''کتاب الرہن'' کے نام سے پایا جاتا ہے۔ بخاری کی روایتوں میں ہے کہ ''رسول کریم'' نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک مدت کے وعدہ پر مول لیا تھا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھ دی تھی۔ (۳۷)

لغت میں رہن کے معنے کسی شے کو کسی بناء پر روک رکھنے کے ہیں اور شریعت میں کسی شے کو کسی حق مثلاً قرضوں کے مقابلہ میں روک رکھنا جس کا حاصل کرنا اس چیز سے ممکن ہو۔ (۳۸)

غرض رہن صرف ایک ضمانت ہے اور یہ معاملہ ایجاب اور قبول سے طے پاتا ہے اور جب شے رہن کے حوالے کردی جائے تو رہن کا معاملہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ (۳۹)

رہن اسی غرض سے جائز ہوا ہے کہ اگر قرض دار سے قرض وصول نہ ہو سکے تو اس کی مرہونہ جائداد سے وصول کر لیا جائے یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شے جو فروخت ہو سکتی ہے رہن کی جا سکتی ہے اور اس طرح منقولہ جائداد اور غیر منقولہ دونوں رہن ہو سکتی ہیں عام اصول یہ ہے کہ ''ایسی شے ہونی چاہئے کہ مدت گزرنے پر بیچی جا سکے۔'' (۴۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مرہونہ شے کو قرضہ کی ادائی تک اپنے قبضہ میں رکھے لیکن مرتہن کو مرہونہ شے کے استعمال کرنے یا اس کی پیداوار سے نفع حاصل کرنے کا بغیر راہن کی اجازت کے کوئی حق نہیں ہے چاہے منفعت کی صورت خدمت لینے کی ہو یا سکونت کرنے کی یا پہننے کی۔(۴۱)

رہن بطور امانت (Pledge as Trust):

مرہونہ شے مرتہن کے پاس بطور امانت کے ہوتی ہے۔

ھو امانة فی یدہ ''وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے۔اسی بناء پر مرتہن اس کی دیکھ بھال اور حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے پس اگر شے مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں ضائع ہو جائے اور وہ بلحاظ قیمت کے قرض کی مقدار کے مساوی ہو یا اس سے زیادہ ہو تو قرض بے باق ہو جاتا ہے اور زیادتی کی بابت راہن کو مرتہن سے وصول یابی کا حق رہے گا برخلاف اس کے اگر وہ شے قرضہ کی مقدار سے کم قیمت ہو تو مقروض سے تفاوت کو طلب کرنے کا حق رہے گا جو قرضہ کی مقدار اور مرہونہ شے کی قیمت میں تھا۔اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ اگر مرہونہ شے مرتہن کے پاس تلف ہو جائے اور مرہونہ شے کی قیمت اور قرض دونوں مساوی ہوں۔(تو قرض کی ادائی راہن کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی) گویا مرتہن نے قرضہ پالیا۔

۲۔ اگر مرہونہ شے کی قیمت زائد ہو تو جو کچھ زیادتی ہے وہ امانت ہے اس واسطے کی ضمانت تو اسی قدر ہے جس سے قرضہ کی وصولی ہو سکے اور یہ قرضہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔(اور اس زیادتی کو راہن پائے گا)

۳۔ اگر مرہونہ شے کی قیمت قرضہ کی بہ نسبت کم ہو تو بقدر قیمت قرضہ ساقط ہو جائے گا اور مزید رقم مرتہن راہن سے پائے گا اس واسطے کہ پورا پانا تو مرہونہ مالیت کی قدر کے مساوی ہوتا ہے۔

چارہ کار:

اگر قرض معینہ مدت پر ادا نہ ہو تو مرتہن مجاز ہے کہ عدالت سے مرہونہ شے کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت سے اپنے قرضہ کی ادائی پانے کی درخواست کرے۔لیکن وہ اپنے طور پر راہن کو فروخت کرنے کا مجاز نہیں ہے جب تک کہ صریح طریقہ سے اس کو مقروض نے اجازت نہ دے دی ہو''مرتہن کو راہن کا یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس روک رکھے یہاں تک کہ راہن جو کچھ کہ اس کے ذمہ ادا کر دے اگر مدت معینہ پر راہن نہ آئے تو مرتہن کو یہ حق ہے کہ سلطان کے پاس اس معاملہ کو لے جائے۔مرہونہ شے فروخت کی جائے گی اور اس کا حق اس کو دیا جائے گا اگر چہ راہن زندہ نہ ہو۔اسی طرح جب کہ راہن غائب نہ ہو۔

13۔امانت (Trust):

کوئی چیز یا رقم یونہی پڑی مل جائے یا کسی فرد نے کچھ مال آپ کے سپرد کیا وکیل یا ذمہ دار ٹھہرایا ایسی تمام صورتوں میں آپ تعین بن جائیں گے۔یعنی آپ کو اس کی اسی طرح حفاظت کرنی چاہئے جس طرح اپنی ذاتی چیز کی کرتے ہیں یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اپنی چیز کی حفاظت تو آپ بکس میں یا الماری یا کمرہ میں بند کر کے کریں اور دوسرے کی چیز کو کھلی جگہ رکھ دیں اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی' امانت کے معنی ہیں مامون و محفوظ ہونا یعنی وہ چیز امین کے ہاتھ میں پہنچ کر محفوظ و مامون ہو جاتی ہے اگر وہ محفوظ نہ ہوئی تو یہ خیانت ہوگی مثلاً ایک یتیم کی جائداد یا ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لاوارث کے مال کا آپ کو ذمہ دار بنایا گیا تو آپ کی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ آپ ٹھیک ٹھیک اس کی دیکھ بھال کریں۔(۴۲)

جس کا جو حق ہو اس تک پہنچا دیں اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ خائن کہے جائیں گے قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (نساء:58)

''اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں اور حقوق کو ان کے مالکوں تک پہنچا دو۔''

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ (مومنون:8)

''جو لوگ اپنے ذمہ لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس وخیال رکھتے ہیں۔''

اس کے برخلاف خیانت کرنے والوں کی بڑی مذمت کی گئی فرمایا گیا کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ (الحج:38)

''خدا تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''جس میں امانت داری نہیں ہے اس کا دل ایمان سے خالی ہے'' لا ایمان لمن لا امانۃ لہ قرآن نے امانت داری مومن کی خصوصیت بتائی ہے۔

امانت کا حکم:

۱۔ امانت ایک اخلاقی فریضہ اور حسن سلوک کا نام ہے اسی لئے قانوناً کسی کو امانت رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے وہ امانت ضائع ہو جائے تو امین پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔(۴۳)

البتہ اگر اس نے قصداً اس کو ضائع کرنے کی کوشش کی ہے یا اس لئے اس کی حفاظت میں غفلت برتی ہے تو اس صورت میں اس کو اس کا تاوان دینا پڑے گا' مثلاً کسی نے راستہ میں کوئی پڑی چیز پائی تو اگر وہ جانتا تھا کہ یہ فلاں کی ہے اور اس نے اس کو واپس کرنے کے خیال سے اٹھا لیا تو یہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی اب اگر وہ اتفاقی طور پر ضائع ہو گئی تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے

لیکن اگر وہ اس چیز کے مالک سے واقف نہیں ہے تو اس کا حکم لقطہ یعنی گری پڑی چیز کا ہے۔

لقطہ کا حکم:

۲۔ لقطہ یعنی اگر کسی نے کوئی پڑی ہوئی چیز پائی تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اس چیز کو امانتاً اپنے پاس رکھے اور برابر ایک سال تک یہ اعلان کرتا رہے کہ فلاں چیز میں نے فلاں جگہ پائی ہے جس کی ہو وہ لے جائے' جب اس کا مالک مل جائے۔

امین کے فرائض (Functions of Trustee):

یہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ امین کو امانت کی اسی طرح حفاظت کرنی چاہئے جس طرح وہ اپنی چیز کی کرتا ہے۔

۲۔ امین چاہے خود اسکی حفاظت کرے چاہے گھر کے ان افراد سے کرائے جن سے خونی یا دائمی رشتہ ہے' مثلاً ماں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باپ' بیٹے بیٹی' بیوی' بہن یا گھر میں ہر وقت آنیوالے نوکر چاکر سے اسکی دیکھ بھال کرائے' اسکو دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ ان میں سے کوئی خائن نہ ہو اگر ان میں سے کوئی غیر ذمہ دار یا خائن ہے تو اسکی نگرانی میں اس کو نہ دینا چاہئے اگر دے گا اور وہ امانت ضائع ہو جائے گی تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ (۴۴)

۳۔ امین اگر امانت کو کسی غیر آدمی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے یعنی وہ دوسرے آدمی کو اس امانت کا امین بنا دے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ امین نے مودع سے دوسرے کے پاس رکھنے کی اجازت لے لی ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ایسا آدمی ہے جس کے یہاں وہ خود اپنی چیزیں رکھ دیا کرتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں کسی غیر آدمی کو امین بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً امانت کے روپے کو اسی طرح بینک میں رکھ دے جس طرح اپنا روپیہ رکھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ان صورتوں کے علاوہ اگر وہ امانت کسی دوسرے کے پاس حفاظت کے لئے رکھے گا تو پھر اس کی ذمہ داری امین اول کو دینا پڑے گا برخلاف مذکورہ دونوں صورتوں کے ان میں اس کو تاوان نہ دینا پڑے گا۔ (۴۵)

۴۔ امانت کی چیز کو امین نہ تو استعمال کر سکتا ہے اور نہ اس کو اپنی چیز کے ساتھ ملا سکتا ہے۔ البتہ اگر مودع اس کی اجازت دے دے تو پھر جائز ہے مثلاً کسی نے سو روپے امانت کے رکھے' تو بعینہ وہی روپیہ اس کو واپس کرنا چاہئے اگر امین نے اس خیال سے خرچ کر ڈالا یا اس کو کسی تجارت میں لگا دیا کہ جب اس کو ضرورت ہوگی اپنے روپے سے دے دیں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی اور امین گنہگار ہوگا اگر وہ ایسی چیز ہے جس کے ملانے سے علیحدہ کرنا دشوار ہو تو پھر کسی طرح جائز نہیں' امانت دار کو اس کا تاوان دینا ہوگا اسی طرح کسی نے کپڑا زیور یا جوتا امانت رکھا تو اس کا پہننا گناہ ہے اسی طرح کسی نے کرسی' میز یا پلنگ یا برتن امانت رکھ دیا تو ان میں سے کسی چیز کے استعمال کا حق نہیں ہے اگر مودع اجازت دے دے تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۴۶) البتہ اگر تھوڑے استعمال سے اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہ آئے تو کوئی حرج نہیں مگر تھوڑا استعمال بھی بہتر نہیں ہے۔

۵۔ جہاں امین نے امانت لی ہے' اس کو وہیں ادا کرنا ضروری ہے مودع اس کو دوسری جگہ وصول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا کسی نے لاہور میں امانت رکھنے کے لئے دی ہے تو اس کو یہ حق نہیں کہ وہ اسلام آباد میں اس سے مانگے البتہ اگر امین نے یہ کہہ دیا ہو کہ میں اس کو اسلام آباد میں رکھوں گا تو پھر اب امانت رکھنے والے کو لکھنو میں مانگنے کا حق نہیں ہے۔ (۴۷)

۶۔ اگر کئی آدمیوں کو ایک چیز کا امین بنا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے اگر سب نے اقرار کر لیا ہے تو اب سب اس کے ذمہ دار ہوں گے ان کو باری باری یا جس طرح ہو امانت کی حفاظت کرنی چاہئے۔

امانت کی دیکھ بھال کی اجرت:

امین کو اگر امانت کی دیکھ بھال کے لئے کچھ وقت یا محنت صرف کرنی پڑتی ہے تو وہ اجرت بھی لے سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں ائمہ فقہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے' بعض ائمہ اس کی اجازت نہیں دیتے اور بعض دیتے ہیں' مگر کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شرائط کے ساتھ حنفی فقہ کی متداول کتابوں میں صراحۃً تو اس بارے میں کوئی جزیہ راقم کو نہیں ملا مگر مجلۃ الاحکام میں یہ دفعہ ملی جس سے پتہ چلتا ہے کہ ودیعت پر اُجرت لی جاسکتی ہے اس میں ہے کہ:

''اگر کسی نے اپنا مال کسی کے پاس امانۃً رکھا اور اس امانت کو دیکھ بھال کی اجرت بھی اس کو دیتا ہے' ایسی حالت میں اگر وہ ضائع ہو جائے تو اگر ایسی حالت میں وہ ضائع ہو جائے کہ اس کو ضائع ہونے سے بچانا ممکن تھا مثلاً چوری ہو گیا تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔''

امام مالکؒ بھی اس شرط کے ساتھ اجرت لینے کی اجازت دیتے ہیں کہ جب امین کو اس کے لئے کافی جگہ دینی پڑتی ہو یا اس میں خرچ کرنا پڑتا ہو امام شافعیؒ مطلقاً اجرت لینے کی اجازت دیتے ہیں۔(۴۸)

موجودہ زمانہ میں اس کی ضرورت اتنی عام ہو گئی ہے کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آلو کے بیج کو لیجئے کہ آلو کے تاجر اگر آلو کے بیج بڑے گوداموں اور کولڈ اسٹورج کے حوالہ کر کے ان کی حفاظت نہ کرائیں تو اس کی کاشت کے وقت اس کے بیج کا ملنا دشوار ہو جائے گا اب تو مختلف قسم کے پھل اور غلہ وغیرہ بھی کولڈ اسٹورج میں رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کے ذریعہ بے شمار چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ ایسا کرنا اسلامی شریعت کے اعتبار سے صحیح ہے۔

کولڈ اسٹورج میں متعدد ہال ہوتے ہیں آلو کا بیج یا غلہ یا پھل رکھنے والے نے اسٹورج کے مالک سے کہا کہ آپ ہمارا سامان فلاں ہال میں رکھئے لیکن اس نے دوسرے ہال میں رکھ دیا اور اتفاق سے بیج وغیرہ میں کوئی خرابی آ گئی یا اس میں آگ لگ گئی تو اسٹورج کے مالک پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے یعنی اسے ضمان دینا نہ ہو گا۔(۴۹)

لیکن اگر اس کے پاس دو کولڈ اسٹورج ہیں اس نے دوسرے میں اس کا سامان رکھ دیا اور نقصان ہوا یا کوئی خرابی پیدا ہوئی تو مالک کو اس کا تاوان دینا پڑے گا' اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے اسٹورج کی عمارت زیادہ اچھی نہ بنی ہو اور وہ کمزور ہو جس سے ہوا وغیرہ پاس ہو جاتی ہو یا پوری ٹھنڈک نہ پہنچی ہو اس لئے اس کا وہ ضامن قرار دیا جائے گا ایسی طرح پہلی صورت میں اگر سٹورج مختلف ہالوں میں پختگی اور کمزوری کے لحاظ سے فرق ہو گا تو اس صورت میں بھی مالک کو نقصان کا تاوان دینا ہو گا۔

14۔ عاریت:

اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک ہتھیار ہے جو تقسیم دولت کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ بالکل سادہ لفظوں میں اس سے مراد کسی شخص کو کوئی شے استعمال کرنے کے لئے ادھار دینی ہے' تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے جیسا کہ دیہی علاقوں میں رشتہ دار اور احباب ایک دوسرے کو گائے یا بھینس دودھ پینے کے لئے دے دیتے ہیں اسی طرح نقد رقم کے علاوہ بہت سی اشیاء عاریت کے طور پر دی جاتی ہیں۔

شریعت میں کسی کو بغیر معاوضہ اپنی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دینا عاریت ہے۔

۱۔ عاریت دینے کا اعارہ اور عاریت لینے کو۔

۲۔ استعارہ کہتے ہیں اور عاریت دینے والے کو۔

۳۔ معیر اور عاریت لینے والے کو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ مستعیر کہتے ہیں جو چیز عاریت میں لی جائے۔

۵۔ اس کو مستعار کہتے ہیں۔

۱۔ کسی نے اپنے کسی پڑوسی یا کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ مجھے دو دن کے لئے ایک پلنگ یا کرسی یا برتن یا اپنی سواری مانگنی دے دیجئے اور اس نے دے دیا تو یہ چیز عاریت ہوگئی۔

۲۔ عاریت کی چیز جب تک مستعیر کے یہاں رہے گی وہ امانت بے ضمانت ہوگی یعنی اس کی حفاظت مستعیر پر اسی طرح لازم ہے جس طرح امانت ہو مگر وہ اتفاقاً ٹوٹ گئی یا خراب ہوگئی یا گم ہوگئی تو پھر اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔

۳۔ اس پر تاوان کی ذمہ داری اس صورت میں نہ ہوگی جب وہ چیز اتفاق سے خراب ہوگئی یا ٹوٹ گئی ہو لیکن اگر اس نے غلط طریقہ سے استعمال کیا یا غیر ذمہ دار آدمیوں کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ چیز خراب ہوگئی یا قصداً اس نے خراب کر دیا یا توڑ دیا تو ائمہ کے یہاں مستعیر کو اس کا تاوان دینا پڑے گا مثلاً کسی نے چارپائی لی اور اس پر دس بیس آدمی لد گئے اور ٹوٹ گئی یا گھڑی لی اور چابی سخت ہاتھ سے یا الٹے طریقہ پر دے دی اور اسپرنگ ٹوٹ گئی یا کہیں جانے کے لئے گاڑی مانگی اور سیدھے اور اچھے راستے کی بجائے اس کو خراب راستہ سے لے گیا یا جتنے سفر کے لئے کہا تھا اس سے زیادہ لے گیا اور اس کا ٹائر ٹیوب یا کوئی اور چیز خراب ہوگئی یا فاؤنٹن پن لیا اور اس کو غلط طریقہ پر استعمال کیا اور ٹوٹ گیا تو ان تمام صورتوں میں اس کو اس کی پوری قیمت یا نقصان کے بقدر قیمت دینی پڑے گی یا مرمت کرانی پڑے گی اسی طرح چینی کی پلیٹ کہیں سے لایا اور اس نے چھوٹے بچے یا غیر ذمہ دار آدمی کے ہاتھ میں دے دی اور ٹوٹ گئی تو اس کا تاوان دینا پڑی گا لیکن اگر اس نے گھڑی یا شیشے کا گلاس عاریۃً منگایا اور اتفاق سے نوکر کے یا اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا یا پیر پھسل گیا اور عاریت کی چیز گر کر ٹوٹ گئی یا کسی نے دری فرش منگایا اور اس پر اگالدان گر گیا اور پیک پڑ گئی تو ان تمام صورتوں میں اس پر کوئی تاوان نہیں ہے لیکن اگر اس کے اوپر کسی نے دیا سلائی کی تیلی جلا کر ڈال دی یا سگریٹ بیڑی کا ٹکڑا جلتا ہوا پھینک دیا اور فرش یا دری جل گئی تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ غرض یہ کہ غلط استعمال سے یا قصداً وارد سے جو چیز خراب کی جائے گی اس کا تاوان لیا جائے گا۔

۴۔ جتنے دن کے لئے عاریت لی ہے اس کے بعد فوراً واپس کر دینی چاہئے اگر اس نے واپس کرنے میں دیر کی اور وہ چیز غائب ہوئی یا ٹوٹ پھوٹ گئی تو نقصان کی قیمت اس کو دینی پڑے گی۔

۵۔ جو چیز مانگ کر لائی گئی ہے اس کو اپنے ہی استعمال میں لانا چاہئے دوسرے کو نہ دینا چاہئے البتہ اگر مالک نے دوسرے کو دینے کی اجازت دے دی ہے یا اس سے ایسے تعلقات ہیں کہ اگر دے دی جائے گی تو اس کو برا نہ معلوم ہوگا تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر اس نے منع کر دیا ہو کہ یہ چیز کسی دوسرے کو نہ دی جائے تو پھر دینا گناہ بھی ہے اگر وہ چیز نقصان ہوگی تو اس کا معاوضہ بھی مستعیر کو دینا پڑے گا۔

۶۔ اگر معیر یعنی عاریت دینے والے نے وقت جگہ یا طریقہ استعمال کی کوئی قید نہ لگائی ہو تو مستعیر یعنی عاریت لینے والے کو اختیار ہے کہ وہ جس وقت تک چاہے اور جس طرح چاہے استعمال کرے اس صورت میں اگر کوئی نقصان ہوگا تو مستعیر پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر عام طور پر جس طرح وہ چیز استعمال کی جاتی ہے اس کے خلاف استعمال کرے گا تو اجازت کے باوجود تاوان دینا پڑے گا مثلاً کسی نے کسی سے سائیکل یا موٹر عاریۃً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مانگی اس کو مجمع میں بے تحاشہ یا اس رفتار سے زیادہ تیز چلانا شروع کر دیا جو عام طور پر اس کی مقرر ہے اور وہ ٹکرا گئی تو اس کے نقصان کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی اسی طرح اس سے ٹکرا کر جس دوسری چیز کا نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی۔ مثلاً کسی کو چوٹ لگ گئی یا کسی کا کوئی مالی نقصان ہو گیا تو اس کا تاوان اسی کو دینا پڑے گا۔ اسی طرح کسی سے پلنگ کی چادر مانگی اور اس کا دسترخوان بنا دیا اور اس پر شوربے یا کسی چیز کا ایسا دھبہ لگ گیا جس سے اس کی قیمت گھٹ گئی تو اس کی ذمہ داری مستعیر پر ہوگی غرض یہ کہ جو چیز عام طور پر جس طریقہ سے یا جس کام کے لئے استعمال کی جاتی ہے اس کو اس کے خلاف استعمال کرے گا تو تاوان پڑے گا۔

۷۔ اسی طرح اگر آپ نے کوئی چیز اپنے استعمال کے لئے منگائی اور معیر نے دوسرے کو دینے یا برتنے سے منع نہیں کیا یا آپ سے کسی دوسرے نے کوئی چیز مانگی اور آپ نے دوسرے کے برتنے اور استعمال کرنے سے صراحۃً منع نہیں کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر عاریت کی چیز ایسی ہے کہ دوسروں کے استعمال سے اس میں کوئی خاص فرق نہیں آتا مثلاً مکان، برتن، گلاس، چمچے، تخت وغیرہ تو اس کو دوسرے کو دے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس صورت میں اس پر تاوان کی ذمہ داری نہیں ہوگی لیکن اگر وہ ایسی چیز ہو کہ دوسرے کے استعمال سے اس میں فرق آ جاتا ہے تو پھر دینا جائز نہیں ہے مثلاً گھڑی، فاؤنٹن پن، موٹر سائیکل یا کوئی اور سواری کپڑا، جوتہ، چھتری وغیرہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ کئی ہاتھوں میں جانے سے خراب ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ایسی تمام چیزوں کو دوسرے کو نہ دینا چاہئے بلکہ خود ہی استعمال کرنا چاہئے اگر دے گا اور خراب ہوگی یا گم ہوگی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ (۵۰)

۸۔ اگر معیر کی ہدایت کے خلاف مستعیر اس کو استعمال کرے گا تو اس پر تاوان ہوگا۔

۹۔ اگر کسی نے عورت سے کوئی ایسی چیز مستعار مانگی جو اس کے شوہر کی ہے اور عورت نے شوہر سے پوچھے بغیر دے دیا تو اگر وہ ایسی چیز ہے جو گھر کے اندر ہی رہتی ہے اور عموماً عورت ہی کے قبضہ میں رہتی ہے۔ مثلاً جنس، نمک، زیور، تیل، گھی، شکر، برتن وغیرہ تو ان چیزوں کو بھی عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے دینا تو نہ چاہئے لیکن اگر اس نے دے دیا اور وہ چیز ضائع ہو گئی تو پھر عورت پر یا مستعیر پر کوئی تاوان عائد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر یہ چیز ایسی ہے جو گھر کے باہر رہتی ہے اور عموماً عورتوں سے ان کا تعلق نہیں ہوتا مثلاً جانور، مکان کا فرنیچر، سواری وغیرہ تو ان چیزوں کے ضائع ہونے کی صورت میں شوہر یعنی مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے عورت سے تاوان لے یا مستعیر سے۔

15۔ وقف (Trust):

گروش دولت کا ایک بڑا ہتھیار وقف بھی ہے جس کی تعریف یہ ہے۔

''جو اشیاء منقولہ (Transferable) غیر منقولہ ذاتی ملکیت سے نکال کر فی سبیل اللہ دے دی جائیں وہ اسلامی اصطلاح میں وقف کہلاتی ہیں اور احقاف کی ساری آمدنی بیت المال کا حق تصور ہوتی ہے۔'' (۵۱)

پہلے واقف حضرت عمر بن الخطابؓ میں علامہ یوسف القرضاوی تحریر کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''حضرت عمرؓ کو زمین کی پیداوار کو اللہ کی راہ میں وقف کرنے کا حکم دیکر آنحضرتؐ نے خیراتی اوقاف کے لئے شرعی بنیاد فراہم کی تھی جو ہر دور کی مسلم سوسائٹی میں کافی مئوثر کردار ادا کرتی ہے۔''(۵۲)

ادارہ وقف بھی بہت اہم ہے اسے قائم کرنے کے لئے کئی قواعد وضوابط بنائے جاتے ہیں اور پھر انہیں لاگو کیا جاتا ہے تاکہ وہ خوش اسلوبی سے چلتا رہے۔

16۔ ہبہ (Gift):

اجتماعی معاشی نظام ہبہ بھی ایک مفید طریق کار ہے بشرطیکہ واہب کا مقصد نیک ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کسی کی حق تلفی پیش نظر نہ ہو اس لئے کہ اس کی افادیت کی شکل یہ ہے کہ ایک متمول شخص اگر اپنے ذاتی حقوق اور اجتماعی حقوق سے سبکدوشی کے بعد بھی فاضل مال پاتا ہے تو اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس فاضل پونجی کو حاجت مندوں کی حاجت میں صرف کرے اور اخلاقی راہ سے بھی اجتماعی خدمت سے منہ نہ موڑے اور اس انفاق کی جہاں اور مختلف راہیں ہیں ان میں سے ایک راہ یہ ہے کہ وہ نقد یا مال کسی ضرورت مند کو ہبہ کر دے۔

قانون ہبہ میں اگرچہ فقیر یا حاجت مند کی شرط نہیں ہے بلکہ غنی اور مالدار کے نام بھی ہبہ کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام کے معاشی نظام میں ہماری بحث ہبہ کی صرف اسی شق کے ساتھ محدود ہے جس کا تعلق غرباء اور ضرورت مندوں کی حاجت کے انسداد سے ہے۔ حدیث نبوی میں ہبہ کی ترغیب دیتے ہوئے یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ ہدایہ اور ہبہ کی عادت ڈالو کہ یہ رسم باہمی محبت ومودت کے قیام واستحکام کے لئے ازبس مفید ہے ارشاد مبارک ہے:

''آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو اور اس طرح محبت کی طرح ڈالو۔''

فقہ اسلامی میں ہبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''کسی شے کو دوسرے کی ملکیت میں بغیر عوض کے دے دینا' ہبہ کہلاتا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱. ابو دائود

۲۔ اس جگہ پر سٹیٹ سے مراد خلافت یا حکومت نہیں بلکہ تعلقہ داری یا زمینداری کی وہ سب سے اونچی شکل مراد ہے جو بااختیار حکومت کے ماتحت صرف اس لئے قائم ہے کہ اس کا رئیس بے روک ٹوک عیش پسند زندگی بسر کرے۔ رعایا کی جان و مال کو اپنی ملکیت سمجھے۔

۳. رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی/مسند احمد' جامع ترمذی ' سنن نسائی' ابن ماجه' سنن دارمی

۴. صحیح بخاری' کتاب الرقاق 80`60

۵. صحیح بخاری' کتاب النفقات 56`50-صحیح مسلم' کتاب الفرائض 1619

۶. مسند امام احمد

۷. رواہ ابو امامه' صحیح مسلم' کتاب الزکوٰة 1032' جامع ترمذی

۸. بخاری شریف..... کتاب الشرکته

۹. ابن سعد..... الطبقات الکبریٰ

۱۰. ابن حزم..... الحلی

۱۱. .....ایضاً.....

۱۲. تفسیر ابن جریر ج2

۱۳. تفسیر کبیر

۱۴. ترجمان القرآن

۱۵. فتح القدیر ضرب الخمس

۱۶. مغنی ابن قدامه ج2ص157

۱۷. کتاب الخراج ابی یوسف

۱۸۔ موت کا وقت قریب آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے پہلے وصیت نہ کی جائے بلکہ یہ قید اس لئے لگادی گئی ہے کہ عموماً آدمی اسی موقع پر لوگوں کو دیتا لیتا ہے اور وصیت وغیرہ کرتا ہے۔

۱۹. المنتقی بحواله بخاری و مسلم

۲۰. المنتقی

۲۱. بخاری

۲۲. دارقطنی

۲۳. ابو دائود

۲۴. البحر الرائق والمجله

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۵. ینعقد الایداع باالایجاب والقبول صراحة اودلالة (المجلة)

۲۶. (المجلہ)

۲۷. (المجلہ) الفقة علی المذاهب الاربعة ج 3

۲۸. القرطبی ج6

۲۹. تفسیر روح المعانی ج 6

۲۹. تفسیر معالم القرآن و معارف القرآن

۳۰. ترمذی، بخاری

۳۱. مسلم

۳۲. ترمذی

۳۳. بخاری

۳۴. رواة الخمسه

۳۵. نسائی، مسلم، ترمذی

۳۶. ترمذی، مسلم، نسائی، بخاری

۳۷. بخاری باب الرهن نیز بخاری کے علاوہ موطاء مسلم7، ابو دائود اور ترمذی کے ابواب الرهن

۳۸. هدایه ج4 کتاب الرهن

۳۹. ایضاً

۴۰. ابن رشد هدایة المجتهد کتاب الرهن ج 2

۴۱. هدایه ج 4 کتاب الرهن، انتفاع کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے شوافع جواز کے قائل ہیں تفصیلات هدایه ج4 / کتاب الرهن کتاب الام باب الرهن

۴۲. المجلة

۴۳. المجله

۴۴. هدایه ج 3

۴۵. المجله

۴۶. هدایه، ج: 3

۴۷. ایضاً

۴۸. بدایة المجتهد ج2

۴۹. هدایه ج 3

۵۰. المجله

۵۱. مولانا حفظ الرحمٰن..... اسلام کا اقتصادی نظام

۵۲. یوسف القرضاوی..... فقه الزکوٰة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسواں باب:

اسلام میں معاشی ترقی ومنصوبہ بندی

(Economic Developmental & palaning in Islam)

چونکہ اسلام مکمل دین ہے اس لئے زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو اور اس کے لئے تعلیمات وہدایات نہ دی گئی ہوں۔ اگر ہم اچھی طرح غور وفکر کریں تو قرآن وحدیث سے ہمیں بہت سی معلومات اور اشارات ملتے ہیں جنہیں مشعل راہ بنا کر کوئی بھی ڈھانچہ کار (Frame-Work) تیار کیا جاسکتا ہے۔

معاشی ترقی (Economic Development):

روایتی معاشیات کے ادب میں اس کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں۔ ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔

پروفیسر ڈبلیو اے لیوس (Lewis) کے مطابق:

''معاشی ترقی کسی ملک کی فی کس پیداوار میں اضافہ ہے۔''

پروفیسر بی ہگنز (B.Higgins) کی رو سے:

''معاشی ترقی مجموعی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ کہلاتا ہے۔''

اکثر معیشت دان دو مصنفین کی اس تعریف کو جامع مانتے ہیں:

''معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے جس کے دوران کسی معیشت کی حقیقی قومی آمدنی طویل عرصہ میں بڑھتی ہے اور اگر اس کی شرح میں اضافہ ملکی آبادی کی شرح افزائش سے زائد تر ہو تو حقیقی فی کس آمدنی بھی بڑھ جائے گی۔''(۱)

اسلام اور ترقی (Islam and Development):

آج کل مغربی ملکوں کے ایوانوں (Houses) اور عالمی اداروں کے میدانوں (Fields) سے ترقی کی جو صدائے بازگشت سنائی جارہی ہے اسے اسلام نے کئی صدیاں قبل روشناس کرا ڈالا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمان اسے آگے نہ بڑھا سکے۔ موجودہ ترقیاتی نظریہ نہ تو اس کا پاسنگ ہے اور نہ ہی اس سے ہم آہنگ ہے۔ کیونکہ اس کا سارا زور فقط کمیتی یعنی مقداری (Quantitative) پہلو پر ہے اور معیاری یا کیفیتی یعنی صفاتی اور وصفی (Qualitative) پہلو سے کلیتاً (Exclusively) اغماض برتا گیا ہے۔

اسلامی تصور ترقی وسیع وعریض ہے کیونکہ یہ کثیر الطرفی (Multi-Dimensional) یا ہمہ جہتی عنصر اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں وبرکتوں کا ظہور ہوتا ہے تو جمہور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کثرت دولت سے راحت ومسرت اور طمانیت وعزت ملتی ہے۔ غربت ومسکنت کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ کسی قسم کی ذلت وذلت اور اذیت و قنوطیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سراسیمگی وپریشانی مٹ جاتی ہے۔ جائز مرادیں پوری ہوتی ہیں' امیدیں بر آتی ہیں' آگے بڑھنے کی سکت آتی ہے' غیروں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمت وصلاحیت عود کر آتی ہے۔ سر اطاعت وعبادت میں جھکتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ قدرتی' انسانی و مصنوعی وسائل کا بھرپور (Optimal) استعمال ہونے لگتا ہے۔ زندگانی کے سارے شعبوں میں پیوستگی و پختگی آتی ہے۔ نیز ان میں معاونت و موافقت کی حالت پیدا ہوتی ہے اور اسی سے رفعت و منزلت اور بالیدگی و آسودگی ملتی ہے۔

اسلامی اصطلاح ''فلاح'' کا قطعاً کوئی نعم البدل ہی نہیں ہے حتیٰ کہ بلند ترین خوشحالی و انتہائی شادمانی بھی اس کا ہمسر نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کا بڑا مطلوب دونوں جہانوں کا باہمی اشتراک ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' جلد 3 میں توضیح (Illustration) یوں کی ہے۔ سورۃ المومنون 23 کی آیات 1 ,10 اور 11 کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے: ''فلاح کے معنی ہیں کامیابی و خوشحالی۔ یہ لفظ خسران کی ضد ہے جو ٹوٹے اور گھاٹے اور نامرادی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ افلح الرجل کے معنی ہیں فلاں شخص کامیاب ہوا' اپنی مراد کو پہنچا' آسودہ و خوشحال ہو گیا' اس کی کوشش بارآور ہوئی' اس کی حالت اچھی ہو گئی۔

تعلیمات اسلامیہ کے گہرے مطالعہ سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلام اگرچہ معاشی ترقی کا قطعاً مخالف نہیں ہے تاہم وحی ربانی کی راہنمائی میں عمل پیرا ہونے سے معاشی خوشحالی کے دریچے کھل جاتے ہیں۔ اقتصادیات پر افکار کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور تخیلات مادی قواعد کی بجائے ذہنی قوانین کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں اور ان میں سے ایک بڑا بنیادی اصول یہ ہے کہ اخلاقیات' ایمانیات اور اعتقادات کے جلو میں جو پیش رفت ہو گی اسی کو ''فلاح'' سے موسوم کرتے ہیں۔ جس کو صلاح (Goodness)' اصلاح (Reformation)' رفاہ اور پناہ کے زینہ (Ladder) پر استوار کیا جا سکتا ہے اور یہی دائمی (Perpetual) کامگاری' مستقل سرفرازی اور حقیقی خوش نصیبی ہے۔

اسلام میں ترقی کی منزل سرخروئی' بہبود اور مفاد عامہ ہے۔ فقط اشیاء و خدمات کی پیداوار میں اضافہ مطلوب نہیں بلکہ ان کی عادلانہ تقسیم مقصود اعلیٰ ٹھہرتا ہے۔ دنیا میں پائی جانے والی کثرت و قلت کا علاج سوچا جاتا ہے۔ ترقی کے ثمرات معاشرے کے سب طبقات تک پہنچنے ضروری ہیں اور اسلام اسی کا داعی ہے۔

سمیع اللہ قریشی کے مطابق:

> ''تاکہ انسان کا غلط افتادہ معاشی رویہ اسے آخری نعمتوں سے محروم کر دینے کا باعث نہ بن سکے جو معاشی ترقی کا اصل مفہوم اور منتہا ہے۔'' (۲)

قرآن اور ترقی (Quran and Development):

قرآن مقدس الہامی کتاب (Divine-Book) ہے جس میں ترقی کے بارے میں براہ راست یا بالواسطہ آیات روشنی ڈالتی ہیں۔ انعامات و اکرامات کی نوید سعید سنائی گئی ہے۔ حسب ذیل آیات سے استدلال کیا جاتا ہے:

﴿وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾ (النحل:53)

''اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں سب خدا کی طرف سے ہیں۔ پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے چلاتے ہو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ (الحج:23)

''جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے خدا ان کو بہشتوں میں داخل کریگا جن کے تلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی..... اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا"۔

﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ (الزمر:20)

"لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لئے اونچے اونچے محل ہیں جن کے اوپر بالاخانے بنے ہوئے ہیں (اور) انکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ (یہ) خدا کا وعدہ ہے۔ خدا وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

احادیث نبویہ ﷺ:

یہ احادیث روشنی ڈالتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة]

"حلال کمائی کی جستجو فرض (نماز) کے بعد فرض ہے۔" (۳)

آپ ﷺ نے فرمایا:

[ان الله يحب المؤمن المحترف]

"اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے محبت کرتا ہے جو محنت کر کے روزی کماتا ہے۔" (۴)

آپؐ نے فرمایا:

"بہترین کمائی مزدوری کی کمائی ہے بشرطیکہ اپنے مالک کا کام خیر خواہی اور خلوص سے انجام دے۔" (۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دست سوال دراز کرنے اور دوسروں کا دست نگر بن کر زندگی گزارنے کو ناپسند فرماتے تھے اور محنت و مزدوری کی ترغیب فرماتے تھے۔ ایک حدیث کے مطابق:

"ایک مرتبہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور صدقہ کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے صدقہ دینے کی بجائے اس کی چادر نیلام کی اور اسے کلہاڑا خریدنے کا حکم دیا اور اپنے دست مبارک سے اس کلہاڑے میں دستہ لگایا اور اس شخص کو حکم دیا کہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرے۔ اس طرح اس شخص کو صدقہ پر گزارا کرنے کے بجائے محنت کی کمائی حاصل کرنے کی ترغیب دی۔"

فقہاء کرام کی آراء:

خلافت راشدہ کے دور میں کئی ترقیاتی پروگرام وضع کئے گئے اور ان پر عمل درآمد کیا گیا' نئے شہر بسائے گئے' سڑکیں اور نہریں بنوائی گئیں' لوگوں کی مالی اعانت کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے مطابق:

"حضرت عمرؓ ملک کو خوشحال رکھنے اور ترقی دینے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپؓ نے والئی مصر عمرو بن العاصؓ کو لکھا تھا کہ مقوقس سے دریافت کریں کہ مصر کی خوشحالی اور بربادی کا انحصار کن عوامل پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ آپ نے ان کو ایسی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کی تھی جن سے مصر کی خوشحالی میں اضافہ ہو' ایک زرعی معیشت میں سب سے زیادہ اہمیت آب پاشی کے لئے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہے۔ تجارت کے فروغ کے لئے سڑکوں اور پلوں اور بہترین ذرائع نقل وحمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن الحکیم نے لکھا ہے کہ مصر میں نہروں کی کھدائی' سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور دوسرے تعمیراتی کاموں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مزدور لگائے گئے تھے جو کدال اور پھاوڑے وغیرہ آلات کی مدد سے کام کرتے تھے۔ جاڑے اور گرمی ہر موسم میں یہ کام جاری رہتا تھا۔ مزدوروں کی اس تعداد سے تعمیری سرگرمیوں کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مصر اس وقت کی وسیع اسلامی مملکت کا صرف ایک صوبہ تھا۔'' (۶)

معاشی ترقی کی پیائش کا کوئی بھی پیمانہ اپنایا جائے نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے یا نہیں ہے البتہ خاصی احتیاط درکار ہوتی ہے۔

ترقی کا مرکز انسان ہے جس کا مطلب ہے انسان کی مادی' معاشرتی اور ثقافتی ترقی اور جس طرح سرمایہ' محنت' تعلیم' عبادت اور تنظیم وغیرہ اہم پالیسی ہے اسی طرح انسانی طرز عمل' تحرک اور ترقیاتی پالیسی میں عام مادی ترقیاتی پالیسی سے زیادہ پھیلاؤ ہے کیونکہ پالیسی کے متغیرات بڑھ گئے ہیں اور پالیسی کی منزل بھی اب صرف دنیا کی بہتری نہیں بلکہ آخرت کی بھلائی بھی ہے۔ اسی طرح اسلام نشوونما کے ہر مرحلے پر لوگوں کی شرکت پر زور دیتا ہے۔

اسلام کا نظریہ ترقی ایک جامع تصور ہے اور اس کا مقصد ہمہ پہلو ترقی ہے یعنی اخلاقی' روحانی اور مادی ترقی اور اس کا مقصد دنیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ آخرت میں سرخروئی بھی ہے اور تصور آخرت اسلام کا ایک بے مثال نظریہ ہے جو کسی اور معاشی نظام میں نہیں پایا جاتا۔

اسلام کی ترقیاتی پالیسی کے مقاصد:

(Goals of Islamic Development Policy)

اسلام کی ترقیاتی پالیسی کی ترجیحات یا خصوصیات یہ ہیں:

ا۔ انسانی عامل کی افزائش:

۱۔ صحیح سوچ اور مثبت رویے۔
۲۔ تعمیر شخصیت وتشکیل سیرت۔
۳۔ علم وتحقیق میں پیش رفت اور مہارت تامہ حاصل کرنا۔

اسلام میں سب سے پہلے انسان کے انداز فکر پر توجہ دی جاتی ہے اور پھر اس کی ورزش کے بعد اس کے کردار اور شخصیت کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جاتا ہے اور اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگایا جاتا ہے۔ شخصیت کی ترقی کے لئے آزادی ضروری ہے۔ آزادی رائے' سیاسی آزادی' معاشی آزادی' بنیادی حقوق وغیرہ اور پھر ان لوگوں میں سے ہنرمند لوگ پیدا کئے جائیں یعنی اسلامی پالیسی کا مقصد سیرت ہی کی اصلاح نہیں بلکہ لوگوں میں مختلف مہارتیں پیدا کرنا بھی مقصد ہے اور ان دونوں باتوں کے ملنے سے ہی اسلام کی معاشی ترقیاتی پالیسی کے مطابق انسانی ترقی ممکن ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں لوگوں کو اسلام کی اصل روح سے روشناس کروانا ہی شامل ہے جس سے ان کے رویوں میں مثبت تبدیلی ہوگی اور باہمی تعلقات تعاون کی بنیاد پر استوار ہوں گے اور ایسے کردار والے لوگوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ قربانی اور پوری جدوجہد کے ذریعے ملک وقوم کی ترقی کے لئے کام کریں۔

۲۔ پیداوار میں اضافہ (Increase in Output):

عام ترقیاتی پالیسیوں کی طرح اسلام کی ترقیاتی پالیسی کا مقصد صرف یہ نہیں کہ اشیاء کی مقدار بڑھے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ایسی اشیاء کی پیداوار زیادہ ہو جو اسلام کی اقدار کے مطابق ہوں اور معاشرے کے لوگوں کے لئے مفید ہوں یا عام انسانی تجربے نے جن کو فائدہ مند قرار دیا ہو اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ ایسی اشیاء جو بنیادی ضروریات میں شامل ہیں ان کو پیدا کیا جائے اور ان بنیادی اشیائے سرمایہ میں بھی خود کفالت حاصل کی جائے جو ان ضروریات کی پیداوار کے لئے ضروری ہیں اور ایسی اشیاء جو اسلام میں حرام ہیں یا معاشرے کیلئے مہلک ہیں' ان کی پیداوار نہ صرف منع ہے بلکہ حکومت کا فرض ہے کہ اسے بزور طاقت روک دے اور اس کے علاوہ دفاعی ضروریات پوری کرنا تو اسلام میں فرض قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ معیار زندگی میں بہتری لانا (Inprovement in Living Standard):

۱۔ سماجی محافظت (Social Security)

۲۔ معاشی عدل (Economic Justice)

ایک ایسا معاشرتی تحفظ کا نظام قائم کیا جائے جس میں ان لوگوں کو جو محروم ہیں کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کا یقین دلایا جائے۔ زکوٰۃ اس کام کے لئے بہت اہم ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم عادلانہ ہو اور کم آمدنی والے لوگوں کی آمدنی کو بڑھانے کی طرف خاص توجہ دی جائے اور دولت اور طاقت کا اس طرح پھیلاؤ ہو کہ ہر کوئی اس سے مستفید ہو اور آمدنیوں کے درمیان فرق کو کم کرنے کے لئے Tax کو قائم کیا جائے اور سب سے اہم بات یہ کہ روزگار کے مواقع پیدا کئے جائیں جس سے بے روزگار افراد بھی اپنی روزی کما سکیں۔

۴۔ متوازن ترقی (Balanced Development):

اسلام کی ترقیاتی حکمت عملی کا ایک بڑا مقصد متوازن ترقی ہے۔ ہمارے ملک کے مختلف علاقوں کو برابر اہمیت دے کر مساوی ترقی دی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے اور معیشت کے مختلف شعبوں کو بھی متوازن ترقی کی راہ پر گامزن کیا جائے۔ تمام شعبوں کی ترقی اسلام کی ایک اعلیٰ قدر ''عدل'' کا تقاضا ہے اور اس کے بغیر ترقی بھی ممکن نہیں۔ اسی طرح عدم مرکزیت (Decentralization) اور سب شعبوں کی ترقی انصاف کا تقاضا ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقی ترقی کے لئے ضروری بھی ہے اور اس کے لئے نئے فنون (Techniques) استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

۵۔ نئی ٹیکنالوجی (New Technology):

اسلام حالات اور ضروریات کے مطابق نئی ترقی پر زور دیتا ہے اور اس کا ایک بنیادی مقصد بیرونی امداد کے منحوس چکر سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اسلام صرف یہی تقاضا نہیں کرتا کہ خود فنی میدان میں اپنی ضروریات کے مطابق ترقی کی جائے بلکہ اس بات کا متقاضی ہے کہ فنی میدان میں اس قدر مہارت حاصل کی جائے (تحقیق کے ذریعے) کہ اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروریات کے علاوہ دوسروں کو بھی اسلامی ریاست کا دست نگر ہونا پڑے۔

۶۔ مسلم ممالک میں باہمی ربط:

یہ مسلمانوں کی اللہ کے نائب کی حیثیت سے ڈیوٹی ہے کہ وہ غیر مسلم قوموں کے دست نگر نہ ہوں بلکہ آزاد خودمختار زندگی بسر کریں۔ معاشی آزادی' عزت نفس' آہستہ آہستہ طاقت کا حصول' دفاع' امن کا قیام وغیرہ یہ تمام مقاصد اسلام کی ترقیاتی پالیسی کی جڑ ہیں۔

اس مسلک کا مقصد نہ صرف یہ ہے کہ بیرونی دنیا پر انحصار کم ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک کو اس بات کی بھی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر انحصار کریں اور اپنے ذرائع کو باہم مل کر استعمال کرنے کے لئے جامع منصوبہ بندی سے کام لیں تاکہ اتحاد وتعاون کی طاقت بڑھے۔

۷۔ روزگار کے مواقع فراہم کرنا (Providing Employment Opportunities):

تاہم صرف معیار زندگی میں اضافہ کرنا ترقی کا مقصد نہیں۔ سیاسی' معاشرتی اور معاشی وجوہات کی بناء پر جدید ترقی یافتہ معاشرے مناسب روزگار کے مواقع بڑھنے کا منصوبہ (Plan) بناتے ہیں۔ وہ معاشرے (Socities) جہاں آبادی بڑھنے کی شرح میسر ہوتی ہے' وہاں جمعیت محنت (Labour Force) کے بڑھنے کا تناسب بھی بلند ہوتا ہے خاص طور پر ان ممالک میں جہاں پر بے روزگاری کے فوائد (Unemployment Benefits) حاصل نہیں ہوتے وہاں روزگار کے ان مقاصد کو حاصل کرنا خاصا دشوار ہوتا ہے لہٰذا روزگار کے مواقع کا بالیدگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ یہ سب کے لئے یکساں ہوں۔

۸۔ قومی آمدنی کی تقسیم کو بہتر کرنا (Having a Better Income Distribution);

اکثر جدید معاشروں میں نمو کا مقصد فوائد (قومی آمدن) کی زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر تقسیم کاری ہے۔ کسی بھی ملک میں فوائد کو آبادی کے غریب طبقہ تک بڑھانا زیادہ آسان ہے بانسبت کے اس کو جمودی (Stagnating) رکھا جائے۔ لہٰذا ترقی کا مقصد قومی آمدن کی بہتر تقسیم کر کے لوگوں کے معیار زندگی میں اضافہ کرنا ہے۔

۹۔ ہمہ جہت ترقی (All-Round Growth):

اسلام میں ترقیاتی تصور اخلاقی' روحانی' تعلیمی' معاشی' سیاسی' تمدنی اور سائنسی پہلوؤں کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان کو آگے بڑھانے اور جلا دینے کی پوری تگ ودو کرتا ہے نیز ان میں ہم آہنگی اور ربط استوار کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ جذبہ حب الوطنی ابھارنا (Invigorating Sense of Patriotism):

بدقسمتی سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں اتنی ترقی کرنے کے باوجود بھی ہم اپنے آپ کو قومی لحاظ سے منظم کرنے کے قابل نہیں ہوئے۔ بین الاقوامی دشمنی اور حسد یا مقابلے کی وجہ سے قومی تسکین میں کمی ہے۔ لہٰذا ترقی کا مقصد قومی خود پرستی کا اطمینان ہونا چاہئے۔

چونکہ پوری دنیا تمام تعلیم' ذرائع آمدورفت اور رسل ورسائل خاص طور پر ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکی ہے لہٰذا خود پرستی کو ختم کرنے کی خواہش کو مصمم ارادے سے روکنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی قوم میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ چیز پیدا ہو جائے تو کسی بھی شعبے میں پیچھے نہیں رہ سکتی۔

۱۱۔افراط زر کے خلاف لڑنا(Fighting Against Inflation):

ترقی کا ایک اور اہم مقصد افراط زر کو روکنا یا اس کا علاج کرنا ہے۔افراط زر کی صورت حال کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ اشیاء وخدمات کی مقدار میں اضافہ کیا جائے۔اس کے علاوہ ایک اور طریقہ کار یہ ہے کہ خام قومی پیداوار (GNP) میں اضافہ کیا جائے۔

۱۲۔تبلیغ واشاعت اسلام(Propagation & Publicity of Islam):

سارے افراد معاشرہ کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ نیکی کی تلقین کی جائے اور برائی سے روکا جائے۔خوشحالی وفارغ البالی آنے سے یہ فریضہ بھی سرانجام دینا اشد ضروری ہے کہ اسلام کی بہتر تصویر دیگر اقوام کے سامنے رکھی جائے اور اپنے قول وفعل میں ہم آہنگی لائی جائے۔مظلوم ومجبور اور مفلوک الحال کی داد رسی کی جائے۔

۱۳۔افزائش کا ولولہ پیدا کرنا:

ایک بڑا مقصد یہ بھی قرار پاتا ہے کہ لوگوں میں تگ ودو کرنے' آگے بڑھنے' مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔جب تک کسی معاشرے میں ترقی کرنے کی آرزو نہ پائی جائے وہ منزل کو حاصل نہیں کر سکتا۔اس کے لئے ریاست میدان ہموار کرے اور آخر کار غربت کا خاتمہ کرنا ہے۔

۱۴۔فرد کی قدر ومنزلت کا بڑھانا:

معاشی ترقی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں فرد کی قدر ومنزلت کا معیار کیا ہے؟ کیا ایک فرد کی عزت و تکریم اس کے حسب ونسب' رنگ وخون یا مال ودولت کے حوالے سے کی جاتی ہے یا اسے اس لئے قابل قدر سمجھا جاتا ہے کہ وہ معاشرہ کی جانب سے تفویض کردہ ذمہ داریوں کو انجام دینے کی زیادہ عملی اہلیت رکھتا ہے؟ قدر ومنزلت کا پہلا معیار اختصاصی نوعیت کا حامل ہے اور ترقیاتی قوتوں کی عمل پذیری کی راہ میں مزاحمت پیدا کرتا ہے جبکہ دوسرا معیار فضیلت اپنے اندر آفاقیت رکھتا ہے اور فرد کی پیداواری قوتوں اور عملی صلاحیتوں کو حرکت میں لاتا ہے اور اس طرح معاشی ترقی کے لئے ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ میں قدر ومنزلت کا معیار حسب ونسب' مال ودولت یا قبیلہ ونسل نہیں ہے بلکہ واحد معیار فضیلت ایمان اور عمل صالح ہے۔قرآن حکیم تقویٰ کی جامع اصطلاح سے موسوم کرتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

''اللہ کے نزدیک تم میں بزرگ ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہو۔''(الحجرات:13)

اور سرور کائنات کا ارشاد ہے:

''اللہ قیامت کے روز تمہارا حسب نسب نہیں پوچھے گا اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ معاشی عمل کی حوصلہ افزائی (Encouragement of Economic Process):

چنانچہ اسلام فرد کو اس کی عملی سیرت و شخصیت کے اعتبار سے واجب الاحترام اور قابل قدر ٹھہراتا ہے۔ نبی کریمؐ فرماتے ہیں:

''اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا۔ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔''

اس طرح ایک اسلامی معاشرہ میں ہر فرد سرا پا عمل ہوتا ہے اور اس کی عملی صلاحیتوں کا اظہار انسانی زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح اس کے معاشی شعبہ میں بھی ہوتا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی فرد بغیر کسی عذر کے معاشی تگ و دو سے کنارہ کش ہو جائے اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھا رہے اور اس طرح معاشرہ پر ایک معاشی بوجھ بن جائے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا: ''اللہ اس بندۂ مومن کو عزیز رکھتا ہے جو کسی پیشہ کے ذریعے سے اپنی روزی کماتا ہے۔'' چنانچہ اسلام فرد کی معاشی سعی و عمل کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ معاشی طور پر بھی فعال ہو جاتا ہے تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو ادا کر سکے جو اسلامی معاشرہ نے انسانی زندگی کے معاشی شعبہ میں اسے تفویض کر رکھی ہیں۔ اس طرح وہ اپنی پوری قوتوں کو بروئے کار لا کر معاشی پیداوار میں اضافہ کرتا ہے جس سے رفتار ترقی تیز ہو جاتی ہے۔

۱۶۔ فرد و معاشرہ میں تعلق (Connection Between Undividual & Society):

اسلام کی ترقیاتی حکمت عملی کا ایک عظیم مقصد یہ بھی ہے کہ سوسائٹی کے مختلف افراد و طبقات کے مابین گہرا تعلق استوار ہو۔ باہمی آویزش نہیں ہونی چاہئے۔ محبت و یگانگت، معاونت و شفقت موجود ہو۔ نیز نفرت و حقارت کے جذبات ماند پڑ جائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے مطابق:

''معاشی زندگانی باہمی تعاون و اشتراک کے بغیر ناممکن ہے۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ نے اسے واجب ٹھہرایا ہے۔''

قرآن میں ہے:

''اے ایمان والو..... اور تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور الگ الگ نہ رہو۔'' (سورۃ العمران: 102-103)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی منصوبہ بندی (Economic Planning)

جدید دور میں منصوبہ بندی کو کلیدی حیثیت مل چکی ہے کیونکہ اکثر ممالک ترقی کے مدارج (Stages) حاصل کرنے کی خاطر منصوبہ کاری کرتے ہیں تاکہ معینہ مقاصد پورے کئے جاسکیں۔

تعریف (Definition):

ایک اہم سوال ابھرتا ہے کہ معاشی منصوبہ بندی کیا ہوتی ہے؟ اس کا مفہوم یا معنی کیا ہے؟ یا کسے کہتے ہیں؟ اس کی چند بڑی بڑی تعریفیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ پروفیسر ایل رابنز کے مطابق:

''بامقصد منصوبہ بنانا اور چناؤ معاشی سرگرمی کا نچوڑ (Essence) ہے اور یہ کہ نجی شعبہ کی پیداواری اور شرح تبادلہ کی کاوشوں کو سرکاری ضبط کے تحت کرنا ہے۔''

۲۔ ٹی یوڈکنسن لکھتے ہیں:

''اس سے مراد کسی ملک کی ذمہ دار اتھارٹی کے ایسے اہم فیصلے ہیں جن میں دیکھا جاتا ہے کہ کون سی اشیاء اور کتنی مقدار میں اور کن کے لئے پیدا کی جائیں نیز کہاں اور کس طرح تیار ہوں نیز یہ بڑے فیصلے پورے معاشی نظام کا مکمل جائزہ لے کر کئے جاتے ہیں۔''

۳۔ ڈاکٹر ایچ ڈالٹن کی رو سے:

''وسیع تر معنوں میں معاشی منصوبہ بندی سے مراد با اختیار افراد کے سوچے سمجھے فیصلے ہوتے ہیں تاکہ منتخب مقاصد حاصل ہوسکیں۔''

۴۔ منصوبہ بند معیشت ایک ایسی تنظیم ہے جس میں افراد فرمیں صنعتیں ایک ہی نظام کی اکائیاں ہوتی ہیں تاکہ خاص عرصہ میں میسر وسائل کو استعمال میں لاکر لوگوں کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔(۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلام میں معاشی منصوبہ بندی

(Economic Planning in Islam)

ایک اہم سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسلام میں منصوبہ کاری کی صورتحال کیا ہے؟ اور یہ کہ اسلام اس کا قائل بھی ہے یا نہیں ہے؟ اسلام کامل دین ہے اور منصوبہ بندی کی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں جیسا کہ روزانہ پنجگانہ نماز پڑھنا' ماہ رمضان کے روزے رکھنا' زکوٰۃ ادا کرنا' قلیل عرصہ یا سالانہ منصوبہ بندی کے مترادف ہے۔ ہر سال 15 ویں شعبان کو گزشتہ برس کے اعداد و شمار کی جانچ پڑتال اور آئندہ سال کی سکیم وضع کرنا بجٹ سازی کے ہم معنیہے۔ گویا شب برات کی فضیلت میزانیہ الٰہیہ کی علامت ہے۔

اسی طرح ساری زندگی میں ایک بار صاحب مال کا حج کرنا لمبی مدت کی منصوبہ بندی ہے۔ قرآن مقدس میں کم سے کم دو دن اور زیادہ سے زیادہ کئی سالوں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات' جمادات' حشرات الارض کے علاوہ انسان سمیت اور بہت سی مخلوقات کی سوچی سمجھی سکیم کے تحت تخلیق کی۔ پھر قیامت کا ذکر بھی کیا گیا۔ گویا کائنات کی بناوٹ و سجاوٹ ایک بہت بڑا کرشمہ قدرت ہے۔ ارض و سماء میں موجود اشیاء کو انسان کے تابع کرنا اور رشد و ہدایت کی خاطر انبیاء کرام کو مبعوث کرنا مخصوص منصوبہ نہیں تو اور کیا ہے؟ آیات قرآنیہ سے مترشح (Illustrate) ہوتا ہے کہ ذی شعور افراد کے لئے کئی نشانیاں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے رب ذوالجلال نے صراط مستقیم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ آنکھیں کھولنے سے منزل مقصود بھی قریب آسکتی ہے۔

دراصل منصوبہ بندی دانشمندی و دور اندیشی کی واضح تصویر ہے جو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

قرآن سے استدلال:

آئندہ چند صفحات میں قرآنی آیات ملاحظہ کریں:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ (انبیاء:30-33)

''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا (یہ) سب (یعنی سورج اور چاند اور ستارے) آسمان میں اس طرح چلتے ہیں گویا تیر رہے ہیں۔''

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِیْنَ﴾ (مومنون:17)

''اور ہم نے تمہارے اوپر (کی جانب) سات آسمان پیدا کئے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں۔''

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ (لقمان:29)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو (تمہارے) زیر فرمان کر رکھا ہے۔ ہر ایک ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے اور یہ کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (السجدہ:5-4)

''خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ اس کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سفارش کرنے والا۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ پھر وہ ایک روز جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی۔ اس کی طرف صعود (اور رجوع) کرے گا۔''

لفظ ''حکمت'' کو منصوبہ بندی کا مترادف گردانا جا سکتا ہے۔ قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر اس کی تصریحات و توجیہات پر روشنی پڑتی ہے۔ پکتھال نے اس طرح ترجمہ کیا ہے:

﴿یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (البقرہ:269)(۸)

''.....وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملے بیشک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔''

''.....جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔''(۹)

''امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ لفظ حکمت جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جائے تو معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل مراد ہوتا ہے۔''

ان آیات سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ اسلام میں منصوبہ بندی کا کیا مقام اور کردار ہے؟ نیز ان اعداد کو تمثیلی اور علامتی (Symbolically) کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جن سے قلیل عرصہ، درمیانی مدت اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کا جواز (Justification) ثابت ہوتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے جو کچھ بنایا ہے اس میں نہ تو کوئی سقم (Flaw) ہے اور نہ ہی کوئی خلاء یا رخنہ (Gap) پایا جاتا ہے۔ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی اموات مختلف اوقات میں واقع ہوتی ہیں۔ یہ بھی قدرت کاملہ کی منصوبہ سازی ہے۔ جو میقات (Term) کی پختہ دلیل ہے۔

پیدائش، صرف، تقسیم اور تبادلہ میں بھی منصوبہ بندی کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تمام قسم کے وسائل کا استعمال ایک طریقہ (Method) اور سلیقہ کے مطابق کیا جائے تاکہ ضیاع (Wastage) نہ ہونے پائے اور مستقبل میں بڑھنے والی احتیاجات کی تکمیل آسانی سے ہو سکے۔ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ترجیحات قومی ضروریات سے مطابقت رکھتی ہوں۔ اسلام منصوبہ بندی کی ساری اقسام کو قبول کرتا ہے بشرطیکہ وہ بنیادی اعتقادات اور اخلاقیات کے منافی نہ ہوں۔ تاہم ترغیبی (Induced)، ہدایتی (Directed) اور جبری (Forced) پر زیادہ زور دیتا ہے۔ درست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہداف (Targets) کا تعین کر کے ان کے حصول کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ نجی و سرکاری شعبے ساتھ ساتھ چلتے ہیں البتہ ریاست پوری طرح راہنمائی کرتی ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔ ممنوعہ اشیاء کی خرید و فروخت کلیتاً بند ہوتی ہے۔ اندرونی و بیرونی مالیاتی ذرائع سے خوب فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ منصوبہ کی تشکیل (Formation)' تعمیل (Execution) اور تکمیل و جائزہ (Evaluation) کے لئے اسلامی تعلیمات سامنے رکھی جاتی ہیں۔ افراط و تفریط سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ ہر کام میں میانہ روی اختیار کی جاتی ہے۔

کردار و جواز (Role and Justification):

پہلے پہل تو نظام سرمایہ داری کے حامل ملکوں نے منصوبہ بندی کو پسند نہ کیا' مگر 1930ء کی عالمی کساد بازاری اور جے ایم کینز (Keynes) کے نظریات کی قبولیت کے بعد منصوبہ بندی کی ضرورت واقع ہونے لگی اور منڈی کی ناکامیات پر بھی قابو پانے کے لئے اس پر زور دیا جانے لگا۔

مشہور ماہر معاشیات John Kenneth نے معاشی منصوبہ بندی کی افادیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

> ''گھریلو معیشت متعدد فرائض سرانجام دے سکتی ہے' مگر وہ بڑے بڑے فیصلے نہیں کر سکتی' یعنی نہ تو وہ کسی شخص کو چاند پر بھیج سکتی ہے اور نہ ہی کوئی فولاد کا کارخانہ قائم کر سکتی ہے۔ بغیر منصوبہ بندی کے تو معیشت ایسے ہی ہے جیسے کہ جہاز کے پاس نہ تو پتوار ہو' نہ قطب نما اور منزل اور ایسے ہی کھلے سمندر میں چھوڑ دیا جائے۔''

معاشی منصوبہ بندی کے فوائد

اس کے فوائد درج ذیل ہیں' انہی سے افادیت و اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔ اسلام کی رو سے بھی یہی روشن پہلو ٹھہرتے ہیں۔

۱۔ بے روزگاری کا خاتمہ:

منصوبہ بندی کے ذریعے ہم بے روزگاری کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کینز کے مطابق سرمایہ کاری کرنے والے لوگ نجی طور پر متفق نہیں ہو سکتے اور وہ اپنے منافع کے لئے بھی ایسا کر سکتے ہیں' اس لئے حکومت کی مداخلت ضروری ہے اور مجموعی طور پر بے روزگاری کا خاتمہ کرنے کے لئے منصوبہ بندی اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ پس معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے ہم بے روزگاری کو ختم کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

۲۔ بچت اور سرمایہ کاری میں اضافہ (Increase in Saving & Investment):

منصوبہ بندی کے ذریعے ہم نہ صرف روزگار کے مواقع بڑھا سکتے ہیں بلکہ بچت اور سرمایہ کاری کو بھی فروغ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ کسی ملک کی معیشت اسی وقت متوازن ہوتی ہے جب بچتیں' سرمایہ کاری آپس میں برابر ہوں یعنی I=S۔ پس حکومت منافع بخش پراجیکٹوں میں سرمایہ کاری کر کے نہ صرف روزگار کے مواقع فراہم کر سکتی ہے بلکہ بچتوں کو بھی فروغ دے سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۳۔معاشی ترقی(Economic Development):

غریب ممالک میں چونکہ وسائل کم ہیں' اس لئے وہاں ترقی کے مواقع بھی قلیل ہوتے ہیں۔حکومت کو چاہئے کہ مختلف ذرائع کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرکے اور بہتر وسائل کے ذریعے ملک میں معاشی ترقی کی کوشش کرے اور اس کے لئے بھی منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔آمدنی اور دولت کی تقسیم(Distribution of Income & Wealth):

معاشی منصوبہ بندی کی ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ لوگوں کے درمیان آمدنی اور دولت کی تقسیم کو منصفانہ بنایا جاسکے۔کیونکہ عام حالات میں تو امیر لوگ مختلف ذرائع سے امیر تر ہوتے جاتے ہیں اور غریبی اور امیری کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔اس لئے حکومت منصوبہ بندی کے ذریعے ایسے اقدامات کرتی ہے جن سے اس فرق کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۵۔اجارہ داریوں پر کنٹرول:

یہ کہنا کہ معیشت میں مکمل مقابلہ پایا جاتا ہے' یہ بات تو اب خواب کی صورت ہوگئی ہے کیونکہ لوگ جو کہ منڈی میں موجود ہوتے ہیں' اپنی اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں۔اس لئے سرکار کی مداخلت ضروری ہو جاتی ہے تاکہ وہ اپنی مرضی سے قیمتیں مقرر نہ کریں اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی وغیرہ کریں۔معاشی منصوبہ بندی کا یہ ایک اہم کام ہے۔

۶۔ذرائع کا بہتر استعمال:

معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے ہم وہ وسائل جو بے کار پڑے ہوتے ہیں ان کا استعمال زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔کیونکہ تمام ذرائع تو ہم لوگ استعمال میں نہیں لا سکتے اس لئے حکومت زیادہ سے زیادہ بہتر استعمال کرکے لوگوں کی فلاح وبہبود پر خرچ کر سکتی ہے اور ایسا منصوبہ بندی سے ہی ممکن ہے۔

۷۔بڑے بڑے پروجیکٹس:

کئی افراد سرمایہ کاری تو کرتے ہیں مگر وہاں جہاں انہیں اپنا منافع زیادہ سے زیادہ نظر آئے اور ایسے پراجیکٹس جو طویل عرصے کے لئے ہوں یا بڑے بڑے تو وہ ایسے کاموں میں ہاتھ نہیں ڈالتے اور حکومت کی دخل اندازی ضروری ہو جاتی ہے' وہ ایسے تمام پروجیکٹس کو منصوبہ بندی کے ذریعے مکمل کرتی ہے تاکہ ملک میں ترقی کے امکانات واضح ہو سکیں۔

۸۔معاشی استحکام(Economic Stability):

معیشت کے استحکام کے لئے بھی ضروری ہے کہ منصوبہ بندی کی جائے تاکہ ہماری ملکی معیشت میں اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں' زیادہ سے زیادہ ترقی کرکے مستحکم رہے اور ایسا معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

۹۔موزوں فیصلے(Suitable Decisions):

ریاستی فیصلے عام شہریوں کے فیصلوں کی نسبت زیادہ اہم ہوتے ہیں۔عام شہری بڑے بڑے فیصلے نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کو اتنے اختیار دیئے جاتے ہیں۔یہ تو حکومت کی مداخلت اور منصوبہ بندی سے ہی کئے جاتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ آبادی پر قابو پانا (To Control Population):

چونکہ ہماری معیشت ابھی اتنی مضبوط نہیں ہوئی' اس لئے ہمیں اپنی آبادی پر کنٹرول بھی کرنا چاہئے کیونکہ ترقی پذیر ممالک کے وسائل کم اور مسائل زیادہ ہوتے ہیں' اس لئے آبادی کو کنٹرول کرنا چاہئے اور ایسا تبھی ممکن ہے جب حکومت مختلف منصوبہ بندی کے طریقے واضح کرے تاکہ بھرپور ترقی کا راستہ نظر آسکے۔

۱۱۔ بیرونی تجارت (Foreign Trade):

ترقی پذیر ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیرونی تجارت کسی منصوبہ بندی سے کریں کیونکہ زیادہ اشیاء درآمد کریں گے تو ملکی معیشت نہیں سنورے گی۔ اس لئے حکومت ایسی چیزیں درآمد کرتی ہے جن کی ضرورت ہو اور کوشش کرتی ہے کہ مختلف منصوبوں کے ذریعے بیرونی تجارت کو فروغ دے اور برآمدات میں اضافہ کرے۔ توازن حسابات کو درست بنانے کے لئے اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔

۱۲۔ بیرونی امداد پر انحصار کم کرنا:

ترقی پذیر ممالک غیر ملکی امداد پر زیادہ نظر رکھتے ہیں' گورنمنٹ کو چاہئے کہ ایسے منصوبے بنائے جن سے غیر ملکی امداد پر انحصار کم سے کم ہو اور لوگ اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونے کو ترجیح دیں۔

۱۳۔ مستقبل کا سامان:

حکومت کو چاہئے کہ ایسے منصوبے بنائے جن میں مستقبل کا کام بھی کیا گیا ہو یعنی اگر جنگ ہو جائے تو بعد میں اس کی تباہ کاریوں و بربادیوں سے بچنے کے لئے اقدامات' سیلاب وغیرہ کے آنے کی صورت میں نقصانات کے ازالہ کی کوشش بھی ضروری ہے۔

۱۴۔ صرف میں مناسبت:

سرکار ایسے اقدامات بھی کرتی ہے جن سے صرف میں استحکام پیدا ہو سکے تاکہ لوگ اتنا ہی خرچ کریں جتنا ضروری ہے کیونکہ ترقی پذیر ممالک میں ضروری ہے کہ صرفی اخراجات کم سے کم ہوں تاکہ ترقی کے مواقع مل سکیں اور ایسا منصوبہ بندی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ فضول خرچی سے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے تحت روکا جاتا ہے۔

۱۵۔ متفرق:

۱۔ تجارتی چکروں کی روک تھام کی جاسکتی ہے۔
۲۔ بنیادی تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔
۳۔ صحت و صفائی کا بندوبست ہوسکتا ہے۔
۴۔ خود انحصاری کی طرف قدم بڑھایا جاسکتا ہے۔
۵۔ مذہبی جھگڑوں کا خاتمہ ممکن ہوسکتا ہے۔
۶۔ مزدوروں کے حقوق کا تحفظ بھی ضروری بن جاتا ہے۔
۷۔ تبلیغ دین کے لئے بندوبست کیا جاتا ہے اور اقدار کا تحفظ ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۸۔ سماجی برائیاں روکی جاتی ہیں۔

منصوبہ بندی کے مقاصد(Objectives of Planning)

منصوبہ بندی کی تعریف اور اہمیت اُجاگر کرنے کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے حکومت کس قسم کی حکمت عملی وضع کرتی ہے اور یہ کہ کون سے مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں میں معمولی فرق کے سوا بڑے بڑے مقاصد یہ ہوسکتے ہیں:

۱۔ مجموعی پیداوار بڑھانا(To-increase Total Production):

کوئی ملک اُس وقت تک ترقی کی سیڑھی پر نہیں چڑھ سکتا جب تک کہ اشیاء اور خدمات کی پیداوار میں اضافہ نہ کیا جائے۔ منصوبہ بندی کا یہ بہت ہی اہم مقصد ہے کہ معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے قومی آمدنی کی رفتار میں خاصا اضافہ کیا جائے۔ پاکستان کے پہلے منصوبے 15 فیصد، دوسرے اور تیسرے منصوبے میں بالترتیب 24 فیصد اور 37 فیصد ہدف مقرر کیا گیا تھا جبکہ چھٹے پنج سالہ منصوبہ میں 6.5 فیصد سالانہ اضافہ کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔

۲۔ عادلانہ تقسیم دولت(Just Distribution of Wealth):

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ موجودہ دور کے اہم معاشی مسائل میں غیر مساویانہ تقسیم دولت سنگین کیفیت اختیار کر چکا ہے اور اسے اس صورت میں منصفانہ بنایا جاسکتا ہے کہ جب منصوبہ بندی اچھے خطوط پر استوار ہو دولت کی تقسیم میں پائے جانے والے تفاوت کی خلیج کو پاٹنا وقت کا اہم تقاضا ہے اور یہ مختلف قسم کی تبدیلیاں لاکر کم سے کم کی جاسکتی ہے۔

۳۔ علاقائی فرق کم کرنا(Minimizing Regional Difference):

بیشتر ممالک کے بہت سے حصے ترقی کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ اُن میں فرق پایا جاتا ہے۔ اگر خاص جغرافیائی محل وقوع، زمین کی زرخیزی، آبپاشی کی سہولتوں وغیرہ میں کمی بیشی کے سبب کچھ علاقے زیادہ پسماندہ ہوتے ہیں جیسا کہ پاکستان کا صوبہ بلوچستان غیر ترقی یافتہ ہے۔ لہٰذا منصوبہ بندی میں مختلف علاقوں کی ترقی پر پوری توجہ دی جاتی ہے اور علاقائی فرق کا گھٹانا بھی بہت ضروری امر ہے۔

۴۔ صنعتی ترقی کا حصول:

منصوبہ بندی کا یہ بھی ایک اہم مقصد ہے کہ اندرون ملک صنعت کو تیز ترین رفتار سے ہمکنار کیا جائے۔ اسے بیرونی صنعت سے مقابلہ کرنے کے اہل بنایا جائے۔ موجودہ دور میں کوئی بھی ملک صنعت افروزی کے بغیر ترقی نہیں کرسکتا لہٰذا اپنے کارخانوں کو ترجیح دی جائے جو ترقی کا سبب بن سکیں۔

۵۔ توازن ادائیگی کی اصلاح:

غریب ممالک کا توازن حسابات عموماً خراب رہتا ہے کیونکہ برآمدات کی نسبت درآمدات کا حجم زیادہ ہوتا ہے۔ درآمدات زیادہ تر مشینری پر مشتمل ہوتی ہیں جبکہ برآمدات خام مال پر انحصار رکھتی ہیں۔ لہٰذا مناسب منصوبہ بندی سے اس مسئلے کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ غذائی خود کفالت:

خوراک سے متعلق پیداوار میں اضافہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے خاص طور پر زرعی پیداوار کے شعبے کو بڑھانا وقت کا اہم تقاضا ہوتا ہے تاکہ اجناس کی درآمدات کو روکا جا سکے اور بڑھتی ہوئی آبادی کو غذائی قلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لہٰذا منصوبہ بندی میں ایسے اقدامات اٹھائے جاتے ہیں جن سے زرعی شعبہ کی خامیاں دور کی جا سکیں۔

۷۔ قیمتوں کو مستحکم رکھنا (Stabilizing Prices):

معاشی ترقی کے دوران عموماً قیمتیں زیادہ بلند ہو جاتی ہیں کیونکہ اشیاء اور خدمات کی طلب پھیل جاتی ہے اور بعض اوقات معیشت افراط زر کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔ بعض اوقات سرد بازاری کی کیفیت بھی جنم لے سکتی ہے لہٰذا افراط و تفریط سے بچاؤ کے لئے منصوبہ بندی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس سے قیمتیں مناسب حدود میں رہتی ہیں بلکہ ان میں استحکام پیدا کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ ہمہ گیر پروگرام (All-Round Programme):

جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لئے منصوبہ کاری صرف معیشت تک محدود نہیں رہتی بلکہ اسے دوسرے شعبوں پر بھی پھیلایا جاتا ہے اور یوں اس کی وسعت ہمہ گیریت کو اپنا لیتی ہے جس سے زندگی کے مختلف شعبوں کو سمونے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس طریقے سے حالات کو تبدیل کرنے سے اور قومی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے اس میں تحریک پیدا کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے تاکہ نہ صرف لوگوں کو بنیادی ضروریات احسن طریقے سے پوری کی جا سکیں نیز غربت کا قلع قمع کیا جا سکے اور معاشی ترقی کو حاصل کر کے معیار زندگی کو بلند کیا جا سکے۔

۹۔ فلاحی اور رفاہی خدمات:

اقتصادی منصوبہ بندی کی ایک بہت بڑی غرض سماجی اور فلاحی خدمات کا باہم پہنچانا ہے۔ اس سلسلہ میں طبی بہبودی شعبوں پر خصوصی توجہ دینی ہے کیونکہ لوگوں کی بھلائی اسی میں مضمر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مقرر کردہ اہداف کے حصول کے لئے بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔

۱۰۔ دفاعی ضروریات:

اگر کسی ملک کی سرحدیں مضبوط نہ ہوں تو اس کی سالمیت اور استقامت میں ہچکولے آنے کا خطرہ جنم لیتا ہے۔ ملک کو معاشی لحاظ سے مستحکم کرنے کے علاوہ اس کے دفاع کو بھی جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا وقت کی اہم پکار ہے۔ اس لئے ٹھوس منصوبہ بندی دفاعی اہمیت کو اولیت دیتی ہے تاکہ بیرونی جارحیت سے محافظت حاصل ہو سکے۔ تاہم معاشی ترقی کو دفاع کی قربان گاہ پر بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔

۱۱۔ عالمی روابط:

جامع منصوبہ بندی کا ایک کلیدی مقصد ترقی یافتہ ممالک اور عالمی مالیاتی اداروں سے تعلق استوار کر کے زیادہ سے زیادہ مالی اعانت حاصل کی جا سکتی ہے جس سے ترقی کرنے میں مدد ملتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۲۔ بلند معیار زندگی (High Standard of Living):

جدید دور کا بڑا تقاضا ہے کہ اس کے عوام الناس کا معیار زندگی بلند کیا جائے جس کے لئے حکومتی سطح پر کئی قسم کے اقدامات اٹھائے جاتے ہیں اور ہر سال میزانیہ میں انہیں بہت سی سہولیات دی جاتی ہیں جن کے باعث معیار زیست کو اونچا کرنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

۱۳۔ محرومی کا استیصال (Elimination of Deprivation):

سب سے بڑا مسئلہ افلاس کا دور دورہ ہے۔ ساری معاشی کاوشوں (Endeavours) کا مقصد ناداری و بیماری پر قابو حاصل کرنا ہے۔ گورنمنٹ غربت مکاؤ و مٹاؤ (Removal) کے بہت سے مضبوط معاشی پروگرام وضع کرتی ہے اور اس سنگین و شدید مسئلہ سے نجات مل سکتی ہے کیونکہ یہ بڑا ہی تکلیف دہ ہے۔

۱۴۔ نجی و سرکاری شعبوں میں مطابقت:

ان دونوں شعبوں میں توازن لانا بھی بہت ضروری و اہم ہے۔ کسی ایک شعبہ کو دوسرے کے مفاد پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ان میں تعلق کے لئے منصوبہ بندی کا کردار روز روشن کی مانند واضح دلائل ہے۔ انہیں ساتھ ساتھ چلنا چاہئے۔

۱۵۔ ماحولیاتی آلودگی کا تدارک:

یہ مسئلہ بھی گھمبیر اور عالمگیر بنتا جا رہا ہے۔ اُس کے معاشرے پر بُرے اثرات پڑ رہے ہیں۔ عوام کے لئے موجب پریشانی ہے جس پر مناسب پالیسی کے ذریعے قابو پانا ممکن ہے اور منصوبہ بندی کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۶۔ دیگر فوائد:

ان میں یہ شامل ہیں:

۱۔ تحقیق و تدقیق پر منصوبہ بندی میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

۲۔ نئے فنون و علوم کے کئی زاویے متعین کئے جاتے ہیں۔

۳۔ اطلاعاتی فنیت (Technology) کو پھیلانے و قبول عام بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۴۔ ذرائع مواصلات و ابلاغیات اور نقل و حمل میں توسیع کرنی ہوتی ہے۔

۵۔ جدید دور کے تقاضوں سے استفادہ کرنے کے کئی پروگرام شروع کئے جاتے ہیں۔

۶۔ تعلیمی نظام کی ساخت میں بنیادی و انقلابی تبدیلیاں لائی جاتی ہیں۔

۷۔ عوام کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے فنڈز مختص کئے جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں زندگی کے ڈھب سنوارے جاتے ہیں۔

۸۔ مسلم ریاست عوام کی خوشحالی کے لئے ٹھوس اقدامات اٹھاتی ہے جس سے اسلام کی سربلندی، رفعت، وسعت اور قوت بڑھتی ہے۔ کفالت عامہ کا عظیم مقصد بھی حاصل ہوتا ہے جو سرکار کی ذمہ داری ہے جس سے مسلمانان عالم کو پیش قدمی (Initiative) کا بہتر موقع ملتا ہے۔ وہ اخوت و محبت اور یگانگت و معاونت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ دشمنان کے خطرناک عزائم پر پانی پھیر دینے کے اہل ہوتے ہیں اور ان پر سبقت لے جاتے ہیں۔ اپنی عظمت و ہیبت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں اور ہر لحاظ سے اُن کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔

منصوبہ بندی کی اقسام

منصوبہ بندی کی درج ذیل اقسام ہیں:

(الف) عمومی منصوبہ بندی اور جزوی منصوبہ بندی:

عمومی منصوبہ بندی کے تحت ایک مرکزی ادارہ پوری معیشت کے لئے ایک جامع منصوبہ بناتا ہے اور اس پر عمل درآمد کی نگرانی کرتا ہے جبکہ جزوی منصوبہ بندی معیشت کے کسی مخصوص شعبہ یا شعبوں کے لئے ہوتی ہے۔

(ب) تفاعلی منصوبہ بندی اور ہیئتی منصوبہ بندی:

تفاعلی منصوبہ بندی سے مراد یہ ہے کہ سیاسی اور اقتصادی ڈھانچہ اور معاشرتی اقدار کو تبدیل کئے بغیر منصوبہ بنایا جائے جبکہ ہیئتی منصوبہ بندی وہ ہوتی ہے جس میں پوری سماجی نظام میں بنیادی نوعیت کی تبدیلی لانی پیش نظر ہوں۔

(ج) مرتکز اور غیر مرتکز منصوبہ بندی:

مرتکز منصوبہ بندی وہ ہے جس میں منصوبہ کی تیاری اور اس پر عملدرآمد ایک بااختیار مرکزی ادارے کی ہدایات کے مطابق ہوتا ہے۔ تمام متعلقہ افراد اور اداروں کو ان ہدایات کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ غیر مرتکز منصوبہ بندی میں منصوبوں کی تیاری کا کام نچلی سطح سے ہوتا ہے۔ تمام شعبے اور ادارے الگ الگ اپنے منصوبے تیار کرتے ہیں اور پھر انہیں مربوط کر کے ایک جامع منصوبہ کی شکل دی جاتی ہے۔

(د) حاکمانہ اور جمہوری منصوبہ بندی:

حاکمانہ منصوبہ بندی اشتراکی ممالک کا خاصہ ہے۔ حکومت اپنے اقتدار و اختیار کے بل پر معیشت کے تمام شعبوں کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کرتی اور اس پر عملدرآمد کراتی ہے۔ اس میں عوام کی رائے وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جمہوری منصوبہ بندی کا انداز جمہوری ممالک میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اس میں منصوبہ کی تیاری اور اس پر عملدرآمد کے مختلف مراحل کے بارے میں رائے عامہ بالخصوص عوام کے منتخب نمائندوں کو اعتماد میں لیا جاتا ہے۔ نجی اور سرکاری شعبوں کے لئے الگ الگ منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

(ھ) ترغیبی اور جبری منصوبہ بندی:

ترغیبی منصوبہ بندی میں حکومت الٰہی شعبہ کو مختلف ترغیبات اور مراعات کے ذریعہ مختلف معاشی منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لئے راغب کرتی ہے۔ ان ترغیبات میں محصولات کی معافی یا تخفیف' بنیادی ڈھانچہ (Infrastructure) کی تعمیر' درآمدی و برآمدی مراعات وغیرہ شامل ہوتی ہے۔ جبری منصوبہ بندی کی صورت میں منصوبہ کی تیاری کی صورت میں منصوبہ کی تیاری اور اس پر عملدرآمد کا کام کلیتہً براہ راست حکومت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تمام امور ایک بااختیار مرکزی ادارہ کی ہدایات اور احکامات کے مطابق طے کئے جاتے ہیں۔ اشتراکی ممالک میں منصوبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بندی کا انداز جبری ہی ہوتا ہے جبکہ مخلوط نظام معیشت میں بالعموم ترغیبی منصوبہ بندی پر انحصار کیا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مائرا اینڈ بالڈون
۲۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی..... سیرت نبویؐ کے منہاج
۳۔ مشکوٰۃ المصابیح
۴۔ طبرانی
۵۔ مسند احمد
۶۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی..... اسلامی نظریہ ملکیت
۷۔ لیوس لارون
۸۔ مولانا فتح محمد جالندھری
۹۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیارھواں باب:

اسلام میں مالیاتی پالیسی اور معاشی کردار

(Fiscal Policy in Islam)

اس کو سرکاری مالیاتی مسلک بھی کہتے ہیں۔

یہ پالیسی گورنمنٹ آمدنی حاصل کرنے' خرچ کرنے اور محصولات عائد کرنے کی خاطر تشکیل دیتی ہے۔ آج کل ہر ملک آئندہ مالی سال کے لئے میزانیہ سازی (Budget-Making) کرتا ہے۔ جس میں آنے والے برس کے لئے حاصلات (Revenues)' اخراجات اور محصولات کے اہداف (Targets) کا تعین کیا جاتا ہے۔

نیز مختصر' وسطانی اور لمبی مدت کے منصوبے بھی وضع (Form) کئے جاتے ہیں۔ مسلم ریاست بھی ایسی پالیسی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی بلکہ اس کی تیار کردہ حکمت عملی نوعیت واہمیت کے اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہوتی ہے۔

تعریف (Definition):

اس کی چند اہم تعریفیں یوں ہیں:

لپسے کے مطابق ''سرکار کے محاصل بڑھانے اور انہیں خرچ کرنے کی سرگرمیاں مالیاتی پالیسی ہوتی ہے:

"Government's revenue raising and spending activities are called Fiscal Policy." (R. G. Lipsey)

پروفیسر پال اے سیموئیل سن (Paul A. Samuelson) کہتے ہیں:

''آمدنی حاصل کرنے اور اخراجات کرنے کے طریقے' کاوشیں اور اقدامات مالیاتی حکمت عملی ہوتی ہے۔''

گویا مالیاتی پالیسی سے مراد ایسے اقدامات ہیں جن کے ذریعے سرکار وصولیاں جمع کر کے پھر انہیں مختلف مدات (Items) پر صرف کرتی ہے۔ تاکہ عوام کی بہبود میں اضافہ ہو۔

"Fiscal Policy relates to techniques of funds collecting, Taxing and expending by government for maximizing welfare of society without discrimination and distinction."

مقاصد واغراض (Objectives):

اسلامی ریاست جو پالیسی بناتی ہے اس کے کئی اہم مقاصد ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند ایسی اغراض ہوتی ہیں جو کسی عام حکومت کے ہوتے ہیں مگر کچھ اضافی مقاصد بھی اس کا حصہ قرار پاتے ہیں۔

یہ مقاصد درج ذیل ہیں:

1- بیروزگاری کا قلع قمع
2- افراط زر پر کنٹرول
3- عادلانہ تقسیم آمدنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

4- صرف کا موزوں معیار
5- کاروباری چکر کا تدارک
6- معاشی ترقی کی رفتار میں تسلسل
7- توازن حسابات کی درستگی
8- تخفیف غربت (Alleviation of Poverty)
9- وسائل کی بھرپور تفویض (Optimal Allocation of Means)
10- ڈاکٹر محمد عمر چاپرا (Chapra) کے مطابق وسیع تر معاشی فلاح
11- الف-آر-فریدی نے یہ گنوائے ہیں:
ا۔ عدل ونصفت (Justice and Equity)
۲۔ معاشرتی ومعاشی ضروریات کی دستیابی وبھلائی
۳۔ معاشی ترقی
۴۔ سماجی ڈھانچہ کا ارتقاء
12- ڈاکٹر منظر کہف (Manzer Kahf) نے ان مقاصد کا ذکر کیا ہے:
ا۔ تحفظ مذہب
۲۔ حکومتی انتظامیہ کا قیام
۳۔ عدالتیں
۴۔ امن وامان قائم کرنا
۵۔ معیشت میں توازن واستحکام
۶۔ حکومتی املاک برائے مفاد عامہ
۷ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا
۸۔ سارے معاشرے کی خوشحالی بڑھانا
ان کے علاوہ کچھ اور مقاصد کا تعین بھی کیا جاسکتا ہے جو یہ ہیں:
13- بجٹ سازی اور منصوبہ بندی میں مطابقت (Adjustment) اور ہم آہنگی (Harmony)
14- نئے علوم وفنون کی تشہیر وترویج
15- محتاجی (Dependency) وگداگری (Beggary) کا خاتمہ
16- انسانی وسیلہ کی ترقی (Human Resource Development)
17- خوراک، پوشاک ورہائش کے علاوہ علاجی وسفری سہولیات کی بہم رسانی
18- اشاعت وتبلیغ دین
19- تحقیق وجستجو (Research and Search)
20- سیاسی، تمدنی اور اداراتی پیش رفت (Political, Cultural & Institutional Progress)
مسلم ریاست کی مالیات عامہ (Public Finance) وسیع تر اساس (Broad- Based) کی حامل ہے۔ جو کسی بھی جدید ترین حکومت کی سکیم کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ اس کے ذرائع محاصل (Revenues) اور اجزائے خرچ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Components of Expenditure) بھی بہت سے ہیں۔

اسی کی چند اہم تعریفیں یہ ہیں:

"Public Finance is the fiscal Science, its policies are fiscal ones, its problems are fiscal problems." (N. Taylor)

In the words of Mithani "Public Finance, as such forms a study of monetary and credit resources of state. It is, thus, concerned with the operation of Fisc..... The State Treasury."

(D. M. Mithani..... Modern Economic Analysis)

پس اس کی ایک اور تعریف یہ بھی ہو سکتی ہے:

''مالیاتی پالیسی مالیات عامہ کا ایک اہم ترکیبی عنصر ہے۔''

قبل اس سے کہ ہم اسلامی ریاست کے وسائل آمد و خرچ کا تفصیلی جائزہ لیں ضروری ہے کہ جہاں حساب کتاب رکھا جاتا ہے اس ادارے کا تعارف کرائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

زکوٰۃ بطور اعلیٰ مالیاتی پالیسی

زکوٰۃ (Zakat)

اس کی اسلام کے نظام مالیات میں کلیدی حیثیت ہے کیونکہ اسلامی مملکت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے جس کی ادائیگی سے مال میں برکت آتی ہے اور وہ بڑھتا ہے۔

زکوٰۃ کا مفہوم:

اس سے مراد پاکیزگی (Purity) اور بڑھوتری (Increase) کے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی رقم طراز ہیں:

''زکوٰۃ کے لغوی معنی طہارت اور نمو کے ہیں انہی دونوں صفتوں کے لحاظ سے اصطلاح میں ''زکوٰۃ'' اس مالی عبادت کو کہتے ہیں جو ہر صاحب نصاب مسلمان پر اس لئے فرض کی گئی ہے کہ خدا اور بندوں کا حق ادا کر کے اس کا مال پاک ہو جائے اور اس کو نفس نیز وہ سوسائٹی جس میں وہ رہتا ہے بخل، خود غرضی، بغض وغیرہ جذبات رویہ سے پاک ہو اور اس میں محبت و احسان، فراخ دلی اور باہمی تعاون و مواساۃ کے اوصاف نشوونما پائیں۔''(۲)

فقہاء نے زکوٰۃ کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ مثلاً:

[حق یجب فی المال](۳)

''وہ ایک حق ہے جو مال میں واجب ہوتا ہے۔''

[اعطاء جزء من النصاب الی فقیر ونحوہ غیر متصف بما نع شرعی یمنع من الصرف الیہ](۴)

''نصاب میں سے ایک جزو کسی محتاج اور اس کے مانند شخص کو دینا جو کسی ایسے مانع شرعی سے متصف نہ ہو جس کی بناء پر اسے زکوٰۃ نہ دی جا سکے۔''

[تملیک مال مخصوص لمستحقہ بشرائط مخصوصۃ](۵)

''یہ مخصوص مال کو مخصوص شرائط کے مطابق اس کے مستحق کی ملک میں دینا۔''

زکوٰۃ کی فرضیت (Qbligation):

قرآن و حدیث کے حوالوں سے اس کے فرض ہونے کے دلائل اس طرح ہیں:

یہ اسلام کا ایک بڑا رکن ہے اس کی فرضیت قطعی ہے، منکر اس کا کافر اور تارک اس کا فاسق ہے فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ (البقرہ:43)

''اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر جماعت سے نماز پڑھا کرو۔''

﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰہِ﴾ (البقرہ:110)

''اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (یقین کرلو کہ) جو نیکی تم اپنے لئے (مرنے سے) پہلے کرلو گے اس (کے ثواب) کو تم اللہ کے یہاں پاؤ گے۔''

﴿لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:177)

''لیکن نیک وہ شخص ہے جو اللہ پر اور (اس کے) فرشتوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت پر (اپنے) قرابت والوں اور یتیموں اور غریبوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور مال دے اور غلاموں (کے آزاد کرانے) میں (خرچ کرے) اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے یہی لوگ ہیں جو سچے (ایماندار ہیں) اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں دیکھئے اس آیت میں سچے ایماندار اور پرہیزگار ہونے کا حصر ان صفات پر کردیا گیا۔''

﴿وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (اعراف:156)

''اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے پس عنقریب میں اس کو ان لوگوں کے لئے مقرر کردوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لایا کرتے ہیں۔''

۱۔ نبیؐ نے فرمایا کہ جس کو اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے لئے سانپ کی شکل میں ظاہر کیا جائے گا وہ اس کے دونوں جبڑوں کو اپنے منہ میں لے لے گا۔ یعنی اس کو کاٹے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ.....﴾ (آل عمران:180)(۶)

۲۔ ایک مرتبہ نبیؐ نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں انہوں نے عرض کیا کہ نہیں تب آپ نے فرمایا کہ:

''کیا تم کو یہ منظور ہے کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں انہوں نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا اس کو زکوٰۃ دیا کرو''۔(۷)

۳۔ نبیؐ نے ایک دن اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

''تم میں سے کوئی شخص بکری کو اپنی گردن پر لادے ہوئے قیامت میں میرے پاس نہ آئے اور مجھے پکارے یعنی مجھ سے مدد چاہے اور میں اس سے کہہ دوں کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتا میں نے تو تم لوگوں کو احکام الٰہی سنا دیئے تھے اور کوئی شخص اونٹ کو اپنی گردن پر لادے ہوئے میرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پاس نہ آئے اور مجھے پکارے اور میں کہہ دوں کہ میں ترے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں تبلیغ کر چکا''۔(۸)

ذرا اس حدیث کو دیکھئے زکوٰۃ نہ دینے والے کو کیسے سخت عذاب کی خبر دی گئی ہے کہ وہ بکری اور اونٹ جن کی زکوٰۃ نہیں دی گئی اس کی گردن پر سوار ہوں گے سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ نبیؐ اس کی شفاعت سے انکار فرماتے ہیں اب کہئے زکوٰۃ نہ دینے والوں کا کہاں ٹھکانہ ہے۔

آثار صحابہ:

سب سے بڑا واقعہ زکوٰۃ کے متعلق جو حضرت صدیقؓ کی وفات کے بعد کچھ لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ زکوٰۃ صرف نبیؐ کی زندگی میں فرض تھی آپ کے بعد اس کی فرضیت نہیں رہی صحابہ نے ان لوگوں کو مرتد سمجھا اور ان سے اسی طرح جہاد کیا جیسے مرتدوں سے کیا جاتا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے اور عرب کے بعض لوگ مرتد ہو گئے اور حضرت صدیقؓ نے ان سے جہاد کا ارادہ کیا تو حضرت فاروقؓ نے ان سے عرض کیا کہ آپ ان سے کیوں جہاد کرتے ہیں۔ جبکہ نبیؐ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی لا الہ الا اللہ کہہ دے تو اس کا جان و مال میری طرف سے مامون ہو جاتا ہے۔ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا کہ:

''خدا کی قسم کہ جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھا اس سے میں ضرور لڑوں گا خدا کی قسم اگر وہ اونٹ کا چھوٹا بچہ بھی نبیؐ کے سامنے دیتے تھے اور مجھ کو نہ دیں گے تو میں ان سے ضرور جہاد کروں گا''۔ حضرت فاروقؓ فرماتے ہیں کہ ''میں سمجھ گیا کہ اللہ نے ابوبکرؓ کے دل میں یہ بات ڈالی ہے پس مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ حق اور سچ ہے''۔

زکوٰۃ کا نصاب:

اس سے مراد وہ شرح ہے جس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''جمع کردہ مال پر ایک برس سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔''

الف: نقدین یعنی سونا اور چاندی کا نصاب:

آپؐ نے سونا کا نصاب 20 مثقال (دینار) اور چاندی کا نصاب دو سو (200) درہم ہے۔ اگر کسی کے پاس بیس دینار سونا ہو تو وہ آدھا دینار زکوٰۃ میں دے گا اور جس شخص کے پاس دو سو (200) درہم چاندی ہو وہ پانچ درہم چاندی زکوٰۃ میں دے گا۔ اس نصاب کی بنیاد مندرجہ ذیل احادیث رسول کریم ہیں۔

حضرت علی ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ:

''جب تیرے پاس دو سو (200) درہم (چاندی) ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس میں سے پانچ (5) درہم زکوٰۃ کے ہیں اور تیرے اوپر کچھ واجب نہیں جب تک تیرے پاس بیس (20) دینار (سونا) ہو اور جب تیرے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر پورا سال گزر جائے تو ان میں آدھا (1/2) دینار زکوٰۃ ہے اور جو ان میں زیادتی ہو گی اس پر اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہو گی۔''

اس حدیث شریف میں درہم کے ساتھ فضۃ (چاندی) کا لفظ نہیں اور دینار کے ساتھ ذھب (سونا) کا لفظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل اس دور مبارک میں (اور بعد کے اسلامی ادوار میں بھی) درہم ایک خاص وزن کا چاندی کا سکہ تھا اور دینار ایک خاص وزن کا سونے کا سکہ تھا۔ یوں دوسو (200) درہم چاندی کا نصاب تھا اور بیس (20) دینار سونے کا نصاب تھا۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی اقل من عشرین مثقالا من الذھب ولا فی اقل من مائتی دراھم صدقۃ(۹)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: بیس (20) مثقال (دینار) سے کم سونا اور دوسو (200) دراہم سے کم چاندی میں کوئی شی واجب نہیں۔''

ب: سائمہ جانور کی زکوٰۃ کا نصاب:

نبی کریمؐ نے چرائی کے جانوروں میں سے بھیڑ بکری اونٹ اور گائے پر زکوٰۃ فرض کی ان سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کا نصاب آپ کا وہ فرمان ہے جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم انصاریؓ کو اس وقت عنایت فرمائی جب وہ یمن کے گورنر بنا کر بھیجے جا رہے تھے۔ اسی طرح کی ایک تحریر آپؐ نے انہیں روسا یمن شرجیل اور حارثؓ کے نام بھی لکھ کر دی۔

اس تحریر میں اونٹوں کا نصاب یوں ہے۔

۱۔ چراگاہوں میں چرنے والے ہر پانچ (5) اونٹوں پر چوبیس (24) تک ایک بکری دی جائے گی۔

۲۔ 25 سے 35 تک ایک بنت مخاض (اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو جائے) دیا جائے گا۔

۳۔ 36 سے 45 تک ایک بنت لبون (اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) دیا جائے۔

۴۔ 46 سے 60 تک ایک حقہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو) دی جائے۔

۵۔ 61 تا 90 تک ایک جذعہ (وہ اونٹ یا اونٹنی جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو) دی جائے۔

۶۔ 91 تا 120 تک 2 حقے دیئے جائیں۔

۷۔ 120 سے زیادہ اونٹوں پر ہر چالیس کی زیادتی پر ایک بنت لبون ہے اور ہر پچاس (50) کی زیادتی پر ایک حقہ مقرر ہے۔

اس تحریر میں بکری اور بھیڑ کا نصاب یوں ہے:

۱۔ چراگاہوں میں چرنے والی بکریوں' بھیڑوں کی زکوٰۃ 40 سے 120 تک ایک بکری ہے۔

۲۔ 121 سے 200 بکری بھیڑوں تک 2 بکریاں ہیں۔

۳۔ 201 تا 300 بکریوں کی زکوٰۃ 3 بکریاں ہیں۔

اور اسی طرح ہر سینکڑے پر ایک بکری کا اضافہ کیا جائے۔

حضرت عمرو بن حزمؓ کی اسی تحریر میں گائے کا نصاب یوں درج تھا۔(۱۰)

''چالیس گایوں پر ایک گائے اور تیس گایوں پر ایک بچھڑا۔''

ج: اموال تجارت کا نصاب:

اموال تجارت (عروض التجارۃ Articles of Trade) کا نصاب سونا یا چاندی کا نصاب ہی ہے۔ دراصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اموال تجارت پر زکوٰۃ اس طرح ہے کہ ان اموال تجارت کا حساب (Account) سال کے خاتمہ پر ان اموال تجارت کی قیمت کا اندازہ مروجہ سکوں میں کر کے اگر وہ سونا یا چاندی کسی ایک کا نصاب پورا کر دیں تو ان زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

نبی کریمؐ کے زمانہ میں سکے دو ہی قسم کے تھے۔ سونے کا دینار اور چاندی کا درہم لہٰذا اگر ان اموال تجارت کی قیمت کا اندازہ چاندی کے درہم میں لگایا گیا اور وہ 200 درہم یا 200 درہم سے زیادہ بنتا ت اس پر چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب یعنی دوسو (200) درہم پر بحساب ڈھائی فیصد پانچ دراہم ہوتی ہے اور اگر اموال تجارت کا حساب سونے کے دنانیر میں لگایا جائے اور وہ بیس (20) دینار یا اس سے زیادہ ہو تو اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے آدھا دینار (1/2) دینار ہو گا۔ اسی لئے آپؐ نے اموال تجارت پر کے حساب سے زکوٰۃ فرض فرمائی۔

د: رکاز اور خمس:

رکاز معاون اور دفینوں (Hoardings) کا خمس (1/5) بھی زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے۔

نبی کریمؐ نے ان کا کوئی نصاب مقرر نہیں فرمایا نہ ہی ان پر پورے سال کے گزرنے کی شرط ہے بلکہ یہ جب بھی ملیں اور سال میں جتنی بار نکالی جائیں یا ہاتھ لگیں ان کا پانچواں حصہ (1/5) بیت المال کے لئے مقرر فرمایا۔

بعض لوگ زکوٰۃ کے ریٹ پر تنقید کرتے ہیں اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اگر اس زمانے میں سونا چاندی کے بھاؤ کم تھے تو آج کل زیادہ ہیں نیز آپؐ نے کم شرح کی نشان دہی کی ہے۔ مسلمان چاہیں تو اس سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ حسب ذیل حوالوں سے ثابت ہے۔ آنحضرتؐ نے یمن کے ہمدان کو ایک مکتوب پاک میں تحریر فرمایا:

''جو کوئی رضامندی سے زکوٰۃ کی مقدار میں اضافہ کرے وہ اللہ کے نزدیک زیادہ مقبول ہے۔''

ایک دوسری روایت میں جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ مسلمان پر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور بھی ادائیگی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں تاہم تقویٰ کی غرض سے اضافہ کر سکتے ہیں۔ احادیث مبارکہ اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں نظام ٹیکس کا مطالعہ کیا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ریاست اور مسلمان زکوٰۃ کی مقدار کو نصاب زکوٰۃ اور قابل زکوٰۃ چیزوں کے اضافے سے بڑھا سکتے ہیں تاکہ جمع شدہ قام کو قومی فلاح اور ملکی منصوبوں پر صرف کیا جا سکے مگر یاد رہے کہ ایسے فنڈ زکا بے دریغ خرچ اور غیر مستحق سکیموں پر عمل درآمد خلاف شرع متصور ہوگا جو قومی دولت کے ضیاع کے مترادف ہوگا۔

زکوٰۃ دینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں:

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی نے زکوٰۃ کے حسب ذیل اسرار و رموز بیان فرمائے ہیں:

ا۔ انسان جب کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے تو گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ:165)

''اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔''

یعنی مومن اپنی جان اور اپنے مال سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو مسلمانوں پر جہاد فرض کر کے ان کی جان سے زیادہ محبت کو آزمایا گیا اور زکوٰۃ کو فرض کر کے ان کی مال سے زیادہ اللہ سے محبت کو آزمایا گیا اور اللہ کی محبت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال خرچ کرنے والے مسلمانوں کے تین درجات ہیں:

۱۔ وہ لوگ جو اللہ کی محبت میں سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں اور اپنے پاس ایک درہم اور ایک دینار بھی نہیں رکھتے اس لئے جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ دوسو درہم پر کتنی زکوٰۃ ہے تو وہ کہتے ہیں کہ عوام پر تو پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور ہم پر تمام مال کو خرچ کرنا واجب ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دن اتفاق سے میرے پاس مال تھا میں نے دل میں کہا اگر میں کسی دن حضرت ابوبکرؓ پر سبقت کر سکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے۔ میں اپنا آدھا مال لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا' آپؐ نے پوچھا تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی مال ہے حضرت عمرؓ نے کہا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام مال ومتاع لے کر آ پہنچے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ تب میں نے دل میں کہا میں حضرت ابوبکرؓ پر کبھی سبقت نہیں کر سکتا۔ (۱۱)

۲۔ دوسرا درجہ اس پہلے درجہ والوں سے کم ہے' یہ اپنے پاس مال کو بچا کر رکھتے ہیں تاکہ ان کی ضروریات کے موقع پر کام آئے اور جب نیک کاموں پر خرچ کرنے کے مواقع آئیں تو وہ مال کو خرچ کر سکیں۔ پس وہ مال کو اس لئے جمع کر کے رکھتے ہیں تاکہ ضرورت کے مواقع پر خرچ کر سکیں نہ کہ عیش وعشرت پر خرچ کرنے کے لئے اور یہ ضرورت سے زائد مال کو نیکی کے راستوں پر خرچ کرتے ہیں اور یہ لوگ صرف زکوٰۃ کی مقدار پر اقتصار نہیں کرتے اور تابعین میں سے نخعی' شعبی' عطا اور مجاہد کا یہ نظریہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور حقوق بھی ہیں۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں سے ہے:

﴿وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ﴾ (البقرہ:177)

"اور مال سے (طبعی) محبت کے باوجود (اللہ کی محبت میں) اپنا مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرانے کے لئے دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔"

۳۔ اور تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو صرف مقدار واجب ادا کرنے پر اقتصار کرتے ہیں' ان پر جتنی زکوٰۃ فرض ہے وہ صرف اتنی ہی ادا کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ اس سے کم اور یہ سب سے کم مرتبہ ہے اور تمام عام لوگوں کا یہی طریقہ ہے کیونکہ وہ مال کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں اور آخرت کے ساتھ ان کی محبت کمزور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ (محمد:37-38)

"اگر اللہ تم سے تمہارا مال طلب کرے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے زنگ کو ظاہر کر دے گا۔ ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کوئی بخل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ صرف اپنی جان سے ہی بخل کرتا ہے۔''

۴۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان سے بخل کی صفت زائل ہو جاتی ہے اور بخل سے نجات کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر:9)

''اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے سو وہی لوگ کامیاب ہیں۔''

۵۔ نیز حدیث صحیح میں بھی بخل کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''کوئی فرد اس طرف بالکل متوجہ نہیں ہوگا یا کم متوجہ ہوگا اور وہ سوچے گا کہ عبادت اور نیک کاموں اور زکوٰۃ، عشر اور صدقہ وخیرات ادا کرنے سے اس کے مال میں کمی ہوگی اور اس وجہ سے وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو بالکل خرچ نہیں کرے گا یا کم کرے گا''۔

۶۔ مال کی کثرت سے انسان میں غرور اور تکبر پیدا ہوگا اور سرکشی اور بغاوت پیدا ہوگی اور زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے سے اس کے تکبر اور سرکشی میں کمی ہوگی اور اس کا دل اللہ سے مغفرت طلب کرنے اور اس کی رضا جوئی کی طرف متوجہ ہوگا۔

۷۔ جب انسان زکوٰۃ اور عشر ادا کرے گا اور صدقہ وخیرات کرے گا تو ضرورت مند لوگ اس کے لئے دعائیں کریں گے اور اس کی دعاؤں سے اس کا مال نقصان اور بربادی سے محفوظ رہے گا۔

۸۔ مال بہت جلد ختم ہو جاتا ہے لیکن جب انسان اس مال کو نیکی کی راہ میں خرچ کرے گا تو وہ نیکیاں باقی رہیں گی' دنیا میں ان کی تعریف کی جائے گی اور آخرت میں اجر ملے گا۔ ایک شخص نے کہا: کاش! میں اپنے تمام مال کو قبر میں لے جا سکتا۔ میں نے کہا: یہ ممکن ہے' تم اپنے تمام مال کو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا میں خرچ کر دو تم کو یہ مال قبر میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔

۹۔ مال داروں کے پاس بہت زیادہ مال ان کی ضروریات سے زائد ان کی تجوریوں اور بینکوں میں معطل پڑا رہتا ہے اور فقراء اور ضرورت مندوں کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی مال نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے مال داروں کے زائد مال میں سے بقدر ضرورت زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے ضرورت مندوں تک پہنچایا جائے۔

۱۰۔ اگر مال دار ضرورت مندوں اور فقیروں کی مالی امداد نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ ضرورت مند فقراء اپنی تنگی اور فقر سے تنگ آ کر بغاوت پر اُتر آئیں اور چوریاں' ڈاکے اور لوٹ مار اور بھتہ خوری شروع کر دیں اور زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کے ذریعے اس بغاوت کا سدباب ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کر کے انسان اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور ان کی پرورش کرتا ہے' ان کے لئے رزق فراہم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور انبیاء اور صالحین کے اخلاف سے متخلق ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ لینے والے کے حق میں زکوٰۃ کی حکمتیں اور مصلحتیں:

۱۔ مغیرہ بن عامر نے کہا: شکر نصف ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔ (۱۲)
حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو تو اس نے صبر کیا اور اس کو نعمت دی گئی تو اس نے شکر ادا کیا' اس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا اور اس نے خود ظلم کیا تو اس پر استغفار کیا' پوچھا گیا اس کے لئے کیا اجر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہی لوگ عذاب سے مامون ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں''۔

۲۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے غنی کو بہت مال دیا ہے اور فقیر کو مال نہیں دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے غنی کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ فقیر کو زکوٰۃ ادا کرے اور فقیر کا غنی پر احسان ہے کہ وہ اس سے زکوٰۃ قبول کر کے اس کو دوزخ کے عذاب سے چھڑاتا ہے' غنی کا فقیر کو زکوٰۃ دینے کی وجہ سے اس کی دنیا پر احسان ہے اور فقیر کا غنی کی آخرت پر احسان ہے اور اخروی احسان دنیاوی احسان سے زیادہ بڑا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فقیر کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ وہ غنی کے پاس جا کر اس سے زکوٰۃ مانگے بلکہ غنی کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ فقیر کے پاس جا کر زکوٰۃ ادا کرے۔ فقیر اپنی دنیا میں غنی کا محتاج ہے تو غنی اپنی آخرت میں فقیر کا محتاج ہے۔

فقیر کا معنی:

فقیر کا لفظ چار معانی میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ حاجت ضروریہ کا وجود مثلاً جن کو غذا' لباس اور مکان کی حاجت ہو اور اس معنی میں ہر شخص فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾ (فاطر:15)
''اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو۔''

۲۔ جس شخص کے پاس مال جمع نہ ہو' فقہی اصطلاح میں جو شخص دو سو درہم (باون اعشاریہ پانچ تولہ چاندی) کا مالک نہ ہو یا اس کے پاس اس کی حاجت اصلیہ سے زائد دو سو درہم کے مساوی رقم نہ ہو اور وہ مستحق زکوٰۃ ہو' تو فقہاء احناف کے نزدیک وہ فقیر ہے اسی طرح یہ آیت بھی ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ (البقرہ:273)
''(یہ خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کئے ہوئے ہیں جو (اس میں شدت اشتغال کی وجہ سے) زمین میں سفر کی طاقت نہیں رکھتے' ناواقف حال ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو غنی سمجھتا ہے۔''

مسکین کے معنی:

مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور یہ فقیر کی بہ نسبت زیادہ تنگ دست ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ﴾ (الکہف:79)
''رہی کشتی تو وہ مسکینوں کے لئے تھی۔''

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکین کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کشتی چھن جانے کے بعد ان کو مسکین فرمایا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ان پر اس قدر زیادہ غربت اور مسکینی تھی کہ اس کے مقابلہ میں اس کشتی کا ہونا لائق شمار نہ تھا۔(۱۳) اور علامہ طاہر پٹنی نے لکھا ہے کہ مسکین کا معنی ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔

فقیر اور مسکین کے معنی میں مذاہب ائمہ اور تحقیق مقام:

حسن بصری نے کہا: فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور مسکین وہ ہے جو سعی کرتا رہے۔ مساکین گھومنے پھرنے والے ہیں اور فقراء فقراء مسلمین ہیں۔ جابر بن زید نے کہا: فقراء وہ ہیں جو سوال نہیں کرتے اور مساکین وہ ہیں جو سوال کرتے ہیں۔ زہری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا: فقیر اپاہج ہے اور مسکین وہ ہے جو تندرست اور محتاج ہو اور عکرمہ نے کہا کہ فقراء کا اطلاق فقراء مسلمین پر ہوتا ہے اور مساکین کا اطلاق اہل کتاب کے مساکین پر ہوتا ہے۔ امام ابو جعفر طبری کا مختار قول یہ ہے کہ جو سوال نہیں کرتے وہ فقراء ہیں اور جو سوال کرتے ہیں وہ مساکین ہیں۔(۱۴)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن وہ نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور امام شافعی کا قول اس کے برعکس ہے اور امام مالک کے نزدیک فقیر اور مسکین مساوی ہیں اور امام احمد کا مذہب بھی امام شافعی کی مثل ہے۔(۱۵)

والعاملین علیها کا معنی اور اس کے شرعی احکام:

یعنی جو لوگ زکوٰۃ اور صدقات کو وصول کر کے لاتے ہیں ان کو ان کی محنت اور مشقت کے مطابق مال زکوٰۃ سے اُجرت دی جائے لیکن یہ اُجرت اتنی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ زکوٰۃ کی وصول کردہ تمام رقم یا اس کے نصف پر محیط ہو۔ اگر عامل کو اس مہم کے دوران کوئی شخص ذاتی طور پر کچھ ہدیہ اور تحفہ دے تو وہ اس کے لئے جائز نہیں ہے وہ اس کو بھی وصول شدہ زکوٰۃ کی مد میں شامل کر دے۔

حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نے اس سے حساب لیا تو اس نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ کے لئے دیا گیا ہے اور یہ وہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے حتیٰ کہ تمہارے پاس ہدیے آتے اگر تم سچے ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: میں تم میں سے کسی شخص کو کسی کام پر عامل بناتا ہوں جس کام کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے پھر تم میں سے کوئی شخص میرے پاس آ کر کہتا ہے یہ حصہ تمہارے لئے ہے اور یہ حصہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے پس وہ شخص کیوں نہ اپنے باپ کے گھر میں یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدیہ آتا اگر وہ سچا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اس مال میں سے جو چیز بھی ناحق لو گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس چیز کو اس کے اوپر لاد دے گا۔ سنو! میں اس شخص کو قیامت کے دن ضرور پہچان لوں گا جس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوپر اللہ بلبلاتا ہوا اونٹ لاد دے گا اور جس کے اوپر ڈکراتی ہوئی گائے لاد دے گا یا ممیاتی ہوئی بکری لاد دے گا۔ پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ بلند کئے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی (کی جگہ) دیکھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے"۔(۱۶)

حضرت عدی بن عمیر کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے لوگو! تم میں سے جس شخص نے ہمارے لئے کوئی عمل کیا پھر اس میں سے کچھ چیز چھپالی خواہ وہ سوئی ہو یا اس سے بھی کمتر چیز تو وہ خیانت ہے اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا تب ایک سیاہ فام انصاری اٹھے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! اپنا عمل مجھ سے لے لیجئے۔ آپؐ نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: میں نے آپ کو اس طرح فرماتے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے یہ کہا ہے کہ جس کو ہم کوئی کام سونپیں تو وہ قلیل اور کثیر ہر چیز لے کر آئے پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے وہ نہ لے"۔(۱۷)

مؤلفۃ القلوب کی حقیقت:

ادائیگی زکوٰۃ کا چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ آزاد اور معزز لوگ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں عطا فرمایا تھا۔ یہ پندرہ آدمی تھے: ابو سفیان، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، حویطب بن عبدالعزیٰ، سہل بن عمرو، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو الجہنی، ابو السنابل، حکیم بن حزام، مالک بن عوف، صفوان بن اُمیہ، عبدالرحمن بن یربوع، جدبن قیس، عمرو بن مرداس اور العلاء بن الحارث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر شخص کو سو اونٹ دیئے اور ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ ماسوا عبدالرحمٰن بن یربوع کے اس کو آپؐ نے پچاس اونٹ دیئے اور حکیم بن حزام کو آپؐ نے ستر اونٹ دیئے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! میرے خیال میں آپ کی عطا کا مجھ سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں ہے تو آپؐ نے ان کو بھی سو اونٹ پورے کر دیئے۔

مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں: مسلمان اور کفار۔ مسلمانوں کو صدقات میں سے اس لئے دیا جاتا ہے کہ ان کا ایمان قوی رہے یا ان کے مماثل لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے اور کفار کو اسلام کی ترغیب دینے کے لئے یا ان کے شر سے بچنے کے لئے ان کو زکوٰۃ اور صدقات سے دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن اُمیہ کو عطا فرمایا ہے جب آپؐ نے ان کا اسلام کی طرف میلان دیکھا۔

علامہ واحدی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین کے قلوب کی تالیف سے مستغنی کر دیا ہے۔ اگر مسلمانوں کا سربراہ یہ دیکھے کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہے اور ان کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں کو نفع پہنچے گا تو ان کو مال فئے سے عطا کرے، زکوٰۃ سے نہ دے۔

حضرت عمرؓ سے یہ مروی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا مصرف، مصارف زکوٰۃ سے اب ساقط ہو چکا ہے اور یہی شعبی کا قول ہے۔ امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے اور حسن بصری سے یہ مروی ہے کہ ان کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ اب بھی ثابت ہے۔ زہری' ابوجعفر محمد بن علی اور ابوثور کا یہی مذہب ہے اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کو ان کی ضرورت ہو تو ان کو زکوٰۃ سے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ (۱۸)

غلاموں کو آزاد کروانا:

جس غلام کے متعلق اس کے مالک نے یہ کہا ہو کہ اگر اس نے اتنے روپے مجھے ادا کر دیئے تو یہ آزاد ہے' اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں اور اس کی آزادی میں تعاون کرنے کے لئے زکوٰۃ میں سے اس کو حصہ دینا مشروع کیا گیا ہے۔

حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک مکاتب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' وہ اس وقت جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے حضرت ابوموسیٰؓ سے کہا: اے امیر! لوگوں کو میرے لئے ہبرانگیختہ کیجئے۔ تو حضرت ابوموسیٰؓ نے مسلمانوں کو برانگیختہ کیا۔ پس لوگوں نے اس کو کپڑے اور انگوٹھیاں دیں حتیٰ کہ بہت مال جمع ہو گیا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے اس مال کو جمع کر کے فروخت کیا اور اس کی مکاتبت ادا کر دی اور باقی مال بھی غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا اور لوگوں کو یہ رقم واپس نہیں کی اور یہ کہا کہ لوگوں نے یہ رقم غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے دی ہے۔ (۱۹)

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی کے مطابق:

الرقاب (غلاموں کو آزاد کرانے) کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ اس سے مراد مکاتب ہیں تاکہ ان کو زکوٰۃ کے مال سے آزاد کرایا جائے۔

۲۔ امام مالک وغیرہ نے یہ کہا کہ مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرایا جائے۔

۳۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد نہ کرایا جائے بلکہ مال زکوٰۃ سے کچھ رقم غلام کے لئے دی جائے اور اس سے مکاتب کی گردن آزاد کرانے میں مدد کی جائے کیونکہ وفی الرقاب فرمانے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا مال زکوٰۃ میں کچھ دخل ہونا چاہئے اور یہ اس کے منافی ہے کہ مال زکوٰۃ سے مکمل غلام آزاد کیا جائے۔

زکوٰۃ میں مقروضوں کا حصہ:

مقروض سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات میں مقروض ہوں نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لئے قرض لیا ہو' مثلاً کسی نے سینما ہاؤس' وڈیو شاپ یا شراب کی دوکان کھولنے کے لئے قرض لیا ہو یا مثلاً کسی نے بے جا خرچ اور اسراف کے لئے قرض لیا ہو مثلاً کسی نے اپنے بچوں کی شادی کے سلسلہ میں مروجہ رسومات بڑے پیمانہ پر منعقد کی ہوں اور مقروض ہو گیا ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے لئے اس کے پاس رقم نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہئے۔ البتہ علامہ نووی شافعی نے ''الروضہ'' میں یہ لکھا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو پھر اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے' مقروض خواہ غنی ہو لیکن اگر اس کے پاس قرض اُتارنے کے لئے رقم نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

حدیث میں ہے:

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی غنی کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر پانچ کے لئے: جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو' یا وہ صدقہ وصول کرنے والا عامل ہو' یا مقروض ہو یا جس شخص نے صدقہ کو اپنے مال سے خرید لیا ہو' یا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو اور اس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی ہو اور وہ مسکین غنی کو وہ چیز ہدیہ کر دے''۔(یہ روایت مرسل ہے)(۲۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی غنی کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے مگر اس غنی کے لئے جو اللہ کی راہ میں ہو یا مسافر ہو یا وہ کسی فقیر کا پڑوسی ہو اس فقیر پر صدقہ کیا جائے اور وہ غنی کو ہدیہ دے یا اس کی دعوت کرے''۔(۲۱)

زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کا حصہ:

اس سے مراد یہ ہے کہ جہاد کرنے والوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے اور ان کے لئے اسلحہ' گھوڑے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدی جائیں۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے اور امام محمد کے نزدیک جو مسلمان حج کے لئے جائیں وہ بھی اللہ کی راہ میں ہیں اور ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ اگر مجاہد یا حاجی کے پاس اس کے وطن میں نصاب کے برابر مال ہے اور سفر میں نہیں ہے تو وہ مسافر میں داخل ہے اور اگر سفر اور حضر دونوں میں وہ صاحب نصاب نہیں ہے تو پھر وہ فقیر میں داخل ہے تو پھر فی سبیل اللہ ایک مستقل اور الگ مصرف نہ ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے وطن میں مال دار ہے لیکن جب وہ جہاد کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اس کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت ہوتی ہے' اس کے برخلاف مسافر کو اسلحہ اور سواری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غازی اور مجاہد کو اسی وقت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جب وہ محتاج ہو' باقی آئمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی لکھتے ہیں:

''فی سبیل اللہ کے الفاظ صرف غازیوں اور مجاہدین میں منحصر نہیں ہیں' اسی وجہ سے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ فقہاء نے زکوٰۃ کو نیکی کے تمام راستوں میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے مثلاً مُردوں کو کفن دیا جائے' قلعے بنائے جائیں اور مساجد بنائی جائیں۔ ان تمام امور میں زکوٰۃ کو خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ فی سبیل اللہ کا لفظ ان سب کو شامل ہے۔''(۲۲)

زکوٰۃ میں مسافروں کا حصہ:

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس سفر میں مال اور اسباب نہ ہوں اور اس کو مدد کی ضرورت ہو۔ اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

علامہ سیّد محمود آلوسی لکھتے ہیں:

''مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس مال نہ ہو' وہ زکوٰۃ قبول کرنے کے بجائے قرض مانگ لے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ ''فتح القدیر'' میں مذکور ہے کہ مسافر کے لئے اپنی ضرورت سے زیادہ زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور مسافر کے ساتھ ہر وہ شخص لاحق ہے جس کے پاس مال نہ ہو خواہ اس کے شہر میں اس کے پاس مال ہو اور ''محیط'' میں مذکور ہے کہ اگر تاجر کی رقوم لوگوں کے پاس قرض ہوں اور وہ ان سے قرض وصول کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح اس حال میں فقیر ہے اور میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر تاجر کا لوگوں پر میعادی قرض ہو اور وہ کھانے پینے میں محتاج ہو تو اس کے لئے قرض وصول ہونے کی مدت تک زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے اور اگر قرض غیر میعادی ہو لیکن مقروض تنگ دست ہو تب بھی اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر ہو تو پھر اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور اگر گواہ عادل نہیں ہیں پھر بھی زکوٰۃ لینا جائز نہیں الا یہ کہ مقروض قاضی کے سامنے حلف اُٹھا لے کہ اس نے اس تاجر کا قرض نہیں دینا' پھر وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں قرض کی رقم نصاب سے کم نہیں ہونی چاہئے۔'' (۲۳)

زکوٰۃ کے مقاصد (Objectives of Zakat):

اب یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے کون سے مقاصد اور آداب ہوتے ہیں جو ملحوظ خاطر رہنے چاہئیں اور آداب صحیح طور پر پورے نہ کئے جائیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی مشکوک بن جاتی ہے۔ ویسے بھی اس کے متعین شدہ مقاصد کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں کتاب وسنت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے چند حسب ذیل مقاصد ہیں۔

۱۔ تزکیہ نفس: حقیقی اور بنیادی مقصد جس کا تعلق بالکلیہ شخص کی اپنی ذات سے ہوتا ہے یہ ہے کہ زکوٰۃ دہندہ کا مال دنیا کی حرص وہوا سے پاک ہو جائے اور تقویٰ کے کاموں کے لئے تیار رہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾ (لیل:18-17)

''اور اس (دوزخ) سے دور رکھا جائے گا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والا ہے۔ جو اپنا مال دوسروں کو دیتا ہے محض پاک ہونے کی خاطر۔''

آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے بھی فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (توبہ:103)

''ان کے مالوں میں سے صدقہ لو جس کے ذریعے انہیں پاک کرو گے اور ان کا تزکیہ کرو گے۔''

ان آیات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کا مقصد دل کی پاکی اور نفس کا تزکیہ ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا حب الدنیا راس کل خطیة (۲۴)

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے آپؐ نے مال کو امت کے حق میں سب سے بڑا فتنہ قرار دیا ہے۔ فتنة امتی المال (۲۵) زکوٰۃ قلب انسانی کو آزادی عطا کرتی ہے۔

۲۔ رضائے الٰہی: اس کا دوسرا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے کسی اور محرک کو اس میں دخیل نہیں ہونا چاہئے۔

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:272)

''تم اپنی دولت صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے رہو۔''

اس کا مطلب واضح ہے کہ ایسا ہی کرنا چاہئے وگرنہ صدقہ وخیرات دینے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے صدقہ صرف اللہ کی ذات کے لئے ہی دینا بہتر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ پاک کمائی: جو زکوٰۃ ادا کی جائے وہ حلال مال سے ہو۔ ڈاکہ، چوری، یا غبن وغیرہ کا مال صدقہ نہیں کیا جا سکتا زکوٰۃ دینے کا مقصد یہی ہے کہ اپنی کمائی ہوئی دولت سے غرباء کی کفالت کی جائے ناجائز کمائی سے زکوٰۃ یا خیرات دینا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ (البقرہ:267)

''اے ایمان والو اپنی پاک کمائی سے خرچ کرو۔''

آنحضرتؐ نے اس کی مزید صراحت یوں فرمائی ہے:

''لوگو! اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک مال کا صدقہ قبول فرماتا ہے''۔ (۲۶)

۴۔ عمدہ شے: زکوٰۃ یا صدقہ میں دی جانے والی چیز عمدہ اور پسندیدہ ہو روی اور خراب اشیاء کو اس غرض کے لئے چھانٹ کر رکھ لیا جائے تو یہ زکوٰۃ کی صحیح ادائیگی نہیں ہوگی بلکہ چھدا اتارنا ہوگا۔

﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ (البقرۃ:267)

''اور اس میں سے خرچ کرنے کے لئے خراب مال کو تلاش نہ کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں اچھی اور افضل چیز دینا بہتر ہے وگرنہ قبول نہ ہوگی۔

۵۔ احسان نہ جتلانا: زکوٰۃ دینے کے بعد اس فرد ممنون احسان کرنا بہتر نہیں ہے بلکہ اس احسان کو یاد نہ دلایا جائے اور نہ ہی اس سے کسی صلہ کی امید باندھی جائے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ (البقرۃ:264)

''اے ایماندارو! اپنے صدقے احسان جتلا کر اور دل آزاریاں کر کے ضائع نہ کر دیا کرو اس شخص کی مانند جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔''

حدیث شریف میں ہے:

''قیامت کے دن تین آدمی سب سے پہلے جہنم میں جائیں گے ان میں سے ایک وہ ہوگا جس نے دنیا میں بہت خیرات کی ہوگی کہ لوگ اسے بڑا داتا اور غریب پرور کہیں''۔ (۲۷)

اور فرمان الٰہی ہے:

''اور جو لوگ اپنا کھانا محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کھانا حالانکہ وہ خود انہیں اپنے لئے محبوب ہے۔ (اور ان میں سے زبان حال یا قال سے کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں تم میں سے کسی بدلے یا شکر گزاری کے خواہشمند نہیں۔'' (الدھر:9-8)

اسی طرح میں ہے۔

''اور یہ لوگ جو دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرے ہوئے ہیں اس خیال سے کہ انہیں اپنے رب کے پاس پلٹنا ہے۔'' (مومنون:60)

یعنی کسی اظہار تفخر احساس برتری اور جذبہ نمائش کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

۶۔ اجتماعی صورت: یہ بہتر ہے کہ زکوٰۃ کو پہلے ایک مرکز پر جمع کر لیا جائے اور پھر وہاں ایک ضابطہ کے تحت مستحق۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں میں تقسیم کرلیا جائے۔ اس سے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ نیز کل آمد کا علم ہو جاتا ہے اور کسی خاص علاقے کی ترقی پر اس مطلوبہ رقم کو صرف کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ کم عقل، دیوانہ یا نادان کو ضرورت سے زیادہ رقم نہیں دینی چاہئے کیونکہ وہ اسے ضائع کر دیں گے اور عیش وعشرت پر صرف کریں گے تاہم عقل مند اور حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ضروری رقم فراہم کی جائے۔

۸۔ غرباء کی کفالت (Maintenance of Poor): ملت کے نادار افراد کی اعانت کی جائے تاکہ غربت کا خاتمہ ہو سکے اور ان کی بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں آپؐ فرماتے ہیں:

ان اللہ افترض علیھم صدقة توخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم (۲۸)

''بے شک اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے لی جائے گی اور ان کے حاجتمندوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔''

اسی طرح فرقان مجید میں بھی ہے:

''اور وہ اپنا مال باوجود محبوب ہونے کے قرابتداروں، یتیموں، ناداروں مسافروں اور سائلوں کو دیتا اور گردنیں چھڑانے میں صرف کرتا رہتا ہے۔'' (البقرۃ:177)

نیز قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ o لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج:25-24)

''اور یہ ایسا حق ہے جس کی خاطر اسلامی حکومت تلوار بھی اٹھا سکتی ہے جیسا کہ اسوۂ صدیقؓ سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ آپؓ نے فرمایا: ''مومن وہ نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی پہلو میں بھوکا رہے۔'' (۲۹)

زکوٰۃ کی اہمیت (Significance of Zakat):

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے یہ فرزندان توحید کی مالی عبادت ہے۔ اس فرض کی پابندی کے بغیر وہ اپنی عبدیت اور ایمانیت کا پورا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے اگرچہ خالصارب کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے ادا کی جاتی ہے مگر اس کی متعدد برکات ہماری دنیاوی زندگی میں بھی ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے طفیل ہمیں بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک خوشحال اور پرامن معاشرہ کی ترقی اور رفعت کے لئے بھی ضروری ہے۔

اسلام نے زندگی کے لئے جو نظام عطا فرمایا ہے۔ اس کے پانچ ستونوں میں سے ایک زکوٰۃ ہے۔ قرآن پاک میں تقریباً ہر مقام پر صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہے یہ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ معاشرہ جو نماز کے ذریعے ایک محلہ سے نکل کر عالمی سطح پر پھیل جاتا ہے اور جس کے افراد میں اللہ کا خوف ومحبت حضور اکرمؐ کا ادب واحترام باہمی ہمدردی، انسانی مساوات، وسپلن، پابندی اوقات صفائی وپاکیزگی چستی وہوشیاری دیانت وصداقت وغیرہ اوصاف خود بخود اجاگر ہوتے جاتے ہیں۔ یہ سوسائٹی اس وقت اپنے مقاصد جلیلہ کے حصول میں کامران ہو سکتی ہے جب زکوٰۃ کا سسٹم اپنے ضرورت مند افراد کی حاجت گیری بھی کرے۔

آنحضورؐ کے اس دنیا سے روپوش ہونے کے بعد بعض قبائل نے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کر دیا تھا تو صدیق اکبرؓ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نے اعلان فرمایا تھا کہ اگر لوگ مقررہ محاصل زکوٰۃ میں سے اونٹ باندھنے کی رسی بھی کم کر دیں گے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔ آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو تاکید کی کہ لوگوں کو بتا دیں کہ زکوٰۃ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غرباء پر لوٹا دی جائے گی اور اسی سے اس کی اہمیت اور تعریف عیاں ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے تاکہ:

''دولت تم میں سے دولت مندوں کے درمیان ہی نہ پھرتی رہے''۔

حضورؐ کا مندرجہ صدر فرمان عالیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ بلکہ یہ آیت اسلام کے سارے مالیاتی نظام کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ ثروت صرف امیروں ہی میں نہ پھرتی رہے بلکہ اس کی گردش سارے معاشرہ میں اسی طرح ہو جیسے جسم میں خون حرکت کرتا ہے اور پور پور تک پہنچتا ہے اگر کسی عضو کو میسر نہ ہو تو وہ رنجور بن جاتا ہے اسی طرح دولت کسی کو فراہم نہ ہو سکے تو وہ بھی محتاج بن جاتا ہے۔

۱۔ غربت کا خاتمہ:

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت عموماً دولت مند طبقہ معاشرہ کے ایسے افراد کی کفالت و معاونت کا ذمہ نہیں لیتا جو معذور، اپاہج، نادار، یتیم، مسکین، بیروزگار، ضعیف و ناتواں یا بیوہ ہوں۔ اگرچہ اس نظام کی اصلاح بھی کی گئی ہے اور بعض حکومتیں عارضی بندوبست بھی کرتی ہیں۔ مگر یہ خاص علاج نہیں ہے اس کے مقابلے میں اسلام نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے اس مسئلہ کا مستقل حل تلاش کر لیا ہے اور یہ مد خاص لوگوں کے لئے مختص کر دی ہے۔ مقروض مسافر اور قیدی بھی اس رعایت سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ غیر اسلامی نظاموں میں یہ بیچارے لوگ سسکیوں اور دکھوں میں زندگی گزارتے ہیں مگر ادائیگی زکوٰۃ سے ان کی محرومی اور بدنصیبی، خوشیوں اور خوش نصیبی کا روپ دھار لیتی ہے۔ ان کی پرورش اور مدد کا انتظام ہو جاتا ہے ان کی مصیبت ٹل جاتی ہے۔

۲۔ دولت کی عادلانہ تقسیم (Justdistribution of Wealth):

موجودہ زمانے میں ابن آدم کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے جن میں سے ایک اہم مسئلہ غیر منصفانہ تقسیم دولت بھی ہے۔ اس کے باعث معاشرہ عموماً دو متحارب گروہوں میں بٹ جاتا ہے ایک نہایت امیر اور دوسرا انتہائی غریب ان کے مابین رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے سوسائٹی کا امن و سکون تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ ایک طبقہ عیش و آرام میں غرق تو دوسرا نان جویں کا محتاج نیز افلاس و تنگ کے منحوس سائے کا ہدف لاخطا بنتا ہے اس وجہ سے باہمی منافرت حسد، کینہ اور بغض و عناد جیسے مکروہ جذبات ابھرتے ہیں۔ مالدار اور نادار (Have- Nots) کی عریض خلیج کو کم کرنے کی خاطر اسلام نے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ اس کی رو سے ہر صاحب نصاب سال کے بعد اپنے مال کو 5/2% بطور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ گویا امیر کلاس سے دولت نکل کر غریبوں اور زیر بار لوگوں کے ہاتھ آتی ہے اور وہ اپنی روزی کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ اس طرح دولت تقسیم ہوتی رہتی ہے اور اسلامی معاشرہ میں دو مختلف طبقے معرض وجود میں نہیں آتے۔

۳۔ دفینوں کا علاج (Remedy of Hoardings):

زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر لوگ اپنی دولت کو زیوارت یا نقد دفینوں کی صورت میں سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ استعمال میں نہیں آتا اور کساد بازاری (Depression) پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معاشرہ میں لوگ کثیر مقدار میں نقدی کو زیورات اور دفینوں کی شکل میں نہیں رہیں گے۔ کیونکہ ہر سال ادائیگی زکوٰۃ سے ان کی مالیت کم ہو جاتی ہے اور حتی کہ ایک مدت کے بعد زکوٰۃ کے باعث وہ ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا لوگ اپنی دولت کو کسی نفع آور کاروبار میں لگائیں گے شرکت و مضاربت کے اصول پر دوسرے لوگوں سے تجارت وغیرہ کرائیں گے اس سے پبلک کو بھی فائدہ پہنچے گا روزگار کے مواقع زیادہ ہوں گے سرمایہ کاری بھی بڑھے گی۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''آگاہ ہو جاؤ جو کوئی کسی یتیم کا ولی ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو اس سے تجارت کرے اور اس کو یونہی نہ ڈال رکھے مبادا زکوٰۃ ہی اسے ختم کر ڈالے۔''

۴۔ باہمی تعاون کو فروغ:

زکوٰۃ کے نظام سے معاشرہ میں باہمی تعاون کا جذبہ جلا پاتا ہے۔ جب دولت مند حاجت مندوں کی معاونت کرتے ہیں۔ تو یہ انہیں عزت و محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں شکر گزاری اور پاسداری کے احساسات پروان چڑھتے ہیں۔ گویا یوں پورا معاشرہ اخوت، مروت، یگانگت اور شفقت کی خوشبو سے لبریز ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ معاونت کا ماحول جنم لیتا ہے۔

۵۔ گردش زر (Circulation of Money):

چونکہ مال امیر طبقہ سے نکل کر غریبوں اور ضرورت مندوں کے ہاتھ پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے دولت تمام افراد کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے۔ نیز پیداوار محنت اور صرف دولت کے درمیان موزوں طریقے زر گردش کرتا ہے۔ سودی نظام کے سہارے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی جو معاشرہ کے سم قاتل سے کم تر نہیں مقروض کی بھی بلاسود حاجت روائی ہوتی رہے گی۔ کاروبار اغراض کی خاطر بغیر سود کے قرض فراہم ہو جاتا ہے۔

۶۔ اعلیٰ اخلاق:

یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے ضرورت مند لوگوں کی جائز حاجات کی تکمیل ہوتی رہتی ہے اس لئے وہ چوری، گداگری اور دوسرے مذموم افعال کا ارتکاب نہیں کرتے ایمانی تصور، اعتقادی تربیت اور ارفع صفات اجاگر ہوتی ہیں۔ نفس انسانی ایک مخصوص ڈھانچے میں ڈھلتا ہے پھر اس نظام کے ہر شعبہ حیات میں صحیح تصورات، پاکیزہ اخلاق پسندیدہ اطوار اور مستحسن طریقہ جات جاری ہوتے ہیں۔ انفرادی سعی و عمل اور سود سے مبرا باہمی یک جہتی سے زندگی نمو پاتی ہے معیشت ترقی کرتی ہے۔ لوگوں کو وافر سہولیات ملتی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ کے بنیادی مصالح اور اس کے احکام کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۳۰)

''جاننا چاہئے کہ زکوٰۃ میں سب سے زیادہ اہم مصالح دو ہیں۔ پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے اس لئے کہ نفس اور حرص و بخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے حرص بدترین اخلاق میں سے ہے جو معاد میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں انکار ہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اگر زکوٰۃ کی مشق اس کو ہوگی تو یہ حرص اس سے ختم ہو چکی ہوگی جو بالآخر اس کو نفع پہنچائے گی''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے اس لئے کہ ضعفاء اہل حاجت جمع ہوں گے۔ اگر ان کی ہمدردی و اعانت نہ کی گئی تو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے اس کے علاوہ شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے اور ان شہریوں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مدبرین و منتظمین اپنی ان مشغولیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے۔ مشترکہ اخراجات یا چندے نہ سب کے لئے آسان ہیں نہ ممکن اس لئے رعیت سے ان مصالح کے لئے رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے۔

اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ دو مصالح باہم لازم و ملزوم رہیں اس لئے شرع نے بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے۔ (۳۱)

۷۔ اہم خصوصیات:

زکوٰۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خود ساختہ قوانین اور حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں ان مابہ الامتیاز خصوصیات نے زکوٰۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے اس کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے اور اس کے اندر زندگی و اخلاق پر اثر انداز ہونے اور خدا و بندہ کے تعلق کو استوار اور مستحکم کرنے کی ایسی قوت و صلاحیت پیدا کر دی ہے جو کسی دوسری دنیاوی ٹیکس میں نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر و انذار:

ان خصوصیات میں سب سے بڑی بنیادی اور مؤثر ایمان و احتساب کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈالتی ہے اس روح یا اسپرٹ سے رسمی ٹیکس' سرکاری قوانین اور معاشی حد بندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی گرانی اور بددلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس لگانے والے خود اس جیسے انسان ہیں اور شاید اس سے بھی پست تر ہیں اور اس ٹیکس سے وصول ہونے والی آمدنی زیادہ تر عیشات اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے یا چند اشخاص اور پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے اس کے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب و ترہیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی بلکہ اس کے بجائے جرمانے' دھمکیاں' سزائیں اور خشک و سخت قوانین ہوتے ہیں جن سے عوامی ناراضگی اور بے اطمینانی و بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان حکمتوں کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا قرآن و حدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضائل و دنیا و آخرت میں اس کے ثمرات و نتائج' اجر و ثواب' مال و دولت میں برکت یا زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برکتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان قرآن اقدس میں یوں ہے:

> ''جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیاں اگیں ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے بلکہ پوری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح مطمئن ہوں گے"۔(البقرہ:274)

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾(البقرہ:274)

"جو لوگ اپنا مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارہ خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لئے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ﴾(الحدید:11)

"کوئی شخص ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ اسے اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کی لئے اجر پسندیدہ ہے۔"

ان خوشخبریوں اور بشارتوں کے ساتھ (جو انسان کی ضرورت اور فطرت بشری کا تقاضا ہے) مال جمع کرنے، فقراء اور اہل ضرورت کی حق تلفی کرنے، حقوق اللہ میں کوتاہی، محض لالچ اور حرص اور اپنا دل خوش کرنے کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے شوق اور مال سے عشق پر بار بار تنبیہ اور وعیدوں سے کام لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے اس روز (واقع ہوگا) جب کہ اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا یہی ہے کہ وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزا چکھو اپنے جمع کرنے کا۔"(البقرہ:35-34)

اسی طرح آنحضرتؐ نے زکوٰۃ دینے والوں کو مختلف بشارتیں سنائی ہیں اور اس کو مال و اولاد اور دنیا و آخرت دونوں جگہ سبب برکت اور باعث نجات بتایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہؐ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"جب کوئی اپنے پاک مال (اور اللہ تعالیٰ صرف پاک مال ہی کو پسند کرتا ہے۔) سے کچھ صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اگر وہ کھجور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بڑھتا رہتا ہی اور اتنا بڑھ جاتا ہے کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے یا بکری کے بچہ کی پرورش کرتا ہے"۔(۳۲)

رسول اللہ کا فرمان ہے کہ:

"صدقہ کی وجہ سے آدمی کا مال کبھی کم نہیں ہوتا اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو عزت ہی عطا فرماتا ہے اور جب کوئی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند کرتا ہے"۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا ہے کہ:

"کوئی صبح بندوں پر ایسی نہیں گزرتی کہ دو فرشتے نہ اترتے ہوں جن میں ایک یہ کہتا ہے کہ اے اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ بخیل کے مال کو تلف کر دے''۔

۸۔ تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی روح:

زکوٰۃ کا ایک اور امتیازی پہلو اخلاص تواضع اور ممنونیت کی وہ روح ہے جو ہر لحہ اس میں جاری و ساری رہتی ہے اس سے مراد زکوٰۃ کے آداب' اعلیٰ اخلاق اور دینی جذبات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہت اہتمام سے بار بار کیا گیا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کو ان صفات سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اس نے اہل خیر کو اس کی تلقین کی ہے کہ وہ احسان جتانے سے پرہیز کریں اور اپنے صدقہ وخیرات کو اس سے ملوث کر کے بے قیمت نہ بنائیں۔

قرآن اپنے معجزانہ پیرایہ بیان میں اس کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان واذیت سے کام نہیں لیتے ان کے لئے اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان کو نہ کوئی خوف (واقع) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے عقب میں اذیت ہو اللہ بڑا غنی ہے بڑا بردبار ہے اے ایمان والوں اپنے صدقوں کا احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے جس پر کچھ مٹی ہے پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے (ایسے لوگ) کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اپنی کمائی سے اور اللہ کافر لوگوں کو راہ ہدایت نہ دکھائے گا''۔ (البقرہ:66-62)

اس نے ان اہل خیر کی مدح کی ہے جن کے اندر تواضع واخلاص کی یہ روح پائی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ سب کیفیات ان پر طاری ہوتی ہیں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ (المومنون:60)

''اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جانا ہے''۔

ان اہل خیر کی تعریف کرتے ہوئے وہ ان کے اخلاص کامل اور سب قسم کی اغراض سے آزادی سے متصف قرار دیتا ہے:

''اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے ہم تو تم کو بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور نہ تم سے (اس کا) عوض چاہیں اور نہ شکریہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف سے اندیشہ رکھتے ہیں ایک سخت اور تلخ دن کا۔'' (الدھر:10-8)

۹۔ معین فرض (Determined Duty):

ایک پختہ دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک متعین فریضہ ہے اور صدقہ اور انفاق غیر متعین ہیں۔ کسی نصاب کے بھی پابند نہیں یہ بھی اس کی اہمیت ہے:

عن ابی امامة رضی الله عنه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا ابن آدم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انک ان تبذل الفضل خیر لک وان تمسکه شر لک (۳۳)

''حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اے ابن آدم! تیرے لئے ضرورت سے زائد مال کا خرچ کر دینا بہتر ہے اور اسے روکے رکھنا برے نتائج کا حامل ہے۔''

۱۰۔مثبت اثرات (Positive Effects):

زکوٰۃ کو اسلام کے مالیاتی نظام میں کلیدی حیثیت ہے۔ کیونکہ اس کے پیداوار، روزگار صرف و تقسیم دولت پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور پھر بہتر نتائج نکلتے ہیں۔ آمدنی بڑھتی ہے خرچ میں اعتدال آتا ہے تقسیم صحیح ہوتی ہے اور تبادلہ اشیاء بھی موزوں رہتا ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے نہایت فاضلانہ و بلیغانہ انداز میں زکوٰۃ کے نتائج یوں اُجاگر کیے ہیں:

''بخل سرطانی ادارے اور معاشرتی سرطان پیدا کرتا ہے اور سرطانی ادارے احتیاج پیدا کرتے ہیں اور احتیاج پیدا کرتے ہیں اور احتیاج قوم کو دیمک کی طرح چٹ کر دیتی ہے۔ نتیجتاً اس کی زندگی میں توازن نہیں رہتا اور وہ مصیبت و تفرقہ اور ناآہنگی و ناہمواری کا شکار ہو جاتا ہے۔ قوم میں وحدت نہ رہے تو اس کے شیرازے کا منتشر ہونا شدنی ہو جاتا ہے۔''

اس کے برعکس زکوٰۃ و عشر کے بھرپور کردار کی وجہ سے معاشرتی اور معاشی ارتقاء کا احاطہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''معاشرے کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ قومی زندگی میں کشادگی و وسعت اور طمانیت و مسرت پیدا ہوتی ہے مفلوک الحال و مفلسی اور دست نگری و گداگری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں سرمایہ داری، سود کاری، جاگیرداری، زمینداری، مزارعت و مضاربت، کرایہ کاری، دستار گیری، ساہوکاری ایسی سرطانی بیماریوں اور برائیوں کے پیدا ہونے کے امکانات مفقود ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ امن و سلامتی اور آزادی و خوشحالی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔''

زکوٰۃ و عشر کا کردار صرف مندرجہ بالا باتوں تک محدود نہیں اور نہ ہی ڈاکٹر موصوف نے ان ناموں پر اکتفا کیا۔ بلکہ انہوں نے اقتصادی و سماجی ارتقاء میں زکوٰۃ و عشر کے حوالے سے ملنے والے ثمرات و برکات پر خوب روشنی ڈالی ہے یعنی:

''انفاق بالعفو، عدل و احسان، آزادی اکتساب، کفالت اجتماعیہ، اخوت و مساوات، عظمت محنت تکریم انسانی کسب و اکل حلال دیانت داری، امانت داری، سچائی ایفائے عہد تقسیم پیداوار بذریعہ عدل و احسان وسائل پیداوار سے تمتع کی آزادی اور انسانی حقوق کا پاس و احترام کو گنوایا ہے۔''

علاوہ ازیں معاشرتی اور معاشی ارتقاء میں رکاوٹ بننے والے ایسے عوامل ہیں:

۱۔ ربا یا سود یعنی سود کاری و سود خوری۔ ۲۔ ظلم و استحصال۔ ۳۔ بخل و طمع نفس۔
۴۔ اکتناز۔ ۵۔ احتکار۔ ۶۔ کسب و اکل حرام۔ ۷۔ وسائل پیداوار پر اجارہ داری۔
۸۔ تحقیر انسانی۔ ۹۔ تحقیر و تذلیل محنت و محنت کش۔ ۱۰۔ اسراف و تبذیر۔ ۱۱۔ اقتصادی بد دیانتی۔
۱۲۔ خیانت۔ ۱۳۔ عہد شکنی۔ ۱۴۔ نوسر بازی۔ ۱۵۔ جلب منفعت۔
۱۶۔ رشوت۔ ۱۷۔ گداگری۔ ۱۸۔ بیگار۔ ۱۹۔ ساہوکاری یا بینکاری۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۰۔ تمسکات کاری یعنی خصص کاری' انعامی بانڈوں' سیونگ' ڈیفنس اور اس قسم کے سرٹیفکیٹوں پر سود (المعروف منافع) کو شمار کیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ تو ایک کارگر ذریعہ ہے بھوک اور افلاس کو مٹانے کا جو زکوٰۃ کے نظام کے پوری طرح بروئے کار آ جانے کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں ایسی مٹ جاتی ہے کہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ڈھونڈنے سے نہیں ملتا اور تاریخ اس پر شاہد ہے۔

معاشرتی و معاشی ارتقاء میں زکوٰۃ و عشر کا کردار کثیر الجہتی ہے۔ جہاں ایک طرف وہ زکوٰۃ وصول کنندہ کی مالی معاونت کے ذریعے تطہیر فکر و تعمیر فکر کا مظہر ہے' وہاں دوسری طرف وہ زکوٰۃ دھندہ کی قلبی و باطنی تطہیر کی صورت میں تزکیہ نفس کا عکاس ہے۔

بالفاظ دیگر زکوٰۃ و عشر جہاں ایک طرف معاشرتی و معاشی طور پر پسے ہوئے افراد کی مالی مدد کے فقر و فاقہ' گداگری' خودکشی' غربت' افلاس' بھوک اور ننگ وغیرہ کا تدارک کرتے ہوئے ضروریات زندگی کی تکمیل کر کے معاشرے کے ان گرے پڑے معذور' محروم الوسائل و مفلوک الحال افراد کو پاؤں پر کھڑا کرتے ہوئے معاشرتی دوڑ میں شریک بنا کر بہت سے معاشرتی و معاشی جرائم کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ فکری اعتقاداتی ایسے بنیادوں کو مضبوط کرنے کا بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔ وہاں دوسری طرف وہ معاشرتی و معاشی طور پر خوشحال اور مضبوط افراد یعنی صاحب نصاب کے قلبی و باطنی امراض ایسے بخل خودغرضی' حب جاہ' حرص' لالچ' حب دنیا' خواہش نکاثر' کنجوسی اور فضول خرچی' بے دردی اور بے حسی وغیرہ کی اصلاح کرتے ہوئے تزکیہ نفس کے ساتھ ساتھ تطہیر فکر و تعمیر کا بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔

اسی طرح سوسائٹی سے معاشرتی و معاشی تفاوت کے نتیجے میں ظلم' نفرت' حسد' کینہ' منافقت' عداوت' بغض' غصہ' چوری' ڈکیتی' قحبہ گری' گداگری ایسے معاشرتی و معاشی جرائم کے تدارک کے ساتھ ساتھ طبقاتی نظام کی بیخ کنی کرتے ہوئے ایک متوازن اور اعتدال پر مبنی صالح اور خوش حال معاشرے کے تشکیل کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ جہاں باہمی محبت' الفت' خیر خواہی' ہمدردی و غمگساری' اخوت اور وردول ایسی اعلیٰ معاشرتی و معاشی صفات سے متصف اقدار پروان چڑھتی ہیں۔

معاشرتی و معاشی زبوں حالی سے کئی مسائل جنم لیتے ہیں جن میں گداگری' منشیات کا استعمال' عصمت فروشی' قمار بازی' جعلی پیرو رشوت' اسمگلنگ' خودکشی شامل ہیں۔ یہ معاشرتی اور معاشی جرائم کسی بھی سوسائٹی کی بہبود میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ:

> ''جرم اور افلاس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بیماری کی وبا غریبوں کی بستی میں پھولتی ہے۔ زندگی کا اوسط بھی غریب آبادی کے لوگوں کا زیادہ نہیں ہوتا۔ شرح اموات بھی اسی طرح نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ دق' سیل' کینسر جیسے موذی امراض اور جنسی بیماریوں کا شکار بھی اسی بستی کے لوگ ہوتے ہیں۔ پیدائش کے بعد مرنے والے بچوں کی تعداد بھی اسی بستی میں زیادہ ملے گی۔'' (۳۴)

اگر زکوٰۃ کی تقسیم صحیح ہو تو اس سے گردش دولت جاری و ساری رہتی ہے۔ جس کے پھیلنے سے معاشرے کے تمام طبقات کو مفادات اور فوائد ملتے ہیں ارتکاز (Accumulation) ثروت کا علاج ممکن ہوتا ہے جیسا کہ

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:7)

''ایسا نہ ہو کہ دولت امراء کے درمیان ہی گھومتی رہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ہر سال چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا نکالا جاتا رہے تو ڈھیروں دولت جمع نہیں رہتی۔ بلکہ سرمایہ دار اپنی رقم کو کاروبار' تجارت' صنعت اور زراعت کے علاوہ دوسرے شعبوں میں لگائے گا جس سے پیدائش کی سطح بلند ہوگی اشیاء و خدمات کی مقدار بڑھے گی آمدنی زیادہ ہوگی' بچت میں بھی اضافہ ہوگا اور یوں سرمایہ کاری میں وسعت کے نئے مواقع جنم لیں گے غریبوں کو زکوٰۃ کے حصول سے ان کی جائز ضروریات پوری ہوں گی جو صرف دولت پر مثبت اثرات ثبت کریں گی۔ مجموعی طور پر معیشت کی افزائش (Growth) ہوگی۔ غربت کا قلع قمع کرنے میں مدد ملے گی۔

''زکوٰۃ کفالت عامہ (Public Maintenance) کے مقاصد پورے کرتی ہے۔ کثیر دار (Have-Lots) اور قلیل دار یعنی نادار (Have- Nots) میں پائی جانے والی تفاوت کی دیوار کو مسمار کرتی ہے۔ معیار زیست کو بلند کرنے کی راہ ہموار کرتی ہے''۔

۱۲۔ ارتکاز دولت کا حل:

اس کے باعث سرمایہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں مرکوز نہیں ہوتا اور دولت صرف چند لوگ سمیٹ کر نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ حکومت کو جبری زکوٰۃ وصول کرنے کا وسیع اختیار ہوتا ہے۔ ملک کے قدرتی اور انسانی ذرائع بیکار نہیں رہتے۔ معیشت عدم توازن کا شکار نہیں ہوتی کیونکہ اس کا علاج زکوٰۃ میں مضمر ہے۔ سرمایہ داروں کو ہر سال اپنی نقدی زیورات' جنس اور تجارتی سامان کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے۔ جس کے باعث بے تحاشا دولت کے انبار نہیں لگ سکتے جب تک وہ دولت کے مالک ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے اور معاشرہ خود بخود اعتدال اور توازن میں رہتا ہے۔ ساتھ ہی انہیں جائز ذرائع سے کمائی کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور برے طریقے یا راتوں رات متمول بن جانے کے خواب عملی تعبیر کا روپ نہیں دھار سکتے۔

۱۳۔ بیروزگاری کا تدارک:

زکوٰۃ کی بدولت ہنرمند یا دستکار اپنی جسمانی اور ذہنی قوتوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ سرمایہ مل جانے سے وہ اپنی استعداد اور تجربے سے بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور ملک میں بیروزگاری کم کی جا سکتی ہے۔ کاریگر لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہتے بلکہ کوئی نہ کوئی کاروبار شارٹ کر سکتے ہیں۔

۱۴۔ ادائیگی فرض:

رب جلیل نے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ اس کے ادا کرنے سے ایک جانب فرض پورا ہو جاتا ہے تو دوسری طرف خالق کل کائنات کی رضا جوئی اور رسول اکرم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے یعنی فرض کی ادائیگی کے ساتھ خدمت خلق بھی ہو جاتی ہے اور انسان کی مالی عبادت کا فریضہ سرانجام پاتا ہے۔

۱۵۔ اجتماعی مفاد کا تحفظ:

اس کی ادائیگی بعض حریص اور لالچ مندوں پر بارگراں گزرتی ہے مگر ہر فرد کی خوشحالی اس معاشرے کے ساتھ وابستہ ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے۔ اگر صاحب استطاعت مدد و دستگیری نہ کریں تو وہ حقوق العباد کو فراموش کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ معذور اور بیکار لوگوں کی نہ صرف اعانت متصور ہوگی بلکہ ایک قسم کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتماعی مفاد ہوگا۔

۱۶۔ جرائم کی بیخ کنی:

بہت سے جرائم غربت اور فلاکت کے موجب پیدا ہوتے ہیں۔ چوری، جیب تراشی، رہزنی، غبن، لوٹ مار اور اس قسم کی دوسری برائیاں رقم نہ ہونے کے باعث سر اٹھاتے ہیں۔ جب ایک مجبور انسان کی جائز ضرورت پوری نہیں ہوتی تو وہ معاشرے سے انتقام لیتا ہے اور دوسروں کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اس کا اہل وعیال فاقہ میں دن رات گزارتے ہیں تو وہ ناجائز ذرائع سے ان کے نان ونفقہ کا بندوبست کرتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں اور وہ شنیعہ افعال کا ارتکاب کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

۱۷۔ نصرت دین:

ایسے لوگ جنہوں نے ابھی اسلام قبول کیا ہو زکوٰۃ لینے کے حقدار ہوتے ہیں۔ ان کی مدد کرنے سے وہ اسلام کے شیدائی اور مستقل پیروکار بن جاتے ہیں۔ اس طرح اشاعت دین میں ایک قسم کی مدد ملتی ہے اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق

(Difference Between Tax and Zakat)

اس سے پیشتر کہ زکوٰۃ اور موجودہ دور کے محاصل میں فرق کی وجوہات قلمبند کی جائیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکس کے اصولوں کی روشنی میں زکوٰۃ کا جائزہ پیش کیا جائے۔ ایس۔ اے صدیقی صاحب نے اپنی کتاب میں موازنہ اس طرح کیا ہے۔

۱۔ مساوات (Equality):

آدم سمتھ نے جو چار اصول بیان کئے تھے ان میں سے ایک مساوات کا ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ متناسب ٹیکس ہے تاہم بار کو برابر تقسیم کرتی ہے۔ چونکہ یہ سرمایہ پر ہوتی ہے اس لئے اس کا اثر (Impat) آمدنی پر ترقی پذیر (Progressive) ہوتا ہے۔ اس لئے اصول (Principle) مساوات کو پورا کرتی ہے۔

۲۔ تیقن (Certainty):

زکوٰۃ کا نصاب، استثناء اور طریق (Mode) ادائیگی کا ہمیشہ کے لئے تعین کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص سال کے بعد اپنی پس انداز شدہ دولت پر زکوٰۃ کی تشخیص بغیر کسی وقت کے کر سکتا ہے اور اس کی فوری ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس ٹیکس کا گورکھ دھندا ہوتا ہے۔

۳۔ سہولت (Convenience):

زکوٰۃ سال میں ایک بار عموماً ماہ رجب میں ادا کی جاتی ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے تشخیص کا عمل آسان ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ کفایت (Economy):

اس ٹیکس کو اکٹھا کرنے کے اخراجات اسی میں سے وصولی کرنے والوں کو ادا کئے جاتے ہیں۔

۵۔ زکوٰۃ پیداواری محرک (Incentive) کو ضرر (Injure) نہیں پہنچاتی۔ ایک تو ریٹ کم ہے دوسرا یہ پیکار اور ذخیرہ شدہ دولت کو بھی کھینچتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کے سرمایہ پر زکوٰۃ لگتی ہے۔

۶۔ لچک پذیری (Flexibilty):

استثنائی صورت بہت کم ہے۔ اکثر آبادی پر لگتی ہے افراط آبادی سے اس میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ وصول کنندگان کی تعداد میں کمی واقع ہونے سے زکوٰۃ دہندگان کی تعداد بھی پھلتی پھولتی ہے۔ (Bulges) ہے کیونکہ صاحب نصاب لوگوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (۳۵)

۱۔ زکوٰۃ مالی عبادت:

جس کی ادائیگی مسلمانوں پر فرض ہے اور وہ محض اللہ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے ادا کی جاتی ہے۔ جب کہ ٹیکس حکومت نافذ کرتی ہے جس سے وہ اپنی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ذمہ داریاں پورا کرتی ہے۔

۲۔ فریضہ:

زکوٰۃ کا فریضہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ البتہ اگر صاحب زکوٰۃ سارا مال خرچ کر ڈالے یا خیرات کر دے تو فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جب کہ ٹیکس کبھی لگتا ہے اور کبھی نہیں لگتا ہے۔

۳۔ معافی:

ٹیکس معاف ہو سکتا ہے مگر زکوٰۃ کی معافی نہیں ہو سکتی تا آں کہ اس کی ادائیگی نہ کر دی جائے یا زکوٰۃ کا نصاب کم ہو جائے تو پھر لاگو نہیں ہوگی۔

۴۔ شرح:

زکوٰۃ کی شرح ہمیشہ کے لئے متعین شدہ ہے اور اسی میں کمی بیشی ممکن نہیں جب کہ ٹیکس کا ریٹ حکومت کی صوابدید پر منحصر ہے کیونکہ حکومت اپنی مرضی سے اضافہ یا کمی کر سکتی ہے۔

۵۔ اخراجات:

زکوٰۃ کے مصارف مقرر ہیں مگر ٹیکس حکومت اپنی مرضی سے خرچ کر سکتی ہے۔ ان میں تغیر و تبدل ممکن ہے۔

۶۔ جبر:

ٹیکس لوگ اپنے اوپر جبر کر کے بادل نخواستہ دیتے ہیں اور اکثر بچانے کی کوشش کرتے ہیں مگر زکوٰۃ مسلمان مرضی اور رغبت سے عبادت سمجھ کر دیتے ہیں۔

۷۔ وصولی:

ٹیکس ہر صورت خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اس کی وصولی باقاعدہ حکومت کرتی ہے مگر زکوٰۃ ذاتی طور پر اپنے رشتے داروں دوسرے حقداروں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ آمدنی:

ٹیکس لوگوں کی انکم پر لگتا ہے اور زکوۃ بچت پر لاگو ہوتی ہے۔ اسی طرح ٹیکس زیورات اور دوسرے دفینوں پر نہیں لگتا مگر زیورات' پیداوار پر زکوۃ لگ سکتی ہے اور مویشیوں پر لگتی ہے۔

۹۔ بالائی حد:

انکم ٹیکس لوگوں کے اخراجات کو پیش نظر نہیں رکھتا بلکہ آمدنی کو دیکھتا ہے اور مختلف شرح سے نافذ ہوتا ہے۔ مگر زکوۃ میں کوئی تخصیص نہیں اور آمدنی کی بالائی حد بھی مدنظر نہیں ہوتی۔

۱۰۔ فقط مسلم پر:

زکوۃ صرف مسلمانوں پر فرض ہے اور دوسرے لوگوں سے خراج یا جزیہ وصول کیا جاتا ہے مگر ٹیکس غیر مسلم شہریوں پر بھی لگ سکتا ہے۔

۱۱۔ اقسام:

ٹیکس کی مختلف قسمیں ہیں مگر زکوۃ کی کوئی اقسام نہیں ہیں۔

۱۲۔ مقصد براریت (Objectivism):

ادائیگی زکوۃ اس لئے کی جاتی ہے کہ مال و دولت پاک ہو جائی۔ کیونکہ یہ بہت بڑا مقصد ہے جیسا کہ قرآن مقدس میں آیا ہے۔ ''ان کے حالوں میں سے حصہ زکوۃ وصول کر کے انہیں پاک و صاف کر دو۔'' مگر جدید ٹیکس کے ادا کرنے میں کوئی مقصد سامنے نہیں رکھا جاتا۔

۱۳۔ چھوٹ یا تخفیف (Rebate):

ٹیکس میں لچک دینا یا چھوٹ دینا گورنمنٹ کی صوابدید پر ہے مگر زکوۃ میں کسی قسم کی چھوٹ کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے ٹیکس کی صورت میں بعض اوقات سرکار کئی علاقوں یا فرموں کو رعایت دے دیتی ہے۔

۱۴۔ مال و دولت پر اثرات:

زکوۃ کے بارے میں ہے کہ ادائیگی سے مال میں بڑھوتری (Increese) اور افزائش آتی ہے۔ کیونکہ برکات و ثمرات کا وجود ہوتا ہے۔ مگر محصولات کی صورت میں آمدنی گھٹ جاتی ہے کیونکہ یہ اس پر لگتے ہیں۔ نیز یہ کہ ادائیگی زکوۃ سے ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور لوگ پوشیدہ ذخائر حرکت میں لاتے ہیں مگر ٹیکس کی صورت میں اس کا اثر الٹ نکلتا ہے۔

۱۵۔ حد (Ceiling or Limit):

اسے دوسرے لفظوں میں نصاب کہا جاتا ہے یعنی ایسی سطح جب زکوۃ کی ادائیگی لازمی ہو جاتی ہے اور جیسا کہ سونے کا 7½ تولے چاندی کا 52½ تولے' اونٹ 5 عدد' بکریاں 40 گائے 30 نقدی مقرر اور غیر متبدل ہے جب کہ ٹیکس کی سیلنگ میں کمی بیشی حکومت وقت کر سکتی ہے اور وقتاً فوقتاً تبدیلیاں آتی رہتی ہیں یہ بہت بڑا تفاوت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عشر (Ushr)

عشر کا معنی و مفہوم:

زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ جس کے لفظی معنی ہیں۔ دسواں حصہ (1/10) چونکہ اس کی شرح بالعموم کل پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) اور بعض صورتوں میں نصف العشر (بیسواں حصہ) مقرر ہے اس لئے زکوٰۃ کی اس قسم پر عشر کا اطلاق ہوتا ہے۔

سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام: 141)

''جب (یہ چیزیں) پھل لائیں تو ان کے پھل میں سے کھاؤ اور جس دن پھل توڑو اور کھیتی کاٹو خدا کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔

ابوجعفر طبری نے حضرت انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں ''حقہ'' سے مراد زمینی پیداوار کا عشر اور نصف عشر مراد ہے۔ (۳۶)

آنحضرتؐ کے درج ذیل فرامین عشر کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

عن عبدُاللہ ابن عمر عن الذی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر (۳۷)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبیؐ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جس زمین کو چشمے یا بارش کا پانی سیراب کرے یا وہ زمین خود بخود سیراب ہو اس میں دسواں حصہ ہے اور جسے کنویں (وغیرہ) سے پانی دیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے''۔

قرآن وسنت سے مذکورہ بالا دلائل ہی کی بناء پر فرضیت عشر کے بارے میں تمام مکاتب فقہ متفق ہیں اور ہر مسلک کی کتب میں عشر کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو صرف جزئیات میں ورنہ اس کے فرض ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

عشر کے مسائل:

۱۔ عشر کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو یا مسلمانوں کے ملک میں نظام زکوٰۃ وعشر نافذ نہ ہو تو وہاں تو وہاں کے لوگ خود عشر ادا کریں۔

۳۔ عشر واجب ہونے کے لئے عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں مجنون اور نابالغ کی زمین میں جو کچھ پیدا ہو اس میں بھی عشر واجب ہے۔

۴۔ اگر خوشی سے عشر ادا نہ کرے تو اسلامی ریاست کا سربراہ بیرا لے سکتا ہے اور اس صورت میں بھی عشر ادا ہو جائے گا لیکن ثواب کا مستحق نہ ہوگا اور خوشی سے ادا کرے گا تو ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ جس پر عشر واجب ہو اس کا انتقال ہو گیا اور پیداوار موجود ہے تو اس میں سے عشر لیا جائے گا۔

۶۔ پیداوار جس وقت قابل استعمال ہو جائے اسی وقت اس پر عشر واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً چنے، مکئی اور آم وغیرہ پکنے سے پہلے ہی استعمال ہونے لگتے ہیں۔ لہذا اس وقت جتنی پیداوار ہے اس کا عشر نکالنا ہوگا۔ عشر نکالنے سے پہلے پیداوار کو استعمال کرنا درست نہیں۔

۷۔ عشر صرف مسلمانوں سے لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ عشری زمین مسلمانوں سے ذمی نے خرید لی اور قبضہ بھی کر لیا تو اب ذمی سے عشر نہیں لیا جائے گا بلکہ خراج لیا جائے گا اور مسلمانوں نے ذمی سے خراجی زمین خریدی تو یہ خراجی ہی رہے گی۔ اس مسلمان سے اس زمین کا عشر نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ خراج لیا جائے گا۔

۸۔ ہر قسم کی پیداوار پر عشر واجب ہے۔ جب کہ امام ابو یوسف صرف اس پیداوار پر عشر کے قائل ہیں جو ذخیرہ کر کے رکھی جا سکے۔ وہ پیداواریں جو ذخیرہ کر کے نہ رکھی جا سکیں۔ مثلاً مختلف سبزیاں، چارہ، ایندھن، تربوز، کھیرا اور پھول وغیرہ عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

۹۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک کھیتوں کی پیداوار کا کوئی نصاب نہیں۔ پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ عشر واجب ہوگا جب کہ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر عشری زمین کی پیداوار پانچ وسق (تقریباً 948 کلوگرام) تک ہو جائے تو عشر واجب ہوگا۔ اس سے کم پیداوار پر نہیں۔ یہاں امام یوسف اور امام شافعیؒ کی رائے درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ (۳۸)

۱۰۔ عشر میں سال گزرنا شرط نہیں بلکہ سال میں جتنی بار ایک کھیت میں زراعت ہوئی اتنی بار ہی عشر واجب ہوگا۔

۱۱۔ عشر کل پیداوار کا وصول کیا جائے گا اور عشر ادا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے ہل، بیل، سنچائی، نگرانی وغیرہ کے مصارف ادا کئے جائیں گے۔ مثلاً کسی کھیت میں سو من غلہ پیدا ہوا ہے تو پہلے پانچ من غلہ عشر میں ادا کیا جائے گا پھر باقی ماندہ پچانوے من غلہ سے کھیتی باڑی کے دوسرے مصارف ادا کئے جائیں گے۔

۱۲۔ عشر ادا کرنے میں یہ اختیار ہے کہ چاہے وہی پیداوار عشر میں ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

۱۳۔ عشر اسی پیداوار سے لیا جائے گا جو کھیتی کرنے میں مقصود بالذات ہو اور زمین کے محصول پر اس کا اثر پڑتا ہو لیکن جو پیداوار مقصود بالذات نہ ہو بلکہ کھیتی کے ساتھ ویسے ہی پیدا ہو جاتی ہو نہ اس کی آبپاشی کی ضرورت پڑتی ہو اور نہ زمین کے محصول پر اس کا اثر پڑتا ہو تو اس قسم کی پیداوار عشر سے مستثنیٰ ہے۔

۱۴۔ لکڑی، گھاس، بانس وغیرہ کی نوعیت اگر مقصود بالذات کی ہو اور ان کے لئے مستقلاً زمین چھوڑی جاتی ہو تو اس صورت میں عشر لیا جائے گا۔

۱۵۔ مکان یا مقبرہ میں جو پیداوار ہو اصل میں نہ عشر ہے نہ خراج۔

۱۶۔ اگر پانی خرید کر آبپاشی کی ہو یعنی وہ پانی کسی کی ملک ہو تو نصف عشر 1/20 درست ہوگا۔

۱۷۔ عشری زمین یا پہاڑ یا جنگل میں شہد ہو تو اس پر عشر واجب ہے۔ اسی طرح پہاڑ اور جنگل کے پھلوں میں بھی عشر واجب ہے۔ بشرطیکہ بادشاہ اسلام نے حربکیوں اور ڈاکوؤں اور باغیوں سے ان کی حفاظت کی گئی ہو ورنہ کچھ نہیں۔

۱۸۔ امام شافعی شہد پر عشر واجب ہونے کے قائل نہیں ان کا موقف یہ ہے کہ شہد حیوان سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا اس کی مشابہت ریشم سے ہوگی۔ (تمام ائمہ کرام ریشم پر عشر کے قائل نہیں شہد پر بھی عشر نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ شہد کی مکھی کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیداوار ہے زمین کی نہیں۔

جب کہ احناف نے آنحضرتؐ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''شہد'' میں عشر ہے۔(۳۹) ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں سے رس حاصل کرتی ہے اور ان دونوں پر عشر واجب ہے لہٰذا ان کے رس سے پیدا شدہ چیز پر بھی عشر واجب ہوگا۔ البتہ ریشم کے کیڑے کی نوعیت اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ پتوں سے غذا حاصل کرتا ہے اور پتوں پر عشر واجب نہیں ہوتا۔

۱۹۔ اگر کوئی شخص اپنی کھیتی یا باغ جس میں پھل آ چکے ہیں فروخت کر ڈالے تو پکنے سے پہلے فروخت کرنے کی صورت میں عشر خریدار پر واجب ہوگا اور اگر پکنے کے بعد فروخت کیا ہے تو عشر بیچنے والے کے ذمہ ہے۔

۲۰۔ وقف کی زمین اگر کاشت کرے تو اس کا شتکار پر بھی عشر واجب ہے۔

۲۱۔ جو زمین بارانی ہو اس میں اگر مصنوعی ذرائع سے بھی آبپاشی کی جائے تو عشر نکالنے میں اس کا لحاظ ہوگا کہ وہ زمین قدرتی ذرائع سے زیادہ سیراب ہوئی ہے یا مصنوعی ذرائع سے قدرتی ذرائع سے زیادہ سیراب ہوئی ہو تو 1/10 اور اگر مصنوعی ذرائع سے زیادہ استعمال ہوئی ہو۔ 1/20 اور اگر دونوں قسم کے پانی سے برابر آبپاشی کی گئی ہو تو ایسی صورت میں بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔

۲۲۔ اگر زمین بٹائی (حصہ) پر دی جائے تو کاشتکار اور مالک زمین پر بقدر حصہ عشر واجب ہوگا۔

۲۳۔ اگر زمین کرایہ (ٹھیکہ) پر دی گئی ہو تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کے مالک پر عشر کی ادائیگی ضروری ہوگی جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عشر کاشتکار پر واجب ہوگا۔

۲۴۔ اگر دو یا چند افراد شرکت میں کھیتی باڑی کر رہے ہوں تو عشر سب پر ہوگا خواہاں ایک ہی شریک کا ہو۔

۲۵۔ عشری زمین عاریت کے طور پر دی گئی تو عشر کاشتکار پر ہوگا۔ مالک پر نہیں اور اگر کافر کو عاریت دی تو مالک پر عشر ہے۔

۲۶۔ اگر پیداوار ضائع ہو جائے مثلاً کھیتی ڈوب جائے یا جل جائے یا ٹڈی کھا جائے یا سردی اور گرمی سے ختم ہو جائے تو عشر نہیں لیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ تمام پیداوار ضائع ہو جائے اور اگر کچھ باقی ہو تو اس کا عشر لیا جائے گا۔ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ پھل توڑنے یا فصل کاٹنے سے پہلے ضائع ہو۔ اگر بعد میں ضائع ہو تو عشر کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

۲۷۔ اگر پیداوار کے ضائع ہونے میں کاشتکار کی سستی کو دخل ہو بچاؤ کیا جانا ممکن ہو اور وہ نہ کرے تو اس صورت میں عشر معاف نہیں ہوگا۔

۲۸۔ اگر مالک پیداوار کو خود ضائع کر دے تو عشر ادا کرنا پڑے گا۔

۲۹۔ اگر کوئی دوسرا پیداوار کو تلف کر دے تو مالک اس سے ضمان لے اور اس میں سے عشر ادا کرے۔

۳۰۔ سرکاری مال گذاری یا کوئی اور ٹیکس جو غیر اسلامی حکومت وصول کرتی ہے اس سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔ علامہ محمد کفایت اللہ مرحوم کی تحقیق یہ ہے کہ اس ضمن میں اتنی رعایت ہو سکتی ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے اس قدر ساقط کر کے جتنا سرکار وصول کرتی ہیں باقی کا دسواں یا بیسواں حصہ صاحب زمین اپنی آمدنی سے اور کاشتکار اپنے حصہ سے اور دونوں راضی ہوں تو پہلے ہی مجموعہ سے نکالا جائے۔ مثلاً سو من غلہ پیدا ہوا اور سرکار کو جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالگزاری دینی پڑتی ہے وہ بیس من کی قیمت ہے تو پیداوار میں سے بیس من ساقط کر کے اسی من کا عشر ادا کرنا واجب ہے۔

۳۱۔ جو زمین بارش یا چشمے کے پانی سے سیراب ہوتی ہے یا جو خود بخود دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے سیراب ہو اس میں عشر 1/10 واجب ہے اور جو کنوئیں (وغیرہ) سے پانی کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو۔ اس میں نصف عشر (1/20) واجب ہے۔

۳۲۔ عشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المال (Baitul-Mal)

اسے آج کل کے مفہوم میں مرکزی یا ریاستی بنک کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ یہی خزانہ عامرہ (Excheques) یا (Public Treasury) بھی کہلاتا ہے اس کے معنی دولت خانہ (Wealth House) بھی ہیں۔ یہ بڑا ادارہ سرکاری مالیات کا نگران اعلیٰ ہوتا ہے جو گوناگوں فرائض پورے کرتا ہے عوام کی رفاہیت وفلاحیت اس کا اولیں فریضہ بنتا ہے۔

معنی ومفہوم:

بیت المال کا لغوی معنی ''خزینۃ المال'' (۴۰) یعنی مال کا خزانہ'' حکومت اسلامی کا خزانہ'' (۴۱) ''مال یا دولت کا گھر'' (۴۲)

نیز یہ کہ:

''کسی مسلم ریاست کے خزانے یا اسلامی سلطنت کے اس خزانہ خاص کو کہتے ہیں جس کو ریاست بلکہ اسلامی حکومت عام رعایا کی اصلاح وبہبود کے لئے خرچ کرتی ہے۔'' (۴۳)

بیت المال سے مراد مسلمان عوام کا بینک بھی ہے اور قومی خزانہ بھی' ملی جائداد کا ضامن بھی' تجارت کا ادارہ بھی' امانت کا محافظ بھی اور مسلمانوں کے مرکزی ادارے کا سرکاری خزانہ بھی۔ (۴۴)

بقول مولانا حفظ الرحمٰنؒ

''اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے حکومت ربانی (خلافت اسلامی) کے لئے خزانہ سرکاری کا وجود ضروری ہے۔ اس خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں اور اگرچہ کبھی کبھار ''بیت المال'' کا اطلاق وسعت کے ساتھ پورے مالی نظام پر بھی کر دیا جاتا ہے تاہم عام اصطلاح میں مرکزی خزانہ کے محفوظ مقام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے''۔ (۴۵)

اسلامی ریاست اپنی مالیتی پالیسی کو بروئے کار لانے کے لئے اور اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے سرکاری خزانہ قائم کرتی ہے اور سرکاری خزانہ کے محفوظ مقام کو ''بیت المال'' کہتے ہیں۔ ''بیت المال'' کا لفظ اسلامی ریاست کے پورے نظام مالیات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۴۶)

بیت المال کے بارے میں اسلام کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اللہ اور مسلمانوں کا مال ہے اور کسی شخص کو اس پر مالکانہ تصرف کا حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کے تمام امور کی طرح بیت المال کا انتظام بھی قوم کے نمائندوں کے مشورے کے مطابق ہونا چاہئے..... مسلمانوں کو اس پر محاسبہ کا پورا حق ہے۔ (۴۷)

بیت المال کی تاریخ وارتقاء (History and Evolution):

نبی پاک ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال کا باقاعدہ وجود نہیں تھا۔ اس کا قیام حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''اسلام میں فاروق اعظمؓ سے پہلے نہ تو اس قدر کثیر رقم آئی تھی کہ جس کے رکھنے کے لئے ''بیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المال'' یا خزانہ بنایا جاتا اور نہ اس کی ایجاد ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو رقمیں آتی تھیں، وہ کل ایک ہی نشست میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی اس کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ جو مال آتا اس کو تقسیم کر دیا جاتا۔ 15ھ میں یا اس کے قریب ''بیت المال'' کی ابتدا یوں ہوئی کہ بحرین سے پورے سال کا خراج پانچ لاکھ درہم آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس رقم کثیر کی بابت مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے تجویز دی کہ اس کو ایک سال کے اندر تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی مخالفت کی ولید بن ہشام نے بتایا کہ شام کے یہاں خزانہ اور دفتر جدا جدا محکمہ دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو پسند کیا اور ''بیت المال'' کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے مدینہ منورہ میں ''بیت المال'' قائم ہوا اور اس کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن ارقم کو منتخب کیا گیا جو ایک معزز صحابیؓ تھے اور حساب و کتاب میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ وہ اس کی دیکھ بھال کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

اس کے علاوہ کئی صوبوں اور صدر مقاموں میں ''بیت المال'' قائم کئے اور اس کے آفیسر جداگانہ مقرر فرمائے۔ مدینہ کے علاوہ اور صوبہ جات اور اضلاع کو یہ ہدایت تھی کہ وہاں کے ضروری مصارف کے لئے رقم نکال کر بقیہ جس قدر ہو سال تمام ہونے پر مدینہ منورہ کے ''بیت المال'' میں بھیج دیا کریں۔ چنانچہ عمرو بن العاص کو ایک فرمان جاری کیا تھا جس کے الفاظ تھے:

فاذا حصل الیک جمعته اخرجت منه عطاء المسلمین وما یحتاج الیه مما لا بد منه ثم انظر بما فضل بعد ذلک فاحمله الی

''تجھ کو کل مالیہ وصول ہو جائے تو ان کو جمع کر لے اس میں سے مسلمانوں کے ضروری وظائف اور ضروریات نکال لے اس کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ میرے پاس بھیج دے۔'' (۴۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ ''بیت المال'' کی عمارت تعمیر کروائی۔ (۴۹)

ڈاکٹر حمید اللہ نے کہا ہے کہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متصل ایک کمرہ تھا جس کی کڑی نگرانی بھی کی جاتی تھی۔ اس میں سرکاری اموال اور اجناس رکھے جاتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ پہلا بیت المال تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے وزیر مالیات تھے۔ (۵۰)

اس تحقیق کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن قیم جوزیہ نے نقل کیا ہے:

کان بلال علی نفقاته

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپؐ کے اخراجات کے نگران تھے۔''

خلافت راشدہ کے دور حکومت میں ''بیت المال'' کی آمدنی تسلی بخش تھی صرف سواد اور کوفہ کا خراج حضرت عمرؓ کے آخری عہد میں ایک کروڑ درہم تھا۔ آمدنی خرچ سے بڑھ گئی تھی۔ ہر طرف سادگی تھی۔ تنخواہوں میں اعتدال تھا۔ خلفاء خود اور ان کے امراء ''بیت المال'' سے کم فائدہ اٹھاتے تھے۔

اموی دور میں بھی ''بیت المال'' کا تعلق اسی نہج پر رہا جس طرح کہ حضرت عمر فاروقؓ مقرر کر گئے تھے۔ کوئی قابل ذکر تبدیلی کا ذکر نہیں ملتا صرف خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کچھ مالی اصلاحات کی تھیں جن کا ذکر قاضی ابو یوسفؒ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کیا ہے جو اس طرح ہیں:

''عبدالملک بن مروان حکمران ہوئے تو انہوں نے لوگوں کے محاصل کے بارے میں از سر نو جائزہ لیا اور محنت کرنے والوں کے لئے مناسب حیثیت میں معاوضہ کا انتظام کروایا۔'' (۵۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بیت المال کے مصارف میں کافی اصلاحات کیں ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے' سب کے نام درج رجسٹر کر کے ان کا وظیفہ مقرر کیا' اگر اس میں کسی عامل سے ذرا بھی غفلت ہوتی تھی تو سخت تنبیہ کرتے تھے۔ (۵۲)

وہ قرض دار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے' ان کے قرض کی ادائیگی کی مد قائم کی۔ (۵۳)

شیر خوار بچوں کے لئے وظائف مقرر کئے۔ (۵۴)

ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔ (۵۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ڈھائی سال کی خلافت میں لوگ اتنے خوشحال ہوئے تھے کہ کوئی شخص 'بیت المال' سے صدقہ ''زکوٰۃ'' لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ (۵۶)

عباسی دور میں مالی نظام کم و بیش وہی رہا۔ آمدنی میں سب سے بڑا حصہ خراج کا تھا۔ بعد کے ادوار آمدنی کے اہم ذرائع خراج اور غیر شرعی ٹیکس رہے ہیں۔ علاؤالدین خلجی نے خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا۔ (۵۷)

پیغمبر اکرمؐ کی مالیاتی حکمت عملی (Fiscal Policy of Holy Prophet (SAW)):

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی کی بڑی خصوصیات یا نمایاں خدوخال یہ ہیں:

جو مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا وہ فوراً مستحقین یا ضروری اخراجات پر خرچ فرما دیتے۔ بچا کر رکھنے کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ دراصل محتاجوں اور ضرورت مندوں کی معاشی کفالت کا خیال مستقبل کی ضروریات پر غالب رہتا تھا۔ لہٰذا آپؐ ترجیحی بنیادوں پر مستحقین کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی کے الفاظ قابل ذکر ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی یہ تھی کہ جونہی آپؐ کے پاس مال آتا آپؐ فوراً تقسیم کر دیتے' یہاں تک کہ صبح کو آتا تو دوپہر نہ ڈھلنے دیتے اور شام کو آتا تو رات نہ گزرنے دیتے۔'' (۵۸)

ایک دفعہ بحرین سے خراج کی رقم اتنی آئی کہ اس سے پہلے کبھی بھی مدینہ منورہ میں اتنی رقم نہیں آئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا جائے۔ آپ مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لائے مگر آپؐ نے اس کثیر رقم پر نگاہ تک نہ ڈالی۔ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپؐ نے اسے تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جو سامنے آیا وہ لیتا گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے' انہیں اتنا دیا کہ اٹھ کر چل نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح مستحقین میں تقسیم کرتے رہے۔ جب سب تقسیم ہو گیا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۵۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! اگر اُحد کا پہاڑ میرے لئے سونے کا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی باقی ہو۔ البتہ وہ دینار جو میں قرض ادا کرنے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے رکھ چھوڑوں۔(۶۰)

اُم المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو چہرۂ انور متغیر تھا۔میں نے دریافت کیا اے اللہ کریم کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیر ہے؟ فرمایا: کل جو سات دینار آئے تھے۔شام ہوگئی وہ بستر پر پڑے رہ گئے (تقسیم کیوں نہ کر دیئے گئے۔)(۶۱)

الغرض اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو آپ کی مالیاتی پالیسی کے اس نمایاں پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوڑ کر اور بچا کر رکھنے کے حق میں نہیں تھے بلکہ گردش دولت (Circulation of Wealth) کو بہتر تصور کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالیاتی پالیسی کا دوسرا نمایاں پہلو تقسیم دولت میں اصول ترجیح (Principle of Preference) کی بجائے اصول مساوات (Principle of Equality) پر عمل کرنا ہے۔اصول ترجیح کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کی بعض خدمات یا کسی سماجی، سیاسی یا معاشی برتری کی وجہ سے دوسروں پر تقسیم دولت کے وقت ترجیح دی جائے۔یہ اصول سرمایہ دارانہ نظام کی تمام برائیوں کی اصل وجہ ہے۔اس اصول کے تحت تقسیم دولت اور ذرائع دولت صرف چند انسانوں یا خاندانوں کی ذاتی ملکیت بن کر رہ جاتے ہیں اور وہ معاشی طور پر کمزور انسانوں کا استحصال کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عمل سے اس ظالمانہ اصول تقسیم دولت کو روز اول ہی سے رد فرما دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے اصول مساوات پر عمل فرمایا اور یوں حق معیشت میں غریب اور امیر کو برابر کر دیا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المال کے وسائل آمدن (Means of Income)

آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور خلافت میں جن ذرائع سے وصولیاں ہوتی تھیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عشر:

اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو ان کی زراعتی زمین' عرب کی زمین' مجاہدین اور غانمین کے حصہ میں آئی ہوئی زمین' وہ افتادہ زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو اور لاوارث ذمی کی موت پر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین "عشری زمین" کہلاتی ہے اور "عشر" اس حصہ مقررہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے۔ پس اگر عشری زمین ندی' تالاب یا دریا سے سیراب شدہ ہے یا بارانی ہے یعنی صرف بارش کے ذریعے پیداوار ہوتی ہے تو اس زمین کی پیداوار سے دسواں صحہ لیا جاتا ہے اور اگر چاہی ہے یعنی کنویں کھود کر پانی دیا گیا ہے تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ (۶۲)

"عشر" کے وجوب کے لئے قرآن عزیز میں نصف صریح

﴿وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام: 141)

"اور تم ادا کرو (پیداوار) زمین کا حق اس کے کٹ جانے کے وقت"۔

حدیث صحیح میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔ (۶۳)

عن عبداللہ عن النبی ﷺ انه قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر (۶۴)

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس زمین کی آبپاشی بارش' چشموں یا ندیوں سے ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کی پانی کھینچ کر (یعنی کنوئیں کھود کر) آبپاشی کی گئی ہو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جائے گا"

حدیث میں بیان کردہ فرق کی بنیاد یہ ہے کہ اگر زمین کی آبپاشی میں ضروری محنت و اُجرت کے صرف کے علاوہ زائد محنت و اُجرت کا دخل نہیں ہے تو اس پیداوار پر اجتماعی ٹیکس زیادہ عائد ہونا چاہئے اور اگر زمین میں ضروری محنت اور بیج کے خرچ کے علاوہ آبپاشی میں بھی زائد محنت کرنی پڑے جیسا کہ مثلاً کنوئیں کھود کر پانی دینا' نہر کے پانی پر ٹیکس ادا کر کے پانی دینا یا ٹیوب ویل پر محصول ادا کر کے آبپاشی کرنا تو ان صورتوں میں اجتماعی ٹیکس کی مقدار نصف رہ جاتی ہے اور دسویں حصہ پیداوار کی بجائے اس کو بیسواں حصہ دینا پڑے گا۔ (۶۵)

۲۔ خراج:

اور جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین ہی کے قبضہ میں باقی رہنے دیں اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی اور وہ حکومت اسلامی کے ذمہ دار عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے' ان کی زمین "خراجی" کہلاتی ہیں اور "خلیفہ" ان زمینوں پر جو محصول (مالگزاری) مقرر کرتا ہے اس کو "خراج" کہا جاتا ہے۔ (۶۶)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ "خراج" دراصل "فئے" کی ہی ایک قسم ہے۔ (۶۷) کیونکہ اگر معمولی جنگ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں تو وہ مال بھی ''فئے'' میں ہی شمار ہوتا ہے تو گویا جب غلبہ اسلام کے بعد خلیفہ نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم کرنے کی بجائے ان پر لگان (ٹیکس) مقرر کر کے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی ''فئے'' ہی شمار ہوگا۔ پس اس صورت میں ''خراج'' کا وجود بھی قرآن عزیز کی اس نص کے تحت میں آ جاتا ہے۔

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:7)

''جو مال لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں (کفار) سے سو وہ اللہ کے لئے اور رسولؐ کے اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان ہی دائر اور محصور نہ رہے۔''

۳۔ جزیہ:

اہل کتاب اور مشرکین عجم (۶۸) اگر مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور سالانہ تھوڑا سا ٹیکس ادا کر کے اس شرط پر اسلامی حکومت کے زیر اقتدار آ جائیں کہ حکومت ان کے جان و مال اور آبرو کی محافظ رہے تو ایسے ٹیکس کو ''جزیہ'' کہتے ہیں۔

قرآن عزیز میں ''جزیہ'' کے متعلق یہ قانونی دفعہ بیان کی گئی ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ (التوبہ:29)

''ان لوگوں سے جنگ کرو جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین حق کو۔''

﴿مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبہ:29)

''ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں' یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔''

۴۔ زکوٰۃ:

ساڑھے باون تولہ چاندی' ساڑھے سات تولہ سونا' مال تجارت اور مکانوں کے تجارتی کاروبار پر اگر ایک سال پورا گزر جائے تو اس مال میں سے چالیسواں حصہ نکال کر خدا کی راہ میں دینا ''زکوٰۃ'' کہلاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں پر یہ ''ٹیکس'' بہت اہم فریضہ ہے اور ارکان اسلام میں سے اہم رکن' چنانچہ قرآن عزیز میں ادائے زکوٰۃ اور فریضہ زکوٰۃ کے احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے' کہیں ایمان باللہ کے ساتھ اس کا ذکر ہے کہیں آخرت کے ذکر کے ساتھ اور کہیں مستقل اسی کو قانونی دفعہ بنایا گیا ہے۔

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (اعراف:156)

''اور میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے تو میں (اس کو) ان لوگوں کے لئے لکھ لوں گا جو خدا سے ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (حم سجدہ:7)

''اور خرابی ہے مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے (بھی) منکر ہیں۔''

اگر چوپایوں کے ریوڑ چراگاہوں میں چر رہے ہوں تو ان چوپایوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اسلامی شریعت نے ان کا نصاب جدا جدا مقرر کیا ہے جس کی تفصیل بخاری کتاب الزکوٰۃ کے اس مکتوب گرامی میں درج ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت انسؓ عامل بحرین کے نام تحریر فرمایا ہے۔

یعنی ریوڑ کی زکوٰۃ میں اونٹوں کے ریوڑ میں پانچ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے اور گائے بھینس کے ریوڑ میں تیس سے کم پر اور بھیڑ بکریوں کے گلہ میں چالیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسلامی حکومت میں زکوٰۃ کو انفرادی طور پر صرف نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے' صدیق اکبرؓ کا فیصلہ اس بارے میں ناطق ہے۔ (۶۹)

۵۔ صدقات (Alms):

زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ اجتماعی حقوق ہیں۔ اسلام جن کے ادا کرنے اور اس سلسلہ میں مالی امداد دینے کی ترغیب دیتا اور بعض حالات میں ان کو واجب قرار دیتا اور بعض حالات میں مستحسن اور مستحب بتلاتا ہے۔ سو اس قسم کی مالی امداد کا نام ''صدقہ'' ہے اور اپنی مختلف انواع کے اعتبار سے وہ ''صدقات'' کہلاتے ہیں۔ قرآن عزیز میں جگہ جگہ صدقات کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کو اسلام کی نمایاں علامت بتایا گیا ہے۔

﴿وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرہ:195)

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی بخل اختیار کر کے انفاق فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ کھینچو اور مال وزر کی محبت میں جہاد فی سبیل اللہ (ترک نہ کرو)۔''

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذریت:19)

''اور ان کے ماموں میں مانگنے والوں اور تنگدستوں کا حق ہے۔''

''صدقات'' کے اداء کی دو شکلیں ہیں ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ انفرادی یہ کہ خیرات کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کر لے اور اجتماعی یہ کہ ''مال صدقہ'' کو خلیفہ یا نائب خلیفہ کے سپرد کر دے اور وہ بیت المال میں داخل کر کے مستحقین پر صرف کرے۔ نفلی صدقات کی اداء تو انفرادی بھی درست ہے مگر صدقات واجبہ ''بیت المال'' کا حق ہے۔

۶۔ فئے:

اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر بغیر جنگ کئے مال چھوڑ بھاگیں' یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر ان ہی کی مقبوضہ رہنے دیا جائے یا ان پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے تو ان سب صورتوں میں اس حاصل شدہ مال کو ''فئے'' کہا جاتا ہے اور اس لحاظ سے خراج اور جزیہ بھی ''فئے'' کی اقسام بن جاتے ہیں۔ قرآن عزیز کی گزشتہ آیات میں ''فئے'' کا مال ''بیت المال'' کا حق بتایا گیا ہے اور اس کو غانمین اور مجاہدین کے درمیان نہیں تقسیم کیا جاتا۔ اس لئے کہ وہ بغیر جنگ کئے حاصل ہوا ہے۔

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (حشر:6)

''اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسول کے ہاتھ لگوا دیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔''

۷۔ خمس:

مال غنیمت کی تقسیم اور ''رکاز'' (دفینہ اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے چاندی وغیرہ) سے نفع حاصل کرنے سے پہلے ان میں سے پانچواں حصہ نکالنا ضروری ہے اور یہ حکومت کے بیت المال (سرکاری خزانہ) کا حق ہے اس کو ''خمس'' کہتے ہیں۔

قرآن عزیز میں غنیمت کے ذکر میں اس حق کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (انفال:41)

''اور معلوم رہے کہ تم کو کسی چیز سے بھی جو کچھ مال غنیمت ملے سو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے واسطے ہے اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں کے واسطے۔''

اور بخاری کتاب الزکوٰۃ اور بعض دوسری کتب حدیث کی ایک صحیح روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''رکاز'' میں بھی خمس ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وفی الرکاز الخمس ''رکاز میں خمس واجب ہے۔''

اہل عرب کے یہاں لغوی معنی کے اعتبار سے ''رکاز'' کا اطلاق دفینہ پر ہوتا ہے لیکن امام ابو یوسفؒ نے ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''رکاز'' کی تفسیر یہ بھی فرمائے ہے:

فقیل لہ ما الرکاز یا رسول اللہ؟ فقال الذھب والفضۃ الذی خلقہ اللہ فی الارض یوم خلقت (۷۰)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ ''رکاز'' کیا شے ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ سونا اور چاندی جو اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر زمین کے اندر ودیعت کر دیا ہے (یعنی کانیں)۔''

۸۔ ضرائب:

زمانہ جنگ، قحط سالی، رفاہ عام اور عوام کی بے روزگاری دور کرنے کے لئے ''زکوٰۃ'' اور ''صدقات'' کے علاوہ جو ٹیکس (مالی امداد) اغنیاء اور اہل ثروت پر حکومت کی جانب سے عائد کئے جاتے ہیں، ان کا نام ''ضرائب'' ہے۔ ٹیکسوں کا وہ مفہوم جو زمانہ موجودہ کے طریقہ حکومت میں رائج ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں ناپید ہے اس لئے کہ آج کل جو ٹیکس پبلک پر لگائے جاتے ہیں وہ عموماً عدل و انصاف کے خلاف اور حکومت اور ارکان حکومت کے ان مفادات کی خاطر لگائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے ہیں جن کا پبلک مفاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام کے دستوری نظام میں خراج' جزیہ' عشور' عشر' زکوٰۃ' فئے' خمس' وقف اور اسی قسم کے محاصل اسی غرض سے مقرر کئے گئے ہیں کہ وہ پبلک کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کے کام آئیں اس لئے وہ عام طور پر مزید ٹیکس عائد کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ البتہ اگر بیت المال کے یہ سطورہ بالا محاصل ان ضروریات کو کافی نہ ہوں یا ہنگامی اہم اجتماعی ضروریات ان محاصل سے فاضل آمدنی کے بغیر پوری نہ ہوسکیں تو عدل و انصاف کے ساتھ ہنگامی محاصل (Emergency Taxes) اغنیاء اور اہل ثروت پر عائد کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ نے محلی میں فقراء کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اگر بیت المال کا خزانہ اور مال فئے فقراء اور اہل ضرورت کی معاشی ضروریات کو پورا نہ کرسکیں تو ''خلیفہ'' اہل ثروت پر مزید ٹیکس عائد کرکے ان کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے اور اہل دول اس کے مانع ہوں تو بہ جبر ان سے وصول کرسکتا ہے۔ **ویجبرھم السلطان علی ذلک**(۷۱) وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اپنی عمومیت کے ساتھ اس ''ٹیکس'' کی دلیل بن سکتی ہے:

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ﴾ (بنی اسرائیل:26)

''اور قرابت والوں اور مسکین اور مسافر کے جو حق تم پر واجب ہیں' وہ ادا کرو۔''

اور حسب ذیل آثار اس کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں:

عن علی بن ابی طالب یقول: ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراء ھم فان جاعوا او عروا او جھدوا فبمنع الاغنیاء (۷۲)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے جس قدر کہ ان کے فقراء کو کفایت کر سکے۔ پس اگر فقراء بھوکے ہیں' ننگے ہیں اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی ادا میں کوتاہ ہیں۔''

وعن ابن عمرؓ انہ قال: فی مالک حق سوی الزکاۃ (۷۳)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (جماعتی) حقوق ہیں۔''

پس جس طرح غرباء کی ضرورت پورا کرنے کے لئے خصوصی ٹیکس عائد ہوسکتا ہے اسی طرح جہاد اور دوسری ضروریات کے لئے بھی عائد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ یرموک میں اسی قسم کی اعانت کی ترغیب دی تھی جس پر پُر جوش طریقے سے لبیک کہا گیا۔

۹۔ کراء الارض:

امام یا خلیفہ (حکومت) کی جن زمینوں کو سالانہ اُجرت (لگان) مقرر کرکے کاشت کے لئے دے دیتا ہے ان سے وصول شدہ محاصل کا نام ''کراء الارض'' ہے۔ اسلامی اصطلاح میں ایسی سرکاری زمینوں کو ''جن سے نہ عشر لیا جاتا ہے اور نہ خراج بلکہ ان کو اُجرت پر کاشت کے لئے دیا جاتا ہے۔'' ''ارض المملکۃ'' یا ''ارض الحوزہ'' کہتے ہیں اور یہ زمین یا وہ ہوتی ہے جو لاوارث ہوکر بیت المال کی جانب منتقل ہوجائے اور یا لشکر کشی سے فتح ہونے کے بعد وقف المسلمین بن کر اجیروں کو اُجرت مقررہ پر دے دی جائے۔ (۷۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ اوقاف (Trusts):

انفاق فی سبیل اللہ کے اخلاقی وسائل میں سے ایک بہترین وسیلہ وقف بھی ہے۔ اس لئے اسلام کے معاشی نظام نے اس کے اجراء اور توسیع کے لئے بہت زیادہ ترغیب دی ہے اور صحابہؓ نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے اس کو مستحکم اور مضبوط بنا دیا ہے۔

اسلام اہل ثروت کے اجتماعی حقوق سے تغافل کو دور کرنے اور جذبات عالیہ اور اخلاق حسنہ کی روح پیدا کرنے کے لئے توجہ دلاتا ہے کہ اہل ثروت کی فاضل دولت کو کار خیر میں صرف کرنے اور اجتماعی حیات کو فروغ دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آنے سے قبل بحالت صحت وتندرستی اور بقائم ہوش وحواس اپنی دولت کا ایک حصہ صدقہ جاریہ کر دے۔ اسی کا نام ''وقف'' ہے۔

چنانچہ قرآن عزیز میں ہے اس قسم کے انفاق اور اجتماعی افادیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ (آل عمران:92)

''تم ہرگز خیر اور بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک (خدا کی راہ میں) اس چیز کو خرچ نہ کر دو جو تمہارے لئے سب سے پیاری اور عزیز ہے۔''

اور داعی انقلاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قانون کی تشریح اس طرح فرمائی ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں مگر تین مستثنیٰ ہیں: ایک صدقہ جاریہ' دوسرا علم نافع' تیسرا نیک اولاد جو اس کے لئے ہر وقت دعا گو رہے۔''

وقف کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جو جائیداد یا کوئی شے خدا کے نام پر وقف ہو' اس کی آمدنی فقراء' مساکین' مسافر' قرض خواہ' ذوی القربیٰ' یتامیٰ پر صرف کی جائے اور اس کو نہ کوئی فروخت کر سکتا ہے نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ وہ واقف کے ورثاء میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

وقف اگر جائیداد اور اراضی کی شکل میں ہے تو وہ خلیفہ اور حاکم کے ان تصرفات اور مداخلت سے آزاد رہتا ہے جو مصالح وقت کے خلاف ہو۔ اس لئے نہ بغیر مصالح وقف کے اس میں تبدیلی درست ہے اور نہ اس پر کوئی ایسا عمل کیا جا سکتا ہے جو اس کی آمدنی اور ذرائع آمدنی میں کمی کا باعث ہو' یا اس کو تباہ و برباد کرنے کا باعث ہو۔

وقف میں سب سے زیادہ یہ پیش رکھنا چاہئے کہ واقف کی بیان کردہ جائز اغراض کو شریعت کے صاف اور صریح احکام کی طرح پوری کرنا از بس ضروری ہے البتہ عرف عام بعض اوقات کسی حکم عام میں تخصیص پیدا کر سکتا ہے۔

وقف کی دو قسمیں ہیں: ایک وقف اہلی اور دوسری وقف خیری' وقف اہلی میں اولاد اقربا کے نام بھی وقف ہوتا ہے اور ساتھ ہی امور خیر کے لئے بھی اور وقف خیری میں صرف امور خیر ہی کے لئے وقف کیا جاتا ہے۔ بہر حال وقف میں تائید شرط ہے۔ (یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو خاص وقت میں محدود نہ ہو۔)

۱۱۔ عشور:

عشر کی جمع ہے اور اس سے مراد اسلامی عشر یا صدقات نہیں بلکہ یہ وہ تجارتی امپورٹ ڈیوٹی تھی جو یہود و نصاریٰ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ذمیوں کے ان مالوں پر وصول کی جاتی تھی جو وہ تجارت کرنے کی خاطر مسلمانوں کے علاقوں میں لایا کرتے تھے۔

حسنؒ سے مروی ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا:

''ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ ان سے مال کا دسواں حصہ وصول کرتے ہیں۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو جواب میں حکم دیا:

''تم بھی ان سے اسی طرح دسواں حصہ وصول کرو کہ جس طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ ذمیوں سے بیسواں اور مسلمانوں سے ہر چالیس پر ایک ایک درہم وصول کیا کرو۔ دوسو درہموں سے مال کم ہو تو اس پر کچھ وصول نہیں کرنا۔ جب مال دوسو درہموں کا ہو جائے تو اس میں سے پانچ درہم لیتے ہیں اور اگر مال دوسو درہموں سے زیادہ ہو جائے تو پھر حساب لگا کر رقم وصول کرو۔'' (۷۵)

عمرو بن شعیب کی روایت کے مطابق حربیوں میں سے اہل منبج نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں تحریراً عرض کیا:

''ہمیں اپنے ملک میں تجارت کے لئے آنے کی اجازت دیں اور ہم سے دسواں حصہ وصول کیا کریں عمر فاروقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے اس کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ وہ پہلی حربی قوم تھی کہ جس سے عشر لیا گیا۔'' (۷۶)

معلوم ہوا کہ تجارتی عشر یعنی امپورٹ ڈیوٹی کی ابتداء حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں اس وقت ہوء جب حربی قوم کے تجار نے اہل اسلام کے علاقوں میں تجارت کی اجازت ملنے پر خود ہی اپنے مالوں کا دسواں حصہ اسلامی خزانے میں جمع کروانے کی پیشکش کی۔

دوسری روایت کے مطابق جب مسلمان تجار سے حربیوں نے دسواں حصہ وصول کرنا شروع کیا تو اس کے جواب میں امیر المومنین کی اجازت سے حربی تجار سے بھی مسلمانوں نے دسواں حصہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ خیال رہے کہ مسلمانوں سے جو ڈیوٹی وصول ہوتی تھی اس کی وہ حیثیت نہ تھی جو کہ غیر مسلموں سے حاصل ہونے والی ڈیوٹی کی تھی۔

قاضی ابو یوسفؒ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

''اور مسلمان سے جو ڈیوٹی کے طور پر وصول کیا جائے گا اس کی حیثیت زکوٰۃ جیسی ہوگی اور جو ذمیوں اور حربیوں سے وصول ہوگی اس کی نوعیت خراج جیسی ہوگی۔'' (۷۷)

انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ان سے فرمایا:

''کہ مسلمانوں سے ہر چالیس درہموں پر ایک درہم (21/2 فیصد) اہل ذمہ سے ہر بیس درہموں پر ایک درہم (پانچ فیصد) اور جو اہل ذمہ نہیں' ان سے ہر دس درہموں پر ایک درہم (دس فیصد) وصول کرو۔'' (۷۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔ اموال فاضلہ:

مستقل وسائل آمدنی کے علاوہ بیت المال کو کچھ وصولیاں منتقل کر دی جائیں تو یہ اموال فاضلہ (Surplus Properties) کہلاتی ہیں جیسا کہ لاوارث کی جائیداد سرکاری بنتی ہے۔ اگر کوئی ذمہ بغاوت کرے یا کوئی مسلمان مرتد ہو جائے یا دارالحرب سے دوڑ جائے تو ان کا سارا مال بحق ریاست ضبط ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ نوائب (Emergent Taxes):

انہیں ناگہانی وصولیوں کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ ان کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب سرکاری خزانے یا بیت المال میں رقوم کی قلت ہو' اخراجات آمدنی سے زائد ہوں اور کسی ایک وجہ سے یا مختلف اسباب کی بناء پر چند نئے محصول لگانے پڑیں جیسا کہ جنگ چھڑ جائے' قحط سالی کا دور ہو' سیلاب آ جائے' بیماریاں پھوٹ پڑیں یا کوئی اور بڑی مشکل پیش آ جائے جس سے خزانہ حکومت اخراجات پورے کرنے سے قاصر رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کے مشورے سے محصول درآمد اور جنگل میں چرنے والے گھوڑوں وگھوڑیوں پر زکات یا محصول گا دیا تھا۔ اسی طرح آپ نے سمندر کی پیداوار عنبر پر بھی خمس عائد کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے جنگلات' کنٹوں اور تالابوں کی مچھلیوں پر محصول عائد کیا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے گایوں کے مثل بھینسوں پر بھی حصول زکات عائد کیا کیونکہ گھوڑیوں اور گایوں کے مثل ان میں بھی نموئیت موجود تھی اور یہ محصولات اس وقت عائد کئے گئے جب کہ بیت المال کو حد سے زیادہ آمدنی ہو رہی تھی۔

اگر موازنہ میں خسارہ آئے یا ناگہانی ضروریات درپیش ہوں تو حکومت بدرجہ اولیٰ نئے ٹیکس عائد کرنے کا حق رکھتی ہے۔

> ''حادثوں کے مصارف تمام مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں بوقت ضرورت روپیہ ان سے وصول کیا جا سکتا ہے۔'' (۷۹)

جنگ تبوک کے زمانہ میں جب کہ رسول کریمؐ زکات' عشر وغیرہ عائد کر چکے تھے ناگہانی طور سے جب رقم کی ضرورت پڑی تو آپؐ نے مسلمانوں سے مزید رقمی اعانت طلب فرمائی چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اپنی نصف دولت پیش کی اور حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی تمام دولت حاضر کر دی' رسول اللہؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے لئے بھی کچھ رکھ چھوڑا ہے؟ کہنے لگے کہ میرے لئے اللہ اور اس کا رسولؐ بس ہے۔

ان محاصل کو عربی میں نوائب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نوائب جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد نائبۃ ہے جس کے لفظی معنی ''آن پڑنے'' کے ہیں یعنی ایسے حادثے جو آدمی کو اتفاقاً پیش آئیں اور جن کا برداشت کرنا گراں گزرے۔ ضرائب بھی ان سے ملتے جلتے ہیں۔

نوائب کی اقسام:

فقہاء نے نوائب کی دو قسمیں قرار دی ہیں:

(الف) ایک تو ایسے ٹیکس ہیں جو مصلحت عامہ کی خاطر جائز طور پر عائد کئے جاتے ہیں۔

(ب) دوسرے وہ محصولات ہیں جو ظالم بادشاہوں اور حکمرانوں نے صرف اپنے لئے زبردستی عائد کئے ہوں اور جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مفاد عامہ وابستہ نہ ہو' پھر ان محاصل میں بعض تو وقتیہ ہنگامی طور پر عائد ہوتے ہیں اور بعض دوامی طور سے۔

غرض ایسے محصولات جو مصلحت عامہ کی خاطر جائز طور پر عائد کئے جائیں ان کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ ان کی ادائی ملک کے باشندوں کا فرض ہے۔

''ایسے جدید ٹیکس جو جائز طور پر عائد کئے گئے ہیں جیسے مشترکہ نہر کھودنے کے لئے' یا پہرہ دار کی اُجرت تنخواہ کے لئے' یا لشکر آراستہ کرنے' یا جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لئے یا اس کے سوا اور امور کے لئے تو ایسے محاصل کی کفالت بالاتفاق جائز ہے۔'' (۸۰)

بنوامیہ کے عہد میں کئی نئے نئے محاصل عائد کئے گئے تھے لیکن خود اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ان محاصل کو اٹھالیا کیونکہ ان سے رعایا پر بے جا بار پڑ رہا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو حکم دیا کہ ''فیکسال میں روپیہ ڈھالنے کا ٹیکس' چاندی پگھلانے کا ٹیکس' عرائض نویسی کا ٹیکس' شادی کا ٹیکس' گھروں کا ٹیکس' نکاحانہ' نوروز اور مہرجان کے ہدیئے نہ لو۔'' (۸۱)

جائز نوائب:

کسی شہر کی نہر وغیرہ بند ہو جائے یا شہر پناہ گر جائے یا آنے والے حاجت مند مسافروں کی اعانت نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر بیت المال میں سرمایہ موجود ہو اور اس کے خرچ کرنے سے مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہو تو بیت المال کے روپیہ سے محتسب نہر کی اصلاح' شہر پناہ کی تعمیر اور مسافروں کی حاجت روائی کا حکم دے کیونکہ یہ حقوق بیت المال پر واجب ہیں ان لوگوں پر نہیں۔ یہی حکم مساجد اور جامع مساجد کے منہدم ہونے پر ہے اور بیت المال میں سرمایہ نہ ہو تو ان تمام امور کا اہتمام عام مالداروں پر عائد ہوتا ہے کسی خاص شخص کے ذمہ نہیں اگر یہ لوگ اس کو انجام دینے لگیں تو محتسب سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ (۸۲)

اگر سرحدی مقام نہ ہو جس سے دارالاسلام کو مضرت پہنچے تو اس کا حکم اتنا سخت نہیں لہٰذا محتسب کو یہ اختیار نہیں کہ باشندوں سے جبراً اصلاح کرائے کیونکہ یہ حق سلطان پر ہے۔ اگر سلطان کے پاس سرمایہ نہ ہو تو محتسب باشندوں کو اختیار دے کہ خواہ تم یہاں سے منتقل ہو جاؤ اور خواہ یہاں رہ کر اس کی درستی کا بار اٹھاؤ تاکہ دوامی وطن بنانا ممکن ہو' اگر وہ صورت ثانی پر آمادہ ہوں تو ان سب سے امدادی روپیہ جو کچھ خوشی سے دیں لے اور تھوڑا یا بہت کسی سے زبردستی نہ لے بلکہ اعلان کر دے کہ جس قدر تم خوشی سے دے سکتے ہو دو۔ جس کے پاس مال نہ ہو وہ کام سے مدد کرے۔ ان اقرار و مواعید کے بعد بلحاظ مصلحت ہر جماعت میں ایک ضامن مقرر کر دے تاکہ جو ذمہ داری اس جماعت نے لی ہے اس کو وقت پر پوری کرائے۔ (۸۳)

اگر والی ملک احکام بلاد اور محاصل کی مقدار میں تبدیلی کرنا چاہے تو ان اجتہادی امور میں جن میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں اسباب زیادتی یا کمی کے رونما ہونے پر تبدیلی جائز ہے اور پہلے کی نسبت سے نئے احکام کا نفاذ ضروری ہوگا پس اگر عمل کے وقت صرف نئے احکام کو دیکھا جائے تو جائز ہے مگر احتیاط اس میں ہے کہ دونوں کو دیکھا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ وجوہات حادثہ زائل ہو گئے ہوں اور یوں پہلے حکم پر عمل ضروری ہو جائے اور اگر ان کی گنجائش نہ ہو اور نہ ہی دخل اجتہاد ہو تو ایسی صورت میں تبدیلیاں مردود ہوں گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آمدنی کے چند دیگر ذرائع:

حکومت کے محاصل کی کئی اور مدات (Heads) حسب ذیل ہیں۔ یہ بھی اموال فاضلہ کہلا سکتی ہیں کیونکہ یہ مستقل وسائل نہیں ہوتے۔

ا۔ رائلٹی (Royalty):

حکومت کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ رائلٹی بھی ہے جو معدن کے اجارہ دار سرکار کو ادا کرتے ہیں۔

معدنوں سے حکومت کو کتنی رقم لینی چاہئے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کسی نے پانچواں حصہ بتایا تو کسی فقیہہ نے چالیسویں حصے کے لینے کی رائے دی دلیل میں یہ نظیر پیش کی گئی ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیزؒ نے معدنوں سے زکات میں چالیسواں حصہ لیا۔'' (۸۴)

بخاری میں ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیزؒ معدنوں کی پیداوار میں ہر دو سو درہم (کے مال) پر پانچ درہم لیا کرتے تھے۔'' (۸۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ معدن سے کس قدر رائلٹی وصول کی جائے گویا بالکل ایک فنی مسئلہ ہے۔ مختلف معدنوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں' کانیں یکساں نہیں ہوتیں بعض اچھی ہوتی ہیں اور بعض خراب' بعض معدن قیمتی دھاتوں کے ہوتے ہیں اور بعض معمولی دھاتوں کے۔ کن کانوں سے محصول لیا جائے اور کتنا لیا جائے اس کے متعلق اگر کسی پہلے امام کا حکم موجود نہ ہو تو اور حاکم وقت اہل اجتہاد سے ہو تو محصول لگانے یا نہ لگانے کے متعلق اور محصول کی مقدار کے بارے میں اپنے اجتہاد اور رائے سے فیصلہ کرے۔ اگر کسی پہلے حاکم یا امام کا اپنے اجتہاد سے نافذ کردہ حکم موجود ہو تو وہ محصول لگانے کی حد تک بعد میں بھی معتبر ہوگا مگر محصول کی مقدار کے متعلق پہلا حکم معتبر نہیں ہوگا کیونکہ جنس کا حکم موجودہ معدن کے لحاظ سے ہے اور مقدار محصول کا حکم معدن مفقود کے لحاظ سے ہے۔ (۸۶)

معدن کی رائلٹی زر کی شکل میں بھی وصول کی جا سکتی ہے اور معدنی پیداوار کی شکل میں بھی۔ آج دنیا میں یہی عمل درآمد ہے۔ امریکہ میں بطور رائلٹی کے تیل ہی لیا جاتا ہے۔ چنانچہ 1930ء سے ممالک متحدہ میں پٹے پر لی ہوئی سرکاری زمینوں پر جن سے تیل نکلتا ہے فیڈرل حکومت کو رائلٹی تیل ہی میں ادا کی جا سکتی ہے۔ (۸۷)

امام مالک کہتے ہیں معدن سے جو شئے برآمد ہو اس میں کوئی رائلٹی اس وقت تک نہ لی جائے گی جب تک کہ برآمد کی ہوئی شئے کی قیمت بیس دینار یا دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے اس وقت اس میں زکات عائد ہوگی۔ اگر برآمد کی ہوئی شئے کی قیمت دو سو درہم سے زیادہ ہو تو زکات اسی حساب سے لی جائے۔ جب تک کان سے برآمد ایک ہی سلسلہ میں جاری رہے' محصول کے شمار کا سلسلہ بھی قائم رہے گا اور جب برآمد بند ہو جائے پھر شروع ہو تو (محصول) زکات بھی از سر نو شروع ہوگا جیسے کہ پہلے برآمد کے وقت شروع ہوا تھا۔ (۸۸)

واضح ہو کہ یہ امام مالکؒ اور مدینہ والوں کی رائے ہے دوسرے فقہاء معدن کو رکاز قرار دیتے ہیں اور اس میں مال غنیمت کے مثل خمس عائد کرتے ہیں۔ (۸۹)

یہاں یہ بات کہنی ہے کہ اسلامی مملکت کے بیت المال کو ابتدا ہی سے معدنوں سے خاصی رائلٹی وصول ہو رہی تھی چنانچہ مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''بنو سلیم کی معدن حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فتح ہوئی اس کی آمدنی بیت المال میں رکھی گئی نیز حضرت ابوبکرؓ کے پاس قبلیہ کی اور جھینہ کی معدنوں سے بھی کثیر مال آیا تھا۔''(۹۰)

۲۔ رکاز (دفینہ) (Hoarding):

سرکار کو کبھی کبھار رکاز (دفینہ) سے بھی آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔

رکاز وہ مال ہے جو زمانہ جاہلیت کا ہو اور کسی افتادہ زمین یا راستہ میں مدفون ہو' یہ مال پانے والے کی مِلک ہے اور اس پر پانچواں حصہ (حکومت کو دینا) واجب ہے' اس آمدنی کو مصارف زکات میں صرف کیا جائے۔(۹۱)

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے (۹۲)

چنانچہ بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ

''جانور کا زخم معاف ہے' کنواں معاف ہے' معدن معاف ہے (یعنی کوئی شخص کنواں یا معدن کھدوائے اور کوئی اس میں گر جائے تو مالک پر تاوان نہیں) اور رکاز میں پانچواں حصہ (خمس) ہے۔''(۹۳)

۳۔ لگان (اجارہ):

سرکار کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ لگان بھی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے بعض وادیوں کو بعض خاص لوگوں کے لئے مختص کر دیا تھا جہاں یہ لوگ مَکس پروری کیا کرتے اور پیداوار کا ایک حصہ بیت المال میں داخل کرتے تھے۔ ہم نے اس کو اس لئے اجارہ کہا ہے کہ کوئی دوسرا شخص نہ تو وہاں سے شہد حاصل کر سکتا ہے اور نہ کسی اور کو اس پر حق تملیک حاصل تھا نیز حکومت کی جانب سے ان کے حقوق کی کافی دیکھ بھال بھی کی جاتی تھی۔ اس کے معاوضہ میں پیداوار کا ایک حصہ سرکاری خزانہ میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ

''بنو متعان کا ایک شخص ہلال نامی رسول کریمؐ کی خدمت میں اپنے شہد کا عشر لے کر حاضر ہوا اور استدعا کی کہ اس کے لئے ایک وادی خاص کر دی جائے جس کو سلبہ کہا جاتا تھا چنانچہ رسول کریمؐ نے اس وادی کو اس کے لئے مختص کر دیا۔''

پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو طائف کے گورنر سفیان بن وہبؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھ کر اس کی بابت پوچھا' حضرت عمرؓ نے انہیں لکھ بھیجا کہ اگر وہ اپنی شہد کی مکھیوں کا عشر ادا کرے جس طرح کہ وہ رسول اللہؐ کو ادا کرتا تھا تو وادی سلبہ اس کے لئے محفوظ کر دو بصورت دیگر وہ اور جنگل کی مکھیوں کی طرح ہیں کہ جو چاہے ان کا شہد کھائے۔(۹۴)

مذکورہ روایت سے یہ واضح ہے کہ حکومت اس وادی کی حفاظت کرتی تھی اور دوسرے لوگ اس وادی کے استفادہ سے محروم رہتے تھے اس لئے وادی کو تحفظ کرانے والا اپنی پیداوار کا ایک حصہ بیت المال میں داخل کرتا تھا۔

۴۔ جنگلات سے آمدنی:

اگر مملکت میں جنگلات کافی ہوں تو حکومت کو ان سے بھی خاصی آمدنی ہوتی ہے۔ اسلامی مملکت نے جنگلات کو سرکاری مِلک قرار دیا تھا۔ جنگلات کی آمدنی سے متعلق بھی اسلامی ماخذوں میں مواد ملتا ہے چنانچہ حضرت علیؓ نے برس (۹۵) کے صحراداروں پر چار ہزار درہم مقرر کیا اور انہیں اس کے متعلق چمڑے کے ٹکڑے پر وثیقہ لکھ دیا۔(۹۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ سیب البحر:

سمندر کی پیداوار کا حاصل بھی اکثر حکومتوں کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک نیا محصول سمندر کی بعض پیداواروں مثلاً عنبر اور موتیوں وغیرہ پر عائد کیا چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یعلی بن اُمیہ کو سمندر کا عامل مقرر کیا' انہوں نے عنبر کی بابت پوچھا جس کو ایک شخص نے ساحل پر پایا تھا نیز یہ بھی دریافت کیا کہ اس میں کتنا محصول لیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اللہ کی بخشش میں سے یہ بھی ایک بخشش ہے اس میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سمندر سے برآمد کرے اس میں خمس 1/5 ہے۔

''عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میری بھی یہی رائے ہے۔'' (۹۷)

تالابوں' جھیلوں اور ساحلوں کی مچھلیوں کی فروخت سے حکومت کو جو آمدنی ہوتی ہے اس سے متعلق بھی آثار پائے جاتے ہیں' چنانچہ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ

''ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے برس کے جھیلوں پر چار ہزار درہم عائد کئے اور ایک فرمان اس سے متعلق چمڑے پر لکھ دیا۔'' (۹۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عمان کے عامل کو لکھا کہ مچھلیوں پر کچھ محصول نہ لگاؤ جب تک کہ وہ دوسو درہم کی قیمت کی مالیت کو نہ پہنچ جائیں۔ جب وہ دوسو درہم کو پہنچ جائیں تو اس میں سے زکوٰۃ (1/40 حصہ) لو۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ رائے قائم کی کہ جو شئے سمندر سے نکلے' وہ خشکی سے کسی معدن کے نکلنے کے مماثل ہے۔ اس لئے انہوں نے معدنوں میں زکات عائد کرنے کا حکم دیا تھا۔ (۹۹)

یہ امر صدر مملکت کے اختیار تمیزی پر موقوف ہوگا کہ سمندر کی پیداوار پر خمس یعنی پانچواں حصہ عائد کرے یا زکوٰۃ کے میل چالیسواں حصہ صدر مملکت کو تو یہ دیکھنا بھی پڑے گا کہ سمندر کی گہرائیوں سے موتی' مرجان' مونگا نکالنے میں کتنے اخراجات ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے اپنے اختیار تمیزی سے کام لے کر محصول عائد کرے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ:

فیما اخرج اللہ من البحر الخمس

''جو کچھ سمندر سے خدا نکالے اس میں خمس ہے۔''

اس قول کے مطابق مونگا' موتیوں اور عنبر پر بھی محصول لگایا جا سکتا ہے۔ تباہ شاہ یا غرق شدہ جہاز کے ٹکڑے اور وہ مال و اسباب جو بہتے بہتے ساحل پر آ لگے (Flotsam) اسی طرح وہ چیزیں جو جہاز کو ہلکا کرنے کے لئے..... یا موجودہ عہد میں آب دوز کشتی کو ہلکا کرنے کے لئے..... سمندر میں پھینک دی جائیں اور وہ بہہ کر ساحل پر آ لگے (Jetsam) تو اس لاوارث مال کی مالک حکومت سمجھی جائے گی۔ یا کسی خاص شخص کی مملوکہ زمین پر آ لگے تو حکومت کو پانچواں حصہ (خمس) اور پانے والے کو 4/5 حصہ ملے گا۔

۶۔ لاوارث مال:

حکومت کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ لاوارث مال بھی ہوتا ہے۔ حکومت سارے ملک کے باشندوں کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے اس لئے اس کو قانوناً یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ لاوارث لوگوں کے مال کو ان کے مرنے کے بعد قومی دولت کا جزو قرار دے اور اس حاصل شدہ دولت کو باغراض حکومت صرف کرے' اسلامی دستور و قانون نے بھی حکومت کا یہ حق تسلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے اور لاوارثوں کے مال و جائیداد کو بیت المال کی ملک قرار دیا ہے۔

''مصر کے گورنر جنرل عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھ کر مصر کے ایسے راہبوں سے متعلق دریافت فرمایا جو لاوارث مرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اگر ان کا کوئی وارث ہو تو وراثت کا مال اس کے حوالہ کر دیا جائے اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔''(۱۰۰)

اس کے علاوہ اسلامی فقہ کی رو سے چار صورتیں ایسی ہیں جبکہ وارث اپنے مورث کا ورثہ پانے سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر اس مورث کا کوئی دوسرا وارث (چاہے وہ موصی لہ اور مولی الموالات کیوں نہ ہو) موجود نہ ہو تو لازمی طور پر متوفی کا مال اور اس کی جائیداد حکومت کے قبضہ میں آ جائے گی' ان چار صورتوں کی وضاحت ذیل میں کی جاتی ہے۔ سراجی کے مولف نے بیان کیا ہے کہ:

''توریث میں چار رکاوٹیں ہیں:

(1) غلامی'

(2) ایسا قتل جس میں قصاص لازم آتا ہے (جیسے قتل عمد میں) یا کفارہ لازم آئے (جیسے شبہ عمد میں)'

(3) اختلاف مذہب'

(4) اختلاف دارین۔''(متوفی دارالاسلام میں اور اس کا وارث دارالحرب میں رہتا ہو)(۱۰۱)

قتل عمد اور شبہ قتل عمد میں یہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ وارث اپنے مورث کے قتل کا.....خواہ کسی ذریعہ سے ہو..... معاون یا مرتکب نہ بنے' اسی طرح مرتد کا مال بھی بیت المال کی ملکیت قرار پاتا تھا چنانچہ سراجی میں صراحت ہے کہ ''اگر مرتد اپنے ارتداد کی حالت میں مر جائے یا قتل ہو جائے یا دارالحرب میں جا کر مل جائے اور حاکم عدالت نے اس کے مل جانے کا حکم لگا دیا ہو تو جو کچھ اسلام کی حالت میں اس نے کمایا ہو وہ مال اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا اور ارتداد کی حالت میں جو کچھ کمایا ہو وہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔(۱۰۲) کیونکہ ''دارالحرب میں جا کر مل جانا بمنزلہ موت کے ہے اور دارالاسلام میں جو مال چھوڑ جائے اس سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔''(۱۰۳) پس ایسا مال ''مسلمانوں کے بیت المال میں مثل لقطہ کے رکھا جائے گا۔''(۱۰۴) امام ماوردی نے لکھا ہے کہ ''اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے تاکہ مستحقین فئے کے خرچ میں آئے اس لئے کہ نہ مسلمان اس کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کافر۔'' امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ

''ارتداد سے پہلے اور بعد دونوں مالوں میں میراث جاری ہوگی۔''(۱۰۵)

۷۔ سکہ سازی (Coinage):

حکومت کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ منافع سکہ سازی بھی ہوتا ہے۔ ابتدا میں بالکل سادہ درہم و دینار جاری کئے گئے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اِدھر اُدھر سے ان کے کونے کترنے لگے اسی بنا پر ''اُن کے کنارے کترنے کی ممانعت کی گئی کیونکہ اسلام کی ابتدا میں (جیسا کہ عصر جدید میں طریقہ ہے).....لوگ ان کو گن کر معاملہ کرتے تھے اور اطراف کے کونے کترنے سے اس میں کمی آ جاتی تھی۔''(۱۰۶) اسی بنا پر عبدالملک نے نقش زدہ درہم و دینار جاری کئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ عبدالملک نے اپنے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کو تسکیک کا حکم دیا" حجاج نے حکم دیا کہ تاجر وغیرہ اُجرت دے کر درہم ڈھلوا سکتے ہیں اور اس اُجرت کو سرکاری آمدنی قرار دیا وہ اسی میں سے صناعوں وطباعوں کو معاوضے دیتا تھا اور فاضلات ابواب شاہی میں داخل ہوتے تھے۔" (۱۰۷)

اصطلاح عفو فاضل پن کی ہم معنی ہے اور اس میں نشاندہی کی گئی ہے کہ "عفو" ٹیکس کا صحیح محل ہے۔ مزید برآں ایسے نظائر بھی موجود ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد میں دوسرے محاصل عائد کئے گئے ہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے عہد میں محصول درآمد مقرر کیا گیا اور اس کا شمار "زکوٰۃ" میں نہیں بلکہ "فیئ" (حکومت کی عام آمدنیوں) میں تھا۔ علاوہ بریں شریعت میں کوئی ایسی ہدایت موجود نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ حکومت اجتماعی ضروریات کے لئے کوئی دوسرا ٹیکس نہیں لگا سکتی اور اصول یہ ہے کہ جس چیز سے منع نہ کیا گیا ہو وہ مباح ہے۔ فقہائے اسلام میں سے بھی، جہاں تک ہم کو معلوم ہے۔

۸۔ جنگی چندہ:

جب تک کہ سرکاری خزانہ میں رقم کی گنجائش ہو، جنگی اغراض کے لئے چندہ لینا فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے بصورت دیگر اعلیٰ ضرر کو دور کرنے کے لئے ادنیٰ ضرر برداشت کرنا ضروری ہے..... اور امام کا (جہاد کے لئے) مال کا چندہ لینا مکروہ ہے جب تک کہ مسلمانوں کے بیت المال میں مال ہو کیونکہ یہ اُجرت کے مشابہ ہے اور کوئی ضرورت درپیش نہیں ہے۔

"کیونکہ بیت المال کا مال اسی واسطے ہے کہ مسلمانوں کے حوادث میں کام آئے۔"

پس اگر بیت المال میں کچھ نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ لوگ باہم ایک دوسرے کی مدد کریں کیونکہ ایسا کرنے میں تھوڑا ضرر اٹھا کر بڑا ضرر دور کرنا ہوتا ہے اور اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ رسول کریمؐ نے (جنگ حنین میں) صفوان سے چند زرہیں لی تھیں اور نیز حضرت عمرؓ زوجہ والے مرد کی طرف سے بے زوجہ والے مرد کو بھیجتے تھے اور جو شخص جہاد میں جانے کے قابل نہ ہوتا اس کا گھوڑا جہاد میں جانے والے کو دیتے تھے۔ (۱۰۸)

۹۔ سرکاری قرضے:

عام حالات میں حکومت کو سالانہ جو آمدنی وصول ہوتی ہے اسی کے مطابق میزانیہ مرتب ہوتا ہے اور یہ کسی گنجائش کے لحاظ سے حکومت کے جملہ مصارف کی پابجائی ہوتی ہے لیکن اتفاقی ضرورتیں اور ناگہانی حادثے آن پڑیں تو حکومت نوائب سے کام چلاتی ہے لیکن اگر ان سے بھی کام نہ چلے تو سرکار اپنی مشنری چلانے کے لئے لامحالہ قرض لیتی ہے تاکہ صرف پورا ہو سکے۔

اکثر و بیشتر اشخاص تو اپنی آمدنی کے لحاظ سے اپنی دولت خرچ کرتے ہیں برخلاف اس کے حکومت کو اپنے اخراجات کے لحاظ سے رقم حاصل کرنی پڑتی ہے لیکن یاد رہے کہ ملک کے باشندوں پر نئے محاصل عائد کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اگر اس سے زیادہ محاصل طلب کئے جائیں تو ملک میں بددلی پیدا ہو کر بدامنی پھیلنے کے علاوہ ملک کے باشندوں کا معیار زندگی بھی پست ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اگر معیار زندگی بلند ہونے کی بجائے پست ہو تو باشندگان ملک مفلوک الحال ہو جائیں گے اور مابعد کے سال میں پہلے برس کے مقابل کمتر آمدنی کی توقع کرنی پڑے گی اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوگی کہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو ذبح ہی کر دیا جائے! غرض ان ہی وجوہات کی بناء پر بجائے مزید نئے محاصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائد کرنے کے حکومتیں چار و ناچار قرض لیتی ہیں۔

اسلامی مملکت کو بھی قرض لینے کا حق حاصل ہے کہ

''اگر والی کو فساد اور خرابی کا اندیشہ ہو تو بیت المال کی کفالت پر قرض لے سکتی ہے۔''(۱۰۹)

خود رسول کریمؐ نے ایک بار چالیس ہزار کی رقم قرض لی تھی۔

۱۰۔ چند دیگر (Some Others):

موجودہ زمانے میں آمدنی کی کئی نئی شقیں بھی آ گئی ہیں جیسا کہ حکومت کارخانے نصب کر کے ان سے آمدنی لیتی ہے۔ بہت سی اشیاء فروخت کی جاتی ہیں' ان سے بھی کافی وصولیاں آتی ہیں۔ غیر ملکوں اور عالمی اداروں سے امداد بھی ملتی ہے۔ لائسنس فیس لی جاتی ہے' جرمانے کئے جاتے ہیں۔

اگرچہ سابقہ دور میں جو ذرائع آمدنی تھے' اب وہ سارے کے سارے موجود نہیں رہے۔ عرب ریاستوں کی آمدنی کا بڑا ہی اہم ذریعہ تیل ہے جو دوسرے ممالک کو بیچا جاتا ہے۔ نیز کانوں سے نکلی ہوئی قیمتی دھاتیں بیچی جاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المال کے مصارف (Expenses)

اسلام میں اسلامی ریاست کے مصارف کی توضیح میں کردی گئی ہے۔ نیز یہ کہ بیت المال کے شعبوں کی نشاندہی ہوگئی ہے۔ ہدایات کی روشنی میں اخراجات کئے جاتے ہیں۔

سرکار ایک شعبہ سے دوسرے شعبہ کے لئے فنڈز استعمال کرسکتی ہے جیسا کہ کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے:

''اور امام کے لئے ضروری ہے کہ ہر نوع کے لئے بیت المال کا ایک شعبہ مخصوص کرے اور یہ بھی درست ہے کہ ایک شعبے سے دوسرے شعبے پر خرچ کرے۔''

اس کے علاوہ یہ تشریح بھی ہے کہ صدقات واجبہ کے علاوہ بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمرو اسلامی کے مسلمانوں کی ضروریات سے وابستہ ہے اسی طرح غیر مسلم ذمی کی حاجات سے بھی متعلق ہے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں کو بھی شامل کیا ہے۔

ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ مفتوحہ اراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں جبکہ کتاب اللہ میں اس سے متعلق کوئی مذکور نہیں تھا۔ ایک بہترین فیصلہ ہے جس کی جانب خداوند تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کی اور انہوں نے جو کچھ کیا۔ اسی میں تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود مضمر تھی اور زمین کا خراج جمع کرکے تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچانا جماعتی اعتبار سے بہت ہی بہتر طریق ہے۔ کیونکہ اگر یہ اراضی مجاہدین میں تقسیم ہو جائیں اور عام مسلمانوں کے عطایا اور وظائف کے لئے وقف نہ ہو جائیں تو پھر نہ اسلامی حکومت کی سرحدوں کی حفاظت ہوسکتی ہے اور نہ جہاد کے لئے مضبوط لشکر فراہم ہوسکتا اور جب جہاد اور وظائف کا دروازہ بند ہو جاتا تو مسلمانوں کے ملک کافروں کی چڑھائی سے ہرگز مامون نہ رہتے اور اللہ تعالیٰ ہر حیثیت سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

امام کو جب یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ ایک شعبہ کے محاصل اس کے مصارف کو پورا نہ کریں تو دوسرے شعبہ سے قرض لے سکتا ہے تو پھر فئے، جزیہ، خراج، خمس، کراء الارض، ضرائب، عشور غیر مسلم اور اموال فاضلہ میں مدات کا یہ تفاوت معاشی نصب العین اور مقصد و منہاج پر اثر انداز نہیں ہوتا اور تکمیل مقصود کی خاطر ان مدات کے مصارف میں ''اولی الامر'' کو حق مداخلت حاصل ہے۔

نتیجتاً اسلامی حکومت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ؐ کی روشنی میں اخراجات پوری احتیاط اور تدبیر سے کرتی ہے اور آج کل کی مانند پانی کی طرح روپیہ نہیں بہایا جاتا۔ اس کے سامنے زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود (Maximum Welfare) کا نظریہ کارفرما ہوتا ہے اور محاصل کو قومی امانت کے مترادف گردانا جاتا ہے۔

اب کئی قسم کے اخراجات کی تفصیلات دی جاتی ہیں:

ا۔ بیت المال کا مصرف:

رسول کریمؐ اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں اسلامی حکومت کی مختلف آمدنیوں کے مصارف کا جو عمل درآمد تھا اس کی روشنی میں اہل علم نے بیت المال کی آمدنیوں کو مصارف کے لحاظ سے چار مختلف شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ ان میں سے ایک تو خمس ہے جس کا مصرف خداوند تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ

﴿ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (الانفال:41)

''جان لو کہ جو کچھ شئے مال غنیمت میں ملے اس کا خمس اللہ اور رسولؐ کے لئے ہے نیز رسول کے قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔''

۲۔ دوسری قسم صدقات اور عشور ہیں۔

۳۔ تیسری قسم خراج اور جزیہ ہے اور وہ صدقات ہیں حکومت کو حاصل ہوں اور نیز جو کچھ کہ عاشر ذمیوں اور حربیوں سے جبکہ وہ اس کے پاس سے گزرے وصول کرتا ہے۔

اس قسم کے مال کا مصرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی ضرورتوں پر صرف کیا جائے اور اسی سے فوجیوں کی تنخواہیں دی جائیں' فوجیوں کو جو تنخواہیں دی جاتی ہیں وہ نہ صرف انہی کو کافی ہوں بلکہ ان کے بال بچوں کو بھی کفایت کریں کیونکہ انہوں نے اپنی ذات کو جہاد کے لئے خاص کر رکھا ہے اور مشرکین کے شر کو مسلمانوں سے دور کرتے رہتے ہیں۔

اور اس مال سے اسلحہ اور ہتھیار خریدے جائیں اور قلعے بنائے جائیں اور چھوٹے اور بڑے پل تعمیر کئے جائیں اور ندی کا پانی روکنے کے لئے پشتے بنائے جائیں اور اسی سے بڑی نہریں نکالی جائیں۔

اور اسی سے قاضیوں (عدالت کے حاکموں) مفتیوں' محتسبوں اور اساتذہ کو روزینے عطا کئے جائیں اور نیز ہر اس شخص کو جو مسلمانوں کے کاموں میں مصروف ہو' کفایت کے لحاظ سے اسی نوع کے مال سے گزارے دیئے جائیں۔

۴۔ محاصل کی چوتھی قسم میں مسلمانوں کے وہ متروکے ہیں جن کا کوئی وارث نہ ہو یا صرف میاں یا بیوی ہی وارث ہوئی تو باقی کا مصرف بیت المال ہے۔ اسی طرح لاوارث مال (لقطہ) ہے جب کہ اس کی شناخت نہ ہو سکے تو ایسے مال بھی بیت المال کے لئے ہیں۔

اور اس قسم کے مال کا مصرف گمنام لاوارث بچوں کی پرورش اور ایسے مسلمانوں کی تکفین ہے جن کے پاس مال نہ ہو اور مجبوری و بے بسی نے گھیر رکھا ہو۔

امام پر لازم ہے کہ مال کو اس کے مصارف میں صرف کرتے وقت اللہ سے ڈرتا رہے۔ ہر ایک نادار کو صدقات سے اتنا دے کہ غنی ہو جائے۔

اگر بعض مسلمانوں کو ضرورت پڑے اور بیت المال میں صدقات نہ ہوں تو امام خراج کے بیت المال سے ان کی احتیاجوں کے لئے رقم عطا کرے گا اور یہ صدقہ کے بیت المال پر قرض نہ ہوگا کیونکہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ خراج اور اس کے ساتھ جو آمدنیاں ہیں' وہ مسلمانوں کی ضرورتوں ہی پر صرف ہوتی ہیں۔

اس کے برخلاف امام کو اگر فوجیوں کو تنخواہ دینی ہو اور خراج کے بیت المال میں مال نہ ہو تو صدقہ کے بیت المال پر بطور قرض کے ہوگا کیونکہ صدقہ کا مال تو صرف فقراء اور مساکین کے لئے ہے۔ (۱۱۰)

۲۔ صدر مملکت کا مشاہرہ:

جب رسول کریمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لوگوں نے کھجور کے درختوں سے رسول اللہؐ کی اعانت کی تھی۔ بعد کے برسوں میں ''رسول کریمؐ کے لئے تین صفایا (منتخبہ) تھے۔ بنو نضیر کی اراضی رسول کریمؐ کے لئے تھی اور فدک مسافروں کے لئے' خیبر کو آنحضرتؐ نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا دو حصے مسلمانوں کے لئے تھے اور ایک حصہ اپنے اہل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعیال کے خرچ کے لئے۔ پھر جو آپؐ کے خرچ سے بچتا وہ مہاجر فقراء پر صرف کر دیا جاتا تھا۔'' (۱۱۱) اب پارلیمنٹ اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔

جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ بے شک میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ ایسا نہیں کہ میرے اہل و عیال کی کفالت نہ کر سکے۔ لیکن میں مسلمانوں کے کام میں مصروف کر دیا گیا ہوں تو اب ابوبکر کے بال بچے اس مال (بیت المال) سے کھائیں گے اور میں مسلمانوں کا کام کروں گا۔ (۱۱۲)

امام کا نفقہ بیت المال پر ہے اور یہ اتنا مقرر کر دیا جائے جو اس کی ضرورتوں کو پورا کر سکے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھا کہ وہ اپنے اہل وعیال کا کچھ سامان اٹھائے لئے جا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اے رسول اللہؐ کے خلیفہ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اپنے اہل وعیال کے واسطے سامان بیچنے کے لئے بازار جا رہا ہوں کیونکہ میری ضرورتوں کے لئے خرچ نہیں ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ جمع ہوئے اور انہوں نے ابتداً آپ کیلئے روزانہ 22/3 درہم یا تین درہم یا 32/3 درہم مقرر کر دیئے اس میں روایتوں کا اختلاف ہے۔ (۱۱۳)

مؤرخ ابن سعد وغیرہ کا بیان ہے کہ ''حضرت ابوبکرؓ کی دو ہزار درہم تنخواہ مقرر ہوئی مگر آپ نے عذر کیا کہ میرا کنبہ بڑا ہے اور مجھ سے خلافت کی مصروفیت کی وجہ سے اب تجارت نہ ہو سکے گی اس لئے کچھ اضافہ کیا جائے چنانچہ پانچ سو درہم کا اضافہ ہوا۔'' (۱۱۴)

جب ابوبکرؓ کی وفات کا وقت ہوا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس بیت المال کا جو کچھ سامان ہو وہ سب واپس کر دو کیونکہ میں اس مال میں سے اپنے ذمہ کچھ رکھنا نہیں چاہتا۔ فلاں مقام والی میری زمین اس رقم کے معاوضہ میں دے دو جو آج تک میں نے بیت المال سے لی ہے چنانچہ وہ زمین اور ایک اونٹنی ایک قلعی گر غلام اور کچھ غلہ جس کی قیمت پانچ درہم ہوگی یہ سب چیزیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دی گئیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ابوبکرؓ نے اپنے بعد والوں کو کسی قدر مشکل میں ڈال دیا۔ (۱۱۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کے لئے خرچ بیت المال سے لینے لگے بعد میں بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کے مثل آپ نے بھی اپنی ذات کے لئے سالانہ پانچ ہزار درہم مقرر کئے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ''آپ بیت المال سے اپنی ثروت اور دولت مندی کی بنا پر کچھ نہ لیتے تھے۔'' (۱۱۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے ماہوار (پانچ ہزار درہم سالانہ) لینے لگے۔

حاصل یہ کہ صدر مملکت اگر دولت مند ہو تو بہتر یہی ہے کہ بیت المال سے کچھ نہ لے اور اگر ضرورت مند ہو تو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے بیت المال سے ضرورت کے موافق لیا کرے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے یتیموں کے محافظین کے بارے میں رہنمائی فرمائی ہے کہ (۱۱۷)

﴿مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء:6)

''جو (سرپرست) مالدار ہو وہ بچتا رہے اور جو نادار ہو وہ دستور کے موافق کھائے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔انتظامی اخراجات:

صدر مملکت کی طرح عدالت کے حاکموں کی تنخواہ کا مسئلہ ہے۔''حاکم عدالت (قاضی) کا روزینہ مقرر کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ رسول کریمؐ نے عتاب بن اُسید کو مکہ بھیجا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن بھیجا اور ان کا روزینہ مقرر کر دیا نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ مسلمانوں کے حق میں منہمک ہو گیا تو اس کا خرچ انہی پر یعنی بیت المال پر ہوگا۔''(۱۱۸)

اسی طرح مختلف اسلامی ماخذوں سے دوسرے سرکاری ملازمین اور اعلیٰ عہدہ داروں کی تنخواہیں جو رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں یا خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں مقرر تھیں' درج کی جاسکتی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے عمال کی دیانت اور راست بازی قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربہ کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں علیٰ قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں' صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو مال ملتا تھا وہ الگ چنانچہ امیر معاویہؓ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔(۱۱۹) اس دور میں شعبہ پولیس پر کثیر اخراجات اُٹھتے ہیں۔

۴۔لاوارث بچوں کی پرورش:

گمنام اور لاوارث بچوں کی پرورش بیت المال کے چوتھے شعبے کی گنجائش سے ہوتی تھی۔

جب کوئی بچہ جس کا باپ نہ ہوتا یا جسے کسی گزرگاہ پر ڈال دیا جاتا حضرت عمرؓ کے پاس لایا جاتا تو آپ اس کے لئے سو درہم مقرر کرتے اور اس کی خوراک اور دوسرے مصارف کے لئے جتنے مال کی ضرورت ہوتی' مقرر کرتے۔اس کا ولی مہینے کے مہینے اس کا فریضہ آ کر لے جاتا۔امیر المومنین سال کے سال اس کو جا کر دیکھتے اس کے حق میں حسن سلوک کی ہدایت کرتے اور بیت المال سے اس کی رضاعت اور پرورش کے اخراجات کا حکم دیتے۔(۱۲۰)

گمنام لاوارث بچہ (لقیط) کا نفقہ بیت المال سے ہوگا اور یہی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے اور اس دلیل سے کہ لقیط ایک ایسا مسلمان ہے جو کمائی کرنے سے عاجز ہے۔نہ اس کا مال ہے اور نہ کوئی قرابت دار ہے تو وہ ایسے لنجے کے مثل ہے جس کا کچھ مال نہ ہو یعنی جیسے لنجے کا خرچ بیت المال میں ہوتا ہے اسی طرح لقیط کا بھی خرچ بیت المال پر ہو گا اور اس دلیل سے کہ لقیط کی میراث بیت المال میں داخل ہوتی ہے اس طرح جس کو حاصلات ملے وہی خرچ اٹھاتا ہے (الخراج بالضمان) چنانچہ لقیط اگر کوئی جرم کرتا ہے تو بیت المال اس کا خرچ برداشت کرتا ہے۔(۱۲۱)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ''لقیط (گمنام لاوارث بچہ) آزاد ہوتا ہے کیونکہ آدمی میں اصل آزادی ہے اور یوں دارالاسلام بھی آزادوں کا ملک ہے اور اکثر کے اعتبار سے حکم ہوتا ہے۔''(۱۲۲) یعنی دارالاسلام میں اکثر لوگ آزاد ہوتے ہیں تو انہی کے لحاظ سے یہ بھی آزاد ہوگا۔

ملتقط (جو شخص گمنام بچے کو اٹھالاتا ہے) کو اختیار ہے کہ لقیط کو کوئی پیشہ و ہنر سیکھنے کے لئے کسی صنعتی درس گاہ کے سپرد کرے کیونکہ یہ اس کی درستی اور حفظ حال کی قسم سے ہے۔(۱۲۳)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلموں کے لاوارث بچے:

مسلم مملکت میں جو مذہبی آزادی پائی جاتی تھی اس کے سلسلہ میں یہی اشارہ کافی ہے کہ غیر مسلموں کے لاوارث بچے غیر مسلم ہی شمار ہوتے تھے:

وان وجد فی قریة من قریٰ اهل الذمة او فی بیعة او کنیسة کان ذمیًا

''اگر لقیط ذمیوں کے کسی گاؤں یا گرجا' کلیسا میں پایا جائے تو وہ ذمی ہوگا۔''

۵۔قیدیوں' مجرموں کا خرچ:

''اگر کسی مجرم کے جرائم بڑھ جائیں بار بار کی سزا سے بھی وہ باز نہ آئے اور لوگوں کو اس سے ایذا پہنچے تو حاکم اس کو زندگی بھر کے لئے قید کی سزا دے سکتا ہے اور اس کے کھانے' پینے اور پہننے کا خرچ بیت المال سے مقرر ہوگا۔'' (۱۲۴)

''اگر قید خانہ میں کوئی مقتول پایا جائے تو اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی۔'' (۱۲۵)

''اور جن قیدیوں کے عزیز و اقارب نہ ہوں ان کی تجہیز و تکفین کا سامان بیت المال سے کیا جائے گا۔'' (۱۲۶)

۶۔فوجی آمدورفت سے زراعت کی پامالی اور اس کی پابجائی:

فوجی آمدورفت سے زراعت وغیرہ کی پامالی ہوتی تو اس کی پابجائی بھی بیت المال سے کی جاتی تھی۔ایک کاشت کار حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ''اے امیر المومنین! میں نے کھیتی بوئی تھی' شام والوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور کھیتی پامال کر ڈالی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اس کو دس ہزار درہم بطور معاوضہ کے دلوائے۔'' (۱۲۷)

المختصر بیت المال پر بیسیوں مصارف عائد ہوتے ہیں۔

محصول خراج' محصول جزیہ اور محصول درآمد یہ مال فئے کی مدات شمار ہوتے ہیں۔ان سے اسلامی مملکت کو خاصی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔صرف محصول خراج ہی سے سرکاری خزانہ کو کروڑوں کی آمدنی تھی جس سے تمام مصارف کی پابجائی کی جاتی تھی اور پھر بھی خاصی رقم خزانہ میں بچ رہتی تھی یہاں تک کہ بہت بعد کے زمانہ میں سواد کے علاقہ سے ''یوسف بن عمر چھ کروڑ سے سات کروڑ تک سالانہ وصول کرتا تھا اس سے وہ عراق میں متعینہ شامی فوج کو ایک کروڑ چھ لاکھ دیتا' ڈاک کے خرچ میں چالیس لاکھ لگاتا اور راستوں پر بیس لاکھ صرف کرتا تھا پھر بھی ایک کروڑ درہم غیر معمولی ضرورتوں کے لئے خزانہ عامرہ میں بچ جاتے تھے۔'' (۱۲۸)

حضرت عمرؓ نے نہ صرف شہریوں بلکہ دیہاتیوں کے لئے بھی باقاعدہ تجربے کرنے کے بعد کہ ہر شخص روزانہ کس قدر کھا پی سکتا ہے' ان کے روزینے مقرر کئے تھے۔بعد میں آمدنی میں اضافہ ہوا تو لباس کی تقسیم بھی ہونے لگی۔آپ نے ان کے لئے پکی اینٹوں کے نئے ہوادار مکانات بنوائے۔کوفہ' بصرہ اور فسطاط میں نئے شہر بسائے جن میں چوڑی چوڑی سڑکیں' دوکانیں اور چوک بنوائے' ہر محلہ میں اونٹوں تک کے باندھنے کی جگہ الگ رکھی۔(۱۲۹) نہریں کاٹ کر شہروں میں آب رسانی کا انتظام کیا' اس طرح ملک کے ہر ایک باشندہ کو کھانے کے لئے کھانا' پہننے کے لئے کپڑا اور رہنے کے لئے مکان نصیب ہوا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور ولید بن عبدالملک نے معذوروں کے وظائف کے علاوہ اندھوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہنمائی اور اپاہجوں کی خدمت کے لئے آدمی مقرر کئے تھے (۱۳۰) عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے زمانے میں بیت المال سے شادیوں کے لئے بھی امداد دیتے تھے۔ (۱۳۱) غرض اس سماجی تحفظ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی مملکت میں کسی نادار کا نام ونشاں نہ رہا۔

یہاں یہ بات باعث دلچسپی ہوگی کہ خود رسول کریمؐ نے اپنے عالموں کو حکم دیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو حکومت کے خزانے سے ''شادیوں کے لئے امداد'' حاصل کر سکتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں اعلیٰ عہدہ داروں کے لئے سرکاری مکان اور سرکاری خادم کی جو عام مراعات حاصل ہیں' ان کے مقابلے میں یا ان سے دو قدم آگے یہ حکم ہے کہ

> ''مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو ہمارا عامل ہو تو وہ بیوی کر لے (اگر بیوی نہ ہو) اور اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر بھی لے لے اور اگر اس کے پاس مکان نہ ہو تو مکان بھی لے لے ان اخراجات کے علاوہ اور جو وہ (سرکاری خزانہ سے) لے گا تو وہ خائن ہے۔'' (۱۳۲)

عصر جدید کی حکومتیں ادنیٰ ترعہدہ داروں کو الاؤنس کرایہ مکان' الاؤنس گرانی اور تعمیر مکان اور موٹر کی خریداری کے لئے قرضہ عطا کرتی ہیں اسی طرح استانیوں اور مزدور عورتوں کے لئے الاؤنس' زچگی اور پوری تنخواہ کے ساتھ رخصت کا ذکر بھی بعض جگہ آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر عوام الناس کی اور کیا بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔ یہ چند صدیاں پہلے کر رفاہ عامہ کے امور تھے۔ کوئی ریاست اس سے زیادہ کیا کارہائے نمایاں سرانجام دے سکتی ہے۔ مغربی ترقی یافتہ ممالک اپنی رعایا کے لئے جو کچھ کرتے ہیں' اسلامی مملکت بدرجہا زیادہ خدمات وسہولیات فراہم کرتی ہے۔ مگر صد افسوس کہ مسلم حکومتی کارندے اپنے اسلاف کے کارنامے یکسر بھول گئے وگرنہ کوئی بھی جدید سرکار ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۷۔ سیکرٹریٹ کے اخراجات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چند کاتبوں (Secretaries) پر مشتمل ایک باقاعدہ سیکرٹریٹ (Secretariat) تھا۔ ان میں کم از کم چالیس کاتبین وحی تھے۔ کچھ کاتبین زکوٰۃ تھے جو زکوٰۃ کی وصولی' جانچ پڑتال' اعداد وشمار تقسیم وغیرہا کا حساب کتاب (Account) رکھا کرتے تھے۔ اموال غنیمت اور اموال خمس کا حساب رکھنے والے بھی تھے۔ (۱۳۳)

دو تین کاتب آپ کے سفارتی خطوط لکھنے اور جواب تیار کرنے کے لئے مقرر تھے۔ ان سیکرٹریوں میں سے نمایاں حضرت زید بن ثابت' حضرت علیؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت ابی ابن کعبؓ' حضرت علاء ابن الحضرمیؓ' حضرت حنظلہ الاسیدیؓ' حضرت شرجیل بن حسنہؓ' حضرت مغیرہؓ' حضرت عقبہؓ' حضرت خالد بن سعید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم تھے۔ (۱۳۴)

حضرت ابی بن کعبؓ کاتبین کے رئیس تھے اور یہی صیغہ تحریرات کے اصل ذمہ دار تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں بعض دوسرے اصحاب لکھتے تھے۔ (۱۳۵)

گو اس کی صراحت نہیں مل سکی کہ یہ کاتبین تنخواہ دار تھے یا رضا کارانہ اپنی خدمات اسلامی ریاست کے کریم النفس سربراہ کے سپرد کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض مثلاً حضرت ابی بن کعبؓ' حضرت خالد بن سعید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پڑتا تھا۔ لہٰذا ان کی اپنی اور ان کے اہل خانہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروریات کے لئے کیا انتظام ہوتا ہوگا۔ ظاہر ہے وہ بیت المال سے وظیفہ لیتے ہوں گے۔ آج کل یہ بیوروکریسی کا مرکز اعلیٰ ہے نیز اے جی آفس کے مصارف شامل ہوں گے اور ضلعی انتظامیہ حصہ بنے گی۔

۸۔ تعلیمی اخراجات (Educational Expenses):

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں دوسرے ممالک سے سیاسی دستاویز کا تبادلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔ اس غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دوسرے ممالک کی زبانوں کو سیکھنے کی تلقین کی اور انہیں اپنے سیکرٹریٹ کا ترجمان مقرر کیا۔ ترجمان اعلیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سریانی زبان پندرہ (15) روز کی قلیل مدت میں سیکھ لی۔ (۱۳۶) انہوں نے ایران کے سفیر سے فارسی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم سے حبشی' ایک دوسرے خادم سے قبطی اور ایک تیسرے خادم سے رومی (یونانی) زبان سیکھ لی۔ انہیں اللہ کریم نے استاذ ہن عطا فرمایا کہ ان زبانوں کے ماہر بن گئے۔ (۱۳۷)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی کئی غیر ملکی زبانوں پر عبور رکھے۔ (۱۳۸) ان مترجمین کی کفالت کا انتظام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوں گے۔

آپ کے سیکرٹریٹ میں ایک امین الخاتم (آپ کی مہر کا نگران) بھی مقرر تھا۔ یہ خوشگوار فریضہ حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی رضی اللہ عنہ انجام دیتے تھے۔ (۱۳۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے معلم بنا کر بھیجا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ پہلی وحی * میں تعلیم کی اہمیت کو صیغہ امر سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت مسلمہ کی تعلیم وتربیت کے لئے باقاعدہ انتظام کیا۔ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی میں صفہ کے نام سے دنیا کی سب سے پہلی اقامتی یونیورسٹی (Residential University) کی بنیاد رکھی۔ آپ شاید یونیورسٹی کا نام سن کر چونک جائیں لیکن جب آپ اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ کے جنگی' اصلاحی' اداری اور دیگر بے شمار کارناموں کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ عظیم کام جو صفہ کی یونیورسٹی نے کیا وہ کوئی دوسری یونیورسٹی انجام نہ دے سکی۔ اس یونیورسٹی میں تعلیم مفت تھی۔ ایک بار ایک محترم استاد نے ایک شاگرد سے ایک کمان جہاد کے لئے لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا:

''یہ آگ کی کمان ہے۔''

مختلف صوبوں میں مقررہ والیان اور گورنروں کے ذمہ یہ لگا دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں لوگوں کی تعلیم کا انتظام کریں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو انہی ہدایات کے ساتھ یمن بھیجا گیا تھا۔ جن کے ماتحت حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو تعلیم کا انسپکٹر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ وہ ہر گاؤں میں تعلیم کا انتظام کرتے۔ (۱۴۰)

اسی طرح دیگر علاقوں میں کیا گیا۔ ظاہر ہے اس طرح مقرر کئے جانے والے اساتذہ یا منتظمین کی کفالت بیت المال سے ہی ہوتی ہوگی یا مقامی مسلمان آبادی یہ کار خیر انجام دیتی ہوگی۔

مدینہ منورہ کے لوگوں کی تعلیم کے لئے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔

۹۔ عدالتی اخراجات (Judicial Expenses):

عدل اور انصاف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ انصاف سستا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جلد ہونا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دور میں گو اسلام کی اعلیٰ ترین عدالت کے اعلیٰ ترین جج تھے مگر آپ تک رسائی کے لئے بلاتمیز رنگ ونسل اور امارت وغربت تمام انسانوں کے لئے یکساں مواقع تھے۔ آپؐ کے زمانہ میں عدالتیں تین قسم کی تھیں:

۱۔ عدالت اصلاح:

یہ اولین عدالت تھی جس کا مقصد اسلامی معاشرہ کے افراد میں عدالت کے ذریعے اصلاح کا پروگرام آگے بڑھانا تھا تاکہ ان کے درمیان تباہ کن اختلافات پیدا نہ ہوں اور ایسے اختلافات کو عدالت اصلاح کے ذریعے ختم کر دیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں عدالت اصلاح کا کام نماز ظہر کے بعد کیا کرتے تھے (۱۴۱)

دوسرے علاقوں میں آپؐ کے مقرر کردہ قضاۃ بھی یہ کام کیا کرتے تھے۔ (۱۴۲)

۲۔ عدالت اصلاح بین الناس:

یہ عدالت قانونی دعاوی سن کر صلح کرانے کی تمام ممکنہ اخلاقی کوششیں کرتیں اور ناکامی کی صورت میں نزاعی مقدمات کو مصالحت کے اصول پر طے کرتی اور اس مقصد کے لئے قانون سے پورا کام لیتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار عدالت اصلاح کی ذمہ داریوں کو کبھی تنہا اور کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس سے مل کر نبھایا۔ آپؐ نے اسی عدالت کے ذریعے بنی عمرو اور بنی عوف کی صلح کرائی اور اسی طرح اہل قبا کی صلح کرائی تھی۔ (۱۴۳)

۳۔ عدالت تحکیم:

یہ عدالت فریقین کی مرضی اور ثالثی کے اصول پر فریقین کے دعوؤں کا فیصلہ کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع اور مشتری کے جھگڑے اسی عدالت کے تحت طے کرائے۔ (۱۴۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مذکور بالا عدالتوں کے دائرہ کار کو تمام اسلامی ریاست میں عام کرنے کے لئے مختلف صوبوں کے صدر مقامات پر قضات (Judges) مقرر فرماتے تھے۔

جدید دور میں ڈسٹرکٹ کورٹس سے لے کر سپریم کورٹ تک عدالتوں اور ان کے عملہ کے کثیر اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور یہ بہت بھاری اخراجات ہیں۔

۴۔ امور داخلہ کے اخراجات (Expenses of Interior Affairs):

کسی بھی ریاست کے اندرونی استحکام وترقی اور بیرونی دنیا میں اس کے وقار کا انحصار سب سے زیادہ اس کے داخلی معاملات پر ہوتا ہے۔ اندرونی خلفشار اور بدنظمی بیرونی دنیا میں بے وقاری کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس پر حکومت کے بہت زیادہ اخراجات آتے ہیں لیکن انہیں داخلی امن اور خوشحالی کی خاطر بخوشی قبول کرنا پڑتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے اس کے داخلی استحکام اور امن کی خاطر مدینہ منورہ کو اس کا دارالخلافہ قرار دیا جس کا نام مدینہ اور قبۃ الاسلام رکھا اور اسے حرم قرار دیا۔ (۱۴۵) اور یوں اس دارالخلافہ کو معنوی امن مل گیا جسے صوری بنانے کے لئے آپؐ نے میثاق مدینہ تیار کیا اور یہود مدینہ منورہ اور آس پاس کے قبائل کو اس کا پابند بنایا اور جب اللہ کریم نے اپنا کرم کر کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کو تمام جزیرۃ العرب پر غلبہ عنایت فرمایا تو آپ نے داخلی استحکام کو مضبوط بنانے کے لئے ملک کو بارہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ کا الگ الگ حاکم مقرر کیا اور اس نظام کے تمام اخراجات بیت المال سے پورے کئے جاتے تھے۔ (۱۴۶) اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح ارشاد سے ہوتی ہے:

''جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہئے۔ اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو خادم رکھنے کا معاوضہ لے۔ اگر اس کا ذاتی مکان نہ ہو تو مکان کا کرایہ لے البتہ اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔'' (۱۴۷)

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ گورنروں' قاضیوں اور دیگر سرکاری ملازمین کو تنخواہ دیا کرتے تھے:

''حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو ہم کسی کام پر مقرر کریں اور اسے معاوضہ (تنخواہ وغیرہ) دیں تو وہ اس معاوضہ کے باوجود بھی اگر کچھ لیتا ہے تو وہ خیانت ہے۔'' (۱۴۸)

اگرچہ اس دور میں تنخواہوں یا الاؤنسوں (Allowances) کا ماہانہ یا نہ نظام نہ تھا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گورنروں اور قاضیوں کے لئے معاوضہ کی مختلف صورتیں طے کر دیتے تھے۔ مثلاً:

حضرت قیس بن مالک ارجی رضی اللہ عنہ جب ہمدان کے گورنر مقرر ہوئے تو آپ نے ان کے لئے جبل نسار کے محصولات میں دو سو (200) صاع اناج اور خیوان کے انگوروں کے محصولات میں سے دو سو (200) صاع مقرر کر دیئے۔ ان کے بعد آنے والے حضرات کے لئے بھی ایسا ہی کیا گیا۔ (۱۴۹)

البتہ نقد وظیفہ مقرر کرنے کی ابتداء حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ سے ہوئی جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا گورنر مقرر فرمایا تو ان کے لئے یومیہ ایک درہم مقرر کیا۔ (۱۵۰) شاید اس کے ساتھ اناج وغیرہ بھی ہوگا۔ واللہ اعلم!

امن عامہ کے قیام کے لئے پولیس (شرطہ) کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگرچہ پولیس کا باقاعدہ محکمہ تو اموی دور میں قائم ہوا اور خلافت راشدہ کا دور بھی اس محکمہ کے اثرات سے خالی رہا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کی خدمات حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ انجام دیا کرتے تھے اور اس نیک کام کے لئے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں رفاقت نصیب رہی۔ یہ بیت المال سے وظیفہ بھی لیتے ہوں گے۔

۵۔ محصلین زکوٰۃ وعشر کے وظائف:

اس وقت کی اسلامی ریاست کو اپنے حکومتی اخراجات' عوام کی معاشی فلاح و بہبود کی سکیموں اور معذور محتاج شہریوں کی کفالت کے لئے اغنیاء کے تعاون کی ضرورت تھی۔ اسلام نے اس غرض کے لئے اغنیاء پر زکوٰۃ' عشر اور صدقات واجبہ مقرر کئے ہیں اور اخلاقی طور پر ان سے صدقات نافلہ کی توقع بھی کی ہے۔ ایسے تمام ذرائع آمدن اس وقت تک مؤثر نہیں ہوتے جب تک ان کے اکٹھا کرنے کے مؤثر انتظامات نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ایسے ذرائع آمدن سے مال اکٹھا کرنے کے لئے محصلین (Collectors) کا تقرر کیا جنہیں بیت المال سے وظیفہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جاتا تھا۔

۶۔ مساجد کی تعمیر:

مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادی کے لئے آپؐ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی اور آپ مساجد کے تعمیراتی کاموں میں بنفس نفیس شامل ہوتے۔ مسجد دراصل اسلام کے نمایاں ترین شعائر میں سے ایک ہے۔ مسجد صرف پنجگانہ نماز ہی کے لئے نہیں بلکہ مسجد مسلمانوں کے لئے مرکز اور اجتماعیت کا ذریعہ ہے۔ مسجد کی خالصتاً معاشی اہمیت بھی ہے۔ جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مل کر ایک دوسرے کی معاشی پریشانیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مسجد کا سیاسی پہلو بھی ہے کہ یہاں جماعت بندی اور اطاعت کی تربیت دی جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی ان گوناگوں ضروریات کے پیش نظر خود بھی مساجد تعمیر کرائیں اور اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اپنے اپنے محلوں میں مساجد تعمیر کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں صرف مدینہ منورہ اور حوالی مدینہ منورہ میں اکتیس مساجد تعمیر ہوئیں۔ اگرچہ تمام مساجد سرکاری اخراجات سے تعمیر نہیں ہوئی ہوں گی مگر ان کے اخراجات میں اجتماعی مال ضرور شامل تھا اور چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تمام دینی کام صرف آپؐ کی منظوری سے کرتے تھے لہٰذا ان مساجد پر آنے والے اخراجات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری ضرور حاصل تھی۔

اس طرح جو قبیلہ اسلام لاتا آپؐ انہیں مسجد کی تعمیر کرنے کی تلقین ضرور فرماتے۔ اہل طائف جب حلقہ بگوش اسلام ہونے آئے تو آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ جہاں ان کا بت نصب تھا وہاں مسجد کی تعمیر کریں۔ (۱۵۱)

پھر ان مساجد کی آبادی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ اور مؤذنین کا تقرر بھی فرمایا۔ احادیث میں چند ائمہ اور مؤذنین کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً: مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہیں باہر تشریف لے جانے یا آپ کی بیماری کی صورت میں یہ حضرات نماز کی امامت کراتے:

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت معصب بن عمیرؓ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہم۔

ان میں سے حضرت معصب بن عمیر اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے سے قبل مسلمانوں کی نماز میں امامت کراتے۔ محلہ بنو سالم کی مسجد کے امام حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ، بنو سلمہ کے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، بنو جرم کے حضرت عمرو بن سلمہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما۔ اسی طرح بنو نجار اور مسجد قبا میں بھی ایک ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہما امام تھے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ، طائف میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور عمان میں ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ امام مقرر کئے گئے تھے۔ (۱۵۲)

مؤذنین میں سے حضرت بلال بن رباح اور عمرو بن اُم مکتوم قرشی رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں، حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ مسجد قبا میں اور حضرت ابومحذورہ جمحی قرشی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں مؤذنین تھے۔ (۱۵۳)

گویا ائمہ اور مؤذنین اس کار خیر کی کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں لیتے تھے مگر یہ اس کے مستحق تھے کہ بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعد کے مسلمان خلفاء نے کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۔ سفارتی اخراجات:

فتح مکہ مکرمہ کے بعد جزیرۃ العرب (Arabian Peninsula) جب آپؐ کے زیر نگیں آ گیا تو جو کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صداقت کی کسوٹی بنا کر منتظر بیٹھے تھے' جوق در جوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر)

''جب اللہ کریم کی نصرت اور فتح آ گئی اور آپؐ نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق اللہ کریم کے دین میں داخل ہو رہے ہیں لہٰذا اب آپؐ اپنے پروردگار کی تسبیح کریں۔ اس کی تعریف کے ساتھ اور اس کے سامنے استغفار کیا کریں۔ یقیناً وہ بڑا ہی توجہ فرمانے والا ہے۔''

اب خطہ عرب کے مختلف قبائل نے اپنے سفارتی وفد بنا بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کئے۔ وہ آپؐ کی خدمت میں آپؐ کے مہمان بن کر آتے۔ آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ اسلام قبول کر کے دین کی بنیادی تعلیمات سیکھتے اور جب جانے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سفر خرچ یا از راہ ہمدردی تحائف بھی دیتے اس طرح ان وفود پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات دو قسم کے ہوتے تھے' جو یہ ہیں:

مہمان داری　　بوا پسی سفر خرچ یا تحائف

ان وفود کی آمد کا سلسلہ تو 8ھ کے اخیر سے شروع ہو گیا تھا مگر ان کی کثرت 10ھ میں ہوئی۔ ان دونوں سنوں کو عام الوفود کہتے ہیں۔ ابن سعد نے ایسے وفود کی تعداد ستر (70) بتائی ہے۔ دمیاطی' مغلطائی اور عراقی نے ان کی تعداد ساٹھ (60) سے زیادہ بتائی ہے۔ البتہ قسطلانی نے صرف پینتیس (35) وفود کا ذکر کیا ہے۔ (۱۵۴)

۸۔ کفالت عامہ کے اخراجات (Expenses of General Maintenance):

جب اللہ حلیم نے اپنا کرم کر کے بیت المال کے مالی وسائل کو بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایسے اخراجات کا اضافہ کیا جنہیں کفالت عامہ کے اخراجات کہہ سکتے ہیں۔ یہ اخراجات مقروض لوگوں کے قرضے ادا کرنے' بے سہارا اور اپاہجوں کی معاشی اعانت کرنے' غریب مریضوں کا علاج کرانے اور بے بس مگر ازدواجی زندگی کے قابل لوگوں کی شادیاں کرانے پر خرچ کئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں چند نظائر پیش کئے جاتے ہیں:

انا اولٰی بالمؤمنین من انفسھم فمن تو فی و علیه دین فعلی قضائه و من ترک مالا فلورثته (۱۵۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کار خیر پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا تھا چنانچہ جب کوئی تنگدست مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپؐ اسے بھوکا یا برہنہ تن یا برہنہ پا دیکھتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے اور وہ کہیں سے قرضہ لے کر بھی اس کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کا انتظام کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعے سے وہ قرض ادا کر دیا جاتا۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اس مد میں شامل کر لیا جاتا۔ (۱۵۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۹۔ جنگی یا دفاعی اخراجات (War or Defence Expenses):

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنان اسلام کے خلاف لڑائیوں پر جو اخراجات کئے انہیں جنگی اخراجات کہنا مناسب ہوگا یا دفاعی اخراجات کہنا مناسب ہوگا؟ ہم تو انہیں جنگی اخراجات ہی کہیں گے۔ کیونکہ دفاعی اخراجات کہنا ہمارے نزدیک اس احساس کمتری میں مبتلا ہونا ہے جس کا شکار وہ اسکالرز ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو دفاعی ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا ہے۔ مستشرقین یورپ نے جب یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو ان بیچارے اسکالرز نے بباطن غالباً اسلام کی خیر خواہی میں ہی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے دین اسلام تو تبلیغ سے پھیلایا اور اس مقصد کے لئے نہ کسی ملک پر حملہ کیا نہ کسی قوم پر چڑھائی کی۔ یہ مغرب کے فلسفہ جہاد سے مرعوبیت کا نتیجہ تھا' جسے قبول کر کے آج اُمت مسلمہ جنگی پیش قدمی (Offence) تو کہاں اپنا دفاع (Defence) بھی کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اس اُمت کے علماء اور اسکالرز کے ہاتھ سے تلوار ایک طرف رکھوا دی گئی۔ کیونکہ یہ جارح یا جنگجو کہلانے سے چڑتے ہیں اور اس کے بدلے ان کے ہاتھ قلم تھما دیا ہے کہ یہ سارا جہاد اس پر کریں کہ اسلام کی جنگیں دفاعی ہوتی ہیں۔ جارح کی حیثیت سے نہیں!

ہمیں اس حقیقت سے نہ صرف اتفاق ہے بلکہ ہم اس کے داعی بھی ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ تبلیغ سے پھیلا ہے۔ لیکن جہاں جہاں ظالم حکمرانوں یا کسی قوم نے اسلام کے خلاف کوئی سازش کی یا ترویج اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی اُن پر حملہ کرنے میں پہل کی گئی ہے۔ یہ انتظار نہیں کیا گیا کہ وہ ظالم خود ہی دار الاسلام پر چڑھ دوڑیں تو پھر ان سے لڑا جائے۔ اگر یہ پالیسی اختیار کی جاتی تو آج' اللہ کریم نہ کرے' اسلام کا کہیں وجود تک نہ ہوتا۔

اس مختصر بحث کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعداء اسلام کے خلاف لڑائیوں میں اگر کچھ اخراجات کئے تھے تو وہ دفاعی اخراجات کی بجائے جنگی اخراجات تھے۔

نوعیت جنگی اخراجات (Nature of War Expenses):

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جنگی یا دفاعی اخراجات کی نوعیت آج کل کی حکومتوں کے دفاعی بجٹوں کی سی نہیں تھی۔ اُس دور میں فوج کے تین حصے (1) مستقل فوج' (2) محفوظ فوج اور (3) رضا کار نہیں تھے' نہ اسلحہ کے سرکاری ذخائر تھے' نہ فوجی دفاتر اور فوجی چھاؤنیاں تھیں اور اُن پر اٹھنے والے بے پناہ اخراجات کی ضرورت تھی۔ اس وقت اُمت کے ہر بالغ نوجوان سے لے کر بوڑھے تک اسلامی فوج کا رضا کار سپاہی تھا۔ جسے جب کبھی جہاد کے لئے پکارا جاتا وہ سینہ تانے اپنا اسلحہ اور سواری لے کر حاضر ہو جاتا۔ گویا ساری اُمت فوجی تھی۔ جو ہر وقت فوجی خدمات کے لئے تیار رہتی تھی جس کے پاس سامان حرب کی ہمیشہ کمی رہتی جسے وہ اللہ کریم کا بول بالا کرنے کی خاطر کٹ کر مر جانے کے جذبہ سے پورا کرتی تھی اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلم اسکالرز نے بھی کیا ہے۔ مثلاً آر- وی- سی بوڈلے (R.V.C. Bodley) کا یہ اعتراف ملاحظہ کیجئے:

> ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاد عرب میں تنہا تھے۔ یہ ملک رقبہ کے اعتبار سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) کا 1/3 ہے اور اس کی آبادی 25 لاکھ ہے۔ ان کے پاس ایسے لشکر بھی نہ تھے جو لوگوں کو امتثال امر اور اطاعت پر مجبور کرتے۔ سوائے ایک مختصر لشکر کے جس کی تعداد تین سو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(300) تھی اور یہ لشکر بھی پوری طرح مسلح نہ تھا۔" (۱۵۷)

بودلے کا یہ کہنا کہ ایک تین سو (300) افراد پر مشتمل لشکر تھا۔ دراصل شرکاء بدر کی طرف اشارہ تھا ورنہ یہ کوئی مستقل لشکر نہ تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تعداد ہمیشہ تین سو (300) رہی بلکہ بڑھتی گئی۔

البتہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سامان حرب یا رسد وغیرہ بالکل ہی نہ ہوتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے کہ ان کا انتظام کریں تو آپ مخیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دیتے اور یوں ایسے مجاہدین کو مسلح کرتے۔

مثلاً غزوہ تبوک میں پورے لشکر کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسلح کیا۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض حسنہ لے کر فوج کا سامان رسد مہیا فرمایا جیسا کہ غزوہ حنین میں کیا اور اگر آپ مفلس مجاہدین کو کسی غزوہ میں مسلح نہ کر سکے تو وہ روتے ہوئے واپس جاتے کہ وہ اللہ کریم کا بول بالا کرنے والوں کی صف میں شامل نہ ہو سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی اخراجات کی ایک صورت اور بھی تھی۔ آپ اُمت مسلمہ میں جذبہ جہاد اور حربی صلاحیت جاری وساری رکھنے کے لئے صحابہ کرام بالخصوص نوجوانوں کو جنگی ورزشیں اور مشقیں کرنے کی ترغیب کے طور پر انعام عنایت کیا کرتے تھے۔ ان مشقوں میں نشانہ بازی اور گھوڑ دوڑ شامل تھیں۔ گھڑ دوڑ کا آغاز ایک مقررہ مقام سے ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سبق (آج بھی مدینہ منورہ کے شمالی دروازہ پر موجود ہے) کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اول، دوم، سوم وغیرہ کا تعین فرماتے۔ مقریزی کے مطابق پہلے پانچ گھوڑوں کو انعام سے نوازتے۔ انعام میں کبھی کھجوریں اور کبھی کوئی اور چیز ہوتی۔ (۱۵۸)

چند مؤرخین کے مطابق آپؐ نے "دیوان" کا آغاز بھی کیا جس کا مقصد ایسے نوجوانوں کی فہرستیں تیار کرنا تھا جو نہ صرف جنگ کے قابل ہوں بلکہ جب کبھی انہیں بلایا جائے وہ فوجی خدمات کے لئے تیار ہوں۔ یہ کام ایک کاتب کے ذمہ تھا اور ایسے نوجوانوں کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا۔ (۱۵۹) اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم بھی یہی کام کرتے تھے۔ (۱۶۰)

ان اخراجات کو نظائر (Precedents) بنا کر جدید دور کی مقتضیات اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کئی اور مدات بھی نکل آتی ہیں۔ چونکہ حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں اس لئے گورنمنٹ کے مصارف میں بھی معتدبہ اضافہ ہو جاتا ہے اور آئے دن اٹھنے والے مسائل سے نمٹنے کے لئے بھی اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

۱۰۔ متفرق (Miscellaneous):

موجودہ عہد میں نئے تقاضوں کے باعث مصارف کی نوعیت بدلتی جا رہی ہے۔ پہلے بیان کردہ اخراجات کے علاوہ حسب ذیل بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں:

۱۔ صنعت افروزی
۲۔ وسائل باربرداری وخبر رسانی کا پھیلاؤ
۳۔ تحقیق وتدقیق اور تربیت کے پروگرام
۴۔ جدید علوم وفنون کا فروغ
۵۔ بیکاری کا سدباب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ تبلیغ واشاعت اسلام
۷۔ بنیادی طبّی، سفری اور تفریحی سہولیات کی فراہمی
۸۔ قدرتی ذرائع کی دریافت وتسخیر
۹۔ غربت کا استیصال (Elimination)
۱۰۔ تمام شعبوں کی اسلام کاری کا عمل (Islamizing Process of All Sectors)
۱۱۔ ریٹائرشدہ ملازمین کی پنشن اور گریجوایٹی کا اہتمام
۱۲۔ مرمت اور شکست وریخت کے مصارف (Repair and Depreciation Costs)
۱۳۔ ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ (Safe-guard from Environmental Pollusion)
۱۴۔ چند بڑے شعبوں میں سرمایہ کاری کرنا
۱۵۔ ناگہانی آفات جیسا کہ حادثات، سیلاب، نامساعد حالات وفسادات، وبائی امراض، غنڈہ گردی ودہشت گردی (Terrorism) ڈاکہ زنی، رہزنی، چوری، بے راہروی وغیرہ کی روک تھام کے لئے کثیر رقوم صرف کر کے عوام کو امداد (Relief) دینا اور کئی نئے شعبوں کے قیام واستحکام کے لئے عملی اقدامات اٹھانا شامل ہے۔ نیز یہ کہ تقاضے بدلنے سے آمد وخرچ کی سکیم میں حسب ضرورت ردوبدل کیا جاسکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومتی اخراجات کے اُصول

(Principles of Governmental Expenses)

مسلم ریاست حاضر زمانہ کی کسی ترقی یافتہ گورنمنٹ سے کمتر اہمیت کی حامل نہیں ہے بلکہ اس سے کئی قدم آگے ہے اور وہ بہت سے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ چند بڑے بڑے اصول ضبط تحریر میں لائے جاتے ہیں' جو راہنمائی کا کام دیتے ہیں:

۱۔ضروریات زندگی کی فراہمی(Provision of Life Needs):

کسی معاشرے میں متعدد طبقات پائے جاتے ہیں' ان میں سے ہر گروہ کی احتیاجات دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ مفلس طبقہ کی تو بنیادی خواہشات ہی پوری نہیں ہو پاتیں۔ ان کی خوراک' پوشاک' رہائش' تعلیم' علاج معالجہ اور سفری حاجات پوری کرنا مسلم ریاست کے بڑے بڑے وظائف میں شامل ہے۔ بیت المال سے ان کی مالی اعانت کرنی درکار ہے۔

۲۔اصول عدل:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان اس طرح ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾(النساء:58)

''بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔ اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بے شک اللہ ہے سننے والا' دیکھنے والا۔''

اس آیت کی روشنی میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اخراجات کے ضمن میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور تمام افراد اور طبقات کے ساتھ یکساں انداز سے معاملہ کرے۔ البتہ اس ضمن میں ضرورت اور استحقاق وغیرہ کو پیش نظر رکھے۔

۳۔سادگی کا اصول(Priniciple of Simplicity):

اخراجات میں سادگی کا اصول بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس اصول کو اختیار کرنے سے اسلامی ریاست بے جا ٹیکسوں کے نفاذ سے بچ سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپؓ جب کسی شخص کو حاکم مقرر کرتے تو اس سے عہد لیتے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرے گا' باریک کپڑے نہیں پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا' اپنے دروازے پر دربان نہیں رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھے گا۔

۴۔مستقبل کی ضروریات:

مسلم ریاست اخراجات کے ضمن میں آئندہ نسلوں کے حقوق کو بھی مدنگاہ رکھتی ہے کہ ان کے لئے مناسب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماحول' مناسب سہولیات وغیرہ دستیاب ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آئندہ کے لئے ریاست کے پاس کچھ نہ ہو۔

اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے عراق اور شام کی مفتوحہ زمین مجاہدین میں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

''تم لوگ چاہتے ہو کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے اس میں سے کچھ نہ بچے۔''(۱۶۱)

۵۔ بین العلاقائی اور بین الصوبائی ترقی (Intera-Interregional Growth):

بیت المال کے اخراجات کے ضمن میں چند علاقوں کی ترقی پیش نظر ہو وہ بلکہ گورنمنٹ کے سب علاقوں کو یکساں ترقی کے مواقع فراہم کرنے کا بندوبست کرنا بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں بھی حضرت عمرؓ کا عمل ہمارے سامنے ہے جو وہ تمام علاقوں کو سالانہ گرانٹ کی فراہمی کے سلسلہ میں پیش نظر رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ کے معاملہ میں یہ حکم کہ اس کو اسی علاقہ میں خرچ کیا جائے' جہاں سے وہ جمع کی جاتی ہے۔(۱۶۲)

''کتاب الاموال'' میں ہے:

''آج ان تمام آثار پر جملہ علماء کا اتفاق ہے کہ ملک کے ہر علاقہ کے باشندوں یا گھاٹوں میں سے ایک گھاٹ سے پانی پینے والے اپنی حلقہ کی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں اور یہ استحقاق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ان میں سے ایک یا اس سے زائد حاجت مند باقی رہیں۔ خواہ اس احتیاج کو رفع کرنے کے لئے وہاں کی تمام زکوٰۃ کام آ جائے اور محصل زکوٰۃ (زکوٰۃ جمع کرنے والا) کو وہاں سے بغیر کچھ لئے خالی ہاتھ ہی واپس آنا پڑے۔''(۱۶۳)

ایسا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ ایک علاقہ کے لوگوں میں تقسیم دولت زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو سکے اور باہمی تفاوت دولت کو دور کیا جا سکے۔ یہ معاملہ زکوٰۃ کا ہے اور یہی اصول باقی سرکاری اخراجات کے سلسلہ میں بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔

۶۔ تاخیر نہ ہونا:

بغیر کسی وجہ کے سرکاری اخراجات میں تاخیر پسندیدہ نہیں ہے بلکہ جہاں ضروری ہو وہاں فوراً اقدام کرنا اور خرچ کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تین راتیں ختم ہونے سے پہلے اس کو تقسیم کر دوں گا۔ سوائے اس کہ میرے اوپر کوئی قرض ہو' اس کی ادائیگی کے لئے کچھ بچا لوں۔''(۱۶۴)

۷۔ مقروض افراد کی مدد:

اگر لوگ اپنے قرضے باوجود کوشش کے ادا نہ کر پا رہے ہوں تو اسلامی ریاست مستحق افراد کے قرضے واپس کرنے کے سلسلہ میں سرکاری اخراجات سے ان کی مدد کرے گی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تو خراج ادا کرنے والوں کو بھی بیت المال سے قرضے دینے کا حکم دیا تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جو قرض چھوڑ کر مر جائے تو اس کا قرض اللہ اور اس کے رسولؐ کے ذمہ ہے اور جو کچھ چھوڑ کر مرے اس کا ترکہ اس کے وارثوں کا ہے۔'' (۱۶۵)

۸۔ بچوں کی کفالت:

حضرت عمرؓ کے دور میں بچوں کے لئے فنڈ کا اجراء کیا گیا اور حضرت عثمانؓ نے نومولود بچوں کے لئے پچاس درہم اور ایک سال کے بچوں کے لئے سو درہم وظیفہ مقرر کیا تھا اس کے علاوہ اسلامی ریاستوں میں یتیموں' بیواؤں' اپاہجوں کے لئے فنڈ فراہم کئے جاتے تھے۔ (۱۶۶)

رسول اللہؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ

''جو لوگ ریاست کے لئے کام کرتے ہیں' ان کو شادی الاؤنس' سواری اور ملازم دیا جائے گا۔''

۹۔ فرد کی حیثیت کے مطابق اعانت:

عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی شے آتی تو آپؐ اسے اس دن تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپؐ شادی شدہ کو دو حصے اور کنوارے کو ایک حصہ دیتے تھے۔ (۱۶۷)

۱۰۔ غلاموں کا حصہ:

حضرت مخلد بخاری کہتے ہیں کہ بنی غفار کے تین غلام بدر میں شریک ہوئے چنانچہ حضرت عمرؓ ان میں سے ہر ایک کو سالانہ تین ہزار وظیفہ دیتے تھے۔ یہ ایک اچھی مثال ہے۔

۱۱۔ بیت المال کی فاضل دولت کے لئے حکم:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو جو عراق میں تھے' لکھا:

''لوگوں کو ان کے وظائف دے دو۔'' اس کے جواب میں عبدالحمید نے لکھا ''میں لوگوں کے مقررہ وظائف دے چکا ہوں اور اس پر بھی بیت المال میں مال بچا ہوا ہے۔'' اس پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب لکھا: ''اب ایسے لوگوں کو دیکھو جو مقروض ہوں لیکن انہوں نے یہ قرضہ کسی فضول خرچی یا بے راہ روی کے سلسلہ میں نہ لیا ہوا اور ان کے قرض (بیت المال میں بچی ہوئی رقم سے) ادا کر دو۔'' اس پر عبدالحمید نے ان کو لکھا: ''میں نے ایسے مقروض افراد کے قرض بھی ادا کر دیئے ہیں بایں ہمہ بیت المال میں رقم باقی رہتی ہے۔'' اس پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں لکھا: ''اب ایسے کنواروں کو تلاش کرو جو نادار ہوں اور وہ یہ پسند کریں کہ ان کی شادی کرا دو تو تم ان کی شادی کر کے ان کی طرف سے ان کے ذمہ واجب الادا مہر بھی ادا کر دو۔'' اس کے بعد عبدالحمید نے ان کو لکھا: ''مجھے جتنے بھی کنوارے ملے ہیں' ان کی شادی بھی کرا چکا ہوں بایں ہمہ بیت المال میں رقم باقی رہتی ہے۔'' اس کے جواب میں عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں لکھا: ''اب ایسے لوگوں کو تلاش کرو جن پر جزیہ مقرر ہے اور وہ اپنی زمین کا انتظام نہیں کر پاتے۔ ایسے ذمیوں کو اتنی رقم قرض دو کہ وہ اپنی زمین کا بندوبست کر سکیں اس لئے کہ ان سے ہمارا واسطہ ایک دو سال کے لئے نہیں ہے۔'' (۱۶۸)

۱۲۔ اصول بھلائی (Principle of Welfare):

مسلم ریاست کی آمدنی کی حیثیت ٹرسٹ کی سی ہے نہ کہ حکمرانوں کے ذاتی فائدہ کے لئے بلکہ اس آمدنی کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوامی فلاح و بہبود کی خاطر ہی صرف کیا جانا چاہئے۔ اس دولت کو لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر استعمال میں لایا جائے چنانچہ رسول اللہ کا ارشاد ہے:

''اگر کسی نے ایک سوئی بھی سرکاری رقوم سے لی تو وہ قیامت کے دن اس کا حساب دے گا۔'' (۱۶۹)

اسی طرح سرکاری رقوم کا حکمرانوں پر بے تحاشا خرچ کرنا اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں۔ حضرت عمرؓ بیت المال سے جو کچھ لیتے تھے وہ خود بیان فرماتے ہیں: ''لو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مال اللہ میں سے میرے لئے کیا کچھ حلال ہے۔ دو جوڑے ایک سردی کا اور ایک گرمی کا اور ایک ایسی سواری جس پر میں حج و عمرہ کر سکوں اور ایک متوسط حیثیت قریشی..... جو نہ ان میں سب سے زیادہ تونگر ہو نہ سب سے زیادہ فقیر کے مطابق اپنے بال بچوں کی گزر بسر کا خرچ۔ بعد ازاں میرا شمار عام مسلمانوں میں ہوگا بیت المال سے جو ان میں سے ایک کے حصہ میں آئے گا وہ مجھے بھی ملے گا۔'' (۱۷۰)

حضرت عمرؓ بیت المال سے سردی اور گرمی کے لئے لباس اور ایک اوسط آدمی کے خرچ کے برابر تنخواہ لیا کرتے تھے۔ صرف چند اشیاء تھیں جو حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے بیت المال سے چند جوڑے کپڑے لئے۔'' (۱۷۱)

۱۳۔ مقاصد کی مالیاتی مسلک سے ہم آہنگی:

مسلم ریاست عوام الناس کی بہتری کے لئے بہت سے مقاصد کا تعین کرتی ہے اور پھر ان کو حاصل کرنے کی خاطر عملی اقدامات (Practical Measures) اٹھاتی ہے۔ مختلف اغراض و مقاصد سے مطابقت رکھنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے کیونکہ مالیاتی حکمت عملی مالیات عامہ (Public Finance) کا ہی حصہ قرار پاتی ہے لہٰذا اخراجات و مقاصد میں ہم رشتگی کا پایا جانا اشد ضروری ہے۔

۱۴۔ بجٹ کی حکمت عملی (Budgetary Policy):

اگرچہ پرانے دور میں آج کل کی مانند بجٹ سازی نہیں کی جاتی تھی تاہم افراد اور سرکار آمد و خرچ کی مدات (Items) کو سامنے رکھتے تھے۔ جدید عہد کی تشکیل میزانیہ کی پالیسی اپنے اندر اچھوتا پن لئے ہوئے ہے۔

اب ہم اسلام کے دور سلف کی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں جس سے کچھ مفید معلومات ملتی ہیں:

''ابتدائے اسلام کے زمانہ میں اسلامی ریاست مدینہ کی چند گلیوں پر مشتمل تھی مگر دس سال کے عرصے میں سارا عرب، فلسطین، عراق اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے۔ لیکن بجٹ اس وقت بھی پیچیدہ نہیں تھا۔ حکومت کی آمدنی میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ حکومت کا خزانہ بیت المال کہلاتا تھا۔ بیت المال میں تمام خام آمدنی جمع نہیں کروائی جاتی تھی بلکہ فوج کے اخراجات اور تمام لوکل سروسز کی قیمت ادا کرنے کے بعد جو زائد رقم بچتی تھی وہ جمع کروائی جاتی تھی۔ ابتدائے اسلام میں متوازن یا زائد بجٹ کا تصور موجود تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی (Financial Orthodoxy) کا ایک قبول کیا ہوا اصول یہ ہے کہ قومی بجٹ ہمیشہ متوازن ہونا چاہئے۔

جب حکومت کی آمدنی اور خرچ برابر ہوں تو یہ متوازن بجٹ کہلاتا ہے۔ جب خرچ آمدنی سے کم ہو تو یہ زائد بجٹ (Surplus) کہلاتا ہے۔ اگر خرچ آمدنی سے زیادہ ہو تو یہ خسارے کا بجٹ کہا جاتا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے علاوہ ''آغاز اسلام میں بے روزگاری' افراط آبادی' صنعتی پسماندگی' ٹیکنالوجی کی قلت جیسے مسائل موجود نہیں تھے۔ لیکن آج کل یہ مسائل بہت بڑھ گئے ہیں۔ اپنی عددی قوت اور دنیا میں پھیلے ہوئے ہونے کے باوجود غربت کے خلاف جنگ کرنے والے لوگوں کے گروہ میں آتے ہیں۔ حالانکہ مسلم ممالک قدرتی ذرائع سے مالا مال ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان وسیع قدرتی وسائل سے استفادہ کرنے کے لئے سرکاری اخراجات میں اضافہ کی ضرورت ہے جس کے لئے خسارے کا بجٹ ضروری ہے جبکہ قرضوں پر سود لینے یا دینے کی اسلام میں ممانعت ہے تو I.B.R.D کی طرز پر ایک اسلامی ترقیاتی بنک تشکیل دیا جائے اور وسائل حاصل کرنے کے لئے ورلڈ بنک سے' ایشیائی ترقیاتی بنک سے اور دیگر دوست حکومتوں سے ملنے والی گرانٹ' امداد اور قرضوں میں اضافہ کیا جائے اور اگر پھر مسلمان ریاستیں انفرادی طور پر ترقی کرنے والی بجٹ پالیسی کو اپنائیں تو بجٹ کی غیر ملکی سرمایہ کی ضرورت کو اس بنک کی مدد سے پورا کیا جا سکے گا اور اگر غیر ملکی سرمائے کی ضرورت اس بنک سے مکمل طور پر پوری نہ ہو سکے تو پھر ہمارے سامنے دو راستے کھلتے ہیں:

۱۔ ہم غیر ملکی سرمایہ داروں کو قائل کر سکتے ہیں کہ وہ پارٹنرشپ کی بنیاد پر ہمارے ملک میں سرمایہ لگائیں۔

۲۔ ہم باہر سے سود پر قرض حاصل کر سکتے ہیں۔

یہاں ایک بات قابل وضاحت ہے کہ اسلامی ریاست ہونے کے باوجود ہمیں دوسروں سے حاصل شدہ قرض پر سود ادا کرنا پڑے گا کیونکہ ہم اسلامی اصول غیر اسلامی ریاست پر لاگو نہیں کر سکتے لیکن ظاہر ہے کہ یہ اسلام کی رُوح کے خلاف ہے لہٰذا اگر غیر ملکی سرمائے کی ضرورت بہت شدت اختیار کر جائے تو ہم دوسرے ممالک سے سود پر قرض حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ اس دنیا میں مقابلے کے میدان میں قائم رہنے کے لئے یہ ہمارے لئے ضروری ہے اور ہمارے خیال میں اسلامی ریاست کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ غیر مسلم ہمسایہ ریاستوں سے سودی تبادلہ کر لے اور ایسا پہلے بھی ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں تجارت آزاد تھی لیکن غیر مسلم ریاستیں جن کے ساتھ مسلم ریاست کے تجارتی تعلقات تھے انہوں نے کسٹم ڈیوٹی اور دیگر تجارتی ٹیکس لگا دیئے تو خلیفہ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا کہ غیر ملکی تاجروں سے اسی شرح سے ٹیکس وصول کیا جائے جس شرح سے وہ مسلم تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے خیال میں لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے سود پر قرض حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کا قرضہ زندگی کی اسلامی قدروں کی روح کے متضاد نہیں ہے اور یہ ایسا راستہ ہے جس کے ذریعے Growth Orientad بجٹ کی غیر ملکی سرمائے کی ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔'' (۱۷۲)

اب ایک بڑا سوال اٹھتا ہے کہ میزانیہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی جامع تعریف یہ ہے:

''بجٹ محض اعداد و شمار کا گوشوارہ اور آمدنی و خرچ کا تخمینہ نہیں ہوتا بلکہ مجموعی ملکی معیشت کی کیفیت کا عکاس اور قومی ضروریات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔'' (۱۷۳)

بجٹ کے مقاصد (Major Objectives):

دراصل پانچ سالہ منصوبوں اور مالیاتی حکمت عملی میں مطابقت و موافقت لانے کے لئے بجٹ ایک زبردست ہتھیار ہے اور اس کا درست استعمال غربت کے استیصال (Elimination) کا تیر بہدف ہے۔ مسلم ریاست اس کے ذریعے بہت سے عوارض کا خاتمہ کر سکتی ہے اور وہ صحیح معنوں میں فلاحی اور مثالی و جمہوری ریاست بن سکتی ہے۔

اس کے چیدہ چیدہ مقاصد اور فوائد یہ ہو سکتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ اقتصادی پالیسی کا اظہار:

بجٹ بناتے وقت معاشرہ کے تمام طبقوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور ایسی معاشی پالیسی اختیار کی جاتی ہے کہ جس سے تمام لوگوں کو فائدہ ہو۔ آیا امیروں کے علاوہ غریبوں کو بھی اس سے استفادہ ہوگا یا نہیں اس بات کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے۔ تمام طبقوں کو پیش نگاہ رکھنے سے معاشرہ یکساں طور پر زیادہ ترقی کرے گا۔

۲۔ مالی ذرائع کا اندازہ:

بجٹ کی افادیت اس بات سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ حکومت کو اپنی آمدنی وخرچ کا اندازہ ہو جاتا ہے نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خرچ پیداواری یا غیر پیداواری امور پر کیا جارہا ہے اسطرح بجٹ یہ بھی بتاتا ہے کہ خسارہ کو کیسے پُر کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ معاشی کیفیت کی عکاسی (Reflection to Economic Position):

بجٹ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ قومی معاشی پوزیشن کی تصویر کشی کرتا ہے یعنی پیداوار کے ذرائع کیا ہیں اور پیداوار کتنی بڑھ رہی ہے۔ اگر اخراجات زیادہ ہوں' آمدنی کم ہو رہی ہو تو یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس آمدنی کو بڑھانے کے لئے کیا طریق کار استعمال کیا جائے کہ اخراجات کے لئے آمدنی کم نہ ہو۔

۴۔ مختلف شعبوں کی نسبتی اہمیت:

بجٹ میں متعدد شعبوں کے لئے فنڈز ایک خاص تناسب سے مختص کئے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کی نسبتی اہمیت کو سامنے رکھا جاتا ہے جیسا کہ زراعت' صنعت' تعلیم وصحت' بینکاری' کان کنی اور دیگر شعبہ ہائے جن سے اشیاء صرف وسرمایہ تیار کی جاتی ہیں ان کے لئے رقوم تفویض کی جاتی ہیں نیز ان میں ہم آہنگی وربط کے لئے بہت رہنمائی کرتا ہے۔

۵۔ سابقہ کارکردگی کا جائزہ:

بجٹ کی اہمیت اس لحاظ سے بہت زیادہ ہے کہ گزشتہ سالوں میں ترقی کے کتنے اہداف حاصل کئے گئے۔ دوسرے لفظوں میں ماضی میں معاشی لحاظ سے قوم نے کتنی ترقی کی اور کہاں پر ناکامی ہوئی اس کے اسباب اور حل پر کتنی توجہ دی گئی گویا اس لحاظ سے بجٹ ایک آئینہ ہے جس میں معاشی حالت کا پرتو (Vision) ہوتا ہے۔

۶۔ افراط زر کا تدارک:

اگر کوئی ملک زبردست مہنگائی کا شکار ہو تو بجٹ میں کئی حربے اختیار کر کے اس کی شدت میں کمی کی جاسکتی ہے جیسا کہ ٹیکسوں میں رعایت' ضروری اشیاء کی قیمتوں مقرر کرنا محدود اور مقررہ آمدنی رکھنے والے طبقوں کو سہولیات دینا اس میں شامل ہے۔

۷۔ بیرونی تجارت کی ترجمانی:

بجٹ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ غیر ملکی تجارت کا رخ دست ونوعیت کو متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ درآمدات وبرآمدات وترسیلات کی تفصیل فراہم کرتا ہے۔ درآمدی بدل کاری برآمدی توسیع بندی کے لئے رہنمائی دیتا ہے نیز معلوم ہوتا ہے کہ کس طبقہ کو کتنی مراعات دی جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ منصوبہ بندی سے مطابقت:

بجٹ اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اسے پنج سالہ منصوبوں سے منسلک کرنا ضروری ہوتا ہے اس طرح پنج سالہ منصوبہ بندی کا بھی صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں بجٹ صحیح طور پر ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

۹۔ بچت اور سرمایہ کاری کو فروغ:

میزانیہ اس لحاظ سے کافی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے کہ بچت اور سرمایہ کاری کو پھیلانے کے لئے کئی عملی طریقے تجویز کرتا ہے کیونکہ جب بچت میں اضافہ ہوگا تو سرمایہ کاری بڑھے گی۔ سرمایہ کاری کے بڑھنے سے ہی اثر ضارب کے تحت آمدنی بڑھے گی۔ آمدنی میں اضافہ سے اخراجات کو صحیح طریقے سے پورا کیا جا سکے گا لہٰذا اس میں بچت کے لئے ترغیبات سہولیات باہم پہنچائی جاتی ہیں اور کئی سکیمیں وضع کی جاتی ہیں۔

۱۰۔ عادلانہ تقسیم دولت:

اکثر زیر ترقی ملکوں میں دولت کی تقسیم صحیح نہیں ہے۔ ایک مخصوص طبقہ کے پاس دولت کی فراوانی ہے جبکہ اکثریت محروم رہتی ہے۔ بجٹ میں غریبوں محتاجوں' اپاہجوں' بیواؤں اور یتیموں کی مالی اعانت پر کافی توجہ دی جا سکتی ہے تاکہ غریب عوام بھی دولت کو حاصل کر کے بنیادی ضروریات پوری کر سکیں۔

۱۱۔ متفرق:

یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ نجی و سرکاری شعبوں میں توازن
۲۔ ذرائع کا بھرپور استعمال
۳۔ اجارہ داریوں پر کنٹرول
۴۔ علاقائی تفاوت دور کرنا
۵۔ معاشرتی خدمات کا دائرہ پھیلانا
۶۔ ماحولیاتی آلودگی دور کرنا
۷۔ اسلامی ادب کی تشہیر و شخصیت کی تعمیر
۸۔ دینی مدارس کی تکفیل
۹۔ ہنگامی ضروریات کی تکمیل
۱۰۔ ناداری' بے کاری' بیماری' دولت میں ناہمواری' دہشت گردی' غنڈہ گردی' بے راہروی وغیرہ جیسے سنگین مسائل کو دور کرنے کے لئے مہم تیز تر کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹیکسیشن کا تصور

ٹیکس دراصل ان خدمات کے مصارف پورے کرنے کے لئے عائد کیا جاتا ہے جن کا فائدہ خود ٹیکس ادا کرنے والے کی طرف پلٹتا ہے۔ اس کے پیچھے بنیادی تصور یہ کارفرما ہے کہ آپ جن سہولتوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حکومت کے ذریعہ سے وہ سہولتیں آپ کو بہم پہنچائی جائیں' ان کے لئے آپ اپنی دولت کے لحاظ سے متناسب چندہ دیں' یہ ٹیکس ہے۔ درحقیقت ایک طرح کا چندہ ہی ہے جو قانونی جبر کے تحت ان اجتماعی خدمات کے لئے آپ سے لیا جاتا ہے جن کے فوائد سے متمتع ہونے والوں میں آپ خود بھی شامل ہیں۔

دراصل جن ٹیکسوں کو شریعت میں ناروا قرار دیا گیا ہے وہ قیصروں اور کسراؤں اور ان کے امراء کے لگائے ہوئے وہ ٹیکس تھے جنہیں بادشاہ اور امیر کا ذاتی ملک بنالیا جاتا تھا اور جن کی آمد خرچ کا وہ حساب دینے کے ذمہ دار نہ تھے' رہے وہ ٹیکس جو شوریٰ کے طریقے پر چلنے والی حکومت لوگوں کی مرضی اور مشورے سے لگائے' جن کی آمدنی پبلک کے خزانے میں جمع ہو' جن کو خرچ بھی لوگوں کے مشورے سے کیا جائے۔ اور جن کا حساب دینے کی حکومت ذمہ دار ہو تو ایسے ٹیکس عائد کرنے پر شریعت میں قطعاً کوئی پابندی نہیں ہے۔

ٹیکس ہر صورت خزانے میں جمع ہوتا ہے اور اس کی وصولی باقاعدہ حکومت کرتی ہے۔ ٹیکس لوگوں کی انکم پر لگتا ہے ٹیکس زیورات' دوسرے دفینوں پر نہیں لگتا۔ ٹیکس مسلم اور غیر مسلم دونوں پر فرض ہے۔ ٹیکس حکومت عائد کرتی ہے' جس سے وہ اپنی سیاسی' اقتصادی اور معاشرتی ذمہ داریاں پورا کرتی ہے۔

''ایڈم سمتھ'' ایک مشہور مغربی ماہر معاشیات کی حیثیت سے دنیا مغرب میں ایک بلند مقام رکھتا ہے۔ کیونکہ اس نے جدید دنیا میں معاشی نظریات ایڈم سمتھ نے پیش کئے آج کے ترقی یافتہ دور میں بلند مقام حاصل ہے۔

دولت بڑھانے کے طریقے..... کہ دولت کس طرح جمع کی جاتی ہے اور اس کے ماخذ کون کونسے ہیں؟ اس کے خیال کے مطابق پیدائش دولت کا واحد ذریعہ انسانی محنت اور ذرائع پیداوار ہیں اور دولت میں اضافہ بھی دو طرح سے ہوتا ہے۔ اول مزدور کی قابلیت اور کام کرنے والوں کی آبادی میں نسبت اور فی کس آمدنی۔ ایڈم سمتھ کے خیال کے مطابق اگر کسی چیز کی پیداوار چند افراد کے ذمہ کر دی جائے تو وہ فی کس پیداوار کیسے بڑھاتے ہیں۔ وہ تنبیہ بھی کرتا ہے کہ پیداوار بڑھانے کا صحیح فائدہ اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ منڈی میں اس کی مانگ بھی بڑھے' کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا' اشیاء کی فراوانی تو ہو جائے گی لیکن دولت نہ بڑھ سکے گی۔ طلب کے مقابلے میں رسد بہت زیادہ ہوگی۔ ان کے خیال میں جب ذرائع آمدورفت آسان ہونگے اور سڑکیں موجود ہوں گی تو دوسرے علاقوں کے خریدار خود آئیں گے۔

مختلف پیشوں کے بارے میں نظریہ..... وہ کہتا ہے کہ مختلف صلاحیتیں مختلف پیشے پیدا کرتی ہیں۔ یعنی اگر کوئی غریب مفلس اور نادار ہے تو اس میں بھی اچھا پہننے اور کھانے کی خواہش پیدا ہوتی رہتی ہے۔

منڈیوں کی آزادی..... جہاں اشیاء کی قیمت کا معیار دولت یعنی روپیہ پر قائم سے ملنے والا روپیہ اس شئے کی حقیقی قیمت نہیں ہوتی کیونکہ اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اگر منڈی میں مال زیادہ آجائے تو وہ چیز کی قیمت کم کر دے گا۔ دوسری صورت میں جب کم مال آئے گا تو قیمت بڑھ جائے گی اور دوسرے پیشہ ور بھی اسی چیز کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ نفع کما سکیں۔ جب ایسے حالات پیدا ہوں تو دوسرے پیشوں کا فقدان ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معمولات زندگی میں خلل آ جاتا ہے اور جو معاشرے کے لئے نقصان کا باعث بن جاتا ہے' لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ نہ تو رسد کم ہوا اور نہ ہی طلب زیادہ۔ معاشرے میں استحکام پیدا ہوگا جس سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا۔

دولت کی تقسیم..... دولت کی تقسیم کے تین طریقے ایڈم سمتھ نے پیش کئے۔ (۱) اجرتیں دے کر' نفع کما کر' لگان دے کر۔ پہلی صورت میں اجرتیں اسی وقت زیادہ ہوں گی جب ملک اور معاشرہ میں دولت کی فراوانی ہوگی۔ جب پیداوار بڑھے گی تو مزدور کو اجرت زیادہ ملے گی۔ اور وہ پوری دلجمعی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دے گا۔ تو دوسری صورت کی تکمیل کا باعث بنے گا۔ کیونکہ کارخانہ میں جتنی ترقی ہوگی کارخانہ دار کو اتنا زیادہ نفع حاصل ہوگا۔

تیسری صورت میں کوئی ملک زرعی لحاظ سے خوشحال ہوگا' زرعی پیداوار میں فراوانی ہوگی مالک زمین کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا' جس کی وجہ سے ادائیگی لگان' مالیہ' میں تنگی نہ ہوگی۔ دوسری صورت میں یعنی پیداوار کم ہونے کی صورت میں مالک زمین حکومت کو لگان ادا کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملکی منصوبے نامکمل رہ جائیں گے اور ملکی ترقی رُک جائے گی۔

شرح ولادت..... دیہاتوں میں اگر حکومت تفریحی سامان مہیا کر دے تو دیہات میں اور پسماندہ لوگوں میں شرح پیدائش کو کم کیا جا سکتا ہے۔ جب آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہوں تو غریب اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اچھے طریقے سے نہیں کر سکے گا۔ جب آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہوں گے مناسب علاج معالجہ بھی نہیں کر سکتا اور جس کی وجہ سے شرح اموات بھی بڑھ جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ٹیکس لگانے کے اُصول وقواعد

(Guiding Canons of Tax Levying)

اسلامی تعلیمات کی رو سے وہی نظام محصولات عمدہ کہلا سکتا ہے جس میں چند بہتر خصائص یا خصوصیات پائی جائیں۔ اگر وہ معیاری صفات (Attributes) کا حامل ہو تو اسے نافذ کرنے سے مثبت نتائج نکلتے ہیں۔ مسلم ریاست کی وصولیاں بڑھتی ہیں اور عوام کا بھلا ہوتا ہے۔ اسلام میں ٹیکس پالیسی ایسی ہوتی ہے جس سے کسی پر ناروا بوجھ نہیں پڑتا۔ حسب ذیل چیدہ چیدہ اصول ہیں جو ٹیکس سسٹم ان پر پورا اُترتا ہو یعنی ان خصوصیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو، وہ بہتر کہلا سکتا ہے۔

۱۔ اصول تیقن (Canon of Certainty):

ٹیکس ادا کرنے والوں کو رقم، وقت، تاریخ کا پوری طرح علم اور کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ عنصر تیقنیت نہ صرف عوام بلکہ سرکار کے لئے بھی فائدہ مند ہے کیونکہ حکومت کو اس سے حاصل ہونے والی رقم کا یقین ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے مطابق کہ ٹیکس دہندہ کو یقین ہو کہ کتنا ٹیکس دینا ہے اور طریق ادائیگی کیا ہے؟

۲۔ اصول مساوات (Equity):

پروفیسر این کالدار کہتے ہیں کہ بہتر نظام کو اس اصول پر پورا اترنا چاہئے۔ برابری کا فائدہ یہ ہے کہ کسی کے ساتھ زیادتی یا ناانصافی نہیں ہوتی۔ اس سے لوگ ٹیکس ادا کرتے وقت گلہ وشکوہ نہیں کریں گے۔

۳۔ کارکردگی متاثر نہ ہونا:

ایک اچھی صفت یہ بھی ہے کہ ٹیکس سے لوگوں کی کارکردگی پر بُرے اثرات مرتب نہ ہوں۔ وگرنہ معاشرے کی کام کرنے کی لگن اور شغف کم ہو جاتے ہیں اور اس سے معاشی کیفیت صحیح نہیں رہتی۔

۴۔ سرکاری ضروریات کا کفیل:

مسز جے۔ ہکسل نے اچھے نظام محصولات کی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے، ان میں یہ شامل ہیں:

۱۔ حکومت کی ضروریات پوری ہوتی ہوں۔

۲۔ ہر محصول دہندہ اپنی استطاعت کے مطابق ادائیگی کرے۔

۳۔ ٹیکس نافذ کرتے وقت کسی سے امتیازی سلوک نہ برتا جاتا ہو۔

۵۔ اصول کفایت (Canon of Economy):

ایک اچھے ٹیکس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ باکفایت ہو۔ اگر ٹیکس اکٹھا کرنے پر حکومت کے اخراجات، ٹیکس کی رقم کا خاصہ بڑا حصہ ہوں تو اصول ٹیکس پورا نہ ہوگا۔ اس قسم کا ٹیکس عوام پر صرف بوجھ ہوتا ہے اور اس سے حکومت کو خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ٹیکس کے باکفایت ہونے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے معیشت کے کسی شعبے پر نقصان دہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثرات نہیں پڑنے چاہئیں یعنی اس سے پیداوار' روزگار' تجارت' بچتوں اور سرمایہ کاری میں کمی نہیں ہونا چاہئے۔

۶۔ اصول لچک داری اور سادگی (Flexibility, Simplicity):

ٹیکس کے اچھے نظام میں سادگی اور لچک کی خصوصیات بھی ہونی چاہئیں۔ اگر محصول کا طریقہ کار عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہو تو ٹیکس کی ادائیگی اور وصولی میں دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سادگی کے پیش نظر ہنری جارج نے واحد ٹیکس کا نظام قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن یہ سکیم قابل عمل نہیں کیونکہ اگر نامساعد حالات کی وجہ سے واحد ٹیکس وصول نہ ہو سکے تو حکومت اپنی ضروریات کے لئے ضروری روپیہ فراہم نہ کر سکے گی۔ چنانچہ ٹیکس کئی قسم کے ہونے چاہئیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کسی ایک ذریعے سے آمدنی حسب توقع نہ ہو تو دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی سے حکومت اپنا کاروبار چلا سکتی ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سب افراد کو حکومت کے خزانے میں کچھ نہ کچھ روپیہ جمع کرانے کا موقع مل جائے گا۔ نیز ٹیکس کا نظام لچک کا حامل ہونا چاہئے۔ حکومت کی مالی ضروریات کم و بیش ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ٹیکس کا نظام ایسا ہونا چاہئے کہ اگر حکومت کی ضروریات کم ہو جائیں تو ٹیکس میں بھی کمی ممکن ہو۔ پاکستان اور ہندوستان میں زرعی زمینوں کے مالیہ کا نظام بہت ناقص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مالیے کی شرح ایک طویل عرصے تک ساکن رہتی ہے۔ چنانچہ اگر حکومت کو غیر متوقع طور پر زیادہ آمدنی کی ضرورت پیش آ جائے تو مالیے سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بڑھایا نہیں جا سکتا۔ لچک ایک اچھے نظام محصولات کی اہم خصوصیت ہے۔

۷۔ بچت اور سرمایہ کاری پھیلانا:

ٹیکس کے اچھے نظام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس سے بچت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔ ترقی پذیر ممالک کے لئے ٹیکس کی یہ خصوصیت اور بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ یہاں معاشی ترقی کی رفتار کے سست ہونے کی اصل وجہ بچت اور سرمایہ کاری کی کمی ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں ایسے نظام معمولات کی ضرورت ہے جو بچت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرے اور امیرانہ توسیعی اقدامات کو فروغ دے۔

۸۔ استعدادی اصول (Efficiency Principle):

ٹیکس کا نظام مستعد ہونا چاہئے۔ مستعد نظام ٹیکس وہ ہوتا ہے جس میں ٹیکس کے بچاؤ کے امکاں نہ ہو۔ موجودہ حالات میں جبکہ کاروباری لوگ مختلف طریقوں سے ٹیکس کا بچاؤ کر لیتے ہیں' نظام ٹیکس میں مستعدی پیدا کرنا ضروری ہے۔

۹۔ اقتصادی عدم مساوات گھٹانا (Removing Economic Inequality):

ایک اچھے نظام ٹیکس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس سے معاشی عدم مساوات کو کم کیا جا سکتا ہو۔ سرکاری مالیات کا مقصد صرف حکومت کے لئے مالیات ہی کو بڑھانا نہیں ہوتا بلکہ اس کو اس طرح بڑھانا ہوتا ہے کہ جس سے یقین دہانی ہو سکے کہ ٹیکس کا بوجھ امیر لوگوں پر پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آمدنی ٹیکس' دولت ٹیکس' صحت کی ڈیوٹی وغیرہ متزائد شرح سے لگائے جاتے ہیں۔ یہ مکمل طور پر معاشی مساوات نہیں لا سکے۔

۱۰۔ چند ضروریات کی تکمیل:

اچھے نظام محصولات کی ایک بڑی اور چیدہ خوبی یہ بھی ہے کہ اس سے مساوات' استعمال وسائل کی کارکردگی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کلی پالیسی کے مقاصد حاصل ہو سکیں۔

۱۱۔ معاشی استحکام کا سبب:

اقتصادی استحکام کے نقطۂ نظر سے یہ ضروری ہے کہ ٹیکس کا نظام متزائد نوعیت کا ہو جس سے قومی آمدنی میں تبدیلیاں لائی جا سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قومی آمدنی بڑھتی ہے تو ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی تیزی سے بڑھتی ہے۔ جب قومی آمدنی کم ہو تو ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے کم ہوتی ہے۔ بنکوں کا نظام ایسا ہونا چاہئے کہ غیر معمولی سرد بازاری اور گرم بازاری کو ہموار سطح پر لانے میں مدد دے اور معاشی استحکام کا ضامن ہو۔

۱۲۔ اقتصادی ترقی کے پیمانے کے طور پر:

معاشی ترقی کا پیمانہ ٹیکس ایسا ہونا چاہئے کہ اس کا ملک کی اقتصادی نمو پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے بلکہ اس سے صنعت اور تجارت کی حوصلہ افزائی ہو۔ معاشی ترقی کا رستہ ہموار ہو۔

۱۳۔ مبنی بر انصاف:

اچھے ٹیکس کی اہم ترین خصوصیات میں ایک یہ ہے کہ اس کے تحت لگائے گئے ٹیکس منصفانہ ہونے چاہئیں۔ معاشرتی نقطۂ نظر سے ٹیکس اسی وقت عادلانہ ہوتے ہیں جب وہ ایک جیسے حالات میں سب اشخاص کو یکساں طور پر متاثر کریں۔ مثال کے طور پر آمدنی ٹیکس کی شرحیں اگر یکساں آمدنی والے افراد کے لئے ایک جیسی ہوں تو کہا جاتا ہے کہ آمدنی ٹیکس منصفانہ ہے۔ اسی طرح جائیداد ٹیکس اسی وقت مبنی بر انصاف ہوگا جبکہ یہ ایک نوعیت اور مالیت کی جائیداد پر یکساں طریقے اور یکساں شرح سے محصول لیا جائے۔

جب حالات مختلف ہوں تو پھر ٹیکس مبنی بر انصاف اسی وقت ہو سکتے ہیں کہ مختلف ٹیکس گزاروں کو ٹیکس ادا کرنے کی وجہ سے یکساں ایثار کرنا پڑے اور یکساں ایثار اسی وقت ممکن ہوتا ہے کہ جب ٹیکس متزائد ہوں یعنی پست آمدنی والے لوگوں پر پست شرح سے اور بلند آمدنی والے لوگوں پر متواتر بلند شرح سے ٹیکس لگائے جائیں۔ اس طرح اگر ٹیکس اصول مساوات کے مطابق ہوں تو وہ منصفانہ قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

''غیر مساوی لوگوں کو بار محصول کے حساب سے ناانصافی ہے۔'' (۱۷۴)

۱۴۔ معقول آمدنی کا وسیلہ:

چونکہ زیادہ تر ٹیکس کا مقصد حکومت کیلئے آمدنی جمع کرنا ہوتا ہے لہٰذا اچھے نظام ٹیکس کے تحت ایسے ٹیکس لگائے جانے چاہئیں جو کافی اور قابل اعتماد آمدنی کا ذریعہ بنیں۔ عموماً کوئی ٹیکس جتنی زیادہ آمدنی دے اتنا ہی وہ زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے۔ البتہ بعض اوقات ٹیکس عائد کرنے کا مقصد بعض سرگرمیوں کو نظم وضبط دلانا ہوتا ہے۔ ان کی مدد سے آمدنی اکٹھا کرنے کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے لیکن زیادہ تر ٹیکسوں کی صورت میں آمدنی اکٹھی کرنے کو اولین حیثیت دی جاتی ہے۔

اسی طرح ٹیکس ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ حکومت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے سالہا سال مستقل طور پر آمدنی دیتے رہیں۔ بعض ماہرین کے نزدیک اچھے نظام ٹیکس کی یہ بھی خوبی ہے کہ حکومت کی ضرورتوں کے مطابق ہی ٹیکس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے حاصل ہونے والی آمدنی بدلتی رہے اور کساد بازاری کے زمانے میں ان سے آمدنی کم حاصل ہو اور افراط زر کے دور میں زیادہ حاصل ہوتا کہ کساد بازاری اور افراط زر پر خود بخود بندش لگ سکے۔ ایسا نظام ٹیکس ملک میں استحکام برقرار رکھنے میں مددگار بنتا ہے۔ اس لئے اگر ٹیکس اصول لچک کے اصول کے مطابق ہوں تو وہ بھی کافی اور قابل اعتماد آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر کوئی ٹیکس اصول لچک کے مطابق ہو یعنی حکومت کی ضرورتوں کے مطابق اس کی مدد سے زیادہ یا کم آمدنی حاصل کی جاسکتی ہو تو ایسا ٹیکس اس خوبی سے عاری دیگر ٹیکسوں سے زیادہ بہتر ثابت ہوتا ہے۔

۱۵۔ حوصلہ شکنی نہ کرنا:

اچھے نظام ٹیکس کی ایک خوبی یہ ہونی چاہئے کہ اس کے تحت لگائے جانے والے ٹیکس پیداواری سرگرمیوں میں کم سے کم مداخلت کریں اور افراد اور فرموں کے کاروباری جذبے کی حوصلہ شکنی نہ کریں کیونکہ کاروباری منافوں پر اگر بہت بھاری ٹیکس لگا دیئے جائیں تو پیداوار اور نئی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کا کسی نئی کوشش سے حاصل شدہ خرید آمدنی کا بیشتر حصہ حکومت ٹیکسوں میں وصول کرلے تو آئندہ کے لئے وہ شخص ایسی کوشش بروئے کار لانے سے باز رہے گا۔ ٹیکس اگر بہت بلند شرح سے لگائے جائیں تو ان کی وجہ سے ٹیکسوں سے بچ نکلنے کا رجحان بھی بڑھ جاتا ہے۔

۱۶۔ وسعت و سہولت:

اچھے نظام ٹیکس کی خوبیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے تحت لگائے گئے ٹیکس کافی حد تک سادہ ہوں اور ہر شخص ان کا مطلب سمجھ سکے اور انہیں آسانی سے شمار کرسکے۔ نظام ٹیکس کے سادہ ہونے کا مطلب یہ بھی نہیں کہ صرف ایک آدھ ہی ٹیکس لگایا جائے بلکہ ممکن حد تک ٹیکسوں کے نظام کو وسیع بنیادوں پر قائم ہونا چاہئے یعنی ایک آدھ ٹیکس کی بجائے کئی ٹیکس لگائے جانے چاہئیں البتہ ٹیکسوں کی بھرمار مناسب نہیں سمجھی جاتی۔

مزید برآں ٹیکسوں میں ٹیکس گزاروں کی سہولت کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر ٹیکس گزار کو ٹیکس کی ادائیگی کے سلسلے میں زیادہ دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے تو کہا جاتا ہے کہ اس ٹیکس کو عائد کرنے میں ٹیکس گزار کی سہولت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً پیداوار کا ٹیکس جو اشیاء کی قیمت میں شامل ہوتا ہے اور صارفین کو ادا کرتے وقت زیادہ محسوس نہیں ہوتا بلکہ انہیں بیشتر حالات میں یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ ٹیکس ادا کررہے ہیں۔ اس طرح تنخواہ دار لوگوں کے لئے یہ آمدنی حاصل ہونے سے قبل ہی تنخواہ میں سے کاٹا گیا آمدنی ٹیکس بھی سہولت دہ ثابت ہوتا ہے۔

۱۷۔ کم خرچ ہونا:

اچھے نظام ٹیکس کے تحت لگائے گئے ٹیکس ایسے ہونے چاہئیں کہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی ان کو اکٹھے کرنے والے عملہ کے اخراجات سے بہت زیادہ ہو یعنی ٹیکس اصول کفایت کے مطابق ہونے چاہئیں۔

اچھے نظام ٹیکس کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ ٹیکسوں کا نظام آسان اور سہل ہو۔ ٹیکسوں سے بچ نکلنے کے امکانات کم سے کم ہوں اور ٹیکس عائد کرنے والا عملہ بدعنوانیاں نہ کرے۔

۱۸۔ ہم آہنگی و ربطگی (Harmony & Coordination):

عمدہ نظام ٹیکس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سارا نظام ٹیکس مربوط اور ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ یہ حقیقی معنی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک نظام ہونا چاہئے نہ کہ چند غیر مربوط ٹیکسوں کا مجموعہ۔ ہر ٹیکس پورے مربوط اور ہم آہنگ نظام کا ایک حصہ معلوم ہو۔ نیز محصولات مترادف خصائص نہ رکھتے ہوں۔

۱۹۔ تکمیل مقاصد:

کئی ماہرین لکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے اہم مقاصد میں سے ایک تقسیم دولت کو عادلانہ بنانا ہے۔ وسائل کی بہتر تفویض (Allocation) اور فلاح وغیرہ شامل ہیں لہٰذا محصول کو یہ مقاصد پورے کرنے ضروری ہیں۔

۲۰۔ چند دیگر (Several Others):

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ان بڑے امور پر زور دیا ہے:

۱۔ حد کفایت تک محصول کا استثناء (Exception)۔
۲۔ آمدنی کے منابع (Sources) کی رعایت۔
۳۔ اخراجات اور واجبات کو منفی کر کے نفاذ ٹیکس ہو۔
۴۔ خاندانی ذمہ داریوں پر سہولت۔
۵۔ فرضیت کی رعایت۔

پاکستان بالخصوص اور دوسرے ممالک بالعموم ان اصولوں کی روشنی میں ٹیکسوں کا نظام از سر نو ترتیب دیکر موجودہ خامیوں کو دور کریں تا کہ مقصد برآری (Objectivism) ممکن بنائی جا سکے۔

ٹیکس کی تعریف (Definition):

اب ٹیکس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ سرکار اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے رعایا سے جو رقم وصول کرتی ہے وہ اصطلاح میں محصول یا ٹیکس کہلاتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ٹیکس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

''محصول حکومت کی عام ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ایک لازمی لگان ہے جس میں انکم ٹیکس' آبکاری ٹیکس اور کسٹم وغیرہ بہت سے ٹیکس شامل ہیں۔ ان میں حکومت کے قرضے' تحفے یا خاص سرکاری خدمات مثلاً ڈاک' تار' ٹیلی فون کے معاوضے شامل نہیں۔'' (۱۷۵)

انسائیکلو پیڈیا آف دی سوشل سائنسز میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

ایک تعریف یہ بھی ہے:

''محصول ایک لازمی ادائیگی ہے جو سرکار کی طرف سے رعایا پر لگایا جاتا ہے۔'' (۱۷۶)

مزید محصولات عائد کرنا (Imposiiting Extra Taxes):

اگرچہ اس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے تاہم غالب رائے یہ ہے کہ مسلم ریاست بوقت ضرورت ٹیکس لگا سکتی ہے۔ اس سے قبل ٹیکس کی غرض وغایت بیان کی جاتی ہے:

کئی مصنفین کی آراء دی جاتی ہیں:

اس پر امام ابو یوسف نے یوں روشنی ڈالی ہے:

''رعایا سے ظلم کو دور کرنا اور ان کے معاملات کی اصلاح کرنا یعنی ظالمانہ ٹیکسوں سے انہیں چھٹکارا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلانا اور ان سے لئے گئے ٹیکسوں کو ان کی بھلائی اور ترقی کے لئے استعمال کرنا۔" (۱۷۷)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملین (Collectors) کو ہدایت کرتے وقت اسی قرآنی اصول کی وضاحت یوں کی ہے:

"اور ان سے کچھ نہ لیا جائے بلکہ ان کی رضامندی سے اتنا ہی مال لیا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو۔" (۱۷۸)

اسلام کے دو مایہ ناز فقیہ اور ماہرین معاشیات امام ابو یوسف اور امام ابو عبید قاسم بن سلام نے اس قرآنی اصول کو اس طرح نافذ کرنے کی ہدایت کی ہے:

"ان کی برداشت سے زیادہ ان پر ٹیکس نہ لگاؤ۔" (۱۷۹)

ٹیکسوں کے نفاذ اور وصولی کے سلسلے میں ظلم کے نقصانات اور انصاف کی برکات کے بارے میں امام ابو یوسف نے نہایت عمدہ بات کہی ہے:

"یقیناً عدل اور مظلوم کے ساتھ انصاف اور ظلم سے پرہیز' ان باتوں میں جو کچھ اجر و ثواب ہے وہ تو ظاہر ہے' اس کے علاوہ یہ فائدہ ہے کہ اس سے خراج بڑھتا ہے اور شہروں کی آبادی پھیلتی ہے۔ انصاف سے برکت میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ ظلم سے برکت مٹ جاتی ہے۔ جو (لگان) ٹیکس ظلم سے وصول کیا جاتا ہے اس سے شہر اُجڑ جاتے ہیں اور ملکوں میں تباہی اور خرابی آتی ہے۔" (۱۸۰)

اسلام کے نظام معاشی عدل نے ملکی سطح پر حکومت کو عوام سے ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے پر منع کیا ہے البتہ جائز اور فلاحی ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے عوام کو تاکید کی ہے۔ علامہ ماوردیؒ نے اس بارے میں بڑی حکیمانہ بات کہی ہے:

"(ٹیکسوں میں) زیادتی رعایا پر ظلم ہے اور (عوام کا ٹیکسوں کو ادا نہ کرنے سے) کمی بیت المال پر ظلم ہے۔" (۱۸۱)

امام ابن حزم کے مطابق یہ ہے کہ:

"جب زکوٰۃ کی رقم ناکافی ہو تو غریبوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس لگائے جائیں تاکہ خوراک' کپڑے اور مناسب پناہ گاہ کا انتظام ہو سکے"۔

امام مالک کہتے ہیں:

"اگر فنڈز کی قلت ہو جائے یا فوجی ضروریات پوری نہ ہو سکیں تو ریاست کو امراء پر محصول لاگو کرنے کا حق حاصل ہے تاہم ٹیکس اور ضرورت کی مدت یکساں ہو۔ یعنی ضرورت پوری ہونے پر محصول ختم کرنا ہوگا"۔ (۱۸۲)

یاد رہے کہ اسلامی معیشت کا مزاج ٹیکس کا بار بڑھانے کی طرف زیادہ جھکاؤ نہیں رکھتا لیکن جہاں حقیقی ضرورتیں' دفاعی یا رفاہی پیش آئیں وہاں اسلامی قوانین وحدود مانع نہیں ہیں بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس لگانے کی ضرورت اور اختیار کے لئے قانونی و فقہی بنیادیں اور نظائر پائے جاتے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس عائد کرنے کی سب سے پہلی مثال سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ملتی ہے۔ جب آپؓ کو بتایا گیا کہ جو مسلم تاجر غیر مسلم علاقوں میں تجارت کا مال لے کر جاتے ہیں' ان سے وہاں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت چونگی وصول کرتی ہے تو آپؓ نے بھی باہر سے مال لے کر آنے والے غیر مسلم تاجروں سے چونگی وصول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔(۱۸۳)

چونگی وصول کرنے کا طریقہ حضرت عمرؓ نے شروع کیا۔ لہٰذا اگر اس کو وصول کرنے میں لوگوں پر زیادتی نہ کی جائے تو اس کے وصول کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ مسلمانوں سے چونگی کے طور پر جو کچھ لیا جائے گا اس کی حیثیت زکوٰۃ کی ہوگی۔ مختلف طرح کے ذمیوں اور حربی افراد سے جو چونگی وصول کی جائے گی اس کی نوعیت خراج کی ہوگی۔ باشندگان بنج نے جو سمندر پار کی ایک حربی قوم تھی، حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ہمیں اپنے ملک میں تجارت کیلئے آنے کی اجازت دیجئے۔

علامہ ابن خلدون اور ٹیکس:

علامہ ابن خلدون اپنے شہرۂ آفاق ''مقدمہ'' میں مختلف حکومتوں کی ٹیکسیشن پالیسی پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یاد رکھئے کہ حکومت کے ابتدائی دور میں محصول کی شرح کم ہوتی ہے مگر مجموعی طور پر وصولیابی زیادہ ہوتی ہے جبکہ اختتام سلطنت پر محصول کی شرح بڑھ جاتی ہے اور اس کی مجموعی وصولی کم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر حکومت دینی آئین کے مطابق چلائی جارہی ہے تو لوگوں سے محصول اور ٹیکس شرعی مقدار کے مطابق وصول کئے جائیں گے اور ان کی شرح کم ہے۔ کیونکہ سونے چاندی کی زکوٰۃ 1/40 حصہ ہے۔ اسی طرح غلوں کی زکوٰۃ 1/20 یا 1/10 ہے۔ اسی طرح جانوروں کی زکوٰۃ کی شرح تھوڑی ہے اور یہی حال ٹیکس و محصول کا ہے۔

نتیجۃً کہا جاسکتا ہے کہ حکومت وقت عارضی طور پر ٹیکس نافذ کرسکتی ہے تاکہ آمدنی و صرف کا فرق دور کیا جاسکے اور عوام کی بھلائی ممکن بنائی جاسکے۔

جدید دور میں اسلامی ریاست کے فرائض کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ دفاع، امور خارجہ، عدلیہ، مقننہ اور امن و امان کے علاوہ تعلیم، صحت، صنعت، زراعت، مواصلات، آب نوشی، بجلی وغیرہ وغیرہ کے مختلف النوع بے شمار دوسرے فرائض کی ادائیگی بھی حکومت وقت کی ایک اشد ضرورت ہے اگر صرف دفاع کے شعبہ کو ہی لیا جائے اور اس کی خاطر بری، فضائی اور بحری ضروریات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان شعبوں کی ضروریات دور سابقہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ وسیع پذیر ہو چکی ہے اور اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق ﴿واعدوا لهم ما استطعتم﴾ (الانفال:60) کے پیش نظر جہاد کی تیاری کے لئے جو اخراجات درکار ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ''اسلامی ریاست اپنے تمام شہریوں کی سرپرست ہے'' السلطان ولی من لاولی له (۱۸۴) اور ایک سرپرست کی حیثیت سے اس کا فرض بنتا ہے کہ رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر کرتا ہے۔ (۱۸۵) گویا رعایا کی ضروریات کی تکمیل اس کا بنیادی فریضہ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان سے لگایا جاسکتا ہے:

> ''جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پا جائیں تو ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانے سے ادا کئے جائیں گے۔''

''علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ جب مسلمانوں پر زکوٰۃ ادا کر چکنے کے بعد، کوئی ضرورت آن پڑے تو اس کے لئے (مزید) مال صرف کرنا واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''مسلمانوں پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو آزاد کرائیں خواہ ایسا کرنے میں ان کا سارا مال صرف ہو جائے۔'' (۱۸۶)

مذکورہ بالا دلائل کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بنیادی فرائض سے متعلق امور کے سلسلے میں ہونے والے جائز اخراجات کی تکمیل کے لئے شوریٰ کے ذریعے لوگوں پر بقدر امر ضرورت بقدر استطاعت ٹیکس عائد کر سکتی ہے اور اس طرح فاضل درخواست دہندہ کا یہ مؤقف کہ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ اور کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا جا سکتا صحیح نہیں ہے ان وجوہات کی بناء پر ہم اس شرعی درخواست کو مسترد کرتے ہیں۔ تاہم فاضل درخواست دہندہ اگر چاہے تو انکم ٹیکس آرڈیننس مجریہ 1979ء کی جن مخصوص دفعات کو وہ خلاف اسلام سمجھتے ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے دوسری درخواست دائر کر سکتا ہے۔ (۱۸۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفالت عامہ

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، اور یہ اہتمام اس درجہ تک ہونا چاہیے کہ ریاست کا کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج شامل ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پروا ہو کر بیٹھ رہا، اللہ تعالیٰ بھی اس (نگران) کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔'' (۱۸۸)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو امام (صدر مملکت) ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات، فقر اور مسکنت پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔'' (۱۸۹)

رعایا کی خیر خواہی سے مراد ان کی ضروریات زندگی کی تکمیل کا انتظام و اہتمام ہے جو ایک اسلامی ریاست کے سربراہ پر شریعت نے لازمی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس خیر خواہی کی بابت ایک اور روایت میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو امیر مسلمانوں کے امور کا نگران ہو اور پھر ان کی بھلائی اور بہتری کے لیے سعی و کوشش نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (۱۹۰)

اگر ایک حکمران رعایا کی دل کی گہرائیوں اور خلوص نیت کے ساتھ خیر خواہی نہیں کرتا، اور صرف وعدوں پر ٹال دیتا ہے اور زبان جمع خرچ کر کے ان کو سنہری الفاظ میں ٹال دیتا ہے، اور ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دوسرے میڈیا کے ذریعہ انہیں یہ کہتا ہے کہ ''حکومت نے تمہاری امداد کا تہیہ کر رکھا ہے یا ان کو بارہ بارہ کلو اور روٹی، کپڑا اور مکان کی حسین خواب دکھاتا ہے اور عملی طور پر ان کے لیے کچھ نہیں کرتا تو وہ نہ صرف ان کی خیر خواہی نہیں کرتا بلکہ اپنے جھوٹے وعدوں سے انہیں دھوکہ دے رہا ہے۔ اس دھوکہ دہی کا عذاب اسے الگ ہوگا۔ شریعت نے تو سربراہ مملکت کو تمام رعایا کا ولی بنایا ہے، اور اس کی ولایت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ مملکت کے افراد کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام کرے۔ (۱۹۱)

یہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی حق ہے کہ جب کسی مسلمان کو کوئی مرض، غریبی یا بیکاری یا عجز و مجبوری یا بڑھاپا اور معذوری لاحق ہو جائے جس سے وہ کام کرنے سے معذور ہو جائے اور غریبی اور فاقہ کی وجہ سے اس کے لیے زندگی بسر کرنے کا انتظام کرے اور اس کے لیے روٹی، کپڑا اور مکان کی فراہمی کا بندوبست کرے۔

ویسے بھی بحیثیت مسلمان ہونے کے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ آپس میں محبت و مودت کے جذبات قائم کریں کیونکہ ان کی مثال ایک جسم کی ہے جس کے ایک حصہ سے دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے۔ (۱۹۲)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال باہمی محبت و رحمت اور جان گساری کے بارے میں ایک جسم کی ہے۔ جب کسی جسم کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے یا اس کو کوئی درد لاحق ہوتا ہے تو پورا جسم بخاری، بیداری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بے چین ہو جاتا ہے۔(۱۹۳)

اور ایک روایت میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

[خیر الناس من ینفع الناس](۱۹۴)

''تم سے بہتر لوگ وہ ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں۔''

قرآن حکیم میں خیر کو کامیابی اور فلاح کا ضامن کہا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (حج:77)

''اور نیکی کرو تا کہ تمہیں فلاح و کامرانی نصیب ہو۔''

اور لوگوں کو نفع پہنچانا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس وجہ سے وہ لوگ جو دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں وہ ''خیر الناس'' ہیں۔ ایک اور روایت میں ان لوگوں کو بہتر اور خیر کہا گیا جس سے لوگ خیر کی امید کریں اور شر سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سے اچھے کون ہیں اور برے کون ہیں؟'' لوگ خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے ان سے تین مرتبہ یہی فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا: ''کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! بتلایئے!'' آپ نے فرمایا:

[خیر کم من یرجیٰ خیرہ، و یؤمن شرہ، و شر کم من یرجیٰ خیرہ و لا یؤمن شرہ](۱۹۵)

''تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید رکھیں اور شر سے محفوظ رہیں، اور تم میں برے لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید تو رکھیں مگر شر سے محفوظ نہ ہوں۔''

اسلام اس کے دعویٰ اسلام کو سچا سمجھتا ہے جو ہمیشہ نیک کام انجام دے اور برے کاموں سے باز رہے اس لیے کہ وہ ہمیشہ رسول اللہ کا ارشاد پیش نظر رکھتا ہے کہ:

''جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی کوئی فکر نہ ہو وہ مسلمانوں میں سے نہیں۔''(۱۹۶)

وجہ اس کی یہی ہے کہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کے بارے میں تگ و دو کرے، ان کی حاجتوں کو پورا کرے جس طرح وہ اپنی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ یہ حکم ایک عام مسلمان کے لیے بھی اور ارباب اقتدار کے لیے بھی ہے کیونکہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں دلچسپی لینا ارباب اقتدار کے لیے زیادہ ضروری ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[لا یزال اللہ فی حاجۃ العبد مادام العبد فی حاجۃ اخیہ](۱۹۷)

''اللہ تعالیٰ بندے کی حاجت اس وقت تک پوری کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا رہے۔''

ایک اور روایت میں کچھ زیادہ وضاحت سے فرمایا:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور فرمائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا، اور جو کسی مسلمان (کے عیوب ونقائص) کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ستر پوشی کرے گا۔'' (۱۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رسول اور ایک اسلامی ریاست کا سراہ ہونے کی حیثیت سے ایک نومسلم قبیلہ کے سردار زرعہ بن ذی یزن کے نام ایک خط میں اس کے قبیلہ حمیر کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے اہل حمیر! میں تمہیں اچھا طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں، نہ تو خیانت کرنا اور نہ ہی مخالفانہ روش اختیار کرنا۔ اللہ کا رسول تمہارے مال دار اور غریب لوگوں کا سرپرست ہے (ان رسول الله مولى غنيكم و فقيركم) اور صدقہ کا مال محمد (ﷺ) اور ان کے گھر والوں کے لیے جائز اور حلال نہیں ہے بلکہ یہ زکوٰۃ ہے جسے تم اپنی پاکیزگی کے لیے غریب مسلمانوں کے لیے نکالتے ہو۔'' (۱۹۹)

''ایک سربراہ ریاست کے لیے ضروری بنیادی ضروریات کی تکمیل کرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ افراد مملکت کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی ضروری ہے۔ چنانچہ فتوحات کے بعد کافی مال بیت المال میں جمع ہونے لگا تو سرکار دو عالم ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وہ وفات پاجائیں، ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانے سے ادا کیے جائیں۔ (۲۰۰)

ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ نے نہایت واضح الفاظ میں فرمایا:

''متوفی جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو ذمہ داریاں یعنی قرض وغیرہ چھوڑ کر مرے وہ اللہ کے ذمہ، اور کبھی یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ ہیں۔ امام ابوعبیدہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد ہمارے نزدیک وہ تمام افراد ہیں جن کی کفالت متوفی کے ذمہ ہو اور بچے بھی اس میں شامل ہیں۔'' (۲۰۱)

رسول اللہ ﷺ نے سربراہ مملکت کے علاوہ ہر خاندان، محلّہ، برادری اور شہر کے لوگوں پر یہ ضروری قرار دیا کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مدد و اعانت کریں۔ اغنیاء اور مال دار لوگ فقراء غربا اور مساکین کو روٹی، کپڑا اور مکان کی ضروریات مہیا کریں جو کہ زندگی گزارنے اور عبادالٰہی کے لیے ضروری ہیں۔ چنانچہ حدیث میں فرمایا: ''اگر محلّہ والے اس طرح رات گزاریں کہ ان میں کوئی شخص رات کو بھوکا سویا ہو تو ان سے اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہیں۔ (۲۰۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[ليس المؤمن الذى يشبع وجاره جائع الى جنبه] (۲۰۳)

''وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر سویا ہو اور اس کے پڑوس میں اس کا پڑوسی بھوکا رات گزار رہا ہو۔''

رسول اللہ ﷺ کی انہی ہدایات نے آپ ﷺ کے بعد آنے والے سربراہان سلطنت کو ہوشیار اور خبردار کر دیا، اور وہ اس بات کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ ان کی سلطنت کے حدود وثغور میں نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو بھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے، بلکہ ان کی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کا مشہور مقولہ ہے:

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی (ایک روایت میں اونٹ کا لفظ ہے) بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو مجھے گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس بارے میں مجھ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرور باز پرس کریں گے۔'' (۲۰۴)

آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر کسی نہر کے کنارے کوئی خارشتی بکری اس حال میں چھوڑ دی جائے کہ اسے علاج کے طور پر تیل کی مالش نہ کی جا سکے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قیامت کے روز مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا۔'' (۲۰۵)

سیدنا عمرؓ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی کفالت عامہ کی ذمہ داری میں دوا اور علاج کو بھی داخل سمجھتے تھے۔ جو حکمران جانوروں کے علاج کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو وہ انسانوں کے علاج کو بدرجہ اولیٰ اپنی ذمہ داری میں داخل سمجھے گا۔

آپ اپنے ماتحت حکام کو بھی اس ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ بصرہ کے گورنر سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ جب ایک وفد کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لیے آئے تو آپ نے ان لوگوں کو ہدایت فرمائی:

''لوگوں کے گھروں میں ان کے لیے فراخی کا سامان فراہم کرو اور ان کے متعلقین کو کھلانے کا سامان کرو۔'' (۲۰۶)

کفالت عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ غیر مسلموں کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی۔ سیدنا عمرؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت فرمائی تھی کہ ضرورت مند غیر مسلموں کا پتہ لگا کہ ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔

غیر مسلم رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کے زمانوں میں بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا گیا کہ آج بھی دنیا تعجب کرتی ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں سیدنا خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ کے ساتھ جو عیسائی تھے، معاہدہ کیا۔ اس معاہدے میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ:

''میں نے ان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے، یا اس پر کوئی مرض یا مصیبت آن پڑے، یا جو آدمی پہلے مال دار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں، اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے، اور جب تک وہ دارالاسلام اور دارالہجرت میں مقیم رہے گا اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔'' (۲۰۷)

[ایها الناس! ان الله قد کلفنی ان اصرف عنه الدعا] (۲۰۸)

''اے لوگو! مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ میں اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو رد کروں۔''

اللہ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ سربراہ ریاست ظالموں کے مقابلے میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کرے تاکہ ان کے ہاتھ انصاف کی طلب میں آسمان کی طرف نہ اٹھیں۔ اسی طرح وہ لوگوں کی ضروریات زندگی اور ان کی حاجتیں پوری کرے تاکہ انہیں سے ان کی تکمیل کی دعا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

عام الرمادہ میں سیدنا عمرؓ نے جو کچھ کیا تاریخ کے اوراق نے ان سب کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے، اور قحط کا وہ زمانہ گزر جانے کے بعد لوگ کہہ اٹھے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اگر اللہ تعالیٰ عام الرمادہ میں قحط دور نہ کر دیتا تو ہمیں خطرہ تھا کہ عمر مسلمانوں کے اس مسئلہ کے حل کی فکر کرتے کرتے اس دنیا سے انتقال ہی نہ کر جائیں۔''

کفالت عماہ کی اس ذمہ داری کو ہر نیک دل سربراہ مملکت نے محسوس کیا۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں تو کتابوں میں آتا ہے کہ وہ کفالت عامہ کی اس گراں بار ذمہ داری کا خیال کر کے اکثر و بیشتر روتے رہتے تھے کہ کہیں قیامت کے روز عدالت خداوندی کے کٹہرے میں مجرموں کی حیثیت سے نہ کھڑے ہونا پڑے۔ چنانچہ آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمہ کہتی ہیں کہ ایک روز آپ کے کمرہ میں گئی۔ آپ جائے نماز پر تھے اور آنسوؤں سے آپ کی ریش مبارک تر تھی۔ میں نے پوچھا: ''کیا کوئی نئی بات ہوگئی؟'' فرمایا:

''میں نے پوری امت کی ذمہ داری لے لی ہے، لہٰذا میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے ہیں مگر مال دار نہیں، اور مختلف علاقوں میں اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں متفکر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں میرے مقابلہ میں ان کے وکیل رسول اللہ ﷺ ہوں گے۔ مجھے خطرہ ہوا کہ جرح میں میری بات پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکے گی تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا۔'' (۲۰۹)

انہی عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں ایک علاقہ میں زبردست قحط پڑا۔ قحط زدہ علاقہ سے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ ان کے رئیس وفد نے کہا:

''امیر المومنین! ہم ایک شدید ضرورت کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے جسم کی چمڑی سوکھ گئی ہے کیونکہ اب ہڈیاں بھی میسر نہیں آتیں، اور ہماری مشکل کا حل صرف بیت المال کے ذریعہ ممکن ہے۔ آپ کے اس حکومتی خزانہ کی حیثیت تین میں سے ایک ہو سکتی ہے، یا تو یہ اللہ کے لیے ہے، یا بندگانِ خدا کے لیے، یا پھر آپ کے لیے۔ اگر یہ اللہ کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بندگانِ خدا کے لیے ہے تو اسے انہیں دے دیجئے، اور اگر یہ وہ آپ کے لیے ہے تو صدقہ کے طور پر ہمیں عطا فرما دیجئے۔ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا۔''

یہ سن کر سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور آپ نے فرمایا، اس کی حیثیت وہی ہے جو تم نے بیان کی۔ آپ نے اسی وقت حکم دیا کہ ان لوگوں کی تمام ضروریات زندگی بیت المال سے پوری کی جائیں۔ (۲۱۰)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے نجی شعبہ میں تکافلِ اجتماعی کے ذرائع

پچھلے اوراق میں ہم نے ان نجی اداروں کا ذکر کیا جو اسلامی ریاست کے شہری کی کفالت اس کے خطرات کا تحفظ اور اس کے غیر متوقع نقصانات کی تلافی کرتے ہیں۔ اب ہم مختصراً ان ذرائع کا ذکر کرتے ہیں جو ان کمپنیوں کے قیام میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کی وضاحت سے قبل ہم تمہیداً چند باتیں کرتے ہیں۔ اسلام نے اپنے نظام کفالت عامہ کا اگرچہ بوجھ اسلامی حکومت پر ڈالا ہے۔ مگر چند ذمہ داریاں افرادِ امت پر بھی ڈالی ہیں۔ جن میں سے بعض کی حیثیت قانونی بن جاتی ہے مگر اکثر کا درجہ اخلاقی ہی ہے۔ جن کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ اسلام اپنے ماننے والے کی اصلاح باطن (جسے آپ ضمیر و وجدان کے نام سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) اس درجہ کی کرنا چاہتا ہے کہ تمام افراد ان اخلاقی ذمہ داریوں کو قانونی ذمہ داریوں کی طرح بل کہ اس سے بڑھ کر نبھانے کے عادی بن جاتے ہیں۔ اسلام افراد کی تربیت اس انداز پر کرتا ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو برقرار تو رکھ سکتے ہیں مگر اس میں گم ہو کر نہیں رہ سکتے۔ اسلام ایسی زندگی کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ آپ پیٹ بھر کر سو جائیں مگر آپ کے پہلو میں آپ کا ہمسایہ بھوکا رہے۔

افرادِ امت کے وہ تمام ذرائع جن سے ان کے محتاج بھائیوں کی غربت اور تکلیف کا ازالہ ہو سکتا ہے وہ انفاق کی حدود میں شامل ہے۔ چنانچہ یہ انفاق واجب بھی ہے۔ جو اسلامی حکومت کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور نفل (حق فاضل) بھی ہے جو اس جگہ زیر بحث ہے۔ انفاق کی اس دوسری قسم میں ایک حاجت مند کی حاجت روائی کے لیے مالی عطا بھی انفاق ہی کی ایک شکل ہے اور مالک بنائے بغیر منفعت کے خیال سے بے پرواہ اور یکسو ہو کر مالی مدد کرنا بھی انفاق ہی کے شعبہ میں شامل ہیں انفاق کے اس شعبہ سے متعلق جتنے ذرائع ہیں یہاں ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

صدقاتِ نافلہ:

اسلام کے نظام معاشی تحفظ میں انفرادی صدقات نافلہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ صدقات غرباء اور محتاجوں کی وقتی حاجات کا انسداد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور آخرت میں نفع والی تجارت فرمایا ہے۔ جس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾ (فاطر:29-30)

"یقیناً جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق کے طور پر دے رکھا ہے اس میں سے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں گھاٹے کا تو امکان ہی نہیں ان کے اعمال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ انہیں پورا پورا بدلہ دے اور اپنی خصوصی مہربانی سے انہیں اس کے علاوہ مزید انعام سے بھی سرفراز فرمائے۔ یقیناً وہ خطاؤں کو بخش دینے والا قدر شناس ہے۔"

﴿وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ:272)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور خیرات میں سے جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی نفع کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا ہی کے لیے تو ہے اور جو کچھ مال تم خیرات کے طور پر کرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا عوض ملے گا۔ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (الحج:276)

''اور سرافگندہ لوگوں کو بشارت دیجیے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل فرط خشیت سے پھڑک اٹھتے ہیں اور جو انہیں تکلیف پہنچتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں جو کچھ انہیں رزق کے طور پر ہم نے دیا ہے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے اغنیاء واصحاب الثروۃ کو اپنے محتاج بھائیوں، قریبی ہوں یا اجنبی اپنے ہوں یا غیر، ہم مسلک ہوں یا دیگر عقائد کے، پر خرچ کرنے کا درس دیا، پیدرس ترغیب اور ترہیب دونوں طرح تھا۔ ترغیب کا دلکش انداز دیکھئے:

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں: دو شخصوں کے سوا کسی سے رشک کرنا زیبا نہیں۔ ایک وہ شخص جسے اللہ کریم نے مال (و دولت) سے نوازا وہ اسے صحیح (مواقع و مقامات) پر خرچ کرنے پر تلا رہتا ہے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ کریم نے دانائی سے نوازا، وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اسے (اوروں کو) سکھلاتا بھی ہے۔'' (۲۱۱)

اب ترغیب و ترہیب کا ملا جلا انداز دیکھیں:

''حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: (اللہ کریم کے) بندے جس دن بھی صبح کرتے ہیں (ان کے ساتھ ہی) دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک دعا کرتا ہے۔ اے اللہ کریم! خرچ کرنے والے کو مزید عطا فرما۔ دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ کریم! (مال روک کر رکھنے والے) بخیل کو ہلاکت دے۔'' (۲۱۲)

اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک حدیث ''ابدا بمن تعول'' (۲۱۳) (اس سے شروع کرو جس کا نان ونفقہ تمہارے ذمہ ہو) میں صدقات دینے کی راہیں بھی متعین فرمادیں۔ کفالت کے اس کار خیر کا آغاز کس سے کرنا ہوگا۔''

قرض حسنہ:

اسلام کے نظام معاشی اور سماجی تحفظ کا ایک مفید اور کارآمد ذریعہ ''قرض حسنہ'' ہے۔ قرض حسنہ غریب حاجت مندوں کی وقتی حاجت روائی کا ذریعہ ہے اور بے مایہ مگر صاحب ہنر غریب کے کسی پیداواری کاروبار کے لیے بھی موثر ذریعہ ہے۔

''قرض حسنہ'' کی تعریف یہ ہے کہ ایک دولت مند کسی ضرورت مند کی ضرورت کے انسداد کے لیے اور اس کی حاجت روائی کے لیے اس طرح اپنی رقم سے اس کو فائدہ پہنچائے کہ اس کا کوئی بدل (سود وغیرہ) اس سے حاصل نہ کرے۔ (۲۱۴) شریعت مطہرہ نے اس سلسلہ میں اتنی احتیاط سکھائی ہے کہ مقروض کی دعوت تک قبول کرنے سے گریز کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترغیب دی ہے۔ حضرت امام اعظمؒ جس کسی کو قرض دیتے اس کے مکان کی دیوار کے سایہ تک سے فائدہ اٹھانا گوارہ نہ فرماتے تھے۔ قرض حسنہ ایک کو دار غریب کی خدداری کو بھی ٹھیس نہیں لگنے دیتا۔ نبی اکرم ﷺ خود مسلمانوں بل کہ اہل کتاب سے قرض کا لین دین فرماتے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل حاجت کو قرضہ دینا خود اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے تعبیر فرمایا ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ (الحدید:11)

''کون ہے جو کوئی اللہ کو قرض حسنہ دے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا کر کے لوٹائے اور اس کے لیے عزت والا بدلہ بھی ہے۔''

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ﴾ (الحدید:18)

''یقیناً صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا انہیں کئی گناہ بڑھا کر دے گا نیز ان کے لیے پسندیدہ ثواب ہے۔''

ان آیات کے مفہوم پر غور کیا جائے تو یہ راز بھی کھلتا ہے کہ چونکہ اس معاملہ میں مقروض کی جانب سے بددیانتی کا زبردست خطرہ ہے اس لیے اس قسم کی اعانت کو واجب نہیں قرار دیا۔ بل کہ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے وعدون کے ساتھ صرف اخلاقی ترغیب پر ہی بس فرمایا۔ لیکن اسلام اس کے ساتھ مقروض کو بھی سکت تنبیہ کرتا ہے کہ قرض حسن کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ قدرت ادا کے باوجود دوسرے کی رقم ہضم کر جائے یا دبائے رکھے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

[عن أبی هریرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: مطل الغنی ظلم] (۲۱۵)

''دینے کی قدرت کے باوجود دوسروں کے حق مطالبہ کی ادائیگی میں تاخیر ظلم ہے۔''

[قال النبی ﷺ الدین مقضی] (۲۱۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرض کی بروقت ادائیگی فرض اور واجب ہے''۔

ہبہ:

اسلام کے نظام کفالت عامہ میں ہبہ (Gift) بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔ فقہ اسلامی میں ہبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

[تملیک فی الحیوة بغیر عوض] (۲۱۷)

''(کسی فرد کا اپنی زندگی میں) کسی شے کو دوسرے کی ملکیت میں بغیر عوض کے دے دینا۔''

فقہاء کی ہبہ کی اس تعریف سے ہبہ کے مندرجہ ذیل فقہی معاشی (Jurio-Economic) اصول وقواعد سامنے آتے ہیں:

۱۔ ہبہ کوئی شخص (واہب) کسی دوسرے شخص (موہوب) کو اپنی اور اس کی زندگی میں کر سکتا ہے۔

۲۔ ہدیہ کی صحت کے لیے تملیک (ملکیت میں دینا یا ملکیت بتانا ضروری ہے)۔

۳۔ ہدیہ کسی معاوضہ میں یا کسی معاوضہ کے لیے نہیں ہوتا، البتہ معاشرہ میں اپنی خوشی سے ہدایا کا تبادلہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ ہبہ ایسی اشیاء واموال کا ہو سکتا ہے جو ناپی، تولی اور گنی جا سکیں اور ان پر قبضہ شرط ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء نے ہبہ کی ایک اور تعریف کی ہے، جو ہبہ کی معاشرتی معاشی (Scio-Economic) غرض وغایت کو زیادہ اجاگر کرتی ہے۔

''جو کوئی کسی انسان کو کوئی شے اس کا قرب پانے اور اس کی محبت کے لیے دے وہ ہدیہ ہے۔''(۲۱۸)

اس دوسری تعریف کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے ہدیہ کو باہمی محبت والفت کا ذریعہ فرمایا ہے۔

ارشاد گرامی ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں: آپس میں ہدیہ کا تبادلہ کیا کرو اس طرح باہمی الفت کرنے والے بنو گے۔''(۲۱۹)

ہبہ کے قبول اس کے معاشی فوائد کے لیے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بہت اہم ہے۔

''حضرت خالد بن عدیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی کے پاس اس کے بھائی کی طرف سے کوئی جائز شے یا مال بغیر اشراف النفس (دل کی للچاہٹ) یا سوال کرنے کے آئے تو اسے قبول کر لینا چاہئے کیوں کہ یہ رزق ہے جسے اللہ کریم ان کے پاس کھینچ کر لایا ہے۔''(۲۲۰)

عاریت:

عاریت کے لغوی معنی ''ادھار'' کے ہیں جیسے ہم کہتے ہیں ''میں نے عبداللہ سے یہ چیز عاریتاً لی ہے'' اصلاح فقہ میں اس کے معنی ہیں۔

اباحة منافع العين بغير عوض (۲۲۱)

''کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسرے کی ملکیت بنا دینا۔''

زندگی میں ہر شخص اپنی ضرورت کی ہر شے بنا سکتا ہے نہ خرید کر سکتا ہے۔ پھر بعض لوگ غریب ہوتے ہیں جن میں اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ اپنی ضروریات کی تمام اشیاء خرید سکیں۔ اسلام جس قسم کا سماج قائم کرتا ہے اس میں ہر شخص کو ہر شے خریدنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ وہ مسلمانوں میں ایسی سپرٹ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ عام استعمال کی اشیاء آپس میں لے دے کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ جو ان میں الفت ومحبت پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسلام کی نظر میں وہ شخص یا معاشرہ اور معاشرہ کے وہ نمازی تک پسندیدہ نہیں جو مانگنے کی چیزیں ایک دوسرے کو نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی اہمیت واضح کرنے کے لیے ایک پوری سورۃ ''الماعون'' نازل فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ (الماعون:4-7)

''پس خرابی ہے واسطے ان نمازیوں کے جو اپنی نمازوں کے بارے میں سستی کرتے ہیں جو دکھاوا تو کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو برتنے کی چیزیں عاریت پر نہیں دیتے۔''

کیا ان آیات کریمہ میں یہ اشارہ تو نہیں ہے کہ جو متمول لوگ اپنے محتاج بھائیوں کو عام برتنے کی عام اشیاء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاریۃً نہیں دیتے ان کی نمازیں بھی دکھاوا ہیں؟ غور کا مقام ہے۔

عاریت کے جواز اور فضیلت میں محدثینؒ اور فقہاء کرام نے مصطفیٰ کریم ﷺ کے بہت اقوال نقل کیے ہیں مگر یہاں کا وہ ارشاد نقل کرنے کی سعادت پائیں گے، جس کا تعلق ہمارے موضوع سے زیادہ ہے۔

''حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: کوئی بھی اونٹنی والا، گائے والا اور بکری والا ایسا نہیں ہوگا جس نے ان کا حق (زکاۃ و دیگر) ادا نہ کیا ہوگا مگر اسے قیامت کے دن صاف چٹیل میدان میں ان (مویشیوں) کے لیے لٹا دیا جائے گا پھر ان میں سے سموں والا اپنے تیز سموں سے اور سینگوں والا اپنے سینگوں سے..... جو نہ ملائم ہوں گے نہ ٹوٹے ہوئے ہوں گے (بل کہ تیز نوکیلے ہوں گے)..... لتاڑیں گے اور زخمی کریں گے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کریم کے رسول کریم! ان مویشیوں کا حق کیا ہے؟ ان کے ساتھ کو (لوگوں کے مویشیوں کی نسل بڑھنے کے لیے) کھلا چھوڑا جائے ان کے پانی پلانے کے ڈول (بڑا برتن) کو (دیگر محتاج لوگوں کو ان کے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے) عاریۃً دیا جائے۔ اور جس (دن اور) وقت وہ پانی پینے گھاٹ پر اتریں (اور وہاں فقراء اور مساکین کو) ان کا دودھ ہدیۃً دیا جائے اور اللہ کریم کی راہ میں (حج یا جہاد کے لیے محتاجوں کو سواری عاریۃً دی جائے)۔'' (۲۲۲)

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عاریت کا ذریعہ تکافل کن کن اہم اور مفید اشیاء و اموال کو شامل ہے، یہاں پانی کے ڈول سے لے کر قیمتی اونٹ اور سواری کے جانور اور آج کل موٹر گاڑی تک کو شامل ہے۔

وصیت:

مال سے محبت اور اس کے خرچ کرنے میں بخل و امساک انسانی فطرت کی سب سے بڑی کمزوریوں میں سے ایک ہے جس کی عقدہ کشائی قرآن حکیم نے ﴿وأحضرت الأنفس الشح﴾ (اور نفوس حریص واقع ہوئے ہیں)

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ (العادیات:8)

''اور وہ یقیناً مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔''

﴿وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ (الفجر:20)

''اور تم مال پر ریجھ جاتے ہو۔''

کے پاکیزہ کلمات سے فرمائی ہے۔ ہر چند اسلام، انسان کو بندہ حرص و ہوا بننے سے منع کرتا ہے اور اسے انفرادی اور اجتماعی حقوق کی ادائیگی کی قانوناً اور اخلاقاً تلقین کرتا ہے۔ پھر انسان اپنی آنکھوں سے اپنے ابنائے جنس کو لٹتے مرتے دیکھتا ہے لیکن اس کی عبرت کی آنکھ ہے کہ کھلتی نہیں۔ اور ادائیگی حقوق میں کوتاہی کرتا ہے۔ لیکن جب قوی مضمحل ہو جاتے ہیں، بیماریاں گھیر لیتی ہے۔ موت کا وقت آ کر اس کی آمد کا یقین دلا دیتا ہے۔ نبض رکنے لگ جاتی ہے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور ہر طرف سے کانا پھوسی شروع ہو جاتی ہے کہ آج فلاں کا وقت تو آ گیا ہے اس وقت یہ ہمیشہ ہوش میں نہ آنے والا ہوش میں آتا ہے کہ اب ہی کچھ کر جاؤں۔ اس کی گھبراہٹ اور وحشت میں دینِ رحمت اسے وصیت کا سہارا دیتا ہے کہ اب بھی امت کے محتاجوں کے لیے کچھ اپنے محبوب مال میں سے دے جاؤ اللہ کریم اپنا کرم کر کے تیری بخشش فرمائے گا۔

قرآن مجید نے ترغیب کے انداز میں فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَ نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرہ:180)

''فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت، بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال، وصیت کرنا، باپ کے واسطے، اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ۔''

نبی کریم ﷺ نے نصیحت کے لیے فرمایا:

[ان الدين قبل الوصية](۲۲۳)

''قرض کی ادائیگی وصیت کے اجرا سے پہلے پہلے ہو۔''

غرض وصیت ایک ایسا عمل خیر ہے جس کے ذریعے دولت مند شخص اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حاجت مند غریب کی حاجت روائی کر کے اپنی آخرت سنوار سکتا ہے۔

امانت:

اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کا ایک ذریعہ ''امانت'' بھی ہے۔ امانت کا مفہوم یہی ہے کہ کوئی شخص اپنی قیمتی شے کسی مسلمان بھائی کے پاس اس شرط کے ساتھ رکھ دے کہ عند المطالبہ وہ اسے بجنسہٖ واپس کر دے گا۔ لیکن اگر چیز کا مالک امانت رکھنے والے کے پاس ''باجازت تصرف'' رکھے تو یہ مالی رفائیت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارک میں آتا ہے۔

[الأمانة غنم](۲۲۴)

''امانت ایک قسم کی مالی رفائیت ہے۔''

''حدیث کے جملہ کی مراد یہ ہے کہ امانت، امین کی رفائیت کا باعث بنتی ہے اس لیے کہ جب اس کی امانت داری کی شہرت ہوگئی تو لوگ کثرت سے اپنے فاضل اموال کو اس کی امانت میں رکھیں گے اور اس طرح یہ معاملات اس کی رفائیت کا موجب بنیں گے۔''(۲۲۵)

نبی کریم ﷺ امانت کی حفاظت کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[لا ايمان لمن لا أمانة له](۲۲۶)

''جس میں امانت کا مادہ نہیں اس کا ایمان سے بھی حصہ نہیں''۔

اسلام خیانت کو اتنی بڑی قبیح حرکت تصور کرتا ہے۔ کہ اگر کوئی ہماری ساتھ خیانت کرے تو بھی ہمیں اس کے ساتھ خیانت کا سلوک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

فرمودہ رسول ﷺ ہے:

[أد الأمانة الى من ائتمنک و لا تخن من خانک](۲۲۷)

''جس نے تجھے امین سمجھ کر تیرے پاس امانت رکھی اس کی امانت واپس کر اور جس نے تیرے ساتھ خیانت کی تو اس کے ساتھ خیانت نہ کرنا۔''

اوقاف:

اوقاف جمع وقف کی ہے، وقف سے مراد جو جائیداد یا کوئی شے اللہ کریم کے نام پر وقف ہو اس کی آمدنی فقراء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساکین، مسافر قرض خواہ، ذوی القربیٰ اور یتامیٰ پر صرف کی جائے اور اسے کوئی فروخت نہیں کر سکتا۔ نہ ہبہ اور نہ ہی واقف کے ورثاء میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ وقف کی عام تعریف یہ ہے کہ انسان موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آنے سے قبل بحال صحت و تندرستی اور بسلامتی ہوش و حواس اپنی دولت کا ایک حصہ ''صدقہ جاریہ'' کے طور پر دے۔ اس کا نام وقف ہے۔

کفارات (Expiations):

اسلام کے نظام کفالتِ عامہ میں غرباء فقراء اور ضعفاء کی پرورش کی کس قدر اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ انسانوں کے بعض گناہ اور کوتاہیاں ایسی ہیں جن کی توبہ کے لیے اسلام مالی کفارہ مقرر کرتا ہے۔ جسے وہ غربا، مساکین اور غلاموں کے لیے معاشی کفالت کا ذریعہ ٹھہراتا ہے۔

ایسے چند کفارات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے جس کا تعلق ہمارے موضوع سے زیادہ ہے۔

کفارہ یمین:

مثلاً جو شخص قسم کھا کر توڑ دے۔

﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ (المائدہ:89)

''اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جیسا اوسط درجے کا تم اپنے بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا۔ مگر جو ایسا نہ کر سکتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔''

کفارہ صید:

اس طرح حج و عمرہ کے احرام کی حالت میں جو شخص شکار کرے اس کے کفارے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ﴾ (المائدہ:95)

''اے ایمان والو جب تم احرام (حج وغیرہ) کی حالت میں ہو تو شکار نہ کیا کرو اور تم میں سے جس کسی نے جان بوجھ کا کوئی جانور قتل کیا تو اس پر اس جانور کا بدلہ اسی کی مثل چوپایوں میں ہوگا۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں یہ جانور بطور ہدی خانہ کعبہ پہنچایا جائے یا وہ شخص کفارہ کے طور پر مساکین کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنی غلطی کی سزا کا مزا چکھے۔''

کفارہ ظہار:

جو شخص ظہار کر کے (یعنی اپنی زوجہ کو اپنی ماں یا بہن کی طرح کہہ کر اپنے لیے حرام کرے) پھر رجوع کرنا چاہے تو اس کے لیے کفارہ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ (المجادلۃ:3-4)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں یا بہن کہیں اور پھر جو کچھ انہوں نے کہا اسے واپس لینا چاہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ (بیویوں) کو ہاتھ لگانے سے قبل ایک غلام آزاد کریں، اس سے تمہیں نصیحت ہوگی اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں۔ پھر جو کوئی غلام کو نہ پائے تو وہ دو ماہ متواتر روزے رکھے اس سے قبل کہ اپنی بیویوں کو ہاتھ لگائے۔ جو کوئی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی سزا ہوگی۔''

کفارہ صوم:

جس روزہ دار نے دورانِ روزہ اپنی زوجہ سے مباشرت کر لی اس روزہ دار کے اس جرم سے خلاصی کے لیے شریعۃ نے جو سزا یا طریقہ تجویز کیا ہے وہ کفارہ صوم یعنی روزہ توڑنے کا جرمانہ کہلاتا ہے۔ شریعۃ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کو حکم دیا ہے کہ دو ماہ مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ آیئے اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے ایک مسکین صحابیؓ کا واقعہ پڑھیے:

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں: ایک شخصؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: اے اللہ کریم کے رسول کریم! میں ہلاک ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: کس عمل نے تجھے ہلاک کیا؟۔ اس نے کہا: میں نے رمضان مبارک (کے روزہ کی حالت) میں اپنی اہلیہ سے مباشرت کر لی۔ آپ نے فرمایا: تیرے پاس اتنا (مال) ہے جس سے تو ایک غلام آزاد کر سکے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تیرے پاس اتنا مال ہے کہ تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ بیٹھے رہے کہ آپ کے پاس ایک توڑہ لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں آپ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا: جاؤ انہیں صدقہ میں دے دو۔ اس نے عرض کیا۔ کیا کسی ایسے شخص کو صدقہ دوں جو ہم سے زیادہ محتاج ہو؟ مدینہ منورہ کے دونوں سروں تک ہم سے زیادہ تو کوئی محتاج ہے نہیں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ نے دندان مبارک نظر آنے لگے اور فرمایا: جاؤ اپنے (غریب مسکین) اہل وعیال کو کھلا دو۔'' (۲۲۸)

یہ صحابی چونکہ خود مسکین تھے اور ان کے اہل وعیال بھی بوجہ فقر محتاجی صدقہ کے مستحق تھے اس لیے مصطفیٰ کریم ﷺ نے انہیں اجازت دے دی کہ باہر کے فقیر کی بجائے اپنے گھر کے فقیروں کو کھجوریں کھلا دیں، کفارہ اتر جائے گا۔

میراث:

اسلام کے نظامِ کفالت عامہ میں ایک اہم مظہر ''میراث کی تقسیم'' ہے۔

''خاندانی کفالت باہمی'' میں جہاں باپ کو اس کی زندگی میں اپنی اولاد کی پرورش وتربیت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، وہاں اسے یہ احساس بھی دلایا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے بعد بھی اپنی اولاد کی فکر کرے۔ یہی فکر وہ انشورنس ہے جو والد کی وفات کے بعد صغر سن بچوں کے لیے ہوتی ہے کہ باپ اپنی زندگی میں ہی کچھ بچا جائے جو اس کی موت کے بعد اس کے لواحقین..... بیوی، اولاد، والدین، بھائی وغیرہم میں تقسیم ہو کر ان کی معاشی مشکلات کو کم کر دے۔ اسلام والد کو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی موت کے بعد اولاد کی فکر کی تلقین دیکھئے کن الفاظ میں کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

[انک أن تدع ورثتک أغنیاء خیر من أن تدعوهم عالة یتکففون الناس](۲۲۹)

''تمہارا اپنے ورثاء کو غنی چھوڑنا، اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان کو ایسا محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔''

موت کے بعد بچوں کی فکر اور ان کے لیے وراثت کا چھوڑنا ایک فطری داعیہ ہے۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے اس داعیہ کو کچلتا نہیں، بل کے اس کی مناسب اور جائز راہیں، تجویز کرتا ہے۔ یہ فطری داعیہ ہی تھا جس نے نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا، جب آپ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب فرما رہے تھے اس حال میں کہ آپ نے ان کے لیے کوئی میراث نہیں چھوڑی تھی گویا کہ میراث کا نہ چھوڑنا ظاہراً ایک کمی تھی جسے آنحضرت ﷺ نے محسوس کیا تھا۔(۲۳۰) اور یوں دراصل اس سلسلہ میں امت کی تربیت کرنا مقصود تھا۔

[ان أمر کن بما یهمني من بعدی](۲۳۱)

''تمہارے معاملہ نے مجھے فکر میں ڈال رکھا ہے کہ میرے بعد تمہاری گذر اوقات کیونکر ہوگی۔''

نفقات (Maintenace):

اسلام نے ہر انسان پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنے خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں اس فریضہ کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔

[ابدا بمن تعول](۲۳۲)

''اس سے شروع کرو جس کا نام نفقہ تمہارے ذمہ ہے''۔

بعض رشتہ دار تو ایسے ہیں جن کی کفالت انسان پر فرض ہے چاہے وہ امیر ہو یا غریب، اور وہ اسے پسند کرے یا ناپسند۔ مثلاً بیوی، اولاد، ضعیف والدین اور والدین کے والدین وغیرہ۔(۲۳۳) نبی کریم ﷺ کے یہ ارشادات ہماری رہنمائی فرماتے ہیں۔

[قال رسول اللہ ﷺ أن من أطیب ما أکل الرجل من کسبه و ولده من کسبه](۲۳۴)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے لیے سب سے اچھی خوراک اپنی کمائی میں سے کھانا ہے اور اس کا بیٹا اس کی کمی میں داخل ہے۔''

[عن عائشةؓ عن النبی ﷺ أنه قال: ولد الرجل من کسبه (بل) و من أطیب کسبه، فکلوا من أموالهم](۲۳۵)

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی کو اولاد اس کی کمائی میں داخل ہے بل کہ سب سے پاکیزہ کمائی ہے۔ لہٰذا تم ان (اپنی اولاد) کے مال میں سے کھاؤ۔''

اس حدیث میں اگرچہ باپ کا ذکر ہے مگر مراد ی معنی ماں باپ دونوں کو شامل ہیں۔ ایک اور حدیث میں اولاد اور بیوی کا نفقہ ثابت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدقہ فطر:

مسلم معاشرے کے ایسے افراد جو صاحب نصاب ہیں، ان کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ روزے رکھنے کے بعد جب دن رات حلال کھانے کی چیز کا استعمال ان کے لیے جائز ہو گیا تو ان اشیاء سے متمتع ہونے سے قبل وہ اپنے غریب بھائیوں کی روزی کا خیال کریں۔ ایسا نہیں کہ وہ دوسرے مہینوں میں کوب مزے اڑائیں اور ان کے مفلس بھائی ان کا منہ تکتے رہ جائیں۔ صدقہ فطر کا دوسرا معاشی فلسفہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ دوران رمضان شریف امراء روزہ داروں کو بیکسوں اور محتاجوں کی بھوک کا احساس ہو گیا ہو گا۔ لہٰذا اسلام نے ان پر صدقہ فطر فرض کر کے گویا ان سے عملاً اس بات کا اظہار کروایا کہ وہ غرباء کی بھوک کی تکلیف سے واقف ہو چکے ہیں، لہٰذا وہ ان کی بھوک کے مداوہ کے لیے بھی عملی صورت اختیار کریں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو (اناج) کا بطور صدقہ فطر ادا کرنے کا مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت پر فرض کر دیا۔ اور حکم دیا ہے کہ اس کی ادائیگی اس سے پہلے ہی کر دی جائے کہ لوگ عید گاہ کی طرف نماز عید الفطر پڑھنے کے لیے نکلیں۔'' (۲۳۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے نظام تکافل کا دائرہ کار

ہم نے اسلام کے اس نظام خیر ورفائیت کے دائرہ کار کا جائزہ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت لیا ہے۔

۱۔ کن افراد کی کفالت کی جائے گی؟
۲۔ کن ضروریات کے لیے کفالت کی جائے؟
۳۔ کفالت کی حد کیا ہوگی؟

۱۔ کن افراد کی کفالت کی جائے؟

کیا اسلام کا نظام تکافل صرف مسلمانوں کے لئے ہوگا یا دیگر غیر مسلم افراد کے لیے بھی جو ایک اسلامی ریاست کے وفادار شہری ہیں؟ اسلامی تعلیمات کا شناسا اس سوال کا یہ جواب دے گا کہ اسلام کا نظام کفالت عامہ اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کے لیے بلاتمیز مذہب ونسل ہوگا، شرط صرف اسلامی ریاس کا وفادار شہری بن کر رہنا ہو گی۔ غرباء کی کفالت کے لیے قرآن مجید میں جو ہدایات آئی ہیں۔ ان میں مسلم وکافی کی تمیز نہیں ہے مثلاً مندرجہ ذیل نظائر ملاحظہ کریں۔

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (الدھر:8)

''وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

اس آیت میں مذکورہ یتیم، مسکین اور قیدی سے مراد مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں یہاں کسی قسم کی تفریق نہیں بیان کی گئی۔ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں نہایت واضح الفاظ میں ایک ضابطہ بیان کیا ہے جس کی رو سے ہر اس غریب کافر کی کفالت کی جاسکتی ہے جو مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہو اور اسلامی ریاست کا شہری ہو یا مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتا ہو۔

ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (الممتحنہ:8-9)

''اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔ اللہ تعالیٰ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے نکالنے میں کہ کرو ان سے دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار۔''

فقہ اسلامی میں یہ تصریح بھی ہے کہ صدقاتِ واجبہ (مثلاً زکوۃ عشر) کے علاوہ بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمرو اسلامی کی مسلمان رعایا کی ضروریاتِ زندگی سے وابستہ ہے اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات و ضروریات سے بھی متعلق ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں (ذمیوں) کو بھی شامل کر لیا تھا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فقہ میں اس قول کو سند ٹھہرایا ہے۔ (۲۳۷)

فقہی نظائر سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ اسلام کا نظام کفالتِ عامہ بلا تمیز عقیدہ و رنگ و نسل ہے، یہ ایسا ابر رحمت ہے جو اپنے پرائے دونوں کی کھیتیوں کو سیراب کرتا ہے، یہ ایسا دریا ہے جس سے دوست دشمن دونوں پیاس بجھا سکتے ہیں، ایسی ٹھنڈی چھاؤں ہے جس سے مستفید ہونے کا حق سب کو ہے اپنا ہو یا بیگانہ، شرط صرف وفاداری کے ساتھ محتاجی ہے۔

۲۔ کفالت کن ضروریات کے لیے کی جائے گی؟

اسلام کا نظام تکافل، پہلے پہل انسان کی بنیادی ضروریات کو اسلام کے اصول سادگی کے مطابق پورا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ بنیادی ضروریات میں خوراک، لباس رہائش اور ضروری طبی امداد ہے۔

پھر جوں جوں اس کے وسائل بڑھتے جاتے ہیں اس کی توجہ ثانوی ضروریات زندگی کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ یہاں ہم چند ثانوی ضروریات زندگی کا ذکر بالاختصار کرتے ہیں۔

ثانوی ضروریات:

(۱) تعلیم (۲) قرضوں کی ادائیگی (۳) تزویج (۴) صحت (۵) سراؤں کی تعمیر (۶) نومولود بچوں کے وظائف (۷) ناکارہ لوگوں کی خدمات۔

(الف) تعلیم:

اسلام ثانوی ضروریات میں سے جس ضرورت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا وہ تعلیم ہے اور وہی اسلامی ریاست کو اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ اپنے شہریوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا مؤثر انتظام کرے۔ نبی اکرم ﷺ کو بحیثیت اسلام ریاست کے پہلے حکمران کے ریاست کی رعایا کی تعلیم کا کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو یہود کی زبان عبرانی سیکھنے کی ترغیب دی۔ (۲۳۸)

آپ ﷺ نے اساری بدر میں پڑھے لکھے قیدیوں کو کہا کہ وہ اپنے چھٹکارا کے لیے فدیہ کے طور پر مدینہ منورہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ (۲۳۹)

آپ نے حضرت سعید بن العاصؓ کو حکم دیا کہ وہ اہل مدینہ ک ولکھنا پڑھنا سکھائیں۔ (۲۴۰)

ان روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ریاست میں تعلیم کا ایک جامع نظام قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ شہری زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکیں۔ خلفاء راشدینؓ نے اپنے زمانہ میں اس نظام تعلیم کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اساتذہ کا تقرر کیا جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے اور انہیں سرکاری خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا۔ (۲۴۱)

(ب) قرضوں کی ادائیگی:

نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے لے کر عمر بن عبد العزیزؒ اور خلفاء عباسیہ میں سے چند ایک زمانے میں بیت المال میں سے ایسے مقروض لوگوں کے قرضے ادا کیے جاتے تھے جو کمانے کے قابل نہیں تھے یا بہت زیادہ تنگدست تھے۔ (۲۴۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج) شادی الاؤنس:

ایسے نوجوان جو شادی کے قابل ہوتے تھے مگر اپنی غربت کے سبب ایسا کرنے سے قاصر تھے انہیں بیت المال سے معاونت ملتی، تاکہ وہ شادی شدہ ہو کر پاکیزہ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنر حضرت زید بن عبدالرحمٰن بن عمر خطابؓ کو لکھا کہ وہ ایسے غریب اشخاص کی مالی معاونت کریں جو غریب ہیں اور ازدواجی زندگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ (۲۴۳)

(د) سراؤں کی تعمیر:

مسافر ہمیشہ سے قابل رحم چلے آئے ہیں اور خاص طور پر وہ مسافر جو سفر خرچ کی کمی کی بدولت اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے یا تھک ہار کر اپنا سفر منقطع کر لیتے ہیں۔ اسلام کا نظام کفالت عامہ ایسے مسافروں کا سفر آرام دہ اور منزل مقصود کو یقینی بنانے کے لیے اسلام ریاست کو حکم دیتا ہے کہ وہ سرائیں تعمیر کرائے تاکہ مسافرین وہاں بغیر کچھ خرچ کیے آرام کر سکیں اور ان کی مالی مدد کرے تاکہ وہ اپنا سفر اپنی منزل مقصود تک جاری رکھ سکیں۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے ایسے مسافروں کے لیے مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیانی راستہ پر مسافر خانے تعمیر کروائے تھے۔ (۲۴۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو حکم دیا کہ وہ سرائیں تعمیر کرائیں جس میں بچوں مسافروں کو خوراک اور رہائش کی سہولتیں حاصل ہوں۔ (۲۴۵)

(ر) نومولود بچوں کے وظائف:

خلفائے راشدینؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں نومولود بچوں کو وظائف دیئے جاتے تھے تاکہ وہ اپنے والدین پر بوجھ نہ بنیں۔ (۲۴۶)

شروع میں اس وظیفہ کی مالیت ۱۰۰ درہم تھی جو بعد میں بڑھا کر زیادہ کر دی گئی۔ (۲۴۷)

(س) خدمات کی سہولتیں:

اسلامی ریاست اپنی غرض وغایت کے اعتبار سے اپنی رعایا کی خادم ہوتی ہے، اور اس کا سربراہ رعایا کا خادم۔ اس سلسلہ میں حضرات خلفاء راشدینؓ کا کردار مثالی رہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیواؤں کی بکریاں خود دوہا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بنے تو کسی نے کہا: اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟ آپ نے فرمایا: ''انشاءاللہ میں ہی'' اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ خلافت کی ذمہ داریاں اس میں آڑے نہیں آئیں گی۔ (۲۴۸)

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ میرے دل میں آیا کہ اس کی خدمت کیا کروں۔ مگر میں جب بھی جاتا تو اس کا گھر صاف ستھرا ہوتا اور تمام کام کاج مکمل ہوتا۔ ایک دن میں نے گھات لگ کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابوبکرؓ ہیں کہ بڑھیا کا پانی وانی بھر کر واپس آ رہے ہیں۔ میں نے کہا ''میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میرا خیال بھی یہی تھا کہ ہو نہ ہو یہ ابوبکر ہی ہوں گے جو اس لاوارث بیوہ کی خدمت کرتے ہیں۔'' (۲۴۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شام کے نابیناؤں اور دیگر معذورین کے خدام مقرر کیے جو ان کی ضروریات کی فکر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے اور انہیں آرام پہنچاتے۔(۲۵۰)

ان روایات اور آثار کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کا نظام کفالت عامہ انسانی زندگی کی تمام ضروریات کو شامل ہے۔

(۳) کفالت کی حد کیا ہوگی؟

اسلام کا نظام پرورش اور تحفظ اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے ایک طور پر بہت زیادہ تنگ جب کہ دوسرے طور پر بہت زیادہ وسیع ہے، تنگ اس طور پر ہے کہ اس کے مطابق اسلامی معاشرہ اور ریاست کی یہ ضروری ذمہ داری ہے کہ شہریوں کی بنیادی ضروریاتِ زندگی مثلاً خوراک، لباس، رہائش ازدواجی زندگی اور ضروری طبی امداد انہیں مہیا ہوتی رہیں۔ اور اس سے گریز کسی معاشرہ میں حکومت کے لیے ممکن نہیں۔ اور وسیع ان معانی میں ہے کہ جوں جوں اسلامی ریاست کے وسائل بڑھتے جائیں اسی طرح کفالت عامہ کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے اور وہ انسانی آسائشات تک کو شامل کر لیتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جنہیں امت مسلمہ پانچواں خلیفہ راشد مانتی ہے۔ کا اسوہ نہایت اہم اور قابل توجہ و عمل ہے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ کی اس روایت کو غور سے پڑھیں اور اسلام کے نظام تکافل کی وسعت اور حدود کا اندازہ کریں۔

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عراق کے گورنر کو لکھا کہ وہ لوگوں کے عطایا (Grants) انہیں ادا کر دے۔ گورنر نے جواباً آپ کو لکھا: میں نے عوامی کے عطایا انہیں ادا کر دیے ہیں مگر بیت المال کی رقم بچی پڑی ہے (اس کا کیا کروں؟)۔ تو آپؒ نے گورنر کو لکھا: ایسے مقروض تلاش کرو جس کسی نے بغیر نادانی کے (کاموں کے) یا فضول خرچی کے قرض لیا ہو، اس کا قرض ادا کر دو۔ گورنر نے آپ کو لکھا: میں نے ایسے تمام (مقروضوں) کے قرضے ادا کر دیئے ہیں پھر بھی مسلمانوں کے بیت المال میں رقم بچ گئی ہے۔ آپ نے اسے حکم دیا: ایسے ہر کنوارے کو تلاش کرو جس کے پاس مال نہ ہو مگر وہ شادی کرنا چاہتا ہو، اس کی شادی کراؤ اور اس کا مہر ادا کرو۔ گورنر نے جواب میں لکھا: میں نے جس کسی کو ایسا پایا اس کا نکاح کرا دیا، مگر پھر بھی مسلمانوں کے بیت المال میں رقم بچی پڑی ہے۔ آپؒ نے گورنر کو لکھا: اس خرچ کے بعد بھی اگر مال بچ گیا ہے؟ تو ایسے ہر شخص (ذمی) کو تلاش کرو جس پر جزیہ ہو اور (مفلسی کے باعث) اپنی زمین آباد کرنے سے عاجز ہو، اسے قرضہ دو تا کہ وہ اپنی زمین (کی آبادکاری) کا کام کرنے کے قابل ہو جائے، کیونکہ ہم ان (ذمیوں) کو صرف ایک سال یا دو سال کے لیے ہی نہیں چاہتے (بلکہ ان سے حسن سلوک کا طویل رشتہ چاہتے ہیں)۔''(۲۵۱)

مذکورہ بالا حوالہ سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ اسلام کا نظام کفالت عامہ کتنا وسیع اور جامع ہے کہ وسائل کی دستیابی کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے تمام انسانی ضروریات کو اپنے دامن پرورش اور طمانیت میں شامل کر لیتا ہے کہ اسلامی ریاست کا کوئی فرد بلا تمیز مذہب و رنگ و نسل محروم المعاش نہیں رہنے دیتا بلکہ رفاہیت اور خوشحالی عام کرتا ہے۔ انہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے گورنر یحییٰ بن سعدؒ کا بیان ہم نے کتاب کے آخر میں نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آپؒ کے دور میں افریقہ ایسے براعظم کے ملکوں میں اتنی خوشحالی کا دور دورہ تھا کہ کوئی زکوٰۃ وصول کرنے والا نہیں ملتا تھا۔(۲۵۲)

بعض مسلم اسکالرز حد کفالت کی تشریح ایک دوسرے زاویہ سے کرتے ہیں اگر وسائل کی کمی کے وقت حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے معذورین اور ایسے مستحقین کی ضروریات سادگی سے پورا کر رہی تھی تو وسائل کی وسعت کے ساتھ ان کی ضروریات کو معیاری انداز میں پوری کر سکتی ہے۔ یا پہلے صرف بنیادی ضروریات کی تکمیل کی جاتی تھی تو اب ثانوی ضروریات از قسم تعلیم، نقل و حمل، صحت وغیرہ پر توجہ دے گی یا اپنی رعایا کے مفلس اور معذورین کو اس قابل کر دے کہ وہ آئندہ کسی کے محتاج نہ رہیں۔ حضرت عمرؓ کا ایک ارشاد اس ساری بحث کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔

''اللہ کریم کی قسم! اگر میں اہل عراق کی بیواؤں کے لیے (اگلے سال تک) زندہ رہ سکا تو انہیں ایسا کر دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کی اعانت کی محتاج نہ رہیں گی۔'' (۲۵۳)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

1. R. G. Lipsey

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی..... معاشیات اسلام

۳. المغنی' لابن قدامہ ج 2

۴. نیل الاوطار ج4

۵. الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج 1

۶. صحیح بخاری

۷. ترمذی

۸. صحیح بخاری

۹. متفق علیہ ..... مروجہ اوزان میں چاندی کا نصاب

۱۰. عرب میں بھینسوں کا رواج 92/711ھ میں ہوا جب محمد بن قاسمؒ نے سندھ فتح کیا اور ہزاروں بھینسیں عراق اور شام کے لئے روانہ کیں۔ بعد میں فقہائے کرام نے بھینس کی زکوٰۃ کو گائے کی زکوٰۃ پر قیاس کیا۔ (ابوعبیدقاسم بن سلام' کتاب الاموال)

۱۱. سنن ابوداؤد حدیث 1678' سنن الترمذی حدیث 3675' المستدرک ج 1' سنن بیہقی ج 4' کنز العمال حدیث 3561' مشکوٰۃ حدیث 6021

۱۲. موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا ج 3' شعب الایمان ج 4' حدیث 4448

۱۳. المفردات ج 1

۱۴. جامع البیان جز 10

۱۵. الجامع لاحکام القرآن جز 8' عنایت القاضی ج 4' زادالمسیر ج 3

۱۶. صحیح بخاری حدیث 7197' صحیح مسلم حدیث 1832' سنن ابوداؤد حدیث 2946' سنن دارمی حدیث 1669

۱۷. صحیح مسلم حدیث 1832' سنن ابوداؤد حدیث 3581

۱۸. اللباب فی علوم کتاب ج 10

۱۹. جامع البیان جز 10

۲۰. سنن ابوداؤد حدیث 1635' سنن ابن ماجہ حدیث 1841' مؤطا امام مالک حدیث 307

۲۱. سنن ابوداؤد حدیث 1637' سنن ابن ماجہ حدیث 1841' فردوس بماثور الخطاب حدیث 7646' مسند احمد 3' المستدرک ج 1. اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۲. تفسیر ابن کبیر ج 6
۲۳. روح المعانی ج 10
۲۴. مشکوٰۃ کتاب الرقاق
۲۵. ترمذی
۲۶. مسلم جلد' کتاب الزکوٰۃ
۲۷. مسلم
۲۸. مسلم جلد کتاب الایمان
۲۹. مشکوٰۃ
۳۰. شاہ ولی اللہ دھلوی..... حجتہ اللہ البالغہ بحوالہ سید ابوالحسن علی ندوی ارکان اربعہ۔
۳۱. حجتہ اللہ البالغہ ج 2
۳۲. صحاح ستہ ماستثناء ابو دائود
۳۳. مسلم' ترمذی
۳۴۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر..... قرآن وانسان اور فلسفہ زکوٰۃ
۳۵۔ محمد اکرام خان..... اسلامک ایجوکیشن ماڈرن ٹیکنیشین اور زکوٰۃ
۳۶۔ بحوالہ ڈاکٹر نور محمد غفاری..... اسلام کا قانون محاصل
۳۷. صحیح بخاری (ترجمہ) جلد 2
۳۸. صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ (مترجم) جلد 2
۳۹. امام ابو یوسف..... کتاب الخراج
۴۰. المنجد..... دار المشرق
۴۱. عبدالحفیظ بلیادی..... مصباح اللغات' القاموس الحدیث
۴۲. ظفر نیازی..... نقاد اللغات
۴۳۔ منشی محبوب عالم..... اسلامی انسائیکلو پیڈیا
۴۴۔ ایم اسلم..... اسلام کا جمہوری نظام
۴۵۔ حفظ الرحمٰن..... اسلام کا اقتصادی نظام
۴۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ
۴۷۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی..... معاشیات اسلام
۴۸۔ تاریخ ابن خلدون..... ترجمہ حکیم احمد حسین
۴۹۔ شبلی نعمانی..... الفاروق
۵۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ..... خطبات بہاولپور
۵۱. ابو یوسف..... کتاب الخراج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۲. ابن حجر عسقلانی..... الاصابة فی تمییز الصحابة

۵۳. ابن سعد..... الطبقات الکبری

۵۴. .....ایضاً.....

۵۵. .....ایضاً.....

۵۶۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز

۵۷۔ مفتی محمد شفیع..... اسلام کا نظام اراضی

۵۸. علامہ ذہبی..... کتاب دول الاسلام فی تاریخ

۵۹. صحیح بخاری..... باب القسمة

۶۰. صحیح بخاری..... کتاب الاستقراض

۶۱. احمد بن حنبل..... مسند

۶۲. کتاب الخراج ..... شامی: ج 2' ج 3

۶۳. شامی' ج 2

۶۴. بخاری..... باب الزکوٰۃ

۶۵۔ اسلامی نظام معاشی میں نہروں کے پانی پر موجودہ طریقے کے مطابق محصول نہیں لیا جاتا۔ اس لئے عام کتب فقہ میں نہری زمین پر بھی دسواں حصہ عُشر بیان کیا گیا ہے لیکن آج کے زمانے میں نہری اور چاہی زمینوں کا ایک ہی حکم ہے۔ پس ابوداؤد کی روایت میں جو فی السماء والعیون والانھار آیا ہے' اس نہر سے ندیاں نالے مراد ہیں اور یا ایسی نہریں جن کے پانی پر محصول نہیں ہے۔

۶۶. کتاب الخراج ..... شامی ج 3..... کتاب الاموال

۶۷. کتاب الخراج

۶۸۔ مشرکین عرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے یا اسلامی جہاد کے مقابلہ مار مارے جا چکے تھے اور بعد ازاں جزیرۃ العرب میں اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو روا نہیں رکھا گیا۔

۶۹۔ بخاری کتاب الزکوٰۃ۔ روپیہ پیسہ' چاندی' سونا' جیسی اشیاء اموال باطنہ کہلاتی ہیں اور چوپائے اور اموال تجارت اموال ظاہر کہلاتے ہیں۔ فقہاء کے درمیان اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے بیت المال میں ضروری داخل کئے جانے سے متعلق دو جدا جدا اقوال منقول ہیں جن کے لئے شروحات حدیث کی جانب مراجعت ضروری ہے۔

۷۰. کتاب الخراج

۷۱. محلّی' ج 6

۷۲. محلّی' ج 6

۷۳. ایضاً

۷۴. شامی..... ج 3 باب العشر والخراج والجزیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۵. کتاب الخراج
۷۶. ایضاً
۷۷. ایضاً
۷۸. کتاب الاموال
۷۹. ماوردی..... الاحکام السلطانیہ' باب 18' نیز ابو یعلی..... الاحکام السطانیہ
۸۰. ھدایہ ج 3..... کتاب الکفالۃ
۸۱. ابو یوسف..... کتاب الخراج
۸۲. ماوردی..... الاحکام السلطانیہ' باب 20نیز ابو یعلی
۸۳. .....ایضاً..... نیز ابویعلی
۸۴. کتاب الاموال نمبر 867
۸۵. بخاری پ 9' کتاب الزکوٰۃ
۸۶. ماوردی' الاحکام السلطانیہ' باب 18' نیز ابویعلی: الاحکام السلطانیہ'
۸۷۔ ایچ ڈالٹن' پرنسپلز آف پبلک فنانس باب 1
۸۸. امام مالک موطا کتاب الزکوٰۃ المعاون نیز کتاب الاموال نمبر 869
۸۹. کتاب الاموال' نمبر 87
۹۰. طبقات ابن سعد' ج 3
۹۱. ماوردی..... الاحکام السلطانیہ' باب 11' نیز ابو یعلی: الاحکام السطانیہ
۹۲. بخاری..... پ 6' کتاب الزکوٰۃ
۹۳. بخاری..... پ 6' کتاب الزکوٰۃ بخاری کےعلاوہ مسلم' موطا' ابوداؤد' ترمذی وغیرہ کے ابواب الزکوٰۃ
۹۴. ابوداؤد ..... کتاب الزکوٰۃ
۹۵۔ برس کا جنگل بابل میں نمرود کی محل سرا کے قریب واقع تھا
۹۶. بلاذری..... فتوح البلدان
۹۷. ابویوسف..... کتاب الخراج'فصل فیما یخرج من البحر
۹۸. ابو یوسف..... کتاب الخراج
۹۹. کتاب الاموال' نمبر 9
۱۰۰. کنزالعمال' ج 3 از شیخ علی المتقی
۱۰۱. سراجی..... فصل مانع الارث
۱۰۲. سراجی..... فصل فی المرتد
۱۰۳. بدائع الصنائع..... کاسانی ج 7'کتاب السیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۰۴. .....ایضاً.....

۱۰۵. ماوردی..... الاحکام السلطانیه ' باب 5 نیز ابویعلی

۱۰۶. ماوردی..... الاحکام السلطانیه

۱۰۷. بلاذری

۱۰۸. هدایه' ج 2کتاب السیر' صفوان کی زرہوں کا تذکرہ ابوداؤد' نسائی وغیرہ میں موجود ہے۔حضرت عمرؓ شادی شدہ کے مقابلہ میں غیر شادی شدہ کو بھیجتے تھے۔ملاحظہ ہو:مصنف ابن ابی شیبه

۱۰۹. ماوردی..... الاحکام السلطانیه

۱۱۰. شمس الائمه سرخسی..... مبسوط' ج 3' کتاب الزکوة
نیز هدایه' ج2' کتاب السیر فصل فی نصاری بن تغلب و مصارف بیت المال

۱۱۱. ابودائود ' پ10' کتاب الخراج

۱۱۲. بخاری ' پ 11' کتاب البیوع نیز کتاب الاموال 'نمبر 656

۱۱۳. شمس الائمه السرخسی..... مبسوط' ج 3' باب ما یوضع فیه الخمس

۱۱۴. ابن سعد ج 3..... سیوطی: تاریخ الخلفاء

۱۱۵. تاریخ طبری ج 4' نیز تفصیل کتاب الاموال نمبر 657تا 659

۱۱۶. شمس الائمه السرخسی..... مبسوط ج 3'باب ما یوضع فی الخمس

۱۱۷. .....ایضاً.....

۱۱۸. هدایه' ج 4کتاب الکراهیته

۱۱۹. شبل: الفاروق حصہ دوم عہدہ داران ملکی بحوالہ الاستیعاب قاضی عبدالبراور ازالة الخلفاء ج 2

۱۲۰. بلاذری: فتوح البلدان' عطا کی ابتدانیز تاریخ یعقوبی ج 2

۱۲۱. هدایه' ج 2'کتاب اللقیط

۱۲۲. ایضاً..... اللقیط حر لان اصل فی بنی آدم انما هو الحریة وکذا الدار دارالحرار ولان الحکم للغالب

۱۲۳. هدایه' ج2'کتاب اللقیط

۱۲۴. ماوردی..... الاحکام السلطانیه..... نیز ابویعلی

۱۲۵. هدایه' ج 4' کتاب الدیات

۱۲۶. ابو یوسف..... کتاب الخراج

۱۲۷. ابویوسف..... کتاب الخراج

۱۲۸. ماوردی..... الاحکام السلطانیه..... نیز ابویعلی

۱۲۹. ماوردی..... الاحکام السلطانیه..... نیز دیگر تاریخیں

۱۳۰. تاریخ طبری..... سیوطی: تاریخ الخلفاء نیز ابن جوزی سیرة عمر بن عبدالعزیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۱. کتاب الاموال' نمبر 621

۱۳۲. ابو دائود وبحواله مشکوٰة

۱۳۳۔ محمد حمید اللہ ڈاکٹر..... خطباب بہاولپور

۱۳۴. طبری: تاریخ' ج 3 ذکر من کان یکتب الرسول ﷺ

۱۳۵. طبری..... تاریخ' ج 3

۱۳۶. ابن کثیر..... تاریخ' ج 5

۱۳۷. کرد علی..... الاسلام والحضارة العربیه' ج 1

۱۳۸. حاکم..... مستدرک' ج 3' کان لابن زبیر مائه غلام ویتکلم مع کل غلام منهم بلغة غیر اخری

۱۳۹. تاریخ ابن کثیر: ج 5

۱۴۰۔ حمید اللہ' ڈاکٹر..... خطبات بہاولپور

۱۴۱. ابن عبدالبر..... الاستیعاب' دائرة المعارف. مُلّا علی قاری..... فتح الباری

۱۴۲. بیهقی..... السنن الکبریٰ' آداب القاضی

۱۴۳. عمدة القاری

۱۴۴. التاج ازهری..... التحکیم

۱۴۵. وفاء الوفاء' باخبار دارالمصطفیٰ' ج 1

۱۴۶. صحیح بخاری: ما کان یبعث لنا الامراء. فتح الباری: ج 13' کتاب التمنی

۱۴۷. .....ایضاً.....

۱۴۸. صحیح بخاری: ما کان یبعث لنا الامراء. فتح الباری: ج 13' کتاب التمنی

۱۴۹. کرد علی..... الاسلام والحضارة العربیة' ج 2

۱۵۰. ڈاکٹر عبداللطیف بدوی عوض النظام المال الاسلامی المقارن

۱۵۱. ابن قیم..... زاد المعاد' ج 1' بروایت ابو دائود الطیالسی

۱۵۲۔ علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم' ج 2

۱۵۳. .....ایضاً.....

۱۵۴. زرقانی: ج 4

۱۵۵. بخاری: ج 3. ابوعبید..... کتاب الاموال

۱۵۶. ابو دائود' السنن' کتاب الخراج والامارة' باب الامام یقبل هدایا المشرکین

157. R.V.C. Bodley..... The Messenger..... The Life of Muhammad (ﷺ)

۱۵۸. المقریزی..... الخطط والآثار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۹. محمد بن حسن الشیبانی: السیر الکبیر بحوالہ ڈاکٹر ایم حمید اللہ' خطبات بہاولپور

۱۶۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ..... خطبات بہاولپور

۱۶۱. کتاب الاموال

۱۶۲. امام ابو عبید..... کتاب الاموال

۱۶۳. ..... ایضاً.....

۱۶۴. کتاب الاموال

۱۶۵. ایضاً.

۱۶۶. ایضاً.

۱۶۷. ایضاً.

۱۶۸. امام ابو عبید..... کتاب الاموال

۱۶۹. مشکوٰۃ شریف

۱۷۰. ..... ایضاً.....

۱۷۱. ..... ایضاً.....

۱۷۲۔ مہر محمد نواز خان و فرزانہ بخاری..... اسلامی معیشت

۱۷۳۔ پروفیسر مہر محمد نواز خان..... پاکستان اور معاشی منصوبہ بندی

۱۷۴. ڈاکٹر یوسف القرضاوی..... فقه الزکوٰۃ ج 4

175. International Encyclopaedia of Social Sciences

176. Professor H. Dalton..... Principles of Public Finance

۱۷۷. ابو یوسف..... کتاب الخراج

۱۷۸. بخاری صحیح..... فضائل عثمان رضی اللہ عنه

۱۷۹. ابو یوسف..... کتاب الخراج..... ابو عبید

۱۸۰. ابو یوسف..... کتاب الخراج

۱۸۱. الماوردی..... الاحکام السلطانیه

۱۸۲۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی.....اسلامی نظریہ ملکیت

۱۸۳. کتاب الخراج ابو یوسف' الخراج یحییٰ بن آدم' کتاب الاموال ابو عبید

۱۸۴. ترمذی ابواب النکاح

۱۸۵. کتاب الاموال

۱۸۶ قرطبی: احکام القرآن' جلد 2

187 Ref. PLD 1992, FSC

۱۸۸. ابوداؤد، باب مایلزم الامام من امر الرعیة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۸۹. ترمذی، باب ما جاء فی امام الرعیة
۱۹۰. مسند ابی عوانه، ج: ۱، ص: ۳۲
۱۹۱. ترمذی: ۱۳۲۲، ابوداؤد، کتاب النکاح، رقم: ۲۹۴۸، مستدرک، ج: ۴، ص: ۹۳، مسند احمد، ج: ۵، ص: ۲۳۸
۱۹۲. رواه بخاری، ج: ۵، ص: ۲۲۳۸، مسلم: ج: ۱۶، ص: ۱۴۰
۱۹۳. بخاری، ج: ۵، ص: ۲۲۳۸، مسلم، ج: ۱۶، ص: ۱۴۰
۱۹۴. الفتح الکبیر، ج: ۲، ص: ۹۸
۱۹۵. ترمذی، ص: ۲۲۶۲، مسند احمد، ج: ۲، ص: ۳۷۸
۱۹۶. مستدرک حاکم، ج: ۴، ص: ۳۲۰
۱۹۷. رواه البیهقی فی شعب الایمان، رقم: ۷۶۱۵، مسلم، رقم: ۲۶۹۹، کتاب الذکر والدعاء
۱۹۸. مسلم، رقم: ۲۵۸۰، کتاب البر والصلة، بخاری، کتاب المقالم، رقم: ۲۴۴۲
۱۹۹. کتاب الاموال لابی عبیده: ۲۰۲
۲۰۰. بخاری، باب من ترک کلّا او ضیاعاً فالی
۲۰۱. کتاب الاموال: ۲۳۷
۲۰۲. بخاری مع فتح الباری، ج: ۱۰، ص: ۵۶۴۱، مسلم رقم: ۲۵۷۳
۲۰۳. الادب المفرد: ۱۱۲ د اصححه الحاکم
۲۰۴. سیرة عمر بن خطاب لا بن جوزی، ص: ۱۶۱
۲۰۵. التبر المبسوک، امام غزالی: ص: ۱۷
۲۰۶. سراج الملوک، طرطوشی، ص: ۱۰۹
۲۰۷. کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۱۷۲
۲۰۸. قواعد الاحکام فی مصالح الانام، ج: ۱، ص: ۱۴۸، لعز الدین بن عبد السلام
۲۰۹. کامل ابن اثیر، ج: ۵، ص: ۲۴، کتاب الخراج، ص: ۱۰، سیرت عمر ابن عبد العزیز ابن عبد الحکم، ص: ۱۷۸
۲۱۰. التبر المسبوک فی نصائض الملوک، امام غزالی، ص: ۶۱
۲۱۱. بخاری، ج: ۱، نمبر ۱۵۲، ۱۵۳، صحیح مسلم، نمبر ۸۱۶، ریاض الصالحین، باب الکرم والجود والانفاق نمبر ۳۴۲
۲۱۲. بخاری، ج: ۳، نمبر ۲۴۱. صحیح مسلم، نمبر: ۱۰۱۰، ریاض الصالحین نمبر ۵۳۶
۲۱۳. رواه الترمذی بحواله ریاض الصالحین، باب فضل الجوع نمبر ۵۱۸
۲۱۴۔ مولانا حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، دهلی ۱۹۵۹ء، ص: ۳۶۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۱۵. بخاری ،ج:۴،نمبر ۳۸۱، مسلم ، نمبر :۱۵۲۴ بحوالہ مشکوۃ ،ج: ۱،لاہور ۱۹۶۳ء ،ص: ۶۴۴ حدیث نمبر : ۹

۲۱۶. ابو داود بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام دھلی، ج:۹۰۹ا،ص:۳۶۸

۲۱۷. ابن قدامہ: المغنی ،ج:۵، کتاب الهبة و العطية

۲۱۸. حوالہ بالا

۲۱۹. الشوکانی ، محمد بن صلی بن محمد: نیل الاوطار : ،ج:۶، کتاب الهبة والهدية

۲۲۰. حوالہ بالا

۲۲۱. الشوکانی: نیل الاوطار ،ج:۶،کتاب الودیعة والعاریة

۲۲۲. ایضاً ،ص:۳۶۹

۲۲۳. رواہ الترمذی، ابن قدامہ ،کتاب الوصایا

۲۲۴. بیهقی فی شعب الایمان

۲۲۵. ابن الاثیرؒ النهاية ، ج: ۱ ،باب الامانت

۲۲۶. رواہ بیهقی فی شعب الایمان

۲۲۷. ترمذی ،ج: ۱ ،کتاب البیوع باب حدثنا ابو کریب عن ابی هریرةؓ

۲۲۸. متفق علیہ ، نقلہ الشوکانی :نیل الوطار ، ج:۴،کفارة من افسد صوم رمضان بالجماع

۲۲۹. مشکوۃالمصابیح ،ج: ۲،ص:۵۶۷، جامع ترمذی :،ج: ۲ ، باب ماجاء فی الوصية بالثلث

۲۳۰۔ یہ احقر مقالہ نگار کی ذاتی توجیح ہے اگر درست ہے تو اللہ کریم کی طرف سے اور اگر غلط تو میری طرف سے۔ اللہ کریم معاف فرمائیں۔

۲۳۱. مشکوۃ المصابیح :،ج: ۲،ص:۵۶۷

۲۳۲. صحیحین : کتاب النفقات

۲۳۳. عبد الرحمن الجزیری : کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه: ،ج:۴،ص:۵۸۸، ۵۸۹

۲۳۴. ابو دائود. کتاب البیوع ، باب یاکل الرجال من مال ولده

۲۳۵. ایضا.

۲۳۶. متفق علیہ ، باب صدقه الفطر ، حدیث: ۱

۲۳۷. ابن العابدینؒ شامی،ج:۳،باب المصرف، مطبع میمنیه، قاهره۱۳۱۸ھ،ص:۹۶

۲۳۸. محمد بن سعد: الطبقات الکبری، الجزء الثانی، بیروت:۱۹۵۷ء،ص: ۲۲۲

۲۳۹. ابن عبد البر: الاستیعاب الجزء الاول، دائره المعارف، حیدر آباد (هند) ۱۳۱۸ھ،ص:۳۹۳

۲۴۰. محمد بن سعد: الطبقات الکبری، الجزء الثانی، بیروت ۱۹۵۷ء،ص: ۲۲۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۴۱. علی امتقی برهان الدین: کنز الاعمال، الجزء الثانی
۲۴۲. ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، قاهره ۱۳۵۳ھ، ص: ۲۵۲۱
۲۴۳. ایضا، ص: ۲۶۱، ابن جوزی، سیرة محمد بن عبد العزیز، ص: ۷۴
۲۴۴. بلاذری: فتوح البلدان، قاهره، ۱۹۳۳ء، ص: ۵۳
۲۴۵. ابن الاثیر: الکامل، الجزء السادس، مطبع احمد حلبی، قاهره، ۱۳۰۳ھ، ص: ۲۲
۲۴۶. ابو عبید: کتاب الاموال، قاهره، ۱۳۵۳ھ، ص: ۲۳۸
۲۴۷. ایضا: ص: ۲۲۸
۲۴۸. سید قطبؒ العدالة الاجتماعیة فی الاسلام، (اُردو ترجمہ) اسلامک پبلیکیشنز، لاهور، ۱۹۶۹ء، ص: ۴۴۱
۲۴۹. امام محمد: کتاب الآثار، فضائل الصحابه، حدیث رقم، ۸۵۲
۲۵۰. ابن جوزی: سیرت عمر بن عبد العزیزؒ، مطبع المؤید، قاهره، ص: ۱۵۴
۲۵۱. ابو عبید کتاب الاموال، ص: ۲۱۹
۲۵۲. ابن عبد الحکیم: سیرة عمر بن عبد العزیز، بیروت ۱۳۸۷ھ، ص: ۶۹
۲۵۳. ابو یوسف: کتاب الخراج، مطبع سلفیه، قاهره ۱۳۴۶ھ، ص: ۳۸

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بارھواں باب:

معاشی مسائل اور ان کا حل

سود (Interest)

جدید دور کے چبھتے ہوئے اور سلگتے ہوئے اہم مسائل میں یہ دونوں شامل ہیں کیونکہ ماہرین معاشیات و مالیات میں کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ان کی موافقت ومخالفت میں بہت سے وزنی دلائل دیئے جاتے ہیں۔ باری باری ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

سود کی تعریف:

مغربی معیشت دانوں نے اس کی متعدد تعریفیں دے رکھی ہیں۔عموماً کہا جاتا ہے کہ سرمایہ یا زر کے استعمال کا معاوضہ (Reward) سود ہے یعنی ایسی رقم جو کہ شرح یا فیصد کے نام سے موسوم ہے وہ سرمایہ کی خدمات کا صلہ ہے۔ جو مقروض اپنے قارض کو طے شدہ شرائط کے تحت ادا کرتا ہے۔ سود مفرد (Simple) یا خالص (Net) اور مرکب (Compound) گویا سود در سود بھی ہوسکتا ہے۔

جدید ماہرین نے سود کے کردار اور جواز کی بابت چند نظریات پیش کر رکھے ہیں جن میں بتلایا گیا ہے کہ سود کیوں ادا کیا جاتا ہے؟ اور یہ کہ اس کی شرح کا تعین کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ ان میں بارآوری یا پیداواری (Productivity) انتظار کشی یا اجتناب پذیری (Abstinence) معاوضہ وقت' زر نقد کی ترجیحیت (Preference)' رقوم برائے قرضہ (Loanable Fund) کے نظریات قابل ذکر ہیں۔

مگر اسلام میں سودی کاروبار مطلقاً ممنوع ہے اس لئے سود کی شرح صفر گردانی جاتی ہے۔ بنابریں سرمایہ کا معاوضہ منافع قرار پائے گا یا نقصان ہوگا۔

ربا (سود) کی حرمت:

سرمایہ دارانہ نظام میں تجارت اور ربا کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔سرمایہ دار کے نزدیک اقتصادی سرگرمیوں کے لیے ربا ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اسلام جس طرح کا عادلانہ اور منصفانہ معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے وہ ربا کی موجودگی میں ممکن نہیں، خواہ وہ ذاتی قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی قرضوں پر۔ کیونکہ ربا سے جو ذہنیت پرورش پاتی ہے وہ قدم بہ قدم اسلام سے ٹکراتی ہے۔ یہ معاشرے کے مختلف طبقات میں عداوت کا باعث بنتا ہے۔غریبوں پر صریح ظلم اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کی قبیح ترین شکل ہے۔ اس لیے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے مرتکب کے ساتھ اعلان جنگ فرمایا ہے، لہٰذا لین دین کی ہر وہ صورت ناجائز ہے جس میں ربا کا عنصر پایا جائے۔

ذیل میں ربا کے متعلق قرآن کی بعض آیات اور نبی ﷺ کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآئَهٗ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِى الصَّدَقٰتِ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾ (البقرہ:276-275)

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ یوں کھڑے ہوں گے جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ اس کی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ تجارت بھی تو آخر سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام، اب جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ سود سے رک جائے تو پہلے جو سود کھا چکا اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے مگر جو پھر بھی سود کھائے تو یہی لوگ دوزخی ہیں، جس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کی پرورش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے بندے کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران:130)

''اے ایمان والو! سود کو دگنا چوگنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم آخرت میں نجات پا سکو۔''

[اجتنبوا السبع الموبقات قالوا يا رسول الله وما هن قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي هرم الله الا بالحق وأكل الربوا وأكل مال اليتيم والتولي يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات](۱)

''سات مہلک گناہوں سے بچو صحابہؓ نے پوچھا اللہ کے نبی ﷺ وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، جادو کرنا، جس نفس کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ دکھا کر بھاگنا، پاک دامن اور بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔''

[قال رسول الله ﷺ درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من سته و ثلاثين زنية](۲)

''زبا کا ایک درہم جو انسان علم ہونے کے باوجود کھاتا ہے ۳۶ (چھتیس) زناؤں سے زیادہ سخت ہے۔''

[الربا ثلاثة و سبعون بابا، أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه](۳)

''سود کے ستر دروازے ہیں سب سے ہلکا یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔''

اس لیے نبی ﷺ نے اس میں ملوث تمام لوگوں کو لعنتی قرار دیا ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔

[لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا و مؤكله وكاتبه و شاهديه وقال هم سواء](۴)

''نبی کریم ﷺ نے سود کھانے، سود کھلانے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ سب گناہوں میں برابر کے شریک ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سود کی حرمت پر اجماع ہے:

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

[كل قرض شرط فيه ان يزيده فهو حرام بغير خلاف](۵)

''ہر وہ قرض جس میں اضافے کی شرط ہو وہ بلا اختلاف حرام ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

[وقد اتفق العلماء على ان المقرض متى اشترط زيادة على قرضه كان ذلك حرام](۶)

''سب علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرض دینے والا جب اپنے قرض پر اضافے کی شرط لگائے تو یہ حرام ہوگا۔''

علامہ ماوردیؒ لکھتے ہیں:

[اجمع المسلمون على تحريم الربا و على انه من الكبائر](۷)

''سود کی حرمت اور اس کے کبیرہ گناہ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔''

ربا ایک وسیع الذیل موضوع ہے۔ یہاں اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ممکن نہیں اس لیے ہم صرف اس کی تعریف اور قسمیں ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

رِبا کا معنی و مفہوم:

عربی لغت میں ربا کا معنی ہے:

[الفضل ، الزيادة ، النماء]

''زائد، زیادتی اور نمو۔''

اصطلاح میں رِبا کا لفظ دو معنوں کے لیے آتا ہے:

۱۔ قرض یا دَین (Debt) کی اصل رقم پر جو زائد رقم بطور شرط یا معاہدہ لی جائے یا ایک جنس کی دو چیزوں کا اس طرح تبادلہ کیا جائے کہ دونوں یا ایک طرف سے ادھار ہو۔ اس کو ربا النسیئہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ ایک طرح کی دو چیزوں کا کمی بیشی سے تبادلہ یہ ربا الفضل کہلاتا ہے۔

علامہ ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز المترکؒ لکھتے ہیں:

[وهناك من العلماء من يرى ان الربا اسم يقع على كل البيوع المرحة](۸)

''بعض علماء کے خیال میں خرید و فروخت کی تمام حرام شکلوں پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے۔''

قرآن کی روشنی میں ربا الفضل کا حکم:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

[فانه يتناول كل ما نهى عنه من ربا النساء و ربا الفضل والقرض الذى يجر منفعة و غير ذلك]

''ربا کا لفظ بالنسیئہ، ربا الفضل اور جو قرض نفع کا باعث بنے سب کو شامل ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث میں ربا الفضل کا حکم:

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا:

[ینهی عن بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح الا سواء بسواء عینا بعین فمن زاد أو ازداد فقد أربی فرد الناس ما أخذوا](۹)

''آپ ﷺ سونے کی سونے کے ساتھ، چاندی کی چاندی کے ساتھ گندم کی گندم کے ساتھ جو کی جو کے ساتھ کھجور کی کھجور کے ساتھ اور نمک کی نمک کے ساتھ بیع سے منع فرماتے تھے الا یہ کہ برابر برابر اور نقد ہوں جو زیادہ لے یا زیادہ دے وہ ربا کا مرتکب ہوا تو لوگوں نے جو لیا تھا وہ لوٹا دیا۔''

ظاہر ہے ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب ان کی جنس ایک ہونے کے باوجود کوالٹی میں فرق ہو اس صورت میں اسلام نے ہمارے سامنے دو ہی راستے رکھے ہیں۔

۱۔ جو کم تر چیز کے بدلے اعلیٰ یا اعلیٰ کے بدلے کم تر لینا چاہتا ہے وہ پہلے اس چیز کو بازار میں فروخت کرے اس کے بعد اپنی مطلوبہ چیز خریدے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

''نبی ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر میں عامل مقرر کیا وہ آپ ﷺ کے پاس بہترین کھجوریں لے کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اس قسم کی ہیں؟ اس نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ واللہ ایسی نہیں ہیں ہم دو صاع کے بدلے اس کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے اس کے دو صاع وصول کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو ان ہلکی کھجوروں کو نقد درہموں سے بیچو پھر ان درہموں سے اعلیٰ کھجوریں خریدو اور یہی ہدایت وزن کی جانے والی اشیاء کے متعلق فرمائی۔''(۱۰)

۲۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اشیاء کے مابین خاصیت کے فرق (Quality) کو نظر انداز کر دیا جائے۔

ربا الفضل کیوں حرام ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوالٹی میں فرق کی بنیاد پر کمی بیشی کے ساتھ تبادلے میں بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آتی کیونکہ اعلیٰ درجے اور کم تر درجے کی چیز برابر نہیں پھر شریعت نے اسے کیوں حرام قرار دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے انسان میں سود خوری کی ذہنیت پرورش پانے کا اندیشہ تھا۔ دین اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس برائی تک پہنچنے کے تمام راستے اور ذرائع بھی بند کر دیتا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی یہ حکمت خود ہی بیان فرما دی ہے۔

[لا تبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرهم بالدرهمین ولا الصاع بالصاعین فانی أخاف علیکم الرماء والرماء هو الربا](۱۱)

''ایک درہم کو دو درہم اور ایک صاع کو دو صاع کے عوض نہ بیچو کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم سود خوری میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو چیزوں میں تبادلہ کی ممنوعہ صورتیں:

واضح رہے تمام غلہ جات جیسے گندم، چاول اور مکئی اس لحاظ سے ایک جنس ہیں کہ ان کو کھایا جاتا ہے مگر یہ اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے الگ الگ قسمیں ہیں۔ اس لحاظ سے دو چیزوں کے تبادلہ میں جائز اور ممنوعہ صورتیں حسب ذیل ہونگی:

۱۔ دونوں کی جنس اور قسم ایک ہو۔ جیسے گندم کا گندم سے اور چاول کا چاول سے تبادلہ۔

۲۔ جنس اور قسم دونوں مختلف ہوں۔ جیسے گندم کا سونے سے تبادلہ۔

۳۔ جنس ایک مگر قسم مختلف ہو۔ مثلاً گندم کا مکئی سے یا ڈالر کا روپے سے تبادلہ۔

پہلی صورت میں کمی بیشی بھی منع ہے اور ادھار بھی۔ کیونکہ ایک قسم کی دو چیزوں میں حقیقی مساوات کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں کی ادائیگی کا وقت بھی ایک ہو۔

دوسری صورت میں کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔

تیسری صورت میں کمی بیشی جائز ہے مگر ادھار درست نہیں۔ کیونکہ ادھار کی اجازت سے سود کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً اسی روپے دیکر سو دو صول کرنا سود ہے اب ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اسی دیکر چھ ماہ بعد سو وصول کرے تو وہ یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ ضرورتمند کو اسی روپے دینے کی بجائے چھ مہینے کے لیے ایک ڈالر سو روپے میں بیچ دے۔ یوں ادھار کی اجازت کو سود حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتا۔ اس لیے اسلام نے ادھار کی اجازت نہیں دی۔ دونوں جانب سے نقد ہونے کی صورت میں یہ خطرہ نہیں ہے اس لیے نقد ایک ڈالر جتنے کا چاہیں بیچیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ربا الفضل کا دائرہ:

جن احادیث میں ربا الفضل کی ممانعت بیان ہوئی ہے ان میں صرف چھ مخصوص چیزوں کا ذکر ہے۔

(۱) سونا (۲) چاندی (۳) گندم

(۴) جو (۵) کھجور (۶) نمک

بعض روایات میں خشک انگور (منقی) کا ذکر بھی ہے کیا یہ ممانعت صرف انہی چیزوں کے ساتھ کاص ہے یا ان کے علاوہ باقی اشیاء بھی اس میں شامل ہیں؟ اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔

ہماری رائے میں سونے، چاندی میں علت قیمت ہے اور باقی چیزوں میں قابل غذا و ذخیرہ ہونا۔ جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں ایک قسم کی دو چیزوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہوگا البتہ حدیث میں جانوروں کے متعلق رخصت آئی ہے کہ ایک جانور کی جگہ دو لینا درست ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ اگر ہم طلائی زیور کے قیمت سونے کی صورت میں ادا کرنا چاہیں تب بھی زیور کے وزن سے زائد سونا دینا جائز نہ ہوگا لہٰذا یا تو زیور کا تبادلہ ہم وزن سونے سے ہی کریں گے یا اس کی قیمت کرنسی نوٹوں میں ادا کی جائے گی۔

کیا ربا کی حقیقت واضح نہیں؟

بعض حلقوں کی جانب سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث میں ربا کی جامع تعریف بیان نہیں ہوئی اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے کسی چیز کو ربا قرار دینا ہماری صواب دید پر منحصر ہے ان حضرات کی طرف سے حضرت عمرؓ کے اس فرمان کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے:

[ان اخر ما نزلت اية الربا وان رسول الله ﷺ قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربا والريبة](۱۲)

''سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ ربا کی آیت ہے اللہ کے نبی ﷺ فوت ہو گئے اور اس کی تفسیر بیان نہ کر سکے لہٰذا تم ربا بھی اور شک والی چیزیں بھی چھوڑ دو۔''

لیکن درج ذیل وجوہ کے باعث ان حضرات کا استدلال انتہائی کمزور ہے۔

۱۔ قرآن کا اسلوب عام فنی کتب سے بالکل مختلف اس میں کسی چیز کی بھی فقہی اور قانونی تعریف بیان نہیں ہوئی، قرآن نے زنا کو قبیح ترین جرم قرار دیا ہے، شراب اور جوئے کو بھی حرام قرار دیا ہے لیکن ان میں سے کسی کی بھی تعریف بیان نہیں فرمائی، کیا اس استدلال کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ قرآن نے ان گناہوں کی تشریح نہیں کی، لہٰذا ان کا مفہوم متعین کرنا ہماری صواب دید پر منحصر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن میں ان گناہوں کی تعریف اس لیے بیان نہیں ہوئی کہ یہ سب چیزیں اتنی واضح تھیں کہ بطور خاص ان کی تعریف کی ضرورت ہی نہ تھی، قرآن کے مخاطبین ان کی حقیقت سے پوری طرح واقف تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ربا کے مرتکب لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ نے مبہم غیر متعین عمل جس کی حقیقت ہی معلوم نہ ہو کے ارتکاب پر اعلان جنگ فرما دیا ہو؟

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ:286)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

۳۔ حضرت عمرؓ کے فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ربا کی حرمت آپ کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی تھی۔ حالانکہ اس کی حرمت تو اس سے کافی عرصہ پہلے نازل ہو چکی تھی، غالباً غزوہ احد کے فوراً بعد:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران:130)

''اے ایمان والو! سود کو دگنا چوگنا کر کے مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم آخرت میں نجات پا سکو۔''

اس آیت میں صریح ربا کی ممانعت کا حکم ہے یہ آیت غزوہ احد کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی بلکہ بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ربا غزوہ احد سے پہلے ہی ممنوع قرار دیا جا چکا تھا۔ مثلاً حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ:

[قدم النبي ﷺ ونحن نتبايع هذا البيع ، فقال ما كان يدا بيد فليس به بأس ، وما كان نسيئة فلا يصلح](۱۳)

''نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور ہم یہ بیع کرتے تھے (ایک مخصوص بیع کی طرف اشارہ ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو نقد بہ نقد ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو ادھار ہو وہ درست نہیں۔''

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہے کہ عمرو بن اقیشؓ کا زمانہ جاہلیت میں کسی کے ذمہ سود تھا انہوں نے اس کے وصول کرنے تک اسلام قبول کرنے کو نا مناسب سمجھا، وہ جنگ احد کے دن آئے اور پوچھا میرے چچازاد کہاں ہیں؟ جواب ملا: جنگ احد میں، پوچھا فلاں کہاں ہے؟ جواب دیا گیا: احد میں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے پوچھا فلاں کہاں ہے؟ کہاں گیا: احد میں انہوں نے اسلحہ پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب مسلمانوں نے انہیں دیکھا تو کہنے لگے: اے عمرو! دور ہو جاؤ، اس پر انہوں نے کہا: میں اسلام لا چکا ہوں۔''

۴۔ حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے ربا کا جواز ثابت کرنا ان کے فرمان مقصود کے صریح خلاف ہے کیونکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ صرف واضح ربا ہی سے نہ بچو بلکہ ہر اس معاملے سے بچو جس میں ربا کا شائبہ بھی پایا جائے اس سے ربا کا جواز نکلنا انتہائی درجے کی نادانی ہے۔

صحیح، سنن ابی داؤد، نسائی، ترمذی اور موطا میں حرمت ربا کے متعلق حضرت عمرؓ سے مروی بعض روایات ملاحظہ فرمائیں:

[الذهب بالذهب ربا الا هاء وهاء والبر بالبر ربا الا هاء وهاء والتمر بالتمر ربا الا هاء وهاء والشعير بالشعير ربا الا هاء وهاء](۱۴)

''سونا سونے کے عوض، گندم گندم کے بدلے، کھجور کھجور کے اور جو جو کے بدلے سود ہے سوائے اس کے کہ برابر برابر اور نقد لین دین ہو۔''

''مالک بن اوس بن حدثان نصری سے روایت ہے کہ انہوں نے سود دینار بھنانا چاہے کہتے ہیں مجھے طلحہ بن عبید اللہ نے بلایا، ہم متفق ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے مجھ سے بیع صرف کر لی اور وہ دینار پکڑ کر اپنے ہاتھ میں اچھالنے لگے، پھر کہا غابہ سے میرے خزانچی کے آنے تک انتظار کرو۔ اور عمر بن خطابؓ یہ بات سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا جب تک اس سے وصول نہ کر لو اس سے جدا نہ ہونا، پھر عمرؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے سونا چاندی کے بدلے سود ہے مگر یہ کہ نقد بنقد ہو، گندم گندم کے بدلے سود ہے مگر یہ کہ برابر اور نقد ہو۔ کھجور کھجور کے بدلے سود ہے مگر یہ کہ برابر اور نقد ہو، جو، جو کے بدلے سود ہے الا کہ برابر اور نقد ہوں۔''(۱۵)

ان دونوں روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو ربا کی حرمت اور حقیقت کے متعلق کوئی اشتباہ نہ تھا۔ ان کا اصل شبہہ یہ تھا کہ آیا اس کا دائرہ صرف انہی چیزوں تک محدود ہے جن کا حدیث میں ذکر ہے یا ان کے علاوہ دوسری چیزیں بھی اس میں شامل ہیں؟ اس کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

[ثلاث و ددت أن رسول الله ﷺ لم يفارقنا حتى يعهد الينا عهدا الجد والكلالة وأبواب من أبواب الربا](۱۶)

''تین چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میری خواہش تھی کہ نبی ﷺ ان کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہم سے جدا نہ ہوتے۔ (۱) دادا کی وراثت کا مسئلہ (۲) کلالہ کی وراثت کا مسئلہ (۳) ربا کے بعض مسائل۔''

یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جس طرح سودی لین دین کی قدیم شکلیں حرام ہیں اس طرح اس کے جدید صورتیں بھی حرام ہے۔ لہٰذا ہر قسم کے انعامی بانڈز، ڈیفنس سرٹیفکیٹس، سیونگ سرٹیفکیٹس، پاکستان انویسٹمنٹ بانڈز اور کمرشل انشورنس کی تمام قسمیں ناجائز ہیں کیونکہ یہ سودی لین دین کے زمرے میں داخل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سود کے فوائد (Merits of Interest):

اگر چہ سود ایک ضروری برائی (Necessary Evil) ہے تاہم اس کے مثبت پہلو بھی ہیں جن کے باعث اس کا وجود قائم ہے۔ ماہرین معاشیات اس کی حمایت میں جو دلالت کرتے ہیں اور جو اس کے ثمرات گنوائے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

1- کسی ملک یا قوم کی معیشت کا سہارا سود کو گردانا جاتا ہے کیونکہ تمام قسموں کے کاروبار سرمایہ کے ساتھ سرانجام پاتے ہیں اور اس مقصد کے لئے سرمایہ جمع کیا جاتا ہے جسے بعد میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سرمایہ کا اکٹھا کرنا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک اجتماع سرمایہ نہیں ہو گا یا سرمایہ اندوزی (Capital Formation) نہیں ہو گی کاروبار نہیں چلایا جاسکتا۔ گویا سرمایہ سازی کے بغیر ممکن نہیں کہ لوگ اپنی خواہشات وضروریات پر پابندیاں عائد کریں اور اپنی آمدنی میں سے کچھ حصہ پس انداز کرلیں۔ لہٰذا فاضل آمدنی کو محفوظ کرنے کا طریقہ سود کے لالچ کے موجب ہوگا اس لئے سود ضروری ہے۔

2- بچت کردہ سرمایہ کاروباری لوگوں کے حوالے کیا جاتا ہے جو تجارت اور دیگر کاروبار میں لگا کر ملکی پیداوار اور ملی دولت میں اضافہ کرتے ہیں۔ سود کے بند کر دینے سے نہ صرف روپیہ جمع کرنے کا ایک محرک غائب ہو جائے گا بلکہ جو تھوڑا بہت سرمایہ جمع ہوگا' وہ بھی کاروبار میں صرف ہونے کے بعد میسر نہ ہو سکے گا۔

3- سود سرمایہ کے غیر مفید استعمال کو روکتا ہے اور شرح سود وہ چیز ہے جو بہترین طریقہ سے خود بخود اس امر کا انتظام کرتی رہتی ہے کہ سرمایہ زیادہ بارآور سکیموں اور منصوبوں پر لگایا جائے تاکہ نفع زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔

4- قرض انسانی زندگی کی ناگزیر ضروریات میں سے ایک ہے۔ افراد کو اپنے ذاتی معاملات کی خاطر اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کاروباری لوگوں کو بھی اس کی حاجت رہتی ہے اور حکومتوں کا کاروبار بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ بہت سے غریب ملک ترقی یافتہ ممالک سے بھاری قرضے سود پر حاصل کر سکتے ہیں۔ اتنا کثیر زر بغیر سود کے حاصل کرنا ممکن نہیں۔ سود کے نہ رہنے سے قرضوں کی بہم رسانی رک جانے سے معیشت پر بہت برے اثرات پڑیں گے بلکہ ترقی رک جانے کا احتمال پیدا ہو جائے گا۔

5- سود کی بندش سے بنکوں کے وسیع کاروبار کے شدید متاثر ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ موجودہ دور میں بنکوں کے بغیر گزارہ کرنا دشوار اور مشکل ہے۔

سود کے فوائد کی حقیقت:

سود کو ایک معقول چیز قرار دینے کے لئے جو دلائل کافی سمجھ لئے جاتے ہیں' ذرا گہرائی میں جاتے ہی ان کی کمزوری کھلنی شروع ہو جاتی ہے:

سود کے حق میں جو پہلی دلیل دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس خطرے کا معاوضہ ہے جو دائن نے اپنا مال دوسرے کے حوالے کر کے برداشت کیا اور اس امر کا معاملہ بھی ہے کہ دائن نے اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت خود استعمال کرنے کی بجائے دوسروں کو دے دی۔ جب مدیون اس کی دی ہوئی دولت سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو آخر دائن اس فائدے میں کیوں نہ حصہ پائے۔ اس توجیہہ کا یہ حصہ بالکل درست ہے کہ قرض دینے والا اپنا مال دوسرے کے حوالے کرنے میں خطرہ بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مول لیتا ہے اور ایثار بھی کرتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ وہ خطرے اور ایثار کی قیمت پانچ یا دس فیصدی سالانہ یا ششماہی کے حساب سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ خطرے کی بنیاد پر جو معقول حقوق اسے پہنچے ہیں' وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں کہ وہ مدیون کی کوئی چیز رہن رکھ لے یا اس کی کسی چیز کی کفالت پر قرض دے اگر وہ معاوضے کی بات کرتا ہے تو پھر ایثار کا ذکر نہ کرے بلکہ سیدھی طرح سوداگری کرے۔ ایثار تو اسی وقت تک ایثار ہے جب تک کہ وہ کاروبار نہ ہو۔ آدمی کو ایثار کرنا ہو تو پھر ایثار ہی کرے۔

دوسری دلیل جو اس کے بارے میں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ''یہ موقع و مہلت کا معاوضہ'' ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پاس یہ حساب لگانے کا کیا ذریعہ ہے کہ وقت جس کے دوران میں وہ مدیون کو اپنے روپے کے استعمال کی مہلت دے رہا ہے۔ لازماً ہر مہینے اور ہر سال اتنا نفع لاتا رہے گا۔ لہٰذا ماہوار یا سالانہ قیمت یہ قرار پانی چاہئے۔ ان سوالات کا کوئی معقول جواب حامیان سود کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے بات پھر وہیں آ جاتی ہے۔ کاروباری معاملات میں اگر کوئی چیز معقول ہے تو وہ صرف نفع نقصان کی شرکت اور متناسب حصہ داری نہ کہ سود جو کہ ایک متعین شرح کے ساتھ عائد کر دیا جائے۔

ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سود دائن کا ''نفع آوری'' میں حصہ ہے۔ اول تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ سرمائے میں نفع آوری نام کی کوئی صفت پائی جاتی ہے۔ یہ صفت تو اس میں صرف اس وقت پائی جاتی ہے جب یہ کسی کام میں لگایا جائے۔ دائن نفع اس صورت میں تو مانگ سکتا ہے جب مدیون اس سے نافع کام لے رہا ہے۔ مگر جو شخص بیماری میں علاج پر' کسی تجہیز و تکفین کے لئے قرض لے رہا ہے تو پھر اس کے پاس یہ سرمایہ کوئی معاشی قدر پیدا نہیں کرتا جس میں حصہ بانٹنے کا حق دائن کو پہنچتا ہو۔ پھر جو سرمایہ نفع آور کاموں میں لگایا جاتا ہے وہ بھی لازماً زیادہ قیمت ہی پیدا نہیں کرتا۔ بعض اوقات کاروبار میں زیادہ سرمایہ لگا دینے سے نفع بڑھنے کی بجائے گھٹ جاتا ہے۔ الٹے نقصان کی نوبت آ جاتی ہے اور اگر سرمائے میں نفع آوری کی کوئی صفت ہے بھی تو اس کا وجود میں آنا بہت سی دوسری چیزوں پر بھی منحصر ہے۔ مثلاً محنت' ذہانت' تجربہ کاری اور ایسے ہی دوسرے امور نفع بخشی کی لازمی شرائط ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو بسا اوقات سرمائے کی ساری نفع بخشی ختم ہو جاتی ہے بلکہ نقصان میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

سود کے حامیان کا خیال ہے کہ معاشی زندگی کے لئے افراد کی کفایت شعاری اور زر اندوزی کو مفید اور ضروری چیز سمجھا جاتا ہے حالانکہ ساری معاشی ترقی و خوشحالی اس پر منحصر ہے کہ جتنا سامان پیدا کیا جائے جو جلد از جلد فروخت ہو جائے۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب لوگ اس بات کے عادی ہوں کہ جتنی دولت کمائیں اسے صرف کرتے رہیں۔ حامیان سود کے نزدیک کفایت شعاری کا فائدہ یہ ہوگا کہ سرمایہ اکٹھا ہو کر ترقی کے لئے بہم پہنچ سکے گا۔ لیکن درحقیقت اس کا نقصان یہ ہوگا کہ اس وقت جو مال موجود ہے اس کا بڑا حصہ بیکار پڑا رہ جائے گا۔ مال کی کھپت کم ہونے سے روزگار میں کمی ہو جائے گی۔ اس سے آمدنیوں میں کمی ہوگی اور پھر اموال تجارت کی کھپت میں مزید کمی رونما ہوتی چلی جائے گی۔

سود کا ایک فائدہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کے دباؤ کی وجہ سے کاروباری آدمی مجبور ہوتا ہے کہ سرمائے کے فضول استعمال سے محفوظ رہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش طریقے سے استعمال کرے لیکن دراصل سود نے پہلی خدمت تو یہ انجام دی کہ فائدے اور منفعیت کی تمام دوسری تعبیریں اس کے فیض سے متروک ہو گئیں اور ان الفاظ کا صرف ایک ہی مفہوم باقی رہ گیا یعنی ''مالی فائدہ'' اور ''مادی منفعت'' پہلے سرمایہ ان راستوں پر بھی چلایا جایا کرتا تھا جن میں مالی فائدے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سوا کسی اور قسم کا فائدہ ہوتا تھا مگر اب وہ سیدھا ان راستوں کا رخ کرتا ہے جدھر مالی فائدے کا تعین ہوتا ہے۔

بلاشبہ قرض انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سود کے بغیر قرض کی بہم رسانی غیر ممکن ہے۔ دراصل یہ صورت حال کہ افراد سے لے کر قوم و ملک تک کسی کو بھی ایک پیسہ بلاسود قرض نہیں ملتا اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کیونکہ سود کو قانوناً جائز کر رکھا ہے۔ اگر اسے حرام کر دیا جائے اور معیشت کے ساتھ اخلاق کا بھی وہ نظام اختیار کیا جائے جو اسلام نے تجویز کیا ہے تو پھر شخصی حاجات اور کاروبار اور اجتماعی ضروریات ہر چیز کے لئے بلاسود قرض ملنا شروع ہو جائے گا۔

سود کے نقصانات (Disadvantages):

روشن پہلو دیکھنے کے بعد اب تاریک پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی بڑی بڑی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں:

1- اخلاقی و روحانی نقصانات (Moral & Spiritual Demerits):

اخلاق اور روح ہی انسانیت کا جوہر عظیم ہے۔ اگر کوئی چیز اسے زیاں کاری سے ہمکنار کرے تو وہ قابل ترک ہے اور اس کا استعمال شجر ممنوعہ کے مترادف ہے۔ اس سے بخل، خود غرضی، سنگدلی، تنگ نظری اور زر پرستی جیسی بری عادات پروان چڑھتی ہیں۔ اس کے برعکس محامد بشری، فیاضی، ہمدردی، فراخدلی، عالی ظرفی اور خیر اندیشی سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ جب ایسی صفات عالیہ موجود نہ ہوں تو معاشرہ عدم اطمینانی اور اضطراب کا شکار بن جاتا ہے۔

2- تمدنی اور اجتماعی نقصانات (Cultural & Collective):

جس معاشرے میں خود غرضی، حرص و آز جیسی بیماریاں جنم لیں ایک دوسرے سے ہمدردی و موانست کا جذبہ موجود نہ ہو بغیر ذاتی فائدے کے ایک دوسرے کی حاجت برآری نہ کی جائے تو ایسی سوسائٹی مستحکم و مضبوط نہیں ہو سکتی۔ سارا معاشرہ ایک دوسرے سے باہم برسر پیکار رہے گا۔ اس طرح تہذیب و تمدن کو اجتماعی طور پہ نقصان پہنچے گا۔ لوگ محرومی اور حرماں نصیبی کا ہدف بنیں گے۔ گویا اس طرح ایک قوم دوسری قوم اور ایک ملک دوسرے ملک کے ساتھ اخلاص اور خیر خواہی سے پیش نہیں آئے گا۔

چرچل جیسے امریکہ پسند شخص کو مجبوراً کہنا پڑا: ''یہ بنیئے پن کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہوا ہے، مجھے اس کی گہرائی میں بڑے خطرات نظر آتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کا ہمارے باہمی تعلقات پر بہت بُرا اثر پڑا ہے۔''

اسی طرح ڈاکٹر ڈالٹن نے کہا: ''بھاری بوجھ لادے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں۔ ساری ان قربانیوں اور جفاکشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے۔ جو ہم نے مشترکہ مقصد کے لئے برداشت کیں اس نرالے ستم ظریفانہ انعام پر آئندہ زمانے کے مؤرخین ہی کچھ بہتر رائے زنی کر سکیں گے..... ہم نے درخواست گزاری تھی کہ قرض حسنہ دیا جائے مگر جواب میں کہا گیا یہ عملی سیاست نہیں ہے۔''

3- معاشی نقصانات (Economic Disadvantages):

اس کا تعلق زندگی کے ان معاملات سے ہے جو کسی نہ کسی طور پر قرض کا لین دین سے ہوتا ہے۔ قرض عموماً تین قسم کے ہوتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(الف) حاجت مند لوگ اپنی ضروریات کے لئے لیتے ہیں۔

(ب) تجار، صناع اور لینڈ لارڈ لیتے ہیں۔

(ج) حکومتیں اندرون ملک اور بیرون ملک سے قرض لیتی ہیں۔

-4 حاجت مند لوگ سود خور افراد سے یا بنکوں سے قرض لیتے ہیں۔ یہ ایک عالم گیر مسئلہ ہے اس میں بہت زیادہ شرح سود رائج ہے۔ پرانے وقتوں میں مختلف شرح ہوتی تھی۔ چونکہ قرض لینے کا کوئی منظم ادارہ نہیں ہوتا تھا۔ اس بھاری شرح سود سے نجات پانا مشکل ہے۔ امریکہ میں مہاجنوں کے لئے 30 سے 60 فیصد سالانہ قانوناً مقرر ہے۔ انگلستان کا عام کاروبار 250 تا 400 فیصد سالانہ تک چلتا ہے۔ اس خطہ ارضی میں بھی 300 تا 350 فیصد سالانہ تک مثالیں پائی گئی ہیں۔ البتہ اب سرکاری ادارہ 8 فیصد تا 12 فیصد سالانہ تک قرضے فراہم کر دیتے ہیں۔ اس بلائے مہلک میں غریب اور متوسط الحال طبقوں کی اکثریت بری طرح پھنسی ہوئی ہے اور بھاری شرح سود کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقروض اس سے جان بمشکل چھڑا سکتا ہے۔

-5 اس طرح غریب طبقہ کی قوت خریداری بھی سود خوار چھین لیتا ہے۔ اشیاء کی خرید و فروخت کم ہوتی ہے گویا معیشت کی ترقی کو دھچکا لگتا ہے۔

-6 جب شرح سود اور سود کو قانونی تحفظ حاصل ہو تو سرمایہ دار کاروبار کرنے کی بجائے قرض دے دیتے ہیں۔ چونکہ انہیں بیٹھے بٹھائے بغیر محنت کے مفت آمدنی ہو جاتی ہے۔ سوسائٹی کے معاشی عمل میں ایک غیر فطری عامل گھس جاتا ہے جو تمام عاملین پیدائش کے برعکس اس پورے عمل کی بھلائی برائی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ کیونکہ اسے ہر حال میں سود مل جائے گا۔ کاروباری شخص کو چاہے نفع ہو یا نقصان ہو۔

-7 سرمائے کا ایک معتد بہ حصہ بسا اوقات محض شرح سود چڑھنے کے انتظار میں رکا رہتا ہے اور کسی مفید کام میں صرف نہیں ہو سکتا۔ باوجودیکہ قابل استعمال وسائل بھی موجود ہوتے ہیں۔ روزگار کے طالب بھی اکثر مارے مارے پھرتے ہیں مگر نوکری دستیاب نہیں ہوتی۔ منڈیوں میں حقیقی طلب کے مطابق مال کی کھپت نہیں ہوتی۔

-8 شرح سود کے لالچ کے موجب سرمایہ دار طبقہ سرمائے کے بہاؤ کو اپنی ذاتی اغراض اور مفاد کی خاطر کھولتا اور روکتا رہتا ہے۔

-9 تجارت و صنعت کا نظام ایک ہموار طریقہ سے چلنے کی بجائے تجارتی چکر کا شکار ہو جاتا ہے۔ کساد بازاری کا دور دورہ ہوتا ہے۔

-10 سرمایہ مصالح عامہ کی بجائے دیگر کاموں پر صرف ہوتا ہے اس طرح ترقیاتی امور رک جاتے ہیں کیونکہ ان کی طرف کم توجہ ہوتی ہے۔

-11 سرمایہ دار طویل مدت کے لئے قرض دینے سے اجتناب کرتے ہیں اس لئے اہل صنعت و حرفت بھی اپنے سارے کاروبار میں تنگ نظری و کم حوصلگی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

-12 لمبی مدت کے قرضوں کے لئے ایک خاص شرح سود ابتداء میں مقرر کر دی جاتی ہے۔ اسے باقاعدہ اقساط ادا کرنی پڑتی ہیں۔ اگر قیمتیں گر جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس فرد کو اقساط ادا کرنے کی خاطر زیادہ مال بیچنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر گرانی ہو جائے تو سود خوار کو خسارہ ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿وَ مَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۟ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ (الروم:39)

''اور جو سود تم نے دیا ہے تا کہ لوگوں کے اموال بڑھیں تو اللہ کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا۔''

ان آیات سے صاف عیاں ہے کہ اصل رقم پر جو زیادتی بھی ہوگی وہ ''ربوٰ'' کہلائے گی۔ مگر قرآن کریم نے ہر زیادتی کو حرام نہیں کیا ہے۔ زیادتی تجارت میں بھی ہوتی ہے۔ حرام ہونے والی زیادتی ایک خاص قسم کی ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ:275)

''سود خواروں کا یہ حشر اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا بیع بھی ''الربوٰ'' کے مانند ہے۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا۔''

یہ ایک خاص قسم کی بڑھوتری کا نام تھا لہٰذا اسے حرام کر دیا گیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ (العمران:130)

''اے ایمان والو! سود مت کھاؤ دونے پر دونا اور اللہ سے ڈرو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔''

زمانہ جاہلیت کا ربوٰ:

عربوں کے ہاں اسلام سے قبل ''الربوٰ'' کا اطلاق جس طرز و معاملہ پر ہوتا تھا۔ اس کی متعدد صورتیں روایات میں آئی ہیں جو اس طرح ہیں:

مجاہد کہتے ہیں:

''جاہلیت کا ربوٰ یہ تھا کہ ایک شخص کسی سے قرض لیتا اور کہتا کہ اگر مجھے اتنی مہلت دے تو میں اتنا زیادہ دوں گا۔'' (۱۷)

ابوبکر جصاص کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت ایک دوسرے سے قرض لیتے تو باہم یہ طے ہو جاتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل راس المال سے زیادہ ادا کی جائے گی۔ (۱۸)

قتادہؒ کہتے ہیں:

''جاہلیت کا ربوٰ یہ تھا کہ ایک شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لئے ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا۔ اگر وہ مدت گزر جاتی اور وہ قیمت ادا نہ ہوتی تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا''۔

امام رازیؒ کی تحقیق میں اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک شخص کو معین مدت کے لئے روپیہ دیتے اور اس سے ماہ بماہ ایک مقررہ رقم سود کے طور پر وصول کرتے رہتے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی تو مدیون سے راس المال کا مطالبہ کیا جاتا اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو پھر ایک مزید مدت کے لئے مہلت دی جاتی اور سود میں اضافہ کر دیا جاتا۔ کاروبار کی یہ صورتیں عرب میں رائج تھیں۔ (۱۹)

انہی کو اہل عرب ''الربوٰ'' کہتے اور وہ چیز تھی جس کی تحریم کا حکم کتاب الٰہی میں نازل ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿وَ مَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۟ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ﴾ (الروم:39)

''اور جو سود تم نے دیا ہے تا کہ لوگوں کے اموال بڑھیں تو اللہ کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا۔''

ان آیات سے صاف عیاں ہے کہ اصل رقم پر جو زیادتی بھی ہوگی وہ ''ربوا'' کہلائے گی۔ مگر قرآن کریم نے ہر زیادتی کو حرام نہیں کیا ہے۔ زیادتی تجارت میں بھی ہوتی ہے۔ حرام ہونے والی زیادتی ایک خاص قسم کی ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ:275)

''سود خواروں کا یہ حشر اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا بیع بھی ''الربوٰ'' کے مانند ہے۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھہرایا۔''

یہ ایک خاص قسم کی بڑھوتری کا نام تھا لہٰذا اسے حرام کر دیا گیا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ (العمران:130)

''اے ایمان والو! سود مت کھاؤ دونے پر دونا اور اللہ سے ڈرو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔''

زمانہ جاہلیت کا ربوا:

عربوں کے ہاں اسلام سے قبل ''الربوا'' کا اطلاق جس طرز و معاملہ پر ہوتا تھا۔ اس کی متعدد صورتیں روایات میں آئی ہیں جو اس طرح ہیں:

مجاہد کہتے ہیں:

''جاہلیت کا ربوا یہ تھا کہ ایک شخص کسی سے قرض لیتا اور کہتا کہ اگر مجھے اتنی مہلت دے تو میں اتنا زیادہ دوں گا۔'' (۱۷)

ابوبکر جصاص کی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت ایک دوسرے سے قرض لیتے تو باہم یہ طے ہو جاتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل راس المال سے زیادہ ادا کی جائے گی۔ (۱۸)

قتادہؒ کہتے ہیں:

''جاہلیت کا ربوا یہ تھا کہ ایک شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لئے ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا۔ اگر وہ مدت گزر جاتی اور وہ قیمت ادا نہ ہوتی تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا''۔

امام رازیؒ کی تحقیق میں اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک شخص کو معین مدت کے لئے روپیہ دیتے اور اس سے ماہ بماہ ایک مقررہ رقم سود کے طور پر وصول کرتے رہتے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی تو مدیون سے راس المال کا مطالبہ کیا جاتا اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو پھر ایک مزید مدت کے لئے مہلت دی جاتی اور سود میں اضافہ کر دیا جاتا۔ کاروبار کی یہ صورتیں عرب میں رائج تھیں۔ (۱۹)

انہی کو اہل عرب ''الربوا'' کہتے اور وہ چیز تھی جس کی تحریم کا حکم کتاب الٰہی میں نازل ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیع اور ربوا میں فرق:

ان دونوں میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ بائع ایک شے کو فروخت کے لئے پیش کرتا ہے۔ مشتری اور بائع کے درمیان اس شے کی ایک قیمت مقرر ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ربوٰ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کو اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ اتنی مدت کے بعد اصل رقم سے اتنی زیادہ لوں گا۔ یہاں مہلت کے مقابلے میں وہ زائد رقم ہے جو پہلے ہی مقرر کر لی جاتی ہے۔ پس سود راس المال پر مدت کے مقابلہ میں شرط اور تعین کے ساتھ قرض میں دی ہوئی زائد رقم کا نام ہے اس کے لئے تین شرطیں قرار پائیں:

(الف) اصل رقم پر اضافہ (ب) مدت مقررہ (ج) معاملہ میں مشروط ہونا

فرق کی وجوہات یہ ہیں:

(a) بیع میں مشتری (خرید کنندہ) اور بائع (فروخت کنندہ) کے درمیان منافع کا مبادلہ برابری کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ مشتری خرید شدہ چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے اور بائع اپنی محنت و ذہانت اور وقت کی اُجرت لیتا ہے۔ اس کے برعکس سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقرر مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہے مگر سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے، نفع یقینی نہیں ہے۔

(b) بیع و شراء میں بائع و مشتری سے خواہ کتنا ہی زیادہ نفع حاصل کرے، وہ صرف ایک بار لیتا ہے مگر سود کے معاملہ میں رقم دینے والا مسلسل اپنے مال پر نفع حاصل کرتا رہتا ہے اور رفتار وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

(c) بیع میں قیمت مقرر ہو جانے پر معاملہ ختم ہو جاتا ہے مگر سود کے معاملہ میں مدیون رقم صرف کر لیتا ہے اور پھر اسے اصل رقم کے ساتھ بمع سود واپس کرنی پڑتی ہے۔

(d) انسان زراعت تجارت وغیرہ میں محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر سود میں مال دے کر دوسروں کی کمائی میں حصہ دار بن جاتا ہے۔

معیشت کو اس وقت تک مضبوط بنیادوں پر استوار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کا بنکاری نظام صحیح اور مضبوط و مستحکم نہ ہو۔ کیونکہ اس کے وجود سے بیشتر سہولیات حاصل ہو گئی ہیں۔ رقموں کا آلہ مبادلہ و ادائیگی کا انتظام امانتوں کی محافظت، بیرونی ممالک کی وصولیاں اور ادائیگیاں، قرضوں کا اجراء، قیمتی اشیاء زیورات دستاویزات وغیرہ کی حفاظت، اعتماد نامے، سفری اور گشتی چیک، ڈرافٹ جاری کرنا، کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت کا بندوبست، ہنڈیوں پہ بٹہ لگانا، ایجنسی کی خدمات، سرمایہ کاری اور دیگر متعدد وکیلانہ خدمات انجام دینا۔ یہ خدمات عموماً معاوضہ یا کمیشن کے عوض بینکار انجام دیتے ہیں۔ ایک مستحکم مالی نظام اور زری سسٹم کے لئے بنکوں کا وجود ضروری ہے۔

سود سے نجات پانے کے لئے اقدامات (Steps):

اسلامی نقطۂ نگاہ سے سودی کاروبار کی ممانعت ہے بلکہ سود کا لین دین ناجائز اور حرام ہے۔ البتہ دوسری خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ نہایت کارآمد ہیں۔ بنکوں کی بدولت بازار زر ترقی کرتا ہے۔ لوگوں میں کفایت شعاری اور بچت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ سود کی لعنت سے نجات پانے کے لئے حسب ذیل اقدامات اور تجاویز پر عمل کیا جا سکتا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

1- قرض حسن:

جمع شدہ سرمایہ کو قرض حسنہ تصور کیا جائے اور کاروبار میں استعمال کیا جائے۔

2- بندش (Stoppage):

سود کو قانوناً بند کر دیا جائے اور ایسا مذموم کام کرنے والا مستوجب سنگین سزا ہو اور کسی صورت میں اسے نہ چھوڑا جائے۔ جن لوگوں کے ذمہ سود ہے اسے فوراً معاف کر دیا جائے اور صرف اصل زر ہی واپس لیا جائے۔

3- سرکاری تحویل:

تمام اسلامی ممالک بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیں جیسا کہ پاکستان میں کیا گیا ہے۔ بنکوں کے مالکوں کو اقساط کی صورت میں معاوضہ ادا کر دیا جائے۔ بینکاری کاروبار محنت اور سرمایہ کی شراکت کے طور پہ چلایا جائے۔ یا جمع شدہ امانتوں (Deposits) کو قرض حسنہ سمجھ کر کاروبار کیا جائے۔

4- شراکت:

بنک نجی ملکیت میں ہی رہیں مگر سودی کاروبار بند کر دیں۔ جمع شدہ رقوم شراکت کے اصول پہ استعمال کی جائیں اور افراد نفع و نقصان میں شامل ہوں۔

5- مضاربت:

ایس۔ اے ارشاد نے اپنے مقالہ ''سود سے آزاد اسلامی معاشرہ کے لئے معاشی نظام'' میں تاثرات یوں بیان کئے ہیں:

''بلاسود اقتصادی نظام قائم کرنے کے لئے مضاربت کے اصول پہ مبنی ادارے تشکیل دیئے جائیں۔ محنت اور سرمایہ کو یکجا کر دیا جائے۔ سرمایہ اور محنت فراہم کرنے والے یکساں طور پر نفع اور نقصان میں شریک ہوں۔ یہ بنی نوع انسان کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اگر سرمایہ اور محنت کو مضاربت کے اصول پہ مرتبط کر دیا جائے اس طریقہ سے محنت اور سرمایہ اکٹھے ہو کر دلی طور پر کام کر سکتے ہیں۔ مزید برآں مزدوروں کی ہڑتال اندرون ملک اور اقتصادی سرد جنگ کے ختم ہو جانے کے باعث عالمی سطح پر بہتر گفتگو ہو سکتی ہے۔

اس اُصول سے زراعت، صنعت اور کاروبار کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ سرمایہ کی نقل پذیری اور محنت کے استعمال کے لئے یہ ایک اچھا ذریعہ ہوگا۔ ملک میں روزگار فراہم کرنے اور غربت و افلاس کے خاتمہ کے لئے یہ ایک مفید طریقہ ثابت ہو سکتا ہے۔

6- اُصول کمپنی:

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے اپنی کتاب ''بغیر سود کے بنکاری'' (Banking With Out Interest) میں اس طرح بحث کی ہے:

''بنک کی تشکیل جائنٹ سٹاک کمپنیوں کے اصول پہ کی جائے گی۔ کچھ لوگ شیئر کیپٹل (Share Capital) فراہم کریں گے۔ شراکت یا مضاربت کی بنیاد پہ مشترکہ سرمایہ کاری کی جائے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جو افراد سرمایہ مہیا کریں گے انہیں شیئر ہولڈرز کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ ان کی کم از کم تعداد دو ہوگی مگر اصولاً کوئی تعداد مقرر نہیں کی گئی۔ تاہم کم از کم اور زیادہ سے زیادہ تعداد پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ مقام اور وقت کے لحاظ سے تفاوت ہوگا۔ ہر حصہ دار کی رقم یکساں یا کم و بیش ہو سکتی ہے۔ ہر حصہ دار چند حصص خریدنے کا پابند کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کم از کم اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ کی حد بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ آخر کار ہر حصہ دار اپنے اثاثوں Asset کی پوزیشن کے مطابق بنک کا مالک ہوگا۔"

7- تجارت خارجہ:

جہاں تک بین الاقوامی تجارت کا تعلق ہے اگر اندرون ملک سود کو خارج کر دیا جائے تو بہت سے دولت مند مسلم ممالک مل جائیں گے جو کہ اس کار خیر میں ہاتھ بٹائیں گے۔ بارٹر سسٹم کے مطابق تجارت کی جا سکتی ہے۔ جس میں اشیاء کا اشیاء سے مبادلہ ہوگا۔ بیرونی قرضہ جات نفع اندوز سرمایہ کاری میں حصہ دار ہونے کی بنیاد پہ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

مسلمانوں نے جدہ میں اسلامی ترقیاتی بنک قائم کر دیا ہے۔ یہ ایک خوش آئند اور نیک فال ہے۔ یہ بغیر سود کے چلایا جائے گا اور اگر خلوص نیت سے فرائض سرانجام دے تو غیر ملکی تجارت اور دوسرے عالمی لین دین اس کے توسط سے پورے ہو سکتے ہیں۔ پھر نئے عالمی نظام کی ضرورت نہیں رہے گی۔

8- معاوضہ:

بنک مختلف فرائض سرانجام دینے کے صلہ کے طور پر کھاتہ داروں سے قلیل معاوضہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ بڑی ادائیگیاں کرنے کی خاطر چیک یا ڈرافٹ ضروری قرار دے سکتا ہے۔ اسی طرح قیمتی اشیاء کی حفاظت پر بھی معاوضہ وصول کیا جا سکتا ہے جیسا کہ آج کل لاکرز پر ہوتا ہے۔

9- امانتیں:

میعادی امانتیں (Term Deposits) بچت امانتیں سودے مبرا کر دی جائیں یعنی انہیں سود ادا نہ کی جائے۔ بلکہ ان کا سرمایہ مختلف ترقیاتی امور پہ صرف کر دیا جائے اور ہر حصہ کے بعد نفع دیا جائے۔

10- کھاتہ کھولنا (Opening Account):

تمام گزیٹیڈ سرکاری ملازمین کے لئے بنک میں کھاتہ کھولنا ضروری کر دیا جائے۔ ان کی تنخواہ متعلقہ کھاتہ میں جمع ہوتی رہے اور وہ حسب ضرورت رقم چیک کے ذریعے ڈرا کر سکیں۔ اس پر انہیں کوئی سود نہ دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ چیک پر ایکسائز ڈیوٹی عائد ہونے سے حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی رہے گی۔

11- فراہمی مالیات:

جہاں تک بغیر سود کے سرمایہ کی دستیابی کا سوال ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مشترکہ سرمایہ دار اور کمپنیوں کے لئے لاکھوں اور کروڑوں روپے آج بھی بغیر سود کے لالچ کے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت اصل نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سرمایہ حاصل کرنے والوں کا شریک کار بن جاتا ہے تاکہ دونوں نفع و نقصان میں شامل ہوں۔ اسلامی معیشت نے آجر اور سرمایہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دار کو برقرار رکھا ہے۔ البتہ سرمایہ دار یا بینکار یا جسے سود پر لین دین کرنے والے کو ساہوکار کہتے ہیں' معاشرے سے نکال دیا ہے اور اس طرح ہر قسم کے کاروبار کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔ گو اس طرح ایسے کاروبار کی رفتار ابتداء میں دھیمی رہنے کا خدشہ ہے مگر بعد میں تیز' متعین' مستقل' پائیدار اور شاندار ہو جاتی ہے۔ تجارتی چکر اور معاشی بحران سے کاروبار محفوظ رہ سکتا ہے۔

مندرجہ بالا طریقوں پر عمل کرنے سے فوری طور پہ سرمایہ داروں کی طرف سے خصوصاً اور عوام کی جانب سے عموماً منفی اثرات کا اظہار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کو بغیر محنت کے سود کی لت پڑ چکی ہے اور معاشرہ اس کا عادی مجرم بن چکا ہے۔ مگر جب ان کی توجہ قرآنی احکامات' نبویؐ ارشادات اور شریعی فرمودات کی طرف مبذول کرائی جائے گی۔ سود کے مضر نتائج سے آگاہ کیا جائے گا اور سود سے آزاد قرضوں کے حصول سے روشناس کرایا جائے گا تو یقیناً اطمینان ہوگا۔ آخرت میں اللہ اور رسول اکرمؐ سے سرخرو ہونے کا جذبہ و احساس انہیں سودی کاروبار سے باز رکھے گا۔

12- ریاستی بنک (State Bank):

مرکزی بنک کے اختیارات میں اضافہ کر دیا جائے اور وہ سارے بنکوں پر مکمل کنٹرول کرے۔ یہ ایک تحقیقی شعبہ قائم کرے جس میں ایسے ماہرین کا تقرر کیا جائے جو اسلامی اور جدید علوم میں دسترس رکھتے ہوں وہ بنک کو ایسی تجاویز' سفارشات تیار کر کے دیں جن پر بغیر سود کے سرمایہ صرف کر دیا جائے تاکہ نفع حاصل ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفتی محمد شفیع کے ربا کے متعلق سوالوں کے جوابات

حال ہی میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ربا کے متعلق چند سوالات کئے تو مفتی محمد شفیعؒ نے ان کے جواب یوں دیئے۔

سوال ا۔ (الف) قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ تخصیصاً کیا رہا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دوگنا اور سہ گنا (اضعافا مضاعفہ) کر دیتا ہے یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور مرکب شامل ہے؟

جواب:ا۔ (الف) قرآن کریم نے جس ''ربا'' کو حرام قرار دیا ہے اس کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا اشتباہ نہیں۔ قرآن کریم، سنت نبویہ، آثار صحابہ اور اجماع امت نے قرض پر طے کر کے لی جانے والی ہر زیادتی کو ''ربا'' قرار دیا ہے خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ اس سلسلہ میں دلائل کی تفصیل پیش کی جائے تو ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے اور بہت سے حضرات نے اس پر مبسوط مقالات اور کتابیں لکھی ہیں۔ احقر نے بھی اپنے ایک رسالے ''مسئلہ سود'' میں اس حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ یہ رسالہ سوالنامہ کے جواب کے ساتھ منسلک ہے، تاکہ تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ تاہم یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ مناسب ہوگا۔

(ا) قرآن کریم نے ''ربا'' کی حرمت کے تفصیلی احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرہ:278)

''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو، اور ربوا کی جو کچھ رقم باقی ہو اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔''

اس میں ''مابقی من الربوا'' (ربا کی جو کچھ رقم باقی ہو) کے الفاظ عام اور سود کی ہر مقدار کو شامل ہیں، آگے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہے **وان تبتم فلكم رء وس اموالكم لا تظلمون و لا تظلمون** اور اگر تم (ربا سے) توبہ کر دو تو تمہارے رأس المال تمہیں مل جاویں گے۔ (اس طرح) نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ تم پر کسی طرف سے ظلم ہو گا۔ اس آیت نے واضح طور سے بتا دیا ہے کہ ''ربا'' سے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ راس المال (اصل زر) کے سوا کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے۔ اور لاتظلمون ولاتظلمون سے اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ اصل رقم پر ہر اضافہ خواہ کتنا کم کیوں نہ ہو، ظلم میں داخل ہے۔ رہا قرآن کریم کا ارشاد کہ **لا تاكلو الربوا اضعا فامضاعفة** (سود کو چند در چند کر کے مت کھاؤ۔ ۳۔ ۱۳۰) سو اس میں ''چند در چند'' کا لفظ حرمت سود کی قانونی شرط نہیں ہے، بلکہ اس جرم کی صرف ایک قبیح ترین صورت پر تنبیہ ہے، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ارشاد ہے۔

﴿لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (البقرہ:41)

''یعنی میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت نہ کرو۔''

ظاہر ہے کہ یہاں ''تھوڑی سی قیمت'' ممانعت کی قانونی شرط نہیں ہے چنانچہ کوئی معقول آدمی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ آیات الٰہی کو بڑی قیمت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ اس کے بجائے یہ الفاظ محض جرم کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ ''اضعافا مضاعفۃ'' کا ہے کہ جرم کی شناعت بیان کرنے کے لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک خاص صورت ذکر کردی گئی ہے ورنہ اگر یہ قانونی شرط ہوتی تو سورۂ بقرہ کی آیت میں یہ نہ کہا جاتا کہ ربا سے توبہ کی صورت میں صرف راس المال قرض خواہ کو ملے گا، اور ساری رقم اسے چھوڑنی ہوگی۔

(۲) سرکار دو عالم ﷺ نے بھی بار بار یہ حقیقت واضح فرمائی کہ اصل رقم پر لیا جانے والا ہر اضافہ ''ربا'' اور حرام ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ امام شافعی اور امام ابن ابی حاتم'' آپ کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں۔

[الا ان کل رباً کان فی الجاهلية موضوع عنكم كله ، لكم رء وس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون ، واول ربا موضوع ربا العباس بن عبد المطلب كله](۲۰)

''یعنی سنو کہ ہر وہ ربوا جو جاہلیت میں واجب تھا تم سے پورا ختم کر دیا گیا۔ تمہارے لئے قرض کی صرف اصل رقم ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور سب سے پہلے جو ربا ختم کیا گیا وہ عباس ابن مطلب کا ربا ہے جو پورا ختم کر دیا گیا۔''

نیز آپ نے ربا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[كل قرض جر منفعة فهو ربا](۲۱)

''ہر وہ قرض جو کوئی نفع کھینچ لائے، ربا ہے۔''

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر حسن لغیرہ ہے۔(۲۲)

چنانچہ صحابہ و تابعین بھی ''ربا'' کا مطلب سمجھتے تھے کہ قرض پر طے کر کے لیا جانے والا ہر اضافہ ''ربا'' ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ حضرت فضالۃ بن عبید مشہور صحابی ہیں، وہ ربا کی یہ تعریف کرتے ہیں:

[كل قرض جرمنفعة فهو وجه من وجوه الربا](۲۳)

''اور امام بخاری نے کتاب الاستقراض۔

[باب اذا اقرضه الى اجل مسمى]

''میں حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول تعلیقاً نقل کیا ہے کہ

[قال ابن عمر فى القرض الى اجل لا باس به و ان اعطى افضل من دراهمه ما لم يشترط](۲۴)

معین مدت کے لئے قرض دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ قرض دار اس کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کرے بشرطیکہ (یہ بہتر دراہم ادا کرنا) قرض کے معاہدے میں طے نہ کیا گیا ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاہدہ میں یہ طے کر لیا جائے کہ قرض کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کئے جائیں گے تو وہ ربا میں داخل ہو کر حرام ہوگا۔

نیز حضرت ابو بردۃ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے مجھے نصیحت کی کہ تم ایک ایسی سرزمین میں آباد ہو جہاں ربا بہت عام ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص پر تمہارا قرض واجب ہوا اور وہ تمہیں بھوسے، جو یا چارے کا بوجھ ہدیۃً دینا چاہے تو تم اسے قبول نہ کرو۔ کیونکہ وہ ربا ہے۔(۲۵)

اور حضرت قتادہ بن دعامۃ الدوسی آیت ﴿وان تبتم فلكم رؤس اموالكم﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

[ما كان لهم من دين فجعل لهم ان ياخذوا رء وس اموالهم ولا يزدادوا عليه شيئا](۲۶)

''جس شخص کا کچھ قرض دوسرے پر ہو۔ اس کے لئے قرآن نے اصل رقم لینے کی اجازت دی لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر ذرا بھی اضافہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔''

(۴) علماء لغت نے بھی ''ربا'' کی یہی تشریح کی ہے، چنانچہ لغت عرب کے مشہور امام زجاج ربا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں!

[کل قرض یوخذبه اکثر منه](۲۷)

''یعنی ہر وہ قرض جس کے ذریعہ اس سے زیادہ رقم وصول کی جائے۔''

نیز لسان العرب وغیرہ میں بھی ربا کی یہی تعریف نقل کی گئی ہے۔

چنانچہ امت کے تمام علماء وفقہاء بلا اختلاف ''ربا'' کی یہی تعریف کرتے آئے ہیں۔ امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اہل جاہلیت کے ربا کی قانونی اور جامع ومانع تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

[هو القرض المشروط فيه الاجل و زيادة مال على المستقرض](۲۸)

''قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت ادائیگی اور قرض دار پر مال کی کوئی زیادتی طے کر لی گئی ہو۔''

مذکورہ بالا تصریحات نے ''ربا'' کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا ابہام واجمال باقی نہیں چھوڑا، اور ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرض کے معاملہ میں قرض دار کے مہ اصل پر جو اضافہ بھی معاہدے میں طے کر کے لیا اور دیا جائے وہ ''ربا''، اس میں کم یا زیادہ، یا مفرد ومرکب کی کوئی تخصیص نہیں ہے، یہی قرآن وسنت کا حکم ہے، یہی اجماع امت کا فیصلہ ہے، اور اسلامی شریعت میں اس کے سوا کسی نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(ب) کیا ظہور اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیش نظر ''ربا'' کی نئی تشریح کی جاسکتی ہے؟

اس کا مختصر جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔ جس چیز کی تشریح خود قرآن وحدیث نے کر دی ہو، جس پر فقہاء صحابہ وتابعین متفق رہے ہوں، اور جس پر امت کا اجماع متفق ہو چکا ہو اس کی ''نئی تشریح'' درحقیقت آن وسنت کی تحریف کا نام ہے اور ایسی نئی تشریحات کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کا کوئی حکم صحیح وسالم باقی نہ رہے۔ اگر محض زمانے کے عام چلن سے متاثر ہو کر ''ربا'' کی کوئی ایسی نئی ''تشریح'' کی جاسکتی ہے جو قرآن وسنت اور اجماع کے صریح ارشادات کے خلاف ہو تو ''خمر''، ''زنا'' یہاں تک کہ ''کفر'' و ''شرک'' کی نئی تشریح بھی ممکن ہوگی پھر اسلام کا کون سا حکم تحریف وترمیم کی دست برد سے محفوظ رہ سکتا ہے؟

شریعت کے جو احکام زمانے کی تبدیلی سے متاثر ہونے والے تھے، ان کے بارے میں خود قرآن وسنت نے صریح اور تفصیلی احکام دینے کے بجائے کچھ اصول بتا دیئے ہیں جن کی روشنی میں شریعت کے اصولوں کے تحت احکام مستنبط کئے جاسکیں، لہٰذا جہاں قرآن وسنت کے احکام منصوص اور واضح ہیں اور ان میں آئندہ کسی تبدیلی کی نشاندہی نہیں کی گئی، ان پر قیام قیامت تک جوں کا توں عمل ضروری ہے۔ اگر زمانے کی تبدیلی سے واقعتہً ''ربا'' کے حکم میں کوئی تبدیلی ہونی تھی تو اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم ''ربا'' کی شناعت بیان کرنے کے لئے پورے دو رکوع نازل کرتا ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیتا ہے، سرور کونین ﷺ اس پر شدید ترین وعیدیں بیان فرماتے ہیں، لیکن قرآن وسنت میں کسی جگہ اس بات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ یہ حکم کسی زمانے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس کے بجائے آئندہ زمانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں آں حضرت ﷺ کا جو ارشاد کتب حدیث میں ملتا ہے وہ تو یہ ہے:

[لیأتین علی الناس زمان لا یبقی منهم احد الا أکل الرباء فمن لم یأکله اصابه من غباره](۲۹)

''یعنی لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان میں کوئی شخص ایسا نہ بچے گا جس نے سود نہ کھایا ہو، اور جس شخص نے واقعی سود نہ کھایا ہوگا، اس کو سود کا غبار تو ضرور ہی پہنچے گا۔''

نیز یہ ارشاد ہے کہ

[بین یدی الساعة یظهر الربا و الزنا و الخمر](۳۰)

''قیامت کے قریب سود، زنا اور شراب کی کثرت ہو جائے گی۔''

ان احادیث میں آپ ﷺ صراحۃً بتلا رہے ہیں کہ آئندہ ایک زمانہ ایسا آجائے گا جب سود یا اس کے غبار سے بچنا مشکل ہوگا، اس کے باوجود آپ اس سود کو ''ربا'' ہی قرار دیتے ہیں، اور کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ایسا نہیں دیتے کہ اس دور میں ربا کی ''نئی تشریح'' کر کے اسے حلال کر لینا چاہئے۔ پھر حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق آج ربا کی کثرت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، لیکن جس ربا کی کثرت ہے وہ تجارتی سود ہے کیونکہ مہاجنی سود کی تو ایسی زیادتی نہ ہوتی ہے نہ آئندہ بظاہر امکان ہے کہ اس سے کوئی انسان خالی نہ رہے یہ بنکوں ہی کا سود ہے جس کے اثرات ہر کس و ناکس پہنچتے ہیں۔ اس سے مزید یہ معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے اس میں تجارتی اور مہاجنی ہر طرح کے سود شامل ہیں۔

سوال نمبر۲: ''کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق

(۱) وہ مسلم ریاستوں کے درمیان یا (۲) ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟

جواب: جہاں تک وہ مسلم ریاستوں کا تعلق ہے ان کے درمیان سود کے لین دین کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف رہا ہے کہ کسی غیر مسلم ریاست سے سود لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن اس کی وجہ سود کا جواز نہیں، بلکہ یہ ہے کہ دار الحرب میں رہنے والے کافروں کا مال ان کی رضامندی سے وصول کر کے اس پر قبضہ کر لینا ان فقہاء کے نزدیک جائز ہے، دار الحرب کے کفار وہ مال خواہ کوئی نام رکھ کر دیں، ان فقہاء کے مسلک کے مطابق مسلمان اسے بحیثیت سود نہیں بلکہ اس حیثیت سے وصول کر سکتے ہیں کہ وہ ایک حربی کا مال مباح ہے، لہٰذا اضطراری حالات میں اس نقطۂ نظر کو اختیار کر لینے کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر۳: حکومت قومی ضروریات کے لئے جو قرضے جاری کرتی ہے کیا ان پر لاگو ہونے والا سود ربا کے ذیل میں آتا ہے؟

جواب: بلاشبہ ربا کے ذیل میں آتا ہے، کیونکہ ''ربا'' جس طرح انفرادی طور پر مسلمان کے لئے حرام ہے اسی طرح حکومت کے لئے حرام ہے۔

سوال نمبر۴: کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بنکاری ممکن ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کن مقروضات کے مطابق''؟

جواب: غیر سودی نظام بنکاری بلاشبہ ممکن ہے۔ اس کی تفصیلات تو اس مختصر سوالنامے کے جواب میں نہیں سما سکتیں، لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے: اس پر عمل کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس نظام کی مکمل تفصیلات مدون کرنے کے لئے صاحب بصیرت فقہاء اور ماہرین معاشیات و بنکاری کی ایک مجلس اسی غرض کے لئے بنائی جائے جو زبا کی حلت و حرمت کی بحث میں وقت ضائع کرنے کے بجائے مثبت طور پر غیر سودی نظام بنکاری کی تفصیلات مرتب کرے۔ خاکہ درج ذیل ہے:

اسلامی احکام کے مطابق بنکاری ''ربا'' کے بجائے ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کے اصولوں پر استوار کی جائے گی جس پر عمل مندرجہ ذیل طریقے سے ہوگا۔

عوام جو رقمیں بنک میں رکھوائیں گے وہ دو قسم پر مشتمل ہوں گی۔ عن الطلب قرضے (Current Account) اور دوسرے مدمضاربت (Fixed Deposit) سیونگ اکاؤنٹ پہلی قسم میں شامل ہو جائے گا۔

عند المطلب قرضوں میں تمام رقوم بنک کے پاس فقہی نقطۂ نظر سے قرض ہوں گی۔ کھاتہ دار ہر وقت بزریعہ چیک ان کی واپسی کا مطالبہ کر سکے گا، اور ان پر منافع کھاتہ دار کو نہیں دیا جائے گا۔ جب کہ موجودہ نظام میں بھی اس مد پر کوئی سود نہیں دیا جاتا۔ البتہ مجاربت کے کھاتہ دار معین مدت کے لئے جو تین ماہ سے ایک سال تل ہو سکتی ہے رقم رکھوائیں گے اور اس رقم سے بنک (اس طریقے کے مطابق جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) جو منافع حاصل کرے گا اس میں متناسب طور پر (Proportinately) شریک ہوں گے۔ یعنی ان کی رقم کل لگے ہوئے سرمایہ (Invested Money) کا جتنا فی صد حصہ ہے، بنک کے کل منافع میں سے اتنا ہی فی صد حصہ انہیں ملے گا۔

عند الطلب قرضوں اور مضاربت کھاتہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقوم میں سے بنک ایک حصہ مد محفوظ (Reserve) کے طور پر رکھ کر باقی سرمایہ کاروباری افراد کو شرکت یا مضاربت کے اصول پر دے گا۔ کاروباری افراد اس سرمایہ کو صنعت یا تجارت میں لگا کر جو نفع حاصل کریں گے اس کا ایک طے شدہ فی صد حصہ بنک کو اصل رقم کے ساتھ ادا کریں گے۔ اور بنک یہ نفع اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں کے درمیان طے شدہ متناسب حصوں کی صورت میں تقسیم کرے گا۔

مذکورہ طریق کے علاوہ غیر سودی نظام میں بنک اپنے وہ تمام وظائف بھی جاری رکھے گا جو وہ اجرت پر انجام دیتا ہے، مثلاً لاکرز، ٹریولز چیک، بنک ڈرافٹ، اور لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنا بیع وشرا کی دلالی، کاروباری مشورے دینا وغیرہ ان تمام خدمات کو بدستور جاری رکھ کر ان پر اجرت وصول کی جا سکے گی۔

یہ غیر سودی بنکاری کے لئے انتہائی مجمل اشارات ہیں۔ اس موضوع پر مفصل کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں اس نظام کی جزوی تفصیلات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ ذاتی طور پر متعدد ماہرین بنکاری سے مشوروں کے دوران انہوں نے اس طریق کار کو بالکلیہ قابل عمل قرار دیا ہے اور اس پر عمل کرنے کے لئے صحیح طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ خاص اس غرض کے لئے ماہرین کی ایک مجلس بنا دی جائے جو غور وخوض کے بعد اس نظام کی عملی تفصیلات مرتب کرے۔

سوال نمبر ۵: کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بنکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بنکاری میں کوئی امتیاز کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اسلامی احکام کے اعتبار سے نجی بنکوں اور سرکاری بنکوں میں کوئی فرق نہیں جن خدمات کی اجرت لینا نجی بنکوں کے لئے جائز ہے ان کی اجرت سرکاری بنکوں کے لئے بھی جائز ہے۔ اور سود کے معاملات نہ نجی بنکوں کے لئے جائز ہے نہ سرکاری بنکوں کے لئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سوال نمبر ۶: کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیر نگرانی چلنے والے بنکاری کے کسی ادارے کو نامعلوم مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں تو اسلام کی رو سے ایسے ادارے کی کیا حقیقت ہوگی؟

جواب: جو بنک حکومت نے قائم کئے ہوں وہ حکومت کی ملکیت ہیں۔ لہٰذا انہیں مجہول المالک اموال میں داخل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ۷: (الف) آیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایہ کو عامل پیداوار قرار دے جاسکتا ہے۔ اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جاسکتا ہے؟

(ب) اگر جواب اثبات میں ہے تو آیا اسلام منافع کی تقسیم میں سرمایہ کا کوئی حصہ مقرر کرتا ہے؟

جواب: یہ ایک نظریاتی بحث ہے جسے صراحۃً قرآن وسنت میں نہیں چھیڑا گیا، البتہ اس سلسلہ میں قرآن وسنت کے احکام سے جو صحیح پوزیشن سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ''سرمایہ'' کو عامل پیداوار شمار کیا گیا ہے، البتہ جس چیز کو آج کل علم معاشیات میں سرمایہ یا اصل (Capital) کہا جاتا اور جس کی تعریف پیدا شدہ ذریعہ پیدائش سے کی جاتی ہے۔ وہ اسلامی شریعت کے اعتبار سے دو قسموں پر منقسم ہے۔

(۱) اور سرمایہ جس کا عمل پیداوار میں استعمال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسے خرچ نہ کیا جائے جیسے روپیہ اور اشیاء خوردنی۔

(۲) وہ وسائل پیداوار جن کا عمل پیدائش میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کی اصل شکل وصورت برقرار رہتی ہے مثلاً مشینری۔

تقسیم دولت میں ان دو قسموں میں سے پہلی قسم کا حصہ منافع (Prof it) ہے نہ کہ سود اور دوسری قسم کا حصہ زمین کی طرح اجرت یا کرایہ ہے۔ (Reant)

یہاں مختصراً اتنا اشارہ کافی ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور اس کی فنی تفصیلات احقر کے مقالے ''اسلام کا نظام تقسیم دولت'' میں موجود ہیں۔ جو ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۸: (الف) کیا آپ کے خیال میں موجودہ اقتصادی حالات میں بنکاری کی سہولتوں سے استفادہ کئے بغیر یا ایسی سہولتوں کے عوض سود یا بنکاری کے اخراجات ادا کئے بغیر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو مؤثر طریقہ سے چلانا ممکن ہے؟

(ب) اگر مندرجہ بالا سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا آپ اسلامی احکام سے ہم آہنگ کوئی متبادل تجویز کرسکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں۔ ممکن ہے۔ یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ بنک اپنی جن خدمات پر اجرت وصول کرتا ہے مثلاً لاکرز، لیٹرز آف کریڈٹ، بنک ڈرافٹ۔ بیع وشرا کی دلالی وغیرہ، ان کی اجرت لینا جائز ہے۔ البتہ سود کا کاروبار ناجائز ہے، اور اس کی متبادل صورت سوال نمبر ۴ کے جواب میں آچکی ہے۔

سوال نمبر ۹: کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جاسکتا ہے؟

جواب: جی ہاں۔ اور اس کے صحیح اسلامی صورت یہ ہے کہ:

(۱) بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مضاربت کے شرعی اصول کے مطابق تجارت میں لگایا جائے اور معین سود کے بجائے اسی طریقے پر تجارتی نفع تقسیم کیا جائے جس کا ذکر غیر سودی بنکاری کے ذیل میں آیا ہے۔

(۲) بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا کاروبار بنانے کے لئے بیمہ پالیسی لینے والے اپنی رضامندی سے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاہدے کے پابند ہوں کہ اس کا کاروبار کے منافع کا ایک متعدبہ حصہ نصف یا تہائی یا چوتھائی ایک ریزرو فنڈ کی صورت میں محفوظ رکھ کر اسے وقف قرار دیں گے، اور اسے حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اصول وقواعد کے ماتحت خرچ کیا جائے گا۔

(۳) بصورت حوادث یہ امداد صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہوگی جو اس معاہدے کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اوقاف میں ایسی تخصیصات شرعاً عاجز ہیں وقف علی الاولاد اس کی نظیر موجود ہے۔

(۴) اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی الا یہ کہ کاروبار میں خسارہ ہو اور وہی اس کی ملک سمجھی جائے گی۔ امداد باہمی کا ریزرو فنڈ وقف ہوگا۔ جس کا فائدہ وقوع حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا۔ اور اپنے وقف سے خود کوئی فائدہ اٹھانا اصول وقف کے منافی نہیں جیسے کوئی رفاہ عام کے لئے ہسپتال وقف کردے پھر بوقت ضرورت اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے یا قبرستان وقف کردے پھر خود اس کی اور اس کے اقربا کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

(۵) حوادث پر امداد کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں جو صورتیں عام طور پر حوادث کہی اور سمجھی جاتی ہیں ان میں پسماندگان کی امداد کے لئے معتدبہ رقم مقرر کی جائے۔ اور جو صورتیں عادتاً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتیں جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جائے۔ اس کے لئے یہ کیا جاسکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد کے لئے ساٹھ سال کو عمر طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں کچھ مختصر امداد دی جائے متوسط تندرستی کو جانچنے کے لئے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جاسکتا ہے اور بیمار یا کمزور آدمی کے لئے اسی پیمانہ سے عمر طبعی کا ایک اندازہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔

(۶) کوئی شخص چند قسطیں جمع کرنے کے بعد سلسلہ بند کردے تو اس کی رقم ضبط کر لینا جیسا کہ آج کل معمول ہے ظلم صریح اور حرام ہے۔ البتہ کمپنی کو ایسے غیر محتاط لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لئے معاہدے کی ایک شرط یہ رکھی جاسکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی۔ اور ایسے شخص کے لئے تجارتی نفع کی شرط بھی کم رکھی جاسکتی ہے۔ یہ سب امور متحاکمہ کمیٹی کی صوابدید سے طے ہو سکتے ہیں۔ ان کا اثر معاملہ کے جواز یا عدم جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری واجمالی خاکہ ہے۔ اگر کوئی جماعت اس کام کے لئے تیار ہو تو اس پر مزید غور وفکر کر کے اسے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصان سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جاسکتی ہیں۔ اور سال دو سال تجربہ کر کے ان میں بھی شرعی قواعد کے تحت تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بنکنگ اور انشورنس کا مروجہ نظام بھی تو راتوں رات وجود میں نہیں آ گیا، بلکہ اس پر غور وفکر اور تجربات میں ایک عرصہ لگا ہے اگر صحیح جذبہ کے ساتھ مذکورہ بالا طریقے کا تجربہ کیا جائے اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں غیر سودی بنکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آسکا ہے۔

سوال نمبر ۱۰: (۱) پراویڈنٹ فنڈ اور سونگز بنک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: جہاں تک سیونگز اکاؤنٹ کا تعلق ہے اس پر دیا جانے والا نفع بلاشبہ ربا ہے کیونکہ وہ ربا کی اس تعریف میں داخل ہے جس کی تشریح سوال نمبر ا کے جواب میں کی گئی ہے۔ رہا پراویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ سو اس کا بھی صاف اور بے غبار طریقہ تو یہی ہے کہ اس فنڈ کو بھی شرکت یا مضاربت کے اصول پر تجارت میں لگایا جائے اور اس سے جو تجارتی نفع حاصل ہو وہ فنڈ کے حصہ داران میں ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے لیکن آج کل جو طریقہ مروجہ ہے کہ محکمہ اس فنڈ کو تجارت وغیرہ میں لگا کر حصہ داروں کو سود کے نام سے کچھ معین رقوم دیتا ہے ملازمین کے لئے ان کے لینے کی گنجائش ہے۔ اس لئے کہ فقہی اعتبار سے وہ ربوا کی تعریف میں نہیں آتی وجہ یہ ہے کہ تنخواہ کا جو حصہ ملازم کو وصول نہیں ہوا وہ ابھی اس کی ملک میں نہیں آیا بلکہ بدستور محکمہ ہی کی ملک میں ہے۔ اب محکمہ یا گورنمنٹ نے جو زیادتی پراویڈنٹ فنڈ کی رقم سے تجارت وغیرہ کے ذریعہ حاصل کی وہ زیادتی ملازم کی حقیقی ملک سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ نہیں، بلکہ اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ ہے۔ اب اگر محکمہ اپنی ملک سے ملازم کو کوئی حصہ دیتا ہے تو وہ شرعاً سود نہیں بلکہ تبرع ابتدائی یعنی انعام ہے اس لئے ملازم کے لئے اسے وصول کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل احقر کے ایک رسالہ ''پراویڈنٹ فنڈ'' میں موجود ہے جس کی دوسرے حضرات علماء نے بھی تصدیق فرمائی ہے۔ یہ رسالہ جواب کے ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۱۱: (الف) ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنا پڑتی ہے اور جو بعد میں اس کے اسی فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے کیا آپ اسے ربا کہیں گے؟

جواب: پراویڈنٹ فنڈ کے معاملہ کی جو تشریح سوال نمبر ۱۲ کے جواب میں کی گئی ہے اس کی روشنی میں شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ نہ قرض ہے نہ سودی معاملہ۔ قرض تو اس لئے نہیں کہ ملازم کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اور جس کے مطالبے کا اسے حق تھا اس نے اسی کا ایک حصہ وصول کیا ہے۔ اور بعد کی تنخواہوں سے جو رقم ادائے قرض وسود کے نام سے بالاقساط کاٹی جاتی ہے وہ بھی ادائے قرض نہیں بلکہ فنڈ میں جو رقم معمول کے مطابق ہر ماہ کٹتی تھی، اسی کی طرح یہ بھی ایک کٹوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان مہینوں میں کٹوتی کی مقدار زیادہ ہوگی جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب رقم بالآخر اسی کو واپس ملے گی۔

(ب) اگر آجر بھی پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی طرف سے کچھ رقم کا اضافہ کرے تو صورت حال کیا ہوگی؟ اس سے بھی مذکورہ صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ آجر جس رقم کا اپنی طرف سے اضافہ کر رہا ہے اور اس کی طرف سے تبرع (ایک طرح کا انعام) ہے۔

سوال نمبر ۱۲: کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ اکاؤنٹ پر بطور انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

جواب: انعامی بانڈز میں یہ ہوتا ہے کہ بانڈ خریدنے والے ہر شخص کی رقم پر سود لگایا جاتا ہے۔ لیکن معینہ مدت پوری ہونے پر ہر شخص کا سود اسی کو دینے کے بجائے سود کی مجموعی رقم صرف ان افراد کو تقسیم کر دی جاتی ہے جن کا نام قرعہ اندازی میں نکل آئے لہٰذا جو رقم بانڈ پر ''انعام'' کے نام سے دی جاتی ہے وہ درحقیقت سود اور ربا ہے فرق یہ ہے کہ عام حالات میں اتنی رقم پر جتنا سود ملتا ہے، بانڈ کے ''انعام'' میں اتنے ہی سود کے علاوہ بعض دوسرے افراد کی رقموں پر لگنے والا سود بھی شامل ہوتا ہے جو انعام یافتگان کو بذریعہ قمار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انعامی بانڈز کے مروجہ طریقے سے سود کی رقم کو قمار کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ البتہ اہل علم کے مشورے سے اس طریقے میں ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے جس کے ذریعہ اس میں سود اور قمار باقی نہ رہے۔

رہا سیونگ اکاؤنٹ، سو اس کے بارے میں پیچھے بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ خالص ربا کا معاملہ ہے، لہٰذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر انعام کے نام سے جو رقم دی جائے گی وہ ''عقد ربا'' پر دیا جانے والا انعام ہے جس کا لینا جائز نہیں۔

سوال نمبر ۱۳: کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہوگا جب کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلاسود ہوں؟

جواب: ''ربا'' کی حقیقت ہر وہ زیادتی ہے جو کسی قرض کے مقابلے میں طے کر کے لی اور دی جائے اس میں یہ سوال قطعی خارج از بحث ہے کہ قرض لینے والا کس مقصد کے لئے قرض لے رہا ہے؟ اس معاملے میں اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو قرض دے رہا ہے اس میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس کو پہلے یہ متعین کرنا چاہئے کہ وہ یہ روپیہ اس شخص کی امداد کے طور پر دے رہا ہے یا اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہے، اگر وہ یہ روپیہ دوسرے کی امداد کی غرض سے دے رہا ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس امداد کو امداد ہی رہنے دے اور نفع کے ہر مطالبہ سے دستبردار ہو جائے وہ اتنے ہی روپے کی واپسی کا مستحق ہوگا جتنے اس نے قرض دیئے تھے اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ روپیہ دے کر کاروبار کے نفع سے مستفید ہو تو اسے ''شرکت'' یا مضاربت'' کے طریقوں پر عمل کرنا پڑے گا، یعنی اسے کاروبار کے نفع و نقصان دونوں کی ذمہ داری اٹھانے پڑے گی ان دو صورتوں کے علاوہ اسلام میں تیسری راہ نہیں ہے جس کے ذریعہ کوئی فریق اپنا نفع ہر حال میں متعین کر لے جب کہ دوسرے کا نفع موہوم اور مشتبہ ہو۔

سوال نمبر ۱۴: کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لئے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟

سوال نمبر ۱۵: اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے تو اسلامی نظام معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لئے کونسے محرکات استعمال کئے جائینگے؟

جواب: یہ دونوں سوال درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور ان کا جواب یہ ہے کہ اگر بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے تو کھاتہ داروں کو آج کی معمولی شرح سود سے کہیں زیادہ منافع حاصل ہوگا کیونکہ وہ پورے کاروبار کے شریک ہوں گے۔ لہٰذا جو بچت قومی مقاصد کے لئے ضروری ہے اس کے لئے اس سے بڑھ کر ترغیبی نظام اور کیا ہوگا؟

صرف سیونگ اکاؤنٹ کا مسئلہ رہ جاتا ہے، کیونکہ غیر سودی نظام میں نہ اس پر سود ملے گا اور نہ منافع، لیکن اول تو جدید ماہرین معاشیات کی عام رائے یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹ کی معمولی شرح سود بچت کے لئے کوئی قوی اور فیصلہ کن محرکت نہیں ہوتی بچت کی اصل وجہ بذات خود کفایت شعاری اور پس اندازی ہی کا جذبہ ہوتا ہے اس لئے سیونگ اکاؤنٹ پر سود نہ دینے سے اس مد میں کوئی معتد بہ کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ مدمضاربت (Fixed Deeposite) مدتیں کم کر کے تین ماہ سے ایک سال تک بھی رکھی جا سکتی ہے اس طرح بچت کے ساتھ نفع کے خواہش مند اس مد کی طرف بآسانی رجوع کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۶: جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنی اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں ماہرین معاشیات ''فرضی شرح سود'' سے کام لیتے ہیں جس سے سرمایہ کی کیا بالکل قیمت ظاہر ہوتی ہے کیا اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جواب: سوال پوری طرح واضح نہیں ہے تاہم اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ترقیاتی منصوبہ بندی وغیرہ میں فرضی شرح سود کو بنیادی بنا کر فیصلے کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی ضرورت وہیں پیش آسکتی ہے جہاں سود عملاً جاری وساری بھی ہو، لیکن اگر معیشت کو غیر سودی نظام کے مطابق استوار کرلیا جائے تو فرضی شرح سود کی کوئی ضرورت یا فائدہ باقی نہ رہے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

غیر سودی بینکاری

(Non-Interest Banking)

اسلامی معیشت میں بنک کا قیام شرکت العنان کے اصول پر عمل آئے گا یعنی دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایہ کے ساتھ اس معاہدہ کے تحت شریک ہوں گے کہ سب مل کر کاروبار کریں اور کاروبار کے نفع ونقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ شرکت کی صورت میں یہ لازمی نہیں کہ ہر شریک عملاً بھی کاروبار میں حصہ لے۔ حصہ داروں کی کم سے کم تعداد دو ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے لیکن سہولت کار اور دوسرے مصالح کے پیش نظر یہ مناسب ہوگا کہ تعداد کی کوئی حد مقرر کر دی جائے۔ اس تعداد کا تعین ملک کے حالات اور زمانے کے حساب سے ہونا چاہئے۔

سرمایہ داروں کا فراہم کیا ہوا سرمایہ یکساں بھی ہو سکتا ہے اور غیر مساوی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سرمائے کی ایک خاص مقدار مثلاً ایک لاکھ روپیہ مقرر کر دیا جائے اور یہ طے کر دیا جائے کہ ہر شریک جتنے حصے چاہے خرید سکتا ہے۔ بنک کے مجموعی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سرمائے کی تعداد بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔

کاروبار بنک کا منافع سرمائے کی نسبت سے ہر شخص کا مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اصولاً اس بات کی پوری اجازت ہے کہ منافع کی تقسیم کام کرنے والوں کی صلاحیتوں کے مطابق کی جا سکتی ہے۔ لیکن حسابات میں سہولت کی خاطر سرمائے کے حساب سے ہی ہو۔ دوسری صورت میں اگر نقصان ہو تو وہ بھی شرکاء بنک کے درمیان سرمائے کے حساب سے طے پائے گا اس بات کی وضاحت احکام شریعت سے بھی ہوتی ہے۔

بنک کا کاروبار (Business of Bank):

بنکوں کے کاروبار کو تین قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے:

1- معاوضہ والی خدمات:

ان خدمات سے حاصل ہونے والی آمدنی چونکہ ان خدمات کی انجام دہی پر آنے والی لاگت سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ بھی بنک کے لئے نفع کمانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ دوسری طرف ان سے معاشرہ اور بالخصوص کاروباری طبقے کی اہم ضروریات پوری ہوں گی۔ جن خدمات کا معاوضہ بنک کو ملے گا ان میں چند کا ذکر ذیل میں ہے:

ا۔ امانتیں رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا: اس مقصد کے لئے بنک لاکرز (Lockers) رکھے گا۔ اس کے عوض مناسب معاوضہ وصول کرے گا۔

۲۔ رقموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا: سفری چیک، بنک ڈرافٹ اور پروانہ ہائے یا خطوط اعتبار (Letters of Credit) اور مختلف قسم کی مالی سندوں کے ذریعے بنک چھوٹی بڑی رقوم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

۔ بحری اور ہوائی جہازوں، ریل یا موٹر وغیرہ کے ذریعے منگوائے جانے والے تجارتی اموال اور دیگر سامانوں کو اپنے گاہکوں کی نمائندگی کرتے ہوئے چھڑانے، گاہک کی ہدایت کے مطابق ان کی قیمتیں ادا کرنے اور مال کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گاہک تک بحفاظت پہنچانے کی خدمت انجام دینے کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔

۴۔ اپنے گاہکوں کی مدد سے منقولہ غیر منقولہ جائیداد کی خرید وفروخت کا معاملہ کرنا اور اس کے بدلے معاوضہ وصول کرنا۔

۵۔ بعض معاصر بنک کاروباری فریقوں کو موجودہ کاروبار کے سلسلے میں ماہرانہ مشورے دیتے ہیں اور ان کے کاروباری مشیر کی حیثیت سے کام کر کے معاوضہ وصول کرتے ہیں۔

۶۔ بنک اپنے کھاتہ داروں اور تجارتی حصص کی خرید وفروخت کا کام بھی کرتا ہے اور ان حصوں کو اپنے پاس محفوظ رکھنے کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔

2۔ نفع آور کام میں سرمایہ لگانا (Injecting Capital in Profitable Business):

بنک کے لئے نفع کمانے کا سب سے بڑا ذریعہ اپنے سرمائے کو شرکت العنان یا مضاربت کے اصول پر کاروبار کرنے والے فریقوں کو فراہم کرتا ہے۔ چونکہ سرمایہ لگانے کی یہ دونوں صورتیں اپنی نوعیت اور شرعی احکام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(i) شرکت العنان:

سرمایہ کے نفع آور استعمال کی ایک شکل یہ ہے کہ بنک کسی کاروباری فریق کے ساتھ اس کے کاروبار میں شریک ہو جائے۔ کاروبار میں کاروباری فریق کا سرمایہ بھی ہوگا اور بنک کا سرمایہ بھی شامل ہوگا لیکن بنک عملی طور پر کوئی حصہ نہ لے گا۔

شرکت کے معاہدہ میں کاروبار کی نوعیت' اس کی حدود اور مدت' نفع کی تقسیم کی صراحت ہوگی اور کاروبار کے اختتام پر اصل سرمایہ نفع یا نقصان کے ساتھ بنک اور کاروباری فریق کو مل جائے گا۔

بنک جب شرکت کا معاہدہ کرے تو اس بات کا اہتمام کرنا ہوگا کہ اس کی مالی ذمہ داری اس کے فراہم کردہ سرمایہ کے بقدر محدود ہو' لامحدود نہ ہو۔ اس قسم کے کاروبار میں کاروباری فریق معاہدہ کرنے پر اس وقت راضی ہوگا جب بنک 1/4 حصہ لینے پر آمادہ ہو۔

ادھار لین دین میں اس بات کا ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ کسی وقت بھی مشترکہ کاروبار کے ذمہ اس کی نقد تحویل اور موجودہ اثاثے کی قیمت کے مجموعے سے زیادہ مالی ادائیگیاں واجب نہ ہوں۔

شرکت کے اصول میں بنک آزاد ہوگا کہ اپنے کاروباری شریکوں سے نفع کی تقسیم کے لئے جو اصول بھی چاہے اختیار کرے البتہ یہ ضروری ہے کہ نفع میں بنک اور اس کے کاروباری شریک کے حصے فی صد یا نسبت کی صورت میں طے کئے جائیں۔

معاہدہ شرکت کے اختتام پر اگر بنک کو اپنا سرمایہ نفع یا نقصان کی صورت میں ملے تو یہ نفع یا نقصان بنک کاری میں شامل ہو جائے گا۔ اس قسم کے کاروبار میں طویل المیعاد قرضے نہیں لینے چاہئے کیونکہ اس سے ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

(ii) مضاربت:

دوسری صورت یہ ہے کہ بنک اس کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے اور یہ طے پائے کہ بنک کو اس کے فراہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردہ فرمائے پر حاصل ہونے والے نفع کا نصف ملے گا۔ اس کاروبار میں اگر بیس ہزار کا نفع ہوتا ہے تو بنک کو پانچ ہزار ملیں گے اور کاروباری فریق کو پندرہ ہزار دس ہزار تو سرمائے کا نفع اور پانچ ہزار بنک کے سرمائے سے کامیاب کاروبار کرنے کا صلہ!

3- بلا معاوضہ خدمات (Services without Reward):

بنک کاروباری فریقوں کو چھوٹی چھوٹی مدت کے لئے قرضے فراہم کرے گا لیکن اس خدمت کا وہ کوئی معاوضہ وصول نہیں کرے گا البتہ یہ خدمت وہ ایک حد تک انجام دے سکے گا جس کا تعین اس کے فرض کھاتہ میں جمع شدہ سرمائے کی نسبت سے کیا جائے گا۔ قرض لینے والوں کو مقررہ مدت تک قرض دی ہوئی رقم کی واپسی کی ضمانت دینی ہوگی۔

اگرچہ بنک اپنے دیئے ہوئے قرضوں پر کوئی سود وصول نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی قسم کا معاوضہ طلب کریں گے مگر معاشرہ بنکوں کو ان کی معاشی خدمت کا صلہ دے گا یعنی اس کو قرض کھاتہ میں جمع شدہ باقی سرمایہ کو نفع آور کاروبار میں لگانے کی اجازت ہوگی۔ واضح رہے کہ بنک کو اپنے قرض کھاتہ میں جمع کئے جانے والے سرمایہ پر کوئی سود نہیں دینا ہوگا۔

بنک کے قرضے (Loans of Bank):

لوگوں کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہیں اپنی جمع شدہ رقم کو واپس طلب کر لیں۔ لیکن بنکوں کو اس بات کا تجربہ ہوتا ہے کہ چالو کھاتیمیں جمع کی جانے والی اکثر رقوم کا بیشتر حصہ واپس طلب نہیں کیا جاتا۔ کسی ایک دن میں زیادہ سے زیادہ دسواں حصہ ہی طلب کیا جا سکتا ہے۔ کھاتوں کے مالک بدلتے رہتے ہیں لیکن مجموعی رقم کی ایک خاص نسبت بھی دسواں یا بیسواں حصہ اپنے پاس رکھے تو بآسانی قرض جاری کر سکتا ہے اور آمدنی حاصل کر سکتا ہے۔ اندازہ ہے کہ مضاربت کے تحت حاصل ہونے والا منافع معمولی سی شرح سود سے زیادہ ہوگا۔ لہٰذا اگر یہ مفروضہ درست ہو تو غیر سودی بنکوں کے قرض کھاتہ میں معاصر سودی بنکوں کے جاری حسابات سے زیادہ رقمیں جمع کی جائیں گی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کھاتے کے ایک حصہ کے نفع آور استعمال سے غیر سودی بنکوں کو اس سے کم آمدنی جتنی معاصر بنکوں کو اس کھاتہ کی رقمیں سودی قرض کے طور پر دینے سے ہوتی ہے۔ زیر بحث موضوع کے لئے اہم بات یہ ہے کہ قرض کھاتہ کے ایک حصہ کے نفع آور استعمال کا حق ملنا اس بات پر موقوف ہوگا کہ اس کھاتہ کے دوسرے حصہ کو غیر سودی قرض دینے کے لئے استعمال کیا جائے۔ غیر سودی قرض دینے کے باعث عام تجارتی بنک اس بات کے بھی حقدار ہو جائیں گے کہ وہ ضرورت پڑنے پر مرکزی بنک سے قرض حاصل کر سکیں۔

مختصر عرصہ بلا سود قرضوں کی ضرورت اور فراہمی:

کاروباری حضرات کو قلیل المیعاد قرضوں کی اکثر ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ یہ قرضے وہ چند روز یا چند ہفتوں کے لئے لیتے ہیں۔ یہ اس وقت لئے جاتے ہیں۔ ان کو امید ہو کہ کاروبار میں فائدہ ہوگا اور وہ اس کو واپس کر سکیں گے یا پھر زرعی کاروبار میں فائدہ ہوگا اور وہ اس کو واپس کر سکیں گے یا پھر زرعی کاروبار میں فصل کے تیار ہو جانے اور پکنے کے درمیان سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کاروباری طبقے کو تھوڑی مدت کے لئے جو قرضہ درکار ہوتا ہے' اسے شرکت یا مضاربت کے اصول کے تحت حاصل کرنا اس مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ اتنے تھوڑے عرصے کے لئے لمبا چوڑا حساب کتاب کرنا مشکل کام ہے۔ اس مسئلے کا حل یہ بھی نہیں ہے کہ کاروباری حضرات اس پیش آنے والی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کاروبار کے شروع میں ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر رکھ لیں۔ کیونکہ اس سے ملک میں مجموعی سرمایہ کاری کا عمل سکڑ کر رہ جائے گا۔ اس کمی کو بنک کریڈٹ کی صورت میں پورا کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ کریڈٹ بھی اتنا ہی عارضی ہوتا ہے جتنی کہ اس کی ضرورت عارضی ہوتی ہے۔ بنک نیا زر پیدا کر کے سرمایہ داروں کو قرضے فراہم کرتا ہے۔ وہ ضرورت پوری ہونے اور مدت ختم ہونے کے بعد جب رقم واپس کرتے ہیں تو بنک اس رقم کے برابر زر کو کم کر دیتا ہے۔ اس طرح اہم صنعتی و تجارتی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں اور معیشت کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔

قلیل المیعاد قرضے اور کھاتے (Short-Term Loans & Accounts):

عام طور پر سودی معیشت میں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے روپے بنک میں جمع کرواتے ہیں اور ان کو کیش کروانے کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے۔ جدید ترقی یافتہ ممالک میں تو لوگ چیکوں کے ذریعے سب کام اور لین دین کر لیتے ہیں اور اس طرح رقوم بنک کے پاس ہی رہتی ہیں جو بنک کچھ فیصد کے حساب سے اپنے پاس رکھ کر باقی پر زر تخلیق کرتا ہے۔

غیر سودی معیشت میں ایسا ہونا چاہئے کہ کچھ حصہ نقد کی صورت میں رکھ کر ایک حصہ مضاربت کے اصول پر سرمایہ کاری میں لگایا جائے اور دوسرا حصہ قلیل المیعاد غیر سودی قرض دینے کے لئے استعمال کیا جائے۔

مضاربت کے اصول پر سرمایہ داری کرنے سے اور قلیل المیعاد غیر سودی قرض دینے سے وہ رقم دوبارہ کسی نہ کسی بنک میں چلی جائے گی کیونکہ کاروباری حضرات لین دین چیکوں کے ذریعے کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ جدید معاشی نظاموں میں مضاربت کے اصول پر سرمایہ کاری کرنے پر وہ رقوم کچھ لوگوں کی آمدنی بنیں گی اور پھر وہ بھی اس کو کسی نہ کسی حد تک بنک میں جمع کرا دیں گے۔

بلا سود قرض دینے کے محرکات (Motives for Interest Less Lending):

مرکزی بنک کی طرف سے یہ ضابطہ بنایا جائے گا کہ ہر بنک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے قرض کھاتہ میں جمع شدہ کل رقم کا پچاس فیصد غیر سودی قرض دینے کے لئے آمادہ رہے۔ اس کے صلے میں اس کا اختیار ہوگا کہ وہ کھاتے کا چالیس فیصد نفع آور کاروبار میں لگا سکے۔ دس فیصد کے بارے میں ہم یہ فرض کر رہے ہیں کہ وہ نقد زر کے طور پر محفوظ رہے گا۔ جو بنک ایسا نہیں کرے گا اسے یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ قرض کھاتہ کھولے یعنی عوام کی بچتیں اپنے پاس رکھے اور سرمائے غیر سودی قرض کے طور پر حاصل کرے۔ یہ ایک خالص قومی محرک ہوگا کیونکہ اس سے ملک کی معیشت کو ترقی حاصل ہوگی اور رقم بھی بنک کے پاس محفوظ رہے گی۔ کیونکہ غیر سودی قرض کے طور پر دی جانے والی رقم بھی کسی نہ کسی صورت میں دوبارہ کسی اور کی آمدنی بن کر بنک میں آ جائے گی۔

قرض کے بالمقابل ضمانتیں (Securities Against Debt):

ضمانتوں کی کم و بیش وہی صورت رہے گی جو معاصر نظام بنکاری میں مصروف تیار شدہ مصنوعات، نیم تیار شدہ مصنوعات، یا مال تجارت، تیار مفصل، کارخانہ، تجارتی حصص وغیرہ ضمانت کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں۔ بنک کو اختیار ہوگا کہ وہ شخصی ضمانت پر بھی قرض فراہم کرے لیکن یہ سب قرض بنک کو اس اعتماد کے بعد ہی دینے چاہئے کہ وہ واپس مل جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادھار کا عرصہ (Period of Loan):

قلیل المیعاد قرضوں کے لئے مدت اتنی ہونی چاہئے جو مضاربت کے اصول فراہم کرتے ہوں۔ ان سے کم ہو۔ مدت کم سے کم سہ ماہی یا تیرہ ہفتوں کی ہونی چاہئے۔

بنک اگر ایک دوسرے کو قرض دیں تو ان میں ایسا قرض بھی ہو سکتا ہے جس کی ضرورت ایک دن کے لئے پڑے لیکن ان کی مدت مقرر نہیں کی جا سکتی۔

چونکہ قرض سود پر نہ ہوگا اس لئے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ ان قرضوں کو بہت دیر سے واپس کریں۔ اس لئے اس کے سدباب کے لئے کچھ قواعد وضوابط بننے چاہئیں جن کے تحت قرضے اتنی ہی مدت کے لئے فراہم کئے جائیں جتنی مدت کے لئے ان کی ضرورت ہو۔ اس بات کے لئے کاروباری طبقات میں شعور پیدا کرنا لازمی ہے تاکہ وہ قرضوں کی واپسی میں غیر ضروری تاخیر نہ کریں۔ اس کے لئے کچھ سزائیں بھی مقرر کی جا سکتی ہیں لیکن اگر کاروباری طبقہ روشن خیال ہو گا تو ان سزاؤں کی نوبت ہی پیش نہیں آئے گی۔

قرض کی طلب و رسد کا مسئلہ:

قرض کی مجموعی رسد کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ بنک میں جمع شدہ رقم کتنی ہے۔ قرض کی طلب کا انحصار ملک میں سرمایہ کاری پر ہے۔ معاشی تجزیہ اور عملی تجزیہ سے مرکزی بنک کے لئے یہ مشکل نہ ہوگا کہ وہ طلب کا ایک اندازہ قائم کر سکے۔ یہ اندازہ قرض کی طلب کی رہنمائی کرے گا۔

ممکن ہے کہ رسد کیا جانے والا سرمایہ اس کے حصول کی درخواستوں کے مقابلے میں کم ہو۔ ایسی صورت میں ایسا کیا جائے گا کہ جو درخواستیں پہلے آئی ہوں ان کو پہلے قرض دیا جائے۔ یہاں تک کہ قرض کی رقم ختم نہ ہو جائے۔ اگر بعض طلب گاروں کو کسی بنک سے بھی قرض نہ مل سکے تو ایسے میں مرکزی بنک اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ صورت حال نسبت قرض میں تبدیلی یا کریڈٹ میں توسیعی عمل میں لانے کے لئے کسی اقدام کی طالب ہے یا نہیں۔

حسابداری کے اخراجات (Expenses of Accounting):

جو لوگ قرض کے حسابات رکھتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی دینا ضروری ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو تنخواہیں کہاں سے ادا کی جائیں۔ اس کے لئے دو صورتیں ہیں:

(i) قرض کھاتہ کے نفع آور استعمال سے جو منافع حاصل ہوگا اس کے ایک حصہ کو اس مقصد کے لئے استعمال میں لایا جائے۔

(ii) قرضہ لینے والوں سے کچھ فیس وصول کر کے یہ ادائیگیاں کی جائیں۔ اس کے لئے قرض کی ہر درخواست پر ایک مناسب فیس مقرر کی جائے۔

ان فیسوں کو بنک کی آمدنی شمار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے بنک کے حسابات پر ہی خرچ کیا جانا چاہئے۔

تجارتی منڈیوں کا مسئلہ (Problem Regarding Bill of Exchange):

غیر سودی نظام میں تاجر یہ کر سکتے ہیں کہ ہنڈی لکھنے کی بجائے بینکوں سے مضاربت کے اصول پر سرمایہ حاصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کے فروخت کنندہ کو مال کا دام نقد ادا کریں۔ جب مال فروخت ہو جائے تو بنک کو اس کا دیا ہوا سرمایہ واپس کرنے کے ساتھ طے شدہ منافع کا حصہ بھی ادا کریں۔ سرمایہ اسی وقت دیں گے جب نقصان کا کاروبار میں اندیشہ نہ رہے یا کم ہو۔

تجارتی بنکوں کو بڑی احتیاط سے وظائف (Functions) نبھانے ہوں گے۔ اگرچہ کئی ممالک میں بلاسود بنکاری نظام چل رہا ہے اور مثالیں بھی دی جاتی ہیں مگر ہمارے ملک کے حالات ان سے قطعی طور پر مختلف ہیں۔ ان کے پاس کثیر سرمایہ ہے اور وہ سوچتے ہیں کہ اسے کہاں صرف کیا جائے اور کتنا لگایا جائے۔ مگر ہمارا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کتنا سرمایہ کس طرح اور کہاں سے حاصل کیا جائے۔ ویسے بھی کلی معیشت میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں لائے بغیر بلاسود بنکاری میں کئی رکاوٹیں حائل ہوں گی۔ موجودہ اقتصادی نظام کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا ہوگا اور ساری معیشت کو اسلامائیز (Islamize) کرنا پڑے گا مگر مثبت نتائج برآمد نہیں ہوں گے کیونکہ:

صفر شرح سود کا تصور (Concept of Zero Interest Rate):

اسلام کے نزدیک سود کی شرح صفر کے برابر ہے کیونکہ سود لیا دیا نہیں جاتا۔ قرآن مجید میں سود کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

(i) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کے مطالبات باقی ہیں انہیں چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اگر تم توبہ کر لو تو اصل لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ زیادتی کرو اور نہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوگی۔'' (البقرہ:79-278)

(ii) اسی طرح ایک اور مقام پر یوں فرمایا گیا ہے:

''اے ایمان والو دوگنا چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ فلاح پا سکو۔''

(iii) احادیث مبارکہ میں بھی سودی کاروبار سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے:

''حضرت جابرؓ کے حوالے سے رسول اکرمؐ کا فرمان ہے: ''سود لینے والے، دینے والے، دستاویز لکھنے والے اور معاملہ کی گواہی دینے والے سب پر لعنت کی گئی ہے اور یہ سب برابر ہیں۔''

ایک اور حدیث میں ہے: ''جس قوم میں سود کا رواج ہوگا اس پر قحط مسلط ہوگا۔''

اوپر والی آیات اور احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سود کے ذریعے جس قسم کا کاروبار کیا جائے وہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

اثرات (Effects):

صفر شرح سود کے ثمرات بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ اس سے مثبت نتائج برآمد ہونے لگتے ہیں جیسا کہ ان نکات سے عیاں ہے:

1- سرمایہ کاری میں وسعت (Expansion in Investment):

اس سے سرمایہ کاری کے پھیلنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں کیونکہ جب بچت شدہ سرمایہ پر سود نہیں ملے گا تو افراد اسے سرمایہ کاری میں استعمال کریں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- کاروباری ترغیب (Business Incentive):

ظاہر ہے کہ جب بیکار رقم باہر آئے گی تو اسے تجارت و کاروبار میں کھپانے کی رغبت پیدا ہوگی جس سے بہتری ہوگی اور کاروبار پھیلے گا' کئی افراد آگے آئیں گے۔

3- گردش دولت:

سودی معیشت کا سب سے بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ دولت فقط چند خاندانوں میں گھومتی رہتی ہے اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے بینک سے سود ملتا رہتا ہے اور یوں سرمایہ جمع رہتا ہے۔

4- ہنرمندوں کی حوصلہ افزائی:

ہر ملک میں بہت سے افراد ایسے ہوتے ہیں جو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ تربیت یافتہ اور ہنرمند ہوتے ہیں مگر قلت سرمایہ کے باعث اپنی صلاحیت محنت اور دیانت و مہارت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جب بغیر سود کے قرض ملے گا تو انہیں آگے بڑھنے کی جرأت و حوصلہ مندی آئے گی۔ ان میں کام کرنے کا ولولہ و جذبہ ابھرے گا۔

5- صنعت کو فروغ (Promotion of Industry):

نئے کارخانے نصب ہوں گے کیونکہ حصول قرض میں آسانی ہوگی اس کی پرورش ہوگی جب اندرون ملک صنعت کا جال بچھے گا تو ملک آگے رواں دواں ہوگا اور زیادہ اشیاء برآمد ہوں گی۔

6- وسائل کا بھرپور استعمال (Optimal Utilization of Resources):

قدرتی و انسانی وسائل کو بہتر طور پر استعمال میں لایا جائے گا۔ کوئی ذریعہ بھی بیکار نہیں رہے گا کیونکہ سرمایہ کے حاصل کرنے میں دشواریاں حائل نہیں ہوں گی۔

7- ادائیگی قرض میں سہولت:

سود پر مبنی نظام کے تحت کوئی فرد یا قوم ایک دفعہ قرض کے چنگل میں پھنس جائے تو مع سود قرض سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے بلکہ پہلے قرض کو اتارنے کی خاطر نیا قرضہ لینا پڑتا ہے اور اس جال میں اٹکے رہنا پڑتا ہے۔ جس طرح پاکستان اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں کا بُرا حشر ہو رہا ہے۔

8- برائیوں کا خاتمہ:

کئی قسم کی معاشی' سیاسی اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ حرص و لالچ میں کمی آئے گی' لوٹ کھسوٹ کے دور کرنے کا امکان بنے گا۔ طبقاتی کشمکش کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

9- بھائی چارہ کی فضاء:

باہمی معاونت و اخوت اور رفاقت پیدا ہوگی جن سے افراد ایک دوسرے کے قریب آئیں گے۔

10- متفرق:

ا۔ معیشت پھلے پھولے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۔ سرکار کو فراہمی سرمایہ میں آسانی ہوگی۔
۳۔ کئی پروجیکٹ مکمل ہوں گے۔
۴۔ خوشحالی اور فلاح و بہبود میں مدد ملے گی۔
۵۔ دوسری اقوام کی محتاجی میں کمی آئے گی۔
۶۔ بینکاری نظام مضبوط ہوگا جس سے لین دین کی نئی راہیں کھلیں گی۔
۷۔ معیشت کے بہت سے شعبوں میں ربط پیدا ہوگا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلامی بینکاری کی حقیقت!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ روائتی بینکاری کا مکمل نظام خلاف شریعت اور غیر فلاحی ہے۔ مگر دوسری طرف یہ بھی امر واقع ہے کہ آج کے دور میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر تجارت اور لین دین میں بینک کا عمل دخل اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اب اس سے پہلو بچانا ممکن نہیں رہا۔ اندریں حالات اسلامی اقتصادی ماہرین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا قابل عمل اور شافی حل تلاش کریں اور ایسا بینکاری سسٹم متعارف کرائیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔

اس ضرورت کے پیش نظر بعض حضرات نے اسلامی بنکاری کے نام سے ایک متبادل پیش کیا ہے یقیناً ان حضرات نے اس میدان میں اپنی بہترین توانائیاں صرف کی ہے مگر بدقسمتی سے ان کی طرف سے متعارف کرایا گیا متبادل اسلام کے مثالی اقتصادی نظام ''نفع ونقصان میں شراکت'' پر مبنی نہیں ہے اس وجہ سے علمی حلقوں میں ہدف تنقید بنا ہوا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ شرعی قواعد وضوابط کی روشنی میں رائج الوقت اسلامی بینکاری کا بے لاگ تجزیہ کر کے دیکھا جائے کہ یہ شریعت سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

اسلامی بینکاری کا مطلب:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کی شرعی حیثیت پر گفتگو کرنے سے قبل اسلامی اقتصادی ماہرین کے حوالے سے اسلامی بینکاری کا صحیح مفہوم ور موجودہ اسلامی بینکاری ماہرین کے حوالے سے اسلامی بینکاری کا صحیح مفہوم اور موجودہ اسلامی بینکاری کا مختصر خاکہ بیان کر دیا جائے تا کہ اس کی روشنی میں اسلامی بینکوں کے معاملات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

بلاشبہ اسلامی بینکاری کی اوّلین شرط یہی ہے کہ وہ سود سے پاک ہو لیکن اسلامی بینک کہلانے کے لیے محض غیر سودی ہونا کافی نہیں بلکہ معاملات سے متعلق دیگر احکامِ شریعہ کی پابندی بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ماہرین اسلامی بینکاری کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

> ''اسلامی بینک سے مراد بینکنگ سے متعلق ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو اپنے معاملات شرعی احکام کے مطابق انجام دے۔'' (۳۱)

ڈاکٹر رفیق یونس مصری اسلامی بینکاری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بینک فقط حرام امور کے عدم ارتکاب سے مکمل اسلامی نہیں بن جاتا بلکہ اس کے مکمل اسلامی بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسلام کے معاملات اپنی شرائط، ارکان اور اختیارات کے لحاظ سے بھی شریعت کے احکام کے موافق ہوں..... خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی بینک وہ نہیں ہے جو صرف سود اور حرام امور سے اجتناب کرے بلکہ اسلامی بینک وہ ہے جو ممنوعہ امور کے ساتھ شرعی احکام کی بھی پابندی کرے۔'' (۳۲)

اسلامی بینکاری کی مندرجہ بالا تعریف سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ صرف سود نکال دینے سے بینکاری سسٹم اسلامی نہیں بن جاتا تاوقتیکہ بینک کے تمام معاملات پر پہلو سے شرعی احکام کے مطابق نہ ہو جائیں۔ یعنی غرر (Uncertainty) سے پاک ہوں، ایک عقد (Contract) میں دو معاملے یا دو شرطیں جمع نہ ہوں، ایسی شرط پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشتمل نہ ہوں جو طے شدہ معاملے کے تقاضوں کے خلاف ہو یا ایسی چیز فروخت نہ کی جائے جو عقد بیع کے وقت بینک کے پاس موجود ہی نہ ہو وغیرہ۔

مروجہ اسلامی بینک اس تعریف پر کس حد تک پورا اترتے ہیں اس کا فیصلہ آئندہ صفحات کے مطالعہ سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی بینکاری کی تاریخ ابتدا:

بعض حضرات کے خیال میں موجودہ اسلامی بینکاری کا نقطہ آغاز مصر کا مت غمر نامی پراجیکٹ ہے جس نے 1963ء سے 1067ء تک تقریباً چار سال مت غمر نامی قصبے میں کام کیا۔

اس طرح ملائشیا میں ایک ادارہ ''حجاج کا انتظامی فنڈ اور بورڈ'' کے نام سے 1969 میں قائم ہوا تھا جو تبونگ حاجی کے نام سے مشہور ہے اس ادارے کو بھی اسلامی بینکاری کے ابتدائی تجربات میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہ دونوں ادارے معروف معنوں میں بینک نہیں تھے بلکہ یہ انتہائی محدود مقاصد کے لیے قائم کیے گئے تھے۔ مت غمر پراجیکٹ کا دائرہ عمل دیہی کاشتکاروں جبکہ تبونگ حاجی کے پیش نظر حجاج کو مالیات کی سہولت فراہم کرنا تھا۔ ظاہر ہے یہ مکمل بینکاری نہیں۔

بعض محققین مصر کے ناصر سوشل بینک (قیام 1971ء) کو پہلا باضابطہ اسلامی بینک قرار دیتے ہیں لیکن اسلامی بینکاری کے جدید ماہرین اس کو تسلیم نہیں کرتے ان کی رائے میں مکمل اسلامی بینکاری کا باقاعدہ آغاز 1975ء میں دبی اسلامی بینک سے ہوا۔

دبی اسلامی بینک کے بعد جس ادارے نے اس میدان میں نمایاں کردار ادا کیا وہ کویت فنانس ہاؤس (بیت التمویل الکویتی) کے نام سے 1977 میں وجود میں آیا۔

اس کے بعد بھی مختلف ادوار میں مختلف اسلامی بینکوں کا قیام عمل میں آتا رہا ہے۔

اسلامی بینکاری کی ترقی وفروغ:

لیکن اسلامی بینکاری کو غیر معمولی ترقی و فروغ 2002 کے بعد حاصل ہوا ہے۔ اس وقت دنیا کے تقریباً 73 ممالک میں اسلامی بینک کام کر رہے ہیں ان میں بعض غیر مسلم ممالک میں بھی شامل ہیں۔ صرف پاکستان میں مختلف بینکوں کی پانچ سو سے زائد برانچوں میں اسلامی بینکاری کے نام پر کام ہو رہا ہے۔ ان میں سے بعض بینک تو مکمل طور پر اسلامی بینک کہلاتے ہیں جیسے میزان بینک، البرکہ بینک، بینک اسلامی پاکستان اور دبئی اسلامی بینک وغیرہ جبکہ بعض بنیادی طور پر تو سودی ہیں مگر ان میں اسلامی بینکاری کا شعبہ بھی قائم ہے۔ اسلامی بینکاری کے حامی یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ نظام نہ صرف کامیابی سے چل رہا ہے بلکہ تیز رفتاری سے ترقی کی منازل بھی طے کر رہا ہے۔ سرمایہ کاروں کی بڑی تعداد اس جانب [illegible] معاملات کا اعتماد بھی بڑھ رہا ہے۔

اسلامی بینکوں کے معاملات کا اجمالی تذکرہ:

اسلامی بینکوں کے معاملات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سرمایہ حاصل کرنے کے ذرائع۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۲۔ سرمایہ فراہم کرنے (Financing) کے طریقے۔
۳۔ براہ راست سرمایہ کاری کی شکلیں۔
۴۔ بینکاری خدمات۔

سرمایہ حاصل کرنے کے ذرائع:

اسلامی بینکوں میں سرمایہ حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔
۱۔ قرض
۲۔ مضاربہ

کیونکہ عام بینکوں کی طرح اسلامی بینکوں میں بھی دو قسم کے ہی کھاتے کھولے جاتے ہیں۔
(۱) جاری کھاتے (Current Accounts)
(۲) سرمایہ کاری کھاتے۔

جاری کھاتوں میں جمع رقوم بینک کے ذمے قرض ہوتی ہے۔ روائتی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی ان کھاتوں پر کوئی منافع نہیں دیتے۔ ان کھاتوں کا وہی حکم ہے جو عام بینکوں کے جاری کھاتوں کا ہے۔ جبکہ سرمایہ کاری کھاتوں کی مختلف صورتیں ہیں مگر بنیاد تقریباً سب کی مضاربہ ہی ہے۔

سرمایہ فراہم کرنے کے طریقے:

☆ مرابحہ۔
☆ اجارہ۔
☆ مشارکہ متناقصہ۔
☆ تورق۔
☆ سلم۔
☆ استصناع۔

قرض حسنہ سے بینک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اس لیے اسلامی بینک قرض حسنہ جاری نہیں کرتے۔
شرکت ومضاربت میں نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اسلامی بینک شرکت ومضاربت کی بنیاد پر بھی سرمایہ فراہم نہیں کرتے۔ چنانچہ مروجہ اسلامی بینکوں کے ایک ترجمان صاحب لکھتے ہیں۔

''عام طور پر اسلامی بینک ڈیپازٹ سائیڈ پر تو مشارکہ ومضاربہ اختیار کرتے ہیں لیکن عام طور بعض مجبوریوں کی وجہ سے کلائنٹ کو مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ فراہم نہیں کیا جاتا بلکہ اکثر مرابحہ، اجارہ، سلم یا ہوم مشارکہ وغیرہ کے ذریعے فنانس دی جاتی ہے۔'' (۳۳)

البتہ برآمد میں بعض دفعہ مشارکہ بھی کرلیا جاتا ہے کیونکہ برآمد میں بینک کو نقصان کا خاص خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ برآمد کنندہ کے پاس پہلے سے متعین آرڈر موجود ہوتا ہے قیمت بھی طے ہوتی ہے، لاگت کا بھی اندازہ ہوتا ہے نیز ایل سی کی وجہ سے ادائیگی بھی یقینی بلکہ خود بینک کے ذریعے ہوتی ہے اس وجہ سے کچھ اسلامی بینکوں میں بعض برآمد کنندگان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کو مشارکہ کے ذریعے بھی فنانس دی جاتی ہے۔ تاہم موجودہ اسلامی بینکاری کی ترویج و ترقی میں دوسرے طریقوں کی نسبت اس کا حصہ بہت کم ہے۔

براہِ راست سرمایہ کاری کی شکلیں:

☆ مختلف کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت، صکوک، کا اجراء اور لین دین۔
☆ اہم نوعیت کے منصوبوں پر سرمایہ کاری کرنا۔
☆ ذیلی کمپنیاں جیسے تکافل کمپنی قائم کر کے کاروبار کرنا۔
☆ مختلف کرنسیوں کی خرید و فروخت۔

بینکاری خدمات:

☆ گارنٹی لیٹرز کا اجراء۔
☆ ایل سی کھولنا۔
☆ ڈرافٹ۔
☆ ایجنسی فیس کے عوض ہنڈیوں کی وصولی۔
☆ اور لاکرز کی سہولت مہیا کرنا۔

اسلامی بینکوں کا پیش کردہ متبادل مثالی نہیں:

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ شرعی اعتبار سے ''مرابحہ'' خرید و فروخت کا ایک طریقہ اور ''اجارہ'' کسی چیز کا حق استعمال حاصل کرنے کا ایک معاہدہ تو ہے لیکن یہ فائنانسنگ کے طریقے قطعاً نہیں ہیں اس لیے ''مرابحہ'' اور ''اجرہ'' کی اساس پر فائنانسنگ نہ تو شریعت کو مطلوب اور نہ ہی تقسیم دولت کے حوالے سے سود مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ اسلامی بینکوں کے حامی بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ مرابحہ اور اجارہ پسندیدہ متبادل نہیں۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

> ''مرابحہ اور اجارہ (لیزنگ) والے فائنانسنگ کے طریقوں پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا آخری نتیجہ سودی قرضے سے مختلف نہیں ہوتا، یہ اعتراض ایک حد تک درست بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی بنکوں اور مالیاتی اداروں کے شرعیہ ایڈوائزری بورڈز اس نکتے پر متفق ہے کہ یہ فائنانسنگ کے مثالی طریقے نہیں ہیں اس لیے انہیں صرف ضرورت کے موقع پر ہی استعمال کرنا چاہیے اور وہ بھی شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط کا پورا پورا دھیان رکھتے ہوئے۔'' (۳۴)

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

> ''یہ مرابحہ اور لیزنگ (Leasing) مطلوبہ اور پسندیدہ متبادل (Ideal Alternative) نہیں ہے اور اس سے تقسیم دولت (Distribution of Wealth) پر کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا۔'' (۳۵)

چونکہ یہ متبادل غیر مثالی، غیر فلاحی اور نتائج کے اعتبار سے سودی نظام کے مماثل ہے اس لیے اسلامی نظریاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کونسل نے جب یہ تجویز کیا تھا تو اس کو بڑے پیمانے پر اور غیر معینہ مدت کے لیے استعمال کرنے کی مخالفت کی تھی بلکہ کونسل کی رائے یہ تھی۔

''یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یہ طریقے بالآخر سودی لین دین اور اس سے متعلقہ برائیوں کے از سر نو رواج کے لیے چور دروازے کے طور پر استعمال ہونے لگیں۔ لہٰذا یہ امر ضروری ہے ان طریقوں کا استعمال کم سے کم حد تک صرف اس صورتوں اور خاص حالات میں کیا جائے جہاں یہ ناگزیر ہوں اور اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ یہ طریقے سرمایہ کاری کے عام معمول کی حیثیت اختیار کر لیں۔''(۳۶)

یاد رہے کونسل کی یہ رپورٹ جدید اسلامی بینکاری کیلئے خشت اول شمار ہوتی ہے اس رپورٹ میں صاف کہا گیا ہے کہ یہ متبادل ناسازگار ماحول کے لیے ہے۔ سودی لین دین کا مثالی نعم البدل نفع ونقصان میں شراکت یا قرض حسنہ کی بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کو وسعت دی جائے اور تمام دوسرے متبادل طریقے ختم کر دیئے جائیں۔ مگر افسوس اسلامی بینکوں میں اس جانب خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہو رہی بلکہ غیر پسندیدہ طریقوں کو ہی اصل سمجھ لیا گیا ہے۔

اسلامی بینکوں کا عذر:

مروجہ اسلامی بینک نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم نہ کرنے کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ آج کل معاشرے میں بددیانتی عام ہے جو شخص اس اصول پر بینک سے رقم لے گا وہ ہمیشہ نقصان ہی ظاہر کرے گا یوں بینک بھی خسارے میں رہے گا اور اس کے ذریعے ڈپازیٹر کو بھی نقصان پہنچے گا۔

بلاشبہ شرکت ومضاربت میں یہ عمل مشکل ہے لیکن اسے بہانہ بنا کر غیر پسندیدہ متبادل پر قانع ہو کر بیٹھ جانا اور اس کو شریعت کے عین مطابق قرار دینا بھی قابل ستائش رویہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مشکل بھی نہیں جس کا حل نہ نکالا جا سکے۔ سودی بینکوں کے نادہندگان بھی ناقابل وصول قرضوں کی مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں مگر وہ قرضے دینا بند نہیں کرتے بلکہ احتیاطی تدابیر اختیار کر کے اس کے امکانات کم کرتے ہیں۔ شرکت ومضاربت میں بھی احتیاطی تدابیر، اکاؤنٹس اور آڈٹ کے شفاف نظام سے اس پر بآسانی قابو پایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ قانون بھی اس برائی کے سد باب میں ممد ومعاون ثابت ہو سکتا ہے کہ جو شخص یا ادارہ ایک مرتبہ بددیانتی کا مرتکب پایا گیا آئندہ کوئی بینک اسے سرمایہ نہیں دے گا۔ اگر مؤثر طریقے سے اس نظام کو آگے بڑھایا جائے تو اس کے حوصلہ افزا نتائج سامنے آ سکتے ہیں۔

جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے بددیانتی کے باوجود وہ اپنی بیلنس شیٹ میں نفع ظاہر کرتی ہیں۔ خود اسلامی بینک کھاتہ داروں سے مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کرتے ہیں مگر آڈٹ اور سنٹرل بینک کی نگرانی کی وجہ سے کھاتہ داروں کی رقوم نہ صرف محفوظ ہوتی ہیں بلکہ منافع بھی ملتا ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری علماء کی نظر میں:

اس میں دو سری رائے نہیں کہ اسلامی مالیاتی نظام کا نفاذ دینی طبقہ کی دیرینہ کوا ہش ہے مگر اسلام کے نام پر جس قسم کی بینکاری متعارف کرائی گئی ہے علماء اس پر مطمئن نہیں ہیں۔ گنتی کے چند علماء کو چھوڑ کر باقی علماء اسے مسترد کر چکے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ان کی رائے میں یہ بھی سودی نظام ہی ہے کیونکہ عملاً دونوں میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ اسلامی بینک شرعی اصطلاحات مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے معروف علماء کا فتویٰ ہے:

''اسلام کی طرف منسوب مروجہ بینکاری قطعی غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے لہٰذا ان بینکوں کے ساتھ اسلامی یا شرعی سمجھ کر جو معاملات کئے جاتے ہیں وہ ناجائز اور حرام ہیں اور ان کا حکم دیگر سعودی بینکوں کی طرح ہے۔''(۳۷)

بلکہ بعض حلقے تو اسلامی بینکاری کو تشویش کی نظروں سے بھی دیکھ رہے ہیں ان کے خیال میں اسلامی بینکاری ایک سازش ہے جس کا مقصد ان لوگوں کی دولت سے فائدہ اٹھانا اور جو سود سے نفرت کرتے ہیں اور وہ اپنے اس وعقیدہ کی بنیاد پر روایتی بینکوں کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

موجودہ اسلامی بینکوں پر تنقید کی وجوہ:

ہماری رائے میں مروجہ اسلامی بینکوں پر ہونے والی تنقید کے پیچھے یہ سوچ ہرگز کارفرما نہیں ہے کہ ہماری معیشت کے لیے سود ناگزیر ہے یا اس جدید دور میں شرعی احکام قابلِ عمل نہیں رہے ''نعوذ باللہ من ذالک'' بلکہ اس کی ایک وجہ تو وہی ہے جو اوپر ذکر ہوئی ہے کہ بنیادی طور پر ''مرابحہ اور اجارہ'' فائنانسنگ کے طریقے نہیں ہیں اور نہ ہی تقسیم دولت پر ان کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس کی دوسری وجہ اسلامی بینکوں کا طریقہ کار ہے جس پر اسلامی کی بجائے روائتی بینکاری کی چھاپ غالب ہے۔ذیل میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کا مقصد فائنانسنگ ہے نہ کہ حقیقی اجارہ:

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، مشارکہ متناقصہ سے بینک کی اصل غرض ذاتی ضرورت یا تجارتی اور پیداواری مقاصد کے لیے افراد یا اداروں کو سرمایہ مہیا کر کے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔حقیقی اجارہ یا شراکت کا ارادہ نہیں ہوتا۔ جہاں صرف سرمایہ فراہم کر کے فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو حقیقی اجارہ اور شراکت کا ارادہ نہ ہو وہ معاملہ رقم پر منافع لینے کے ہی مترادف ہوگا۔ کیونکہ معاملات میں مقصد کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کو۔ چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔''(۳۸)

قانونِ اسلامی کا معروف قاعدہ ہے:

''معاملات میں مقاصد و معانی کا خیال رکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔''

عظیم محدث امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ معاملات اور افعال میں اصل اعتبار ان کے حقائق اور مقاصد کا ہے۔ظاہری الفاظ اور افعال کا نہیں۔''(۳۹)

اسلامی بینکاری کے معروف سکالر ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

''اگر یہ دونوں جو رئیل پراپرٹی کی ملکیت میں شراکت دار ہیں شروع ہی سے اس بات پر اتفاق کر لیں کہ ان میں سے ایک متعینہ اقساط ادا کر کے مکمل پراپرٹی کا مالک بن جائے گا خواہ دورانِ مدت شریک کے حصے کا کرایہ ادا کرے یا نہ کرے، تو میری نظر میں یہ معاملہ جائز نہیں۔اسی طرح اگر یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں ریئل پراپرٹی کی شراکت میں داخل ہونے سے پہلے اس پر متفق ہو جائیں کہ ان میں سے ایک اپنا حصہ قسطوں میں دوسرے کو بیچ دے گا یہ بھی جائز نہیں اس لیے نہیں کہ بیع قسط ناجائز ہے بلکہ اس لیے کہ اس نے اس شرط پر شراکت داری کی ہے کہ وہ اپنا حصہ اسے فروخت کر دے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی شراکت، بیع اور اجارہ مقصود نہیں بلکہ مقصود فنانسنگ ہے بیع اور اجارہ کو اس پر داخل کرنے کی غرض فنانسنگ کے پردے میں فائدہ حاصل کرنا ہے۔'' (۴۰)

حاصل کلام یہ کہ معاملات میں ظاہری الفاظ کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی بلکہ مقصد کو دیکھا جاتا ہے اس اصول کے مطابق اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ اور مشارکہ متناقصہ ناجائز ہیں کیونکہ بینک کا مقصد حقیقی اجارہ یا مشارکہ کی بجائے مالیاتی ثالثی کے ذریعے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ اس میں اور سود پر رقم کے لین دین میں کوئی فرق نہیں ہے۔

شرح سود کو معیار بنانا:

اسلامی بینک مرابحہ اور اجارہ وغیرہ کو جو اپنی اصل کے اعتبار سے طریقہ ہائے تمویل (Modes of financing) نہیں ہیں کہ تمویلی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتے وقت اپنے نفع کا تعین شرح سود کے مطابق کرتے ہیں۔ چنانچہ مروجہ اسلامی بینکاری کے ایک سرگرم حامی لکھتے ہیں۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی بینک عام طور پر مروجہ بینکوں کے باہمی شرح سود کو معیار (Bench Mark) کے طور پر استعمال کر کے اپنے نفع یا کرایہ کا تعین کرتے ہیں جیسے پاکستان میں کا بَور (Karachi inter bank offered :Kibor rate) سود کی شرح جس پر کراچی کے بینک ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں۔) کو معیار بنایا جاتا ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ (۴۱)

موصوف نے اس کو جواز بخشنے کے لیے جو تاویل کی ہے اس پر وہ خود بھی مطمئن نہیں یہی وجہ ہے کہ ایک صفحہ بعد ہی ''متبادل کی تلاش بھی کرنی چاہیے'' کا عنوان قائم کر دیا ہے۔ دوسری جگہ مرابحہ میں نفع کو کا بَور کے ساتھ مربوط کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس صورت میں اس اعتبار سے تو عقد درست ہو جاتا ہے کہ بیچی گئی چیز کی قیمت متعین ہو جاتی ہے لیکن اس اعتبار سے اس میں ناپسندیدگی کا عنصر شامل ہو جاتا ہے کہ اس میں ایک شرعی سود کو بطور بینچ مارک استعمال کیا گیا ہے۔ اس لیے اسلامی بینکوں کو چاہیے کہ کوئی اسلامی بینچ مارک تشکیل دیں تا کہ اس ناپسندیدگی کے عنصر کا بھی کاتمہ ہو سکے۔'' (۴۲)

مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب جو متعدد اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کا فرض سرانجام دے رہے ہیں روزنامہ امت کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''مثالی نظام مشارکہ اور مضاربہ معاشی انصاف فراہم کر سکتا ہے وہ وقت ابھی دور ہے کیونکہ مشارکہ اور مضاربہ کا استعمال Assests سائڈ پر بہت کم ہوتا ہے اور استعمال کم ہوئے پھر ان کی بنیاد پر Investment کم ہے لہٰذا اس کی جگہ ثانوی نوعیت کی پراڈکٹ اجارہ، مرابحہ Diminishing Musharaika وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں مشکل یہ ہے کہ Bench mark وہی رہتا ہے جو سودی نظام میں ہے۔ اس کے معانی یہ ہیں کہ آپ کو روپیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادھار دینے کی بجائے کتاب بیچ دی کہ چھ مہینے بعد دینا۔ کتاب بیچی لیکن نفع Fix کر دیا اور ایک مخصوص مدت بعد وصولی کا معاہدہ کرلیا۔ اس منافع کمانے کا بینچ مارک وہی ہے جو سودی نظام کا ہے اس لیے اسلامی نظام کے معاشرے پر جو اثرات ہونے چاہیے تھے وہ ابھی تک نہیں ہو رہے۔'' (۴۳)

حضرت مفتی صاحب بجا فرماتے ہیں کہ اجارہ، مرابحہ ثانوی نوعیت کے پراڈکٹ ہیں اور معاشرے پر ان کے وہ اثرات بھی مرتب نہیں ہو رہے جو اسلامی نظام کے ہونے چاہیں۔ تو کیا ہم یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ پھر اس کو وقت کی ضرورت قرار دے کر فتووں کے ذریعے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کیوں کی جارہی ہے؟

اسلامی بینکوں کا طریقہ بھی سودی بینکوں جیسا ہے:

☆ سودی بینکوں کا طریقہ ہے کہ وہ مقررہ مدت کے لیے رقم دیتے ہیں اور اس پر زائد منافع (انٹرسٹ) کے نام سے وصول کرتے ہیں اس کو سود کہتے ہیں۔ اسلامی بینک بھی براہ راست چیز خریدنے کی بجائے کلائنٹ کو ہی کہتے ہیں کہ وہ اپنی مطلوبہ چیز خود خرید لے پھر مقررہ مدت تک بینک کو منافع کے ساتھ اقساط ادا کرتا رہے۔ اس کو ایجنسی ایگریمنٹ کا نام دیا جاتا ہے یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ بینک نے کلائنٹ کو خریداری کیلئے اپنا وکیل بنا دیا ہے۔ یہ تکنیک سودی قرض کے ہی مشابہ ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ (۴۴)

☆ سودی بینک کھاتہ اداروں کو متعین منافع دیتے ہیں جو سود کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسلامی بینک بھی یہی تاثر دیتے ہیں ثبوت کے لیے دیکھیے روزنامہ نوائے وقت 30 جولائی 2008 صفحہ 2 پر ایمیرینس اسلامی بینک اور الفلاح اسلامی بینک کی طرف سے دیا گیا ہے الگ الگ اشتہار۔ ایمیرینس اسلامی بینک نے اپنے اشتہار میں 11.75 فیصد سالانہ منافع کا لالچ دیا ہے البتہ سٹار لگا کر ایک جانب باریک سا لکھ دیا ہے:

''پانچ سالہ ڈپازٹس پر گذشتہ ماہ کا اعلان کردہ منافع۔''

جبکہ الفلاح اسلامی بینک نے تین سالہ ٹرم ڈپازٹ پر 10.1 فیصد ''حلال منافع'' دینے کا وعدہ کیا ہے اور سٹار لگا کر باریک سا یہ لکھ دیا ہے:

''یہ مذکورہ منافع جون 2008ء میں دیا گیا آئندہ مختلف ہوسکتا ہے۔''

یہ سٹارنگ بھی دراصل مخالفین کو چپ کروانے کے لیے ہے۔ ورنہ حقیقت میں سودی بینکوں کی طرح پہلے سے متعین منافع دیا جاتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ الفلاح اسلامی بینک نے 26 جولائی 2008ء کو اپنے ڈپازیٹرز کے نام جو لیٹر جاری کیا ہے اس میں سٹار کے بغیر صاف لکھا ہے۔

''ہمارے ہاں اکاؤنٹ کھلوا کر ہائی پرافٹ ریٹ حاصل کریں۔''

اور مختلف مدتوں کے لحاظ سے مختلف ریٹ دیے گئے ہیں۔

☆ اگر آپ سودی بینک کے ساتھ لیزر گاڑی لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو بینک بکنگ کے لیے رقم جمع کروانے کی تاریخ سے ہی اپنا کرایہ وصول کرنا شروع کر دے گا خواہ آپ کو گاڑی تین ماہ بعد ملے کیوں؟

اس لیے کہ سودی نظام کا تقاضا ہے کہ جو رقم بینک کے کھاتے سے نکل گئی ہے بینک کو اس کا سود وصول ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلائنٹ کو گاڑی کب ملتی ہے بینک کو اس سے غرض نہیں۔ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ میں بھی یہی ہوتا ہے مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ گاڑی ملنے کے بعد اس طرح وصول کرتا ہے کہ یا تو اس کو تمام اقساط میں ایڈجسٹ کر دیتا ہے یا پہلی قسط زیادہ رکھ کر یکمشت وصول کر لیا جاتا ہے۔ ثبوت کے لیے دیکھیے ماہر اسلامی بینکاری جناب محمد ایوب کی کتاب Under standing Islamic Finance ص:۲۹۶۔ اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ سودی طریقہ کار کے تحت ہی لیتا ہے۔

تاخیر پر جرمانہ:

سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ کرتے ہیں جو کہ اسلامی بینک کے زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔ یہاں بھی سودی فارمولا اختیار کیا جاتا ہے کہ ایک تو جرمانہ واجب الادا رقم کے تناسب سے عائد کیا جاتا ہے اور دوسرا تاخیر کی مدت بڑھنے کے ساتھ جرمانہ کی رقم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

شریعت میں تاخیر پر جرمانہ کا تصور نہیں ہے:

قرآن وحدیث میں تاخیر پر جرمانہ کا تصور موجود نہیں اور نہ ہی فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:

''قتل سمیت کوئی گناہ انسان کے مال کو حلال نہیں کرتا۔'' (۴۵)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''سزا صرف جسمانی ہے نہ کہ مالی۔'' (۴۶)

فقہ حنبلی کی معروف کتاب المغنی میں ہے:

''تعزیر مارنے، قید کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے ہوتی ہے اس کا کوئی حصہ کاٹنا یا اسے زخمی کرنا یا اس کا مال لینا جائز نہیں کیونکہ جن لوگوں کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے حوالے سے شریعت میں اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں ہوئی۔'' (۴۷)

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مالی جرمانہ جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفیؒ لکھتے ہیں:

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ حنفی مذہب کے مطابق مال لے کر تعزیری سزا جائز نہیں۔'' (۴۸)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں درمختار کے حوالے سے لکھا ہے:

''حنفی مذہب کے مطابق جرمانہ درست نہیں۔'' (۴۹)

نیز اسی صفحہ کے آخر میں ہے کہ جرمانہ مالی شرعاً درست نہیں۔

ماہرین اسلامی بینکاری کی نظر میں بھی جرمانہ جائز نہیں:

چونکہ ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ کے متعلق اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر دلائل سے عاری ہے اس لیے 1984 تک اسلامی بینکاری کے ماہرین کی بھی یہی رائے تھی کہ جرمانہ خواہ نیکی اور بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنے کی نیت سے کیا جائے وہ جائز نہیں۔ چنانچہ جب دوسرے البرکہ سیمینار میں جو ۴ تا ۸ نومبر ۱۹۸۴ تیونس میں منعقد ہوا یہ سوال پیش کیا گیا:

''اسلامی بینک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مقروض کے لیے ضمنی طور پر یہ شرائط طے کرے کہ اگر وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت پر قرض ادا نہیں کرے گا تو اسے اضافی رقم ادا کرنی ہوگی اور بالخصوص جب بینک یہ اضافی رقم نیکی اور بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنے کے ارادے سے حاصل کرنا چاہتا ہو؟''

اس موقع پر اسلامی بینکاری کے جید علمائے کرام اور ماہرین معاشیات نے جو تحقیقات پیش کیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ:

''یہ جائز نہیں ہے۔''(۵۰)

امام طابؒ کے قول سے غلط استدلال:

اسلامی بینکوں کے بعض حامی جرمانہ کے حق میں امام طابؒ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔

''جب مدعا علیہ مدعی کے لیے اپنی اوپر یہ لازم کر لے کہ اگر وہ اس کا فلاں وقت پر حق ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کو اتنی رقم ادا کرے گا تو اس کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ صریح سود ہے اور جب یہ پابندی عائد کر لے کہ فلاں وقت اس کا حق ادا نہ کیا تو میں اتنے پیسے فلاں کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا تو اس کے جواز میں (قضاء) اختلاف ہے۔''(۵۱)

اگر غور کیا جائے تو امام طابؒ کے اس قول سے اسلامی بینکوں میں رائج مالی جرمانہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

☆ ایک تو اس لیے کہ اسلامی بینکوں میں تاخیر پر جو جرمانہ وصول کیا جاتا ہے وہ واجب الادا رقم کے تناسب سے ہوتا ہے اور مدت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے جبکہ امام طابؒ کا یہ منشا قطعاً نہیں ہے۔

☆ دوسرا اس لیے کہ امام طابؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ یہ کہے کہ میں اتنی رقم قرض خواہ کو دوں گا یا اس کے واسطے سے صدقہ کروں گا بلکہ انہوں نے تو فرمایا ہے کہ مدیون (Debtor) یہ کہے کہ میں اتنی رقم فلاں کو یا کسی دوسرے کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا اسلامی بینکوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ اتنا جرمانہ بینک کے زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائے گا۔

☆ تیسرا اس لیے کہ امام طابؒ نے التزام کا لفظ بولا ہے جس کا مطلب ہے کہ مدیون اپنے ذمہ یہ لے نہ کہ دوسرا شخص یہ شرط لگائے۔ اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں بینک کی طرف سے یہ شرط ہوتی ہے۔

اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر:

اسلامی بینکاری کے حامی کہتے ہیں ٹھیک ہے شریعت میں تاخیر پر جرمانہ درست نہیں مگر چونکہ اس سے بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا اس لیے یہ جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا مگر مدیون کی جیب سے تو اتنی رقم نکل جاتی ہے شریعت کی کا یہ منشا تو ہرگز نہیں ہے کہ قرض خواہ کی آمدن میں اضافہ ہو تو جرمانہ ناجائز ہے ورنہ جائز۔ اوپر فقہاء کے حوالے سے ہم نے جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ بھی اس تاویل کو قبول کرنے سے اباء کر رہی ہیں۔ نیز خود اسلامی بینکاری کے سکالرز بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔

اسلامی بنک نان رسک ہیں:

سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی Non Risk ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب کوئی اسلامی بینک کے ساتھ مرابحہ یا اجارہ کا معاملہ کرنے جاتا ہے تو بینک اس سے اچھی خاصی رقم جو عام طور پر مطلوبہ چیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی قیمت کا دس فیصد ہوتی ہے۔ ٹوکن منی (حامش جدید) کے نام سے وصول کرتا ہے تا کہ اگر بعد میں وہ شخص چیز لینے سے انکار کر دے اور بینک کو وہ چیز دوسری جگہ قیمت لاگت سے کم پر فروخت کرنی پڑے تو بینک اس ٹوکن منی سے اپنا نقصان پورا کر سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی بینکوں کے نزدیک یہ خطرہ مول لینا Risk میں شامل نہیں؟ ممکن ہے اسلامی بینکنگ کے محققین فرمائیں کہ ہمارے نزدیک اس قسم کے خطرے میں پڑھا Risk میں شامل نہیں اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دوسری جگہ بیچنے پر بینک کا فائدہ ہو گیا وہ یہ نفع خریداری کا آڈر دینے والے شخص کو دینے کے لیے تیار ہیں؟ ظاہر ہے بینک اس پر تیار نہیں ہوگا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بینک نقصان اٹھانے کے لیے تیار نہیں تو نفع کس بنیاد پر لیتا ہے؟

اسلامی بینکاری کے حامیوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بینک کے لیے اس طرح کا خطرہ مول لینا ممکن نہیں کیونکہ بینک بنیادی طور پر تجارتی ادارہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ان حضرات کے موقف کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ روائتی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی صرف مالیاتی ثالث کا کردار ادا کرتے ہیں یعنی بچت کنندگان سے رقمیں جمع کر کے دوسروں کو فراہم کرتے ہیں اور ان سے مقرر شرح سے جو منافع ملتا ہے اس سے اپنا حصہ رکھ کر باقی کھاتہ داروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اشیاء کا لین دین تو صرف ایک حیلہ ہوتا ہے جو کاغذات کی حد تک ہوتا ہے عملاً بینک کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلامی بینکنگ کے حامی جس کو Risk قرار دیتے ہیں وہاں بھی بینک خود کو انشورنس کے ذریعے محفوظ رکھتا ہے اور انشورنس کی رقم بھی لاگت میں شمار کر کے کلائنٹ سے وصول کر لیتا ہے۔ یعنی رسک کی ساری ذمہ داری کلائنٹ کی ہے۔ اسلامی میں حقیقی Risk اٹھائے بغیر نفع لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلامی بینکوں میں رائج مالیاتی طریقے

(Modes of Financing)

علاوہ ازیں اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری اور لوگوں کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کے جو طریقے مضاربہ، مرابحہ، مشارکہ، اجارہ اور بیع تورق رائج ہیں وہ اس سادہ صورت میں موجود نہیں جو کتب حدیث وفقہ میں بیان ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے۔

مضاربہ

اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری کھاتے تقریباً مضاربہ کی بنیاد پر ہی کھولے جاتے ہیں۔ مضاربہ کو قراض اور معاملہ بھی کہا جاتا ہے اس کا اطلاق کاروبار کی اس صورت پر ہوتا ہے جس میں

''ایک سرمایہ کار (جس کو رب المال کہتے ہیں) اپنا سرمایہ کسی تاجر (مضارب یا عامل) کو دیتا ہے تاکہ وہ اس سے تجارت کرے۔ اور اس تجارت سے جو نفع حاصل ہو اس میں دونوں آپس میں طے شدہ تناسب سے شریک ہوں''۔

چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''قراض اور مضاربہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مال دے تاکہ وہ اس میں تجارت کر لے اور نفع دونوں میں مشترک ہو''۔ (۵۲)

نیل العارب میں ہے:

''مضارہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنے مال میں سے کچھ دے یا اس کا مال پہلے ہی سے بطور امانت اس کے پس پڑا ہو یا اس نے غصب کر رکھا ہو اور وہ اس کو اجازت دے دے کہ وہ اس میں تجارت کرے اور نفع ان دونوں کے درمیان اس تناسب سے ہوگا جس پر وہ متفق ہوں''۔ (۵۳)

الملخص الفقہی میں مضاربہ کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے:

''نفع کے کچھ حصے کے بدلے مال اس شخص کے حوالے کرنا جو اس کو تجارت میں لگائے''۔

مضاربہ کی صورت میں اگر تجارت میں خسارہ ہو جائے تو اس کا ذمہ دار صرف سرمایہ کار ہوتا ہے۔ تاجر اس میں حصہ دار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اپنی محنت کے ثمرہ سے محروم رہتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے۔

''نقصان سرمایہ کار کا ہوگا اور نفع اس تناسب سے جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہو''۔ (۵۴)

مضارب کی حیثیت:

امام ابن قیمؒ کے نزدیک مضارب کی چار حیثیتیں ہیں:

۱۔ امین ۲۔ اجیر ۳۔ وکیل ۴۔ شریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک تو اس لیے کہ دوسرے منصوبوں کے ذریعے جو فائدہ حاصل ہوگا وہ مضارب کی محنت کی بجائے خود مال کا نتیجہ ہوگا۔ جیسا کہ امام نوویؒ اور علامہ زرکیا انصاریؒ نے ذکر کیا ہے۔

اور دوسرا اس لیے کہ مضاربہ اس چیز میں ہوتا ہے جو غیر منضبط ہو اور وہ صرف تجارت ہے۔ جہاں اجارہ ہو سکے وہاں مضاربہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ امام عبدالکریم الرافعی نے ذکر کیا ہے۔

چونکہ دلائل کے اعتبار سے یہ نقطہ نظر قوی ہے اس لیے اسلامی بینکاری کے حامی بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ بنیادی طور پر مضاربہ تجارت میں ہی ہوتا ہے۔ دوسرے زرعی اور صنعتی منصوبوں میں اس کا استعمال اس کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے کیا جانے لگا ہے چنانچہ عالمی سطح پر اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کے لیے قائم تنظیم

''هيئة المحاسبة والمرجعة المنوسات المالية الاسلامية'' Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions (مخفف:AAOFI) کے شائع کردہ المعايير الشرعية (شریعہ سٹینڈرڈز) میں ہے۔

> ''مضاربہ ان طریقوں میں سے ہے جو زیادہ تر تجارت میں استعمال کیا جاتا ہے پھر اس کے استعمال میں وسعت پیدا ہوگی یہاں تک کہ تجارتی، زرعی اور صنعتی سرمایہ کاری وغیرہ کو بھی شامل ہو گیا''۔(۶۶)

مضاربہ کے مفہوم میں یہ وسعت کس نے پیدا کی کب کی اور کس بنیاد کی؟ ہمیں پورا یقین ہے کہ اسلامی بینکنگ کے حامیوں کے پاس اس کا کوئی ایسا جواب نہیں ہے جو اہل علم کو مطمئن کر سکے یہی وجہ ہے کہ المعايير الشرعية کے قابل احترام علمائے کرام نے اس کے متعلق اس سے زیادہ لب کشائی نہیں فرمائی۔

اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی حقیقت:

اگر اسلامی بینکاری کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ میں اوپر بیان کردہ اصولوں اور شرطوں کا پوری طرح خیال نہیں رکھا جاتا اور نہ ہی یہ عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے ذیل کی سطور ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اگرچہ اسلامی بینکوں میں یہ سہولت موجود ہے کہ اگر کوئی ڈیپازیٹر یہ جاننا چاہے کہ نفع کی تقسیم کس تناسب سے ہوگی تو متعلقہ بینک کے ذمہ دار بتانے کے پابند ہیں یا وہ خود بھی بینک کی ویب سائٹ پر دیکھ سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈیپازیٹر سے جس فارم پر دستخط کروائے جاتے ہیں اس میں صاف لکھا ہوتا ہے کہ بینک یہ تناسب تبدیل کرنے کا بھی مجاز ہے تاہم اس صورت میں بینک کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ تبدیل شدہ تناسب اپنی ویب سائٹ پر جاری کرے یا لکھ کر نوٹس بورڈ پر آویزاں کرے۔ اب یہ تبدیل شدہ تناسب کتنی مدت کے لیے ہوگا اس کا ذکر نہیں ہوتا حالانکہ اسلامی بینکنگ کے موید ین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ صراحت ہونی چاہیے کہ نفع کی تقسیم کا یہ فارمولا کب تک چلے گا۔(۶۷)

۲۔ اسلامی بینک منافع کی تقسیم کے لیے مدت اور رقم کی کمی بیشی کی بنیاد پر ڈیپازیٹرز کی رقوم کا الگ الگ ''وزن'' مقرر کرتے ہیں یعنی جس کی رقم اور مدت زیادہ ہو اس کا وزن زیادہ اور جس کی کم ہو اس کا وزن کم رکھا جاتا ہے۔ مثلاً میزان بینک کی ویب سائٹ سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق ماہ اپریل 2008ء کا وزن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسائنڈیوں ہے: اگر یہ رقم 10,000 سے لیکر ایک لاکھ سے کم تک ہو تو ویٹج 0.31 ہوگا اور اگر رقم ایک لاکھ سے لیکر 0.99 ملین تک ہو تو ویٹج 0.36 تک ہوگا۔ نفع کی تقسیم کا یہ طریقہ کار بھی سودی ذہنیت کی غمازی کرتا ہے۔

مروجہ اسلامی بینکاری کے محققین اس کی تائید میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مختلف شرکاء کے لیے منافع کی مختلف شرحیں طے کی جاسکتی ہیں یعنی ایک فریق کے لیے نفع کا تناسب چالیس اور دوسرے کے لئے پچاس فیصد رکھا جاسکتا ہے مگر ہمارے یہ محققین یہ بھول گئے کہ اس کو مدت اور رقم کی کمی بیشی سے جوڑنے میں رہا کا شبہ پایا جاتا ہے لہٰذا اس کو مطلق جائز قرار دینا خطرے سے کالی نہیں۔

یہاں ایک اور زیادتی بھی کی جاتی ہے وہ یہ کہ مضاربہ میں بینک کی اپنی رقم بھی ہوتی ہے لیکن بینک اس کا وزن ڈیپازیٹر کی رقوم سے زیادہ رکھتا ہے۔ مثلاً اسی ماہ اپریل میزان بینک نے اپنی رقم کا ویٹج 1.7 رکھا ہے۔ یہ فرق خود اس اصول کے بھی خلاف ہے وہ اس طرح کہ اگر بینک نے مضاربہ میں مثلاً ایک ارب روپیہ لگایا ہے اور اس میں نوے کروڑ کھاتہ داروں کا اور دس کروڑ بینک کا تو اس اصول کے مطابق کھاتہ داروں کی رقم کی ویٹج بینک کی رقم سے زیادہ ہو جانا چاہیے کیونکہ مجموعی اعتبار سے کھاتہ داروں کی رقم زیادہ ہے لیکن بینک نے الٹا اپنی رقم کا ویٹج زیادہ رکھا ہوتا ہے اگر یہ اصول درست ہے تو بینک اور کھاتہ دار دونوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔

فائدہ:

رقم کی کمی بیشی کی بنیاد پر مختلف وزن دینے کو خود اسٹیٹ بینک غلط کہہ چکا ہے۔ دیکھیے B-C-D کا جاری کردہ سرکیولر نمبر 6 بتاریخ 12-7-1987۔

ممکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب اسٹیٹ بینک نے 1987ء میں اس سے روک دیا تھا پھر اسلامی بینک ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعد میں جب کچھ وجوہ کی بنا پر یہ پابندی اٹھالی گئی تو اسلامی بینکوں نے بھی استغفار شروع کر دیا مگر سوال یہ ہے کہ کیا اسٹیٹ بینک کی پابندی ختم ہونے سے ایک غلط کام جائز ہو جاتا ہے۔

۳۔ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ میں تیسری خرابی یہ ہے کہ ڈیپازیٹر بینک کا شریک ہے۔ اس ناطے بینک پر لازم ہے کہ اس کو اعتماد میں لے جس طرح بینک اپنے شیئر ہولڈرز کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اور بورڈ آف ڈائریکٹر شیئر ہولڈرز کی نمائندگی کرتا ہے۔ بینک سے متعلقہ ہر چیز اس کے علم میں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ڈیپازیٹر کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ بینک کیا کر رہا ہے اور کتنا نفع ہوا ہے جو بینک دے دے کھاتہ دار پر اس کو قبول کرنا فرض ہوتا ہے۔ اسلامی بینکوں کے فارمز میں بھی یہ درج ہوتا ہے کہ بینک نے جو نفع تقسیم کر دیا ڈیپازیٹر اس کو قبول کرنے کا پابند ہوگا کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہوگا۔ اسلامی اسلامی بینکاری کے حامیوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ شرط قرین انصاف ہے؟

اسلامی بینکاری کے سکالر ڈاکٹر رفیق یونس مصری اسلامی بینکنگ میں حائل موانع اور مشکلات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بلاشبہ ڈیپازیٹر ایک اور مشکل کا شکوہ کرتے ہیں وہ یہ کہ وہ مال کے ساتھ بینک کے شریک ہیں لیکن بینک میں حصہ دار جن کی نمائندگی بورڈ آف ڈرائیکٹرز کر رہا ہوتا ہے کے مقابلے میں ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کوئی تنظیم یا بورڈ نہیں''۔ (۶۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ جہاں تک عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آثار کا تعلق ہے ان کے بارہ میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب ہے کہ ممانعت تب ہے جب یہ کہے کہ یہ چیز میں تجھے اس طرح فروخت کرتا ہوں کہ ہر دس کے بدلے ایک یا ہر دس کے بدلے دو نفع لوں گا۔ اصل لاگت کا تذکرہ نہ کرے پھر ادائیگی کے وقت اس کی وضاحت کرے''۔(۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے۔ یاد رہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اثر سنداً بھی ثابت نہیں کیونکہ اس کو سفیان بن عیینہ صیغہ عن سے بیان کر رہے ہیں اور وہ مدلس ہیں۔

مرابحہ میں ضمنی اخراجات کا حکم:

یہاں یہ امر بھی قابل ملاحظہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز پر جو اخراجات آتے ہیں فروخت کنندہ ان کو بھی اصل لاگت میں شامل کر کے مجموعہ لاگت پر نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اوپر صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت محمد بن سیرینؒ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ فروخت کنندہ اخراجات پر بھی نفع لے سکتا ہے۔ شیخ اسلام حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں:

''مرابحہ میں بائع کو یہ بھی حق ہے کہ وہ تمام اخراجات کو شمار کر کے یہ کہے کہ مجھے یہ چیز اتنی رقم (قیمت) میں پڑی ہے''۔(۷۹)

بیع مرابحہ اور بینکاری:

مذکورہ بالا تفصیل سے مرابحہ کا شرعی تصور اور اس کے اصول و مبادی نکھر کر سامنے آ گئے ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ اس کا بینکاری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اسلامی بینکاری کے حامی مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ اصطلاح آج کل معاشی حلقوں میں ایک بینکاری کے طریقے کے طور پر مروج ہے۔ جبکہ مرابحہ کا اصل تصور اس خیال سے مختلف ہے۔ مرابحہ اصل میں اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد ایک قسم کی بیع ہوتی ہے۔ جس کا اپنے اصل تصور کے اعتبار سے تمویل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے''۔(۸۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''بنیادی طور پر مرابحہ طریقہ تمویل نہیں بلکہ بیع کی ایک خاص قسم ہے۔ شریعت کی رو سے تمویل کے مثالی طریقے ''مشارکہ'' اور ''مضاربہ'' ہیں''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''یہ بات کسی صورت نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ مرابحہ اصل کے اعتبار سے طریقہ تمویل نہیں۔ یہ تو صرف سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے۔ ایسا مثالی ذریعہ تمویل نہیں جو اسلامی کے معاشی مقصد کی تکمیل کرتا ہو''۔(۸۱)

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ:

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ اصل میں ''المرابحة للآمر بالشراء یا المرابحة للواعد بالشراء'' یعنی خریداری کا آرڈر دینے یا خریداری کا وعدہ کرنے والے کے ساتھ مرابحہ کا معاملہ کرنا ہے۔ اس کو مرابحہ مُرَکَّبَہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں۔

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کلائنٹ بینک سے درخواست کرتا ہے کہ آپ میرے لیے اس کو الٹی کی فلاں فلاں چیز لیں میں وہ مرابحہ کی بنیاد پر آپ سے خرید لوں گا۔ شرح منافع کا تعین پہلی ہی ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تعین شرح سود سے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر بینک کلائنٹ کی دلچسپی جانچنے کے لیے ٹوکن منی (الحامش الجدی) بھی وصول کرتا ہے پھر جب بینک حسب وعدہ مطلوبہ سامان خرید لیتا ہے تو باقاعدہ بیع کے ذریعے کلائنٹ کو فروکت کرتا ہے اور کلائنٹ عموماً اپنے وعدے کے مطابق خریدنے کا پابند ہوتا ہے۔ بعض دفعہ بینک پر بھی وعدے کی پابندی لازم ہوتی ہے لیکن عموماً بینک آزاد ہی ہوتا ہے۔ اگر بینک کے سامان خریدنے کے بعد کلائنٹ حسب وعدہ خریدنے سے انکار کر دے تو بینک وہ سامان کسی دوسرے کو بیچ دیتا ہے اور اصل لاگت سے جتنا خسارہ ہوتا ہے وہ وعدہ کرنے والے سے وصول کرتا ہے۔ بینک چونکہ تجارتی ادارہ نہیں اس لیے وہ خود سامان خریدنے کی بجائے اس کلائنٹ کو ہی خریداری کے لیے وکیل مقرر کر دیتا ہے کہ آپ یہ سامان خود خرید لیں۔ اور اکثر کلائنٹ اپنا سپلائر بھی خود متعین کرتا ہے اور اس کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بینک اسی سے مطلوبہ سامان خرید کر اسے فروکت کرے۔ کلائنٹ کا بینک کے ساتھ یہ معاہدہ بھی ہوتا ہے کہ بیع کے بعد اگر اس نے وعدے کے مطابق ادائیگی نہ کی تو وہ اتنی رقم بینک کے زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائے گا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ قطعاً وہ نہیں جس کو ہمارے اسلاف نے جائز قرار دیا ہے بلکہ اس میں یہ شرعی مرابحہ میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔

۱۔ شرعی مرابحہ میں بیچا جانے والا سامان تاجر کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں مطلوبہ سامان بینک کے پاس موجود نہیں ہوتا۔

۲۔ شرعی مرابحہ میں چونکہ تاجر نے سامان خریداری کے آرڈر یا وعدہ کے بغیر خریدا ہوتا ہے اس لیے وہ حالات کے رحم وکرم پر ہوتا ہے ممکن ہے گاہک فوراً آ جائے اور یہ فروخت ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑے اور یہ بھی خدشہ ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں بازار میں چیز کی قیمت کم ہو جائے اور یہ نقصان اٹھا کر بیچنے پر مجبور ہو۔ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں بینک کو یہ خطرات درپیش نہیں ہوتے۔

۳۔ شرعی مرابحہ ایک ہی مرحلہ میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی بینکوں میں مروجہ مرابحہ دو مرحلوں میں انجام پاتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں وعدہ ہوتا ہے اور دوسرے مرحلہ میں عقد کی رسم ادا ہوتی ہے۔

۴۔ شرعی مرابحہ میں ادائیگی نقد بھی ہو سکتی ہے اور ادھار بھی لیکن بینکاری مرابحہ موجل ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ لوگ بینکوں میں جاتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کے پاس رقوم نہیں ہوتیں۔

۵۔ شرعی مرابحہ کا معاملہ کرتے وقت سود فریقین کے وہم وخیال میں بھی نہیں ہوتا جبکہ اسلامی بینکوں میں نفع کا تعین ہی شرح سود سے ہوتا ہے۔

۶۔ شرعی مرابحہ میں صرف دو فریق ہوتے ہیں: (۱) بیچنے والا۔ (۲) خریدنے والا۔ اس کے برعکس یہاں ایک تیسرا فریق بینک بھی ہوتا ہے۔

مروجہ مرابحہ کا شرعی حکم:

یہ صورت چونکہ شرعی مرابحہ سے بالکل مختلف ہے اس لیے اس کو شرعی مرابحہ کی بنیاد پر جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام بینک کاری کے ماہر ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

''جب اختیار نہ ہو تو معاملہ جائز نہیں کیونکہ بیع مرابحہ میں لازمی وعدہ نفع بیع کے مشابہ ہے جب بیع میں یہ شرط ہے کہ فروخت کنندہ بیچی جانے والی چیز کا مالک ہو۔ تو نبی ﷺ کہ اس فرمان کہ ''جو انسان کے پاس نہیں وہ بیچنا منع ہے''۔ کی مخالفت نہ ہو۔ چنانچہ وعدہ غیر لازمی ہو تو مرابحہ جائز ہے لیکن جب مرابحہ کا ظاہری مطلب بیع ہو اور حقیقت میں فنانسک ہو تو یہ جائز نہیں''۔ (۹۱)

شیخ بکر بن عبداللہ ابوزیدؒ فرماتے ہیں:

''بینک کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ ایک ایسی چیز بیچے کہ جس کا وہ بالکل ہی مالک نہیں ہے وہ سودا حاصل کر کے نفع حاصل کرتا ہے حالانکہ وہ چیز اس کی تقدیری ملکیت میں ہے نہ کہ حقیقی۔ چنانچہ اس کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیے''۔ (۹۲)

ڈاکٹر احمد ریان لکھتے ہیں:

''اس معاملہ کو متعدد فقہی خرابیوں نے گھیرا ہوا ہے ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ کلائنٹ کی طرف سے خریداری کا وعدہ اور بینک کی اس پر موافقت معاہدہ ہے۔ اگرچہ کاغذات میں اس کو وعدہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ فقہاء کے قول کے مطابق حقائق کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ اور جب یہ معاہدہ ہے تو اس میں معاہدہ بیع کی تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اور ان میں سے اکثر یہاں نہیں پائی جاتیں''۔ (۹۳)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اس میں منافع کے لیے شرح سود کو معیار بنانے سے یہ معاملہ مزید شکوک ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حامی بھی اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیتے چنانچہ مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ حلال منافع کے تعین کے لیے سود کی شرح اس کا استعمال پسندیدہ نہیں اور اس سے یہ معاملہ کم از کم ظاہری طور پر سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے اور سود کی شدید حرمت کے پیش نظر اس ظاہری مشابہت سے بھی جہاں تک ہو چکے بچنا چاہیے''۔ (۹۵)

مزید لکھتے ہیں:

''البتہ یہ بات درست ہے کہ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو جتنا جلدی ممکن عملاً اس طریقہ کار سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ اس طرح کہ اول تو اس میں شرح سود کو حلال کاروبار کے لیے مثالی اور معیاری سمجھ لیا جاتا ہے جو کہ پسندیدہ بات نہیں دوسرا اس لیے اس سے اسلامی معیشت کے بنیادی فلسفے کو فروغ نہیں ملتا۔ اس لیے کہ اس سے تقسیم دولت کے نظام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا''۔ (۹۶)

دوسری صورت:

اس معاملے کی دوسری صورت یہ ہے کہ وعدہ یک طرفہ ہو یعنی گاہک اپنے وعدے کا پابند ہو لیکن بینک آزاد ہو یہ صورت بھی درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد ''البیعان بالخیار'' میں بیچنے والے خریدنے والے دونوں کو اختیار دیا گیا ہے ایک کو پابند اور دوسرے کو مستثنیٰ رکھنا اس تفریق کی کوئی اصل نہیں چنانچہ ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''میری رائے میں دونوں کو اختیار ضروری ہے فقط ایک کو اختیار سینہ زوری ہے''۔(۹۷)

تیسری صورت:

اس معاملے کی تیسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ اور بینک دونوں پابند نہ ہوں بینک کے چیز خریدنے کے بعد کلائنٹ کو بیع کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہو اس طرح بینک بھی اپنے فیصلے میں آزاد ہو تو یہ صورت جائز ہوگی بشرطیکہ بینک نے وہ چیز کلائنٹ کے ذریعے نہ خریدی ہو اور نفع کے لیے شرح سود کو معیار بھی نہ بنایا گیا ہو کیونکہ اس طرح یہ معاملہ سودی قرض کے مشابہ بن جاتا ہے۔

اس موقع پر ڈاکٹر محمد سلیمان اشقر کے فتویٰ کا ذکر بھی مفید رہے گا۔

''بیع مرابحہ کا نظام جس کو دور حاضر میں بعض اسلامی بینک جاری کیے ہوئے ہیں ناجائز ہے اور یہ سود کے حاصل کرنے کا حیلہ ہے یا یہ بینک کی طرف سے ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی اس کی ملکیت میں نہیں آئی اور دونوں شرعاً ممنوع ہیں اور سنت نبوی ﷺ اس بیع کی اجازت نہیں دیتی بلاشبہ د مذہب اربعہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں خاص طور پر ملکیوں کا مذہب جس نے اس ممانعت کی واضح طور پر صراحت کی ہے اور جنہوں نے دوبئی میں اسلامی بینک کانفرنس میں اس کا جائز قرار دیا۔ انہوں نے فقہ اسلامی کے ذمے بہت بڑی غلطی لگائی اور ان کے پاس اپنی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے''(۹۸)

اسلامی بینکوں کا نقطہ نظر:

اسلامی بینکوں کی طرف سے اس کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حقیقی بیع تب ہوتی ہے جب بینک مطلوبہ سامان خرید لیتا ہے اس سے پہلے صرف بیع کا وعدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے اوپر بیان شدہ خرابیاں لازم نہیں آتیں۔ بیع اور وعدہ میں فرق ہے مثلاً بینک کی طرف سے مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد اور کلائنٹ کے حوالے کرنے سے پہلے اگر ہو ضائع ہو جائے تو بینک کا نقصان ہوگا اس طرح اگر بینک کی طرف سے خریداری کے بعد کلائنٹ انکار کر دے تو بینک اس کو کسی دوسرے شخص کو بیچ کر اگلاگت سے جتنے پیسے کم ملیں گے وہ وعدہ کرنے والے سے وصول کرے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ باقاعدہ بیع نہیں ہے ورنہ نہ تو بینک نقصان کا ضامن ہوتا اور نہ ہی اس کو دوسری جگہ بیچنے کا اختیار ہوتا لیکن اگر غور کیا جائے تو دو وجہ سے یہ دلیل انتہائی کمزور ہے۔

۱۔ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ لازمی وعدہ بیع ہی کی شکل ہے یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور مالکی فقہاء نے ''مرابحہ للامر بالشراء'' کی جس شکل میں اختیار نہ ہو کو ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

فقہائے احناف کے سرخیل حضرت امام محمدؒ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ ''آرڈر دینے والا خرید نے سے انکار نہ کرے کے لیے یہ حیلہ تجویز کیا ہے کہ جس کو آرڈر دیا گیا ہے وہ اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن بعد واپس کرنے کا اختیار ہے اگر آرڈر دینے والا اپنے وعدے کے مطابق خرید لے تو اس کے حوالے کر دے۔ اگر اس کو دلچسپی نہ ہو تو اس اختیار کی بناء پر واپس کر کے نقصان سے محفوظ رہے گا''۔(۹۹)

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فقہاء احناف کے ہاں مرابحہ میں وعدہ پورا کرنا قانونی ذمہ داری نہیں ورنہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بینک کی خریداری کے بعد اپنی بات پر قائم نہ رہے تو بینک اس کا معاملہ کسی دوسرے کے ساتھ کرے گا اور جتنا نقصان ہوگا وہ ''ضمان جدید'' سے پورا کرے گا۔ اگر ضمان جدید نقصان کی تلافی کے لیے ناکافی ہو تو وہ کلائنٹ سے مزید مطالبہ بھی کر سکتا ہے کیونکہ بینک کو یہ نقصان اس کی وجہ سے ہوا ہے اگر ضمان جدید سے نقصان پورا کرنے کے بعد کچھ رقم بچ جائے (جو ممکن نہیں) تو وہ کلائنٹ کی ہوگی۔ شرعی اجارہ میں یہ نہیں ہوتا۔ شرعی اجارہ میں مالک نے چونکہ وہ چیز کسی درخواست کے بغیر خریدی ہوتی ہے اس لیے اس میں دونوں احتمال ہوتے ہیں کہ کوئی کرایہ پر لینے کے لیے آجائے یا نہ آئے۔ اس سے بھی ہمارے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ اسلامی بینک نان رسک ادارہ ہے۔

ضمان جدید کی شرعی حیثیت:

''المعايير الشرعية'' کے نقطہ نظر کے مطابق یہ رقم یا تو بینک کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی گئی امانت تصور ہوگی بینک اس میں تصرف کا مجاز نہیں ہوگا یا اس کی حیثیت اس امانت کی ہوگی جو سرمایہ کاری کے لیے دی جاتی ہے یعنی کلائنٹ بینک کو اجازت دے گا کہ وہ اس رقم سے مضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ جب اجارہ کا باقاعدہ عقد ہو اس وقت یہ طے کر لیا جائے کہ یہ رقم اجرت کی قسطوں میں شمار ہوگی۔ (۱۰۸)

ہماری ناقص رائے میں ''ضمان جدید'' کو امانت قرار دینا درست نہیں کیونکہ امانت تصرف میں نہیں لائی جا سکتی اور مالک جب چاہے اپنی امانت واپس لے سکتا ہے اس کے برعکس اسلامی بینک اس رقم کو استعمال بھی کرتے ہیں اور مالک کی حسب منشاء واپسی کی پابندی بھی قبول نہیں کرتے۔

اگر چیز تباہ ہو جائے یا قابل استعمال نہ رہے؟:

اس بارے میں شریعہ سٹینڈرڈز کا موقف بڑا واضح ہے کہ اگر اس میں مستاجر کا عمل دخل نہ ہو تو دونوں حالتوں میں اجرت مثل (مارکیٹ کرایہ) کی طرف لوٹا جائے گا۔ اور عقد میں طے شدہ کرایہ کے مطابق بینک نے اجرت مثل سے جتنا زیادہ لیا ہوگا وہ مستاجر کو واپس کرنے کا پابند ہوگا۔ (۱۰۹)

اجارہ ''منتهية بالتمليك'' کا شرعی حکم:

ڈاکٹر احمد ریان اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کی مروجہ صورتوں میں پائی جانے والی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

☆ اس میں بیع معلق (Contingent) ہوتی ہے یہ ایسی خرابی ہے جس کی ممانعت پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

☆ اس میں شرط پائی جا رہی ہے بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی ممنوع ہے۔

☆ ایک Contract میں دو معاملے جمع ہو رہے ہیں یعنی ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت داخل ہے۔ (۱۱۰)

علاوہ ازیں اس میں حسب ذیل خرابیاں بھی پائی جاتی ہیں:

☆ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ معاہدے کے شروع میں بینک یہ وعدہ کرتا ہے کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر رسمی یا حقیقی قیمت کے عوض یا مدت اجارہ کے دوران ہی باقی قسطوں کے بدلے یا بازاری قیمت پر یہ چیز مستاجر کی ملکیت میں دے دے گا۔ ڈاکٹر محمد زحیلیؒ لکھتے ہیں:

''اگر وعدہ لازمی ہو تو یہ شرعی طور پر حرام معاملات میں داخل ہو جائے گا۔ وہ ہے غیر ملکیتی چیز اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبضہ سے پہلے بلکہ خریدنے سے پہلے ہی بیع کا معاملہ''۔(۱۱۱)

یا یہ ہبہ کا وعدہ ہوتا ہے۔ یا پھر ہبہ کا ایسا معاہدہ ہوتا ہے جو تمام اقساط کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو وہ غرر سے خالی نہیں۔ کیونکہ ایسا وعدہ بیع جس کی پابندی لازی ہو عملاً بیع ہی ہے۔ اسلامی بینکنگ کے حامیوں کا یہ کہنا کہ یہ یکطرفہ وعدہ ہے جس میں ایک فریق کو اختیار ہے تو بقول ڈاکٹر رفیق یونس مصری کے صرف ایک کو اختیار دینا سینہ زوری ہے۔ جب یہ بیع ہے تو بیع کا معاہدہ طے پاتے وقت قیمت مجہول ہوئی کیا علم پانچ سال بعد حقیقی قیمت کیا ہوگی یا رسمی قیمت کیا مقرر ہوگی۔

اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ مستاجر مکمل قسطیں ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کے ملکیتی حقوق حاصل نہ کر سکے۔

اس کو ہبہ کہنا بھی درست نہیں کیونکہ مستقبل کی شرط پر موقوف ہبہ درست نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ صالح بن فوزانؒ کہتے ہیں:

''مستقبل کی شرط پر موقوف ہبہ صحیح نہیں ہے جیسے یہ کہے کہ جب اس قسم کی چیز حاصل ہوگی تو میں فلاں چیز آپ کو ہبہ کر دوں گا''۔(۱۱۲)

ایسے ہی اس کو ہبہ کا وعدہ کہنا بھی درست نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ ایسا ہبہ ہوگا کہ مارکیٹ ریٹ سے زیادہ کرایہ وصول کرنے کی صورت میں جس کا بدلہ لیا جاتا ہے۔ اس قسم کا ہبہ بھی بیع ہی کے حکم میں ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں معاوضہ اور اس کی مقدار طے نہیں ہوتی۔

☆ اس کی عملی تطبیق میں بھی گڑبڑ ہوتی ہے وہ یوں کہ بینک اس مدت کی کرایہ بھی قسطوں میں ایڈجسٹ کرتا ہے جس میں گاڑی تو کلائنٹ کو نہیں ملی ہوتی لیکن بینک رقم جمع کروا چکا ہوتا ہے جیسا کہ ہم پیچھے اسلامی بینکاری کے سکالر جناب محمد ایوب کے حوالے سے لکھ آئے ہیں۔

☆ اس میں شریعہ سٹینڈرڈز کے احکام کی بھی خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔

☆ شریعہ سٹینڈرڈز کے مطابق بیع کا وعدہ بینک کی جانب سے ہونا چاہیے جبکہ اسلامی بینک کلائنٹ سے وعدہ لیتے ہیں۔

☆ شریعہ سٹینڈرڈز کے مطابق بینک ''ضمان جدیہ'' سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جبکہ اسلامی بینک اس فے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

☆ شریعہ سٹینڈرڈز کی رائے میں اجارہ پر دی ہوئی چیز اگر تباہ ہو جائے یا وہ باقی ماندہ مدت کے لیے قابل استعمال نہ رہے بشرطیکہ اس میں مستاجر کا عمل دخل نہ ہو تو بازاری قیمت سے زائد لیا ہوا کرایہ مستاجر کو واپس کیا جانا چاہیے لیکن اسلامی بینکوں میں اس پر عمل نہیں ہوتا بلکہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ انشورنس یا تکافل کمپنی سے جو رقم ملتی ہے۔ اس میں سے پہلے اپنی باقی ماندہ رقم پوری کرتے ہیں۔ اگر کچھ بچ جائے تو مستاجر کو دیتے ہیں ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔

اسلامی بینکوں کا یہ عمل سراسر غیر اسلامی اوران کے اپنے ہی شریعہ سٹینڈرڈز کے خلاف ہے۔

مشارکہ متناقصہ (Diminishing Musharakah)

اس کو شرکہ متناقصہ بھی کہتے ہیں اس کا معنی ہے تخفیف پذیر مشارکہ یعنی وہ مشارکہ جس میں ایک فریق اپنا حصہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقفے وقفے سے دوسرے فریق کو بیچتا جاتا ہے بالآخر دوسرا فریق کلی طور پر اثاثے کا مالک بن جاتا ہے۔ اسلامی بینکوں میں اس پر بھی بکثرت عمل ہوتا ہے اس کو زیادہ تر ہاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اجارہ "منتهية بالتمليك" کی طرح یہ اصطلاح بھی اسلامی بینکاری نے ہی متعارف کروائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا سب سے پہلے استعمال مصر میں شروع ہوا۔ (۱۱۳)

ظاہر ہے جب ذخیرہ حدیث وفقہ میں اس اصطلاح کا ذکر ہی نہیں تو ہمیں اس کی حقیقت جاننے کے لیے اسلامی بینکنگ کے ماہرین کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ المعاییر الشرعیۃ میں اس کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے۔

"مشارکہ متناقصہ ایسی شرکت سے عبادت ہے جس میں ایک شریک یہ عہد کرتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دوسرے شریک کا حصہ خرید لے گا یہاں تک کہ مشتری پورے منصوبے کا مالک ہو جائے"۔ (۴)

اسکی عملی تطبیق کیا ہوتی ہے؟ یہ سمجھنے کے لیے ہم جناب مولانا تقی عثمانی صاحب کی کتاب "اسلامی بینکاری کی بنیادیں" سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"مشارکہ کی ایک اور شکل جسے ماضی قریب میں ترقی دی گئی ہے "مشارکہ متناقصہ" ہے۔ اس تصور کے مطابق ایک تمویل کار اور اس کا عمیل کسی جائیداد، سامان یا کاروباری ادارے کی مشترکہ ملکیت حاصل کرتے ہیں۔ تمویل کار کے حصے کے کئی یونٹس ایک ایک کر کے کچھ وقفوں کے بعد خرید لے گا جس کے نتیجے میں اس کا حصہ کم ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام یونٹس عمیل خرید لے گا اور جائیداد یا کاروباری ادارے کا تنہا مالک بن جائے گا"۔

شرکت متناقصہ کے اس تصور کو مختلف معاملوں میں مختلف طریقوں سے اختیار کیا جاتا ہے۔ چند نمونے ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

اسے عام طور پر ہاؤس فنانسنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عمیل ایک گھر خریدنا چاہتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کافی رقم موجود نہیں ہے۔ یہ ایک تمویل کار کے پاس جاتا ہے جو اس کے ساتھ مل کر ایک گھر خریدنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قیمت کا بیس فیصد عمیل ادا کرتا ہے اور اسی فیصد تمویل کار، لہٰذا گھر کے اسی فیصد حصے کا مالک تمویل کار ہے اور بیس فیصد کا عمیل، جائیداد کو مشترکہ خریدنے کے بعد عمیل گھر کو اپنی رہائش ضرورتوں کے لیے استعمال کرتا ہے اور تمویل کار کو جائیداد میں اس کا حصہ استعمال کرنے کی وجہ سے کرایہ ادا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمویل کار کے حصے کو آٹھ برابر یونٹس میں تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ ہر یونٹ گھر کے دس فیصد ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ (کیونکہ اس کی کل ملکیت اسی فیصد تھی) عمیل، تمویل کار سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہر تین ماہ بعد ایک یونٹ خریدے گا۔ چنانچہ تین ماہ کی پہلی مدت پوری ہونے پر وہ گھر کی قیمت کا دس فیصد حصہ ادا کر کے ایک یونٹ خرید لیتا ہے۔ اس سے تمویل کار کا ایک حصہ اسی فیصد سے کم ہو کر ستر فیصد ہو جائے گا۔ تمویل کار کا ادا کیا جانے والا کرایہ بھی اس قدر کم ہو جائے گا۔ دوسری مدت کے پورا ہونے کے بعد ایک اور یونٹ خریدے گا جس سے جائیداد میں اس کا حصہ بڑھ کر چالیس فیصد ہو جائیگا اور تمویل کار کا کم ہو کر ساٹھ فیصد رہ جائے گا اور اسی تناسب سے کرایہ بھی کم ہو جائے گا۔ یہ ترتیب اسی طریقے سے چلتی رہے گی یہاں تک کہ وہ سال کے اختتام پر عمیل تمویل کار کا سارا حصہ خرید لے گا جس سے اس کا حصہ "صفر" رہ جائے گا۔ اور عمیل کا حصہ سو فیصد ہو جائیگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یہ طریقہ کار تمویل کار کو یہ اجازت دیتا ہے کہ جائیداد میں اپنی ملکیت کے تناسب سے کرایہ کا دعویٰ کرے اور اسی کے ساتھ اپنے حصے کے یونٹس کی بیع کے ذریعے سے اپنا اصل سرمایہ وقفے وقفے سے واپس حاصل کرے''۔(۱۱۵)

یہ اقتباس ہے تو طویل مگر اس سے مشارکہ متناقصہ کی عملی صورت پوری طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس اقتباس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل تشریح ہو۔ اس حوالے سے یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بینک اپنے حصے کا کرایہ مارکیٹ ریٹ کی بجائے شرح سود کے مطابق وصول کرتا ہے۔

مشارکہ متناقصہ شراکت کی کس قسم میں داخل ہے:

''المعايير الشرعية'' کے مطابق شرکت کی یہ جدید قسم ''شرکة العنان'' کی ذیلی شاخ ہے۔ لہٰذا اس پر وہ تمام احکام نافذ ہوں گے جو عام شرکت پر ہوتے ہیں۔ خصوصاً شرکۃ العنان کے۔ علامہ وہبہ زحیلیؒ نے بھی اس کو شرکۃ العنان ہی قرار دیا ہے۔(۱۱۶)

''شرکة العنان'' کیا ہے؟

شراکت کی بنیادی قسمیں دو ہیں:

۱۔ شِرْكَةُ الْاَمْلَاک.

۲۔ شِرْكَةُ الْعُقُوْد.

شرکہ املاک کسی چیز کے استحقاق میں شراکت کا نام ہے جیسے کسی اثاثے، کارخانے یا گاڑی وغیرہ کی ملکیت میں اشتراک۔ جبکہ تصرف میں اشتراک کو شرکۃ العقود کہا جاتا ہے۔ جیسے خرید و فروخت میں اشتراک، یہ اشتراک یا تو مال و عمل دونوں میں ہوگا یا صرف عمل میں۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

''اگر مال و عمل دونوں میں شراکت ہو تو اس کو شرکۃ العنان کہا جاتا ہے''۔(۱۱۷)

چونکہ ہمارے زیر بحث یہی قسم ہے اس لیے ہم صرف اسی کے متعلق گفتگو کریں گے۔ علامہ ابن قدامہؒ نے اس کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''دو شخص اپنے اپنے مال کے ساتھ اس شرط پر اشتراک کریں کہ دونوں جسمانی محنت کریں گے اور نفع ان دونوں میں تقسیم ہوگا''۔(۱۱۸)

شیخ صالح بن فوزانؒ فرماتے ہیں:

''شرکة العنان'' کی حقیقت یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ افراد اپنے مالوں کے ساتھ شراکت داری کریں اس طرح کہ دونوں کا مال ایک ہی بن جائے۔ دونوں اس میں جسمانی محنت کریں یا ان میں سے صرف ایک کرے (دوسری صورت میں) کام کرنے والے کے نفع کا حصہ دوسرے سے زیادہ ہوگا''۔

''المعايير الشرعية'' میں ہے:

''شرکہ عنان اس چیز کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ متعین مال کے ساتھ شراکت داری کریں اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح دونوں میں سے ہر ایک کو شراکت کے مال میں تصرف کا حق ہو اور نفع ان دونوں کے درمیان طے شدہ اصول کے مطابق تقسیم ہوگا اور خسارہ اپنے اپنے حصے کے مطابق برداشت کریں گے"۔(۱۱۹)

ان عبارتوں سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ شرکۃ العنان میں فریقین کا مقصد چیز کو فروخت کر کے نفع کمانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرکۃ العنان کی شرطوں میں ایک شرط یہ ہے کہ نفع میں فریقین میں سے ہر ایک کا حصہ طے ہو۔(۱۲۰)

لیکن جب ہم بینکوں میں رائج مشارکہ متناقصہ کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ چیز نظر نہیں آتی یہاں نہ تو نفع کا تناسب طے ہوتا ہے اور نہ ہی کلائنٹ کا مقصد اس کو فروخت کر کے نفع کمانا بلکہ وہ تو اپنی رہائش کے لیے یہ معاملہ کرتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مشارکہ متناقصہ شرکہ عنان میں داخل نہیں۔

مشارکہ متناقصہ میں بینک اپنے حصے کے یونٹ کس قیمت پر بیچے گا:

یہاں چار صورتیں ہی ممکن ہیں:

۱۔ بینک نے جتنی رقم لگائی ہے اس سے زیادہ کے بدلے بیچے۔

۲۔ اتنے ہی کا بیچے۔

۳۔ اس سے کم پر بیچے۔

۴۔ بازاری قیمت کے مطابق فروخت کرے۔

تیسری صورت ممکن نہیں کیونکہ اس میں بینک راضی نہیں ہوگا۔ باقی تین صورتیں شرعاً جائز نہیں۔ پہلی صورت اس لیے کہ اس میں گویا بینک نے ضمانت لی ہے کہ اس کا رأس المال مع نفع اسے لوٹایا جائیگا۔ یہ شراکت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ شرکت کی تو بنیاد ہی اس پر ہے کہ نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہوں گے گویا یہ حصول سود کا ایک حیلہ ہے۔

دوسری صورت (یعنی اتنے ہی کا بیچے) کو خود اسلامی بینکنگ کے ماہرین ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ المعاییر الشرعیۃ میں ہے:

"قیمت اسمیہ (Face Value) پر بیع کی شرط لگانا جائز نہیں"۔

دوسری جگہ ہے:

"قیمت اسمیہ (Face Value) پر خریدنے کا وعدہ کرنا ناجائز ہے"۔

اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ گویا بینک نے یہ گارنٹی حاصل کر لی ہے اس کا رأس المال بہر صورت واپس کیا جائے گا یہ شراکت کے اصول کے منافی ہے۔

آخری صورت اس لیے جائز نہیں کہ اس میں غرر پایا جاتا ہے کیونکہ کلائنٹ کی طرف سے خریدنے کا وعدہ لازم ہوتا ہے جس سے وہ منحرف نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ بیع میں لازمی وعدہ بیع ہی کی ایک شکل ہے جب بیع اس شرط پر ہو کہ مستقبل میں جو بازاری قیمت ہوگی اس پر میں خریدلوں گا تو اس میں غرر واضح ہے۔

بینک اپنا حصہ کس قیمت پر فروخت کرتا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس تحقیق کی غرض سے جب ہم نے اسلامی بینکاری کے ریسرچ سکالر جناب محمد ایوب جو اسٹیٹ بینک شعبہ اسلامی بینکاری کے اسٹنٹ رہے ہیں اور انہوں نے اس موضوع پر انگریزی میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جو لندن سے شائع ہو چکی ہے، سے پوچھا تو ان کے بقول بینک اپنے یونٹس قیمت اسمیہ پر فروخت کرتا ہے۔ کیونکہ بینک کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کو مختلف یونٹس میں تقسیم کر لیتا ہے۔ مثلاً اگر بینک نے دس لاکھ روپیہ لگایا ہے تو وہ اس کو پچاس پچاس ہزار کے بیس یونٹس میں تقسیم کرے گا۔ جو کلائنٹ نے وقفے وقفے سے اتنی ہی قیمت میں خریدنے ہوتے ہیں۔

ہمارے اس سوال پر کہ یہ تو شریعہ سٹینڈرز کے مطابق جائز نہیں، انہوں نے کہا کہ شریعہ سٹینڈرز مشارکہ متناقصہ کو شرکۃ العنان اور شرکہ عقد کی قسم ہے کے تناظر میں دیکھتا ہے جبکہ سلامی بینک اس کو شرکہ ملک میں شمار کرتے ہیں۔ شرکہ عقد میں تو قیمت اسمیہ پر فروخت کرنے کا معاہدہ نہیں ہو سکتا البتہ شرکہ ملک میں جائز ہے۔ لیکن یہ رائے دو وجہ سے درس نہیں۔

بقول ڈاکٹر رفیق یونس مشارکہ متناقصہ میں بینک کی غرض شراکت داری نہیں ہوتی نہ ہی اس کے پیش نظر بیع اور اجارہ ہوتا ہے بلکہ اصل مقصد فنانسنگ ہے۔ اس میں بیع اور اجارہ کو گھسیٹنے کا مقصد تو صرف فنانسنگ کے ذریعے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے ان کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں۔

شرکہ ملک میں کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ ضرور اس کا حصہ خریدے جبکہ یہاں شروع ہی میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ کلائنٹ بینک کا حصہ خریدنے کا پابند ہوگا۔ ڈاکٹر رفیق یونس مصری بینکوں میں رائج مشارکہ متناقصہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تب جائز ہو سکتا ہے جب وعدہ لازمی نہ ہو اور بازاری قیمت پر فروخت ہو اور بینک اپنی ملکیت سے ہر قسط سے تدریجاً دست کش ہو۔ شاذ و نادر ہی کوئی اسلامی بینک ایسا ہو گا جو یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہو۔ اس کا سبب یہ ہے بظاہر یہ کاروائی مشارکہ اور حقیقت میں بینکنگ فنانسنگ ہے''۔(۱۲۱)

تورّق

مروجہ اسلامی بینکوں میں فنانسنگ کا چوتھا ذریعہ تورق ہے۔ اس کا مطلب ایسی بیع ہے جس کا مقصد چیز کو ذاتی استعمال میں لانا یا نفع کمانا نہیں بلکہ محض نقدی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو نقدی کی ضرورت ہے تو وہ کوئی چیز ادھار زیادہ قیمت پر خرید کر نقد کم پر فروخت کر دے۔ اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ چیز کسی تیسرے شخص کو فروخت کرے نہ کہ اسی کو جس سے خریدی ہے۔ چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں بیع تورق کا اصطلاحی معنی یوں لکھا ہے:

''اصطلاح میں تورق کا معنی ہے کہ آدمی کوئی چیز ادھار خریدے پھر بیچنے والے کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس قیمت خرید سے کم قیمت پر فروخت کر دے تاکہ اس طریقہ سے نقد رقم حاصل کر سکے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''اگر خریدار کا مقصد درہم ہو اور وہ ادھار سودا خریدے تاکہ اسے بیچ کر پیسے حاصل کر سکے تو اسے تو رق کہتے ہیں''۔(۱۲۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری جگہ بیع عینہ اور تورق میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب چیز کسی بھی حالت میں بائع کی طرف نہ لوٹے بلکہ مشتری اس کو دوسری جگہ فروخت کر دے تو اس کو تورق کہا جاتا ہے''۔

تورق اور بیع عینہ میں فرق:

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''مجبور شخص اگر چیز کو بیچنے والے کے پاس فروخت کرے تو اس کو عینہ کہتے ہیں اگر وہی چیز کسی دوسرے کے پاس فروخت کرے تو اس کو تورق کہتے ہیں''۔(۱۲۳)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''امام احمدؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بیع عینہ کا معاملہ اس شخص سے..... ہوتا ہے جو نقدی کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ خوشحالی شخص اسکو قرض دینے میں بخل سے کام لیتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ خوشحالی شخص اسکو قرض دینے میں بخل سے کام لیتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے کوئی چیز خرید کر پھر اس کو بیچ دے۔ اگر اس چیز کو وہ بیچنے والا ہی خریدے تو یہ بیع عینہ ہوتی ہے اور اگر وہ کسی دوسرے کے پاس بیچے تو اس کو تورق کہتے ہیں''۔(۱۲۴)

قطر کے معروف عالم ڈاکٹر علی احمد سالوسؒ لکھتے ہیں:

''آئمہ اربعہ اور ان کے بعد کئی صدیوں تک جو آئے ان کے نزدیک اس معنی میں تورق بیع عینہ ہی ہے۔ شاید شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس تورق کا ذکر کیا پھر ان کے بعد فقہاء حنابلہ کے اقوال میں اس کا تذکرہ آیا ہے''۔(۱۲۵)

''الموسوعة الفقهية'' کے مطابق اس اصطلاح کا ذکر صرف فقہاء حنابلہ کے ہاں ملتا ہے دوسرے فقہاء اس کو بیع عینہ کے تحت زیر بحث لاتے ہیں۔

''فقہاء بیع تورق کو بیع عینہ ممنوعہ بیوع اور سود کی بحث میں ذکر کرتے ہیں''۔

تورق کا شرعی حکم:

اس کے شرعی حکم میں تین آراء ہیں:

۱۔ سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کی رائے میں یہ جائز ہے۔(۱۲۶) بعض علماء کی بھی یہی رائے ہے۔

۲۔ شیخ عثیمینؒ کی رائے میں اگر انسان کو رقم کی ضرورت ہو اور یہ جائز طریقہ سے ممکن نہ ہو اور عقد میں سود کی مشابہت نہ پائی جائے اور آدمی چیز کو قبضے کے بعد ہی فروخت کرے تو اس کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔(۱۲۷)

۳۔ یہ کبھی صورت جائز نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''تورق ربا کی جڑ ہے یعنی ربا میں ملوث کرنے کا باعث ہے یہ قول زیادہ قوی ہے''۔(۱۲۸)

عظیم محدث امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے استاد (امام ابن تیمیہؒ) تورق سے منع کرتے تھے۔ ان سے میری موجودگی میں متعدد مرتبہ پوچھا گیا مگر انہوں نے اس کی اجازت نہ دی وہ فرماتے تھے جس وجہ سے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ اس (تورق) میں بعینہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ چیز خریدنے اور بیچنے کی تکلیف الگ ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ شریعت کم تر ضرر کو تو حرام قرار دے مگر بڑے ضرر کو جائز قرار دے''۔

الموسوعة الفقهية الكويتية میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر علی احمد سالوسؒ موسوعہ کے اس دعویٰ سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جمہور فقہاء بھی اس کو غلط ہی قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ بیع عینہ ہی میں شامل ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ان کی کتاب ''**موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة**''

راجح رائے:

اگر قائلین اور مانعین کے دلائل کا موازنہ کیا جائے تو ان حضرات کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے جو اس کے حق میں نہیں ہیں۔ نتیجے کے اعتبار سے تورق اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جب تورق میں اصل غرض نقدی حاصل کرنا ہے نہ کہ کسی بھی لحاظ سے چیز سے فائدہ اٹھانا تو ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ اس لیے تو امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ جس وجہ سے سود حرام ہے وہ اس میں بعینہ موجود ہے۔ بلکہ خرید و فروخت کی تکلیف اضافی ہے۔

بینکوں میں تورق کا استعمال:

ہماری معلومات کے مطابق پاکستان میں ابھی تک اسلامی بینکوں نے اس پر عمل شروع نہیں کیا۔ البتہ ملائشیا اور بعض عرب ممالک میں کچھ سالوں سے اس کا استعمال جاری ہے۔ زیادہ تر یہ معاملات عالمی مارکیٹ میں میٹل جیسے زنگ، برونز، نکل اور تانبے وغیرہ کے سودوں میں کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسا گاہک جس کو نقدی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی بینک سے یہ کہتا ہے کہ وہ اس نوع کا میٹل جو عام طور پر دوسرے ملک میں ہوتا ہے، ادھار قسطوں پر خریدنے کے لیے تیار ہے۔ یہ سودا میٹل کے یونٹ کے حساب سے ہوتا ہے۔ جس کا وزن اور قیمت طے ہوتی ہے اور یہ بھی پہلے ہی طے ہوتا ہے کہ سودا مکمل ہونے کے بعد بینک گاہک کے وکیل کی حیثیت سے اس کو آگے فروخت کر کے رقم اس کے کھاتے میں جمع کر دے گا۔ جو وہ نکلوا کر اپنی ضرورت پوری کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ بینک نے ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لگائی ہے اور آگے کم قیمت پر فروخت کرنا ہے۔ دونوں سودوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ بینک کا نفع ہوگا۔ مثلاً بینک نے ایک لاکھ ڈالر کا ایک سودا ادھار قسطوں پر بیچا ہے تو وہ اس کے وکیل کی حیثیت سے آگے اس کو پچانوے ہزار ڈالر میں فروخت کر کے رقم اس کے کھاتے میں جمع کروا دے گا۔ جس سے وہ اپنی مالی ضرورت پوری کر لے گا۔ بینک ایک لاکھ ڈالر قسطوں میں وصول کرے گا۔ اس طرح بینک کو پانچ ہزار ڈالر کا فائدہ ہو جائے گا۔ تورق کی یہ قسم کئی لحاظ سے سطور بالا میں بیان ہونے والی قسم سے مختلف ہے۔

☆ اس میں فروخت کنندہ یعنی بینک خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جبکہ پہلی قسم میں فروخت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کنندہ کا درمیان میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔

☆ تورق کی اس نوع میں نقدی کا ضرورتمند خود بینک سے جس کا اب وہ مدیون (مقروض) ہو چکا ہے رقم وصول پاتا ہے۔ جبکہ تورق کی اول الذکر قسم میں وہ آخری خریدار سے خود وصول پاتا ہے۔ اس میں پہلے فروخت کنندہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

☆ اسلامی بینکوں میں رائج تورق ادھار اور نقد دو بیعوں کو مجموعہ ہوتی ہے۔ جو حقیقت میں ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ فقہی تورق میں یہ چیز نہیں ہوتی۔

☆ فقہی تورق میں وہ چیز زیادہ قیمت خرید پر بکنے کا احتمال بھی ہوتا ہے لیکن بینکوں میں رائج تورق میں اس کا کم قیمت پر بیچنا طے ہوتا ہے۔

شرعی حیثیت:

جب راجح رائے مطابق تورق بذات خود منع ہے تو یہ صورت بدرجہ اتم ممنوع ہونی چاہیے کیونکہ یہ کئی لحاظ ہے اس سے مختلف ہے اور پھر سب کام بینک کے کرنے کی وجہ سے اس کی مشابہت سود اور بیع عینہ سے ہو جاتی ہے۔

☆ نبی ﷺ کا فرمان ہے ایک بیع میں دو شرطیں درست نہیں۔ اس میں تو کئی شرطیں پائی جاتی ہیں مثلاً:

☆ یہ شرط کہ مشتری بینک کو وکیل بنائے گا۔

☆ مشتری وکالت منسوخ نہیں کر سکتا۔

☆ بینک کی قیمت خرید سے زیادہ پیسے دے گا۔

☆ آگے کم قیمت پر فروخت کرے گا۔

☆ جس چیز پر سودا ہوتا ہے وہ بینک کے پاس پہلے سے موجود نہیں ہوتی بلکہ بینک بعد میں خریدتا ہے۔ اس طرح یہ ''مرابحة للآمر بالشراء'' ہے جو بذات خود جائز نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بیع سلم

بعض اسلامی بینکوں میں تمویلی سرگرمیوں کے لیے بیع سلم کا استعمال بھی جاری ہے سلم ایک معروف شرعی اصطلاح ہے جس سے مراد لین دین اور خرید و فروخت کی وہ قسم ہے جس میں ایک شخص یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ مستقبل کی فلاں تاریخ پر خریدار کو ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا کرے گا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''سلام کا شرعی معنی ہیں ایسی چیز بیچنے کی ذمہ داری اٹھانا جس کی صفات بیان کر دی گئی ہوں''۔(۱۲۹)

اس کو سلف بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں بیچی گئی چیز کی قیمت معاہدے کے وقت ہی ادا کر دی جاتی ہے۔ یعنی یہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں قیمت تو فوری ادا کر دی جاتی ہے مگر چیز بعد میں فراہم کی جاتی ہے۔

نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیع کی یہ صورت بھی رائج تھی آپ ﷺ نے اس سے کلیۃً منع کرنے کی بجائے بنیادی اصلاحات کر کے اس کو باقی رکھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

''نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں میں دو اور تین سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بیع سلم کرنا چاہتا ہے وہ متعین پیمانے اور وزن میں متعین مدت کے لیے کرے''۔(۱۳۰)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ مقررہ مدت تک ضمانت دی گئی سلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جائز قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ پھر انہوں نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی''۔(۱۳۱)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ (البقرہ:282)

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھا لیا کرو''۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کہتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ، ابو بکر اور عمرؓ کے دور میں گندم، جو کھجور اور منقہ میں بیع سلم کرتے تھے''۔(۱۳۲)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''سعید بن مسیبؒ کے علاوہ تمام علماء اس کے جواز پر متفق ہیں''۔(۱۳۳)

اسلامی بینکوں میں سلم کا استعمال:

بلاشبہ سلم ایک بہترین غیر سودی طریقہ تمویل ہے جو عصر حاضر میں بھی لوگوں خصوصاً کاشتکاروں اور مینوفیکچررز کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کی بھی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور بعض اسلامی بینک اس سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ لیکن ہماری ہاں اسلامی بینک اس کی عملی تطبیق میں گڑبڑ کرتے ہیں جس سے یہ معاملہ شرعی اصول کے مطابق نہیں رہتا۔ وہ یوں کہ گنے کے سیزن میں شوگر ملوں کو گنا خریدنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملز مالکان چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھی پورا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے اور ہم سود سے بھی محفوظ رہیں اب وہ اسلامی بینک کی طرف رجوع کرتے ہیں بینک اس شرط پر رقم فراہم کرتا ہے کہ آپ نے ہمیں اس کے عوض فلاں تاریخ تک اتنی چینی مہیا کرنی ہے یعنی بینک سلم کا معاہدہ کر لیتا ہے شوگر ملز کی طرف سے فراہم یقینی بنانے کے لیے بینک ضمانت بھی طلب کرتا ہے چونکہ بینک کاروباری ادارہ نہیں جو آگے بیچنے کے لیے گاہک تلاش کرتا پھرے اس لیے معاہدے کے وقت ہی یہ بھی طے کر لیا جاتا ہے کہ مل مالک بینک کے وکیل کی حیثیت سے یہ چینی مارکیٹ میں اس قیمت پر فروخت کر کے رقم بینک کے سپرد کرے گا۔ بعض دفعہ معاہدے کے وقت اس کی صراحت نہیں ہوتی مگر فریقین کے ذہن میں یہی ہوتا ہے۔ اگر شوگر مل بروقت چینی فراہم نہیں کرتی تو بینک دی گئی رقم کے فیصد کے حساب سے جرمانہ وصول کرتا ہے جو بینک کی زیر نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔

بینک کا خود قبضہ کرنے کی بجائے فروخت کنندہ کو ہی وکیل بنانا شرعی اصول کے خلاف ہے۔ چنانچہ علماء احناف کے سرخیل علامہ سرخسی" لکھتے ہیں:

> ''اس کا مطلب یہ ہے کہ سلم کے ذریعے بیچی گئی چیز فروخت کنندہ کے ذمہ ادھار ہوتی ہے اور جس کے ذمہ ادھار ہو وہ خود اپنی ذات سے اس کی وصولی کے لیے اس شخص کا وکیل نہیں بن سکتا جس کا اس کے ذمہ ادھار ہو''۔ (۱۳۴)

علامہ ڈاکٹر محمد سلیمان الاشقر سلم سے اسلامی بینکوں کے فائدہ اٹھانے کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک کی چیز کی مارکیٹنگ کے لیے فروخت کنندہ کو ہی اپنا وکیل مقرر کر دے خواہ اس کی اجرت دے یا نہ دے۔ تو اگر یہ وکالت پہلے سے عقد سلم سے مربوط ایگریمنٹ کے ذریعے ہو تو یہ عمل باطل ہوگا جو جائز نہیں کیونکہ یہ ایک عقد میں دو عقد جمع کرنے کے مترادف ہے اور اگر (ایگریمنٹ تو نہ ہو مگر) پہلے ہی سے ذہن میں یہ ہو کہ معاملہ اس طرح تکمیل کو پہنچے گا تو پھر بھی یہ جائز نہیں''۔

مزید لکھتے ہیں۔

> ''لیکن جب سامان پر بینک کا قبضہ مکمل ہو جائے اور فریقین کے درمیان ہر قسم کے تعلقات بھی ختم ہو جائیں پھر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنایا جائے تو یہ بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے مگر ہماری رائے میں بینک کو اس تکنیک سے پرہیز ہی کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح تجارتی سرگرمیوں میں بینک کا کردار کم ہو رقم کے لین دین پر فائدہ اٹھانے تک محدود ہو جائے گا''۔ (۱۳۵)

سلم متوازی:

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں میں سلم سے فائدہ اٹھانے کا جو طریقہ اسلامی بینکنگ کے ماہرین نے تجویز کیا ہے اس کو سلم متوازی کہتے ہیں۔ یعنی بینک کسی تیسرے فریق کے ساتھ سلم کا معاہدہ کر لے۔ جس کی تاریخ اور ادائیگی پہلی سلم والی ہی ہو۔ متوازی سلم میں مدت کم ہونے کی وجہ سے قیمت زیادہ ہوگی اور یوں دونوں قیمتوں میں فرق بینک کا نفع ہوگا۔ مگر ہمارے ہاں اسلامی بینکوں میں یہ طریقہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر فروخت کنندہ کو ایجنٹ بنانے کا طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ جو شرعاً درست نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

استصناع

(Manufacturing Contract)

عقد استصناع بھی اسلامی بینکاری کی اساس شمار ہوتا ہے۔

استصناع کا معنی ہے ''آرڈر پر کوئی چیز تیار کروانا''۔ مثلاً لکڑی کے کاریگر کو یہ کہنا کہ وہ فلاں قسم کی لکڑی سے ان صفات کا حامل فرنیچر تیار کر دے استصناع کہلاتا ہے۔ اگر کسی کے پاس پہلے سے تیار فرنیچر موجودہ اور وہ اسے فروخت کرے تو یہ استصناع نہیں بلکہ عام بیع ہوگی۔ یعنی استصناع میں تیار کر کے دینا شرط ہے لیکن بیع میں یہ شرط نہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ضروری نہیں فروخت کنندہ وہ چیز خود تیار کر کے دے بلکہ وہ دوسرے سے بھی تیار کروا سکتا ہے۔

استصناع میں یہ ضروری ہے کہ مٹیریل تیار کنندہ/فروخت کنندہ کے ذمہ ہو۔ اگر مٹیریل گاہک خود مہیا کرے تو یہ اجارہ ہوگا نہ کہ استصناع۔

اگر تیار کنندہ طے شدہ اوصاف کے مطابق تیار کرے تو آرڈر دینے والا اسے قبول کرنے کا پابند ہوگا۔ لیکن اگر تیار کی گئی چیز طے شدہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو خریدار کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے دیکھنے کے بعد مسترد کر دے چاہے پہلے یہ وضاحت نہ بھی کی ہو۔

استصناع اور سلم میں فرق:

☆ استصناع ہمیشہ ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کو تیار کرنے کی ضرورت ہو جبکہ سلم سب چیزوں میں ہو سکتی ہے خواہ تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

☆ سلم میں مکمل قیمت پیشگی ادا کرنا لازمی شرط ہے جبکہ استصناع میں پہلے بھی ادا کی جا سکتی ہے اور بعد میں بھی۔

مروجہ اسلامی بینکوں کا طریقہ:

اسلامی بینکوں کی دوسری پراڈکٹس کی طرح یہ پراڈکٹ بھی سقم سے خالی نہیں ہے۔ مروجہ اسلامی بینک عموماً ملبوسات تیار کنندگان کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں مگر اس طرح کہ بینک نہ تو سامان قبضہ میں لیتا ہے اور نہ ہی خود آگے بیچتا ہے بلکہ کلائنٹ سے ہی یہ معاہدہ کر لیا جاتا ہے کہ وہ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے ان ملبوسات کو فروخت کر کے پیسے بینک میں جمع کرائے گا۔ گویا بینک رقم دے کر رقم ہی واپس لیتا ہے اور اس پر نفع کماتا ہے اس تکنیک سے چونکہ بینک کا کروار رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہو جاتا ہے اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا تفصیل سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوئی ہیں۔

☆ مروجہ اسلامی بینکاری سودی بینکاری کا ہی چربہ ہے مگر تاویلات کے ذریعے اس کو جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

☆ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ، اجارہ، مرابحہ، مشارکہ متناقصہ، تورق اور سلم شرعی مضاربہ، اجارہ اور مرابحہ وغیرہ سے مختلف ہے۔

☆ فی الحال اسلامی بینکوں کی کوئی بھی پراڈکٹ شرعی اصول سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے احتراز واجب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر سودی بنکوں کے مسائل

دنیائے اسلام میں جب مغربی بینکاری کا آغاز ہوا تو اس کے نتیجے میں کچھ فقہی مسائل بھی پیدا ہوئے۔ ان فقہی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی کوششیں بھی ہوئیں۔ سب سے بڑا اور اہم فقہی مسئلہ یہ تھا کہ بنک کے کھاتوں کی حیثیت کیا ہے۔ جب آپ کسی بنک میں حساب کھول کر کھاتہ قائم کرتے ہیں اور وہاں رقم رکھتے ہیں تو اس رقم کی کیا حیثیت ہے۔ بینکاری سے وابستہ بہت سے لوگوں کا ماضی میں یہ اصرار رہا ہے کہ یہ امانت ہے اور ودیعہ ہے۔

اردو میں بنک کے کھاتوں کے لیے امانتوں کا لفظ استعمال ہوتا رہا ہے۔ آج بھی بینکاری کے لٹریچر میں امانت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں ودیعہ اور ودائع کا اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ لیکن یہ نہ امانت ہے، نہ یہ ودیعہ ہے۔ ودیعہ اور امانت کا لفظ جان بوجھ کر خلط مبحث کے لیے اختیار کیا گیا ہے یا یہ محض اتفاق ہے، یہ کہنا مشکل ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ ودیعہ یا امانت کا لفظ استعمال کرنے سے کچھ الجھنیں پیدا ہوئی ہیں۔

کچھ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فی نفسہ ایک جائز معاملہ ہے۔ اگر آپ کسی شخص کے پاس اپنی کوئی قیمتی چیز بطور امانت رکھیں تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ انسانوں کو اس کی ضرورت بھی ہے، اس لیے کہ ہر معقول اور ذمہ دار شخص اپنا مال اور رقم محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور اگر کوئی ایسا ادارہ ہو جو لوگوں کی رقم محفوظ رکھ سکے، اس کی حفاظت کا بندوبست اس کے پاس موجود ہو، اس کے پاس حفاظت کے لیے رقم رکھ ادینا شرعاً جائز ہے۔

لیکن بینکوں کا معاملہ اتنا سادہ نہیں تھا۔ بنک اس رقم کو محض امانت کے طور پر نہیں رکھ رہے تھے۔ بنک اس رقم کو آگے مزید قرض کے طور پر لوگوں کو دے رہے تھے۔ اس قرض پر جو کاروباری اور تجارتی مقاصد کے لیے لوگوں کو دیا جا رہا تھا۔ اس پر سود بھی وصول کر رہے تھے۔ اس سود کا ایک حصہ ان کھاتے داروں کو ادا کر رہے تھے۔ اگر یہ امانت تھی تو اس پر کوئی اضافہ دینا شریعت کی رو سے جائز نہیں تھا۔ اگر یہ امانت نہیں تھی تو اس کو بلاوجہ امانت اور ودیعہ کہنا درست نہیں تھا۔ اگر اس رقم کو ودیعہ کہنا درست نہیں تھا تو پھر کہ یہ کیا تھا؟

شریعت کے احکام کی رو سے یہ دین یا قرض کی ایک قسم ہے۔ دین سے مراد وہ رقم یا وہ واجب الادا چیز ہے جو کسی کو ادا کرنی ہو اور مستقبل میں کسی شخص کو ادا کی جائے۔ جس کو انگریزی میں Debt کہتے ہیں۔ یہ عربی میں دین کہلاتا ہے۔ بنک کے پاس جو رقم آپ رکھواتے ہیں بنک اس کو ہر حال اور ہر صورت میں ادا کرنے کا پابند ہے۔ جب بنک اس کو ہر حال اور ہر صورت میں ادا کرنے کا پابند ہے تو یہ معاملہ امانت کی حدود سے تو نکل گیا۔ اب یہ معاملہ قرض کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اس لیے اس رقم پر اضافہ شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے۔ بالفرض اگر اس معاملہ میں اس شک اور شبے کو مان بھی لیا جائے جو بعض حضرات کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو اس رقم کے سود ہونے میں تو کوئی شک نہیں جو بنک اُن تاجروں اور صنعت کاروں سے وصول کرتا ہے جو بینکوں سے قرضے لیتے ہیں۔ جو لوگ بینکوں سے قرضہ لے کر کاروبار کرتے ہیں وہ بنک کو اس رقم پر سود ادا کرتے ہیں اور اس سود کا تعین کاروبار کی کامیابی یا ناکامی کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ محض وقت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اضافے کے ربا النسیئہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، جو بنک قرضہ لینے والوں سے وصول کرتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض حضرات کو شروع شروع میں یہ تامل تھا کہ اگر صرفی قرضوں پر اضافہ وصول کیا جائے تو وہ تو سود ہے لیکن اگر تجارتی قرضوں پر اضافہ وصول کیا جائے تو وہ سود نہیں ہے۔ لیکن یہ بات کہنے والے یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ آج تک کسی بنک نے کوئی ایک روپیہ کا صرفی قرض بھی بغیر سود کے کسی کو نہیں دیا۔ بینکوں کے روایتی نظام میں یہ تصور ہی موجود نہیں ہے کہ وہ صرفی اور غیر صرفی، تجارتی اور غیر تجارتی، پیداواری اور غیر پیداواری قرضوں میں فرق کریں۔ ان کے یہاں قرضہ قرضہ ہے اور ہر قرضہ لینے والا اس پر اضافہ ادا کرنے پر مجبور ہے۔

بعض لوگوں کو یہ خیال پتا نہیں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے کہ اگر قرض لینے والا نادار اور حاجت مند ہے، اس سے اگر سود لیا جا رہا ہے تو ناجائز ہے لیکن اگر وہ حاجت مند نہیں ہے تو پھر اس سے لیا جانے والا اضافہ سود نہیں ہے۔ حالانکہ شریعت میں کہیں بھی اس اضافے کی حرمت کو قرض لینے والے کی حاجت مندی یا بے نیازی سے وابستہ نہیں کیا گیا۔ قرض قرض ہے۔ اس میں مقترض حاجت مند ہو یا مستغنی ہو، یہ ایک غیر متعلق بحث ہے۔ بنک حاجت مند ہے یا نہیں ہے، قرضہ لینے والا قرضہ لینے کا محتاج ہے کہ نہیں ہے، یہ سرے سے ایک غیر متعلق سوال ہے۔ بنک میں جو رقوم رکھوائی جاتی ہیں ان کی حیثیت قرض کی ہے اور اس پر قرض ہی کے احکام جاری ہوں گے اور چونکہ قرض پر کوئی اضافہ وصول کرنا شریعت کی رو سے سود ہے اس لیے اس رقم کو سود ہی سمجھا جائے گا۔

سود کے متعلق بحث کا آغاز:

یہ بحث 1855ء 1856ء سے دنیائے اسلام میں شروع ہوئی اور ایک طویل عرصہ تک، تقریباً 75 سال یا سو سال جاری رہی۔ بہت سے حضرات جو سودی نظام سے وابستہ تھے یا مغربی تصورات سے متاثر تھے، جن کو مغرب کی مادی ترقیات کی چکاچوند میں وہاں کی کمزوریاں یا خرابیاں محسوس نہیں ہوتی تھیں وہ بنک انٹرسٹ کو سود ماننے میں ایک طویل عرصے تک تامل کرتے رہے۔ بعض ایسے حضرات کا تعلق برصغیر سے بھی تھا، مثلاً ہمارے مشہور ادیب اور ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد، ہمارے مشہور صحافی اور اخبار نویس مولانا ظفر علی خاں۔ دنیائے عرب کے مشہور صحافی اور مفتی محمد عبدہ کے درس قرآن کریم پر مبنی تفسیر کے مرتب سید رشید رضا اور اس طرح کے بعض دوسرے حضرات کو یہ شبہ رہا کہ بنک انٹرسٹ کو ربا نہیں سمجھنا چاہیے اور یہ ربا نہیں ہے۔ لیکن دنیائے اسلام کی غالب ترین اکثریت اور اہل علم کی بہت بڑی تعداد اس باب میں اپنا ذہن ہمیشہ سے واضح رکھتی چلی آ رہی ہے کہ بنک انٹرسٹ ربا ہے اور شریعت کی رو سے حرام ہے۔

یہ بات دنیائے اسلام میں اہل علم ذاتی طور پر بھی کہتے رہے ہیں کہ بنک انٹرسٹ ربا ہے۔ برصغیر کے جید ترین اہل علم کے فتاویٰ اس باب میں موجود ہیں۔ دنیائے اسلام کے اجتماعی فتویٰ دینے والے ادارے بھی اس باب میں متفق الرائے ہیں کہ بنک انٹرسٹ ربا ہے۔ سنہ 1965 میں جامع ازہر کے مجمع البحوث الاسلامیہ نے بنک انٹرسٹ کے ربا ہونے کے بارے میں واضح اور دوٹوک رائے دے دی تھی۔ اس اجتماع کے 75 شرکاء نے جو پوری دنیائے اسلام کے جید ترین اہل علم پر مشتمل تھے اتفاق رائے سے یہ قرار دیا تھا کہ بنک انٹرسٹ ربا ہے اور حرام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مجمع البحوث الاسلامیہ نے اسی اجتماع میں بینکوں کے مختلف معاملات کا جائزہ لے کر بعض معاملات کو جائز قرار دیا اور بینکوں کے بعض وظائف اور مشاغل کے بارے میں یہ قرار دیا کہ یہ شرعاً جائز ہیں اور یہ کام بینکوں یا کسی اور ادارے کے ذریعے کیے جانے چاہئیں۔

یہ بات کہ دنیائے اسلام میں اسلامی معیشت کے نفاذ کی بات جب بھی ہوئی اس کا آغاز اسلامی بینکاری سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا، اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ بینکاری کا نظام آج کے دور میں اتنا اہم ہو گیا ہے اور بینکاری نظام کی حیثیت ایسی بنیادی ہو گئی ہے کہ اس کی اصلاح کیے بغیر بقیہ پہلوؤں کی اصلاح نسبتاً مشکل کام ہے۔ اس لیے دنیائے اسلام میں جہاں جہاں اسلامی بینکاری یا اسلامی معیشت پر گفتگو ہوئی تو وہاں اصلاحات کا آغاز اسلامی بینکاری سے ہوا۔ پاکستان میں، پاکستان کے علاوہ ایران، سوڈان اور متعدد مسلم ممالک میں اسلامی بینکاری پر توجہ دینے کی بڑی وجہ یہی ہے۔

پاکستان میں اسلامی بینکاری کا آغاز:

پاکستان میں اسلامی بینکاری کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پاکستان کی تاریخ، جیسا کہ کل یا پرسوں کی گفتگو میں عرض کیا جا چکا ہے۔ پاکستان کے قائدین کا روز اوّل سے یہ بنیادی کمٹمنٹ تھا کہ ملکی معیشت سے ربا کو جلد سے جلد ختم کر دیا جائے گا۔ یہ بات پاکستان کے تمام دساتیر میں لکھی گئی۔ ان دساتیر میں بھی کہی گئی جو نافذ نہیں ہو سکے۔ دستوری مسودے ہی کی حیثیت تک محدود رہے۔ سنہ 1952 میں خواجہ ناظم الدین کا پیش کردہ مسودہ۔ سنہ 1954 میں چوہدری محمد علی بوگرہ کا تقریباً منظور شدہ دستور۔ سنہ 1956 کا دستور۔ 1962 کا دستور اور ہمارا موجود 1973 کا آئین۔ ان سب میں یہ بات واضح طور پر لکھی ہوئی ہے کہ ریاست کی ذمہ داریوں میں سود اور ربا کا خاتمہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ ربا کے خاتمے کی جب بھی بات ہوئی اور معاملات نسبتاً سنجیدگی سے آگے بڑھنے شروع ہوئے تو بنک انٹرسٹ کے متبادلات کی گفتگو بھی ہوئی۔

ان متبادلات میں ایک متبادل بیع مرابحہ بھی تجویز کیا گیا جو دراصل بنک انٹرسٹ کا متبادل نہیں تھا اور نہ بیع مرابحہ کی حیثیت سرمایہ کاری کے کسی طریقے کی تھی۔ بیع مرابحہ خرید و فروخت کی، بیع کی ایک قسم ہے جس کو بعض اہل علم نے شاید اس لیے تجویز کیا تھا کہ ایک عبوری دور میں، ابتدائی مرحلے میں بینکوں کو اپنے معاملات کو تبدیل کر کے اسلامی رُخ پر ڈالنے میں آسانی رہے۔ بظاہر بنک انٹرسٹ اور بیع مرابحہ ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اس ظاہری مشابہت کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ موجودہ اسلامی بینکاری محض ایک دھوکہ ہے اور چند اصطلاحات کے پردے میں وہی قدیم نظام جاری ہے۔ یہ بدگمانی درست نہیں ہے۔ اگرچہ بینکاری کے نظام کی مکمل اصطلاح اور احکام شریعت کی روشنی میں نظام کی پوری تبدیلی کے لیے خاصا طویل وقت اور اجتماعی کاوشیں درکار ہیں۔ اور ان تبدیلیوں کا بڑا حصہ ابھی تک روبہ عمل نہیں آ سکا ہے۔ لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ یہ تبدیلی دنیائے اسلام میں کہیں نسبتاً تیز رفتاری سے ہوئی ہے، کہیں زیادہ سنجیدگی سے ہوئی ہے اور کہیں اس کی رفتار سست رہی ہے۔

یہ بات ہم اہل پاکستان کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ اس معاملے میں ہمارا رویہ قائدانہ ہونا چاہیے تھا اور ماضی میں قائدانہ تھا۔ دنیائے اسلام پر پاکستان کے تجربات سے استفادہ کرتی تھی۔ پاکستان میں ہونی والی پیش رفت دنیائے اسلام پر اثر انداز ہوتی تھی۔ لیکن ہمارے یہاں اہل علم کی کوتاہی، علمائے کرام کی بے توجہی، پیشہ ور مولویوں کی سیاست بازی، حکومتوں کی نا اہلی اور بعض ذمہ داروں کی غفلت کی وجہ سے اب ہماری حیثیت قائدانہ نہیں رہی۔ بلکہ شاید اب تو اس میدان میں ہماری حیثیت سنجیدہ پیروکار کی بھی نہیں رہی۔ دنیائے اسلام کے متعدد ممالک میں جو پیش رفت ہو رہی ہے وہ ہم سے بہت زیادہ ہے۔ اب دنیائے اسلام کے کئی چھوٹے چھوٹے ممالک اسلامی بینکاری اور اسلامی معیشت کی مہم میں پاکستان سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ بہر حال بات مرابحہ کی ہو رہی تھی۔ مرابحہ دراصل بیع کی ایک قسم ہے جس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے "واحل اللہ البیع وحرام الربا" ربا کا متبادل تجارت ہے اور مرابحہ تجارت کی ایک قسم ہے۔ مرابحہ میں حقیقی چیز کی بیع ہوتی ہے۔ کوئی حقیقی اثاثہ فروخت کیا جاتا ہے۔ جب کہ بنک انٹرسٹ میں ایسا نہیں ہوتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک بڑا بنیادی فرق تو بنک انٹرسٹ اور مرابحہ میں یہ ہے۔ دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ مرابحہ میں بائع اس چیز کا ضامن ہوتا ہے جو وہ فروخت کرتا ہے، اگر چہ ایک حد تک ہی ضامن ہوتا ہے لیکن بہر حال وہ ضامن ہے۔ بنک انٹرسٹ میں سرمایہ دینے والا سرمایے کا ضامن برداشت نہیں کرتا۔ بنک انٹرسٹ میں جس نے سرمایہ دیا ہے، مثلاً بنک ہے، وہ اب سرمایے کا ضامن نہیں ہے، نفع نقصان کا ذمہ دار نہیں ہے۔ نفع نقصان کا ذمہ دار صرف قرض لینے والا ہوتا ہے۔ بنک کو تو ہر صورت میں اصل سرمایہ بھی پورا کا پورا واپس ملے گا اور نفع بھی ملے گا۔ یہ چیز بیع مرابحہ سے بنک انٹرسٹ کو ممتاز کرتی ہے۔ تیسری بڑی بات یہ ہے کہ بیع مرابحہ کا جو دین ہے وہ قابل بیع وشراء نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ حقیقی قیمت یعنی پار ویلیو پر ہو۔ جب کہ بنک انٹرسٹ کا دین مطلقاً بیع وشراء ہے۔ جو دستاویزات آج کل قابل بیع وشراء مانی جاتی ہے ان میں سے دین کی دستاویزات بھی ہیں۔ بلکہ جتنا کاروبار لین دین کا دین کی دستاویزات پر ہو رہا ہے۔ وہ اصل اثاثوں کی بنیاد پر نہیں ہو رہا۔

آج پوری دنیا میں بیشتر کاروبار کاغذی قرضوں اور دین کی دستاویزات کا ہی ہو رہا ہے اور دور جدید کے جو معاشی بحران پیدر پے پیدا ہو رہے ہیں ان کی بڑی وجہ بھی یہی ہے۔ مغربی دنیا میں جو ہو رہا ہے، اس سے پہلے مشرق بعید میں ہوا تھا، ابھی حال ہی میں دبئی میں سامنے آیا ہے۔ ان سب تجارتی اور مالیات بحرانوں کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان سب معیشتوں کا سارا کاروبار خالص قرض کی اور کاغذی قرضوں کی بنیاد پر قائم ہے۔ جس کاروبار کی بنیاد ٹھوس اثاثوں پر ہو، حقیقی تجارت پر ہو، حقیقی صنعت پر ہو تو وہ کاروبار آسانی سے نہیں بیٹھتا۔ اگر بنیاد کمزور ہو، کاغذی ہو تو تھوڑے سے ہیر پھیر سے معمولی تبدیلی کے نتیجے میں پوری عمارت بیٹھ جاتی ہے۔

اسلامی بینکاری کا اصل ہدف:

اسی لیے اسلامی بنکاری کے ماہرین شروع سے یہ کہتے رہے ہیں کہ اسلامی بینکاری کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اصل ہدف مضاربہ اور مشارکہ پر عمل درآمد ہو۔ بینکاری کی ساری سرگرمیاں دراصل مضاربہ یا مشارکہ کی بنیاد پر ہونی چاہئیں جن میں بنیادی تصور نفع نقصان میں شرکت کا ہے۔ جن کا اصل مقصد اثاثے کی تشکیل اور حقیقی تجارت کا حصول ہے۔ حقیقی تجارت کی فراہمی اور فروغ۔ حقیقی صنعت کاری کا وجود۔ حقیقی ترقی کی یقین دھانی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اثاثوں یعنی assets کی تشکیل اور ترقی وتوسیع ہی مضاربہ اور مشارکہ کے لازمی نتائج ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی تک اسلامی بینکاری کم از کم پاکستان کی حد تک مضاربہ اور مشارکہ کی بنیاد پر پورے طور پر قائم نہیں ہو سکی۔ اب بھی پاکستان میں اسلامی بینکوں کے معاملات کا بڑا حصہ، کتنا حصہ، یہ کہنا دشوار ہے لیکن بہت بڑا حصہ بیع مرابحہ کی بنیاد پر کاربند ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بینکوں کی طرف سے مشکلات کی نشاندہی

جہاں تک مضاربہ یا مشارکہ کا تعلق ہے ان کے بارے میں بینکوں کی طرف سے بعض مشکلات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

۱۔ دیانت کی کمی:

بینکوں کا کہنا یہ ہے کہ ملک میں دیانت کی کمی ہے۔ جو لوگ تجارت صنعت کے نام پر بینکوں سے رقوم لے کر جائیں گے اور ان رقوم سے کاروبار یا تجارت یا صنعت کا کام کرنا چاہیں گے وہ بعد میں یہ دعویٰ کریں گے کہ ان کو نقصان ہو گیا ہے، ان کی صنعت کامیاب نہیں رہی۔ اس لیے اب بنک کو اب اس نقصان میں ہمارے ساتھ شریک ہونا چاہیے، جیسا کہ وہ نفع میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بینکوں کا سارا سرمایہ ڈوب جائے گا۔ یہ خدشہ حق بجانب ہے، یہ بات بھی درست ہے۔ یہ عذر بھی اپنی جگہ وزنی ہے۔ لیکن اس عذر کو دور کرنے کی کچھ تدابیر بھی ہر دور میں اختیار کی گئی ہیں۔

ہر دور میں یہ داعیہ کچھ انسانوں میں پیدا ہوتا رہا ہے کہ وہ کسی طرح غلط بیانی کر کے دوسروں کی دولت ہتھیا لیں۔ ہیرا پھیری کرنے والے اور دوسروں کی دولت حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والے ہر دور میں رہے ہیں۔ ہر ملک میں رہے ہیں، ہر علاقے میں رہے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ سے کہیں بھی قانون اور نظام نے یہ کہہ کر ہتھیار نہیں ڈالے کہ چونکہ ہمارے علاقے میں دیانت کی کمی ہے اس لیے ہم فلاں قانون سے دستبردار ہوتے ہیں، یا ہم فلاں کام نہیں کر سکتے۔ اس عذر یا عذر رلنگ کی وجہ سے بنک اور دوسرے ادارے مضاربہ اور مشارکہ پر عمل درآمد کرنے میں تامل کرتے ہیں۔

۲۔ تاجروں کا دو حسابی کھاتے رکھنے پر اصرار:

ہمارے تجارتی ادارے، صنعتیں، کمپنیاں اور بڑے تاجر حضرات دو دو حسابات رکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ حقیقی حسابات اپنے لیے اور دوسرا فرضی حساب حکومت کے کارندوں کے لیے۔ کچھ لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر مشارکہ اور مضاربہ پر اصرار کیا گیا تو ہمارے تجارتی ادارے تین تین حساب رکھنا شروع کر دیں گے۔ تیسرا کاروباری شرکاء کے لیے جن کو یہ دکھایا جائے گا کہ کاروبار میں گھاٹا ہو گیا۔

۳۔ صنعت میں عدم مہارت:

تیسری بڑی مشکل جس کا بنک اظہار کرتے ہیں وہ مختلف مہارتوں میں کمی یا عدم دستیابی ہے۔ بینکوں کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے پاس جب کوئی شخص قرض لینے کے لیے آئے گا یا کسی تجارت یا صنعت میں ہمیں شراکت کی دعوت دی گا تو ہمارے پاس اس تجارت یا صنعت کی مہارت دستیاب نہیں ہوگی اور ہمارے لیے یہ تعین کرنا ممکن نہیں ہوگا کہ جس تجارت یا صنعت کے لیے ہم سے رقم لی جا رہی ہے اس میں واقعی اتنے نفع کا امکان ہے یا نہیں ہے۔ وہ واقعی چلنے والی تجارت ہے کہ نہیں ہے۔ چونکہ ہمارے پاس یہ مہارت موجود نہیں ہے اس لیے ہم کسی ایسے کام کے لیے رقم نہیں دے سکتے جس کے انجام کا ہمیں اندازہ نہ ہو۔

یہ بات بھی بینکوں کی وزنی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس مسئلے کا بھی حل موجود ہے۔ مہارتوں کے حصول کے آج دنیا میں جو ذرائع ہیں وہ پاکستان میں بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں ہر طرح کی مہارتوں کے بارے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مشاورتی ادارے، مشاورتی کمپنیاں بلکہ بڑی بڑی تنظیمیں قائم ہیں جن کے یہاں ہر طرح کے معاملات کے ماہرین موجود ہوتے ہیں۔ اور جس شخص کو کسی اہم اور پیچیدہ فنی معاملے میں مشہور کرنا ہو وہ ان اداروں سے رجوع کرتا ہے اور ان کے ماہرین سے مشورہ کرتا ہے اور اس کی بنیاد پر کاروبار کرتا ہے۔ آج دنیا میں اربوں کھربوں ڈالر کے کاروبار اسی طرح کی مشاورتوں کی بنیاد پر ہو رہے ہیں۔ ان مشیروں نے نہ کبھی دھوکہ دیا، نہ غلط مشورہ دیا، اور نہ مہارتوں کی کمی کی وجہ سے اس کاروبار میں کمی آئی۔ اگر دنیا میں یہ کام سہولت کے ساتھ ہو سکتا ہے اور ایک حد تک پاکستان میں بھی ہو رہا ہے تو اسلامی بینکاری کے معاملے میں کیوں نہیں ہو سکتا۔

۴۔ قول و فعل میں تضاد:

چوتھا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جب بینکوں سے کوئی شخص یا ادارہ قرضہ وصول کرنے کے لیے آتا ہے یا ان کو اپنے کاروبار یا صنعت میں شراکت کی دعوت دیتا ہے، کسی کاروبار یا تجارت یا صنعت میں رقم لگانے کی تجویز پیش کرتا ہے تو اس کے ساتھ وہ ایک مکمل رپورٹ لے کر آتا ہے جس کو فزیبلٹی رپورٹ کہا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ تجویز جو ہم لے کر آئے ہیں پورے طور پر فنی بنیادوں پر مرتب اور مدوّن کی گئی ہے اور فنی اعتبار سے یہ مکمل طور پر قابل عمل ہے۔ اس پر عمل درآمد کا طریق کار یہ ہوگا۔ اور اس عمل درآمد سے نتیجے میں یہ نتائج سامنے آئیں گے۔ اتنا نفع متوقع ہے۔ اس متوقع نفع میں سے اتنا ہم شرکاء کو ادا کریں گے، اور اتنا خود رکھیں گے اور اتنا ہم بنک کو بطور وکیل کے یعنی ایجنٹ ادا کریں گے۔ بینکوں کو شکایت یہ ہے کہ ہمارے یہاں جب کوئی شخص بینکوں سے رقم لینے آتا ہے تو بڑی مؤثر اور متاثر کن قسم کی رپورٹ لے کر آتا ہے۔ بعد میں اس پر عمل درآمد کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو ہمارے ملک میں عام رویہ ہے۔ جو شخص رقم لے کر جاتا ہے، وہ چند سال چھکڑے اڑانے کے بعد آتا ہے، بینکوں کو درخواست دیتا ہے کہ میری صنعت تو نہیں چلی، میری تجارت میں تو گھاٹا ہو گیا۔ اس سارے عمل کی حیثیت چونکہ ایک وعدے کی ہے اور فقہ حنفی کی رو سے کوئی وعدہ عدالتی اور قانونی طور پر واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لیے اس فزیبلٹی رپورٹ میں کیے گئے وعدوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔

اس مسئلے کا حل بعض عرب ممالک میں اہل علم نے تجویز کیا ہے۔ انہوں نے فقہ مالکی سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے وعدے کی بنیاد پر کوئی شخص کوئی ایسا کام کرے جو وہ نہ کرتا اگر اس سے یہ وعدہ نہ کیا جاتا اور وہ وعدہ بعد میں جھوٹا ثابت ہو تو وعدہ کرنے والا اس نقصان کی تلافی کا پابند ہے۔ اس لیے اب عرب ملکوں میں عام طور پر رائے یہ ہے کہ فیزیبلٹی رپورٹ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو حتمی کمٹمنٹ سمجھا جائے گا اور اس کی قانونی اور عدالتی پابندی لازمی ہوگی، الا یہ کہ فریق عامل، یعنی انٹرپرینئر یہ ثابت کرے کہ جن اسباب سے وہ تجارت یا صنعت کامیاب نہیں ہوئی وہ اس کے بس سے باہر تھے۔ پھر یہ ایک امر واقعہ کا سوال ہوگا۔ اس پر عدالتیں غور کریں گی، گواہیوں اور شواہد کی بنیاد پر معاملات طے کیے جائیں گے۔

۵۔ بینک براہ راست کاروبار نہیں کر سکتے:

پانچواں بڑا مسئلہ مشارکہ اور مضاربہ کے سلسلے میں بنک یہ بتاتے ہیں کہ بنک براہ راست کوئی کاروبار نہیں کر سکتا۔ اگر بنک براہ راست کاروبار کر سکتے تو دوسروں کو رقم دینے کے بجائے وہ خود انڈسٹری اور صنعت لگاتے۔ خود تجارت یا زراعت یا دوسرے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرتے اور اس سے ہونے والے نفع کا ایک حصہ رب المال کو یعنی کھاتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

داروں کو ادا کرتے اور ایک حصہ خود بطور مضاربہ رکھتے۔ بنک یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ بینکاری کے قوانین، انتظامی تجربہ اور تجارتی رویے اور طور طریقے، ان میں سے کسی چیز کی رو سے وہ براہ راست کاروبار میں حصہ نہیں لے سکتے۔ دنیا کے قوانین عام طور پر بینکوں کو براہ راست تجارت کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ بنک کی تعریف ہی یہ کی جاتی ہے کہ یہ وہ ادارہ ہے جو قرضوں اور قابل بیع وشراء دستاویزات کا روبار کرتا ہو۔ اب چونکہ بنک کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ قرضوں کا کاروبار کرتا ہے، قرضوں میں تجارت کرتا ہے۔ اس لیے وہ اثاثوں کی تجارت نہیں کرسکتا۔

یہ عذر ممکن ہے ماضی میں کوئی وزن رکھتا ہو۔ آج وزن نہیں رکھتا۔ اوّل تو پاکستان کے قوانین کی حد تک خاصی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے قوانین میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ کمپنیوں کے آرڈیننس میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ جن کی رو سے بینکوں کو بڑی حد تک کم از کم اسلامی بینکوں کو ان قیود سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جو روایتی بینکاری پر عائد ہیں۔ اس کے علاوہ خود مغربی دنیا میں ایسے ادارے وجود میں آنے لگے ہیں جہاں بینکاری بھی ہو رہی ہے اور تجارت بھی ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مرچنٹ بینکنگ کا تجربہ خاصا کامیاب ہے۔ ہندوستان میں بھی اس پر عمل درآمد ہوا ہے۔ جرمنی اور ہندوستان اور کئی اور دوسرے ممالک کے تجربات پر علمی کام بھی ہوا ہے، کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جس میں مرچنٹ بینکنگ کے اس پورے تجربے پر ٹھوس انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اگر مرچنٹ بینکنگ کا یہ تجربہ جرمنی جیسے ملک میں، بھارت جیسی بڑی معیشت میں کامیاب ہوسکتا ہے تو آخر اسلامی بینکنگ کے لیے اس کو اختیار کرنے میں کیا رکاوٹ ہے۔

آج سے کچھ سال پہلے بینکوں کے لیے بطور Holding Company کے کام کرنا دشوار بتایا جاتا تھا۔ اب بنک بطور Holding company کے بھی کام کرسکتے ہیں۔ اپنے ماتحت کئی ادارے قائم کرسکتے ہیں۔ اس کام کے لیے قوانین میں بیشتر رکاوٹیں اب ختم ہوگئی ہیں۔ بالفرض اگر یہ رکاوٹیں موجود ہوں، بالفرض اگر یہ سب کام نہ ہوسکتا ہو تو بھی مغربی دنیا میں ایسے تجربات ہوئے ہیں جن سے مضاربہ اور مشارکہ کے معاملے میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مغربی دنیا میں venture capital کے نام سے تجارت اور کاروبار کی نئی صورتیں سامنے آئی ہیں۔ venture capital تقریباً وہی چیز ہے جس کو ہم مضاربہ کہتے ہیں۔ venture capital میں ایک sleeping partner ہوتا ہے جو ہمارے رب المال کے قائم مقام ہے۔ ایک فریق عامل یعنی انٹرپرینیئر ہوتا ہے جو مضاربہ کے قائم مقام ہے۔ ان دونوں میں تعلق کی نوعیت وہی ہے جو رب المال اور مضاربہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے میرا ذاتی خیال یہ ہے جس کا میں کئی مرتبہ ذکر کر چکا ہوں کہ venture capital کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مضاربہ کے نظام کو کامیابی کے ساتھ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ان چند انتظامی نوعیت کے معاملات اور مشکلات کے ساتھ ساتھ کچھ فقہی اور قانونی مسائل بھی ہیں جو جدید معیشت کو پیش ہیں۔ جن کا اسلامی معیشت کا نفاذ سے پہلے حل کیا جانا اور اس حل پر اتفاق رائے حاصل کیا جانا ضروری ہے۔ ایک اہم مسئلہ تو محدود ذمہ داری اور شخصیت اعتباری کا تھا۔ اس پر تو اب تقریباً اتفاق رائے ہوگیا ہے کہ اسلامی شریعت شخصیت اعتباری کے تصور کو تسلیم کرتی ہے۔ دور جدید کے فقہاء کی بڑی تعداد کی یہی رائے ہے۔ بیسویں صدی کے بڑے مشہور فقیہ اور صف اوّل کے قانون داں استاذ مصطفیٰ احمد زرقاء کا خیال تھا کہ شخصیت اعتباری کا تصور فقہ اسلامی میں پہلے دن سے موجود ہے۔ وہ اس کے لیے بیت المال اور وقف کی مثال دیا کرتے تھے، کہ وقف کے متولی کی ذمہ داری وقف کی ذمہ داریوں تک محدود ہوتی ہے۔ اس کی ذات تک ممتد نہیں ہوتی۔ اسی طرح بیت المال کے متولی کی ذمہ داری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المال کے اموال تک محدود ہے، اس کی ذات تک اس کا اثر نہیں ہوتا مثلاً یعنی اگر بیت المال کے متولی نے بیت المال کے لیے کوئی قرضہ لیا ہے اور وہ قرضہ بیت المال ادا نہیں کر سکا تو اس قرضے کی ادائیگی کے لیے قرض خواہوں کو متولی کی ذاتی جائیداد پر نظر اٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ یہاں متولی کی ذمہ داری بیت المال کے اموال تک محدود ہے اور اس معاملے تک محدود ہے جو اس نے بیت المال کے لیے کیا ہے۔ یہ حکم واضح طور پر شخصیت اعتباری اور محدود ذمہ داری دونوں تصورات پر مبنی ہے۔ بیت المال کی شخصیت متولی کی شخصیت سے الگ سمجھی جاتی ہے۔ آج ایک شخص متولی ہے، کل دوسرا شخص متولی ہوگا۔ لیکن بیت المال کے معاملات، بیت المال کے حقوق، بیت المال کی آمدنی، کرایہ وصول کرنا، یہ معاملات متولی انجام دیا کرتا تھا۔ اس لیے ایک سطح پر شخصیت اعتباری کا تصور بھی موجود ہے اور محدود ذمہ داری کا تصور بھی موجود ہے۔ یہ دور جدید کے فقہاء کی غالب اکثریت کی رائے ہے۔ بعض حضرات اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ چنانچہ شام کے مشہور صاحب علم اور فقیہ شیخ سعید رمضان البوطی کی رائے میں شخصیت اعتباری، اور محدود ذمہ داری کا فقہ اسلامی میں کوئی تصور نہیں۔ ان کی رائے میں یہ دونوں تصورات فقہ اسلامی کے لیے ناقابل قبول ہیں۔

ایک اور اہم مسئلہ فیوچر سیلز کا ہے۔ جس کی آج کل بہت سی صورتیں مروّج ہیں۔ ایک اعتبار سے شریعت میں فیوچر کا تصوّر بعض شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے۔ اگر فیوچر سیل بیع سلم یا عقد استصناع کی حدود کے اندر ہو، یعنی وہ فیوچر سیل جس میں غرر یا قمار نہ پایا جاتا ہو، وہ جائز ہے۔ جس سیل میں غرر یا قمار یا دونوں پائے جائیں گے وہ جائز نہیں ہوگی۔ لیکن یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے کہ ایک دو جملوں سے حل ہو جائے۔ آج کل فیوچر سیل کا دائرہ اتنا پھیلا دیا گیا ہے اور فیوچر سیل کی اتنی پیچیدہ اور متنوع شکلیں ہوگئی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں الگ الگ یہ طے کرنا پڑے گا کہ یہ بیع سلم کی حدود کے اندر ہے، یہ بیع سلم کی حدود سے باہر ہے، اس میں ربا پایا جاتا ہے یہ نہیں پایا جاتا، قمار، پایا جاتا ہے یا نہیں پایا جاتا، اس میں مبیع پر قبضہ مشتری کا ہو گیا ہے کہ نہیں۔ یہ "لا تبع مالیس عندک" کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں، یہ مسائل اتنے آسان نہیں ہیں اور ان پر اہل علم کی توجہ کی ضرورت ہے۔

فیوچر سیل کی ایک شکل غائب سودوں کی ہے کہ سودا آپ کے پاس موجود نہیں ہے غائب ہے، نہ آپ کے قبضے میں ہے نہ ملکیت میں ہے، لیکن اس کے سودے ہو رہے، ہیں خرید و فروخت بھی ہو رہی ہے۔ اس کی بیشتر صورتیں ناجائز ہوں گی۔ Open Market Operations جن امور کو کہا جاتا ہے جو بنک وسیع پیمانے پر کرتے ہیں اور ہر ملک میں کرتے ہیں، ان میں سے بعض صورتیں ناجائز ہیں۔ اس لیے کہ ان میں بلوں کی ڈسکاؤنٹنگ ہوتی ہے۔ بلوں کی ڈسکاؤنٹ کی بہت سی صورتیں وہ ہیں جو شریعت میں جائز نہیں ہیں۔

یہ وہ معاملات ہیں جو اسلامی معیشت کو آج درپیش ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں۔ جن حضرات نے شروع شروع میں موجودہ بنک کے سودی کاروباروں کے اسلامی متبادل تجویز کیے تھے انہوں نے زیادہ زور مضاربہ، مشارکہ، بیع سلم، عقد استصناع، اجارہ، بیع مرابحہ اور بیع مؤجل پر دیا تھا۔ مزارعہ اور مساقاۃ کو بھی سود کے اسلامی متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں بہت تفصیل سے کام ہوا ہے اور وسیع پیمانے پر ایسا لٹریچر سامنے آگیا ہے جو آج کل کے تقاضوں کے مطابق، آج کل کی معاشی اور تجارتی اصطلاحات میں مرتب ہوا ہے۔ اس لٹریچر میں فقہ کے احکام کو بہت تفصیل کے ساتھ مرتب کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مضاربہ، مشارکہ، سلم، اجارہ، مرابحہ وغیرہ، ان سب پر درجنوں کتابیں اور سینکڑوں مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ یہ کام زیادہ تر تو عربی میں ہوا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد کسی حد تک انگریزی میں بھی مفید کام ہوا ہے اور بہت سا علمی مواد سامنے آیا ہے۔

اردو میں ان موضوعات پر زیادہ کام نہیں ہوا۔ قدیم فقہی کتابیں جو اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ جو حال ہی میں سیع پیمانے پر ہوئی ہیں وہ اس ضمن میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتیں اس لیے کہ وہ قدیم محاورے اور قدیم انداز میں لکھی گئی تھیں۔ فقہ کی کتابوں کا انداز مختلف جزئیات کو الگ الگ بیان کرنے کا ہے۔ وہاں کلیات کے طور پر بنیادی قواعد کو بیان کر کے بطور مثال ایک دو جزئیات بیان کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔ جس زمانہ میں یہ کتابیں تالیف ہوئی تھیں اس زمانے کے لحاظ سے فقہاء نے یہ مناسب سمجھا کہ جزئیات زیادہ سے زیادہ فرض کر کے بیان کریں۔ انہوں نے اپنے زمانے میں رائج معاملات کی جزئیات سوچ سوچ کر بیان کیں۔ آج ان میں سے بہت سی جزئیات کام نہیں آسکیں گی۔ اس لیے کہ آج وہ جزئیات نہیں پائی جاتیں۔ آج نئی جزئیات سامنے آگئی ہیں۔ اس لیے ایک غیر فقیہ تاجر کے لیے، ایک غیر متخصص کاروباری کے لیے ان قدیم جزئیات کو دور جدید کی جزئیات پر منطبق کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے وہ لٹریچر جو قدیم کتابوں کے ترجمے پر مبنی ہے یا قدیم انداز میں لکھا گیا ہے وہ فقہ کے طلبہ، علماء اور متخصصین کے لیے تو مفید ہے لیکن ایک بینکار، تاجر یا صنعت کار کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

قابل عمل تجویز:

آج کی ضروریات کے لحاظ سے اسلامی معیشت کا علم از سر نو مدون کیا جانا ضروری ہے۔ آج جس کو اسلامی معیشت یا اسلامی اقتصاد کہتے ہیں وہ ایک بالکل نئی چیز بھی ہے اور قدیم بھی ہے۔ نئی اس اعتبار سے ہے کہ اقتصاد اسلامی یا اسلامی معیشت کی اصطلاح فقہاء کے یہاں موجود نہیں تھی، نہ اس فن اور عنوان سے انہوں نے فقہی احکام کو مرتب کیا۔ امام زید بن علی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے زمانے سے لے کر بیسویں صدی کے اوائل تک اسلامی معیشت یا اقتصاد اسلامی یا اسلامک اکنامکس Islamic Economics کی اصطلاح فقہ کی کسی کتاب میں استعمال نہیں ہوئی تھی۔ ان موضوعات و مباحث کے لیے فقہاء نے المعاملات کی اصطلاح استعمال کی ہیں۔ لیکن آج جس کو علم اقتصاد کہا جا رہا ہے۔ اس میں اور فقہ المعاملات میں مطابقت یا تطابق کی نسبت نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فقہ المعاملات سارا کا سارا علم اقتصاد اسلامی ہے یا علم اقتصاد اسلامی فقہ المعاملات سے عبارت ہے۔ ان دونوں میں اگر منطق کی اصطلاح استعمال کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہونی چاہیے۔ فقہ المعاملات کی بہت سی تفصیلات اقتصاد اسلامی کا حصہ ہوں گی۔ اقتصاد اسلامی کے بہت سے معاملات وہ ہوں گے جو فقہ المعاملات کی حدود سے باہر ہوں گے۔ آج جس کو ہم علم اقتصاد اسلامی کہہ رہے ہیں وہ فقہ المعاملات کے علاوہ تصور مال، نظریہ مال اور کسی حد تک ان مباحث پر مشتمل ہوگا جو فقہائے اسلام کی اصطلاح میں اخلاقیات کا حصہ تھے۔ علم الاخلاق کا حصہ تھے حکمت عملی کا حصہ تھے، تدبیر منزل کا حصہ تھے، سیاست مدن اور سیاست شرعیہ کا حصہ تھے۔ ان تمام موضوعات سے متعلق اس پورے مواد کو جمع کر کے جو آج کے تصورات اور تقسیم مباحث کی رو سے اقتصاد سے متعلق ہو ایک نئے انداز سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

قدیم اسلامی محاورے میں علم کا لفظ Knowledge، ملکہ اور کسی فن کے بنیادی مسائل سے آگاہی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اور سیاق و سباق سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہاں علم کا لفظ کس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مجرد knowledge کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، ملکہ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے یا کسی فن کے بنیادی مسائل سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقفیت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے یا تجربی علوم کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی سائنس کے لیے۔

افسوس ہے کہ آج ایسا نہیں ہوتا۔ اب دنیائے عرب میں علم کا لفظ صرف سائنس کے عربی تجربے کے استعمال ہوتا ہے، جو میری ناچیز رائے میں غلط ہے۔ عرب دنیا کے جن اہل علم نے آج سے شاید سو سال پہلے یا اسی سال سے پہلے یہ طے کیا کہ سائنس کا ترجمہ علم کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔ اب پچھلے ستر اسی سال یا سو سال کے مسلسل استعمال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک عام عرب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ علم سے مراد صرف تجربی علم ہے۔ یا وہ علم ہے جس کو مغربی دنیا میں یا اردو میں سائنس کہا جاتا ہے۔ جس کا تعلق صرف مشاہدے اور لیبارٹری کے تجربے سے ہوتا ہے۔ اردو میں الحمدللہ علم کا لفظ اسی قدیم اسلامی مفہوم میں استعمال ہو رہا ہے، جس مفہوم میں پہلے استعمال ہوتا تھا۔

اسلامی معیشت یا اسلام کا مالیاتی نظام از سر نو قائم کرنا ایک دو دن کا کام نہیں ہے۔ اس عمل کو بہت سے مراحل سے گزرنا ہے۔ پہلے مرحلہ میں بہت سے ابتدائی اقدامات ضروری ہیں، بہت کچھ تیاری ضروری ہے، ذہنوں کی تیاری، میدان کی تیاری اس سفر کا پہلا قدم ہے۔ جب کھیتی بوئی جاتی ہے تو پہلے زمین کو تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سب کام کرنے کے بعد، فکری تیاری کرنے کے بعد، ذہن سازی کرنے کے بعد، ضروری علمی پیش رفت کے بعد ہی پہیے کی حرکت شروع ہوتی ہے۔ جب پہیہ کی حرکت شروع ہو جائے گی تو بہت جلد ایک درمیانی مرحلہ آئے گا۔ اس کے تقاضے اور ہوں گے۔ درمیانی مرحلہ جب انتہا کے قریب پہنچے گا تو پھر آخری مرحلے کی تیاری کرنی ہوگی اور اس تیاری کے بعد پھر آخری مرحلہ آئے گا۔

ان سب مراحل میں کتنا وقت لگے گا۔ کتنے کس نوعیت کے اور کن کن وسائل کی ضرورت ہوگی۔ پھر بالآخر اس ساری کاوش کے کیا نتائج ہوں گے؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر مراحل کی کامیابی کا دارومدار اخلاص، راست فکری، راست، روی، تسلسل، حوصلہ مندی اور آزاد فکری پر ہے۔ اگر ان چھے میں سے ایک شرط بھی کمزور رہ گئی تو پھر تجربے کی کامیابی کی ضمانت دینا مشکل ہے۔ اخلاص میں کمی ہو، عمل میں تسلسل نہ رہے، جیسا کہ پاکستان میں ہوتا رہا ہے، حوصلہ مندی میں کمی ہو، جس کا ہمارے اکثر قائدین کے یہاں فقدان ہے اور آزاد فکری نہ ہو، ذہنی غلامی کا بھوت ذہن پر سوار رہے تو پھر یہ مراحل آسانی سے پورے کیے جانے مشکل ہیں۔ آزاد فکری اور راست روی کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ طے کریں کہ اسلامی معیشت، اسلامی مالیات اور اسلامی بینکاری کا ہمیں ایک نیا پیراڈائم تیار کرنا ہے، ہمیں ایک نئی سوچ اپنانی ہے۔ ایک نیا ڈھنگ تجارت و معیشت کا اختیار کرنا ہے۔ اس امر پر ہم ذہنی، فکری اور قلبی طور پر مطمئن ہوں کہ جو نیا پیراڈائم ہم اپنا رہے ہیں یہ موجودہ مغربی سیکولر فریم ورک کے اندر رہ کر اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر موجودہ مغربی سیکولر فریم ورک کے اندر رہ کر اسلام کے نئے پیراڈائم کو اختیار کیا جائے گا تو اس کی حیثیت محض ایک پیوند سے زیادہ نہیں ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انشورنس (بیمہ)
(Insurance)

انشورنس کا مفہوم:

انشورنس (Insurance) انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو ترجمہ ''بیمہ'' اور عربی ترجمہ ''تامین'' ہے۔ انشورنس اپنے اصطلاحی معنوں میں کاروبار کی ایک شکل ہے جس میں بیمہ کی پالیسی خریدنے والے کو اس کے مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور غیر متوقع نقصانات کی تلافی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ گویا انشورنس کے معنی ضمانت، تحفظ اور یقین دہانی کے ہو سکتے ہیں۔ جو کمپنی (سرکاری یا نجی) انشورنس کا کاروبار کرتی ہے اُسے انشورنس (یا بیمہ) کمپنی (یا شرکۃ التامین) کہا جاتا ہے۔ اس کمپنی کے بیان کردہ طریقہ کار کے قواعد کی رو سے اس کے بیمہ داروں (Policy Holders) میں سے کسی کا نقصان ہو جائے تو سب مل کر اس کی تلافی کرتے ہیں۔ یہ تلافی، کمپنی بیمہ داروں کی جمع شدہ رقوم پر حاصل ہونے والے منافع (جو اکثر صورتوں میں سود ہوتا ہے) سے کرتی ہے اس طرح کمپنی ایک کا بار سب پر ڈالتی ہے۔ اور (کمپنی کے دعویٰ کے مطابق) یوں سب مل کر ایک کے نقصان کی تلافی کر دیتے ہیں۔ اسی طریقہ کار کی تائید میں انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''انشورنس کا سادہ ترین مفہوم ایسی ضمانت ہے جو لوگوں کا ایک ایسا گروہ دیتا ہے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ایسے خطرہ میں ہوتا ہے جس کے اثرات قبل از وقت جانچے نہیں جا سکتے ایسے خطرہ جب بھی واقع ہوتا ہے۔ اس کے اثرات اس گروہ کے تمام افراد پر تقسیم کر دیے جائیں گے۔'' (۱۳۶)

اس رائے کی روشنی میں انشورنس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایسے خطرات کو تحفظ دینے کا نام ہے جو ایک انسان کی زندگی یا اس کے کاروبار پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور اگر مصیبت کو ہمدردی اور تعاون کے جذبہ سے نہ بانٹا جائے تو وہ شخص تباہ ہو جائے۔ (۱۳۷)

مذکورہ بحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا بجا ہوگا کہ انشورنس سے مراد مستقبل کے انجانے خطرات سے تحفظ کی ضمانت ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انشورنس مستقبل کے خطرات سے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے یا بچاؤ کی تدابیر ہی کرتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں انشورنس کے حامیوں میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ اسے مستقبل کے خطرات سے بچاؤ کی تدبیرِ محض کا نام دیتا ہے جبکہ دوسرا اسے خطرات کے خلاف اہتمام تصور کرتا ہے۔

انشورنس کا طریقِ کار:

ایک معاہدہ کے تحت جو انشورنس کمپنی اور طالبِ انشورنس کے درمیان طے پاتا ہے، انشورنس کمپنی کے طالب سے ایک معینہ رقم جس کا تعین بیمہ پالیسی خریدنے والے کی مالی حالت (اگر بیمہ زندگی ہے تو) اس کی صحت اور اگر بیمہ کی جانے والی کوئی شے یا جائیداد ہے تو اس کی نوعیت، مالیت، نقصانات اور خطرات سے متعلق سابقہ تجربات، بیمہ کمپنی کے دفتری اخراجات اور متوقع نفع (بالفاظِ دیگر شرحِ سود) سے ہوتا ہے۔ (۱۳۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مدت معینہ کے بعد وہ رقم بیمہ دار یا اس کے (اس) وارث کو (جسے وہ نامزد کرے) مل جاتی ہے۔ اس کی اصل رقم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کمپنی ایک مقررہ شرح کے ساتھ کچھ مزید رقم بھی دیتی ہے جو دراصل سود ہوتا ہے جسے کمپنی اپنے وضع کردہ اصطلاح میں بونس (منافع) کہتی ہے۔

بیمہ کمپنی اس مجتمع رقم کی سرمایہ کاری کرتی ہے اور اس پر سود کماتی ہے اور اس طرح وہ کثیر کماتی ہے جس کا بیشتر حصہ کمپنی خود اپنی رقم خرچ کیے بغیر رکھ لیتی ہے اور ایک قلیل مقدار بیمہ داروں کو دے کر خوش کر دیتی ہے۔

انشورنس کی چند شرائط:

انشورنس کے طریقہ کار کی مزید وضاحت کے لیے اس کی چند شرائط کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ کسی بیمہ دار کو دو سال تک متواتر اقساط ادا کرنے پر اس کا اہل سمجھا جاتا ہے کہ وہ کمپنی سے اپنی جمع شدہ رقم کے مقابل کم شرح سود پر قرض لے لے۔

۲۔ اگر کوئی بیمہ دار سود نہ لینا چاہے تو انشونس کمپنی اسے مجبور نہیں کرتی البتہ اس کی ادا شدہ رقم کو وہ سودی کاروبار میں ضرور لگاتی ہے اور مقررہ شرائط کے مطابق مقررہ مدت کے بعد اسے واپس کر دیتی ہے۔

۳۔ بیمہ دار کو ایک معینہ رقم انشورنس کمپنی کو بالاقساط ادا کرنا پڑتی ہے جسے پریمیم کہتے ہیں اگر بیمہ دار اپنی بعض ملی مجبوریوں یا اپنی مرضی سے چند اقساط بیمہ ادا کرنے کے بعد ادائیگی اقساط کا سلسلہ منقطع کر دے تو کمپنی (جس کی بنیاد بیمہ کے حامیوں کی دلیل کے مطابق ہمدردی اور خیر خواہی پر رکھی گئی ہے) اس کی جمع شدہ رقم سوخت کر لیتی ہے۔ البتہ کمپنی اسے اتنی اجازت دے دیتی ہے کہ اگر وہ شخص چاہے تو درمیانی اقساط ادا کر دے یا نئے سرے سے اقساط کا سلسلہ جاری کر کے دوبارہ بیمہ دار بن سکتا ہے۔ مگر اقساط کی ادائیگی بند کر کے وہ اپنی ادا شدہ رقم لینے کا حقدار نہیں۔ (۱۳۹)

نئے قوانین کے تحت اگر ایک بیمہ دار مسلسل تین سال تک اقساط کی باقاعدہ ادائیگی کرتا ہے تو اقساط بند کرنے کی صورت میں اسے ادا شدہ رقم کا کچھ حصہ مل جاتا ہے البتہ ساری رقم نہیں ملتی۔ یعنی غیر شرعی طریقہ پر پرایا مال ہضم کرنے کی رکاوٹ نئے قوانین بھی نہیں فراہم کر سکے۔

انشورنس کی ضرورت واہمیت:

ہم یہاں ان دلائل کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو کاروبار انشورنس کے وکلاء گاہے بگاہے دہراتے رہتے ہیں۔

۱۔ احساسِ تحفظ اور اس کی تلاش انسانی فطرت کا خاصہ ہے ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہو۔ دنیا جائے عبرت ہے یہاں روزانہ ان گنت ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو انسان کو چونکا دیتے ہیں۔ غیر متوقع حالات اور ناخوشگوار واقعات کے مقابلہ میں ابنِ آدم کی بے بسی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود حضرتِ انسان کی، اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ یہ مستقبل کے حالات اور ایسے واقعات کے متعلق بالکل بے خبر ہے جو اس زندگی میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ مگر یہ مٹی کا بنا ہوا کمزور انسان اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور بچاؤ کی کوشش کرتا رہتا ہے جس میں اسے کامیابی ناکامی دونوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ انشورنس کمپنیوں کا وجود اسی انسانی فطرت کا جواب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ایسا غریب یا متوسط شخص جو کثیر العیال ہو اگر ناگہانی طریقہ پر وفات پا جائے تو اس کے پسماندگان سخت مالی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چونکہ ایسا شخص کثیر المال نہیں ہوتا کہ وہ کثیر مقدار میں وراثت چھوڑ جائے جو اس کے ورثاء کی کفالت کے لیے کافی ہو اس طرح ایسے شخص کی اولاد کو بیمہ کمپنی کے ذریعے سہارا مل جاتا ہے اور ان کی تعلیم وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوتا۔ بصورتِ دیگر جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں ان کا تجربہ ہو۔

۳۔ اولاد کے ناہجار ہونے کی صورت میں بیمہ دار، والدین کو پیرانہ سالی کے دکھوں میں کچھ سہارا محسوس ہوتا ہے۔

۴۔ بعض ممالک جہاں مسلم، غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں وہاں مذہب اور نظریہ کے نام پر بلوے اور ہنگامے (جو گھراؤں اور جلاؤ تک پہنچ جاتے ہیں) روزانہ کا معمول بن چکے ہیں اور جن کا نتیجہ لاکھوں کی جائیداد کا راکھ کا ڈھیر بننے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں مسلمان اگر اپنی جائیداد کا بیمہ کرالیں تو مفید ہوگا۔

۵۔ سائنسی ایجادات کا فروغ اپنی بہت سی برکات کے جلو میں بہت سے مفاسد بھی لے کر آیا ہے۔ اس تیز رفتاری کے دور میں حادثات روزانہ کا معمول بن چکے ہیں جو اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ آج سے چالیس سال قبل ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ایسے حالات میں اگر اپنی جائیداد کا بیمہ کر یا جائے تو نقصانات جو کسی بھی خوش حال آدمی کو قلاش بنا کر چھوڑ دیتے ہیں، کی تلافی ہو جاتی ہے۔

۶۔ والدین اپنی اولاد اور خاوند اپنی بیوی کے لیے بیمہ پالیسی خرید کر انہیں ناخوشگوار حالات میں سہارا فراہم کر سکتے ہیں۔

۷۔ انشورنس معاشرتی زندگی میں تعاون و تکافل کو وجود میں لاتا ہے۔ جو شریعت اسلامیہ کا مقصود بھی ہے۔

انشورنس کی چند مشہور اقسام:

یوں تو انشورنس کی متعدد اقسام ہیں جن میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں بیمہ کی جو مشہور مروّجہ اقسام ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) بیمہ زندگی (۲) سمندری بیمہ (۳) ذمہ داریوں کا بیمہ (۴) ضمانت کا بیمہ (۵) چوری کا بیمہ (۶) املاک اور جائیداد کا بیمہ (۷) فضائی بیمہ (۸) قرض کا بیمہ (۹) صحت کا بیمہ (۱۰) خطرات کا بیمہ (۱۱) بڑھاپے کا بیمہ (۱۲) دستاویزات کا بیمہ (۱۳) اعضاء کا بیمہ (۱۴) گروپ انشورنس انفرادی (۱۵) اجتماعی انشورنس (۱۶) تبادلی انشورنس وغیرہا۔

انشورنس کی جملہ اقسام بیمہ کے اصول ایک جیسے ہیں ان تمام اقسام کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل مقالہ کے صفحات بڑھانے کے سوا کچھ نہیں ہوگا البتہ انشورنس کی مذکورہ اقسام میں سے ہم صرف بیمہ زندگی کا ذکر کرتے ہیں اور ان دو قسموں کا تعارف بھی کراتے ہیں جو از روئے شریعتِ اسلامیہ نہ صرف جائز، بلکہ قابل تعریف بھی ہیں یعنی اجتماعی انشورنس اور تبادلی انشورنس۔

زندگی کا بیمہ:

اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی، بیمہ کرانے والے کا اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ معائنہ کراتی ہے۔ ڈاکٹر اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جسمانی ساخت اور صحت سے یہ اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی مصیبت پیش نہ آئے تو یہ شخص اتنی مدت (فرض کیا ۵۰ سال) تک زندہ رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی اس رپورٹ پر کمپنی اس شخص کا ۵۰ سال کے لیے ایک خاص رقم پر جو بیمہ کرانے والے کی امارت یا غربت اور ذرائع آمدنی کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے اس کا بیمہ کر لیتی ہے۔ وہ شخص اس رقم کو بالاقساط ادا کرتا ہے جب وہ رقم پورے طور پر ادا کر دیتا ہے تو اس کا بیمہ مکمل ہو جاتا ہے اگر بیمہ کرانے والا اس مدت تک زندہ رہتا ہے جس کا بیمہ کمپنی کا ڈاکٹر اندازہ کرتا ہے اور اپنی اقساط پوری کر کے انتقال کر جاتا ہے تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کرتا ہے یا نامزد نہیں کرتا تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ رقم معہ کچھ سود کے مل جاتی ہے اور اگر وہ شخص کمپنی کے ڈاکٹر کی اندازہ کردہ عمر (۵۰ سال) سے پہلے ہی دار البقاء کی طرف رختِ سفر باندھ لیتا ہے خواہ کسی حادثہ کی وجہ سے یا اپنی طبعی موت مر کر تو انشورنس کمپنی اس کے ورثاء کو وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کر دیتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زیادہ ہوتی ہے۔

ایک تیسری صورت بھی ہے اگر بیمہ کرانے والا اس معینہ مدت (۵۰ سال) کے بعد بھی زندہ رہتا ہے تو اس کی جمع شدہ رقم مع سود کے واپس مل جاتی ہے مگر اس صورت میں شرح سود کم ہوتی ہے۔

اعضاء کا بیمہ:

لائف انشورنس تو پورے جسم کا ہوتا ہے مگر اس کے علاوہ اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی چل نکلا ہے مثلاً: ٹانگوں کا بیمہ، انگلیوں کا بیمہ وغیرہ۔ اس کا طریقہ کار اور شرائط وغیرہ بھی وہی ہیں جو لائف انشورنس میں مذکور ہیں۔ (۱۴۰)

انشورنس کا آغاز و انجام

یہ بیمہ کا کاروبار جو آج خود غرضی، جوا، سٹہ، مذموم سرمایہ داری اور دھوکہ دہی کی صورت اختیار کر کے سامنے آیا ہے اور جسے مغرب کا نظام فلاح اور خیر خواہی سمجھ کر یہ نسلیں قبول کر رہی ہیں اور اس کے دامِ فریب میں غول کے غول اپنے پیروں چل کر آ پڑ رہی ہیں۔ اس کے اصل بانی و موسس عرب مسلمان تھے، جنہوں نے اس کی بنیاد موجودہ انشورنس کی غلاظتوں سے پاک محض باہمی ہمدردی، مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور نقصانات کی تلافی پر رکھی ہے۔ بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی بیمہ کی بنیاد ڈالی، جو زمانیہ (ضمانیہ) کے نام سے متعارف تھی۔ جوں جوں مسلمانوں میں ملوکیت بڑھتی گئی یہ کام بلقانی یہودیوں نے سنبھال لیا اور جوں جوں مسلمانوں نے قسطنطنیہ سے آگے قدم بڑھائے وہ لوگ جنوبی یورپ چھوڑ کر شمال کی طرف روانہ ہوئے اور انہی لوگوں نے انگلستان پہنچ کر وہاں موجودہ نظام انشورنس کو رواج دیا جس نے بعد میں لاڈز (Lioyds) کے نام سے شہرت پائی۔ یورپین محققین نے بالاتفاق اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مسلمانانِ اندلس نے تجارت کے تحفظ اور ارتقاء کے لیے بحری بیمہ کی بنیاد رکھی۔ (۱۴۱)

اسلامی ممالک کی پہلی معاشی کانفرنس میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے جناب غلام محمد نے کہا: ممکن ہے بہت سے لوگ اس سے واقف نہ ہوں، لیکن یہ حقیقت کہ مسلمانوں نے یورپیوں سے صدیوں پہلے اسلام اصولوں کے مطابق جہاز رانی کا بیمہ شروع کیا۔ (۱۴۲)

''ردالمحتار'' اسلامی فقہ کی پہلی کتاب ہے جس میں انشورنس سے متعلق احکام ملتے ہیں۔ اس کتاب کا زمانہ تیرہویں صدی ہجری بمطابق ۱۸۰۰ء کا ہے۔ اس دور کے مشہور فقیہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا ہے جس کے بارے میں آج کل کثرت سے سوال کیے جا رہے ہیں۔ اب طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ تاجر جب بھی کسی حربی (۱۴۳) سے کوئی بحری جہاز کرائے پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دارالحرب کے کسی باشندے کو جو اپنے علاقہ میں مقیم ہے کچھ رقم اس شرط پر دے دیتے ہیں کہ جہاز میں لدے ہوئے مال کی آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ مار ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن ہو گا اور جو رقم اس شخص کو اس خطرہ کی پیش بندی کے معاوضے کے طور پر دی جاتی ہے اسے ''سوکرہ'' (بیمہ کی رقم) کہا جاتا ہے۔ اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے شہروں میں شاہی اجازت نامہ کے بعد مستامن (۱۴۴) بن کر رہتا ہے۔ جو تاجروں سے بیمہ کی رقم وصول کرتا ہے اور مال کے تلف ہو جانے کی صورت میں انہیں پورا پورا معاوضہ ادا کرتا ہے۔'' (۱۴۵)

یہ آلِ عثمان کا دور تھا اور بیمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترکی حکومت میں جاری تھا۔ یورپی ممالک سے جو جہاز ترکی میں آتے تھے ان کا بیمہ لازمی کرایا جاتا تھا اور ایجنٹ ترکی کے ساحلی شہروں میں حکومت کی باقاعدہ اجازت سے رہتے تھے اور بیمہ کا کاروبار کرتے تھے۔

مسٹر الفرڈ منز نے انشورنس کے تاریخی ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے انشورنس کی تین ارتقائی صورتیں امداد باہمی، سرمایہ کاری اور سرکاری بیمہ متعین کی ہیں۔ اور ان کی ارتقائی تاریخ بھی الگ الگ متعین کی ہیں۔ جہاں تک انشورنس بحیثیت امداد باہمی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں انہوں نے کسی سن وغیرہ کا ذکر نہیں کیا صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ انشورنس کی اس قسم کے محرکات ماضی میں ویسے ہی تھے جیسے آج کل پائے جاتے ہیں یعنی باہمی ہمدردی (شاید یہی وہ طریقہ ہے جس کا آغاز اندلس کے عرب مسلمانوں نے کیا)۔

انشورنس کی سرمایہ دارانہ قسم کا آغاز بحری بیمہ سے ہوا۔ جس کی ابتدا رومیوں نے کی۔ جس کا مقصد تجارت اور نفع اندوزی تھا۔ آگ کے بیمہ کا آغاز سولہویں صدی (عیسوی) میں نجی کاروبار کی حیثیت سے ہوا، بعد میں سرکاری اور نجی دونوں صورتوں میں قائم رہا۔ جس نے ۱۷۰۰ء میں وسیع سرمایہ کاری کی شکل اختیار کر لی۔

۱۶۶۷ء میں پیرس میں جہاز بیمہ کمپنی کی ابتدا ہوئی۔ انگلینڈ میں ۱۷۲۰ء میں ایسی کمپنیوں کا کاروبار شروع ہوا۔ ۱۷۶۵ء میں جرمنی میں اس قسم کی انشورنس کمپنیوں کا آغاز ہوا۔ اسی سال برلن میں ایسی کمپنیاں قائم کی گئیں۔

حادثات کے بیمہ کا رواج ۱۸۴۵ء میں اور ذمہ داریوں کے بیمہ کا وجود ۱۸۷۶ء میں ظاہر ہوا۔ جہاں تک لائف انشورنس کی موجودہ شکل وصورت کا تعلق ہے یہ بحری جہازوں کے بیمہ کے تقریباً ایک سو سال بعد قائم ہوئی۔ اس تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ لائف انشورنس کے لیے سائنسی بنیادوں کی ضرورت تھی۔

انشورنس کی تاریخ:

انشورنس اگرچہ اپنی سادہ شکل میں صدیوں سے رائج ہے لیکن اس نے ایک مضبوط نظام کی صورت انیسویں صدی عیسوی میں اختیار کی۔ اس کے بعد بیسویں صدی اس کی ترقی کا دور ہے جس میں اس کی مروجہ صورتیں سامنے آئیں، ذیل میں ہم اس کے ارتقائی دور کا مختصر خاکہ بیان کرتے ہیں۔

☆ کہا جاتا ہے کہ اس کا ابتدائی تصور بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں Bottomry (بحری جہاز پر قرض کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاہدہ) کے نام سے سامنے آیا، جس کی صورت یہ تھی کہ تاجر کشتی کے مالک کو بحری سفر پر آمادہ کرنے کے لیے اتنا قرض دیتا جو کشتی اور اس پر موجودہ سامان کی قیمت کے برابر ہوتا۔ اگر کشتی بندرگاہ پر باحفاظت پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تو کشتی کا مالک وہ رقم اضافے کے ساتھ واپس کرتا لیکن اگر سمندر میں غرق ہو جاتی تو تاجر کا قرض رائیگاں ہو جاتا۔

☆ بحری انشورنس کی پہلی باقاعدہ دستاویز ۱۱۲۳ کتوبر ۱۳۴۷ء میں اٹلی میں لکھی گئی۔

☆ چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں جب اٹلی اور بحر روم کے ساحلی ممالک کے درمیان تجارت کو فروغ ملا تو انشورنس میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔

☆ بری انشورنس کی ابتدا سترھویں صدی عیسوی میں لندن سے ہوئی۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۶۶۶ء میں لندن میں ایک خوف ناک آگ بڑک اٹھی، جس سے تیرہ ہزار سے زائد مکانات، سو کے قریب گرجا گھر، بہت سی دُکانیں اور فیکٹریاں جل کر راکھ ہو گئیں۔ مستقبل میں ناگہانی نقصانات سے بچنے کی سوچ نے لوگوں کو انشورنس کی راہ دکھائی، وہ یہودی ساہوکار جو اٹلی سے نکلنے کے بعد لندن کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھے انہوں نے اس واقعے کو غنیمت جانا اور لوگوں کو آتشزدگی سے پہنچنے والے نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے انشورنس کی ترغیبات دینا شروع کیں اس طرح اس کی متعدد صورتیں سامنے آئیں۔

☆ اٹھارویں صدی عیسوی میں انشورنس کا کاروبار پورے پورے اور امریکی ریاستوں میں پھیل چکا تھا۔

☆ انیسویں صدی صنعتی ترقی کا دور ہے، اس میں انشورنس کی ایک نئی قسم ''تھرڈ پارٹی انشورنس'' (تامین ضد المسئولیۃ) سامنے آئی۔

☆ اس کے بعد Mutual (التامین التبادلی) اور گڈ زانشورنس متعارف ہوئیں۔

☆ انیسویں صدی کا آخر لائف انشورنس (تامین الحیاۃ) کے متعارف ہونے کا زمانہ ہے۔

☆ اسلامی ممالک انیسوی صدی میں یورپی تاجروں کے توسط سے اس سے آشنا ہوئے، شام کے فقیہ علامہ ابن عابدین شامی پہلے عالم ہیں جنہوں نے 'سوکرہ'' کے نام سے اس کا ذکر کیا۔

☆ بعض مفکرین اس کا ابتدائی دور ۹۱۶ ق م بیان کرتے ہیں، جب روڈس (جزیرہ یونان) میں بحری تاجروں کے نقصان کی تقسیم کا نظام وضع کیا گیا۔

☆ بعض مفکرین کی رائے میں اس فکر کا بانی رومن ایمپائر ہے، جس نے اپنی بحری فوجی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے اسلحے کے تاجروں سے یہ وعدہ کیا کہ نقصان کی صورت میں حکومت تلافی کرے گی لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں تاجر کے سے کچھ وصول نہیں کیا جاتا، حکومت کی طرف سے جو کچھ دیا جاتا تھا وہ یک طرفہ ہوتا تھا۔ انشورنس میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس لیے اسے انشورنس کی بجائے ضمان کہنا چاہیے۔

انشورنس کی قسمیں:

منتظم اداروں کے لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) گروپ انشورنس:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حکومت ملازمین کی فلاح و بہبود کے لیے ایک پالیسی ترتیب دیتی ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ملازمین کی تنخواہ سے قانوناً کچھ رقم ہر ماہ ادائیگی سے قبل ہی وضع کر لی جاتی ہے جو ایک فنڈ میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ ملازم کی ریٹائرمنٹ ،انتقال یا حادثے کی صورت میں خود ملازم یا اس کے ورثاء کو اضافے کے ساتھ واپس کر دی جاتی ہے پھر آگے اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ انشورنس کی یہ صورت غیر اختیاری ہے جس سے قانونی مجبوری کی وجہ سے بچنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے اس لیے اس پر اتفاق ہے کہ اس قسم کی انشورنس کرانے کی صورت میں انسان عنداللہ بری ہوگا البتہ اضافی رقم کے متعلق دو نقطہ نظر ہیں۔

☆ اکثر علماء کے خیال میں اس سے حکومت کا مقصد نفع کمانا نہیں بلکہ ملازمین سے تعاون ہوتا ہے اور حکومت کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ ملازمین کی ضروریات کا خیال رکھے، اس لیے اضافی رقم وصول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

☆ دوسری رائے یہ ہے کہ اضافی رقم ذاتی استعمال میں نہ لائی جائے بلکہ غرباء اور مساکین پر خرچ کر دی جائے۔

(۲) میوچل انشورنس:

اس کا انتظام امداد باہمی کی تنظیمیں کرتی ہیں۔ اس کا مقصد نقصان کی صورت میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے نہ کہ تجارت اور دوسروں کے مال سے حصول نفع۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی ادارے، جماعت یا قبیلے کے لوگ باہم مل کر ایک فنڈ تشکیل دیتے ہیں اور کسی رکن کو حادثہ پیش آنے کی صورت میں اس فنڈ سے اس کی مدد کی جاتی ہے۔ اگر فنڈ میں جمع شدہ رقم کم پڑ جائے تو اراکین سے مزید وصول کی جاتی ہے اور اگر بچ جائے تو آئندہ سال کے لیے جمع کر لی جاتی ہے۔ اس کی بنیاد سراسر تعاون پر ہے جس میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی۔ اس لیے انشورنس کی یہ قسم جائز اور مباح ہے۔

(۳) کمرشل انشورنس:

انشورنس کی اس قسم کا انتظام کاروباری کمپنیاں کرتی ہیں جن کے پیش نظر لوگوں سے مالی تعاون کی بجائے مال کمانا ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ بیمہ ہولڈر کمپنی کو ایک متعین رقم اقساط کی صورت میں مخصوص مدت تک ادا کرتا ہے اس کے عوض بیمہ کمپنی اسے یہ یقین دہانی کرواتی ہے کہ کمپنی اس کے فلاں نوعیت کے نقصان کی تلافی کرے گی، انشورنس کی یہ قسم بطور کاروبار اختیار کی جاتی ہے، اس لیے اسے کمرشل انشورنس کہا جاتا ہے۔

جب انشورنس کا لفظ بغیر کسی اضافی قید کے ذکر کیا جائے تو اس سے یہی قسم مراد ہوتی ہے اور محل نزاع بھی یہی ہے۔ اس کی مزید بے شمار قسمیں ہیں اگر ان سب کو مختصراً بیان کیا جائے تو بنیادی طور پر ان کی تین قسمیں بنتی ہیں۔

الف۔ لائف انشورنس:

انشورنس کمپنی کسی شخص سے یہ معاہدہ کرتی ہے کہ وہ ایک مقررہ رقم اقساط کی صورت میں کمپنی کو ادا کرے گا۔ اگر معینہ مدت میں اس شخص کا طبعی یا حادثے میں انتقال ہو گیا تو کمپنی طے شدہ رقم اس کے ورثاء کو ادا کرے گی۔ اگر وہ شخص معینہ مدت تک زندہ رہے تو ادا شدہ رقم مع اضافہ کے ساتھ واپس مل جاتی ہے۔ اس کی بعض صورتوں میں مدت کا تعین ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔

ب۔ گڈز انشورنس:

انشورنس کی اس قسم کا مقصد ممکنہ نقصان کے ازالہ کی ضمانت حاصل کرنا ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک شخص معینہ مدت کے لیے مقررہ رقم قسطوں میں کمپنی کو ادا کرتا ہے انشورنس کمپنی اس کو یقین دلاتی ہے کہ اگر حادثے کی وجہ سے انشورنس کروائی گئی چیز کا نقصان ہو گیا تو اس کی تلافی وہ کرے گی بصورت دیگر ادشدہ رقم واپس نہیں ہوگی۔

انشورنس کی ان دو قسموں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی میں معینہ مدت میں وفات نہ ہونے پر ادا شدہ رقم اضافے کے ساتھ مل جاتی تھی دوسری صورت میں رقم واپس نہیں ہوتی۔

ج۔ تھرڈ پارٹی انشورنس:

انسان اپنی غلطی، غفلت یا سستی کی وجہ سے دوسرے شخص کو پہنچنے والے نقصان کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے جو انشورنس کرواتا ہے اسے تھرڈ پارٹی انشورنس کہتے ہیں۔ مثلاً اس غرض سے گاڑی انشورنس کروانا کہ گاڑی سے نقصان کی صورت میں مالک کی بجائے انشورنس کمپنی اس کا ازالہ کرے۔

دور جدید کے اہم معاشی مسائل میں بیمہ اور انشورنس کا مسئلہ بھی شامل ہیں۔ بیمہ اور انشورنس کا تصور تو بہت قدیم ہے، اور کئی ہزار سال سے قائم ہے۔ حمورابی کے قانون میں جو آج سے چار پانچ ہزار سال پہلے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل مسیح میں عراق میں نافذ العمل تھا یہ تصور موجود تھا۔ اگر وہاں کسی کے گھر میں چوری ہو جاتی تھی تو پورا گروہ یا جماعت مل کر تعاون کرتی تھی اور جس کے یہاں چوری ہوتی تھی اس کی مدد کرتی تھی اور یوں اس کے نقصان کی تلافی ہو جایا کرتی تھی۔

انشورنس کا محرک:

بیمہ اور انشورنس کا اصل محرک شرعاً قابل اعتراض نہیں ہے۔ یہ بات کہ اگر ایک شخص کو معاشی پریشان کا سامنا ہو یا مالی مشکلات پیش آئیں تو وہ دوسرے لوگ مل کر اس کی مدد کریں۔ یہ تصور شریعت میں پسندیدہ ہے اور شریعت کے احکام کے عین مطابق ہے۔ ایک حد تک یہ تصور اسلام میں پہلے دن سے موجود ہے۔ عاقلہ کے احکام احادیث میں تفصیل کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ عاقلہ کے معنی یہی ہیں کہ کسی شخص پر اس کی کسی غلطی کے بغیر، کسی جرم کے بغیر، یا محض بھول چوک سے کوئی تاوان مثلاً دیت یا ضمان عائد ہو جائے تو پوری برادری یا قبیلہ یا بستی کے لوگ مل کر اس کو ادا کریں۔ یہ تصور اس میثاق مدینہ میں بھی موجود ہے جس کو اسلام کا پہلا تحریری دستور قرار دیا گیا ہے اور بعض اہل علم نے اس کو دنیا کی تاریخ کا پہلا تحریری دستور بھی قرار دیا ہے۔ اس میں یہ بات موجود ہے کہ عاقلہ کا جو نظام قریش میں پہلے سے موجود تھا وہ بدستور جاری رہے گا۔ جس جس قبیلے میں عاقلہ کا جو نظام موجود تھا وہ اسی طرح موجود رہے گا اور ہر گروہ رائج الوقت معروف طریقے اور انصاف کے مطابق اپنے مقروضوں کا قرض ادا کرتا رہے گا۔ خود قرآن مجید میں زکوٰۃ کی مدات میں ایک اہم مد غارمین کی رکھی گئی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص مقروض ہو تو اس کا قرض زکوٰۃ سے ادا کر دیا جائے۔

ان مثالوں سے یہ واضح ہو سکتا ہے کہ یہ تصور شریعت میں پسندیدہ ہے کہ ایک مصیبت زدہ کی مصیبت میں اس کی مدد کی جائے۔ بشرطیکہ یہ مدد شریعت کے احکام کے مطابق ہو۔ مغرب میں جو تصور بیمہ کے نام سے شروع ہوا اس سے مسلمانوں کا واسطہ اس وقت پڑا جب اہل مغرب سے سمندری تجارت وسیع پیمانے پر ہونے لگے۔ چونکہ مغربی دنیا میں صنعت کاری وسیع پیمانے پر ہو رہی تھی اس لیے اس کے یہاں سے وسیع پیمانے پر سامان تجارت آتا تھا۔ ان کی مصنوعات دنیائے اسلام میں آتی تھیں۔ وہاں سے جو تاجر یا صنعت کار اپنی مصنوعات بھیجتا تھا وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کے ممکنہ نقصانات کی تلافی کا پہلے سے انتظام ہو جائے۔ اس طرح مغربی تاجروں سے تجارت کے ذریعہ اس تصور سے مسلمان بھی واقف ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فقہائے اسلام میں سب سے پہلے جس نے اس پر توجہ دی وہ علامہ ابن عابدین ہیں۔ انہوں نے اس کے لیے سوکرہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ غالباً سکیورٹی کا معرب ہے اس طرح کا کوئی لفظ کسی مغربی زبان میں ہوگا اس کو انہوں نے عربی میں سوکرہ کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ ان کی کتاب ردالمختار میں اس کا تذکرہ ہے اور انہوں نے اس معاملے کو غیر مشروع اور حرام قرار دیا ہے۔ یعنی اس صورت کو جو ان کے زمانے میں یورپ میں رائج تھی، اس کو انہوں نے حرام قرار دیا۔

دنیائے اسلام میں جب سے بیمہ کاری کا عمل شروع ہوا اس پر اہل علم غور کرتے رہے۔ شروع میں بعض حضرات کا اسلامی دنیا میں بیمہ کاری کا عملی آغاز یہ تھا کہ بیمہ کی تمام شکلیں جائز ہیں۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے غور وخوض ہوگا تھا، بیمہ کاری کی عملی تفصیلات واضح ہوتی گئیں، بیمہ کے رائج الوقت قوانین سے آگاہی ہوتی گئی۔ بیمہ کے بارے میں شرعیت کا نقطۂ نظر بھی واضح ہوتا گیا اور بالآخر یہ طے ہوا کہ تعاونی بیمہ یعنی Cooperative Insurance جائز ہے۔ Cooperative insurance یعنی تعاونی بیمہ کے جواز کے بارے میں رابطہ عالم اسلامی کے مجمع الفقہ نے، قاہرہ میں علمائے اسلام کی کانفرنس نے 1965 میں اور سعودی عرب میں وہاں کے علماء کی سب سے بڑی جمعیت ہیئۃ کبار العلماء نے ان سب نے فیصلہ کا ے کہ تعاونی بیمہ یعنی Copperative insurance جائز ہے۔ اس لیے کہ اس میں نہ غرر پایا جاتا ہے، نہ ربا پایا جاتا ہے، نہ قمار پایا جاتا ہے۔ لیکن تجارتی بیمہ کے بارے میں علمائے کرام کی غالب ترین اکثریت کا کہنا ہے کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔ اس لیے کہ اس میں ربا بھی پایا جاتا ہے، قمار بھی پایا جاتا ہے اور غرر بھی پایا جاتا ہے۔ پاکستان میں میں بھی اسلامی نظریاتی کونسل نے 1991، 1992 میں ایک رپورٹ تیار کی تھی جس میں اتفاق رائے سے یہ قرار دیا گیا تھا کہ تجارتی بیمہ شریعت کی رو سے ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اس میں رباء قمار اور غرر تینوں خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس رپورٹ میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک متبادل نقشے کا خاکہ بھی تجویز کیا ہے۔ یہ خاکہ بہت مختصر تھا۔ لیکن عام طور پر علمائے اسلام نے اس خاکے سے اتفاق کیا۔

دنیائے اسلام کے دوسرے ممالک میں بھی جہاں جہاں اسلامی بیمہ کاری پر غور وخوض ہوا۔ تامین اور تکافل کے نام سے ادارے بنے۔ وہاں اسی رپورٹ سے ملتی جلتی اور اس کے قریب قریب تجاویز مرتب کی گئیں۔ چنانچہ ملیشیا میں، سوڈان میں، مصر اور ایران میں اور دوسرے متعدد ممالک میں تکافل کے نام سے متعدد ادارے وجود میں آئے ہیں۔ تکافل کے یہ ادارے بنیادی طور پر اسی تصور پر مبنی ہیں جو اسلامی نظریاتی کونسل کی اس رپورٹ میں اختیار کیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں کوشش کی گئی تھی کہ بیمہ کاری کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا نقشہ تجویز کیا جائے جس میں نہ غرر پایا جاتا ہو، نہ ربا پایا جاتا ہو، نہ قمار پایا جاتا ہو۔ یہ وہ رائے ہے جو علمائے کرام کے غالب ترین اکثریت کی ہے۔ اکا دکا اہل علم اب بھی ایسا سمجھتے ہیں کہ تجارتی بیمہ جائز ہے اور اس میں نہ غرر پایا جاتا ہے، نہ قمار پایا جاتا ہے، نہ ربا پایا جاتا ہے۔

پاکستان میں اسلامی بیمہ کاری کا کام بھی کسی حد تک شروع ہو گیا ہے اور تکافل کے قوانین اور قواعد بھی وضع کیے جا چکے ہیں۔ ان قوانین اور قواعد کو وضع کرنے میں نمایاں حصہ جسٹس میاں محبوب احمد نے لیا جو پاکستان کے صف اوّل کے قانون دانوں میں سے ہیں اور لاہور ہائی کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس بھی رہے ہیں۔ ان کی نگرانی اور سربراہی میں یہ قواعد وضوابط تیار کیے گئے ہیں۔ اور ان قواعد وضوابط کی بنیاد پر حکومت پاکستان نے اجازت دی ہے اور اب تکافل کی کمپنیاں بھی وجود میں آ رہی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیمہ کے ساتھ ساتھ ایک اہم مسئلہ جس کا ابھی تک قابل عمل اور شریعت کے اعتبار سے قابل قبول حل مکمل طور پر سامنے نہیں آسکا۔ وہ Re-Insurance کا معاملہ ہے۔ ری انشورنس سے مراد یہ ہے کہ بڑی بڑی انشورنس کمپنیاں اپنے انشورنس کے معاملات کی بھی انشورنس کرواتی ہیں۔ یہ ری انشورنس یعنی بیمہ کا بیمہ کی بہت بڑی بڑی کمپنیوں میں ہوتا ہے۔ ابھی تک ری انشورنس کی کوئی قابل ذکر اور بڑی کمپنی دنیائے اسلام کے کسی ملک میں موجود نہیں ہے۔ ری انشورنس کے لیے بعض جدید ماہرین نے ری تکافل کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ انگریزی میں تکافل اور ری تکافل کا لفظ اب عام استعمال ہونے لگا ہے۔ عرب دنیا میں اس کو تأمین اور اعادۃ التأمین یا تکافل اور اعادۃ التکافل کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔

بیمہ پر اعتراضات (Objections):

بیمہ بھی ان اہم موضوعات میں شامل ہے جن کی سخت مخالفت کی جاتی ہے اور مسلم مفکرین میں اختلاف الرائے پایا جاتا ہے۔ دراصل اس کے فقط منفی پہلو کو سامنے رکھا گیا ہے اور مثبت پہلو اوجھل ہونے کے سبب تاریک رخ مزید بوجھل (Heavy Loader) بنا دیا گیا ہے۔ اس کے نقصانات کی فہرست جو اعتراضات کی شکل میں پائی جاتی ہے اس کو بیان کیا جاتا ہے:

1- معاشی نظام کے منافی (Repugnance to Islamic System):

سید مودودی نے کسی فرد کے سوال کا جواب یوں دیا تھا:

''اگر ہم اپنے معاملات کو ان اداروں کے ہاتھ میں دے دیں اور ان کے اصول و قواعد کے تابع ہو کر اپنا روپیہ ان میں لگائیں اور اپنے کاروبار ان کے ذریعے سے چلائیں تو اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ایک معاشی گروہ کی حیثیت سے ان کے اجتماعی نظام میں جذب ہو جائیں گے۔'' (۱۴۶)

آخر کسی مفید چیز کو اپنے نظم معیشت کا حصہ بنا دینے میں کیا حرج ہے؟ غیروں کی اچھی چیز لینے سے فائدہ ہی ہوگا۔

2- مجبوری:

ایک ماہر کی رائے یہ ہے:

''واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے ابتداء میں جو نقشہ قائم کیا تھا' کاش کچھ دن بھی مسلمان اس نقشہ کو باقی رکھتے تو آج گھبرا گھبرا کر نہ دنیا انشورنس کے دامن میں پناہ ڈھونڈتی' نہ غریب مخلوق اور کاشتکاروں کی مشکلات کا حل باہمی اتحاد والی سود خور انجمن میں سوچا جاتا۔ گویا پنجہ گرگ (ساہوکار) سے نکال کر اس کے حلق پر ان انجمنوں کی چھری چلائی جاتی ہے۔ مسلمان علماء کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ سود اور بیمہ وغیرہ کی شکلوں کے جواز کی صورت پیدا کی جائے۔ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام کے نظام میں ان مشکلات کے حل کی کوئی تدبیر نہ تھی اور گویا یورپ کا ذہن پہلی دفعہ ان مسائل کی طرف منتقل ہوا۔ لیکن کیا کیجئے کہ کسی تصویر کے ایک حصے کے دیکھنے سے پوری تصویر کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ کی سرمایہ دار حکومتیں نادار' بے روزگار باشندوں کی معاشرتی کفالت کی ذمہ داری لیتی بھی ہیں تو محدود پیمانے پر ہے۔ مجبوراً بیمہ کرانا پڑتا ہے۔ چند چوٹی کے سرمایہ داروں نے بیمہ کو ایک باقاعدہ تجارتی کاروبار بنا کر غریب پالیسی ہولڈروں کی آمدنی میں خود کو بھی حصہ دار بنا لیا ہے۔ نیز ایسی کمپنی' متوفی قبل از وقت' کی اولاد کی جو بھی امداد کرتی ہے اس امداد کا بار ملک کے تمام باشندوں پر نہیں بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

صرف انہی چند ہزار لوگوں کی جیب پر پڑتا ہے جو اس بیمہ کمپنی میں شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ بیمہ کمپنی کے منتظمین یا منیجر ادائیگی اپنی جیب سے نہیں کرتے بلکہ پالیسی ہولڈرز یا بیمہ شدہ افراد کی رقم سے جو منافع حاصل ہوتا ہے۔ اس کا ایک حصہ کسی دوسرے بیمہ شدہ قبل از وقت مرنے والے افراد کی اولاد کو یک مشت ادا کر دیتے ہیں پھر سودی کاروبار کی جملہ خرابیاں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔

اگر اسلامی معاشی نظام کی ترویج ہو تو نہ کوئی باپ اپنے مرنے سے اس لئے خوفزدہ رہ سکتا ہے کہ اس کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ بیوی بیوہ ہو کر لاوارث ہو جائے گی نہ کسی کو اس کا خطرہ رہ سکتا ہے کہ میں اگر اتفاقی طور پر کسی مصیبت یا مرض کا شکار ہوا اور میرا ہاتھ خالی ہو گیا تو علاج کون کرائے گا؟ میرے بچے کیا کھائیں گے۔ اگر کسی تاجر کو تجارت میں خسارہ آ جائے' کسان کو زراعت میں نقصان پہنچے' کوئی لنگڑا ہو جائے' اندھا ہو جائے' بوڑھا ہو جائے' سب کو اطمینان ہے کہ میری اولاد کے لئے بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں مستقل کافی رقم پڑی ہے جو ملک کے مقروضوں کا قرض توڑنے کے لئے استعمال میں لائی جائے نہ سودی قرض کی حاجت نہ جائیداد بیچنے کی چنداں ضرورت کہ ان کے قرض کی ادائی کا سامان حکومت کے خزانہ میں موجود ہے۔ بیوپار کرنے والے مسافر جو ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں نہ انہیں اس کی فکر کہ کس جگہ جا کر میرا ہاتھ خالی ہو جائے گا۔ ہر ضلع ہر تعلقہ کے مقامی خزانہ میں اس کی امداد کا فنڈ موجود ہے۔'' (۱۴۷)

3- ظلم (Cruelty):

نعیم صدیقی کے مطابق:

''انشورنس کا موجودہ سسٹم جسے سرمایہ دارانہ نظام نے تشکیل دیا ہے ایک نظر فریب قسم کا نظام ظلم ہے۔ اس نظام ظلم کے تحت غریبوں سے اکٹھے کئے ہوئے سرمائے کا بھاری منافع بڑے بڑے کاروباری اداروں' بنکوں اور خود انشورنس کمپنیوں میں بٹ جاتا ہے۔ نیز بیمہ کمپنیوں کے ڈائریکٹر تو بڑی چیز ہوتے ہیں' ان کے ایجنٹ تک اتنے بڑے بڑے کمیشن اور سفر خرچ وصول کرتے ہیں۔ اونچے اونچے سرکاری عہدوں پر رہ کر اتنی کمائی نہیں کی جا سکتی۔ چند سال کی محنت سے جو ایجنٹ ایک مقررہ مدت میں وثیقہ دار (Policy Holder) فراہم کر دیتا ہے' وہ پھر بقیہ ساری عمر بغیر کام کئے اچھے معیار کی زندگی گزار سکتا ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''بیمہ عام لوگوں کی مجبورانہ ضرورت سہی مگر بیمہ کمپنیاں ان کی خدمت کرنے نہیں آتیں ان کی پونجی کو سود پر چڑھا کر نفع اندوزی کرنے نکلتی ہیں۔ ایسے کاروباری اداروں کا دوسروں کو اخلاقی روح کا واسطہ دلانا بہت ہی ناقابل فہم بات ہے۔''

4- ناجائز فائدہ:

نیز یہ کہ:

''لائف انشورنس کا موجودہ نظام خالص اقتصادی لحاظ سے ایک نظام ظلم ہے جس کے پس پردہ اصل فائدہ تو وہی طبقہ اٹھاتا ہے جس کے پاس پہلے ہی ضرورت سے زیادہ دولت سمٹ رہی ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیر اور برائے نام مفاد عوام کا رکھا گیا ہے جسے نفسیاتی سحر کاری اور حسابی جادوگری سے عوام کے سامنے من موہنے انداز میں پیش کیا جاتا ہے"۔

لیکن اگر ہم بحیثیت ایک سچے خدا پرست مسلمان کے اس مسئلے کو لیں تو ہمارے لئے اتنی بات جان لینا کافی ہے کہ سودی کاروبار کی ہر شکل کو خدا اور رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ کتاب الٰہی اس بارے میں بالکل ناطق اور حدیث نہایت صریح ہے۔ کیوں نہ ہم بغیر کسی تاویل کے یہ تسلیم کرلیں کہ سود پر چلنے والا نظام بیمہ اسلامی نظام نہیں ہوسکتا۔" (۱۴۸)

5- نفرت وعداوت:

ایک خامی یہ گنوائی جاتی ہے کہ کئی افراد کے مابین حقارت ومخاصمت کے جذبات ابھرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جس سے بے چینی وافراتفری پھیلتی ہے۔ نیز یہ کہ کینہ وبغض جنم لیتا ہے۔ مگر بیمہ کرانے سے ایسی عادات کیوں پیدا ہوتی ہیں؟

6- وثیقوں کی خرید وفروخت (Sale and Purchase of Debentures):

ایک بڑا اعتراض یہ اٹھایا جاتا ہے کہ انشورنس کمپنیاں سرکاری وثیقے اور تحفظاتیں (Securities) کے خریدنے اور بیچنے کی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں جن میں سودی عنصر ملوث ہوتا ہے اس لئے ممنوع ہے لہٰذا بیمہ کا کاروبار بھی مشکوک قرار پاتا ہے۔

7- پریمیم (Premium):

یہ ایسی رقم ہوتی ہے جو پالیسی ہولڈر اقساط کی صورت میں بیمہ کمپنی کو ادا کرتا رہتا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

"Premium usually (عموماً) takes the form of money payment and has been defined as a price paid adequate (کافی) to the risk (خطر) but the adequacy of it is purely (خالصاً) the insurer's concern."(149)

علمائے کرام خامی بتلاتے ہیں کہ اس طرح جمع شدہ سرمایہ ناجائز کاروبار میں لگایا جاتا ہے اس طرح بیمہ کنندگان بھی اس سود والے کاموں میں شریک بن جاتے ہیں اور گنہگار ٹھہرتے ہیں۔

8- وارثوں کی حق تلفی:

ایک فرد کی موت واقع ہونے کی صورت میں رقم نامزد کردہ ورثاء کے حصے میں آتی ہے دیگر قانونی وشرعی وارثان بازگشت (Reversioners) محروم رہتے ہیں۔ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ اس کا قصور وار بیمہ کروانے والا شخص ہے اسے کون روکتا ہے کہ پالیسی میں سارے رشتہ داروں کو حقدار گردانا جائے۔ فقط یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میری زندگی کے بعد میرے وارث شریعت کے مطابق حصہ لیں گے۔

9- انجمن سرمایہ داران:

ڈاکٹر اسرار احمد انشورنس کمپنی کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

"گویا یہ فی الحقیقت سرمایہ داروں کی ایک کوآپریٹو ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ صرف سرمایہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

داروں کے سرمایہ کا تحفظ ہے اور کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم کی جیتی جاگتی تصویر یہ سرمایہ داری کی لعنت کو تقویت پہنچانے والی شے ہے جس کی حرمت کا اسلام نے فیصلہ فرما دیا ہے۔" (۱۵۰)

مولانا محمد تقی امینی نے توضیح اس طرح کی ہے:

ابن عابدینؒ (پیدائش 1198ھ/ 1784ء؛ وفات 1252ھ/ 1836ء) کے زمانہ میں موجودہ بیمہ کا رواج نہ تھا صرف بحری بیمہ کی ایک شکل "سوکرہ" کے نام سے رائج تھی جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں: (۱۵۱)

"تاجروں کی یہ عادت ہے کہ جب وہ مال تجارت کے لئے کسی "حربی" سے مال بردار جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو کرایہ کے علاوہ مزید ایک متعینہ رقم اس کے حوالے کرتے ہیں تاکہ وہ دوسرے حربی سے مال پہنچانے کا معاملہ کر لے۔ یہ حربی دارالحرب کا باشندہ ہوتا ہے جو امن حاصل کر کے دارالاسلام کے سرحدی مقامات پر ٹھہرتا ہے۔ یہ شخص گویا وکیل اور مال پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر تجارتی مال کو راستہ میں جلنے، ڈوبنے اور لوٹنے سے کوئی نقصان پہنچا تو یہ شخص اسی متعینہ رقم کے عوض نقصان کی پوری تلافی کرتا ہے۔ اس رقم کو "سوکرہ" اور اس پر معاملہ کرنے والے کو صاحب سوکرہ کہتے ہیں۔"

لفظ "سوکرہ" دراصل "Securite" سے عربی بنایا گیا ہے جس کے معنی فرانسیسی زبان میں "امان واطمینان" ہیں۔ کلام عرب میں "بیمہ" کے لئے پہلے یہی لفظ مستعمل تھا اب "عقد تامین" اس کے لئے وضع ہو گیا ہے۔ (۱۵۲) نیز پہلے اس کا تعلق حربی و دارالحرب سے تھا۔ اب ہر جگہ اس کا رواج عام ہو گیا ہے۔

ابن عابدین کے زمانہ میں بیمہ کی جو شکل رائج تھی اس کو انہوں نے دارالاسلام میں ناجائز اور دارالحرب میں جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

انه لا یحل التاجر اخذ بدل الهالک من ماله لان هذا التزام مالا یلزم

"تاجر کے لئے ہلاک ہونے والے مال کا بدل وصول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی شے کا التزام ہے جو لازم نہیں ہے۔"

"التزام مالا یلزم" کا مطلب یہ ہے کہ حربی ایجنٹ نے نقصان کی صورت میں تلافی کی ذمہ داری لی تھی جبکہ شرعی حیثیت سے یہ تلافی مستامن (امن حاصل کرنے والے) کے ذمہ نہ تھی اس طرح مستامن نے اپنے ذمہ ایک ایسی شے کو لازم کیا جو دارالاسلام میں اس کے ذمہ لازم نہ تھی۔

پھر اس کے بعد ہے:

بخلاف المستامن فی دارالحرب فان له اخذ مالهم برضائهم ولو بربا او قمار

"جو مسلمان امن حاصل کر کے دارالحرب میں رہتا ہو اس کو حربیوں کا مال ان کی رضامندی سے لینا جائز ہے خواہ سود یا جوئے سے ہو۔"

اسی طرح اگر ایک شریک دارالحرب میں اور دوسرا دارالاسلام میں رہتا ہے لیکن سوکرہ کا معاملہ حربی شریک کرتا ہے تو بھی جائز ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا خذ منه بدل الهالک و یرسله الی التاجر فالظاهر ان هذا یحل للتاجر اخذ

''حربی شریک ہلاک ہونے والے مال کا بدل وصول کر کے دارالاسلام میں رہنے والے تاجر شریک کو روانہ کرتا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا لینا جائز ہے۔''

نوٹ: جدید بین الاقوامی حالات کے پیش نظر دارالاسلام و دارالحرب کی تعریف وضع کرنا ضروری ہے جب تک یہ تعریف وضع نہ ہو علماء کو درج ذیل تقسیم اور اس پر مبنی احکام پر غور کرنا چاہئے۔

دارالحرب کی دو قسمیں ہیں:

1- کامل.....اور 2- ناقص

کامل وہ جس میں نہ مسلمانوں کو سیاسی قوت حاصل ہو اور نہ ان کے شعائر دینی محفوظ ہوں۔ ناقص وہ جس میں سیاسی قوت اگرچہ حاصل نہ ہو لیکن شعائر دینی محفوظ ہوں۔

پہلی قسم کے دارالحرب میں ہنگامی حالات کے قانون نافذ ہوں گے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں یعنی حربی عوام اور حکومت سے بدعہدی و خیانت کے بغیر مالیات میں جواء، سود وغیرہ تمام عقود فاسدہ کی اجازت ہوگی۔

دوسری قسم کے دارالحرب میں اجازت دو طرح سے محدود ہوگی:

الف: صرف حکومت سے (قانون کے مطابق) معاملات میں ہوگی، عوام سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔

ب: صرف ان معاملات میں ہوگی جن کی معاشی استحصال پر قابو پانے اور قومی مورال (Morale) برقرار رکھنے میں ضرورت ہوگی۔ تمام عقود فاسدہ سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔

اس تقسیم کے لحاظ سے ناقص دارالحرب میں بھی عوام کی معاشی حالت سدھارنے کے لئے حکومت کی فراہم کردہ تمام سہولتوں سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت ہوگی اگرچہ ان میں ایسی چیزوں کی آمیزش ہو (سود وغیرہ) جن سے شرعاً معاملات فاسد ہو جاتے ہیں۔

دارالاسلام چونکہ احکام شرعیہ کے نفاذ کا محل ہے اس بناء پر وہاں مسلم و غیر مسلم کسی کو بھی شریعت کے خلاف کوئی معاملہ جائز نہیں جب کہ دارالحرب میں ہنگامی حالات کی وجہ سے شریعت کی خلاف ورزی کی گنجائش ہے جیسا کہ ابن عابدینؒ کہتے ہیں:

''دارالاسلام میں حربیوں سے وہی معاملات جائز ہیں جو مسلمانوں سے جائز ہیں چنانچہ جو حربی امن حاصل کر کے دارالاسلام میں ہو اس سے شریعت کے خلاف کوئی معاملہ جائز نہیں ہے کیونکہ دارالاسلام احکام شرعیہ کے نفاذ کا محل ہے۔ اسی طرح حربیوں سے کوئی چیز لینا درست نہیں جس کو شریعت نے لازم نہ کیا ہو اگرچہ پہلے سے اس کے لینے کا رواج ہو جیسے بیت المقدس کے زائرین سے کچھ لینے کا رواج ہے۔'' (۱۵۳)

مصر کے مشہور مفتی محمد عبدہ (پیدائش 1266ھ/ 1849ء، وفات 1323ھ/ 1905ء) نے عقد مضاربت پر قیاس کر کے بیمہ کو جائز قرار دیا چنانچہ 1319ھ میں انہوں نے یہ فتویٰ دیا:

''کمپنی سے بیمہ حیات کا معاملہ کرنا مباح ہے کیونکہ کمپنی والوں سے یہ معاملہ شرکت مضاربت جیسا ہے جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔'' (۱۵۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضاربت شرکت کی ایک قسم ہے جس میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا اور دوسرا فریق کاروبار کرتا ہے۔

مصر کے مفتی محمد بخیت "مطیعی (پیدائش 1271ھ/1854ء، وفات 1354ھ/1935ء) نے بیمہ کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور 1324ھ/1906ء میں انہوں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

''شرعی حیثیت سے مال کا ضمان دو طرح لازم آتا ہے: (1) ضمانت لی ہو (2) مال کی ہلاکت میں اس کا دخل ہو۔ بیمہ میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتی ہیں کیونکہ اس میں نہ ضمانت کی شرطیں ہیں اور نہ بیمہ شدہ مال کی ہلاکت میں کمپنی کو دخل ہے اس بناء پر ہلاکت کی صورت میں ضمان کے وجوب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' (۱۵۵)

مفتی بخیتؒ نے رسالہ میں کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ ابن عابدینؒ کی مذکورہ دلیل "التزام مالا یلزم" سے بیمہ کو عقد فاسد قرار دے کر دار الاسلام میں ناجائز اور دار الحرب میں اس کو جائز کہا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''ہلاک ہونے والے مال کا تاوان لینا دار الاسلام میں جائز نہیں البتہ اگر بیمہ کمپنی دار الحرب میں حربی کی رضامندی سے اس کا مال لے لے، میں مضائقہ نہیں ہے۔'' (۱۵۶)

مفتی صاحب کی ابن عابدینؒ سے صرف ایک صورت میں مخالفت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر سودی معاملہ دار الاسلام میں ہو اور ہلاک ہونے والے مال کا بدل دار الحرب میں وصول کیا جائے تو مفتی بخیتؒ کے نزدیک وہ مولیابی کی جگہ کا لحاظ کر کے یہ معاملہ جائز ہے جبکہ ابن عابدینؒ کے نزدیک عقد کی جگہ (دار الاسلام) کا لحاظ کر کے ناجائز ہے۔

مصر کے مشہور عالم شیخ عبد الرحمٰن قراعہ سے 1925ء میں جب آگ کے بیمہ کا فتویٰ لیا گیا تو انہوں نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور دلائل میں شیخ بخیت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کہا کہ:

''یہ کام خطرہ پر معلق ہے کبھی خطرہ پیش آتا ہے اور کبھی نہیں پیش آتا یہ معنا جواء ہے شرعاً اس کا کرنا حرام ہے۔'' (۱۵۷)

مصر کے مشہور فقیہ احمد ابراہیم (پیدائش 1291ھ/1874ء) نے عقد مضاربت پر قیاس کو باطل ٹھہراتے ہوئے بیمہ زندگی کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''بیمہ زندگی اور مضاربت کے درمیان کوئی برابری نہیں ہے کیونکہ سود کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہے نیز پوری قسط ادا کرنے سے پہلے وفات کی صورت میں ''ورثاء'' زر بیمہ کی کل رقم وصول کرتے ہیں یہ جواء اور مخاطرہ ہے۔'' (۱۵۸)

مشہور مالکی فقیہ ابو الحسن الجوی (وفات 1376ھ/1956ء) نے مختلف اعتراضات کا جواب دے کر بیمہ اموال کو جائز قرار دیا ہے:

التامین لیس قمارا ولا میسرا وھذا صحیح

''بیمہ نہ قمار ہے نہ میسر (عام و خاص) ہے یہی صحیح ہے۔''

پھر اس کے بعد کہتے ہیں کہ:

''صحیح ہونے کا فیصلہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کو اجتماعی تعاون کی شکل قرار دیا جائے اور اگر اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو صرف ایک تجارتی معاملہ قرار دیا گیا تو جواء اور مخاطرہ (خطرہ کے راستے مال کا مالک بنانا) کے شبہ کی نفی ممکن نہیں ہے۔" (۱۵۹)

روس کے مشہور عالم موسیٰ جار اللہ نے 1363ھ/ 1943ء میں بیمہ کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا اور اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

"بیمہ کرانا بیمہ کمپنی قائم کرنا امر حسن اور نافع ہے کسی امانت دار اور خیر خواہ فقیہ کو اس میں شک نہ کرنا چاہئے۔" (۱۶۰)

رسالہ میں بیمہ کے جواز کے درج ذیل اصول مذکور ہیں:

i- النصیحة: نصیحت جس کے معنی خیر خواہی کرنا۔

بیمہ میں چونکہ حقوق کی نگہبانی موجود ہے اس لئے جائز ہے۔

ii- الرعایة: رعایت جس کے معنی حقوق کی پاسبانی ونگہبانی کرنا ہے۔

مصری عالم دین استاد ابوزہرہ کی رائے میں انشورنس کی حقیقت اس طرح ہے:

"اگر چہ اس کی اصلیت تو معاونت محض تھی لیکن اس کا انجام بھی ہر اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا کہ انہوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد تعاونوا علی البر والتقویٰ پر تھی اسے ایک ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار (جواء) اور ربوٰ (سود) دونوں پائے جاتے ہیں۔" (۱۶۱)

10- رباء و جواء:

جدید دور کے کئی مصنفین نے خامیاں گنوائیں ہیں:

"Insurance is the admixture or riba gambling and risk that is gharar."(Syed Urvaj Ahmad Qadri)(162)

"Insurance is based upon riba and gambling."(Muzaffar Husain Mazaheri)(163)

"The bonus given by Insurance company is nothing but riba, which cannot be permitted in Islam, as its legality is finally decided by clear text of the Quran."(164)

11- مدت کا تعین (Determination of Period):

اس کا ایک بہت بڑا نقص یہ گنا جاتا ہے کہ عرصہ وقت متعین ہوتا ہے جس پر مقررہ شرح سے بونس ملتا رہتا ہے جس میں ربو شامل ہوتا ہے جو حرام ہے اس لئے بیمہ بھی ناجائز ہے۔

12- نفع ونقصان:

چند صاحبان ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ ایک فریق کو فائدہ ملتا ہے اور دوسری پارٹی کو زیاں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر کوئی فرد بیمہ پالیسی کی مدت مقررہ سے قبل انتقال کر جائے تو پوری رقم اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے لہٰذا بیمہ کمپنی کو خسارہ ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ کمپنی نے کاروبار کی صورت میں بہت زیادہ افراد و املاک کا بیمہ کر رکھا ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے جمع شدہ فنڈ سے ہی ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ اب یہ کاروبار خاصا ترقی کر گیا ہے۔ کئی اقسام کی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی گئی ہیں لہٰذا نقصانات کے امکانات کافی حد تک کم ہو گئے ہیں۔

13- شرط لگانے والا معاہدہ (Wagering Contract):

یہ شرط بدنے یا بندھنے والا معاہدہ ہوتا ہے کیونکہ شرطوں کے بغیر یہ طے بھی نہیں پا سکتا اس لئے اسلام میں منع ہے۔ غلط قسم کی شرائط ختم کی بھی جا سکتی ہیں جس سے اس کو جائز بنایا جا سکتا ہے۔

14- اخلاقی معیار کی نفی (Negation of Ethical Standard):

علمائے کرام نے اس کے خلاف ایک قسم کی جنگ چھیڑ رکھی ہے اور اس پر زور دیتے رہتے ہیں جیسا کہ ایک رائیٹر کی رائے میں:

"The 'Ulama' thus wage (چلانا یا کرنا) a relentless (بے دردانہ، بے رحمانہ) war against insurance and emphatically (زور سے) argue that its contract (معاہدہ) is diametrically (یکسر متضاد) opposed to ethical standards set by Islamic law. It is hazardous (جوکھوں یا خطرے والا), unfair and uncertain."(165)

15- جدیدیت پسندوں کا نقطۂ نظر (View-Point of Modernists):

موجودہ دور کے چند مفکرین کی طرز استدلال اور قسم کی ہے ان کے مطابق یہ سود اور جوا کے زمرے میں نہیں ہے۔ یہ ایسا آلہ نہیں جس سے رضائے الٰہیہ کے برعکس کام ہو۔ انشورنس کمپنی امدادی ادارہ ہے۔ افراد خانوادہ اور املاک کے تحفظ کی ضمانت ملتی ہے۔ جبری بچت ہے جس سے کثیر سرمایہ جمع ہوتا ہے جس کو سرمایہ کارانہ امور پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ مظلوموں، یتیموں اور بیواؤں کی دست گیری ہو سکتی ہے اولاد کی تعلیم و تربیت و شادی بیاہ کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ سرمایہ کاری پھیلنے سے روزگار کے نئے مواقع کھلتے ہیں۔ سرکار بڑے بڑے ترقیاتی پروجیکٹ مکمل کر سکتی ہے۔ صنعت افروزی ہو سکتی ہے، تجارت کو تقویت پہنچتی ہے۔ قومی سلامتی، خود اعتمادی و خود انحصاری بڑھ سکتی ہے۔ غربت کا علاج کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ایک مصنف کے مطابق:

"The contract of insurance is one of indemnity (تاوان حفاظت) or hail according to Islamic law and jurists have admitted validity and vitality of such contract, whether, the extent of property be known or uncertain."(166)

In, essence these are its bright aspects.

"In fact, through insurance, society as a whole, gets benefits out of accumulation (انبار) of capital reseves."(167)

اصلاحی اقدامات (Remedial Measures):

بیمہ کاری کی درستگی کے لئے یہ تجاویز دی جاتی ہیں، یہ طریقے بھی کہلاتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- زرضمانت (Money for Surety):

حکومت کو اس امر پر رضامند کیا جائے کہ وہ کمپنی کا زرضمانت اپنے سرکاری یا نیم سرکاری صنعتی وتجارتی امور میں حصہ داری کے حصول پر صرف کرے اور کمپنی کو متناسب منافع ادا کرے۔

2- استعمال سرمایہ (Use of Capital):

کمپنی اپنے دوسرے سرمائے کو بھی ایسے نفع بخش کاموں میں لگائے جن میں سود کی بجائے اسے متناسب منافع حاصل ہو سکے۔ کسی سودی کاروبار میں رقم نہ لگائی جائے۔

3- شرطیں (Conditions):

بیمہ زندگی یا دوسری اشیاء صرف ان لوگوں کا قبول کیا جائے جو دو شرطوں کو تسلیم کر لیں۔ اول یہ کہ ان کی موت کے بعد صرف ان کی جمع شدہ رقم ان کے جائز وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔ دوم یہ کہ شرعی قاعدے کے مطابق یہ رقم وارثان بازگشت میں تقسیم ہوگی۔

4- منافع (Profit):

بیمہ کرانے والوں میں سے جو لوگ اپنی رقوم پر منافع چاہتے ہوں ان کا روپیہ ان کی اجازت سے اسی قسم کے صنعتی، تجارتی، زراعتی یا دیگر کاموں میں شراکت اور مضاربت کے اصول پر لگا دیا جائے تاکہ انہیں موزوں منافع مل سکے۔

5- تحویل میں لینا:

تمام مسلم ممالک بھی نجی بیمہ کمپنیوں کو سرکاری تحویل میں لے لیں اور اس طرح حاصل شدہ رقوم ترقیاتی اور منافع آور پروجیکٹوں پر صرف کی جائیں اور منافع پالیسی ہولڈروں کے مابین ان کی پالیسی کے مطابق متناسب شرح سے تقسیم کیا جائے تاکہ کسی کو نقصان نہ اُٹھانا پڑے۔

نیز سب قسم کی احتیاطی تدابیر حکومت خود وضع کرے اور پوری طرح عمل درآمد کرائے تاکہ کام خوش اسلوبی سے چلتا رہے۔

6- پابندی:

نجی شعبہ میں کام کرنے والی کمپنیوں کو پابند بنایا جائے کہ وہ کاروبار کے ایسے طریقے منتخب کریں جن میں قمار (جواء)، اور ربا (سود)، ضرر اور غرر (فریب) کے عناصر شامل نہ ہوں نیز بلاسود کاموں میں سرمایہ استعمال کیا جائے۔

7- مصالح عامہ:

دکانوں، مکانوں، کارخانوں، جہازوں، موٹر گاڑیوں، سکوٹروں، رکشوں وغیرہ کی بیمہ کاری کا معقول بندوبست ہونا چاہئے تاکہ نقصان کی صورت میں ازالہ ہو سکے۔

8- تلافی:

سرکاری ملازمین، نجی اداروں میں کام کرنے والوں کی معذوری اور بیماری کی صورت میں نقصان کو پورا کرنے کی ذمہ داری ادارہ، شعبہ یا فرم پر ڈالی جائے اور وہی مدد کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

9- ضابطہ اخلاق (Code of Ethics):

بیمہ کاری (Insuring) کے کاروبار کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لئے ہدایات و اٹل احکامات کا ایک ایسا ایجنڈا مرتب کیا جائے جس میں اس سے متعلق ساری تفصیلات طے کردہ ہوں اور سرکاری و نجی شعبوں میں انشورنس کمپنیوں کو اس چارٹر کی مکمل پیروی کرنے کا پابند بنایا جائے۔ سفارشات کی تیاری کے لئے معیشت دانوں، قانون دانوں، عالموں اور زندگی کے دیگر شعبوں سے وابستہ ماہروں کی خدمات مستعار لی جائیں تاکہ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگی ہو سکے۔ سود، جوئے اور دھوکہ دہی کے دھندے سے اجتناب برتا جائے۔

10- کچھ نظائر (Some Precedents):

اسلامی تعلیمات میں بیمہ کاری کے ضمن میں کئی اہم مثالیں بھی ملتی ہیں جن کے سیاق و سباق کو سامنے رکھتے ہوئے نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت حائل نہیں ہوتی کہ اس کا جواز بنتا ہے گویا صدیوں پہلے سے بیمہ کی سکیم کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی ہے البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مناسب تبدیلیاں کی جاتی رہی ہیں۔ ان میں سے کئی کا ذکر بے جا نہیں ہوگا۔

ا۔ معاقل:

ان امداد باہمی کے اداروں کے علاوہ معاقل کے اسلامی نظام کو پھر سے مسلم معاشرہ میں جاری کیا جائے۔ معاقل خون بہا کو کہتے ہیں۔ عاقلہ خطا کار شخص کے ایسے متعلقین ہیں جو اس کے ساتھ ایک معین تعلق کے سبب، اس کے فعل سے، مقتول یا مضروب کو لاحق ہونے والے ضرر کی بناء پر عائد شدہ دیت کے تحمل اور اس کی ادائیگی کے پابند ہوتے ہیں۔ عاقلہ کے بارے میں قرآن میں صراحتاً ذکر نہیں مگر اس کے بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ کتب حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ کی شاخ کے عاقلہ کا اندراج کیا۔ جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ پر خاص توجہ دی اور اور ایک مکمل نظریہ پیش کیا۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عاقلہ دیت خطاء برداشت کریں گے اور دیت عمد کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ از روئے حدیث یہ قاتل کے ساتھ مہربانی ہے اور تخفیف ہے۔ اس لئے کہ اس نے قصداً قتل کا ارتکاب نہیں کیا مگر جس نے جان بوجھ کر بالقصد و بالعمد قتل کیا وہ کسی تخفیف اور مہربانی کا مستحق نہیں۔

جمہور فقہاء کے پاس عقلی دلیل یہ ہے کہ شریعت [redacted] خطا معاف ہے۔ پس اس کا قاتل معذور ہے لیکن اس کی وجہ سے خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ لہٰذا شریعت نے دونوں باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قاتل سے قصاص کو معاف کر دیا کہ وہ معذور ہے اور دیت کی ادائیگی کو لازم قرار دیا کہ خون رائیگاں نہیں ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

> ''جس سے خطاً قتل سرزد ہوا اس پر ناقابل برداشت مالی بوجھ ڈالنا گویا اس کو سزا دینا ہے حالانکہ وہ معذور ہے اور اس کو سزا دینا معاف ہے لہٰذا شریعت نے عاقلہ کو بھی اس بوجھ کی برداشت میں اس کے ساتھ شامل کر دیا اور کسے خبر کہ وہ کبھی اس جیسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوگا اور دوسروں کی اعانت کا محتاج نہ ہوگا۔ اس لئے اسے چاہئے کہ مبتلائے مصیبت کی امداد کرے تاکہ بوقت ضرورت اس کی امداد کی جائے اور یہی دستور ہے جس پر لوگ کاربند ہیں۔ اللہ کے لئے گواہی دینے والی اور عدل و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصاف' تقویٰ اور نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کی مددگار اُمت کا یہی نشان ہے۔'' (۱۶۸)

جاہلی رواج کے مطابق ایک شخص کا قبیلہ اس کا عاقلہ تھا۔ اسلام نے اس رواج کو بحال رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انہوں نے دیوان مرتب کیے اور دیت کی ادائیگی اہل دیوان پر عائد کر دی۔

اگر یہاں ''ہدایہ'' سے ایک اقتباس (Extract) پیش کر دیا جائے تو بہت ہی معلومات افزا ثابت ہوگا جیسا کہ:

"Now we turn to the Hedaya, in which the Arabic word maaqil, the plural of ma'qula, stands to signity blood-wite. It is derived (اخذ کردہ) from the word aql, which is used in a variety of senses. Originally, this seems that word was employed in sense (مفہوم) of hiding folded legs (of a camel) to his thighs and was later applied to (اطلاق ہونا) were gild as it has a hinding force upon aqila."(169)

According to Hedaya, "the insurance finds its expression in the payment of blood money by a group go as to lighten the bourden (بوجھ) (ہلکا کرنا) of individual member. This assumed the form (صورت) of a custom (رواج) to which, there is a particular (خاص) reference (حوالہ) under the title of (maaqil)."(170)

"To explain it in more detail we give an extract from Encyclopaedia of Islam: 'Akila is the name of a man's male relations who according to the precept of the religious law have to pay the penalty (the 'akl) for him, when unintentionally he has caused the death of a Moslem. This decree was based on a verdict of the Prophet. One day, in a quarrel between two women of the Hudhail tribe one of them, who was with child, was killed by the other with a stone, which hit her in the womb. when, soon after, the other woman also died, the Prophet (ﷺ) decided that a her kin ('akila, or, according to a different reading er, asaba,i.e., agnates), in accordance with an old custom, had to pay the penalty to the relatives of the woman who had been killed."(171)

"This reflects the original custom of the ancient Arabs, whereby the whole tribe had to pay the weregild. It is thus community pooling and the spirit of cooperation which has been aptly described as the essence of insurance."(172)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ تحریر کرتے ہیں:

''عرب میں باہمی بیمہ کا رواج اسلام سے قبل موجود تھا۔ اسے معاقل کہا جاتا تھا جس کا ذکر مدینہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہر کے آئین میں بھی موجود ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہجری میں وضع کیا تھا۔ اس میں قبیلے کے لوگ مل جل کر ایک کھاتے میں روپیہ جمع کرتے رہتے تھے جب ''کنز'' کہتے تھے۔ اس قبیلے کے افراد کے ذمے جو دیت یا خون بہا یا تاوان قابل ادا ہوتا تھا اسے اس میں سے دے دیا کرتے تھے اس ادارے میں حصہ لینے والوں کو عاقلہ کہا جاتا تھا۔'' (۱۷۳)

عاقلہ ایک تنظیم تھی جس میں خاندان وقبیلہ کے لوگ مل کر مشترکہ فنڈ قائم کرتے اور دیت (خون کی قیمت) کی ادائیگی میں قاتل کی مدد کرتے تھے۔

''عاقلہ وہ لوگ جو دیت (خون کی قیمت) ادا کرتے ہیں۔'' (۱۷۴)

اس تنظیم کا نمایاں تعلق اگرچہ دیت سے تھا لیکن دیگر نقصان کی تلافی کی بھی اس میں گنجائش تھی جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔

''اس میں اعتبار باہمی امداد اور ایک دوسرے کو سہارا دینے کا ہے۔'' (۱۷۵)

سرخسی کہتے ہیں کہ:

''کسی کو اطمینان نہیں ہوتا کہ وہ آزمائش میں مبتلا ہو کر دوسرے سے مدد نہ لے گا جب ایسی حالت ہے تو آزمائش کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرتے رہنا چاہئے۔'' (۱۷۶)

شامی کہتے ہیں کہ:

''لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب چوری یا جل جانے کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کی تلافی کے لئے وہ مال جمع کرتے ہیں۔'' (۱۷۷)

پھر اس کے بعد ہے:

''عاقلہ چونکہ حفاظت ونگرانی میں اپنی ذمہ داری نہیں محسوس کرتے اور ان سے کوتاہی ہوتی ہے اس بناء پر وہ دیت کا بار برداشت کرتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حالات میں تبدیلی ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس تنظیم کا دائرہ وسیع کر کے ہم پیشہ وہم مشرب لوگوں کو اس میں شامل کیا۔

''اگر قاتل اہل دیوان سے ہے تو عاقلہ اہل دیوان ہوگا۔ تین سال کی مدت میں اُن کے وظیفہ سے دیت وصول کی جائے گی۔'' (۱۷۸)

اہل دیوان ایک محکمہ یا شعبہ کے وہ لوگ جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوتے تھے' سرخسی نے اس تبدیلی پر یہ رائے ظاہر کی:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ مدد خاندان وقبیلہ کے ذریعے ہوتی تھی اس لئے آپؐ نے دیت کی ذمہ داری اُن پر ڈالی لیکن حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام قائم کیا تو یہ مدد اہل دفاتر سے متعلق ہوگئی۔ اس بناء پر اب دیت کی ذمہ داری ان پر ہوگئی۔'' (۱۷۹)

یہ مدد اگر یونین' انجمن یا کسی جدید تنظیم سے وابستہ کر دی جائے تو عاقلہ میں ان سب کو شامل کرنے کی گنجائش ہوگی:

''اگر کسی کے عاقلہ وہ فقراء ومساکین ہوں جن کے وظیفے مقرر ہیں تو تین سال میں ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وظیفوں سے دیت وصول کی جائے۔'' (۱۸۰)

۲۔ اجتماعی ادائیگی (Collective Payment):

اسلام میں اس کا بھی جواز ہے۔ اگر کسی مقام پر کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو وہاں کی آبادی از روئے شرع اجتماعی طور پر اس کا خون بہا ادا کرتی ہے۔ مفتی ولی حسن لکھتے ہیں:

''ان مسائل کی روشنی میں ایسا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے کہ حادثات کی صورت میں ہر پیشہ کا عاقلہ (برادری یا یونین) خون بہا ادا کرے مثلاً بسوں اور ٹرکوں کے مالک ایک عاقلہ قرار دیے جائیں۔ کسی کی بس سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو ان کی انجمن ادائیگی نقصان کی ذمہ دار ہو۔ اس سلسلہ کو دوسرے پیشوں اور حرفوں تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے اور ان کے قواعد وضوابط بنائے جا سکتے ہیں۔ عاقلہ پر ذمہ داری ڈالنا یقیناً ان حوادث میں کمی کا باعث بھی بن سکتا ہے جب کہ حوادث میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور بدن بدن ہو رہا ہے اور اب انشورنس کے نظام کی وجہ سے یہ عالم ہو گیا ہے کہ لوگ خود اپنی موٹروں' بسوں' ٹرکوں کا حادثہ کا شکار بنانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ اس طریقہ سے بیمہ کمپنی سے معقول رقم وصول کی جائے۔ رہی قانونی گرفت تو اس سے بچنے کی راہیں تو ملک کے نرم قوانین اور پھر کلاء کی موشگافیوں نے بڑی حد تک ہموار کر رکھی ہیں۔'' (۱۸۱)

۳۔ سرکار کا فرض:

بیمہ کا ایک مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی فرد کی موت کے بعد اس کی اولاد پر اگر مشکل وقت آئے تو یہ رقم ان کا سہارا بن سکے حالانکہ اسلامی نظام معیشت میں اس کا پہلے ہی حل موجود ہے۔ مسلم معاشرہ میں کوئی باپ اپنی اولاد کے مستقبل کے بارے میں فکر مند نہیں رہ سکتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یوں ہے:

''میں مومنین سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہو تو وہ مال اس کے عصبات کا ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑے تو مجھے اس کے لئے بلایا جائے۔'' (۱۸۲)

جس طرح متوفی کے پس ماندگان کی مالی امداد اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اسی طرح اگر اس کے ذمہ قرض بھی ہو اور اس کی ادائیگی کا کوئی بندوبست نہ ہو تو بیت المال سے اس کی ادائیگی ہو گی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''جس شخص نے انتقال کے بعد قرض چھوڑا اور اس کی ادائیگی کا کوئی سامان نہیں ہے تو میرے ذمہ اس کی ادائیگی ہے۔'' (۱۸۳)

مزید برآں تمام غرباء کی اعانت اور کفالت مسلم ریاست کی اہم ذمہ داری ہے۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں ایک ادارہ اسی مقصد کے لئے بنایا تھا جس کے نگران حضرت بلالؓ تھے۔ ابوداؤد میں انؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:

''میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر وفات تک اس کا نگران تھا۔ آپؐ کے پاس اگر کوئی مسلمان بھوکا پیاسا آ جاتا تھا تو حضورؐ مجھے حکم فرماتے تھے' میں جا کر کسی سے قرض لیتا تھا۔ پھر اس رقم سے اس کے لئے کپڑے اور کھانے کا انتظام کرتا تھا۔'' (۱۸۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ وصایا کا طریق کار:

بیمہ کروانے کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس مال و دولت تو موجود ہے مگر اس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اسے ڈر ہے کہ اس کے بعد دولت ضائع نہ ہو جائے اس لئے وہ بیمہ کمپنی کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔ اس کی بہترین صورت جو اسلام نے بتائی ہے وہ وصایا کا طریقہ ہے۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتب میں موجود ہے۔ وصی کے باضابطہ فرائض ہیں اور وہ ان کے لئے مسئول ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں اس کے فرائض یہ بتائے گئے ہیں:

> ''میت کے کفن کی خریداری اور اس کی تجہیز و تکفین، چھوٹے نابالغ بچوں کے خورد و نوش اور کپڑوں کا انتظام، امانت اور غصب کئے ہوئے اموال کی بیع فاسد سے خریدے مال کی واپسی، مال و جائیداد کی حفاظت، قرضوں کی ادائیگی، وصیت کے نفاذ کے انتظامات، مرنے والے کے کسی حق کے لئے نالش کرنا، ہبہ قبول کرنا، جن چیزوں کے خراب ہونے کا ڈر ہو ان کو فروخت کرنا، گمشدہ اموال کی واپسی کی کوشش کرنا۔'' (۱۷۵)

وصایا کے نظم پر عہد رسالتؐ اور دور صحابہؓ میں برابر عمل ہوتا رہا۔ حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے دونوں صاحبزادوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ''وصایت'' کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ صاحب ''سمط الجوہر الفاخر'' نے ایسے متعدد یتیم بچوں کے نام گنوائے ہیں جن کے آپؐ وصی تھے۔ حضرت زبیرؓ بن العوام بار وصایت کے اٹھانے میں بڑے مشہور تھے۔ چنانچہ ان کو سات جلیل القدر صحابہ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، مقداد بن الاسود، ابن مسعود، زبیر بن بکار، مطیع بن الاسود، ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہم نے وصی مقرر کیا تھا۔ ابو عبداللہ السعوی نے سات کے بجائے ستر کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے ''ستر صحابہ نے ان کو اپنے اموال و اولاد کا نگران مقرر کیا تھا۔ حضرت زبیرؓ ان پر اپنا مال بھی خرچ کر دیا کرتے تھے۔''

اگر کسی نے اپنا وصی مقرر نہ کیا ہو تو مسلم حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ وصی مقرر کرے ورنہ بیت المال میں اموال کو جمع کر دے اور حسب ضرورت اس کی اولاد پر خرچ کا انتظام کرے۔

مزید نظائر نیچے دیئے جاتے ہیں جو محمد تقی امینی نے بیان کئے ہیں۔ (۱۷۶)

۵۔ قسامہ:

اس کی صورت یہ تھی کہ اگر محلہ یا گاؤں میں لاش پائی جاتی اور قاتل کا پتہ نہ چلتا تو منتخب پچاس آدمیوں (جن کے انتخاب میں مقتول کے ورثاء کی رائے کو دخل ہوتا تھا) کو بلا کر ان سے حلفیہ بیان لیا جاتا کہ نہ ہم نے قتل کیا اور نہ قاتل کو ہم جانتے ہیں۔ اس طرح اگر قاتل کا پتہ چل جائے تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی ورنہ محلہ یا گاؤں کے تمام لوگوں سے حصہ رسد مقتول کی دیت وصول کی جاتی جس کی شکل اجتماعی جرمانہ کی ہوتی تھی۔ چنانچہ سرخسی کہتے ہیں:

> ''قسامہ..... کا مقصد یہ ہے کہ اس طریق سے قاتل کا پتہ چل جائے اور اہل محلہ حفاظت کے معاملہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں گویا یہ حادثہ ان کی کوتاہی سے پیش آیا ہے کیونکہ لوگوں کی حفاظت اور غنڈوں کی نگرانی ان کی ذمہ تھی۔'' (۱۷۷)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افادیت کے پیش نظر اس کو برقرار رکھا تھا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قسامہ'' کو اسی طرح برقرار رکھا جس طرح زمانہ جاہلیت میں رائج تھا چنانچہ انصاریوں نے ایک مقتول کے بارے میں جب یہودیوں پر دعویٰ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔'' (۱۷۸)

۶۔ عقد موالات:

عقد موالاۃ میں دو شخص آپس میں معاہدہ کرتے ہیں کہ خطرات و حادثات (دیت کی ادائیگی و دیگر نقصان کی تلافی) میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور مرنے کے بعد وراثت کے مستحق ہوں گے۔

زمانہ جاہلیت کی اس صورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں میں رائج کیا تھا یعنی جو شخص جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا وہ زندگی اور موت میں عقد موالاۃ کے ذریعے اس کا مددگار ہوتا تھا جیسا کہ تمیم داری کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا وہی زندگی و موت میں اس کا مددگار ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی: والذین عقدت الخ اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حصہ دو۔'' (۱۷۹)

یہ صورت وقتی تھی۔ عقد موالاۃ کی اصل شکل میں اسلام کی قید نہ تھی چنانچہ سرخسی تحریر کرتے ہیں:

''عقد موالاۃ میں کسی کے ہاتھ پر اسلام شرط نہیں حدیث میں اس کا ذکر عادت کی بناء پر ہے۔'' (۱۸۰)

۷۔ حلف:

حلف کی وہی شکل ہے جو عقد موالاۃ کی مذکور ہو چکی جیسا کہ فقہ میں ہے:

''زمانہ جاہلیت میں لوگ چند طریقوں سے باہمی مدد کرتے تھے ان میں ایک طریقہ حلف یعنی باہمی معاہدہ کے ذریعے مدد کا تھا۔'' (۱۸۱)

۸۔ ولاء:

''ولاء'' کا مفہوم یہ ہے کہ غلام جس قبیلہ سے آزاد کیا جاتا وہ ان حادثات و خطرات میں غلام کی مدد کرتا تھا۔

''آزاد شدہ غلام کا عاقلہ اس کے آزاد کرنے والے آقا کا قبیلہ ہے کیونکہ وہی اس کی مدد کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے بھی تائید ہوتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قوم کا آزاد شدہ غلام اسی قوم سے سمجھا جائے گا۔'' (۱۸۲)

۹۔ عد (گروہ):

اس کے معنی کسی گروہ میں شامل ہونے کے ہیں جیسا کہ کلام عرب میں یوں آیا ہے:

فلان عديد بني فلان ان يعد منهم (۱۸۳)

''فلاں شخص بنو فلاں کا عدید ہے یعنی ان میں اس کا شمار ہوتا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

زمانہ جاہلیت میں مختلف قسم کے گروہ تھے جن میں شامل ہونے کے بعد حادثات وخطرات میں مدد کی ذمہ داری لی جاتی تھی۔

وقد كانت (النصرة) بانواع بالقرابة والحِلف والولاء والعد

''مدد کے چند ذریعے تھے: قرابت' حلف' ولاء اور عد۔''

اعانت اور ضمانت حاصل کرنے کی مختلف صورتیں اور چھوٹی بڑی کئی تنظیمیں رائج تھیں جن میں شہری و دیہاتی' مسلم وغیر مسلم سب برابر تھے لیکن دفاتر کا ترقی یافتہ نظام قائم ہونے کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اسی کو حاصل ہوئی۔

''حاصل یہ کہ دفاتر کے ذریعے مدد حاصل کرنا زیادہ ظاہر تھا اس کی موجودگی میں دوسرے ذرائع قرابت نسب' ولاء' گھر کا قرب وغیرہ سے مدد حاصل کرنا ظاہر نہ تھا۔''(۱۸۴)

اور اگر اتفاق سے کوئی شخص نہ دفتری نظام میں منسلک ہوتا اور نہ اس کی کسی قرابت کا علم ہوتا تو پوری جماعت (یا حکومت) اس کی مدد کی ذمہ دار ٹھہرتی ہے۔

''اگر کسی مسلمان کا دفتر میں نام نہ درج ہو اور نہ کسی سے اس کی قرابت معلوم ہو مثلاً کوئی بچہ پڑا ہوا پایا گیا اور وہ جوان ہوا تو ایسی صورت میں پوری جماعت اس کی مددگاروں میں شمار ہوگی۔''(۱۸۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودہ طریقہ انشورنس کا بدل اسلامی تکافل

(مجلس علماء کے زیر بحث مسئلہ)

اسلام اور امت مسلمہ کا درد رکھنے والے علماء کرام اور مسلم معیشت دانوں نے انشورنس کے موجودہ غیر شرعی، سودی اور استحصالی طریقہ انشورنس سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنی فکری (Theoretical) اور عملی (Practical) کوششیں شروع کی ہیں۔ اس کی پہلی صورت کے انہوں نے یہ اسلامی تکافل (Islamic Takaful - Islamic Insurance) کا طریقہ کار تجویز کی ہے جو موجودہ طریقہ انشورنس کا بدل (Substitute) کے طور پر کام کرے گا۔ جس کے مطابق موجودہ انشورنس کمپنیوں کی بجائے اسلامی تکافل کمپنیاں قائم ہو رہی ہیں اور ہوں گی جو سودی اور استحصالی طریقہ کار کی بجائے تعاون باہمی کے طریقہ پر کام کریں گی۔ اس قسم کی کمپنیاں سعودی عرب، ملیشیا، بحرین، متحدہ عرب امارات، پاکستان، انڈونیشیا، ایران، اردن، مصر، بنگلہ دیش میں کام کر رہی ہیں۔

اسلامی تکافل کمپنیوں کا طریقہ کار:

اسلامی تکافل کمپنیوں کا طریقہ کار کیا ہے؟ اس میں کہاں شرعی طور پر نقص ہے؟ اس کی مزید اصطلاح اور اسے شریعت عادلہ کے مطابق ڈھالنے کے لیے کیا طریقہ یا نہج اختیار یا جائے ان تمام سوالات کے جوابات کے لیے دارالعلوم کراچی (پاکستان) کے مرکز الاقتصاد الاسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے عالمی سیمینار کی کاروائی کا خلاصہ کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ میری نظر میں یہ ''اسلامی تکافل'' کو بہترین بنیاد فراہم کرتا ہے۔ میں نے اس کو من وعن نقل کیا ہے، صرف عام قاری اور انگریزی تعلیم یافتہ احباب کے لیے اس کاروائی کی ..... بعض فقہی اصطلاحات (Terms) کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، عربی حوالہ جات کا اردو ترجمہ کیا ہے اور ان حوالہ جات کو ان کے اصل مصادر سے تلاش کر کے نقل کر دیا ہے۔

[نحمده و نصلی علی رسول الکریم سیدنا محمد و آله و صحبه اجمعین]

اما بعد!

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شعبہ مرکز الاقتصاد الاسلامی کی دعوت پر پاکستان، بنگلہ دیش اور شام کے اہل علم اور اہل فتویٰ حضرات کا اہم اجتماع بتاریخ ۲۱، ۲۲ شوال ۱۴۲۳ھ، بروز، جمعرات، جمعہ مطابق ۲۶، ۲۷ دسمبر ۲۰۰۲ء جامعہ دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء کے ہال میں بیمہ کے متبادل نظام ''تکافل'' پر غور کرنے کے لیے منعقد ہوا جس میں درج ذیل علماء کرام نے شرکت کی۔

(۱)..... الشیخ عبدالستار ابوغدہ حفظہ اللہ	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۲)..... الشیخ عبدالستار ابوغدہ حفظہ اللہ	شام
(۳)..... حضرت مولانا مفتی عبیدالحق صاحب مدظلہم	بنگلہ دیش
(۴)..... حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۵)..... حضرت مولانا مفتی اظہارالاسلام صاحب مدظلہم	بنگلہ دیش
(۶)..... حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب مدظلہم	بنگلہ دیش
(۷)..... حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب مدظلہم	علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۸).....حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم	جامعہ خیر المدارس ملتان
(۹).....حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۱۰).....حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۱۱).....حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہم	دارالفتاء والارشاد کراچی
(۱۲).....حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۱۳).....حضرت مولانا مفتی ابولبابہ صاحب مدظلہم	ضرب مومن کراچی
(۱۴).....حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۱۵).....حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب مدظلہم	جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا)
(۱۶).....حضرت مولانا مفتی عبدالباری صاحب مدظلہم	جامعہ فاروقیہ کراچی
(۱۷).....حضرت مولانا مفتی رضوان احمد صاحب مدظلہم	ادارہ غفران اسلام آباد
(۱۸).....حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۱۹).....حضرت مولانا مفتی محمد صاحب مدظلہم	دارالافتاء والارشاد کراچی
(۲۰).....حضرت مولانا مفتی مخلص الرحمٰن صاحب مدظلہم	بنگلہ دیش
(۲۱).....حضرت مولانا مفتی میزان الرحمٰن صاحب مدظلہم	بنگلہ دیش
(۲۲).....حضرت مولانا مفتی کمال الدین جعفری صاحب مدظلہم	بنگلہ دیش
(۲۳).....حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۲۴).....حضرت مولانا ڈاکٹر زبیر اشرف عثمانی صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۲۵).....حضرت مولانا ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی صاحب مدظلہم	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۲۶).....حضرت جناب سید محمد حسین صاحب	جامعہ دارالعلوم کراچی
(۲۷).....جناب عبدالرحیم صاحب	سیدات حیدر اینڈ کمپنی

مجلس کے علماء کرام نے مروجہ انشورنس کمپنیوں کے متبادل نظام ''شرکۃ التکافل'' پر غور کیا، جس کی عملی صورت بنگلہ دیش، شرقِ اوسط اور ملائیشیا کی بعض کمپنیوں نے اختیار کی ہے۔ اس متبادل طریقہ کار پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ''شرکات التکافل پر چند اشکالات'' کے نام سے جو تحریر اہلِ علم کے مطالعہ کے لیے ارسال کی تھی اسے مجلس میں پڑھا گیا اور ان اشکالات کا جائزہ لیا گیا۔

مجلس کے آغاز میں مہمان عرب عالم دین اور متعدد مالیاتی اداروں کے شرعی امور کے نگران جناب شیخ عبد الستار ابوغدہ نے مغربی بیمہ کمپنیوں کی تاریخ کا اجمالی جائزہ پیش کیا اور اب اسلامی ممالک میں جو تکافل کمپنیاں کام کر رہی ہیں ان کے طریق کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بعد میں شرکاء مجلس کے بعض سوالات وشبہات کے جوابات دیئے۔

اس کے بعد متعدد اہلِ مجلس نے اپنی آراء بیان فرمائیں اور طویل بحث کے بعد مجلس نے یہ طے کیا کہ اس وقت اسلامی ممالک میں جو تکافل کمپنیاں اسلامی اصولوں کے مطابق کام کر رہی ہیں یا کام کرنا چاہتی ہیں ان سب کی بنیاد ''حملۃ الوثائق'' (Policy Holders) (پالیسی ہولڈرز یا بالفاظ دیگر پریمیم قسط ادا کنندگان) کی طرف سے ''تبرع''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Contribution) پر رکھی گئی ہے اور اس تبرع کی بنیاد پر وہ اپنے متوقع مالی خطرات کا ازالہ کرتے ہیں مجلس نے محسوس کیا کہ وقف کے بغیر تبرع کی بنیاد پر تکافل کمپنیوں کے قیام میں متعدد اشکالات ہیں۔ شیخ عبدالستار ابوغدہ اور دوسرے عرب علماء نے اگرچہ ان اشکالات کے اپنے اپنے طور پر جوابات دیئے ہیں۔ لیکن مجلس کو خیال ہوا کہ اس مسئلہ میں مزید تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ اگر فی الحال ترجیحاً ان کمپنیوں کی بنیاد تبرع کے بجائے وقف (Waqf / Endowment) پر رکھی جائے تو اس قسم کے اشکالات سے حفاظت ہو سکتی ہے۔

اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ۱۳۸۴ھ میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا محمد یوسف، بنوری، حضرت مولانا ولی حسنؒ اور دیگر اکابر کی سرپرستی میں بیمۂ زندگی کے متبادل کے طور پر جو نظام تجویز کیا تھا اس کی بنیاد بھی وقف اور مضاربت پر رکھی تھی۔ (۱۸۶)

ان جلیل القدر اکابر کی تجویز کردہ بنیاد ''وقف'' پر اگر تکافل کمپنی قائم کی جائے تو نسبتاً اشکالات کم پیش آئیں گے۔ لہٰذا مجلس نے تبرع کے مقابلہ میں وقف کی بنیادوں پر قائم شرکۃ التکافل کے قیام کی صورت کو ترجیح دی جس میں اولاً مساہمین (Share Holders) (شیئرز ہولڈرز یعنی تکافل کمپنی کے حصہ داران) اپنے طور پر اصول ثابتہ (Fixed Assets) (اموال غیر منقولہ) یا نقود (Cashes) یا دونوں کو شرعی اصول وضوابط کے مطابق وقف کریں گے جنہیں محفوظ رکھا جائے گا اور ان کے لیے آخری جہت ''قربت'' یعنی فقراء اور مساکین پر تصدیق (Charity) ہوگی پھر حملۃ الوثائق (پالیسی ہولڈرز) اس وقف میں جو رقوم دیں گے یا وقف کے جتنے منافع یا زوائد (Additions) ہوں گے وہ سب وقف کے مملوک ہوں گے اور وقف کو وقف کے طے شدہ اصول و ضوابط کے مطابق ان مملوکات (Possessions) ومنافع میں تصرف کا مکمل اختیار ہوگا۔

اس اصول کے طے ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے تین اشکالات پر غور کیا گیا۔ نمبروار اشکالات کے جوابات یہ طے کیے گئے۔

ا۔ الف:

مساہمین (Share Holders) تکافل فنڈ سے فنڈ کے انتظام و انصرام کی اجرت (Cost of Administration) درج ذیل شرائط کے ساتھ وصول کر سکتے ہیں۔

۱۔ یہ اجرت فنڈ سے ادا کی جائے کیونکہ یہ لوگ فنڈ کے اجیر (Employees) ہیں نہ کہ حملۃ الوثائق کے۔

۲۔ اس اجرت کا متعین (Determination) ہونا ضروری ہے خواہ وہ تعیین رقم کی صورت میں ہو یا حصۂ متناسبہ (Proportinate Share) کی صورت میں۔

۳۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ اجرت اعمال مضاربت سے خارج کسی اور عمل پر ہو۔

(ب):

اگر وقف کے متولیین (Custodians) (یعنی شرکۃ التکافل) شرعی حدود میں وقف کے لیے مضاربت کی خدمات انجام دیں۔

وہ مضاربت کے طور پر ہونے والے نفع کے متناسب متعین حصہ کے بھی حقدار ہو سکتے ہیں مگر اس کے لیے دو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شرائط ہیں۔

۱۔ مضاربت اور اجارہ (Employment) کی حدود علیحدہ علیحدہ واضح طور پر متعین ہوں تاکہ اجارہ کے طور پر وہ صرف اجرت کے حقدار ہوں اور مضاربت کے طور پر ہونے والے نفع میں سے حصہ تناسب کا حق رکھیں۔

۲۔ ہیئۃ الرقابۃ الشریعۃ (Shari'ah Supervisory Council) سے مضاربت کی باقاعدہ اجازت لے لی جائے۔

۳۔ حملۃ الوثائق جو کچھ تبرع کی بنیاد پر وقف کر دیں اس میں کمی یا زیادتی کی بنیاد پر کم یا زیادہ نقصان کی تلافی کا اگر حملۃ الوثائق کو قانونی حق نہ ہو بلکہ وقف کی طرف سے محض وعدہ کی حیثیت ہو تو اس میں بظاہر شبہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر تبرع کی کمی اور زیادتی کی بنیاد پر تلافی نقصان کی کمی اور زیادتی حملۃ الوثائق کا قانونی حق ہو تو اس میں مجلس کے بعض شرکاء کی رائے یہ تھی کہ یہ صورت جائز نہیں کیونکہ یہ صورت عقدِ معاوضہ میں داخل ہوگی اور بعینہٖ وہی صورت ہے جو بیمہ کمپنیوں میں فی الحال رائج ہے لیکن مجلس کے اکثر شرکاء کی رائے یہ تھی کہ حملۃ الوثائق کے قانونی حق بننے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ حاملِ وثیقہ اس بنیاد پر اپنے قانونی حق کا دعویٰ کرے کہ اس نے فلاں وقف میں وقف فنڈ کو اتنی رقم دے کر اس سے نقصان کی تلافی کا معاہدہ کیا تھا لہٰذا اب اس کے اتنے نقصان کی تلافی کرنا وقف کے ذمہ لازم ہے یہ صورت تو یقیناً ناجائز ہے کیونکہ یہ بات اسے عقود معاوضہ (Compensatory Contracts) میں داخل کر کے اس میں ربا اور غرر کی کرایاں پیدا کر دی گی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حاملِ وثیقہ اپنے سابقہ تبرع کی بنیاد پر اپنے نقصان کی تلافی کا دعویٰ نہ کرے بلکہ وقف کے اپنے طے شدہ قواعد وضوابط کو بنیاد بنا کر اس بات کا دعویٰ کرے کہ میں ان قواعد وضوابط کی بنیاد پر وقف کی طرف سے تلافی نقصان کا حقدار ہوں۔ مجلس کے اکثر شرکاء کی رائے یہ ہے کہ حاملِ وثیقہ شرعاً اپنے یہ حق استعمال کر سکتا ہے اور اس کا یہ قانونی حق اس صورت کو عقد معاوضہ میں داخل نہیں کرتا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی کتاب اسلام کے نظام اراضی (۱۸۷) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عطاء مستقل کے لیے سابقہ ضرر کو بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔

اس پر بعض حضرات کو ایک اشکال ہے۔ یہ اشکال اور اس کا جواب جو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا ہے، آگے آ رہا ہے۔

۳۔ رائج الوقت اعادۃ التامین (Reinsurance) میں جہاں پورے پریمیم (Premium-قسط تامین) کے ڈوبنے کا خطرہ ہو، وہاں غرر کے علاوہ قمار کی خرابی بھی پائی جاتی ہے اور جہاں پریمیم ڈوبنے کا ڈر نہ ہو وہاں غرر ہونا تو بہر حال طے ہے اور غرر بھی فاحش ہے لہٰذا محض اعادۃ التامین کی خاطر اس کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ درج ذیل متبادل صورتوں کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اعادۃ التکافل (Re -Takaful) کی کمپنیاں بھی شرعی بنیادوں پر قائم ہوں۔

۲۔ تبرع کرنے والوں سے مزید تبرع کی درخواست کی جائے۔

۳۔ تبرع کرنے والوں سے قرض لے کر فی الحال اس سے ادائیگیاں کی جائیں یا ان سے بطور مضاربت رقم لے کر سرمایہ کاری کی جائے، اور حاصل ہونے والی نفع سے نقصانات کی تلافی کی جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ احتیاطیات (Reserves) میں رقم زیادہ رکھی جائے۔

۵۔ وقف پر تلافی نقصان کی ذمہ داری نسبتاً کم رکھی جائے۔

۶۔ اسلامی تکافل کمپنیاں آپس میں اعادۃ التکافل کی خدمات انجام دیں۔

ملحوظ (Note):

۱۔ مجلس میں شریک علماء کرام نے یہ بھی طے کیا کہ ہر تکافل کمپنی کے اندر مستند علماء کرام اور اہلِ فتویٰ حضرات پر مشتمل ایک ہیئۃ الرقابۃ الشریعۃ (شریعہ بورڈ) لازمی ہے جو کمپنی کے تمام معاہدات اور جملہ قابل ذکر امور کے شریعت کے مطابق ہونے کی نگرانی کرے گا۔

۲۔ مجلس نے یہ سفارش پیش کی کہ چونکہ مجلس کا طے شدہ تکافل کا نظام ''تبرع'' کے بجائے ''وقف'' پر قائم ہوا ہے اس لیے بیمہ کمپنیوں کی قدیم اصطلاحات میں تبدیلی کر کے انہیں بھی فقہ اسلامی کے مطابق کرنا مناسب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حوالہ جات

۱. صحیح بخاری: کتاب الوصایا، باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یا کلون..... الخ
۲. مسند احمد: ۲۰۹۵۱
۳. مستدرک حاکم: کتاب البیوع
۴. صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب لعن أکل الرباء و موکلہ
۵. المغنی، ض:۹، ص:۱۰۴
۶. مجموع الفتاویٰ، ج:۲۹، ص:۳۳۴
۷. عمدۃ القاری، ج:۱۱، ص:۲۰۰
۸. الربا و المعاملات المصروفیۃ فی نظر الشریعۃ الاسلامیۃ، ص:۴۴
۹. صحیح مسلم: کتاب المساقات، باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا
۱۰. صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ
۱۱. مسند احمد: ۶۰۲۵
۱۲. سنن ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا
۱۳. صحیح بخاری: کتاب المناقب، بابٌ کیف أخی النبی بین اصحابہ
۱۴. بخاری: کتاب البیوع، باب ما یذکر فی بیع الطعام والحکرۃ
۱۵. مؤطا امام مالک: باب ماجاء فی الصرف، صحیح بخاری: باب بیع الشعیر بالشعیر
۱۶. صحیح بخاری: کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی انہ الخمر ماخامر العقل
۱۷. ابن جریر
۱۸. احکام القرآن
۱۹. تفسیر کبیر
۲۰. تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص:۳۳۱، مطبوعہ:۱۳۵۶ھ
۲۱. الجامع الصغیر للسیوطی بحوالہ حارث بن ابی اسامہ، ج:۱، ص:۹۴، ص:حدیث،:۶۳۳۶
۲۲. السراج المنیر للعزیزی، ج:۳، ص:۸۶
۲۳. السنن الکبریٰ للبیھقی، ج:۵ص:۳۵۰
۲۴. صحیح بخاری، ج:۱، ص:۳۲۳
۲۵. صحیح بخاری، مناقب عبد اللہ بن سلام، ج:۱، ص:۵۳۸
۲۶. تفسیر ابن جریر، ج:۳، ص:۶۷
۲۷. تاج العروس، ج:۱، ص:۱۴۲

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۸. احکام القرآن ، ج: ۱ ، ص: ۵۵۷

۲۹. ابو دائود و ابن ماجه

۳۰. طبرانی ورواته رواة الصحیحسوال نامه ربا کا جواب

۳۱. المصارف الاسلامية بين النظرية والتطبيع ، ص: ۱۷۴ للدكتور عبد الرزاق رحيم حدى

۳۲. المصارف الاسلامية، ص: ۸

۳۳۔ اسلامی بینکاری اور غرر، ص: ۱۲

۳۴۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص: ۱۹

۳۵۔ ایضاً، ج: ۷، ص: ۱۶۹

۳۶۔ رپورٹ بلاسود بینکاری، ص: ۱۱۳

۳۷۔ ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ص: ۸۲، اکتوبر ۲۰۰۸ء

۳۸. صحيح بخارى : باب كيف كان بدء الوحى

۳۹. اعلام الموقعين، ج: ۳، ص: ۲۸۰

۴۰. المصارف الاسلاميه، ص: ۴۱

۴۱۔ اسلامی بینکاری، ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، ص: ۵۲

۴۲۔ اسلامی بینکاری اور غرر، ص: ۵۶

۴۳۔ روزنامہ امت: ۴ دسمبر ۲۰۰۵ء، ص: ۵، ۷

۴۴. المعابير الشرعيه ، ص: ۱۱۲ اور اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص: ۱۶۴

۴۵. الطرق الحكمية، ص: ۲۴۷

۴۶. سنن بيهقى: باب ما يستدل به على ترک تضعيف الغرامة، ص: ۲۸۸

۴۷. ایضاً، ج: ۲۰، ص: ۳۶۹

۴۸. البحر الرائق شرح كنز الدقائق: فصل فى التعزير ، ج: ۱۳، ص: ۱۶۸

۴۹. فتاویٰ دارالعلوم ، ج: ۱۲، ص: ۲۵۲

۵۰۔ جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ص: ۴۳

۵۱. اسلام جدید معیشت وتجارت، ص: ۱۴۵ از تقی عثمانی، بحواله تحرير الكلام فى مسائل الالتزام

۵۲. المنهاج: كتاب القراض، ج: 1، ص: 229

۵۳. نيل المآرب شرح دليل الطالب ، ص: 194

۵۴. مصنف عبد الرزاق، ج: 8، ص: 248

۵۵. الملخص الفقهى ، ج: 2، ص: 71

۵۶. هدايه مع البنايه، ج: 1، ص: 45-44

۵۷. بدائع الصنائع ، ج: 13، ص: 171

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۵۸. کتاب القراض: باب المحاسبه فی القراض
۵۹۔ حوالہ مذکور
۶۰. المجموع، ج:13،ص:371
۶۱. روضة الطالبین،ج:2،ص:188
۶۲. فتح العزیز، شرح الوجیز،ج:12،ص:11
۶۳. هدایه مع البنایه،ج:10،ص:52
۶۴. ایضاً،ج:10،ص:87
۶۵. البهجة الوردیه: باب القراض،ج:11،ص:480
۶۶. ایضاً،ص:232
۶۷. المعاییر الشرعیة،ص:224
۶۸. المصارف الاسلامیه،ص:25
۶۹. المغنی،6،ص:266
۷۰. المغنی ،6،ص:266
۷۱. السنن الکبریٰ ،کتاب البیوع ، باب المرابحه
۷۲. مصنف عبد الرزاق: کتاب البیوع، باب بیع ده دوازده
۷۳. صحیح بخاری: کتاب البیوع ، باب من اجری المصار علی مایتعارفون بینهم فی البیوع والاجارة
۷۴. فتح الباری ،ج:4، ص:513
۷۵. المغنی،6،ص:266
۷۶. مصنف عبد الرزاق: کتاب البیوع ، باب بیع ده دوازده
۷۷. السنن الکبریٰ للبیهقی و مصنف عبد الرزاق : کتاب البیوع ، باب المرابحة
۷۸. السنن الکبریٰ: کتاب البیوع، باب المرابحة
۷۹. فتح الباری ،4،ص:514
۸۰۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں،ص:96
۸۱۔ ایضاً،ص:108
۸۲۔ ایضاً،ص:164
۸۳. بحوث فقهیة فی قضاء اقتصادیة معاصره،ج:1،ص:82
۸۴. ایضاً،ج:1،ص:7273
۸۵. صحیح بخاری: کتاب البیوع ، باب کم یجوز الخیار
۸۶. کتاب الام ،ج:3،ص:39

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۷۔ حوالہ مذکورہ

۸۸. سنن دار قطنی :3105

۸۹. نیل الاوطار، ج:8، ص:213

۹۰. الموسوعة الفقهية الكويتية بحواله مواجب الجليل للحطاب البيان والتحصيل لا بن رشد

۹۱. المصارف الاسلامیہ، ص:33

۹۲. فقه النوازل ، ج:2، ص:93

۹۳. فقه البيوع المنهى عنها مع تطبيقاتها الحديثة فى المصارف الاسلامية، ص:44

۹۴۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص:124

۹۵. ایضاً

۹۶. ایضاً، ص:125

۹۷. تعلیق مصارف الاسلامیة، ص:32

۹۸. بحوث فقهية فى قضايا اقتصادية معاصره، ج:1، ص:115-113

۹۹. كتاب الحيل امام محمد بحواله بحوث فقهية فى قضايا اقتصادية معاصره، ج:1، ص:103-102

۱۰۰. 1414-917 فى ندوة البركة، ص:33

۱۰۱. المعايير الشرعيه، ص:153

۱۰۲. المعاملات المالية المعاصره، ص:494

۱۰۳. ایضاً، ص:395

۱۰۴. المعايير الشرعية:146

۱۰۵. المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلى:369-395

۱۰۶. المعايير الشرعية، ص:141

۱۰۷. ایضاً، ص:142

۱۰۸. ایضاً، ص:134

۱۰۹. ایضاً، ص:142

۱۱۰. فقه البيوع المنهى عنها مع تطبيقاتها الحديثة فى المصارف الاسلامية

۱۱۱. المصارف الاسلامية، ص:78-77

۱۱۲. الملخص الفقهى :6، ص:115

۱۱۳. المعاملات المالية المعاصرة للدكتور محمد عثمان شبير، ص:339

۱۱۴. ایضاً، ص:206

۱۱۵. ایضاً، ص:87-86-85

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۱۶. المعاملات المالية المعاصرة، ص:436
۱۱۷. الملخص الفقهي،2، ص:68
۱۱۸. المغني7،ص:123
۱۱۹. ص:195
۱۲۰. نيل المآرب بشرح دليل الطالب: ص193، الملخص الفقهي:2،ص:70
۱۲۱. المصارف الاسلامية،ص:42
۱۲۲. مجموعه فتاویٰ :29،ص:30
۱۲۳. اعلام الموقعين، ج:3،ص:949
۱۲۴. تهذيب السنن ، ج:5،ص:108
۱۲۵. موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة،ص:898
۱۲۶. فتاویٰ اسلامیه ، ج:2،ص:443
۱۲۷. رسائل فقهية،ص:107
۱۲۸. مجموعه فتاویٰ:29،ص:431
۱۲۹. فتح الباری ، ج:4،ص:54
۱۳۰. صحيح بخاری: باب السلم في وزن معلوم
۱۳۱. مصنف ابن ابی شیبة، ج:5،ص:277، مستدرک حاکم، ج:7،ص:258
۱۳۲. صحيح بخاری : باب السلم في وزن معلوم
۱۳۳. فتح الباری، ج:4،ص:540
۱۳۴. المبسوط، ج:15،ص:101
۱۳۵۔ حوالہ مذکورہ
۱۳۶۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا (گیارھواں ایڈیشن)، ج:۱۴،ص:۶۵۶
137. Morgan (Ed) Porter: Laws of insurance London. 1993. p.1
138. Ibid
۱۳۹۔ مولانا مفتی ولی حسن: بیمہ زندگی، ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی ۱۹۸۲ء،ص:۵
140. Cheshire and Fifoot: Law of Chontract, London, 1964. p. 491
۱۴۱۔ چودھری محمد بلال: بیمہ اور اسلام، پبلشرز چودھری اینڈ کمپنی انشورنس پرنٹرز اینڈ، پبلشرز، ایبک بورڈ انارکلی لاہور:،ص:۱۸۷
۱۴۲۔ الہدیٰ حیدرآباد دکن مورخہ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۶۸ھ موافق ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء بحوالہ اردو ڈان
۱۴۳۔ دارالحرب کے باشندے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۴۔ دارالحرب کا وہ باشندہ جو اسلامی حکومت میں اجازت لے کر حکومت کی امان میں رہے

۱۴۵۔ ردالمحتار: باب المستامن، ج:۳، ص:۴۴۵

۱۴۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی..... سود

۱۴۷۔ مولانا مناظر احسن گیلانی..... اسلامی معاشیات

۱۴۸۔ نعیم صدیقی..... بیمہ زندگی اسلامی نقطۂ نگاہ سے

149. Preston, S; and Colin Vaux, R.P..... The Law of Insurance

۱۵۰۔ ڈاکٹر اسرار احمد..... اسلام کا معاشی نظام

۱۵۱۔ رد المحتار کتاب الجهاد باب المستامن فصل فی استئمان الکافر

۱۵۲۔ حاشیه عقد التاین..... مصطفےٰ زرقاء

۱۵۳۔ رد المحتار کتاب الجهاد باب المستامن فصل فی استئمان الکافر

۱۵۴۔ مجله المحاماة (السنة الخامسة)..... از التامین محمد سید دسوقی

۱۵۵۔ حاشیه عقد التامین' مصطفےٰ زرقاء

۱۵۶۔ عقد التامین

۱۵۷۔ مجله المحاماة السنة الخامسة

۱۵۸۔ مجله الشیان المسلمین 1941ء

۱۵۹۔ ایضاً از التامین محمد ابوالحسن الحجوی

۱۶۰۔ رسالة فی تایین الحیاة و تامین الاموال

۱۶۱۔ ابوزہرہ..... اسلام اور جدید اقتصادی نظریات کے حوالہ سے

162. Quoted from Insurance and Islam..... Dr. M. Muslehuddin

163. Ibid

164. Ibid

165. Dr. Muhammad Muslehuddin..... Insurance and Islam

166. Muhammad Amin Ibn 'Abidin'..... Radd -al- Mukhtar

167. M. A. Mannan..... Islamic Economics

۱۶۸۔ امام سرخسی..... المبسوط

169. Al.....Munjid..... Arabic Dictionary

170. Burhan al-Din Marghinani -al- Hidayah

171. Gunholl, Th. W..... Aqila in Encyclopaedia of Islam

172. Dr. Muhammad Muslehuddin..... Insurance and Islam

۱۷۳۔ بحوالہ کتاب چند معاشی مسائل اور اسلام از یعقوب شاہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۷۴. هدایه ج 4 کتاب المعاقل
۱۷۵۔ فتاویٰ عالمگیری ج6
۱۷۶. المبسوط ج 27
۱۷۷. .....ایضاً.....
۱۷۸. رد المحتار
۱۷۹. هدایه جلد 4 کتاب المعاقل
۱۸۰. .....ایضاً.....
۱۸۱۔ مفتی محمد شفیع..... بیمہ زندگی
۱۸۲. .....ایضاً.....
۱۸۳. .....ایضاً.....
۱۸۴. .....ایضاً.....
۱۸۵۔ مفتی محمد شفیع.....بیمہ زندگی بحوالہ ہدایہ
۱۸۶۔ محمد تقی امینی.....اسلام اور جدید مسائل کا حل
۱۸۷. ابوبکر محمد بن ابی سهل السرخسی..... المبسوط
۱۸۸. مسلم شریف
۱۸۹. المبسوط ج 8
۱۹۰. .....ایضاً.....
۱۹۱. هدایه ج 4 کتاب المعاقل
۱۹۲. .....ایضاً.....
۱۹۳. هدایه ج 4 کتاب المعاقل..... حاشیه
۱۹۴. .....ایضاً.....
۱۹۵. .....ایضاً.....
۱۹۶۔ دیکھئے بیمہ زندگی مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ، ص:25
۱۹۷. ایضاً، ص ۱۴۶، ۱۴۷

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیرھواں باب:

جدید معاشی مسائل اور ان کا اسلامی حل

قسطوں پر خرید وفروخت

دور حاضر میں جن معاملات کو وسیع پیمانے پر فروغ حاصل ہوا ہے ان میں قسطوں پر خرید وفروخت بھی شامل ہے اس کو عربی میں ''البیع بالتقسیط'' کہا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ چیز تو فوراً مشتری کے حوالے کر دی جائے مگر اس کی قیمت طے شدہ اقساط میں وصول کی جائے قسط کو نجم بھی کہتے ہیں۔ جس کا معنی ہے ''ستارہ'' شارح بخاری علامہ وحید الزمانؒ اس کی وجہ تسمیہ میں فرماتے ہیں:

''عرب میں تمام معاملات تاروں کے طلوع پر ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ حساب نہیں جانتے تھے وہ یوں کہتے تھے کہ جب فلاں تارہ نکلے گا تو وہ معاملہ ہوگا اسی وجہ سے قسط کو نجم کہنے لگے۔''(۱)

بعض لوگ اس کو موجودہ دور کی ایجاد سمجھتے ہیں جو درست نہیں اس کا رواج تو عہد رسالت وصحابہ میں بھی موجود تھا جیسا کہ ذیل کے دو واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔

پہلا واقعہ:

''عمرو بن شرید کہتے ہیں کہ میں سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس کھڑا تھا، اتنے میں مسور بن مخرمہ آئے انہوں نے اپنا ہاتھ میرے کندے پر رکھا۔ اتنے میں نبی ﷺ کے غلام ابو رافع آ گئے۔ انہوں نے کہا: اے سعد اپکے محلے میں جو دو گھر ہیں وہ آپ خرید لیں۔ سعد نے کہا: اللہ کی قسم: میں نہیں خریدتا۔ حضرت مسور نے کہا کہ اللہ کی قسم آپکو ضرور خریدنا ہوں گے۔ تب سعد نے کہا میں چار ہزار درہم سے زائد نہیں دوں گا وہ بھی قسطوں میں۔ ابو رافع نے کہا کہ مجھے ان گھروں کے پانچ سو دینار (نقد) ملتے تھے اور اگر میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے تو میں آپ کو یہ گھر چار ہزار درہم میں بھی نہ دیتا۔ جب کہ مجھے ان کے پانچ سو دینار (نقد) ملتے تھے۔''(۲)

دوسرا واقعہ:

''عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بریرہؓ ان کے پاس اپنی مکاتبت میں مدد کے سلسلے میں حاضر ہوئی اس کے ذمہ پانچ اوقیہ چاندی تھی جو اس نے پانچ سالانہ اقساط میں ادا کرنا تھی۔''(۳)

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے:

[باب المكاتب و نجومه في كل سنة نجم]

''مکاتب اور اس کی قسطوں کا بیان ہر سال میں ایک قسط۔''

بیع قسط چونکہ بیع مؤجل ہی کی ایک شکل ہے۔ جس میں چیز کی قیمت بیک مشت ادا کرنے کی بجائے اقساط

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقرر کردی جاتی ہیں۔اس لے ہمارے فقہاء نے اس کو الگ عنوان میں ذکر کرنے کی بجائے عموماً بیع مؤجل کے ضمن میں ہی بیان کیا ہے۔

قسطوں پر خریداری کی مختلف صورتیں:

ادھار یا قسطوں پر خریداری کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ نقد اور ادھار دونوں صورتوں میں ایک ہی قیمت ہو۔ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے تاہم اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

۲۔ ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت وصول کی جائے۔مثلاً یوں کہا جائے کہ یہ چیز نقد سو روپے کی اور ادھار ایک سو دس کی ہوگی۔اس کے بارہ میں تین نقطہ نظر ہیں۔

(۱) جمہور فقہاء محدثینؒ کی رائے میں یہ جائز ہے۔

چنانچہ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

[وقالت الشافعية والحنفية و زيد بن علي والمؤيد بالله والجمهور انه يجوز](۴)

''شافعیہ، حنفیہ، زید بن علی، مؤید باللہ اور جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں۔''

اہل حدیث علماء میں سے سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی، نواب صدیق حسن خان اور حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔(۵)

سعودی عرب کے سابق مفتیا عظم شیخ ابن بازؒ بھی اس کے جواز کے حامی ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''قسطوں کی بیع میں کوئی حرج نہیں جب کہ مدت اور قسطیں معلوم ہوں خواہ قسطوں کی صورت میں قیمت نقد قیمت سے زیادہ ہو کیونکہ قسطوں کی صورت میں بائع اور مشتری دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔بائع زیادہ قیمت سے اور مشتری مہلت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔''(۶)

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے بھی اپنے چھٹے اور ساتویں اجلاس میں جو بالترتیب سترہ تا تیس شعبان ۱۴۱۰ھ اور سات سے بارہ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ کو جدہ میں ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے۔چھٹے اجلاس کی قرارد کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں:

[تجوز الزيادة في الثمن المؤجل عن الثمن الحال كما يجوز ذكر ثمن المبيع نقدا و ثمنه بالاقساط بمدة معلومة](۷)

''ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت جائز ہے۔جس طرح چیز کی قیمت نقد اور متعینہ اقساط میں ذکر کرنا جائز ہے۔''

ساتویں اجلاس کے الفاظ یوں ہیں:

[لا بيع بالتقسيط جائز شرعا ولو زادفيه ثمن المؤجل على المعجل](۸)

''بیع قسط شرعاً جائز ہے خواہ اس میں ادھار قیمت نقد سے زیادہ ہو۔''

(۲) امام ابن حزم، امام ابن سیرین اور زین العابدین عدم جواز کے قائل ہیں۔

محدث البانیؒ بھی اسی نقطہ نظر کے حامی ہیں۔(۹)

(۳) حضرت طاؤس، ثوری، اوزاعی کی رائے میں یہ ہے تو ناجائز لیکن اگر بائع اس طرح سودا ہونے کے بعد دو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیمتوں میں سے کم یعنی نقد والی قیمت وصول کرے تو جائز ورنہ ناجائز۔(۱۰)

قائلین جواز کے دلائل:

جو حضرات اس کے حق میں ہیں ان کا استدلال ایک تو اس بات سے ہے کہ معاملات میں اصل اباحت ہے۔ یعنی کاروبار کی ہر وہ صورت جائز ہے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ قرآن حکیم کی آیت: ''اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے'' سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوائے ان بیع کے جن کی حرمت قرآن وحدیث میں واضح کر دی گئی ہے، ہر قسم کی بیع جائز ہے، اور قرآن وحدیث میں کوئی ایسی نص موجود نہیں جس سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہو۔ ان حضرات کی دوسری دلیل ذیل کا واقعہ ہے:

[عن عبد الله جيشا فنفدت الابل فامره ان ياخذ في قلاص الصدقة فكان ياخذ البعير بالبعيرين الى ابل الصدقة](۱۱)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو جیش تیار کرنے کا حکم دیا تو اونٹ کم پڑ گئے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ صدقے کے اونٹ آنے تک ادھار لے لو۔ تو انہوں نے لوگوں سے اس شرط پر اونٹ لیے کہ جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ایک کے بدلے دو دو دیئے جائیں گے۔''

مانعین کے دلائل:

جو حضرات اس کی ممانعت کے قائل ہیں ان کی پہلی دلیل ہے:

☆ ادھار کی صورت میں اضافی رقم اصل میں مدت کا معاوضہ ہے اور مدت کا معاوضہ لینا سود ہے۔

☆ اس رائے کے حق میں دوسری دلیل وہ روایات ہیں جن میں ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ مثلاً:

[نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة](۱۲)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع کیا ہے۔''

[نهى رسول الله ﷺ عن صفقتين في صفقة واحدة](۱۳)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع کیا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ انسان یہ کہے:

[وان كان بنقد فبكذا وان كان بنسيئة فبكذا](۱۴)

''اگر نقد ہو تو اتنے کی اور ادھار ہو تو اتنے کی۔''

راجح نقطہ نظر:

ہمارے خیال میں حسب ذیل وجوہ کے باعث ان لوگوں کی رائے زیادہ وزنی ہے جو جواز کے حق میں ہیں۔

☆ ادھار کی صورت میں اضافے کا جواز خود قرآن کی آیت ﴿واحل الله البيع﴾ سے ثابت ہے۔ کیونکہ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ابن جریر طبری، علامہ ابن العربی، اور امام رازیؒ نے بیان کیا ہے۔ جن کا اعتراض یہ تھا کہ جب عقد بیع کے وقت ادھار کی زیادہ قیمت مقرر کی جا سکتی ہے تو پھر وقت پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اضافہ کیوں نہ کیا جا سکتا۔ وہ کہتے دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ چنانچہ رئیس المفسرین امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

''اہل جاہلیت میں سے جو لوگ سود کھاتے تھے، اس کی صورت یہ ہوتی کہ جب کسی کا دوسرے کے ذمے مال ہوتا جس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہوتا وہ صاحب حق سے کہتا آپ مدت میں اضافہ کر دیں میں آپ کے مال میں اضافہ کرتا ہوں۔ جب ان سے کہا جاتا کہ یہ تو سود ہے جو حلال نہیں تو کہتے کہ ہم بیع کے آغاز میں اضافہ کریں یا مدت پوری ہونے پر دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی۔'' (۱۵)

مشہور محدث و مفسر علامہ ابن العربیؒ رقمطراز ہیں:

''اہل جاہلیت کہتے تھے بیع سود کی مثل ہی ہے یعنی مدت پوری ہونے پر جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ شروع عقد میں اصل قیمت میں اضافہ کی مانند ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا ہے۔'' (۱۶)

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''ربا کو حلال قرار دینے کے متعلق لوگوں کا شبہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص ایک کپڑا دس کا خرید کر گیارہ کا بیچے تو یہ جائز ہے اسی طرح جب دس (درہم) گیارہ کے بیچے تو معاملہ بھی جائز ہونا چاہیے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں عملاً کوئی فرق نہیں ہے یہ شبہ تو ربا النقد کے متعلق تھا۔ ''ربا النسیئۃ'' کے بارہ میں یہ شبہ تھا کہ وہ کپڑا جس کی نقد قیمت دس (درہم) ہے اگر وہ ایک مہینہ کے ادھار پر گیارہ بیچے تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر دس (درہم) دے کر مہینے بعد گیارہ لے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ عقلی اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔'' (۱۷)

ان جلیل القدر ائمہ تفسیر کے بیان سے ثابت ہوا کہ اہل جاہلیت کی اصل غلطی یہ تھی کہ وہ وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اصل دین پر اضافہ کو ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت لینے پر قیاس کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا، ادھار کی صورت میں قیمت اضافہ کرنا بیع میں شامل ہے جو جائز ہے جبکہ بروقت ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اضافہ سود ہے جو حرام ہے۔

☆ ہر مدت کا معاوضہ سود نہیں ہوتا۔ مہلت کا اضافہ تب سود بنتا ہے جب انسان کے ذمہ قرض یا دین (Debt) کی تاخیر یا اموال ربویہ کے تبادلے کی صورت میں ہو۔ نبی ﷺ نے سونے کے سونے کے ساتھ تبادلے میں دو شرطیں لگائیں ہیں:

۱۔ برابر برابر ہو۔

۲۔ دونوں جانب سے نقد ہو۔

اگر اسلام میں مدت کی قیمت کا اعتبار نہ ہوتا تو دونوں طرف سے نقد کی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز ادھار کی صورت میں اضافہ بیع کے ضمن میں ہے اس لیے جائز ہے۔ فقہاء کرام نے بیع کے ضمن میں مدت کے اضافہ کو جائز قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ''**المعاملات المالية المعاصرة: للدكتور وهبة زحيلي حفظه الله**۔''

☆ یہ اضافہ ربا کی کسی قسم میں شامل نہیں۔ اس کا اقرار ان لوگوں کو بھی ہے جو اس کے مخالف ہیں۔ چنانچہ مفتی سیاح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الدین کا کاخیل" لکھتے ہیں:

''ادھار کی وجہ سے جو ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے اس کو عین ربا اور ربا حقیقی کی طرح حرام نہیں کہا جا سکتا کیونکہ فقہاء کرام اور حضرات مفسرین نے حقیقی ربا کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق یہ ربا کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔''(۱۸)

مزید لکھتے ہیں:

''سود سے اس کا فرق دو وجہوں سے ہے۔ایک تو یہ دین پر اضافہ نہیں بلکہ شروع ہی سے ثمن مہنگا بتلا دیتا ہے وہ اضافہ محض اس کے ذہن میں ہے نیز مدت کے بڑھنے کے ساتھ اس زیادتی میں اضافہ نہیں ہوتا۔''(۱۹)

☆ محدثین کرام اور فقہائے عظام نے ''بیعتین فی بیعة'' کے مختلف مفاہیم بیان کیے ہیں۔

☆ بائع یہ کہے کہ یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا۔مشتری کسی ایک قیمت کا تعین کیے بغیر خرید لے۔

☆ یہ کہا جائے کہ میں اپنا گھر تجھے اتنے میں بیچتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ نے اپنا غلام اتنے میں مجھے بیچنا ہے۔

☆ انسان کسی چیز کا سودا کرے مثلاً ایک قفیز گندم کا اور اس کی قیمت پیشگی ادا کر دے۔گندم کی ادائیگی کے لیے ایک مہینہ مدت مقرر ہو جائے۔جب مقررہ وقت آئے تو فروخت کنندہ کہے کہ وہ گندم آپ مجھے دو مہینے کی مدت کے لیے دو قفیز کے عوض فروخت کر دیں۔(۲۰)

پہلی صورت کے ناجائز ہونے کی وجہ قیمت کا متعین نہ ہونا ہے۔دوسری صورت میں بیع مستقبل کی شرط پر پینڈنگ ہے اور آخری دو صورتوں میں ربا لازم آتا ہے جبکہ بیع تقسیط ان سب سے مختلف ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک اس سے بیع عینہ مراد ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

من باع بیعتین اور اذا تبایعتم بالعینة یہ سب بیع عینہ کے متعلق ہیں اور یہی ایک بیع میں دو بیعیں کرنے کا معنی ہے۔(۲۱)

بیع عینہ کا مطلب:

بیع عینہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ کوئی چیز ادھار زائد قیمت پر بیچ کر نقد کم قیمت پر خرید لے۔مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو ایک سو دس روپے میں کتاب بیچی اور طے یہ ہوا کہ خریدار ایک مہینہ بعد ادائیگی کرے گا اگر فروخت کنندہ خریدار سے یہی چیز ایک سو روپے کے عوض نقد دوبارہ خرید لے تو یہ بیع عینہ ہوگی جو حرام ہے کیونکہ فروخت کنندہ نے دیا تو ایک سو روپیہ ہے مگر وصول ایک سو دس پانے ہیں یہی سود ہے چیز کا لین دین تو ایک حیلہ ہے۔

☆ مانعین کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تشریح سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ مشتری ایک قیمت طے کیے بغیر چیز اٹھا کر لے جائے احتمال کی صورت میں جمہور کی تشریح ہی معتبر ہوگی۔جنہوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مشتری نقد یا ادھار کی صراحت کیے بغیر چیز اٹھا کر لے جائے۔

ملاحظہ:

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ یہ جواز صرف اس وقت ہے جب ادائیگی میں تاخیر پر اضافی رقم خواہ وہ جرمانہ کے نام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ہو وصول نہ کی جائے۔

دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں جب چیز کی ایک قیمت طے ہو جاتی ہے پھر اس میں اضافہ ممکن نہیں ہوتا خواہ ادائیگی مدت مقررہ پر کی جائے یا تاخیر کر کے۔

دوسری صورت میں فریقین کے درمیان قیمت طے ہونے کے بعد تاخیر پر جرمانہ وصول کیا جاتا ہے۔ جو زمانہ جاہلیت کے سود ''اما تقضی واما ان تربی'' یا ادا کرو یا اضافہ کرو میں داخل ہے جو سراسر ناجائز ہے۔

ہمارے ہاں چونکہ قسطوں کی خرید و فروخت میں عموماً تاخیر پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو مطلق جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصص کی خرید وفروخت

شیئرز (حصص) کی خرید وفروخت:

دورِ حاضر کے مالی معاملات میں سے ایک شیئرز کی تجارت کا مسئلہ بھی ہے۔ جو فی زمانہ تجارت کی سب سے زیادہ مقبول صورت ہے حتیٰ کہ کسی ملک کی اقتصادی ترقی اور تجارتی گہما گہمی کا تعین بھی سٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ سے کیا جاتا ہے، گویا سرمایہ کاری کا رخ بتانے میں اس کی حیثیت بیرومیٹر کی ہے۔

شیئرز کی تاریخ:

چند افراد کا باہم مل کر شراکت کے اصولوں کے مطابق کاروبار کرنا زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ عصر حاضر میں اس کو پارٹنر شپ کہا جاتا ہے۔ سترھویں صدی عیسوی میں مشارکت سے ملتی جلتی کاروبار کی ایک نئی شکل سامنے آئی جس کو جوائنٹ سٹاک کمپنی کہا جاتا ہے۔ مشترکہ کاروبار کا یہ ایک نیا تصور تھا جس سے پہلے لوگ شناسا نہیں تھے اس لیے کتب فقہ میں اس کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ اس سے پہلے شخصی کاروبار ہوتا تھا یا پھر شراکت ومضاربت کی بنیاد پر۔ جس جگہ کمپنیوں کے شیئرز کا لین دین ہوتا ہے اس کو سٹاک مارکیٹ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کی پہلی سٹاک ایکسچینج ایمسٹرڈیم ہالینڈ میں ۱۶۱۱ء میں قائم ہوئی۔ برصغیر میں پہلی سٹاک ایکسچینج اٹھارویں صدی کے آخری نصف میں بمبئی میں قائم ہوئی تھی۔ اس کاروبار میں غیر معمولی وسعت اس وقت پیدا ہوئی جب بیسویں صدی کے آخری نصف میں تجارتی میدان میں اصلاحات کا عمل شروع ہوا اور اس کے نتیجے میں نئی نئی کمپنیاں قائم ہونے لگیں۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے اس پر جمود بھی طاری رہا بالخصوص ان ممالک میں جہاں صنعتوں کو قومیانے (Nationalized) کا رجحان غالب تھا۔

شیئرز کی حقیقت:

شیئرز کے لیے اُردو میں حصص اور عربی میں اسہم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ شیئر کس چیز کی نمائندگی کرتا ہے اس سلسلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں ایک گروہ کے خیال میں حصص دراصل کمپنی میں شیئر ہولڈرز کے متناسب حصہ کی نمائندگی کا نام ہے اس کی توضیح یوں ہے کہ کمپنی کا کل منظور شدہ سرمایہ مساوی اجزاء میں عام طور پر دس دس روپے میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ہر جزء کو حصہ کہا جاتا ہے۔ جو لوگ حصص خریدتے ہیں وہ اس تناسب سے کمپنی کے حصہ دار ہوتے ہیں اگر کوئی شیئر ہولڈر اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو وہ سٹاک مارکیٹ میں فروخت بھی کر سکتا ہے۔

دوسرے گروہ کی رائے میں شیئرز محض کمپنی کو دیئے ہوئے قرض کا دستاویزی ثبوت ہیں۔ ان حضرات کا استدلال اس بات سے ہے کہ اگر شیئر ہولڈر دیوالیہ ہو جائے تو کمپنی میں اس کے متناسب حصے کی ضبطی نہیں ہوتی جس کی نمائندگی یہ شیئرز کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیئرز ہولڈر کمپنی کا حصہ دار نہیں ہوتا بلکہ اس نے کمپنی کو قرض دیا ہوتا ہے۔ لیکن دو وجہ سے یہ استدلال درست نہیں۔

☆ دیوالیہ ہونے کی صورت میں کمپنی میں اس کے حصے کی قرقی نہ ہونے کے وجہ یہ نہیں کہ کمپنی میں اس کی ملکیت نہیں بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ کمپنی کا اصول ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد کمپنی کی تحلیل سے قبل اپنا حصہ نہیں نکلوا سکتا، ہاں! ضرورت کے وقت سٹاک مارکیٹ میں فروخت کر سکتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمپنی میں اس کی ملکیت نہیں تھی۔ جس طرح بعض فقہاء کے نزدیک دیوالیہ ہونے کی صورت میں مکان قرق نہیں ہوتا۔ اس کا یہ معنی تو نہیں کہ وہ مکان کا مالک بھی نہیں تھا۔

☆ اگر کمپنی تحلیل ہو جائے تو اس کے اثاثوں کی تقسیم سے ہر شیئرز ہولڈر کو اس کے حصے کے تناسب سے حصہ ملے گا جس کی مالیت اس کی لگائی ہوئی رقم سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور کم بھی۔ اگر ملکیت نہ ہوتی تو حصہ ملنے کا کیا معنی؟

شرعی حکم:

جن حضرات کی رائے میں شیئر کمپنی کو دیئے گئے قرض کی نمائندگی کرتا ہے ان کے نزدیک شیئرز کا کاروبار حرام ہے بعض علماء تو شیئرز کے لین دین کو قمار اور سٹہ بازی بھی قرار دیتے ہیں لیکن گزشتہ سطور میں ہم نے شیئرز کی حقیقت کے متعلق جو تفصیل بیان کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیئرز کی فروخت درحقیقت کمپنی میں شیئرز ہولڈر کے متناسب حصے کی فروخت ہے۔ جس کی کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ خواہ ڈیویڈنڈ حاصل کرنے کی نیت ہو یا قیمت بڑھنے کی صورت میں آگے فروخت کرنا مقصود ہو۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ جواز تین پابندیوں کے ساتھ مشروط ہے۔

۱۔ جس کمپنی کے شیئرز خریدے جا رہے ہیں اس کا کاروبار حلال ہو سود میں ملوث نہ ہو۔

۲۔ کمپنی کے اثاثہ جات صرف نقد اور قرضوں کی شکل میں ہی نہ ہوں بلکہ جامد اور مال کی شکل میں بھی ہوں۔

۳۔ فروخت اپنی سادہ شکل میں ہو کہ خریدار رقم دے اور فروخت کنندہ حصص اس کے نام منتقل کر دے اگر حصص کے کاروبار کی کسی قسم کا شرعی اصول سے ٹکراؤ ہو تو وہ صورت بلاشبہ ناجائز ہوگی۔

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز کی سربراہی میں قائم مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی بعض شرطوں کے ساتھ اس کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ''فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ'' میں ہے:

> ''جب شیئرز کلیتاً یا غالب طور پر نقدی کی نمائندگی نہ کر رہے ہوں بلکہ زمین یا گاڑیوں یا عمارات اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی نمائندگی کر رہے ہوں اور بائع اور مشتری کو معلوم بھی ہو تو خرید و فروخت کے عمومی دلائل کی بنا پر نقد یا ادھار قیمت پر ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔ ادھار کی صورت میں خواہ قیمت ایک ہی قسط میں ادا کی جانی ہو یا متعدد اقساط میں۔'' (۲۲)

شیئرز کی خرید وفروخت کی بعض ناجائز صورتیں:

ذیل میں حصص کی خرید وفروخت کی ہم دو ایسی صورتیں بیان کرتے ہیں جن پر سٹاک ایکسچینج میں بکثرت عمل ہو رہا ہے مگر وہ شرعی اصول کی مخالفت کی وجہ سے ناجائز ہیں۔

فیوچر سیل:

ایک شخص دوسرے سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اتنی مقدار یا تعداد میں فلاں چیز مستقبل کی فلاں تاریخ کو اس قیمت پر جو اس وقت واجب الادا ہوگی اس کو ادا کرے گا یا اس وقت اس کی قیمت کی خرید وفروخت میں جو فرق ہوگا وہ ایڈجسٹ کرے گا یہ صورت ناجائز ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس میں حصص اور قیمت دونوں ادھار ہیں فروخت کنندہ نے حصص بعد میں دینے ہیں اور خریدار نے قیمت بعد میں ادا کرنی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا اس لیے کہ اس میں چیز کو قبضہ میں لینے سے پہلے فروخت کر دیا جاتا ہے جو کہ شرعاً منع ہے۔ بعض حضرات اسے بیع سلم سے قیاس کرتے ہیں جو درست نہیں اس کی تین وجوہ ہیں:

☆ شیئرز میں بیع سلم نہیں ہو سکتی کیونکہ متعین باغ یا کھیت کی پیداوار میں سلم جائز نہیں جبکہ شیئرز میں کمپنی کا نام ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے اس سے اس کی حیثیت متعین چیز میں بیع سلم کی ہو جاتی ہے جو ناجائز ہے۔

☆ بیع سلم میں چیز کی مکمل قیمت پہلے ادا کرنا ضروری ہے جو یہاں نہیں۔

☆ بیع سلم میں چیز قبضہ سے قبل فروخت کرنی منع ہے۔ لیکن فیوچر سیل میں حوالگی کی تاریخ سے قبل کئی سودے ہو چکے ہوتے ہیں۔

پیشگی فروخت میں اگر صرف فرق برابر کرنا مقصود ہو تو یہ سٹہ بازی ہوگی جو حرام ہے۔

شارٹ سیل:

بعض دفعہ فروخت کنندہ ایسے شیئرز بھی بیچ دیتا ہے جو اس کے پاس موجود تو نہیں ہوتے لیکن اسے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ کلیئرنگ سے قبل مارکیٹ سے سستے داموں حاصل کر کے خریدار کے حوالے کر دے گا اس کو شارٹ سیل کہا جاتا ہے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ جو چیز انسان کی ملکیت میں نہ ہو اس کو بیچنا درست نہیں۔

بدلہ:

دو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط سودے جو بیک وقت ہوتے ہیں ایک فریق اپنی موجودہ حیثیت (Position) یعنی وہ خریدے ہوئے حصص جو ابھی فروخت نہیں کیے گئے حالیہ ادائیگی سے اگلی ادائیگی میں منتقل کرا ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ کچھ اضافی رقم ادا کرتا ہے۔ اسے عام زبان میں بدلہ کہا جاتا ہے۔ جس کا معنی ہے ادائیگی کا دن بدل جانا۔ اس کو سادہ الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی نے حصص تو کر خرید لیے لیکن اس کے پاس ادائگی کے لیے رقم نہیں وہ یہ چاہتا ہے کہ میری یہ حیثیت آئندہ ادائیگی میں منتقل ہو جائے دوسرا آدمی اس شرط پر وہ حصص خرید لیتا ہے کہ اس نے اگلی ادائیگی میں اضافی رقم لے کر واپس کرنے ہوتے ہیں۔ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ سودا واپسی مع اضافہ کے ساتھ مشروط ہے جو جائز نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق مجردہ کی خرید وفروخت

حق کی تعریف:

حق کے عربی زبان میں بہت سے معانی ہیں لیکن سب میں ثابت ہونے اور واجب ہونے کا مطلب پایا جاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

﴿حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (یس:7)

''یعنی اکثر لوگوں پر ثابت اور واجب ہو چکا ہے''۔

اور فرمان باری ہے:

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ (الانفال:8)

''تا کہ حق کو ثابت اور ظاہر کرے اور باطل کو جھوٹا کرے''۔

اور فرمایا:

﴿وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ (بنی اسرائیل:171)

''فرما دیجئے کہ سچ آیا اور جھوٹ بھاگ نکلا یعنی حق سے مراد وہ چیز ہے جو موجود اور ثابت ہے''۔

اور فرمایا:

﴿وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرہ:241)

''واجب ہے پرہیز گاروں پر کہ طلاق شدہ عورتوں کو خرچ دیں قاعدہ کے موافق''۔

حق کا لفظ متعین حصہ پر بھی بولا جاتا ہے، فرمان ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (المعارج:25-24)

''اور جن کے مال حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور بارے ہونے کا''۔

اس طرح ظلم کے مقابلہ کے میں ''حق'' کا لفظ عدل وانصاف کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے: فرمان باری ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ﴾ (غافر:20)

''اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے انصاف سے''۔

حق کی تعریف فقہاء کے نزدیک:

بعض متاخرین کے ہاں ''حق'' کی تعریف یہ ہے: حق وہ حکم جو شرعاً ثابت ہو۔ (۲۳)

لیکن یہ تعریف جامع نہیں اور فقہاء کے ہاں حق کی ساری صورتوں کو شامل نہیں۔ کیونکہ کبھی حق کا لفظ مملوک حاصل پر بولا جاتا ہے جب کہ وہ حکم نہیں، اسی طرح ذاتی ملکیت، شرعی صفت، جیسے ذمہ داری، پرورش اور اختیار کے حق پر بھی بولا جاتا ہے، اور زمین کے منافع پر بھی بولا جاتا ہے جیسے راستے کا حق، پانی بہانے کا حق وغیرہ اور وہ نتائج جو معاملات پر مرتب ہیں ان پر بھی بولا جاتا ہے جیسے بچی ہوئی چیز اور اس کی قیمت کی ادائیگی کا لازم کرنا۔

یعنی ہم عصر اساتذہ نے حق کی یہ تعریف کی ہے، ہمارے استاذ علی خفیف نے فرمایا: حق وہ مصلحت ہے جو شرعاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت کی گئی ہو۔(۲۴)

لیکن یہ تعریف حق سے مقصود غایت کے ساتھ کی گئی ہے، یہ اس کی ذات اور حقیقت کی تعریف نہیں، کیونکہ حق وہ خاص تعلق ہے جو حق والے اور حق سے حاصل ہونے والی مصلحت کے درمیان ہو۔

استاذ مصطفیٰ زرقاء نے فرمایا: حق وہ خصوصی تعلق ہے جس سے شریعت غلبے اور مکلف بنانے کو ثابت کرتی ہے۔(۲۵)

یہ تعریف اچھی ہے، کیونکہ یہ دینی حقوق جیسی اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق مثلاً نماز، روزہ وغیرہ اور شہری حقوق جیسے ملکیت کا حق، اور ادبی حقوق جیسے والد کی فرمانبرداری کا حق اولاد پر، شوہر کا بیوی پر، اور عام حقوق جیسے حکومت کا حق عوام پر، اور مالی حقوق جیسے کرنے کا حق، اور غیر مالی جیسے نفس پر ولایت کا حق سب کو شامل ہے۔

اس تعریف کی خصوصیت:

یہ تعریف ممتاز ہے اس وجہ سے کہ اس میں حق کی ذات کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ خاص شخص کے ساتھ تعلق کا نام ہے جس طرح بائع کا حق قیمت میں اس کے ساتھ خاص ہے۔ اگر وہاں کسی کے ساتھ خصوصیت نہ ہو بلکہ عام اباحت ہو جیسے شکار کرنا، لکڑیاں جمع کرنا، عام نفع کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا تو اس کو حق نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ عام لوگوں کے لئے اجازت ہے۔

سلطۃ:

یعنی غلبہ یا تو شخص پر ہوگا جیسے پرورش کا حق اور نفس کی ذمہ داری یا معین چیز پر ہوگا جیسے ملکیت کا حق۔

تکلیف:

کسی انسان پر لازم کرنا یا مالی لزوم جیسے قرض کی ادائیگی کا لازم ہونا، یا معین مقصد کا ثابت کرنے کے لئے جیسے مزدور کا اپنے عمل کو ادا کرنا۔

تعریف نے شریعت کی نظر میں حق کے منشاء کی طرف اشارہ کیا ہے: وہ شریعت کا ارادہ ہے، پس حقوق اسلام میں وہ خدائی عطائیں ہیں جو ان مراجع کی طرح منسوب ہوتی ہیں جن سے شرعی احکام کو نکالا جاتا ہے لہٰذا کوئی حق شرعی دلیل کے بغیر نہیں ہوگا۔ پس حق کو پیدا کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کیونکہ اس کی ذات کے علاوہ کوئی حاکم نہیں اور ان کی شریعت اور مقرر کردہ چیزوں کے علاوہ کوئی شریعت نہیں۔ حق اسلام میں طبعی چیز نہیں جس کی بنیاد طبیعت اور انسانی عقل پر ہو البتہ قانونی لوگ حقوق کا مرجع الٰہی حکم کو بنانے سے ڈرتے ہیں۔

اسلام نے اپنے حقوق کے استعمال میں دوسروں کی رعایت رکھنا اور عام لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا لازم کیا ہے۔ پس حق مطلق نہیں ہے بلکہ سب کے فائدے کے ساتھ مقید ہے اور دوسروں سے تکلیف دور کرتا ہے اور حق شریعت میں دو واجبوں کو مستلزم ہے۔

عام لوگوں پر واجب ہے کہ شخص کے حق کا احترام کریں اور اس سے نہ چھیڑیں اور حق والے پر خصوصی طور پر لازم ہے کہ وہ اپنا حق اس طرح استعمال نہ کرے کہ دوسروں کو تکلیف لاحق ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قمار کی جدید شکلیں

قمار سے مراد جوئے کی وہ عام شکل نہیں ہے جو مال سے کھیلا جاتا ہے بلکہ اس میں جوئے کی وہ تمام صورتیں داخل ہیں جو موجودہ زمانہ میں تجارت کے نام پر کی جاتی ہے۔ مثلاً سٹہ وغیرہ اس کو تجارتی جواء کہا جاتا ہے جو تجارت کے نام پر موجودہ نظام معیشت میں کھیلا جاتا ہے۔ یہ تجارتی جواء ملک کے معاشی نظام کو کس طرح تباہ و برباد اور پراگندہ کرتا ہے، آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور بغیر محنت کے نفع حاصل کرنے کے لالچ میں کس طرح ہزاروں گھر خانمان برباد ہو جاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اس قسم کی بہت سی شکلیں رائج تھیں جیسے ملامسہ، منابذہ وغیرہ جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اسلام نے اس قسم کی خرید و فروخت کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اس کو میسر اور قمار (جوا) قرار دیا ہے اور اس قسم کے تمام معاملات کو ایک بااصول تجارت کیلئے تباہ کن سمجھتا ہے اور سوسائٹی کے اخلاق اور کریکٹر کے باعث ذلت و رسوائی جانتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کو معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ یقین کرتا ہے۔

اسلام کا ایک اصول ہے ''مسلمان نہ کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ کوئی اس کو نقصان پہنچائے۔'' ہو وہ کاروبار اور تجارت اسلام کی نگاہ میں درجہ جواز سے گری ہوتی ہے جس میں منازعت کا اندیشہ ہو۔ سٹے اور قمار میسر کے معاملات میں اکثر و بیشتر جنگ و جدل کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ مواسات، رواداری، ہمدردی اور مروت کے جذبات کو تباہ اور دوسرے کی تباہی میں اپنا فائدہ سمجھنے کی ترغیب دے کر جو ہر انسانی کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ احتکار کی یہ دوسری قسم ہے جو اس لیے ممنوع ہے کہ یہ بھی دولت اور سرمایہ کو بعض افراد یا گروہ میں مخصوص کر دینے کا باعث بنتی ہیں اور ایک کو تباہ و برباد کر کے دوسرے کے فائدہ کی صورت نکالتی ہے۔ یہ ایک ایسا گناہ اور جرم ہے جس کو اسلام یک قلم پسند نہیں کرتا اور اسلام تو کیا یہ انسانیت اور اخلاق کی نگاہ میں بھی ایک بہت بڑا جرم ہے کہ آدمی دوسرے کو تباہ و برباد کر کے اپنے کو بنائے۔ یہ جرم سوسائٹی کی نظر میں بھی ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔

سٹہ کیا ہے؟ سٹہ دراصل بیع قبل القبض کا نام ہے یعنی ایک چیز جاپان سے پاکستان میں درآمد ہونے کے لیے چلی ہے۔ اس کے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی اس کی کئی ہاتھوں میں خرید و فروخت ہو جاتی ہے یا اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) میں مختلف فرموں کے حصص کی خرید و فروخت ہوتی ہے حالانکہ ان کا صرف زبانی زبانی اس پر قبضہ ہوتا ہے۔ اسلام نے بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیا، چنانچہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اناج (غلہ) خریدے وہ اس کو وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

[احسب کل شی مثله](۲۶)

''یعنی میں ہر شے کو اناج پر قیاس کرتا ہوں''۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اناج خریدے وہ قبضہ سے پہلے اس کو فروخت نہ کرے''۔(۲۷)

اور اس کی حکمت واضح ہے کہ جب کریدار بیع پر قبضہ کر لے گا تو اس میں بائع کے تصرف کرنے کا امکان ختم ہو جائے گا ورنہ ہو سکتا ہے کہ فروخت کرنے کے بعد بائع کو زیادہ منافع والا کوئی اور گاہک مل جائے اور وہ خریدار کو مبیع پر قبضہ نہ دے اور بیع فسخ کر دے۔ موجودہ زمانے میں بیع قبل القبض سے سٹے کو فروغ ہوتا ہے اور اجناس کی قیمت دس بیس گنا زیادہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتی ہے جس سے صارفین کا استحصال ہوتا ہے۔ جس کی مثال ہم نے جاپان سے درآمد کے سلسلہ میں دی ہے۔ ہمارے ملک میں ہر روز لاکھوں روپے کا سٹے کا کاروبار ہوتا ہے اور سٹے میں چونکہ کاروباری ساکھ اور کمپنیوں کے لسٹڈ ہونے کی بنیاد پر صرف کاغذات اور ٹیلی فون پر سونے، روئی وغیرہ کی بیع ہوتی ہے اور عملی طور پر کوئی خرید و فروخت نہیں ہوتی اور نہ بیع پر قبضہ کیا جاتا ہے اس لیے شریعت میں یہ کاروبار ناجائز ہے۔

سٹے کا یہ کام قمار میں شمار ہوتا ہے اور قمار کے بارہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرہ:219)

''لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے''۔

شراب اور جواء عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور عرب شاعروں نے اپنے قصائد میں جوئے اور شراب کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔ عرب لوگ شراب پیتے اور جواء کھیلتے اس غرض سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں منقسم کرتے اور انہی ٹکڑوں پر پانسے ڈال کر لاٹری نکالتے۔ ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لیتے تھے جن کے نام یہ ہیں۔

قدّ، توام، رقیب، حلس، نبل، معلّیٰ، منافس، مسبل، سفیح، وغد، ان میں سے ہر تیر کے مختلف حصے معین کر لیے تھے اور جب جواء کھیلتے تو ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ میں دے دیتے۔ وہ ایک ایک تیر کو ایک ایک نام پر نکالتا جن کے نام پر وہ تیر نکلتے تھے اور جن جن کے حصے مقرر تھے وہ کامیاب ہوتے تھے اور جن تیروں پر کوئی حصہ نہ ہوتا تھا وہ جن کے نام پر نکلتے وہ ناکام ہوتے۔ اس طرح جو گوشت اکٹھا ہوتا وہ فقیروں، غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا اس لئے قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار سمجھا جاتا تھا اور وہ اس قسم کے لوگوں کو نہایت بخیل خیال کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ اس جوابازی کا مذاق ان میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ لوگ مال و دولت کھو چکنے کے بعد بیوی اور اولاد پر بازی لگا دیتے۔ یہ قمار بازی اور وہ بھی شراب کی بدمستی میں اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے اور عبس اور ذبیان چہل سالہ گھوڑ دوڑ بھی قمار بازی کا نتیجہ تھی۔ حصول دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے تباہ ہو جاتے تھے۔ (۲۸)

حضرت شیخ الہندؒ نے اس جوئے اور شراب کے بارے میں فرمایا:

''شراب اور جوئے کے حق میں کوئی آیتیں اتری ہیں ہر ایک میں ان کی برائی ظاہر کی گئی ہے۔ آخر سورۃ المائدہ کی آیت میں صاف صاف ممانعت کر دی گئی۔ اب جو چیزیں نشہ لا دیں وہ سب حرام ہیں اور جو شرط باندھی جائے کسی چیز پر جس میں ہار جیت ہو وہ محض حرام ہے اور ایک طرف کی شرط حرام نہیں''۔ (۲۹)

اس آیت میں ''فیھما اثم کبیر'' میں بڑی گہری معنویت ہے۔ معاشرے میں آج تک جتنے فسادات شراب نوشی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پیدا ہو چکے ہیں اظہار من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے بے حیائی یہ پھیلائے، حرام کاری کی طرف یہ بلائے، بلوے اور دنگے یہ کرائے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کرے، قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے، طہارت سے اور پاکیزہ منشی سے یہ روک دے اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ (۳۰)

اس فقرے کے ذریعے قرآن حکیم نے اصل سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں بعض رفاہی فائدے بھی ہیں لیکن ان دونوں سے معاشرہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ ان کے فوائد سے کہیں زیادہ ہے۔ اس وجہ سے اخلاقی بہبود کے نقطۂ نظر سے یہ ناجائز ہیں گویا قرآن حکیم نے اسلامی قانون کا یہاں مزاج بتا دیا کہ جن چیزوں کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہو وہ اسلامی قانون میں ممنوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں اخلاقی اعتبار سے مضر ہیں اگر ان سے بظاہر کوئی فائدہ لوگوں کو پہنچتا بھی ہو یا پہنچایا بھی جا سکتا ہو تب بھی اس کے ضرر کے پہلو کے غلبہ کی وجہ سے اسلام میں اس سے احتراز و اجتناب ضروری ہے۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ لوگ لاٹری ڈالیں تا کہ اس کی آمدنی سے ایک شاندار مسجد تعمیر کی جائے یا ایک امدادی شو منعقد کریں تا کہ اس کے ٹکٹ فروخت کر کے کسی مصیبت زدہ علاقے کے مسلمانوں کی مدد کریں۔ بظاہر یہ کام نیکی اور خدمت خلق کے ہیں لیکن اسلام اس قسم کی نیکی کے جواز کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس نیکی کے پردے میں جو بدی پرورش پاتی ہے یا اس مصلحت کی آغوش میں جو مقاصد پروان چڑھ رہے ہیں ان کا وزن مصلحت اور نیکی سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے فقہاء اور قانون دان طبقہ نے اسی کو "**درء المفاسد الی من جلب المصالح**" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ مفاسد کی حیثیت فقہاء کی نظر میں وباء کی ہے۔ وباء کو دور کرنے کا بہر حال بندوبست کیا جائے گا خواہ اس کے نتیجہ میں کچھ مصالح اور منافع خطرے میں پڑ جائیں۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے منشیات سے روکنے کا زیادہ اہتمام کیا ہے اور اسی بناء پر فقہاء نے منشیات کی تجارت پر قدغن قائم کی ہے خواہ اس میں تجارتی منافع موجود ہو اور اس لیے کسی مالک مکان کو ایسی جگہ کھڑکی وغیرہ رکھنے کی اجازت نہیں دی جہاں سے پڑوسیوں کی مستورات پر نظر پڑتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے مضر ہی مضر اور ہر طرح کے نفع اور مصلحت سے خالی کوئی شے نہیں مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں شراب سے فوری لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح جوئے میں جو جیتتا ہے اسے بلا مشقت و تعب تھوڑی سی دیر میں آمدنی ہو جاتی ہے۔ قرآن نے یہاں شراب اور جوئے کے جن منافع کا ذکر کیا ہے وہ ان کے مادی اور طبی فوائد ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ہمارے نزدیک ان کی یہ بات درست نہیں ہے بلکہ دراصل ان فوائد کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت کی عرب سوسائٹی میں مخصوص روایات کی بناء پر پائے جاتے تھے یعنی شراب پی کر جوا کھیلنا اور جوئے کے نتیجہ میں جو کچھ دریافت ہوا سے غریبوں میں تقسیم کر دینا۔ یہ ان کے یہاں بڑی اونچی بات تھی اور اس کمالات میں شمار کیا جاتا تھا۔ قرآن حکیم یہاں انہی رفاہی فوائد کی طرف اشارہ کر رہا ہے ورنہ قرآن کو اشیاء و اعمال کے طبی اور مادی فوائد سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ قرآنی بلاغت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اگر طبی اور مادی فوائد قرآن حکیم کے پیش نظر ہوتے تو آیت میں نفع کا مقابلہ اثم سے نہیں ضرر سے ہوتا۔ اثم کا لفظ کبھی نقصانات کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ اخلاقی مقاصد اور گناہوں کے لیے آتا ہے۔ اگر شراب کے طبی نفع کی وضاحت کرنی پیش نظر ہوتا تو نفع کے مقابلہ میں ضرر کا لفظ آتا "اثم" نہ آتا۔

اس آیت کے علاوہ قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ میں فرمایا:

"بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب سر تا سر نجاست ہیں اور کار شیطان ہیں پس تم ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بچو''۔(المائدہ:90)

قمار بازی جس میں لاکھوں اور کروڑوں کی دولت لوگوں کو اس طرح مل جاتی ہے کہ ملک کے کسی باشندے کو اس کے معاوضہ میں کچھ نہیں ملتا۔ جوئے میں جتنے غصہ اور غیظ وغضب سے بھرے ہوئے دل سے مال دیا جاتا ہے شاید اتنا غصہ اور اتنا غیظ تو چور اور ڈاکو پر بھی اس کو نہیں ہوتا جس کا مال چوری ہو جاتا ہے۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی دہلوی قدس سرہ اس قسم کے جواء کے معاملات کی حکمت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حق تعالیٰ شانہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا اور اس کرہ اغبر پر ان کی معاش کا انتظام فرمایا اور ان سے فائدہ اور نفع حاصل کرنے کا ان کو موقع فراہم کیا تو انسانوں کے درمیان جنگ وجدل اور کش مکش برپا ہوگئی۔ تب حق تعالیٰ شانہ کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا دوسرے کسی جائز اور صحیح طریق سے کسی شے کا مالک ہے اس کی چیز میں دوسرا کوئی شخص مزاحمت اور کش مکش کا حق دار نہیں ہے۔ البتہ دوسرے کو بدل کے ذریعہ خریداری اور معتبر و صحیح رضامندی کے ساتھ معاملہ سے اس شے کو حاصل کرنے کا حق ہے بشرطیکہ خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اس معاملہ کا علم و یقین ہو، اور فریب، چال بازی اور دھوکہ دہی کا اس میں کوئی شائبہ نہ ہو اور جب کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اس کی معیشت باہمی تعاون کے بغیر ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ نے باہمی تعاون کو بھی ضروری قرار دیا ہے پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے جس میں نہ صحیح بدل موجود ہو اور نہ ہی باہمی تعاون پایا جاتا ہو بلکہ دوسرے کو نقصان دے کر نفع حاصل کرنا مقصود ہو''۔

جیسے قمار (جوا) یا اس میں صحیح رضامندی موجود نہ ہو جیسے سود تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں اور ایسے معاملات ناجائز اور حرام ہیں۔(۳۱)

ایک اور مقام پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''جوئے میں لوگوں کے مال کو اس طرح اچک لیا جاتا ہے کہ اس میں بالکلیہ جہالت، حرص اور جھوٹی آرزوؤں کے ہاتھوں آدمی گرفتار ہو جاتا ہے اور دھوکہ کی گاڑی پر سوار ہو کر اس میدان میں کودتا ہے اور حرص اور غلط آرزو وغیرہ اس کو ان شرائط کے مان لینے پر آمادہ کر دیتی ہے جنہیں نہ شہری زندگی کی تعمیر میں اور نہ باہمی امداد و تعاون میں دخل ہے۔ ہارنے والا اگر ہارنے کے بعد خاموش ہوتا ہے تو اس کی یہ خاموشی غصہ اور ایسی ناکامی و نامرادی کی چنگاریوں پر ہوتی ہے جن میں وہ بالارادہ گیا تھا۔ یوں ہی جیتنے والا اپنی جیت سے لذت اندوز ہوتا ہے اور اس کا کاروبار اور اس کی چھوٹی مقدار بڑی مقدار کو دعوت دیتی ہے اور اس کو حرص اس فعل سے باز کرنے کی اجازت نہیں دیتی بالآخر کچھ ہی دنوں کے بعد اس کا تاوان خود ہی اس کے سر پر مسلط ہو جاتا ہے''۔

''اگر کسی ملک کے باشندوں میں لین دین کی اس عادت بد کا رواج پیدا ہو جاتا ہے تو بالآخر اس کا نتیجہ ملک کی دولت عامہ کے نظام میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور باہم ایک طویل جھگڑوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور حصول معاش کے جو صحیح اور مطلوب ذرائع ہیں ان کے دروازے بند ہونے لگتے ہیں لوگ باہمی امداد و اعانت سے پہلے بے پرواہ ہو جاتے ہیں جس پر تمدن کی بنیاد قائم ہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''دوسروں کی خبر سے خود معائنہ اور مشاہدہ تمہیں بے نیاز کر سکتا ہے۔ آخر جواریوں میں تم نے ان امور کے سوا جن کا میں نے ذکر کیا ہے کبھی کسی اور چیز کا بھی مشاہدہ کیا ہے؟''

بہر حال ملک کی معاشی قوتوں کا ایک بڑا حصہ موجودہ نظام معیشت میں قمار کے ذریعے ضائع ہو جاتا ہے اس لیے اسلام نے صرف قمار کی حقیقی شکلوں کو نہیں بلکہ جن معاملات میں تھوڑا بہت بھی قماری رنگ پایا جاتا ہے جیسے سٹہ مسئلہ وغیرہ، ان کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس باب میں یورپ نے اسلام کے قانون سے باغی ہو کر اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کیا ہے اور کر رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے کتنے واقعات قمار بازی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے اکیلے انگلستان (England) سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضے سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ پہنچتی ہے یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک اور ایک چھوٹے سے رقبہ کے متعلق تھا اور وہ بھی جنگ عظیم سے قبل کا یورپ کہ کل ملکوں اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کیلئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے۔ رہیں قانون وقت کی ناکام کوششیں تو انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن (Encyblopeadia of Religion) کے اسی مقالہ میں ہے کہ قانون اس میں کمی پیدا کرنے کی اپنی والی سب ہی کوششیں کر رہا ہے بجز اسے قطعی ممنوع کرنے کی ناممکن کوشش کے۔ یہ حوصلہ اسلام ہی کا تھا کہ اس نے عقلائے فرنگ کی اس ناممکن کوشش کو اپنی حدود میں ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ بنا کر دکھا دیا۔ (۳۲)

خلاصہ یہ کہ اسلام کے معاشی نظام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لئے مطلق کوئی گنجائش نہیں جو صریح قمار اور جواہوں یا ان کی تہہ میں مالی بڑھوتری کا وہی جذبہ کارفرما ہو جو قمار میں پایا جاتا ہے اور اگر اقتصادی، معاشی اور اخلاقی ماہرین سے اس بارہ میں دریافت کیا جائے تو وہ بھی کسی اختلاف کے بغیر متفقہ طور پر یہی رائے دیں گے بلکہ یہ رائے دے چکے ہیں کہ ''قمار'' کی قسم کے تمام معاملات ہماری اجتماعی زندگی اور ہماری سوسائٹی کے لیے تباہ کن ہیں۔ احتکار کی یہ دوسری قسم ہے جو اس لیے اسلام نے ناجائز اور ممنوع قرار دی ہے کہ اس میں بھی دولت اور سرمایہ کو بعض افراد یا گروہ میں سمٹا دیا جاتا ہے اور ایک فریق تباہ و برباد ہو جاتا ہے جب کہ دوسرا مال برھوتری کے باعث عیش و عشرت میں مبتلا ہو جاتا ہے اس میں گھوڑوں کی ریسیں، سٹہ، لاٹری اور اس قسم کی جوئے کی سب قسمیں شامل ہیں۔

موجودہ زمانے میں ہر قسم کی لاٹری بھی قمار میں داخل ہے جس کی سینکڑوں صورتیں بازاروں اور کارخانوں میں رائج ہیں۔ آج کل وباء کی طرح قمار کی ایک صورت معمول کی شکل میں عام ہوگئی ہے جو حل معمہ کے عنوان سے بہت سے اخبارات اور ماہوار رسالوں کا بہت بڑا کاروبار ہے معمہ کی مختلف صورتیں لکھ کر اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کا کوئی حل کر کے روانہ کرے اور اس کے ساتھ اتنی فیس روانہ کرے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان میں انعام اس شخص کو دیا جائے گا جس کا نام لاٹری یا قرعہ اندازی کے ذریعے نکل آئے۔ یہ قمار کی ایک صورت ہے اور شرعی طور پر ناجائز ہے۔

بعض شہروں میں بچے بادام، اخروٹ یا کانچ کی گولیاں وغیرہ سے ہار جیت کرتے ہیں اور اس پر شرطیں لگاتے ہیں۔ یہ بھی قمار وغیرہ میں داخل ہے آج کل تو ہر شے پر یہاں تک کہ کرکٹ اور دوسرے کھیلوں پر بھی شرطیں لگائی جاتی ہیں یہاں تک کہ بعض شہروں میں کنکوئے اڑا کر پیسوں کی ہار جیت کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ اس طرح سٹہ بازی کا سارا کاروبار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قمار ہی ہے اور قرآن کی نص کے مطابق حرام ہے۔ اس کاروبار میں کسی قسم کی اعانت بھی حرام ہے۔ بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا نام دے کر جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس کی مروجہ صورتیں جتنی ہمارے علم میں ہیں سود اور قمار سے خالی نہیں اس لیے حرام ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

۱. تیسیر الباری، ج:۲،ص:۲۲۶

۲. صحیح بخاری: باب عرض الشفعه علی صاحبها قبل البیع

۳. صحیح بخاری، کتاب المکاتب

۴. نیل الاوطار،ج:۸،ص:۲۰۱

۵. فتاویٰ نذیریہ،ج:۲،ص:۱۶۲. الروضة الندیه،ج:۲،ص:۸۹. فتاویٰ اهل حدیث ،ج:۲،ص:۲۶۳،۲۶۴

۶. فتاوی اسلامیة،ج۲،ص:۳۳۵

۷. موسوعة القضایا الفقهیة المعاصرة والاقتصاد الاسلامی للدکتور علی احمد سالوس

۸. ایضاً

۹. سلسلة الاحادیث الصحیحة،ج:۵

۱۰. ایضاً،

۱۱. سنن ابی داؤد: کتاب البیوع: باب فی الرخصة فی ذلک

۱۲. ترمذی: کتاب البیوع، باب ما جاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة

۱۳. مسند احمد بن حنبل،ج:۸،ص:۳۸۳

۱۴. مصنف ابن ابی شیبه،ج:۵،ص:۵۴

۱۵. تفسیر طبری

۱۶. احکام القرآن

۱۷. التفسیر الکبیر

۱۸۔ حکمت قرآن: جنوری ۱۹۹۲ء،ص:۱۴

۱۹۔ ماہنامہ حکمت قرآن: جنوری ۱۹۹۲ء،ص:۱۶

۲۰. تحفه الاحوذی

۲۱. مجموع فتاوی،ج:۲۹،ص:۴۳۲

۲۲. بحوث فی الاقتصاد الاسلامی للدکتور علی القراه الداغی

۲۳. قمر الاقمار علی شرح المنار شیخ عبد الحکیم لکھنوی کا حاشیہ حقوق کی بحث کے شروع میں

۲۴. مذاکرات الحق واللمه،ص:36

۲۵. المدخل الی نظریة الالتزام فی الفقه ،ف:3،ص:10 اوراس کے بعد

۲۶. مسلم نمبر:3732

۲۷. ایضاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۸۔ سیرۃ النبی، ج:4،ص

۲۹۔ فوائد عثمانی،ص:43

۳۰۔ تفسیر ماجدی

۳۱۔ حجة البالغه ، ج:2،ص:103

۳۲۔ تفسیر ماجدی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چودھواں باب:

مسلم ریاست کی ذمہ داریاں

(Responsibilities of Muslim State)

ایک اسلامی ریاست کو مختلف قسم کی ذمہ داریاں نبھانی ہوتی ہیں اگر چہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت وجدت میں فرق آتا جاتا ہے تاہم کچھ فرائض ہر حکومت کو پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اسلامی ریاست بہت سے اختیارات (Powers) بھی استعمال کر سکتی ہے۔

معاشی ذمہ داریاں

(Economic Responsibilities)

ہم پہلے ریاست کی صرف ان ذمہ داریوں کا قدرے تفصیلی جائزہ لیں گے جو خالصتاً معاشی ہیں۔ یہ وظائف ان مالکانہ حقوق کے بالمقابل فرائض کی حیثیت رکھتے ہیں۔

1- کفالت عامہ (General Maintenance):

اس سے مراد یہ ہے کہ دارالاسلام کے حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اہتمام اس درجہ تک ہونا چاہئے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا' لباس' مکان اور علاج لازماً شامل ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ہر فرد کو ان ضروریات کی تکمیل کرنے والی اشیاء اور خدمات کی مطلوبہ یہ ضروری مقداریں بہم پہنچاتی رہے' بلا لحاظ اس کے کہ وہ خود اپنے مال سے' یا اپنی محنت کے ذریعے کسب مال کر کے' ان ضروریات کو پورا کر سکتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے عام حالات میں عام افراد ان ضروریات کو خود اپنے بل بوتے پر پورا کرتے رہیں گے۔ بقدر ضرورت مال نہ حاصل کر سکنے والے افراد کو اپنے خاندان یا عام افراد اجتماع سے اتنی مدد مل سکے گی کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو عارضی بے روزگاری' مرض' بڑھاپے یا کسی حادثہ کے سبب معذور ہو جانے کی حالت میں کارخانہ یا متعلقہ صنعت سے اتنا امدادی وظیفہ دلوانے کا اصول بنایا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ سماجی تحفظ (Social Security) کے ان انتظامات کو سامنے رکھتے ہوئے اس اصول کا منشاء یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی فرد ان انتظامات کے باوجود اس حال میں پایا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو بالآخر اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ فرد ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے درکار ہیں۔ ریاست کو ایسا نظم قائم کرنا پڑے گا کہ محروم افراد اپنی محرومی کا ثبوت فراہم کر کے' بآسانی اور بلا تاخیر اجتماعی خزانے سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکیں اور دارالاسلام کا کوئی باشندہ بھوکا' پیاسا' ننگا' بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریعت نے مسلم ریاست کو اپنے تمام شہریوں کا ولی (سرپرست) قرار دیا ہے۔ سرپرستی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الله و رسوله مولى من لا مولى له. (۱)

''جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست اللہ اور اس کا رسولؐ ہے۔''

السلطان ولى من لا ولى له. (۲)

''جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے۔''

2- ادائیگی قرض (Payment of Debt):

اس سرپرستی میں بنیادی ضروریات کے علاوہ بشرط گنجائش افراد کی دوسری ضروریات کے بجز بشرط گنجائش افراد کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہو جاتی ہے۔ فتوحات کے بعد جب بیت المال میں کافی مال آنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پا جائیں ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانے سے ادا کئے جائیں گے۔ فرمایا:

انا اولى بالمؤمنين من انفسهم فمن توفى و عليه دين فعلى قضاءُ. (۳)

''مجھ سے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔ پس جو مقروض وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔''

.....فلما فتح الله عليه الفتوح قال: انا اولى بالمؤمنين من انفسهم. فمن توفى من المؤمنين فترك دينًا فعلى قضاؤه ومن ترك مالاً فلورثته (۴)

''.....پھر جب اللہ نے آپؐ پر فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپؐ نے فرمایا: مجھ سے مسلمانوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔ لہٰذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہوگا۔''

نیز ملاحظہ ہو ابوداؤد: **كتاب الخراج والغنى والامارة' باب ارزق الذرية**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے انہیں اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ اس حقیقت پر خلافت راشدہ کی پوری تاریخ گواہ ہے۔

3- تکمیل ضروریات (Fulfilling Needs):

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا امیر المومنین کو کتنا خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس خطبہ سے بھی کیا جا سکتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد عوام کے سامنے دیا تھا۔

آپؓ نے فرمایا:

''مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کر دوں، جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعہ گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (حکمرانی کی یہ) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری چیز سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کر دوں اور (تمہاری خدمت کے لئے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا اور اگر میں اسے اپنا بنالوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے ذریعے میرا انجام خراب ہوگا (دنیا میں) کچھ عرصہ میں خوشی منالوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا۔ میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہوگا' نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔''

4- ذمہ داری کا احساس (Sense of Responsibility):

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی حکمران نے اسلامی ہدایات کو اپنا رہنما بنایا' اس نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور اس کا اعلان کیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو آپ کفالت عامہ کی ذمہ داری کی گراں باری محسوس کر کے رونے لگے:

ان کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ میں ایک بار آپ کے پاس گئی۔ آپ جائے نماز پر تھے اور آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر تھی۔ میں نے پوچھا کیا کوئی نئی بات ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا:

''میں نے پوری اُمت محمدیہ کی ذمہ داری لے لی ہے لہٰذا میں بھوکے فقیروں' بے سہارا مریضوں' مجاہدین' مظلوم اور ستم رسیدہ افراد' غریب الدیار قیدیوں' بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو بکثرت اہل وعیال والے ہیں مگر مالدار نہیں ہیں اور مختلف علاقوں میں بسنے والے اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں متفکر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے دن اللہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میری بات نہ ثابت ہو سکے گی۔ تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا۔''

نہ صرف یہ کہ آپ کو اپنی ان وسیع ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا بلکہ آپ نے واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ:

وما احد منكم تبلغني حاجةُ الا حرصت ان اسد من حاجته ما قدرت عليه(٥)

''تم میں سے جس کسی کی بھی کسی ضرورت کا علم مجھے ہوگا اس کی حاجت پوری کرنے کی میں حتی الامکان پوری کوشش کروں گا۔''

یہی اعلان آپ سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کر چکے تھے۔ فرمایا:

ومن اراد ان يسأل عن المال فليأتني فان الله جعلني خازنًا و قاسمًا (٦)

''اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے (اپنے مال کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنا دیا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

5- قحط میں مدد (Help in Famine):

اسلامی ریاست کے شہری اپنے حکمرانوں کی اس ذمہ داری سے واقف تھے اور وقت آنے پر ان کو اس فرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ بھی کرتے۔ اوپر ہم نے امیر معاویہؓ کے عہد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ ذیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ایک زبردست قحط پڑا تو عرب سے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ سے گفتگو کرنے کے لئے ایک آدمی کو منتخب کرلیا۔ اس شخص نے کہا: اے امیر المومنین ہم ایک شدید ضرورت کے سبب آپ کے پاس آئے ہیں۔ ہمارے جسم کی چربی سوکھ گئی کیونکہ اب ہڈیاں بھی میسر نہیں آتیں اور ہماری مشکل کا حل صرف بیت المال کے ذریعے ممکن ہے۔ اس مال کی حیثیت تین میں سے ایک ہوسکتی ہے یا تو یہ خدا کے لئے ہے' یا بندگان خدا کے لئے' یا آپ کے لئے۔ اگر یہ خدا کے لئے ہے تو خدا کو اس کی ضرورت نہیں' اگر بندگان خدا کے لئے ہے تو اسے انہیں دے دیجئے اور اگر آپ کا ہے تو صدقہ کے طور پر ہمیں دے دیجئے' اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا۔

یہ سن کر عمر بن عبدالعزیزؒ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور آپ نے فرمایا کہ اس کی حیثیت وہی ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے اور حکم دے دیا کہ ان لوگوں کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں۔'' (۷)

متعدد دوسرے مواقع پر یہ ہوا کہ کوئی ضرورت مند آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کی ضرورت معلوم کرنے کے بعد اسے پورا کرنے کا اہتمام کیا۔ (۸)

کفالت عامہ کے فریضہ کی عملاً انجام دہی کی متعدد مثالیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ملتی ہیں۔ جب آپ شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بڑے مؤثر انداز میں آپ کو یہ بتایا کہ عوام بھوک سے پریشان ہیں۔ آپ نے فوراً مقامی حکام کو حکم دیا کہ ہر مسلمان کے لئے بقدر کفایت غذائی اجناس فراہم کریں۔ (۹)

حضرت عمرؓ دن بھر ان کاموں میں مصروف اور پریشان رہتے۔ پھر راتوں میں رزاق مطلق اور رب العالمین کے حضور سجدہ ریز ہوکر دعائیں کرتے۔ آپ نے عام مسلمانوں کی مصیبت میں پوری طرح شریک ہونے کی خاطر گھی اور گوشت کا استعمال ترک کردیا تھا جس کی وجہ سے صحت خراب ہوگئی اور رنگ سیاہ پڑ گیا۔ (۱۰)

کفالت عامہ کی ذمہ داری کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر دارالاسلام کے حدود کے اندر کوئی جانور بھی بھوک سے مر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ کے حضور مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

لومات جمل ضياعًا على شط الفرات لخشيت ان يسئالني الله عنه (۱۱)

''اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ کفالت عامہ کی ذمہ داری میں علاج کو بھی داخل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سمجھتے تھے۔ جو حکمران جانوروں کے علاج کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو وہ انسانوں کے علاج کو بدرجہ اولیٰ اپنی ذمہ داری میں داخل سمجھے گا۔

6- ذمیوں سے سلوک:

کفالت عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہیں سمجھی جاتی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت کی تھی کہ ضرورت مند اہل ذمہ کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے:

''عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر کسی کے دروازہ پر ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا' ایک بوڑھا آدمی جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بازو کو ٹھونکا اور پوچھا: تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا: تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا؟ اس نے جواب دیا کہ بڑھاپے' ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ (راوی) کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے لا کر اسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو بلوایا اور ان سے کہا: اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ کیونکہ خدا کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔'' (۱۲)

شام کے سفر میں آپ کو راستہ میں کچھ عیسائی ملے جو جذام میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی معذوری کے پیش نظر ان کے لئے روزینہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ (۱۳)

7- تعلیمی بندوبست (Arrangement for Education):

ان دوسری ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت عام تعلیم کی ہے۔ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانے کا بھی اہتمام کرتی تھی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ لوگ لکھنا اور پڑھنا سیکھیں۔ آپؐ ہی کے حکم سے حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان (سریانی) لکھنا اور پڑھنا سیکھا تھا۔ (۱۴)

بدر کے موقع پر متعدد قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے۔ (۱۵)

صفہ کی اسلامی درسگاہ میں شریک ہونے والے قرآن کریم اور تعلیمات دین کے ساتھ لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے یہاں بعض لوگوں کو لکھنا بھی سکھایا تھا۔ (۱۶)

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت سعید بن العاصؓ کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا سکھائیں۔ (۱۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لئے معلم مقرر کئے تھے جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی:

''وضیف بن عطاء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مدینہ میں تین آدمی تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور عمر بن الخطاب ان میں سے ہر ایک کو پندرہ درہم ماہانہ دیا کرتے تھے۔'' (۱۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

8- معذور افراد کے لئے ملازم کی فراہمی:

ان آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کی طرف سے علم سکھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بعض دوسرے آثار سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ معذور افراد کو خادم بھی فراہم کئے جاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے شام میں نابینا افراد، فالج یا کسی دوسرے مزمن مرض کے سبب معذور افراد اور بے سہارا یتیم بچوں کی خدمت کے لئے سرکاری طور پر خادم فراہم کئے تھے۔ (۱۹)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ معذور افراد کو خادم فراہم کرنا بھی اسی اصول کے تحت آتا ہے جس اصول کے تحت بھوکے کو کھانا کھلانا۔ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ 18ھ کے شدید قحط کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سرکاری طور پر کھانا پکوا کر تمام ضرورت مند لوگوں کو کھلانے کا اہتمام کیا تھا اور اس انتظام کی نگرانی خود کرتے تھے۔ انہی دنوں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ:

عمر بن الخطاب مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپؓ ہاتھ میں لاٹھی لئے ان کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپؓ نے اس سے کہا: بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے جواب دیا: بندۂ خدا! وہ مشغول ہے۔ آپ آگے بڑھ گئے۔ دوبارہ وہاں سے گزرے تو پھر دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے اس سے پھر کہا: بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے کہا: بندۂ خدا وہ مشغول ہے..... اس نے تین بار یہی جواب دیا..... آپ نے پوچھا کہ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا (کہ داہنا ہاتھ) موتہ کی لڑائی میں کام آ گیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر عمرؓ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہے؟ تمہارا سر کون دھوتا ہے؟ کپڑے کون دھوتا ہے؟ فلاں اور فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لئے ایک ملازم منگوایا اور اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامان ضرورت بھی دلوائے۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے ساتھ آپ کا انتہائی مشفقانہ سلوک اور مسلمانوں کی بہبود کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ اہتمام دیکھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بلند آواز سے عمرؓ کے لئے اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ (۲۰)

9- مسافر خانوں کی تعمیر:

سواری کی شدید ضرورت ان مسافروں کو بھی پیش آتی ہے جو منزل سے پہلے تھک کر رہ جائیں۔ عالم مسافرت میں ان کو عارضی قیام کے لئے جگہ کی اور اکثر اوقات سامان غذا کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر اس کا انتظام کر دیا تھا کہ ایسے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے۔ (۲۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بھی حکام کو ایسے مسافر خانے بنوانے کا حکم دیا تھا جہاں مسافروں کو قیام و طعام مفت فراہم کیا جائے۔ (۲۲)

بعض آثار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر شادی شدہ افراد کو شادی کرنے کے لئے بیت المال سے مالی امداد دی جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کوفہ کے والی زید بن عبدالرحمٰن بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے ایسے لوگوں کی مدد کی جائے ''جنہوں نے شادی کی ہو اور ان کے پاس نقد نہ ہو۔'' (۲۳)

ان آثار و احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ محروم اہل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ بعض بنیادی ضروریات کی تکمیل لازمی ہے' مگر حتی الامکان دوسری اہم ضروریات کی طرف بھی توجہ کی جانی چاہئے۔ مسلمان حکمرانوں کے فرائض پر اظہار خیال کرنے والے متعدد مفکرین نے اس فرض کی صراحت کی ہے۔ جن مفکرین نے اسے 'فرائض امیر' کی فہرست میں نہیں داخل کیا ہے۔ مثلاً ماوردی اور ابو یعلیٰ ان کے پیش نظر غالباً یہ مفروضہ رہا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی تحصیل و تقسیم سے یہ مقصد بتمام و کمال حاصل ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں بنیادی اصول کو ابن حزم نے واضح کر دیا ہے:

''ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان (اہل حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے کہ وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اسی طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش' گرمی' دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔'' (۲۴)

10- لباس کی فراہمی:

منہاج کے شارح' شہاب الدین احمد الرملی اس بیان پر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ:

''کیا تکلیف دور کرنے (دفع ضرر) سے مراد اس مقدار کی فراہمی ہے جس سے سد رمق ہو جائے یا بقدر کفایت فراہمی مراد ہے؟''

اور اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ:

''اس بارے میں دو رائیں ہیں' جن میں صحیح رائے دوسری ہے۔ چنانچہ ایسا لباس فراہم کرنا ضروری ہے جس سے پورا بدن ڈھک سکے اور جو جاڑے اور گرمی کے حالات کے لئے موزوں ہو۔ نیز کھانے اور کپڑے کے ساتھ وہ چیزیں شامل ہیں جو اتنی ہی ضروری ہوں۔ مثلاً طبیب کا معاوضہ' دوا کی قیمت اور معذور کے لئے ملازم جیسا ظاہر ہے۔'' (۲۵)

یہ بات کہ وہ بنیادی ضروریات کیا ہیں جن کی تکمیل کا اہتمام ضروری ہے مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا آثار و احادیث کی روشنی میں طے کی جائے گی۔ غذا' لباس اور سر چھپانے کے لئے مکان ایسی ضروریات ہیں جن کی تکمیل نہ ہو تو آدمی کی جان چلی جانے کا اندیشہ ہے۔ لباس میں اوڑھنے اور بچھانے کے اس سامان کو بھی شامل سمجھنا چاہئے جو سردی سے بچاؤ کے لئے ناگزیر ہو۔ یہی حیثیت مریض کے لئے علاج کی ہے۔ چونکہ 'قیام حیات' شریعت کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ لہٰذا ان چار ضروریات کی تکمیل کو لازماً کفالت عامہ کے اصول میں شامل سمجھنا چاہئے۔

11- خدمت گزاری:

ان اہم ترین ضروریات کے علاوہ بعض اور ضروریات بھی ہیں جن کو اس فہرست میں شامل کرنے پر غور کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ بالا آثار میں معذور افراد کے لئے خادم فراہم کرنے کا ذکر آیا ہے۔ یہ ضرورت ایسی ہے کہ اگر معذور افراد اپنے خاندان والوں کے تعاون سے یا خود اپنے مال کے ذریعے خادم رکھ کر گزارا نہ کر سکتا ہو تو معاشرہ کو اس کی یہ ضرورت پوری کرنی چاہئے۔ کیونکہ اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو اس کے لئے زندگی گزارنا ممکن نہیں رہے گا۔ ہاتھ پاؤں سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معذور افراد' اندھے اور مزمن امراض میں مبتلا بے سہارا افراد کے لئے ایسے ادارے قائم ہونے چاہئیں جہاں ان کی خدمت اور دیکھ بھال کا اجتماعی طور پر انتظام ہو۔ ایسے ادارے معاشرہ میں افراد کے رضا کارانہ تعاون سے بھی قائم ہو سکتے ہیں اور ریاست کے زیر اہتمام بھی چلائے جا سکتے ہیں۔ بالآخر یہ ذمہ داری اسلامی ریاست کی ہوگی کہ ہر معذور فرد کو کوئی موزوں سہارا مل جائے۔

12- مناکحت:

قرآن کریم میں مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ معاشرہ میں جو لوگ مجرد ہوں ان کا نکاح کرنے کا اہتمام کیا جائے۔(1) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص پاکیزہ زندگی گزارنے کی خاطر نکاح کرنا چاہے اس کا حق ہے کہ اللہ اس کی مدد کرے:

''ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین (قسم کے آدمی) ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی مدد اللہ کے ذمہ ہے: خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا' مکاتب غلام جو ادا کرنا چاہتا ہو اور وہ نکاح کرنے کا مقصد پاکیزہ زندگی گزارنا ہو''۔(۲۶)

ان نصوص کی روشنی میں یہ بات بالکل مناسب ہے کہ اسلامی ریاست کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ایسے کی مالی امداد کرے جو سخت مشکلات کی وجہ سے شادی کرنے سے قاصر ہوں۔ لیکن اسے اسلامی ریاست کی ذمہ داری نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ لازماً ہر غیر شادی شدہ کو شادی کرنے کے لئے ضروری اخراجات کی تکمیل کے بقدر مال فراہم کرے۔ یہ ضرورت ایسی ہے جسے آدمی کچھ عرصہ مؤخر کر کے' اس دوران کسب معاش کر کے پوری کر سکتا ہے۔ البتہ مخصوص حالات میں ریاست کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا مناسب ہوگا کہ ایسے افراد کو سرکاری خزانہ سے قرض دے جسے وہ گنجائش ہونے پر واپس کر دیں۔

13- مضبوط دفاع (Strong Defence):

کسی ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ آج کل دفاعی قوت براہ راست صنعتی ترقی سے وابستہ ہے۔ محفوظ دفاعی پالیسی کا ایک مسلم اصول یہ ہے کہ ملک اہم دفاعی سامانوں کے لئے دوسرے ممالک' بالخصوص کسی دوسرے تہذیبی بلاک سے تعلق رکھنے والے ممالک کا محتاج نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جدید آلات حرب اور دفاعی سامان کسی ملک میں اسی وقت تیار کئے جا سکتے ہیں جب وہ صنعتی ترقی کے ایک اونچے معیار پر پہنچ چکا ہو۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ قرآن و سنت میں دار الاسلام کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ

﴿واعدوا لهم ماستطعتم من قوة.....﴾ (الانفال: 61)

''اور ان (دشمنوں) کے لئے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے' فراہم کر رکھو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کی مختلف فوجی تیاریوں' تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی مشق اور اسلحہ اور گھوڑے فراہم کر رکھنے پر صحابہ کرامؓ کو برابر ابھارتے رہتے تھے۔ آج کی فوجی تیاریاں اور قوت کے ذرائع مختلف ہیں۔ آج اسی حکم اور انہی ارشادات نبوی کا منشاء یہ ہے کہ زمانہ کے معیار کے مطابق فوجی تیاریاں کی جائیں اور دفاعی قوت پیدا کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے۔ چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی اور فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کے فروغ کے بغیر نہیں حاصل کیا جاسکتا اس لئے ان چیزوں کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے۔ (۲۷)

14- مجموعی پیداوار بڑھانا(To Increase total Product):

معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام فقر و فاقہ کے انسداد اور کفالت عامہ کی ذمہ داری کو بخوبی ادا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ قومی پیداوار میں اضافہ کی مؤثر تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو صرف موجودہ دولت کی از سر نو تقسیم کے ذریعے ملک کے ہر فرد کو ایک معقول معیار زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اس نکتہ پر غور کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ آج مسلمان ممالک، جن میں اسلامی ریاست کے قیام کا امکان ہے، معاشی طور پر پسماندہ اور کم ترقی یافتہ ہیں۔ ان کی قومی پیداوار کی موجودہ سطح ان کی بڑھتی ہوئی آبادیوں کے لئے ناکافی ہے اور وہ صرف یہ طریقہ اختیار کر کے کفالت عامہ کی ذمہ داری نہیں ادا کر سکتے کہ مالدار لوگوں سے ان کی دولت کا ایک حصہ لے کر اہل حاجت کے درمیان تقسیم کر دیں۔

ہمارے رفقاء اور معتزلہ سب اس اصول پر متفق ہیں کہ جس چیز کے بغیر واجب کی پوری تعمیل ممکن نہ ہو اور وہ چیز مکلف کے بس میں ہو تو وہ چیز بھی واجب ہے۔ (۲۸)

ان مالا یتم الواجب الا به واجب مثله (۲۹)

جس کام کے بغیر واجب کی تکمیل ممکن نہ ہو وہ کام بھی اسی کی طرح واجب ہے۔

وما لایتم الواجب الا به فهو واجب (۳۰)

15- فروغ صنعت(Promotion of Industry):

دور جدید کی ایک اسلامی ریاست اپنی تہذیبی انفرادیت کو بھی اسی وقت برقرار رکھ سکتی ہے جب وہ صنعتی طور پر غیر مسلم دنیا سے بڑی حد تک بے نیاز ہو جائے اور کم از کم ضروری سامان زندگی کے لئے ان ممالک کی محتاج نہ ہو۔ جو ممالک صنعتی طور پر دوسرے ملکوں پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں وہ تہذیبی طور پر بھی ان کا اثر قبول کرنے لگتے ہیں۔ اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ آج اسلامی ممالک کی صنعتی پسماندگی اور مغرب کی محتاجی ان پر مغربی تہذیب کے اثر اور مغربی غلبہ و استیلاء کا ایک اہم سبب ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے سامنے صرف یہی مقصد نہ ہوگا کہ وہ تہذیبی طور پر ممتاز اور اجنبی تہذیبوں کے اثرات سے محفوظ رہے بلکہ اسے تہذیب اور نظریہ کے میدان میں ایک فعال داعیانہ کردار اختیار کرنا ہے۔ داعی کی حیثیت دینے والے کی ہونی چاہئے نہ کہ دست سوال دراز کرنے والے کی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب دارالاسلام صنعتی ترقی کے میدان میں اگر دوسرے ملکوں سے آگے نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہ ہو۔

قرن اول کی اسلامی ریاست نے موقع پڑنے پر غیر مسلم دنیا کی تالیف قلب کے لئے اس کو مالی اور مادی امداد بھی دی ہے۔ کیونکہ تالیف قلب اسلام کے داعیانہ پروگرام کا ایک مستقل جز ہے۔ اس طرح کے متعدد انفرادی عطیہ کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ سے پہلے) مکہ میں قحط کے زمانہ میں پانچ سو اشرفی نقد اور ضروری اجناس بھیج کر اہل مکہ کی مدد کی تھی۔

آج جبکہ تہذیبی کشمکش اور نظریاتی جنگ میں بیرونی امداد اور بین الاقوامی معاشی تعاون کو ایک اہم مقام حاصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو چکا ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے پاس اتنے وسائل ہونے چاہئیں کہ وہ اپنی دعوت کے لئے راہ ہموار کرنے کی خاطر ان ذرائع کو استعمال کر سکے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب دارالاسلام معاشی طور پر ترقی یافتہ ہو۔

16- ترقی (Development):

یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام کرے۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب امر کو مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن خیر خواہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ریاست ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے لئے مناسب اقدامات کرے۔ شریعت کا منشاء یہی ہے۔

17- زراعت:

سورۂ ہود کی آیت **هو الذی انشأکم من الارض واستعمرکم فیها** .....(ھود)(۳۱) کی تفسیر میں جصاص نے لکھا ہے کہ ''یعنی تم کو حسب ضرورت اس کے آباد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ زمین کو زراعت، باغبانی اور تعمیر مکانات کے لئے درست کرنا واجب ہے۔'' (۳۲)

18- رفاہیت وفلاحیت (Welfare and Falah):

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ایک حدیث فارسی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی خوشحالی کا اہتمام اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر منقول ہے جس میں وہ اپنے پروردگار عزوجل کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

''(انہوں نے) میرے ملکوں کو آباد کیا تو اس میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی۔'' (۳۳)

یاد رہے کہ مسلم مفکرین نے ملک کی خوشحالی کے اہتمام کو اسلامی ریاست کے صدر کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ماوردی نے امام کے فرائض گناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''امت کے حکمران پر سات ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں..... ان میں سے تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ (اپنے زیر حکومت) ممالک کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنا کر ان ممالک کو آباد و خوشحال رکھے۔'' (۳۴)

ماوردی نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ملک کو آباد و خوشحال رکھنے کی قدر و قیمت کیا تھی:

''ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل عجم کو برا کہا گیا تو آپؐ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا: ان کو برا نہ کہو کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے ملکوں کو آباد اور خوشحال بنایا تو ان میں اللہ کے بندوں نے زندگی گزاری۔'' (۳۵)

19- نہروں کی تعمیر (Construction of Canals):

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ملک کو خوشحال رکھنے اور ترقی دینے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ نے والئی مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کو لکھا تھا کہ مقوقس سے دریافت کریں کہ مصر کی خوشحالی اور بربادی کا انحصار کن عوامل پر ہے۔ آپ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں ایسی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کی تھی جن سے مصر کی خوشحالی میں اضافہ ہو۔ ایک زرعی معیشت میں سب سے زیادہ اہمیت آبپاشی کے لئے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہے۔ تجارت کے فروغ کے لئے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور فی الجملہ بہتر ذرائع نقل وحمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ مصر میں نہروں کی کھدائی' سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور دوسرے تعمیری کاموں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مزدور لگائے گئے تھے جو کدال اور پھاوڑے وغیرہ آلات کی مدد سے کام کرتے تھے۔ جاڑے اور گرمی ہر موسم میں یہ کام جاری رہتا تھا۔ (۳۶) مزدوروں کی اس تعداد سے تعمیری سرگرمیوں کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مصر اس وقت کی وسیع اسلامی مملکت کا صرف ایک صوبہ تھا۔

زمانہ قدیم میں دریائے نیل سے شہر فسطاط کے پاس سے ایک نہر نکال کر قصبہ قلزم کے پاس بحر قلزم سے ملائی گئی تھی۔ بعد میں یہ نہر اٹ گئی اور بند ہوگئی۔ عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر یہ نہر دوبارہ تعمیر کر دی جائے تو مصر اور حجاز کے درمیان بار برداری میں بہت سہولت ہو جائے گی۔ مصر سے غلہ اور دیگر اشیاء جلد اور کم خرچ میں حجاز لائی جاسکیں گی اور اس طرح دارالخلافہ مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ میں اشیاء کی گرانی ختم ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور آپ نے انہیں تاکید کی کہ اس پر جلد از جلد عمل کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کو عام الرمادہ میں مدینہ بلکہ پورے حجاز میں زبردست غذائی قلت کا سامنا ہو چکا تھا۔ آپ نے یہ رائے قائم کی کہ اس نہر کی تعمیر کے بعد دوبارہ ایسی صورت حال نہ رونما ہوگی۔ عمرو بن العاصؓ نے چھ ماہ مسلسل کام کروا کے وہ نہر تعمیر کرادی اور پانی کے راستہ سے مصر کے زرخیز علاقوں اور حجاز کے درمیان آمد ورفت شروع ہوگئی۔ اس نہر کا نام نہر امیر المومنین پڑ گیا۔ (۳۷)

20- شہر بسائی (Urbanization):

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ریاست کے زیر اہتمام متعدد بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔ ان اک محل وقوع اور ان کی آبادی کا منصوبہ مقامی حکام خلیفہ کے مشورہ سے طے کرتے تھے۔ کوفہ' بصرہ' موصل' جیزہ اور مصر میں فسطاط جیسے شہر اسی طور پر آباد ہوئے۔ قرن اول کی معیشت' زراعت اور تجارت پر مبنی تھی۔ ایک زرعی اور تجارتی معیشت کے لئے نہروں کی تعمیر' سیلاب کی روک تھام' سڑکوں کی تعمیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ مرکزی شہروں کی آبادکاری معاشی تعمیر وترقی کے لئے جو اہمیت رکھتی ہے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

21- کاوش میں مدد (Help for Struggle):

اسلامی ریاست اپنے افراد کی پیداآور جدوجہد کی ہمت افزائی بھی کرتی تھی اور اس سلسلہ میں ان کے ساتھ تعاون کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے افراد کی سرگرمیوں پر مسرت کا اظہار کرتے تھے جو کوئی نیا پیداآور کام شروع کریں جس میں ملک کی بہبود مضمر ہو۔

نافع بن حارث نے بصرہ کے قریب شط العرب کے ایک میدان میں گھوڑے پالنے اور ان کی نسل کشی کا کام شروع کیا تھا۔ انہوں نے ان گھوڑوں کے لئے چارے کی کاشت شروع کی۔ لیکن وہ زمین غالباً ریاست کی ملکیت تھی لہٰذا انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی وہ قطعہ زمین ان کو عطا کر دیا جائے۔ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور اس علاقہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! خدا کے بندہ عمر' امیر المومنین کی جانب سے مغیرہ بن شعبہ کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ بعدہ واضح ہو کہ ابوعبداللہ (۳۸) نے بتایا ہے کہ اس نے ابن غزوان (۳۹) کے دور امارت میں بصرہ (کے علاقہ) میں کاشت کی اور نسل کشی کے لئے گھوڑے پالے جبکہ بصرہ کے کسی دوسرے شخص نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس نے بہت اچھا کام سوچا۔ لہٰذا تم اس کی کاشت اور گھوڑے پالنے میں اس کی مدد کرو۔ کیونکہ میں نے اس کو کاشت کرنے کی اجازت دے دی ہے اور اسے اس کی وہ زمین دے دو جس پر اس نے کاشت کی ہے الا یہ کہ وہ عجمی باشندوں کی زمینوں میں سے کوئی زمین ہو جس پر خراج عائد ہو یا اس کی سینچائی کے لئے کسی ایسی زمین سے پانی لایا جاتا ہو۔ اس کے ساتھ اچھا ہی سلوک کرنا۔'' والسلام علیک ورحمۃ اللہ! (۴۰)

آپ مسلمانوں کی خیر خواہی کا تقاضا سمجھتے تھے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ مال دیا جائے اور انہیں مشورہ دیتے تھے کہ جو مال فوری ضروریات سے فاضل ہو اسے نفع آور کاروبار میں لگائیں تاکہ ہو آئندہ مستقل آمدنی کا ذریعہ بنے۔

22- مویشیوں کی خریداری:

''خالد بن عرفطۃ العذری عمرؓ کے پاس آئے تو عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ جہاں سے آرہے ہو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی عمروں میں سے کچھ مدت کم کر کے آپ کی عمر میں اضافہ کر دے۔ جس نے بھی قادسیہ (کے میدان جنگ) میں قدم رکھا تھا اس کا وظیفہ دو ہزار یا پندرہ سو (درہم سالانہ) ہے۔ ہر بچہ کے لئے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی پیدا ہوتے ہی سو (درہم) اور دو جریب (غلہ) ماہانہ مقرر ہو جاتا ہے۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ ان کا حق ہے میں اسے انہیں دے کر اپنا بھلا کر رہا ہوں۔ اگر یہ (میرے باپ) خطاب کا مال ہوتا تو تمہیں نہ دیا جاتا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مال ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر لوگ ایسا کرتے کہ جب کسی کو وظیفہ ملے تو اس میں سے کچھ بھیڑ بکریاں خرید کر اپنے (زرخیز زرعی) علاقہ میں چھوڑ دے۔ پھر جب دوسرے سال کا وظیفہ ملے تو ایک یا دو غلام خرید کر ان کو بھی اسی (علاقہ) میں (کام پر) لگا دے۔ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی باقی رہا تو اس طرح اس کے لئے ایک قابل اعتماد سہارا فراہم ہو جائے گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد کیا ہوگا۔ میں تو ان لوگوں کے ساتھ پوری خیر خواہی برتتا ہوں جن کے امور کا اللہ نے مجھے نگران بنا دیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ..... کہ جو اپنی رعیت کے ساتھ بدخواہی اور خیانت کرتا ہو امرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔'' (۴۱)

دوسرے خلیفہ راشد کے ان آیار سے یہ بات واضح ہے کہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر معاشی ترقی کے لئے اقدام مفید اور مطلوب ہے۔ اسلامی ریاست کو ایسے اقدامات کی نہ صرف ہمت افزائی کرنی چاہئے بلکہ ان پر ابھارنا چاہئے اور ایسے کاموں میں وسائل کی فراہمی کے ذریعے عملی تعاون بھی کرنا چاہئے۔

23- وسائل زندگی کی فراوانی:

اپنی رعایا کے لئے وسائل زندگی میں فراوانی چاہنا حضرت عمرؓ کی مالیاتی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ اس کا اعلان آپ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں فرما دیا تھا کہ مناصب حکومت پر تقرر کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ متعلقہ افراد کو رعایا کی معاشی خوشحالی کی فکر ہو:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''میں اپنی امانت (یعنی حکومت کے عہدے) ایسے افراد کے سپرد نہیں کروں گا جو اس کے اہل نہ ہوں۔ بلکہ ایسے افراد کے حوالے کروں گا جو مسلمانوں کے لئے فراوانی بہم پہنچانا چاہتے ہوں۔ دوسروں کی بہ نسبت ایسے افراد مسلمانوں کی حکمرانی کے زیادہ حقدار ہیں۔'' (۴۲)

24- افراط زر کو کنٹرول کرنا (Controlling Inflation):

خلفاء کو اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ اشیاء ضرورت کے نرخ ارزاں رہیں۔ چنانچہ وہ مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے رہتے تھے اور جب انہیں یہ خبر ملتی تھی کہ نرخ ارزاں ہیں تو اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ سلمہ بن قیس الحجی کا قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت کیا کہ اشیاء کے نرخ کیسے ہیں۔ قاصد نے جواب دیا کہ بہت ارزاں ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ گوشت کا نرخ کیا ہے کیونکہ یہی اہل عرب کا اصل سہارا ہے۔ قاصد نے آپ کو گائے اور بکری کے گوشت کے نرخ الگ الگ بتائے۔ (۴۳)

یہی طریقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رہا:

''موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے میں نے عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر پر بیٹھ کر..... جبکہ مؤذن نماز کے لئے اقامت کہہ رہا تھا' لوگوں سے ان کے حالات اور اشیاء کے نرخ دریافت کرتے سنا ہے۔'' (۴۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی رعایا کی خوشحالی سے بڑی دلچسپی تھی۔ دور دراز سے ڈاک لے کر آنے والوں سے دریافت فرماتے تھے کہ ''کیا تم نے لوگوں کو شادی کی محفلیں اور دعوتیں منعقد کرتے دیکھا ہے۔ جس سے آپ کا مطلب ان کی خوشحالی کا اندازہ کرنا ہوتا تھا۔ (۴۵)

25- آبادکاری اراضی:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے والیوں کو تاکید کرتے تھے کہ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی تدابیر اختیار کریں۔ (۴۶) آپ نے عراق کے گورنر کو یہ بھی لکھا تھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے کاشت کاروں کو زرعی اغراض کے لئے قرض دیئے جائیں۔ (۴۷)

26- کھدائی وستھرائی (Digging and Cleaning):

امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید (170ھ تا 193ھ) کو مشورہ دیا تھا کہ:

''میرے رائے میں آپ خراج کے افسران کو ہدایت کر دیں کہ جب ان کی عملداری کے کچھ لوگ ان کے پاس آ کر یہ بتائیں کہ ان کے علاقہ میں بہت سی قدیمی نہریں ہیں جو اب ناکارہ ہو گئی ہیں اور بہت سی زمینیں زیر آب آ گئی ہیں اور اگر ان نہروں کو درست کرا دیا جائے اور ان کی کھدائی کر کے ان میں پانی جاری کرا دیا جائے تو یہ ناکارہ زمینیں آباد کر لی جائیں گی اور اس طرح خراج کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے گا تو اس کی اطلاع آپ کو لکھ بھیجی جائے۔ پھر آپ کسی معتمد علیہ' امانت دار' صاحب صلاح وتقویٰ آدمی کو اس بارہ میں جائزہ لینے کے لئے بھیجیں۔ یہ آدمی اس علاقہ کے ثقہ' واقف کار اور صاحب بصیرت لوگوں سے معلومات حاصل کرے اور اس علاقہ کے باہر کے تجربہ کار اور صاحب رائے افراد سے بھی مشورہ کرے۔ یہ افراد ایسے ہوں جو خود اس کام کے ذریعے کوئی نفع حاصل کرنے یا اپنے کسی نقصان کی تلافی کے متمنی نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ اگر سب کی رائے یہی ہو کہ اس اسکیم کو زیر عمل لانے میں ملک کا فائدہ ہے اور خراج کی آمدنی میں اضافہ کی توقع ہے تو آپ ان نہروں کی کھدائی کا حکم دے دیجئے اور اس کے سارے مصارف کا بار بیت المال پر ڈالئے۔ ان اخراجات کا بار اس علاقہ کے باشندوں پر نہ ڈالئے۔ ان لوگوں کا آباد و خوشحال رہنا ان کے اجڑ جانے اور مفلس ہو کر ادائے خراج سے عاجز رہنے سے بہتر ہے۔ اپنی زمینوں اور نہروں کے سلسلہ میں اہل خراج کے ہر اس کا مطالبہ کو پورا کرنا چاہئے جس سے ان کے مفادات و مصالح کی ترویج ہوتی نظر آئے۔ بشرطیکہ اس اسکیم پر عمل کرنے سے گرد و پیش کے دوسرے گاؤں اور قصبات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ان کی تجویز پر عمل سے دوسروں کی پیداوار کم ہونے اور خراج کی آمدنی میں کمی ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو نہیں منظور کرنا چاہئے۔"

"باشندگان سواد (۴۸) کو اگر اپنی ان بڑی نہروں کی کھدائی اور صفائی کی ضرورت پیش آئے جو دجلہ اور فرات سے نکالی گئی ہیں تو آپ ان کی کھدائی اور صفائی کروا دیا کیجئے اور اس کے مصارف کا بار بیت المال اور اہل خراج دونوں پر ڈالئے۔ لیکن سارا بار اہل خراج پر ڈال دینا صحیح نہ ہوگا....."

"دجلہ اور فرات اور دوسرے بڑے دریاؤں پر گھاٹ یا پانی کے نکاس کی جگہوں کی تعمیر اور مرمت پر آنے والے مصارف کا پورا بار بیت المال پر ڈالا جائے۔ اہل خراج پر اس سلسلہ میں کوئی بار نہ ڈالا جائے کیونکہ یہ سارے مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے کام ہیں اور ان کے مصالح کا تحفظ تمام تر امام کی ذمہ داری ہے۔" (۴۹)

تیس برس بعد ایک دوسرے مصنف نے خلیفہ معتصم باللہ (218ھ تا 227ھ) کی رہنمائی کے لئے لکھا کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ:

"اپنے ممالک کی خوشحالی، باشندوں کے لئے اشیاء کے نرخ اور ان کی غذائی ضرورت کی چیزوں کے حالات پر نگاہ رکھے..... اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل ہو کہ عوام کی بھلائی میں اضافہ ہو اور سب کو اس کے کرم سے فائدہ پہنچے۔" (۵۰)

اور یہ کہ:

"عدل کے کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ ممالک کی خوشحالی کا اہتمام کیا جائے دو طرح کے علاقے میں: زرعی علاقے اور بڑی شہری آبادیاں۔

خلق خدا کے مصالح اور ان کی زندگی کا قیام زرعی علاقوں سے وابستہ ہے اور ان علاقوں کے سلسلہ میں امام پر تین حقوق واجب ہیں۔

پانی کے ذخیروں کو درست حالت میں رکھا جائے تاکہ دور اور نزدیک کے لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مزارعین کو ظلم اور مصیبت سے محفوظ رکھا جائے تاکہ وہ زراعت ترک کر کے دوسرے کاموں میں نہ الجھ جائیں اور ان سے جو محاصل وصول کئے جائیں وہ حکم شریعت اور اصول انصاف کے مطابق وصول کئے جائیں تاکہ ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ اگر کسی معاملہ میں ان کی حق تلفی کی گئی یا ان کے ساتھ ظلم و جوز کا طریقہ اختیار کیا گیا تو خوشحالی کے بجائے اس کے برعکس صورت حال پیدا ہو جائے گی۔" (۵۱)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

27- درست تقسیم دولت (Just Distribution of Wealth):

قرآن وسنت اور خلافت راشدہ کے نظائر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں تقسیم دولت کے اندر جو تفاوت پایا جاتا ہو وہ کم ہو اور سماجی دولت کسی ایک طبقہ کے اندر مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔

مکی دور میں ہی مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ دولت مند افراد کے مال میں دولت سے محروم افراد اور ضرورت سے مجبور ہو کر دست سوال دراز کرنے والوں کا بھی حصہ ہے:

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (ذاریات:19)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے۔''

پھر مدنی دور میں جب بنونضیر نامی یہودی قبیلہ کو ان کی بدعہدی اور اسلام دشمنی کے سبب جلاوطن کیا گیا اور ان سے حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ حکم دیا گیا کہ یہ اموال ضرورت مندوں کے لئے ہیں۔ اس حکم کی مصلحت یہ بتائی گئی کہ سماج کے مال کو دولت مند افراد کے درمیان مرکوز نہیں ہونا چاہئے:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:7)

''ان آبادیوں کے جن اموال کو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ اس کے رسول اور رسول کے قرابت داروں نیز یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لئے مخصوص ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت تمہارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہ جائے۔''

اس آیت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ مال و دولت کو اغنیاء کے درمیان گردش کرتے رہ جانے سے روکنا اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک مقصد ہے۔ اسی آیت سے یہ بات بھی واضح ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے قانون زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مناسب اقدام بھی کئے جاسکتے ہیں۔

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور فئے کا مال آیا تو آپ نے اسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا اور چھوٹے بڑے، آزاد غلام، مرد اور عورت سب کو برابر حصہ دیا۔ جب بعض لوگوں نے آپ سے یہ کہا کہ خدمت اسلام اور اسلام لانے میں سبقت کی بنا پر بعض افراد کو بعض سے زیادہ حصہ دینا چاہئے تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ:

''تم نے جو سابقیت، اولیت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو میں اس سے بہت اچھی طرح واقف ہوں لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل ثناء کے ذمہ ہے۔ مگر یہ معاملہ معاش کا ہے۔ اس میں مساوات کا برتاؤ ترجیحی سلوک سے بہتر ہے۔'' (۵۲)

تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والی خلیج کو کم کرنے کے باقی دو طریقے جو عہد نبوی میں اختیار کئے گئے تھے عہد صدیقی میں بھی نافذ رہے۔ جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو ریاست نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کر کے ان کو اس حق کی ادائیگی پر مجبور کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس اصول کے مطابق عمل کی بڑی حکمت عملی وہ ہے جو عراق و شام کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کے فیصلہ کا باعث بنی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ بعض صحابہؓ کے اس مشورہ کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ یہ زمینیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں لیکن بعد میں جب آپ کی توجہ اس طریقے کے برے نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی تو آپ نے مزید غور کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیات فئے (سورۂ حشر 6 تا 10) کا ایسا فہم عطا کیا کہ آپ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور زمینوں کو سارے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

فئے کے مال کی تقسیم کے بارے میں ابتداً عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مساوی تقسیم کی اسی پالیسی پر عمل کیا جو حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کی تھی۔ (۵۳) لیکن 16ھ میں جب عراق و شام کی فتح سے بہت سا مال خمس اور فئے کے طور پر حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں کو اور اسلام کی نمایاں خدمت انجام دینے والوں کو عام افراد سے زیادہ حصے دیئے۔ جن افراد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں کئی قسم کے مصائب برداشت کئے تھے۔ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی اور مدینہ کے ابتدائی دور میں آپ کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جنگیں کی تھیں، ان کو آپ نے بعد میں ایمان والوں سے زیادہ حصہ کا مستحق قرار دیا۔ تقسیم فئے میں مساوی سلوک کی جگہ ترجیحی سلوک کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑی تھیں۔ ان کو ان لوگوں کے برابر حصے دیئے جائیں جنہوں نے ابتدا ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ کفار سے جنگ کی تھی۔

''فرمایا: جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تھی ان کو میں (تقسیم فئے میں) ان کے برابر نہیں کر سکتا جنہوں نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی۔'' (۵۴)

اس نئے طریق کار کے حق میں جو سیاسی، معاشرتی، نفسیاتی، دینی اور معاشی دلائل دیئے جا سکتے ہیں، وہ واضح ہیں۔ لیکن معاشی طور پر اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ سماج کے اندر تقسیم دولت میں مزید ناہمواری پیدا ہو۔ چنانچہ آٹھ سال تک (۵۵) اس پالیسی پر عمل کے بعد اپنے دور خلافت کے آخری سال میں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پھر تبدیل کی اور آئندہ تقسیم فئے میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر کیا:

''زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر میں ایک سال اور زندہ رہا تو (فئے میں حصے کے اعتبار سے) سب سے نیچے کے لوگوں کو سب سے اوپر کے لوگوں کے مساوی کر دوں گا۔'' (۵۶)

کتاب الخراج کی روایت زیادہ واضح ہے:

''(راوی کہتا ہے کہ) جب آپ نے یہ دیکھا کہ (فئے کا) مال بہت زیادہ آنے لگا ہے تو فرمایا: اگر میں آئندہ سال اس شب زندہ رہا تو (فئے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب کو برابر وظیفے ملنے لگیں۔ (راوی نے کہا کہ) آپ اس سے پہلے ہی انتقال فرما گئے، اللہ آپ پر رحم فرمائے۔'' (۵۷)

ان روایات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم فئے میں عدم مساوات برتنے کی پالیسی سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ واضح نہ ہو سکا کہ آپ نے یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کتاب الخراج کی مذکورہ بالا روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مال فئے کی کثرت اس فیصلہ کا سبب بنی تھی۔ لیکن ہمیں یہ توجیہہ کافی نہیں نظر آتی۔ سابقین اولین اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں کا امتیاز برقرار رکھنے کا جو مقصد حضرت عمر کے پیش نظر تھا وہ اسی وقت پورا ہو سکتا تھا جب مال فئے کی کثرت کے باوجود ان افراد کے حصے دوسرے افراد سے زیادہ رکھے جاتے۔ صرف مال فئے کی کثرت اس بات کے لئے کافی وجہ نہیں بن سکتی کہ ان کے امتیازی مقام کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سب کے حصوں میں اضافہ کر دیا جاتا اور ممتاز لوگوں کو پھر بھی عام افراد سے زیادہ حصے ملتے۔ مساوی تقسیم کے اس نئے فیصلہ کے لئے ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی ایسی مصلحت آئی ہو جس کو وہ ان مصالح پر ترجیح دینے لگے ہوں جو امتیازی سلوک اور غیر مساوی تقسیم کے وقت ان کے سامنے تھی اور آٹھ برس تک برابر سامنے رہی۔

ہمارے نزدیک یہ نئی مصلحت ان مفاسد کے ازالہ کی ضرورت تھی جو سماج کے اندر تقسیم دولت میں بڑھتے ہوئے تفاوت سے پیدا ہو رہے تھے یا آئندہ پیدا ہو سکتے تھے۔ امتیازی حصے کچھ لوگوں کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مال دار بنا رہے تھے۔ زیادہ مالدار لوگوں کے اندر معیار زندگی کو حد اعتدال سے زیادہ بلند کرنے' جائیدادیں خریدنے اور جہاد فی سبیل اللہ میں کچھ سستی کے رجحانات پیدا ہوتے دیکھ کر آپ کی بصیرت نے یہ پہچان لیا ہوگا کہ ان رجحانات کو غیر مساوی تقسیم سے مزید تقویت حاصل ہوگی۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ آٹھ سال تک امتیازی سلوک کرنے کے بعد اب آپ کے نزدیک اس طریقہ کو باقی رکھنا اتنا ضروری نہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ جن افراد کو آپ ممتاز کرنا چاہتے تھے ان کو اس طویل عرصہ میں خاصا موقع مل چکا تھا۔

نئے فیصلہ کے مطابق جن لوگوں کو پہلے زیادہ حصہ مل رہا تھا ان کے حصہ میں کمی نہیں ہوتی بلکہ جو لوگ پہلے کم حصہ پاتے تھے ان کے حصہ میں اتنا اضافہ پیش نظر تھا کہ سب کے حصے برابر ہو جائیں۔ ایسا کرنا اسی وجہ سے ممکن ہو سکا تھا کہ فئے کا مال اب پہلے سے زیادہ تھا۔ کتاب الخراج کی مذکورہ بالا توجیہہ ہمارے نزدیک فیصلہ کے صرف اس پہلو پر منطبق ہوتی ہے۔

ان پالیسیوں کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ کے اندر تقسیم دولت میں پایا جانے والا تفاوت بڑھنے لگا۔ متعدد اکابر صحابہؓ کو ان میں سے بعض پالیسیوں پر اعتراض تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں آپ نے ان حضرات سے یہ کہا تھا کہ اگر ان کی رائے آپ کی پالیسی کے خلاف ہے تو وہ اس کو تبدیل کرنے کے لئے اور بعض سابق عطیوں کو واپس لینے کے لئے تیار ہیں۔ (۵۸)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی ایماء سے آپ کی جانب سے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ تقسیم مال میں مساوات برتی جائے گی۔ (۵۹)

28- وظیفہ جات (Stipends):

ان کا بندوبست بھی بہت ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حکومت میں مال کی بہتات ہوگئی اور اعداد و شمار کے رجسٹر مرتب ہو گئے تو حکومت کے کارکنوں' گورنروں اور قاضیوں وغیرہ کے مشاہرے مقرر کر دیئے گئے اور مال اور خزانے جمع کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور مسلمانوں پر کاشتکاری و زمینداری ممنوع کر دی گئی اس لئے کہ ان کے اور ان کے اہل و عیال کے روزینے بیت المال سے مقرر کر دیئے گئے تھے بلکہ ان کے غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں کے بھی' اس سے مقصد یہ تھا کہ تمام قوم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عسکری بن جائے اور اس طرح وہ کوچ کے لئے چست و چالاک رہے کہ ان کے سفر کے سامنے نہ زمینداری مانع آئے نہ کاشتکاری' اور یہ کہ وہ بے محنت کی زندگی اور عیش و عشرت میں نہ پڑ جائے۔'' (۶۰)

خلافت اسلامیہ کی طرف سے چند جماعتوں کے لئے وظائف کا تقرر کیا جاتا ہے اور ابتداء دور خلافت فاروقی میں ''مہاجرین و انصار'' اسی فہرست میں شامل تھے اور بحرین سے مال کثیر آنے پر جو روزینے مقرر کئے گئے وہ اسی شعبہ سے متعلق تھے۔ (۶۱)

چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے اس بارہ میں مشورہ کیا ہے تو ولید بن ہشامؒ کے مطابق:

''اے امیر المومنین! میں شام رہ آیا ہوں میں نے وہاں کے بادشاہوں کے یہاں دیکھا ہے کہ انہوں نے رجسٹر بنا رکھے ہیں اور لشکریوں کو باقاعدہ درج رجسٹر کر رکھا ہے آپ بھی روزینہ کے لئے رجسٹر بنوائیں اور لشکریوں کے نام درج رجسٹر کریں' پس حضرت عمرؓ نے ان کی بات منظور کر لی۔'' (۶۲)

اس تقرر وظائف میں اگرچہ فوجی شعبہ کے علاوہ بھی بعض لوگوں کے نام پائے جاتے ہیں لیکن ابتداء میں ایسا رہا ہے مگر بعد میں ایک شعبہ کو دوسرے شعبہ سے کلیتاً ممتاز کر دیا گیا تھا۔

29- تقسیم کار (Division of Work):

سلطنت میں دو مختلف شعبے قائم کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ مسلم حکومت میں جوڈیشل اور ایگزیکٹو کے کارکنوں کے مشاہروں کا سسٹم دوسرے قدیم و جدید طرز ہائے حکومت کے سسٹم پر قائم نہیں کہ ان کی اساس و بنیاد دماغی اور تعلیمی استعدادات کا معیار قائم کر کے مقرر کی جائے اور اس طرح رضا کارانہ خدمات کو تجارتی (بزنس) سسٹم میں ڈھال دیا جائے۔ بلکہ ان کے لئے بھی حکومت کی جانب سے وظائف مقرر ہوتے ہیں اور ان کے تقرر میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے اول یہ کہ وہ اس مقدار میں ضرور ہو کہ ان کی اور ان کے اہل و عیال کی بخوبی کفالت کر سکے اور ان کو مجبوراً رشوت کی جانب مائل نہ ہونا پڑے' دوسرے یہ کہ عام طور پر ان میں یکسانیت ہو یہ نہ ہو کہ ایک اگر سو پا رہا ہے تو دوسرا ایک ہزار اور ان وظائف کے تقرر کا معاملہ امام اور اولی الامر کی صوابدید پر ہے۔

قاضی ابو یوسف عمال قضاۃ اور محکمہ ڈاک کے کارکنان کے وظائف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''اے ہارون الرشید تو قلمرو خلافت میں احکام بھیج دے کہ ہر شہر اور بستی میں عادل اور ثقہ لوگ چن کر ان کو ڈاک اور خبر رسانی کا محکمہ سپرد کیا جائے کیونکہ اگر عادل اور ثقہ کی خبر بھی قابل اعتماد نہ ہو گی تو اور کس کی خبر لائق وثوق ہو سکتی ہے اور ان کے لئے بیت المال سے روزینے مقرر کر۔'' (۶۳)

اور شاہ ولی اللہ یوں کہتے ہیں:

''پھر جبکہ امام تنہا یہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ صدقات' زکوٰۃ اور عشور کو خود وصول کرے اور ہر مقام کے جھگڑوں کو چکائے تو ضروری ہوا کہ وہ قاضیوں اور عاملوں کو ہر جگہ مقرر کرے اور جبکہ یہ مصالح عامہ اور ان کی خدمت گزاری پر لگا دیئے گئے تو یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ ان کی معاشی کفالت بیت المال کرے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسی طرح ایک ''تعلیم وتبلیغ'' کی خدمات سے متعلق ہے یعنی جو افراد امت قرآن عزیز' مسائل دین کی تعلیم اور تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اسلام نے تعلیم (دینی اور مفید تعلیم دنیوی) کو ہر فرد امت کے لئے ضروری قرار دیا ہے اس لئے وہ تعلیم وتعلم کے لئے عام سہولتیں پہنچانے کے لئے اس سلسلہ میں بھی وظائف کا تقرر ضروری قرار دیتا ہے اور دینی تعلیم میں اگرچہ معلمین کی خدمات لوجہ اللہ اور فی سبیل اللہ ہوتی ہیں؟؟ مگر جبکہ وہ اپنی کاروباری وقت کو ان پاک اور اہم مقاصد کے لئے وقف کر چکے ہیں تو حکومت اسلامی کا فرض ہے کہ ان کی اور ان کے اہل وعیال کی کفالت کرے تا کہ ان کو محروم المعیشت ہو کر اس مقدس سعی سے بے تعلق نہ ہو جانا پڑے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس شعبہ کا بہت بڑا اہتمام کیا اور معلمین ومبلغین کے وظائف مقرر کئے۔ ابن جوزیؒ نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے:

''حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ مؤذنوں' اماموں اور معلموں کو ماہانہ وظائف دیا کرتے تھے۔'' (۶۴)

اس کے علاوہ ایک شعبہ فقراء' مساکین اور محروم المعیشت افراد کے وظائف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس شعبہ کا مقصد یہ ہے کہ قلمرو خلافت کا ایک فرد بھی معیشت سے محروم نہ رہے یعنی جو اشخاص مزمن مرض' ضعف پیری' نقص اعضاء' یتیمی و بیوگی یا دوسرے اسباب کی بنا پر کسب معیشت سے معذور ہیں وہ افراد امت پر بار دوش نہ بن جائیں بلکہ حکومت ''بیت المال'' سے ان کے وظائف مقرر کر کے ان کے حق معیشت کو پورا کرے۔

30- تنگی معیشت کا تدارک:

اسلام میں فقراء کی تنگی معیشت کے انسداد کے لئے حکم دیا گیا ہے۔

''اور جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک قوم پیش کی گئی جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے جو چیتے کے سے کل کی طرح کا صوف یا عباء پہنے ہوئے تھے تلواریں حمائل تھیں اور ان میں زیادہ تر قبیلہ مضر کے لوگ تھے اور ان کے چہروں سے فاقہ کی حالت ظاہر تھی یہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے اور پھر باہر آ کر صحابہؓ کے سامنے سورۂ نساء اور سورۂ حشر کی آیات پڑھ کر سنائیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو وہ امیر وکبیر ہوں یا فقیر وصغیر' ایک انسان آدمؑ ہی سے پیدا کیا ہے اور اسلئے سب ہی بنی آدم ہیں اور یہ کہ انسان کو خدا سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا لے جا رہا ہے۔'' (۶۵)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اس قسم کے لوگوں کے حق خوراک سے متعلق تقرر وظائف میں یہ کیا کہ اچھی خوراک کے پابند آدمیوں کو بلا کر دو وقت کھانا کھلایا اور پھر اسی انداز سے ہر شخص کی خوراک کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔ (۶۶)

اور ایک روایت میں ہے:

''حضرت عمرؓ ایک ہاتھ میں پیمانہ (مد) لئے ہوئے تھے اور دوسرے ہاتھ میں پیمانہ (قسط) اور فرما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رہے تھے کہ میں نے ہر مسلمان کے لئے ہر مہینہ دو مد گیہوں اور دو قسط روغن زیتون اور دو قسط سرکہ مقرر کر دیا ہے تب ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کیا غلام کے لئے بھی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی۔''

حضرت عثمانؓ نے خیار نہدی کے ضعف پیری اور کثرت اہل وعیال کو دیکھ کر ان کے بچوں کی تعداد دریافت کرنے کے بعد ان کا اور ان کے بچوں کا جداگانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔(٦٧)

نیز یہ کہ ابتداء دور فاروقی میں فوجی اور غیر فوجی دونوں قسم کے وظائف کا خلط رہا ہے مگر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جدا جدا رجسٹروں میں درج کرا کر ممتاز کر دیا تھا اور والنٹیروں کا رجسٹر (دیوان) علیحدہ تھا اور فقراء اور صاحب حاجات کا جدا رجسٹر (دیوان) تھا چنانچہ ابوعبیدؒ نے کتاب الاموال میں اس فرق کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ فوجی وظائف کا تعلق زیادہ تر ''فی'' سے تھا اور فقراء اور صاحب حاجات کا ''زکوٰۃ' عشر' عشور اور دوسرے ہر قسم کے صدقات'' سے تھا۔(٦٨)

بہر طور بحث کا یہ نقطہ اسلامی حکومت کے اس جزء سے متعلق ہے جو ''مسلم'' کہلاتا ہے۔ رہا دوسرا جزء یعنی غیر مسلم (ذمی) سو اس کے متعلق بھی اسلام نے یہ تصریحات کی ہیں کہ بغیر جبر و اکراہ کے ''ذمی'' بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر برضا و رغبت جنگ میں حصہ لے تو اس پر سے جزیہ معاف ہو جائے گا اور مال غنیمت میں سے بھی اس کو معقول عطیہ دیا جائے گا اور اگر امام مناسب سمجھے تو اپنی صوابدید پر اس کا بھی فوجی وظیفہ مقرر کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں ''جزیہ اٹھا لینے کی تصریح'' ان معاہدہ میں موجود ہے جو خلفاء راشدین کے زمانہ میں ذمیوں سے کئے گئے ہیں۔ مثلاً فتح جرجان کے موقع پر معاہدہ میں یہ لکھا گیا۔

31-اعداد و شمار جمع کرنا(Collection of Data):

امور سلطنت کی انجام دہی کے لئے ملکی قدرتی و انسانی ذرائع سے استفادہ کرنے اور معاشی مسائل کو اپنے وسائل کے مطابق حل کرنے کی خاطر مستند اعداد و شمار کی افادیت روز روشن کی مانند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے دور حکمرانی میں کئی وسیلوں سے اعداد و شمار اکٹھے کروائے جاتے تھے اور ان کی روشنی میں معاشی فیصلے کئے جاتے تھے نیز پالیسی سازی انہی کے ذریعے ممکن بنائی جاتی تھی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اہمیت یوں بیان کی ہے:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ مال اب اس قدر بہتات کے ساتھ حاصل ہو رہا ہے کہ لوگوں کے لئے وسعت کے ساتھ کفایت کر سکتا ہے سو اگر لوگوں کی شمار کر کے ان کی تعداد کا احاطہ نہ کیا گیا تا کہ پانے والے اور نہ پانے والے کا صحیح حال معلوم ہو سکے تو مجھ کو خوف ہے کہ اس معاملہ میں انتشار نہ پیدا ہو جائے۔''(٦٩)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل کیا:

''اور لوگوں کی قبائل وار فہرست بنائی اور ان کے روزینے مقرر کئے۔''(٧٠)

اسی طرح خراج اور جزیہ کے سلسلہ میں مصر اور عراق کی مردم شماری کرائی گئی (٧١) اور غیر مسلموں (ذمیوں)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے روزینے مقرر کرنے کے لئے فہرستیں مرتب کرائیں۔(۷۲)

''اعداد وشمار'' کی اہمیت کے یہی وجوہ واسباب تھے جن کی بدولت تدوین دواوین کا افتتاح ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات میں سے اس کو شمار کیا گیا۔(۷۳)

ابتداء میں اعداد وشمار کے رجسٹروں کی ترتیب کا سبب یہ پیش آیا کہ بحرین کے گورنر کے پاس سے پانچ لاکھ درہم موصول ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو بڑی تعداد سمجھتے ہوئے مسجد میں اس پر محافظ مقرر کر دیئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے جو فارس وشام کے حالات سے واقف تھے' یہ مشورہ دیا کہ رجسٹروں کی ترتیب دی جائے جن میں لوگوں کے نام اور ان سے متعلق روزینہ کا تذکرہ ہو اور روزینہ کا معاملہ ماہوار ہو جائے۔

مسلمانوں کی فتوحات جب وسیع ہو گئیں اور انہوں نے بہت سے ملکوں پر قبضہ کر لیا اور دولت وثروت کا ذخیرہ بہت کافی جمع ہو گیا اور دوں کی عمرانی حدود بہت بڑھ گئیں اور خراج وجزیہ سے علاوہ علاوتی وغنیمت میں اس قدر اضافہ ہونے لگا کہ خلیفہ اور اعیان خلافت اس کے نظم وانتظام سے عاجز آنے لگے اور مستحقین مصارف اور تقسیم عطایا میں اصحاب عطیات کا احاطہ ناممکن ہو گیا اور تاوقتیکہ خاص قیودات اور معین ومرتب اصول پر ان کو مرتب نہ کیا جائے ان کی ترتیب دشوار ہو گئی تب حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس شوریٰ منعقد کی اور ان سے مشورہ کیا کہ کس طرح اہل مصارف کی مردم شماری کے اور محاصل کی تفصیلات کے رجسٹر مرتب کئے جائیں۔(۷۴)

مزید برآں کئی دیگر حوالہ جات (References) مردم شماری اور اعداد وشمار کی اہمیت پر کافی روشنی ڈالتے ہیں مگر افسوس کہ آج کل کے مسلم حکمرانوں کا ان کی افادیت کا احساس تک نہیں ہے۔ اسی لئے ان کی صحت مشکوک ہوتی ہے اور مثبت نتائج بھی برآمد نہیں ہوتے۔

32- ٹھوس منصوبہ بندی (Sound Planning):

ایک مثالی اسلامی ریاست کے لئے جامع اور دانشمندانہ منصوبہ کاری ایک مؤثر آلہ اور زوردار ہتھیار ہے۔ یہ کہ آئندہ چند برسوں میں کتنے تعلیمی ادارے کھولے جائیں گے کتنوں کو توسیع ملے گی۔ ذرائع نقل وحمل کہاں کہاں بچھائے جائیں گے۔ کتنے افراد کو روزگار دیا جائے گا۔ کتنے ڈیم وبجلی گھر بنیں گے۔ زراعت وصنعت کے لئے کتنے فنڈ مختص ہوں گے۔ بیرونی تجارت کی کیسی سمت ہوگی۔ کون سی اشیاء درآمد وبرآمد ہوں گی۔ نجی وحکومتی شعبہ کا دائرۂ کار کس طرح متعین ہو گا۔ سرکاری آمد وخرچ کا تناسب کیسا ہوگا۔ کتنے نئے وسائل خبر رسانی کا بندوبست ہوگا۔ قومی پیداوار کے بڑھنے کی شرح کتنی ہوگی۔ فی کس آمدنی کتنی بڑھے گی۔ نیز یہ کہ معیشت کو کیسے استحکام نصیب ہوگا۔ قدرتی وانسانی ذرائع سے زیادہ سے زیادہ کس طرح استفادہ کیا جا سکے گا۔ مزید برآں غربت سے چھٹکارا کس طرح حاصل ہوگا۔ اس کے علاوہ معاشی نظام میں کون سی تبدیلیاں لائی جائیں گی؟ ان تمام امور کا تعلق عقلمندانہ اور حکیمانہ منصوبہ بندی سے ہے۔

33- خلیفہ کے اخراجات:

اس کے لئے کئی شواہد دستیاب ہیں' کچھ یہ ہیں:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے خطبہ میں کہا یہ بات میری قوم بخوبی جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی کفالت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاجز نہیں ہے مگر اب میں مسلمانوں کے معاملات (خلافت) میں مشغول کر دیا گیا ہوں لہٰذا اب ابوبکرؓ کے اہل وعیال کی ''قوت لایموت'' بیت المال سے ملے گی اور ابوبکر مسلمانوں کی خدمت انجام دے گا۔'' (۷۵)

''اور حضرت عمر (ہر گورنر کو) اس کی ضروریات اور مقیم شہر کے حالات کے پیش نظر مشاہرہ دیا کرتے تھے۔'' (۷۶)

''حضرت عمرؓ نے اپنے ابتدائی عہد میں مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا: خلیفہ کے لئے اس (بیت المال) سے کس قدر لینا حلال ہے۔ سب نے باتفاق کہا اس کو صرف اپنی ضروریات اور اپنے عیال کی ضروریات کے لئے قوت لایموت لینا چاہئے جس میں کسی قسم کی کمی زیادتی نہ ہونے پائے اور اپنے لئے اور عیال کے لئے سردی اور گرمی کے کپڑے اور جہاد روزانہ کی ضرورت' نماز' حج اور عمرہ کے لئے دو سواری کے جانور اور مال غنیمت وغیرہ میں سب مسلمانوں کے برابر کا حصہ ہے اور بس!''

''حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھ کو تمہارے مال (بیت المال) میں اتنا ہی حق ہے جس قدر کہ یتیم کے ولی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں رفاہیت میں ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو دستور کے مطابق کھانے کے لئے لوں گا۔'' (۷۷)

صدیق اکبرؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو ایک روز وہ اپنے ہاتھ پر چند چادریں ڈالے ہوئے بازار جا رہے تھے' راہ میں حضرت عمرؓ ملے انہوں نے کہا کہ ''اولی الامر'' بننے کے بعد یہ تجارتی کاروبار کیسا؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ آخر میں اہل وعیال کی معاش کی کیا سبیل کروں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ چلئے ابوعبیدہؓ آپ کی ضروریات دیکھ کر بیت المال سے وظیفہ کی مقدار متعین کر دیں گے چنانچہ دونوں حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ آپ کو ایک عام مہاجر کو جو وظیفہ ملتا ہے وہی دیا جائے نہ زیادہ نہ کم اور گرمی جاڑے کے کپڑے۔

''پس دونوں (عمرؓ و ابوعبیدہؓ) نے ابوبکرؓ کے لئے روزانہ خوراک میں آدھی بکری اور اس قدر لباس کہ سر اور پیٹ کو ڈھک سکے' مقرر کر دیا۔'' (۷۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حوالہ جات

۱. ترمذی: ابواب الفرائض' باب ما جاء فی میراث المال

۲. ترمذی: ابواب النکاح' باب ما جاء لا نکاح الا بولی اور ابوداؤد: کتاب النکاح' باب الولی

۳. ابو عبید: کتاب الاموال

۴۔ بخاری: کتاب النفقات' باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلًا او ضیاعًا فاتی۔ یہی حدیث بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مسلم' ترمذی' ابوداؤد اور نسائی میں بھی آئی ہے۔

۵۔ ابن الحکم..... سیرت عمر بن عبدالعزیز

۶۔ ابن جوزی..... سیرت عمر بن الخطاب

۷. امام غزالی: التبر المسبوک فی نصائح الملوک' علی هامش سراج الملوک' لابی بکر محمد بن محمد ابن الولید انصری الطرطوشی المالکی

۸۔ ابن جوزی..... سیرت عمر بن عبدالعزیز

۹. ابو عبید..... کتاب الاموال

۱۰. محمد ابن سعد' الطبقات الکبریٰ' ج 3' طبری: تاریخ' حوادث 18ھ اور ابن کثیر: البدایہ والنہایہ' ج 7

۱۱. محمد ابن سعد: بحوالہ بالا' ص 305' تاریخ طبری: (حوادث 23ھ)

۱۲. ابو یوسف: کتاب الخراج

۱۳. بلاذری: فتوح البلدان

۱۴. ابوداؤد: کتاب العلم' باب روایت حدیث اهل الکتاب

۱۵. محمد ابن سعد: الطبقات الکبیر' ج 2

۱۶. ابوداؤد: کتاب البیوع' باب فی کسب المعلم

۱۷. ابن عبدالبر: الاستیعاب فی معرفة الصحابه' ج 1' دائرة المعارف

۱۸. کنز العمال: ج 2' بحواله مسند ابن ابی شیبه

۱۹۔ ابن جوزی: سیرت عمر بن عبدالعزیز

۲۰. امام محمد بن الحسن الشیبانی: کتاب الآثار' باب فضائل الصحابه و ..... حدیث نمبر 852

۲۱. ابن سعد: طبقات' ج3' طبری اور بلاذری: فتوح البلدان

۲۲. ابن اثیر: الکامل' ج 6

۲۳. ابن عبدالحکم: سیرة عمر بن عبدالعزیز' ابوعبید: کتاب الاموال

۲۴. ابن حزم: المحلی' ج 6

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۵. شہاب الدین احمد الرعلی: نہایہ المحتاج الیٰ شرح المنہاج' ج 6

۲۶. ابن ماجہ: ابواب العتق' باب المکاتب

۲۷. اتفق اصحابنا والمعتزلہ علی ان مالایتم الواجب الا بہ وھو..... مقدور للمکلف..... فھو واجب

۲۸. الآمدی: اصول الاحکام' ج 1

۲۹. قرطبی: احکام القرآن' ج 6

۳۰. ابن تیمیہ: السیاستہ الشرعیہ فی احوال الراعی والرعیتہ

۳۱. سرخسی: المبسوط' جلد1

۳۲. جصاص: احکام القرآن' ج 3

۳۳. سرخسی: المبسوط' ج 23. ملاحظہ ہو: ماوردی کی نقل کی ہوئی مذکورہ حدیث

۳۴. ابوالحسن علی بن محمد حبیب البصری الماوردی: ادب الدین والدنیا' مطبعۃ دارالکتب العربیۃ البکری' مصر

۳۵. .....ایضاً.....

۳۶. ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالحکم: فتوح' مصر

۳۷. ابن عبدالحکم: فتوح مصراورتقی الدین احمد بن علی ابن عبدالقادرابن محمد المقریزی: کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار

۳۸۔ نافع بن حارث کی کنیت

۳۹۔ عتبہ بن غزوان جومغیرہ بن شعبہ سے پہلے بصرہ کے گورنر تھے

۴۰. بلاذری: فتوح البلدان

۴۱. بلاذری: فتوح البلدان

۴۲. امام مالک

۴۳. طبری: تاریخ(حوادث 22ھ)

۴۴. مسند امام احمد' مسند عثمانؓ بن عفان' ج 2' نشر کردہ استاذ احمد محمد شاکر

۴۵. ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدنیوری: عیون الاخبار' ج3

۴۶. ابو یوسف: کتاب الخراج

۴۷. ابوعبید: کتاب الاموال

۴۸. دوآبہ دجلہ اور فرات کا زیریں حصہ

۴۹. ابو یوسف: کتاب الخراج

۵۰. شہاب الدین احمد ابن محمد بن ابی الربیع' باسلوک المالک فی تدبیر الممالک

۵۱. احمد بن ابی الربیع: سلوک المالک فی تدبیر الممالک

۵۲. ابویوسف..... کتاب الخراج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۳. ابو یوسف: کتاب الخراج

۵۴. .....ایضاً.....

۵۵. 16ھ سے 23ھ تک

۵۶. .....ایضاً.....

۵۷. ابو یوسف: کتاب الخراج

۵۸. طبری: تاریخ(حوادث 34ھ)

۵۹. احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری: انساب الاشراف' ج 5

۶۰. نظام العالم والامم ج 2. ماخوذ از کتاب الاموال لابی عبید و کتاب الخراج لابی یوسف

۶۱۔ بعض روایات سے ایک مخصوص ومحدود طرز کی زمینداری کا جواز ثابت ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے ممانعت ظاہر ہوتی ہے تو ان ہر دو قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت یہی ہے جو اس صفحہ پر درج ہے یعنی نفس جواز کے قبول کے ساتھ ساتھ اسلامی مرغوبات میں سے یہی بات ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے ظاہر ہے۔

۶۲. طبری' ج 5

۶۳. کتاب الخراج

۶۴. ایضاً.....

۶۵. مسلم کتاب الزکوٰۃ

۶۶. فتوح البلدان

۶۷. .....ایضاً.....

۶۸. .....ایضاً.....

۶۹. طبری..... ج 5

۷۰. ایضاً

۷۱. ایضاً

۷۲. کتاب الخراج

۷۳. اشہر مشاہیر الاسلام' ج 2

۷۴. ایضاً

۷۵. کتاب الاموال لالی عبید

۷۶. الاسلام والحضارۃ العربیہ' ج 2

۷۷. ایضاً

۷۸. اشہر مشاہر الاسلام' ج 1از ابن سعدِ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پندرھواں باب:

پاکستان کے اہم معاشی مسائل اور ان کا حل

پاکستان کے مالیاتی نظام کا تنقیدی جائزہ:

پاکستان مسلم مملکت ہے اسے اسلام کے نام پر تشکیل کیا گیا تھا اور آئین پاکستان میں مختلف شعبوں اور قوانین کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی دفعات (Sections) شامل کی گئی ہیں حتیٰ کہ قرارداد مقاصد (Objective Resolution) کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے۔

حکومت پاکستان نے اس ضمن میں معیشت کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے میں متعدد اقدامات اٹھائے۔ ان کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

مختلف کمیٹیوں، کمیشنوں اور اسلامی نظریاتی کونسل کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے گورنمنٹ نے ایک ایسا پروگرام مرتب کیا ہے جس کے تحت ان غیر اسلامی عناصر کا خاتمہ مرحلہ وار اقدامات سے کیا گیا ہے۔ یہ باب اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ قوم نے اس ضمن میں کیا کچھ حاصل کیا ہے اور حکومت نے کون کون سے اقدام کئے ہیں۔

پوری اسلامی تاریخ میں دنیا کے تمام مسلمانوں کی طرح مسلمانان پاکستان بھی ہمیشہ اسلامی جذبہ سے سرشار رہے ہیں۔ اگرچہ ایک اقلیتی مگر طاقتور اور مؤثر طبقہ جو دنیاوی امور سے زیادہ محبت رکھتا ہے اس کو موضوع نزاع بناتا ہے تاہم پاکستان کے سلیم العقل تمام شہری اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اسلامی جذبہ قیام پاکستان کا سبب بنا اور اب بھی صحیح اسلامی معاشرے کا قیام ہی سب سے بڑا مقصد ہے۔ علاوہ ازیں ایک عام آدمی اسلام کے بنیادی عقائد سے واقفیت حاصل کرنے کا خواہاں ہے اور اس پیچیدہ بحث سے اپنے آپ کو بالکل لاتعلق رکھنا چاہتا ہے جسے دانشور حضرات اپنے علمی زور یا تحقیق کے بل بوتے پر موجودہ حالات میں تبدیلی کی مخالفت کے لئے پیش کرتے رہے ہیں۔

دنیا کے سب مسلمانوں کی طرح پاکستانی مسلم بھی معاشی میدان میں حکومت سے صرف یہی چاہتے ہیں کہ سود کی لعنت کو ختم کیا جائے تاکہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ سکیں۔ یہ مطالبہ 1949ء کی قرارداد مقاصد میں بھی کیا گیا۔ 1951ء میں پہلے اور 1953ء میں اس کے بعد علماء نے بھی متفقہ طور پر اور پاکستان کے ہر دستور میں یہی مطالبہ دہرایا گیا۔ حکومت کے اسلامی معاشی پروگرام میں زکوٰۃ وعشر کے نظام کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سود کے خاتمے اور زکوٰۃ وعشر کے نفاذ کے علاوہ عوام کی یہ خواہش بھی رہی ہے کہ اسلامی روح کے مطابق ایک منصفانہ معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

1۔ خاتمہ سود (Abolition of Interest)

قوم کے مطالبات پر لبیک کہتے ہوئے صدر پاکستان نے 1977ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ سود سے پاک اور شرع اسلام کے مطابق معاشی نظام کا خاکہ تیار کرے۔ اس کے علاوہ گزشتہ کئی سالوں میں حکومت نے مختلف کمیٹیاں بھی قائم کیں جو بینکاری اور اقتصادیات وغیرہ کے ماہرین پر مشتمل تھیں۔ ان کمیٹیوں کا بنیادی مقصد موجودہ نظام کے مسائل کو حل کرنے کے لئے حکومت کو مشورے دینا تھا۔ ان ماہرین کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت نے معاشی نظام سے سود کے خاتمے کے لئے مرحلہ وار پروگرام ترتیب دیا۔

2۔ غیر سودی بنکاری کا طریق کار

(Non-Interest Banking Method)

جدید بنکاری کا ارتقاء بڑے لمبے عرصہ میں ہوا ہے۔ اس نظام بنکاری کا بنیادی ڈھانچہ (Structure) یہ تھا کہ بنک بہت سے لوگوں سے ان کی بچت کو اکٹھا کرتا اور ان لوگوں کو رقم فراہم کرتا جو سرمایہ کاری کرنے کے خواہاں تھے۔ بنک کی عدم موجودگی میں بچت کار اور سرمایہ کار کا باہمی رابطہ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ دراصل سود کا نظام اس مقصد کے حصول کو کم سے کم قیمت پر ممکن بناتا ہے۔ سودی طریقہ پر لین دین کا یہ نظام اس قدرتی خواہش پر قائم تھا کہ سودی ادارے اپنے اخراجات کو انتہائی کم رکھ سکیں۔ سودی بنکاری کے نظام کا طریقہ کار یہ ہے کہ بنک ایک جانب تو سرمایہ کار سے قرض کی رقم اور اس پر سود کے عوض کوئی شے رہن رکھ لیتا ہے اور دوسری جانب بچت کار کو یہ ضمانت مہیا کرتا ہے کہ اس کی رقم بمعہ سود ضرور واپس ملے گی۔ بنک جو سود سرمایہ کار سے وصول کرتا ہے اور بچت کار کو جو سود دیتا ہے اس میں جو فرق ہوتا ہے وہ بنک کے آمدنی ہوتی ہے اور یوں قرض داروں کے رہن اور بچت کاروں کو جاری کردہ ضمانتوں (جو کہ سودی کاروبار کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل ہیں) پر انحصار کرتے ہوئے بنک خطرات کو کم کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اس طریقہ کار پر عمل کے ذریعے سودی بنکاری کا نظام انتہائی کم لاگت پر قائم ہے۔

اسلامی بنکاری شرعی نقطۂ نظر سے افضل ترین طریقہ کار نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے اس میں بچت کاروں کی بچتیں قبول کرتے ہوئے کسی بھی قسم کی کوئی ضمانت جاری نہیں کرتے۔ درحقیقت بچت کاروں کو اس نظام کے تحت اس بات کے لئے تیار رہنا ہوگا کہ منڈی کی کیفیت ایسی بھی ہو سکتی ہے کہ ان کی بچت کا کچھ حصہ یا کل بچت نقصان کی نذر ہو جائے۔ دوسری جانب اسلامی بنک ان بچتوں کو ایسے سرمایہ کاروں کو فراہم کریں گے جو حلال منصوبوں کے لئے سرمایہ تلاش کر رہے ہوں۔ یہ سرمایہ نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر مہیا کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں ایک طرف تو یہ بات واضح اور پہلے سے تعین ہوگی کہ وہ متوقع نفع ونقصان میں کس نسبت سے شریک ہوں گے۔

اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی سرمایہ کاری اتنی آسانی سے وقوع پذیر نہیں ہو سکتی جس طرح جدید سودی نظام کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی طریقہ پر قرضہ حاصل کرنے کے لئے چند ایک ایسے حقائق مہیا کرنا پڑتے ہیں جن کی فراہمی نہ تو سودی نظام بنکاری کے لئے ضروری ہے اور نہ ہی یہ نظام آسانی سے مہیا کر سکتا ہے۔

اول..... یہ کہ اسلامی بنک کو بچت کار کے ساتھ باہمی مفاہمت کی ایسی فضا قائم کرنا ہوگی کہ باوجود یکہ اسے اس کی اصل رقم کی واپسی کی بھی ضمانت نہیں دی جا رہی، پھر بھی وہ اپنی بچت بنک کے سپرد کر دے۔

دوئم..... یہ کہ اسلامی بنک کسی سرمایہ کار کو سرمایہ محض اس بنیاد پر فراہم نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس رہن رکھوانے کے لئے کچھ موجود ہے۔ اسلامی بنک کو سرمایہ کار کے ساتھ ایک شریک کی حیثیت سے شامل ہونا پڑے گا، اگرچہ یہ شراکت ختم بھی ہو سکتی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بنک کو سرمایہ کار کے منصوبہ کی گہری جانچ پڑتال کرنا پڑے گی اور اس کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی منصوبہ سے متعلق تمام خطرات کا پیشگی صحیح اندازہ لگانا ہوگا کیونکہ نفع کی بنیاد خطرات کو مول لینے پر ہے۔ علاوہ ازیں اس نظام کے ہر دو جانب امانت داری' دیانت داری اور باہمی اعتماد جس قدر ضروری ہیں وہ موجودہ سودی نظام کے لئے اتنے اہم نہیں۔

3۔ مشکلات (Difficulties):

ملکی بنکاروں اور مالی اداروں کو نیا اسلامی نظام اپنانے کے لئے ان مسائل اور مشکلات کا سامنا ہے:

(1) کاروباری افراد کا غیر دیانت دارانہ رویہ
(2) معیشت کے کئی شعبوں میں حساب کتاب رکھنے کا فقدان
(3) نفع کی غیر معیاری تعریفات و توجیہات
(4) خود بنکوں اور مالی اداروں کی جانچ پڑتال اور دیکھ بھال کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرنے میں ناتجربہ کاری اور نااہلیت
(5) نفع کمانے کا حرص و لالچ
(6) مستند اعداد و شمار حاصل کرنے میں دقت
(7) دیگر فرموں اور تنظیموں کی ناتجربہ کاری
(8) ماہرین کی قلت
(9) عوام کی بے حسی
(10) دینی علماء کا عدم تعاون
(11) مرکزی بنک کا غیر مؤثر کنٹرول
(12) مفکرین اور معیشت دانوں کی عدم دلچسپی
(13) قانونی و آئینی رکاوٹیں
(14) سرکاری سطح پر ٹھوس اور جامع پالیسی کا وضع نہ کیا جانا
(15) حکومت کی غیر مخلصانہ اور نیم دلانہ کوشش
(16) ساری معیشت' سیاست اور معاشرت میں بنیادی تبدیلیوں کا فقدان
(17) دوسرے ملکوں کی خفیہ مخالفت

4۔ غیر سودی سرمایہ کاری کے بارہ ذرائع یا طریقے

(Financing Modes)

26 جون 1980ء کو پاکستان کے مالیاتی اور کارپوریٹ کے نظام میں ترمیم کر کے مضاربہ اور شراکتی میعادی سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے بعد بنک دولت پاکستان نے مختلف قسم کے مالیاتی طریقے متعارف کروائے۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان نے غیر سودی سرمایہ کاری کے لئے جن بارہ ذرائع کو منظور کیا تھا' وہ بمعہ مختصر تعریف مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) قرضے (Loans):

1۔ حق الخدمت (Service Charge):

ان قرضوں پر بنک معاوضہ خدمت وصول کرے گا جو بنکاری کی عام لاگت کے تناسب سے زیادہ نہیں ہوگا۔ رقوم کی لاگت اور ڈوبنے والے اور مشکوک قرضوں پر تحفظاتی معاوضہ اس میں شامل نہیں ہوگا اس خرچ کی زیادہ سے زیادہ شرح کا تعین وقتاً فوقتاً سٹیٹ بنک کرے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

2- قرض حسنہ:

بنک ایسے قرضے جاری کرسکتا ہے جس پر کوئی بھی سود یا اور کوئی خرچہ نہیں وصول کیا جائے گا اس قسم کے قرضوں کی واپسی کا انحصار قرض لینے والے کی حیثیت پر ہوگا۔ وہ جس وقت اس کی واپسی کے قابل ہوگا' واپس کردے گا۔

(ب) تجارتی سرمایہ کاری (Trading Investment):

3- بیع مؤجل (Mark-Up):

اس طریقہ کار کے تحت بنک اپنے گاہکوں کو جس سامان کی بھی ان کو ضرورت ہوگی' منڈی سے خرید کر دے گا اور قیمت خرید سے ایک زائد مقدار گاہکوں سے ایک خاص مدت بعد وصول کرے گا۔ اگر گاہک معینہ مدت تک واجب الادا رقم نہ ادا کرسکا تو ایسی صورت میں اس رقم میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

4- تجارتی بلز کی خریداری (Purchase of Bills or Mark-Down):

اس طریقے کے تحت بنک اپنے گاہکوں سے ان کے نام جاری کردہ ہنڈیاں اور دوسرے تمسکات (جو کہ ایک معینہ مدت کے بعد واجب الادا ہیں۔) بٹے پر خریدے گا۔

5- واپسی خریداری (Buy-Back):

اس طریقہ کے تحت بینک اپنے گاہکوں سے ان کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد یا دوسرا سامان ایک خاص مدت کے لئے خریدے گا اور یہ طے ہوگا کہ اس مدت کے اختتام پر گاہک کو یہ شے دوبارہ زائد قیمت پر بینک سے خریدنی پڑے گی۔

6- اجارہ (Leasing):

اس طریقہ کار کے ذریعہ بینک اپنے گاہکوں کو مختلف قسم کا ساز و سامان اور مشینری اجارہ کی بنیاد پر مہیا کریں گا۔ اس پر یکم جولائی 1982ء سے عمل شروع ہوا۔

7- اجارہ وخرید (Hire Purchase):

اس مجوزہ طریقہ کے مطابق اپنے گاہک کو ایک بینک کوئی بھی سے ابتدا اجارہ کی بنیاد پر مہیا کریں گا۔ اس شرط کے ساتھ کہ ایک معینہ مدت کے بعد وہ شے اجر کو بینک سے خریدنی ہوگی۔

8- ترقیاتی سرمایہ کاری (Developmental Investment):

اس طریقہ کار کے تحت بنک اپنے گاہکوں کی جائیداد یا زمین وغیرہ کی ترقی کے لئے فرض مہیا کرے گا اور قرضے کی واپسی کے علاوہ اپنے اخراجات کی بنیاد پر ایک خاص رقم وصول کرے گا۔

ان سب طریقوں کے تحت بینک جو زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرسکتے ہیں ان کا تعین وقتاً فوقتاً مرکزی بینک کرے گا۔

(ج) صنعتی سرمایہ کاری (Industrial Investment):

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

9- نفع ونقصان میں حصہ داری(Profit Loss Sharing):

اس طریقہ کار کے ذریعے بینک صنعت کاروں اور دوسرے کاروباری افراد کو سرمایہ نفع اور نقصان میں شراکت کی بنیاد پر مہیا کریں گے۔

10- حصص کی خریداری(Equity-Participation) یا شرکت نصفت:

یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کو استعمال کرتے ہوئے بینک ایک بات کی مجاز ہوں گے کہ وہ بازار حصص میں مندرج کمپنیوں کے حصے خرید سکیں۔

11- شراکت اور مضاربت سرٹیفکیٹ کا خریدنا:

(Purchase of Participation Certificates Mudaraba Certificates)

کمپنیاں یہ سرٹیفکیٹ حکومت کی مقرر کردہ ہدایات کے تحت جاری کر سکیں گی۔ کمپنی اور خریدار کے درمیان ان سرٹیفکیٹوں کی مدت نفع ونقصان اور واپسی کا عرصہ وغیرہ حکومت کی ہدایات کے تابع ہوگا۔

12- شراکت اُجرت(Rent-Sharing):

اس طریقہ کے تحت بینک اپنے کسی بھی گاہک کے ساتھ مل کر کوئی جائیداد یا دوسرا سامان اس بنیاد پر خرید سکتا ہے کہ اس سے جو آمدنی ہوگی اس میں دونوں شریک ہوں گے۔ اسے شمولیت یا حصہ داری کرایہ بھی کہتے ہیں۔

صنعتی سرمایہ کاری کے ان تمام طریقوں کے ذریعے بینک جس نسبت سے نفع میں شرکت کریں گا اس کا تعین وقتاً فوقتاً مرکزی بینک کریں گا۔ تاہم نقصان کی صورت میں سرمایہ فراہم کرنے والے برابر کے شریک ہوں گے۔

5۔ بنک کی بلاسود امانتیں(Interest Less Deposits)

یکم جنوری 1981ء میں شراکتی کھاتوں کے اجراء سے اسلامی بنکاری کا آغاز ہوا اور اس وقت سے اب تک شراکتی کھاتوں میں بتدریج اضافہ ہوا ہے اور 31 مارچ 1985ء تک ایسے تمام کھاتے جن پر سود یا منافع حاصل ہوتا ہے۔ ان کا 48 فیصد حصہ نفع ونقصان کے شراکتی کھاتوں میں جمع تھا۔ ان کھاتوں پر سودی امانتوں کی نسبت زیادہ شرح منافع دیا گیا۔ شراکتی اور دوسرے کھاتوں میں اضافہ جدول 1 میں دکھایا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدول 1 (Schedule-1)

نفع ونقصان کی امانتوں کی نمو 85-1981ء

واجب الادا	اختتام دسمبر تک				(بلین روپوں میں) مارچ کے اختتام پر	
	1981	1982	1983	1984	1984	1985
کل امانتیں	70.6	82.8	106.9	111.7	102.9	116.0
بامعاوضہ معیادی امانتیں	54.7	66.4	86.3	91.0	86.0	93.3
نفع ونقصان شراکتی امانتیں	6.5	12.9	19.9	29.4	20.7	33.3
کل امانتوں کی شرح فیصد	9.2	15.4	18.6	26.3	20.1	28.7
بامعاوضہ معیادی امانتوں کی شرح	11.9	19.4	23.1	32.3	34.0	35.7

ماخذ: بنک دولت پاکستان

نفع ونقصان کے کھاتوں کے اجراء کے ساتھ ہی بنکوں کو سرمایہ کاری کے ایسے طریقے تلاش کرنے پڑے جو سود سے پاک ہوں۔ بنکوں نے بیع موجل سے اس کا آغاز کیا۔ اس کے بعد حصہ داری تمسکات کو سودی تمسکات کی جگہ مارکیٹ میں لایا گیا اور یکم جولائی 1982ء سے شراکتی بنیادوں پر جاری کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

یکم جولائی 1984ء سے بنکوں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ اسلامی طریقوں کے تحت یا سود پر دیا جا سکتا تھا۔ چونکہ بنکوں کا اسلامی نظام کافی مستعدی سے چلا' اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ بنکوں کے نظام کو مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے۔ اس لئے وزیر خزانہ نے 84-1983ء کے میزانیہ کی تقریر میں مندرجہ ذیل اقدامات کا اعلان کیا:

الف: جنوری 1985ء سے حکومت سرکاری شعبے کی کارپوریشنیں' ادارے اور جائنٹ سٹاک کمپنیوں کو بنک کے قرضے صرف اسلامی طریقوں کے مطابق دیئے جائیں گے۔

ب: اپریل 1985ء سے تجارتی فرموں کو اور انفرادی طور پر دیئے گئے قرضے بھی شرعی طریقے کے مطابق ہوں گے اور اب ایسا ہو چکا ہے۔ اس طرح اپریل 1985ء سے بنکوں کے تمام قرضے اسلامی نظام کے مطابق کر دیئے گئے ہیں۔ بنکوں کے قرضے جائز اسلامی طریقوں کے تحت ہیں۔ ماسوائے پرانے قرضوں کے جو پرانے معاہدوں کے مطابق ہیں۔

وزیر خزانہ نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ یکم جولائی 1985ء سے بنک کوئی بھی امانتیں سود کی بنیاد پر حاصل نہیں کریں گے۔ تمام بچتی اور معیادی امانتیں نفع ونقصان کی بنیاد پر ہوں گی۔ چالو امانتوں پر کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جائے گا اور بالآخر اسلامی مالیاتی طریقے زراعت اور امداد باہمی کے شعبوں پر بھی محیط ہو جائیں گے۔

6۔ اداراتی تبدیلیاں (Institutional-Changes)

غیر بنکاری مالیاتی اداروں نے اسلامی طریقے اپنانے میں پہل کی جولائی 1979ء سے پاکستان کی سرمایہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاری کی کارپوریشنیں (آئی-سی-پی) قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ اور تعمیر مکانات کی تمویلی کارپوریشن سے سود ختم کر دیا گیا۔ چھوٹے کاروبار کی تمویلی کارپوریشن نے جولائی 1980ء سے غیر سودی نظام پر قرضے فراہم کرنے شروع کر دیئے۔ بینکرز ایکوئٹی لمیٹڈ جو 1979ء میں قائم کی گئی تھی' نے اس سلسلے میں کچھ اجتہادی کام بھی کیا ہے۔

۱۔ صنعتی ترقیاتی بنک (PIDC):

صنعتی ترقیاتی بنک جنوری 1985ء سے نفع ونقصان کے شراکتی طریقے پر عمل پیرا ہے۔ اس وقت یہ ادارہ حصص کی خریداری اور شراکتی معیاری سرٹیفکیٹ' مضاربہ' سرٹیفکیٹ' اجارہ' اجارہ وخرید اور بیع موجل کے طریقوں پر عمل پیرا ہے۔ یہ ادارہ غیر ملکی کرنسی میں بھی قرضے فراہم کرتا ہے اور اس کے دین پر بیرونی حکومتوں اور بیرونی مالیاتی اداروں کے ساتھ تاحال سودی لین دین کرتا ہے۔

۲۔ قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ یونٹ (NITU):

قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ یکم جولائی 1979ء سے برابری کی شرکت کی بناء پر سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ سرمایہ کاری کے نئے طریقے جیسا کہ شراکت کے معیاری سرٹیفکیٹ' مضاربہ سرٹیفکیٹ' اجارہ' اجارہ وخرید یا بیع موجل کا استعمال کیا گیا ہے۔ قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ کی رقوم سٹاک ایکسچینج پر بکتی اور خریدی جاتی ہیں۔

۳۔ پاکستان سرمایہ کاری کارپوریشن (PIC or ICP):

پاکستان کی سرمایہ کاری کی کارپوریشن نے اپنے تمام میوچل فنڈز یکم جولائی 1979ء سے بلاسود مہیا کئے ہیں۔ سود والی ہنڈیاں کارپوریشن کے تمام بارہ میوچل فنڈ میں سے نکال دی گئیں۔ 1980ء میں کارپوریشن نے 280 ملین روپے کا سٹیٹ انٹرپرائز میوچل فنڈ کا اجراء کیا۔ اکتوبر 1980ء سے کارپوریشن نے اپنے سرمایہ کاری کی سکیم کو بھی نفع و نقصان کے شراکت کی بنیاد پر کر دیا اور اب مقررہ سود پر کوئی قرضے نہیں دیئے جاتے۔ کارپوریشن اور سرمایہ کاروں کی نسبت 40:60 ہے۔ 31 مارچ 1985ء کو کارپوریشن کے پاس اس طرح کے 3079 اکاؤنٹ تھے جس میں سے سرمایہ کاروں کا حصہ 68.5 ملین روپے تھا۔ اس کے علاوہ 6362 مشترکہ اکاؤنٹ بھی تھے۔ جن میں سرمایہ کاروں کا حصہ 151.9 ملین روپے تھا اور کارپوریشن کا حصہ 227.6 ملین تھا۔

۴۔ بینکرز ایکوئٹی لمیٹڈ (BEL):

بنکرز' ایکوئٹی لمیٹڈ نے سود ختم کرنے کے سلسلے میں کافی حصہ لیا ہے۔ بیکرز ایکوئٹی لمیٹڈ نے ملک میں ٹون ٹاور کے نام سے سب سے پہلے مضاربہ کا اجرا کیا۔ اس نے شراکتی معیاری سرٹیفکیٹ کے وضع کرنے میں بھی کافی کردار ادا کیا بینکرز' ایکوئٹی لمیٹڈ نے اجارہ کا جو تصور پیش کیا ہے۔ اس کی بھی چھان بین کی جارہی ہے اب تک اس ادارہ نے زیادہ تر قرضے شراکتی معیاری سرٹیفکیٹوں کی شکل میں مہیا کئے ہیں۔

۵۔ قومی ترقیاتی تمویلی کارپوریشن (NDFC):

اگرچہ یہ کارپوریشن سود اور بلاسود دونوں طرح کی امانتیں وصول کر رہی ہے لیکن مقررہ معاوضے والی امانتیں 30 جون 1985ء تک جاری رہیں گی۔ کارپوریشن سود ختم کرنے کے لئے اپنے سیال رقوم کے ایک حصہ کو نفع ونقصان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بنیاد پر بنک میں جمع کرتی ہے۔ سود ختم کرنے کے لئے کارپوریشن زیادہ تر شراکتی مضاربی سرٹیفکیٹوں کا استعمال کر رہی ہے۔ اب دسمبر 1985ء تک اس کی تمام کارکردگی بنک دولت پاکستان کے منظور شدہ بارہ طریقوں کے مطابق ہو جائے گی۔

۶۔ چھوٹے کاروبار کی مالیاتی کارپوریشن (SBFC):

اس کارپوریشن نے بھی یکم جولائی 1980ء سے اپنے طریقہ کار کا رخ بلاسودی اصول کی طرف موڑ دیا ہے۔ اس سلسلے میں کارپوریشن نے اجارہ و خرید بیع موجل اور شراکتی معیاری سرٹیفکیٹوں کا استعمال کیا۔ اجارہ و خرید کے طریقوں کے تحت کارپوریشن 40 فیصد پیشگی پر سامان کرایہ پر مہیا کرتی ہے اور سامان کی قیمت کا ۱۱ فیصد سالانہ کرایہ لیتی ہے۔ ایک مقررہ مدت کے بعد اس سامان کی ملکیت کرایہ دار کے نام منتقل کر دی جاتی ہے۔

۷۔ ایکوئٹی شراکتی فنڈ (ESF):

اس قسم کا فنڈ جب اپنا 1650 ملین روپے کا عبوری قرض شراکت میں تبدیل کر دے گا۔ تو اس کا تمام دائرہ کار بلاسودی بنیاد پر قائم ہو جائے گا۔ ایک ڈینچر ری ڈیمپشن ریزرو فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ جو اس ادارہ کی سرمایہ کاری کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ ایک دوسرا فنڈ جس کا نام مالیات کی کمی کا ریزرو فنڈ ہے اس نظریے پر قائم کیا گیا ہے کہ اگر رقوم کی سرمایہ کاری کی مالیت میں کمی واقع ہو جائے تو اسے پورا کیا جا سکے۔ ان فنڈوں کی رقوم بلاسودی نفع و نقصان کے شراکتی کھاتوں میں رکھی جائے گی۔

7۔ معیشت کی اسلام کاری کرنا

(Islamizing of Economy)

سرکار پاکستان کے گذشتہ کئی برسوں میں کئے گئے اقدامات کا معاشی زندگی کے ہر پہلو پر اثر ہوا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے ان اقدامات سے سود کے خاتمہ کے سلسلے میں کس قدر پیش رفت کی ہے۔ حکومت نے متعدد مواقع پر اپنے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ ظاہری تبدیلیوں کے لئے نہیں بلکہ بنیادی تبدیلیوں کے لئے کوشاں ہے اور حکومت کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے مجموعی طور پر ملکی معاملات سے سود کا خاتمہ کر دیا ہے۔ لیکن اس دعویٰ کے باوجود علماء کرام کی اکثریت مشہور ماہرین بنکاری اور معیشت داں اور متاثرہ عوام کی ایک بڑی اکثریت اس دعوی سے مطمئن نہیں ہے۔ س بات سے قطع نظر کی حقائق کیا ہیں اس عدم اعتبار کی حالت کو ختم کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ سود ہر حالت میں قطعی ممنوع اور حرام ہے۔ عمومی طور پر علماء اس بات پر بھی متفق ہیں کہ شرعی اعتبار سے سود کی بجائے افضل ترین طریقہ سرمایہ کاری نفع و نقصان میں شراکت، مضاربت اور قرض حسنہ ہیں۔ (صرف حنبلی علماء اس بات کے حق میں نہیں ہیں کہ مضاربت کسی صنعتی مقصد کے لئے قائم ہو۔) ان تین طریق کے علاوہ دیگر نو طرائق جو کہ اسٹیٹ بنک نے اسلامی سرمایہ کاری کے لئے منظور کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں مثلاً بیع موجل، جو کہ صرف انتہائی ضرورت کے تحت استعمال کئے جانے چاہئیں۔ شرعی نقطہ نگاہ سے بیع موجل، کراہیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس طرح معیاری شراکت سرٹیفکیٹ جس طرح اب تک استعمال ہوتے رہے ہیں۔

واپسی خرید کا انتظام اور بلز کے بٹے پر خریداری کا طریقہ شرعی معیار پر پورے پورے نہیں اترتے۔ علماء کی آواز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سن کر عام لوگوں کے ذہن میں کئی شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ شکوک مختصر طور پر یہ ہیں:

(الف) بچت کھاتے (Saving Accounts):

نفع ونقصان کی بنیاد پر اسلامی سرمایہ کاری کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ تمام شرکاء کو یہ بات پہلے سے معلوم ہو کہ وہ کن نسبتوں سے نفع میں شریک ہوں گے۔ اب تک جس طرح نفع ونقصان کے کھاتے کھولے گئے ہیں ان میں کھاتہ داروں کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ وہ کس نسبت میں بینک سے نفع میں شرکت کریں گے۔ علاوہ ازیں نفع ونقصان کے کھاتہ داروں کو غیر واضح انداز میں ایک ضمانت یہ دی جاتی رہی ہے۔ کہ وہ اس قدر نفع ضرور حاصل کریں گے جو کہ ایک متوازی سودی کھاتہ پر حاصل ہو رہا ہے۔

(ب) بینکوں اور مالی اداروں کے قرضے (Loans):

اگر بینک کے قرضوں پر نظر ڈالی جائے۔ جو کہ سرمایہ کاری کے لئے مختلف طریقہ ہائے کار کے ذریعے جاری کئے گئے ہیں۔ تو کئی قرضے غیر اسلامی طریقہ پر نظر آئیں گے۔

علاوہ ازیں ان قرضوں کی ایک بڑی مقدار (87 فیصد) اس طریقہ کار پر کسی گئی ہے۔ (بیع موجل) جو کہ شرعی نقطہ نظر کے خلاف ہے۔ گوشوارہ 2 میں بینکوں کی جانب سے جاری کئے گئے قرضوں کی طریقہ کار کی بنیاد پر تفصیل دی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ 87 فیصد سرمایہ کاری بیع موجل کے تحت کی گئی ہے۔

جدول 2 (Schedule-2)

تجارتی بنکوں کی نفع ونقصان شراکتی کھاتوں کی سرمایہ کاری

(جون 1984ء کے اختتام پر)

طریقہ تمویل	رقم (ملین روپوں میں)	فیصد حصہ
بیع موجل	17,318.2	86.7
نقل وحرکت اجناس	14,687.0	73.6
تجارتی دوکانداریاں	726.9	3.6
دستاویزی اندرونی بلز	298.4	1.5
برآمدی بلز*	704.5	3.5
درآمدی بلز	901.4	4.5
مشارکہ	617.2	3.1
اجارہ وخرید	132.3	0.7
سرمایہ کاری میں حصہ داری اور خریداری حصص	129.6	0.6
بنک کا قرضہ	1593.3	8.0
دیگر	176.4	0.9

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کل	19,967.0	100.0

* کمیشن کی بنیاد پر غیر ملکی کرنسی کی صورت میں زرمبادلہ کی تفریقی بنیاد پر

جہاں تک دیگر مالیاتی اداروں کا تعلق ہے انہوں نے گذشتہ چند سالوں میں زیادہ تر سرمایہ کاری معیاری شراکت کے سرٹیفکیٹ کے ذریعے کی ہے۔ ان سرٹیفکیٹوں میں کچھ غیر اسلامی عناصر موجود ہیں مثلاً جس وقفہ میں منصوبہ سے پیداوار نہ ہو رہی ہو اس دوران قرضہ میں ایک خاص متعین فیصد سے اضافہ اور نفع میں شرکت کی ایک ایسی نسبت جو کہ سرمایہ کے تناسب سے رکھی گئی ہے۔ یہ شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔

قومی بچت کا ایک بڑا حصہ حکومت کی جاری کردہ ان بچت اسکیموں میں جاتا ہے جو ادارہ قومی بچت نے منظم کی ہیں۔ یہ اسکیمیں بلاشبہ سودی بنیاد پر استوار ہیں۔

حکومت نے اب تک صرف اندرون ملک سے سود کے خاتمہ کی کوشش کی ہیں۔ بعض علماء اور عوام اس بات کے خواہشمند ہیں کہ ہم غیر ملکی معاملات پر سے بھی سود کا خاتمہ کر دیں۔ اس مطالبہ میں پوری طرح شامل ہیں جو ملک کو سیاسی طور پر غیر ملکی امداد سے چھٹکارا دلانا چاہتے ہیں۔ حکومت کو ایسا کرنے کے لئے عوام کی رضامندی حاصل کرنا ہوگی کیونکہ بیرونی ممالک کے معاملات سے سود کے خاتمہ کے لئے اخراجات میں انتہائی کمی کرنا ہوگی۔ اجمالاً یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حکومت اقتصاد کو متاثر کئے بغیر ملک میں اسلامی مالیات اور تجارت کا نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ مالی حلقوں اور بیرون ملک ان اقدامات کو سراہا گیا ہے ان کوششوں کو مزید جاری رہنا چاہئے۔ لیکن اس کی رفتار کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ بچت کار بنکار اور ادھار لینے والے کس رفتار سے اسلامی طریقوں کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

8۔ زکوٰۃ اور عشر (Zakat and Ushr)

زکوٰۃ ارکان اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے۔ اس لئے اس کا وجود اسلامی معاشرہ کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ حکومت نے 20 جنوری 1980ء کو زکوٰۃ اور عشر آرڈیننس کا اجرا کیا' زکوٰۃ کی وصولی اسی دن سے شروع ہوگئی جب کہ انتظامی مشکلات کی وجہ سے عشر کی وصولی 15 مارچ 1983ء سے ہونا قرار پائی تھی۔

زکوٰۃ آرڈیننس کے پہلے جدول کے مطابق زکوٰۃ گیارہ قسم کے اثاثوں پر واجب الادا ہے۔ بنکوں کے بچتی کھاتے۔ بچتی سرٹیفکیٹ' معیادی سرٹیفکیٹ این-آئی-ٹی یونٹس' آئی-سی-پی' میوچل فنڈ سرٹیفکیٹ کے شعبے میں اضافہ شدہ مالیات کی نسبت عشر صرف 0.1 فیصد تھا۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ حکومت عشر کے سلسلے میں انتظامی مشکلات سے دوچار ہے۔ کیونکہ 25 ایکڑ سے زیادہ رقبہ والے فارم کل کا صرف 61 فیصد ہیں۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ 750 ملین روپے زکوٰۃ کی رقم اور 150 ملین روپے عشر کی رقم آبادی کے 10 فیصد غریب ترین لوگوں (کل آبادی 9.5 ملین) میں تقسیم کی جاتی ہے اور یہ کہ ایک عام خاندان 3.5 افراد پر مشتمل ہوتا ہے تو اس حساب سے ان رقوم کی تقسیم 330 روپے فی خاندان فی سال بنتی ہے۔ بلاشبہ یہ رقم بہت کم ہے لیکن اس سے ایک نظام قائم ہوگیا ہے جس سے کسی حد تک محتاجوں کی مدد کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے ان طلباء کی بھی مدد کی جاتی ہے جو مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن مالی مشکلات ان کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ زکوٰۃ سے وظائف ہر سطح پر سکول' کالج اور یونیورسٹی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے لئے دیئے جاتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ان وظائف کی رقم 250 روپے سے لے کر 300 روپے تک ہے۔

1982ء میں ایک قومی زکوٰۃ فاؤنڈیشن ایک صد ملین روپے کے سرمائے سے قائم کی گئی تھی اس کا مقصد ان سکیموں کی امداد کرنا تھی جو زکوٰۃ کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔یہ فاؤنڈیشن اور زکوٰۃ کی رقم سے سکیموں کی امداد کرتی ہے۔اس فاؤنڈیشن نے 93 اداروں کو 3.2 ملین روپے ان کاموں کے لئے مہیا کئے جو مستحقین کی بحالی کے متعلق تھیں۔

حکومت کی ہنڈیاں' کمپنیوں کے حصے' سالانہ زندگی کے بیمے اور پروویڈنٹ فنڈ ان پر 2.5 فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے اس کے علاوہ رضا کارانہ طور پر بھی زکوٰۃ اکٹھی کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کی وصولی کا انتظامی ڈھانچہ چاروں صوبوں اور اسلام آباد وفاقی علاقے پر محیط ہے۔36.672 مقامی زکوٰۃ کمیٹیاں 294 تحصیل کمیٹیاں' 73 ضلعی زکوٰۃ اور عشر کمیٹیاں چار صوبائی زکوٰۃ کونسلیں اور ان سب کے اوپر ایک مرکزی زکوٰۃ کونسل کام کرتی ہے۔ان کمیٹیوں سے 2 لاکھ 50 ہزار افراد ملحق ہیں۔

شروع سے لے کر اب تک 3750 ملین روپے زکوٰۃ کی رقم دس اقساط میں چاروں صوبوں اور اسلام آباد کے وفاقی علاقے کو جاری کی گئی ہیں تاکہ وہ زکواۃ کمیٹیوں کے ذریعے مستحق لوگوں کو یہ رقم تقسیم کریں۔زکوٰۃ اور عشر کی رقم جدول 3 میں ظاہر کی گئی ہے۔

جدول 3 (Schedule-3)

زکوٰۃ عشر کی وصولی اور تقسیم 84-1981ء

(ملین روپوں میں)	عشر		زکوٰۃ		
زراعت میں قدر اضافہ	تقسیم	وصولی	تقسیم	وصولی	
49,595	.....	.....	750	844	1401-1400ہجری (20 جون 1980-3 جولائی 1981)
57,601	.....	.....	500	799	1402-1401ہجری (4 جولائی 1981-22 جون 1982)
62,422	.....	.....	750	855	1403-1402ہجری (23 جون 1982-12 جون 1983)
58,514	174 141	*179 **148	750	1011	1404-1403ہجری (13 جون 1983-4 مارچ 1984)
68,989	86 83	*113 **170	1000	1171	1405-1404ہجری (30 مئی 1984-22 مئی 1985)

*فصل ربیع **فصل خریف

ماخذ: منتظم اعلیٰ زکوٰۃ

عشر کا تعین 83-1982ء کی فصل ربیع سے شروع ہوا اور جولائی 1983ء سے ان کی وصولی شروع ہوگئی۔

جدول 3 سے ظاہر ہے کہ عشر کا تعین اور اس کی وصولی زراعت میں کئے گئے مالی اضافے سے نسبتاً کافی کم تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

زکوٰۃ وعشر حکم 1979ء

ہر گاہ کہ اسلام تمام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ تعلیم قرآن مجید اور سنت رسولؐ کے پابند رہیں اور ہر گاہ کہ ضروری ہے کہ پاکستان بحیثیت ایک اسلامی ملک کے اسلامی ضابطہ عمل کے نفاذ کا اہتمام کرے۔

اور نیز کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین اس بات کا ضامن ہے کہ مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور مجموعی زندگی اسلام کی تعلیم اور احکام کے مطابق گزارنے کے لئے موقع فراہم کیا جائے۔

علاوہ ازیں کہ زکوٰۃ بشمولہ عشر اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔

اور ہر گاہ کہ شریعت یہ حکومت کی ذمہ داری قرار دیتی ہے کہ زکوٰۃ وعشر تمام صاحب نصاب مسلمانوں سے وصول کی جائے اور افراد کو بھی یہ اجازت دیتی ہے کہ زکوٰۃ کا جو حصہ حکومت اکٹھا نہ کر سکے وہ اپنے طور پر اسی مقصد کے لئے خرچ کریں۔

جیسا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 31 اور باتوں کے علاوہ یہ بھی قرار دیتی ہے کہ حکومت اس بات کی سعی کرے اور مسلمانان پاکستان کو اس قابل کرے کہ وہ زکوٰۃ کی باقاعدہ تنظیم کو محفوظ کر سکیں اور اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے ایک باقاعدہ نظام کو وجود میں لایا جائے۔

مزید براں یہ کہ زکوٰۃ وعشر کی شرح شریعت میں مقرر کر دی گئی ہے اور وہ مقاصد بھی جن کے لئے زکوٰۃ وعشر خرچ کی جا سکتی ہے معلوم ہیں۔

اور ہر گاہ کہ زکوٰۃ وعشر کے وصول کرنے اور اس میں سے خرچ کرنے کے بنیادی مقاصد ضرورت مندوں کی حاجت روائی کر کے انہیں ایسی زندگی گزارنے کے قابل بنانا ہے۔ جو ضرورت، بھوک اور غربت سے محفوظ ہو۔

لہٰذا باتباع اعلان مجریہ 5 جولائی 1977ء بشمول قوانین (تسلسل نفاذ) حکم مجریہ 1977ء (آرڈر نمبر 1 مجریہ 1977ء از اں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر) اور ان اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں حاصل ہیں۔ صدر پاکستان نے حکم جاری کیا۔ بعد میں ترمیم کر کے 20 جون 1980ء بمطابق 6 شعبان 1400ھ کو نافذ کیا گیا۔

تمہید (Introductory):

1-ا۔ یہ آرڈر زکوٰۃ وعشر کا آرڈر 1979ء کہلائے گا۔

۲۔ اس کا اطلاق سارے پاکستان میں ہوگا۔ لیکن اس کا دائرہ کار صرف مسلمانوں کمپنی یا دیگر افراد کی انجمن خواہ سند یافتہ ہو یا نہ مگر جس کے سرمایہ کے حصص کی اکثریت مسلمانوں کی ملکیت ہو تک محدود ہوگا۔

۳۔ اس کا نفاذ اس تاریخ سے ہوگا۔ جو وفاقی حکومت بذریعہ سرکاری گزٹ مقرر کرے اور اس آرڈر کے مختلف احکام کا مختلف تاریخوں سے نفاذ بھی ہو سکتا ہے۔

2- اس آرڈر میں بجز اس کے کہ کوئی بات مضمون یا سیاق کے برعکس ہو۔

ا۔ ''ایڈمنسٹریٹر جنرل'' سے مراد ایسا شخص ہے جو آرٹیکل 8 کے تحت مقرر کیا گیا ہو۔

۲۔ ''اموال باطنہ'' سے مراد ایسے اثاثے ہیں جو کہ عام طور پر کھلم کھلا معلوم نہ ہوں اور کسی شخص کی ذاتی تحویل میں ہوں اور اس میں سونا اور چاندی اور دیگر قیمتی دھاتیں اور جواہرات اور ان کی مصنوعات، نقدی جو کسی بینک یا مالیاتی ادارے میں جمع نہ کی گئی ہو اور انعامی بانڈ شامل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ ''اموال ظاہرہ'' سے مراد اموال باطنہ کے سوا ایسے اثاثے ہیں۔ جن کا جدول میں اندراج ہے۔
۴۔ ''سرمایہ'' سے مراد ایسے اثاثے ہیں۔ جن پر اس آرڈر کے تحت زکوٰۃ واجب ہے۔
۵۔ ''مرکزی زکوٰۃ کونسل'' سے مراد وہ مرکزی زکوٰۃ کونسل ہے۔ جو آرٹیکل 7 کے تحت قائم کر دی گئی ہے۔
۶۔ ''چیف ایڈمنسٹریٹر'' سے مراد ایسا شخص ہے۔ جس کا آرٹیکل 10 کے تحت ہوا ہو۔
۷۔ ''ضلع کمیٹی'' سے مراد وہ کمیٹی ہے۔ جو آرٹیکل 11 کے تحت تشکیل کی گئی ہو۔
۸۔ ''مقامی کمیٹی'' سے مراد وہ کمیٹی ہے۔ جو آرٹیکل 13 کے تحت تشکیل کی گئی ہو۔
۹۔ ''نصاب سے مراد ایسے اثاثے ہیں۔ جو مالیت میں 87.48 گرام اصلی سونے کی قیمت کے برابر ہوں۔
۱۰۔ ''مقرر کردہ'' سے مراد رول کے تحت مقرر کردہ ہیں۔
۱۱۔ ''پیداوار'' سے مراد کل زرعی یا جنگل کی پیداوار ہے۔ جس پر عشر واجب ہو۔
۱۲۔ ''صوبائی کونسل'' سے مراد وہ کونسل ہے۔ جو آرٹیکل 9 کے تحت تشکیل کی گئی ہو۔
۱۳۔ ''رول'' سے مراد وہ رول ہیں۔ جو اس آرڈر کے تحت بنائے گئے ہوں۔
۱۴۔ ''صدقات'' سے مراد وہ اصول ہیں۔ جو اس آرڈر کے تحت بنائے گئے ہوں۔
۱۵۔ ''صاحب نصاب'' سے مراد وہ شخص ہے جو نصاب یا اس سے زیادہ مالیت کے اثاثوں کا مالک ہے۔ لیکن اس میں وفاقی حکومت صوبائی حکومت یا کوئی مقامی ادارہ یا کوئی کمپنی یا دیگر کاروباری ادارہ جو مطلق طور پر وفاقی حکومت صوبائی حکومت یا مقامی ادارے کی ملکیت ہو شامل نہیں۔
۱۶۔ ''تحصیل کمیٹی'' یا ''تعلقہ کمیٹی'' سے مراد وہ کمیٹی ہے۔ جو آرٹیکل 12 کے تحت تشکیل کی گئی ہو۔
۱۷۔ ''تاریخ تخمینہ'' سے مراد وہ تاریخ یا تاریخیں ہیں۔ جو رول کے تحت مقرر کی گئی ہوں یا ایڈمنسٹریٹر جنرل کی طرف سے جن کا اعلان کیا گیا ہو۔
۱۸۔ ''زکوٰۃ فنڈ'' سے مراد وہ فنڈ ہے جو آرٹیکل 3 کے تحت قائم کیا گیا ہو۔
۱۹۔ ''زکوٰۃ ووچر'' سے مراد وہ ووچر ہیں۔ جو وفاقی حکومت کی جانب سے زکوٰۃ یا عشر کی ادائیگی کی سہولت کی خاطر نقدی یا فیس کے بدلے مختلف مالیت کے جاری کئے جائیں۔
۲۰۔ ''سال زکوٰۃ'' سے مراد وہ سال ہیں۔ جن میں زکوٰۃ یا عشر واجب ہو۔

زکوٰۃ فنڈ (Zakat Fund):

3-۱۔ ایک زکوٰۃ فنڈ قائم کیا جائے گا جس میں زکوٰۃ عشر اور صدقات کے سارے چندے جمع کرائے جائیں گے۔
۲۔ زکوٰۃ فنڈ مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہوگا۔ یعنی کہ
(الف) مرکزی حساب جس میں وہ زکوٰۃ جو بنیاد سے وضع کی گئی ہو۔ جمع کرائی جائے گی۔
(ب) صوبائی حساب جس میں وہ زکوٰۃ اور عشر جو لوکل کمیٹی نہ اکٹھا کیا ہو۔ اس کے 25 فیصد محاصل جمع کرائے جائیں گے اور
(ج) لوکل حساب جس میں زکوٰۃ اور عشر کے تمام محاصل جمع کرائے جائیں گے۔ سوائے اس زکوٰۃ کے جو بنیاد سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضع کی گئی ہو اور وہ محاصل جو صوبائی حساب میں جمع کرانا لازمی ہوں۔

۳۔ عطا کنندہ صدقات فقرہ (2) میں مذکور تینوں میں سے کسی ایک حساب میں جمع کرا سکتا ہے۔

۴۔ فقرہ (2) میں مذکور کسی حساب میں وہ رقومات بھی جمع کرائی جا سکتی ہیں۔ جو دیگر دونوں حسابوں میں سے مقرر کردہ طریقے کے مطابق منتقل کی گئی ہوں۔

۵۔ زکوٰۃ فنڈ کا حساب ایسی صورت میں اور طریقہ سے رکھا جائے گا۔ جیسا کہ مقرر کیا جائے۔

زکوٰۃ (Zakat):

4-۱۔ اس آرڈر کے دیگر احکام کے بشرط ہر صاحب نصاب سے ہر برس زکوٰۃ کے دوران تاریخ تخمینہ پر موجود اثاثوں کی بنیاد پر جدول میں مقرر کردہ شرح اور طریقہ کے مطابق مطالبہ کر کے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

۲۔ نصاب کے مساوی رقم وہ ہوگی جو کہ ایڈمنسٹریٹر جنرل ہر سال زکوٰۃ کے لئے مقرر کریں گے۔

۳۔ وصولی زکوٰۃ کی رقم اس حد تک اور اس طریقہ کے مطابق جیسا کہ رول میں مقرر کیا گیا ہو۔ منہا کر دی جائیں گی۔ بشرطیکہ ایسے اثاثے جن پر زکوٰۃ واجب نہیں ان پر حاصل کردہ قرضوں کی رقوم منہا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴۔ اموال باطنہ: رواں حساب جو بنکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہو۔ مویشی اور مچھلیوں اور دیگر سمندر سے پکڑی جانے والی اشیاء سمندری پیداوار پر زکوٰۃ لازمی طور پر حاصل نہ کی جائے گی۔ مگر فقرہ (5) کے تحت وصول کی جا سکتی ہے۔

۵۔ کوئی صاحب نصاب:

(الف) جس سے اس آرڈر کے تحت زکوٰۃ قابل وصول نہیں یا

(ب) جس سے اس آرڈر کے تحت زکوٰۃ اس رقم سے کم ہے۔ جو شریعت کے تحت قابل وصول ہے۔

تو وہ اپنی مرضی سے رضا کارانہ طور پر کمی کی رقم زکوٰۃ فنڈ کے حساب میں بصورت نقدی یا زکوٰۃ واجر یا براہ راست زکوٰۃ وصول کرنے کے مجاز اشخاص کے پاس جمع کرا سکتا ہے۔

۶۔ اگر کسی شخص سے زکوٰۃ زکوٰۃ بنیاد سے وضع کی گئی ہو اور وہ شخص اس بات کا ثبوت فراہم کر دے کہ اس نے اس آرڈر کے تحت واجب الادا زکوٰۃ سے زائد رقم ادا کر دی ہے تو زائد کردہ رقم اس کو واپس کر دی جائے گی۔

۷۔ زکوٰۃ بنیاد سے وضع کی جائے گی یا خود تشخیص کی بنا پر جمع کرائی جائے گی یا رضا کارانہ طور پر اس طریقہ کار اور شرح کے مطابق جو اس آرڈر یا اس کے جدول کے تحت مقرر کئے گئے ہوں۔

عشر (Ushr):

5-۱۔ اس آرڈر کے دیگر احکام کے بشرط ہر مالک زمین، انعام دار، پٹہ دار یا ٹھیکیدار سے بشرح پانچ فیصد اس کے حصہ کی پیداوار پر مطالبہ کر کے بطور عشر وصول کیا جائے گا۔ بشرطیکہ بارانی زمین کا مالک رضا کارانہ طور پر اپنی پیداوار کا مزید پانچ فیصد بطور عشر ادا کر دے۔

تشریح:

اس آرٹیکل میں ''مالک زمین''، ''انعام دار''، ''پٹہ دار''، ''ٹھیکدار'' سے وہی معنی مراد ہوں گے۔ جو کہ موجودہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوانین بابت مالیہ زمین میں درج ہیں۔

۲۔ پیداوار پر عشر کا مطالبہ اولین ہوگا۔

۳۔ عشر بصورت نقدی وصول کیا جائے گا۔

بشرطیکہ اگر پیداوار گیہوں یا دھان کی ہو تو عشر بصورت نقدی یا جنس وصول کیا جائے گا۔

۴۔ اس آرڈر کے مقصد کے لئے ہر انفرادی مالک زمین' انعام دار' پٹہ دار یا ٹھیکیدار عشر کی لازمی ادائیگی سے بمطابق حسب ذیل مستثنیٰ ہوگا۔

(الف) اگر اس کی زمین کی پیداوار پانچ دس 948 کلوگرام گیہوں یا اس کی مساوی قیمت کی دیگر فصل سے کم ہے اور

(ب) اگر شریعت کے تحت وہ زکوۃ فنڈ سے امداد کا حقدار ہے۔

۵۔ پانچ دس گیہوں کی قیمت کے مساوی رقم وہ ہوگی جو کہ ایڈمنسٹریٹر جنرل ہر سال زکوۃ میں بذریعہ اعلان مقرر کریں گے۔

۶۔ کوئی شخص:

(الف) جس سے اس آرڈر کے تحت عشر قابل وصول نہیں۔ یا

(ب) اس سے وصول کردہ عشر کی رقم اس رقم سے کم ہے۔ جو شریعت کے تحت قابل وصول ہے تو وہ اپنی مرضی سے رضا کارانہ طور پر کمی کی رقم زکوۃ فنڈ کے حساب میں بصورت نقدی یا زکوۃ واد چہ یا براہ راست عشر کے وصول کرنے کے مجاز اشخاص کے پاس جمع کرا سکتا ہے۔

تنظیمی ڈھانچہ (Administrative Structure):

6-۱۔ زکوۃ اور عشر کی تشخیص فراہمی اور تقسیم کے طرز عمل کی رہنمائی کے لئے ایک مرکزی زکوۃ کونسل قائم کی جائے گی۔ جو زکوۃ فنڈ کے معاملات کی مجموعی نگرانی و جانچ پڑتال بھی کرے گی۔

۲۔ کونسل مندرجہ ذیل پر مشتمل ہوگی:

(الف) ایک میر مجلس (چیئرمین)

(ب) چاروں چیف ایڈمنسٹریٹر۔

(ج) چار اشخاص جن میں سے تین علماء ہوں گے۔ جن کی نامزدگی اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش پر صدر پاکستان کریں گے۔

(د) چار افراد مختلف پیشوں اور صوبوں سے جن کی نامزدگی صدر پاکستان کریں گے۔

(ہ) حکومت پاکستان کی وزارت خزانہ کا سیکرٹری۔

(و) حکومت پاکستان کی وزارت مذہبی امور کا سیکرٹری۔

(ز) ایڈمنسٹریٹر جنرل جو کونسل کا سیکرٹری بھی ہوگا۔

۳۔ کونسل کا چیئرمین ایسا شخص ہوگا جو کسی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کا جج ہو یا رہ چکا ہو یا جج بننے کی اہمیت رکھتا ہو جس کی نامزدگی صدر پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے مشورہ سے کریں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ چیئرمین اور کونسل کے دیگر ممبران سوائے بلحاظ عہدہ ممبران کے تین سال کی مدت کے لئے عہدہ سنبھالیں گے اور اتنی ہی مدت کے لئے دوبارہ نامزد ہونے کے اہل ہوں گے۔

8-ا۔ اس آرڈر کے مقاصد کے حصول کے لئے صدر پاکستان ایک ایڈمنسٹریٹر جنرل کا تقرر کریں گے۔

۲۔ ایڈمنسٹریٹر جنرل رتبہ اور درجہ کے لحاظ سے حکومت پاکستان کے سیکرٹری کے برابر ہوگا اور اس کی مدت معینہ و دیگر شرائط وہی ہوں گے جو وفاقی حکومت کی طرف سے طے کی جائیں گی۔

۳۔ ایڈمنسٹریٹر جنرل زکوٰۃ فنڈ کا منتظم اعلیٰ ہوگا اور مرکزی زکوٰۃ کونسل کی طرف سے جاری کردہ طرز عمل کی رہنمائی نگرانی اور جانچ پڑتال کے مطابق فنڈ کے معاملات کا جس میں مرکزی حساب کے فنڈ سے تقسیم بھی شامل ہے انتظام کرے گا۔

9-ا۔ ہر صوبہ میں ایک صوبائی زکوٰۃ کونسل کی تشکیل کی جائیں گی جو صوبہ میں زکوٰۃ وعشر کی فراہمی اور اس میں سے تقسیم کی مجموعی نگرانی اور جانچ پڑتال مرکزی زکوٰۃ کونسل کی طرف سے جاری کردہ طرز عمل کی رہنمائی کے مطابق کرے گی۔

۲۔ صوبائی کونسل حسب ذیل پر مشتمل ہوگی:

(الف) چیئرمین۔

(ب) پانچ اشخاص جن میں سے تین علماء ہوں گے۔ جن کی نامزدگی گورنر مرکزی زکوٰۃ کونسل کے مشورے سے کرے گا۔

(ج) صوبائی حکومت کے محکمہ خزانہ کا سیکرٹری اور۔

(د) چیف ایڈمنسٹریٹر جو کونسل کا سیکرٹری بھی ہوگا۔

۳۔ صوبائی کونسل کا چیئرمین ایسا شخص ہوگا جو کسی ہائی کورٹ کا جج ہو یا جج رہ چکا ہو۔ یا جج بننے کی اہلیت رکھتا ہو جس کی نامزدگی گورنر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے مشورے سے کریں گے۔

۴۔ صوبائی کونسل کے چیئرمین و دیگر ممبران سوائے بلحاظ عہدہ ممبروں کے تین سال کی مدت کے لئے عہدہ سنبھالیں گے اور اتنی ہی مدت کے لئے دوبارہ نامزد ہونے کے اہل ہوں گے۔

۵۔ دارالخلافہ اسلام آباد میں صوبائی کونسل کے فرائض مرکزی زکوٰۃ کونسل سرانجام دے گی۔

10-ا۔ ہر صوبہ میں گورنر مرکزی زکوٰۃ کونسل کے مشورہ سے ایک چیف ایڈمنسٹریٹر کا تقرر کریں گے۔

۲۔ چیف ایڈمنسٹریٹر کی مدت معینہ و دیگر شرائط صوبائی حکومت طے کرے گی۔

۳۔ چیف ایڈمنسٹریٹر صوبائی کونسل کی مجموعی نگرانی و جانچ پڑتال کے تحت ایسے فرائض سرانجام دے گا۔ جو اس کو اس آرڈر سے یا اس کے تحت تفویض کئے جائیں گے۔

11-ا۔ صوبائی کونسل اور چیف ایڈمنسٹریٹر کی اس آرڈر کے نظم ونسق میں امداد کے لئے ہر ضلع اور دارالسلطنت اسلام آباد میں ایک ضلعی زکوٰۃ وعشر کمیٹی تشکیل دی جائے گی۔

۲۔ ضلعی کمیٹی زکوٰۃ کی تشخیص اور فراہمی اور اس کی تقسیم کی نگرانی کرے گی اور ان مقاصد کے لئے منصوبے بھی تیار کرے گی جن کے لئے ضلع یا دارالخلافہ اسلام آباد میں جیسی کہ صورت ہو مصارف کرنے ہیں۔

۳۔ ضلعی کمیٹی زکوٰۃ وعشر کی فراہمی اور ضلع میں زکوٰۃ فنڈ کے مصارف کا مقررہ طریقے کے مطابق باقاعدہ حساب رکھیں گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ ضلعی کمیٹی مقررہ طریقے کے مطابق مقامی حساب کے آڈٹ کا بندوبست کرے گی۔

۵۔ ضلعی کمیٹی ایک چیئرمین ضلع کے ڈپٹی کمشنر اور ضلع کی ہر تحصیل یا تعلقہ سے ایک ایک ممبر پر مشتمل ہوگی۔

۶۔ چیئرمین کی نامزدگی صوبائی کونسل کرے گی اور ممبروں کی نامزدگی صوبائی کونسل چیئرمین کے مشورہ سے کرے گی۔

12-ا۔ ضلعی کمیٹی کی امداد کے لئے ضلع کی ہر تحصیل یا تعلقہ میں ایک ایک تحصیل یا تعلقہ زکوٰۃ وعشر کمیٹی تشکیل دی جائے گی۔

۲۔ تحصیل یا تعلقہ کمیٹی زکوٰۃ وعشر کی تشخیص اور فراہمی اور زکوٰۃ فنڈ سے تقسیم کی نگرانی کرے گی اور اس مقصد کے لئے منصوبے بھی تیار کرے گی۔ جن کے لئے تحصیل یا تعلقہ میں مصارف کرنے ہیں۔

۳۔ تحصیل یا تعلقہ کمیٹی اسسٹنٹ کمشنر اور کم از کم چار یا زیادہ سے زیادہ چھ ممبروں پر مشتمل ہوگی۔ جن کو مقررہ طریقے کے مطابق تحصیل یا تعلقہ کی مقامی کمیٹیوں کے ممبران چنیں گے۔

۴۔ شق 3 کے تحت چنے ہوئے ممبران اپنے آپ میں سے کمیٹی کا ایک چیئرمین منتخب کریں گے۔

13-ا۔ ہر ایک دارڈ، دیہہ، مال گزاری علاقہ یا گاؤں کے لئے ایک ایک مقامی زکوٰۃ وعشر کمیٹی تشکیل کی جائے گی۔

۲۔ مقامی کمیٹی ایک چیئرمین اور کم از کم چار یا زیادہ سے زیادہ چھ ممبران پر مشتمل ہوگی۔

۳۔ ضلع کمیٹی کا نامزد کوئی شخص اس علاقے کے رہائش پذیر بالغ مسلمانوں کا اجتماع طلب کریں گا بندوبست کر کے ان سے مقررہ طریقے کے مطابق، اس علاقہ کے رہائشی لوگوں میں سے جن پر انہیں اعتماد ہو ایک چیئرمین اور مقامی کمیٹی کے ممبران چننے کے لئے مدعو کرے گا۔

۴۔ اس آرڈر کے مقصد کے لئے لوکل کمیٹی مال گزاری اور نہری محکموں کے تعاون سے ہر ایک مالک زمین، انعام دار، پٹہ دار اور ٹھیکیدار کے ضمن میں مقررہ فارم پر ان کی ملکیت کے کوائف اور زرعی پیداوار کا تخمینہ جس پر عشر واجب الادا ہے، تیار کرے گی۔

۵۔ مقامی کمیٹی تشخیص کر کے عشر طلب کرے گی اور مناسب وقت کے اندر اندر جو کہ تاریخ تخمینہ سے تیس روز سے زیادہ نہ ہو عشر وصول کرے گی اور خود تشخیص کے اصول پر زکوٰۃ بھی وصول کرے گی۔

۶۔ زکوٰۃ عشر وصدقات جو مقامی کمیٹی اکٹھے یا وصول کرے گی زکوٰۃ فنڈ کے مقامی حساب میں جمع کرا دی جائے گی۔

۷۔ مقامی کمیٹی ایسے لوگوں کی ایک مکمل فہرست تیار کرے گی جن کی بحالیات اور امداد کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے رقم خرچ کی جائے اور ایسے لوگوں کو رقم تقسیم کر دے گی۔

۸۔ مقامی کمیٹی ایسے منصوبوں کی فہرست بھی تیار کرے گی جن کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے رقم فراہم کی جائے اور ان کی تصدیق کے بعد ان منصوبوں کے لئے رقم مقررہ طریق سے حد کے اندر خرچ کرے گی۔

۹۔ مقامی کمیٹی مقررہ صورت اور طریقے سے زکوٰۃ وعشر اور صدقات کی جمع کردہ اور مقامی فنڈ سے خرچ کردہ رقوم کا حساب رکھے گی۔

۱۰۔ کسی علاقہ میں مقامی خود اختیار اداروں کی تشکیل کے بعد ضلعی کمیٹیوں، تحصیل کمیٹیوں، تعلقہ کمیٹیوں یا مقامی کمیٹیوں کے وظائف ان اداروں کو منتقل کر دیئے جائیں گے جیسا کہ وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں اعلان کے ذریعہ ہدایت کرے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناقدانہ جائزہ (Critical Evaluation)

اس سے قبل زکوٰۃ وعشر کے ہنگامی قانون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس کے نفاذ سے توقع رکھی گئی تھی کہ کئی معاشی دشواریاں ختم ہو جائیں گی جیسا کہ غیر مسلموں' مسکینوں' یتیموں' بیواؤں اور گداگروں کی مالی اعانت ہوگی' انہیں سکھ و چین نصیب ہوگا۔ سرکاری آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوگا۔ غربت کا قلع قمع کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ غیروں سے بھیک نہیں مانگنی پڑے گی۔ خود انحصاری کی طرف قدم بڑھے گا۔ آمدنی کا فرق گھٹے گا۔ معذوروں' بیماروں' محتاجوں اور بے کاروں کی دادرسی (Relief) ہوگی۔ معاشی' سیاسی اور معاشرتی استحکام و دوام حاصل ہوگا۔ نظام اسلام کی برکات وثمرات سے فلاح واصلاح کا مقصد اعلیٰ حاصل ہوگا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ کیونکہ حسب ذیل خامیاں اور نقائص پائے جاتے ہیں:

1- سود کی موجودگی:

سودی مفاسد جاری وساری ہیں۔ غیر سودی معیشت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ زکوٰۃ بھی انہی کھاتوں سے کاٹی جاتی ہے جو ناجائز فعل ہے۔

2- مدت:

اسلامی نقطۂ نظر سے جس بچت کو سال گزر جائے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مگر عرصۂ وقت کا خیال نہیں رکھا جاتا جس سے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ مناسب نہیں ہے۔

3- موزوں افراد کا چناؤ:

زکوٰۃ کمیٹیوں میں بااثر افراد گھس آتے ہیں جن کی اہلیت و دیانت مشکوک ہوتی ہے اور اس کے باعث بے ضابطگی آجاتی ہے اور حق تلفی کے دروازے کھلتے ہیں اور غریب پریشان ہوتے ہیں۔

4- نصاب:

اس کا صحیح تعین نہیں کیا گیا کیونکہ ہر برس نئی شرح کا اعلان کیا جاتا ہے۔

5- تربیت کا فقدان:

زکوٰۃ وعشر کی وصولی کرنے والے افراد کی تعلیم و تربیت کا قطعاً کوئی اہتمام نہیں کیا گیا جس کے سبب کئی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ حکومت صحیح خطوط پر اسے استوار ہی نہیں کر سکی۔

6- اخفاء (Secrecy):

اس ضمن میں کوئی رازداری قائم نہیں کی جا سکی۔ زکوٰۃ بانٹنے والے افراد کو اپنے ڈیروں پر بلاتے ہیں جس سے ان کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے اور وہ اپنی توہین سمجھتے ہیں اور شرم محسوس کرتے ہیں۔

7- غلط فہرستیں:

کئی علاقوں کی فہرستیں بھی درست نہیں ہیں۔ متعدد مستحقین کے نام بھی شامل نہیں کئے گئے اور مالی مدد سے محروم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہتے ہیں بلکہ چند با اثر اشخاص حق تلفی کرتے ہیں۔

8- پٹواریوں کی ڈیوٹی:

عشر کی تشخیص (Assessment) کے لئے پٹواریوں کو فریضہ سونپا گیا ہے جس کی پہلے ہی سے شہرت خراب ہے۔ وہ ملی بھگت کر کے صحیح تخمینے (Estimates) نہیں لگاتے جس سے وصولی کم رہتی ہے۔

9- رقم واپس لے لینا:

چونکہ بینکوں کے کھاتوں (Deposits) سے زکوۃ کاٹی جاتی ہے اس لئے ماہ رمضان کا چاند نظر آنے سے پہلے بہت سے افراد بنک سے رقم نکلوا لیتے ہیں اور زکوۃ سے بچ جاتے ہیں۔

10- محرومی:

بعض اوقات چند نامعلوم اسباب کی بناء پر زکوۃ کی تقسیم درست نہیں کی جاتی اور اس کے حقداران محروم رہتے ہیں جس سے ان کی مالی پریشانیوں میں بہت اضافہ ہوتا ہے اور انہیں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس نظام کو از سر نو ترتیب دیا جائے تا کہ زیادہ فوائد مل سکیں اور مستحقین کی مالی امداد ہونے سے ان کی تنگی' فاقہ کشی اور بے بسی کا ازالہ کیا جا سکے جس سے وہ تندہی' یکسوئی' ثابت قدمی سے معاشی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکیں اور اپنی غربت کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معاشی اصلاحی تجاویز

(علماء کا متفقہ معاشی خاکہ)

پچھلے دنوں ملک کے 118 مقتدر علمائے کرام کی طرف سے 22 نکات پر مشتمل اسلامی معاشی اصلاحات کا ایک متفقہ خاکہ اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ جس پر تمام مکاتب فکر کے بلند پایہ علماء کے دستخط ہیں۔ یہ متفقہ اعلان بلاشبہ علماء کا ایک عظیم الشان مثبت کارنامہ ہے، اور امید ہے کہ 52ء کے 22 دستوری نکات کی طرح انشاء اللہ یہ 22 معاشی نکات بھی اسلامی جدوجہد کی تاریخ میں ایک سنگ میل ثابت ہوں گے۔

ہمارے ملک میں یہ سوال بڑے شدومد کے ساتھ اٹھایا گیا تھا کہ جس اسلامی معاشی نظام کو سرمایہ داری اور سوشلزم دونوں کے مقابلے میں انسانیت کی صلاح وفلاح کا ضامن بتایا جارہا ہے، وہ ہے کہا؟ اور کس طرح نافذ ہو سکے گا؟ علماء کے اس متفقہ خاکہ نے اس سوال کے جواب میں اسلامی معیشت کے بنیادی خدوخال خوب اچھی طرح واضح کر دیئے ہیں، اور جو شخص بھی انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ ان نکات کا بغور مطالعہ کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ مسلمانوں کو سرمایہ داری کے ظلم واستحصال کا علاج تلاش کرنے کے لئے ماسکو اور پیکنگ کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلامی معاشی اصلاحات کی توضیح کے علاوہ اس اعلان کا نہایت روشن پہلو یہ ہے کہ یہ معاشی خاکہ تمام مسلمانوں کے مکاتب فکر کے اتحاد واتفاق سے منظر عام پر آیا ہے۔ اور اس میں دیوبندی بریلوی اہل حدیث اور شیعہ حضرات کے دستخط پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ ہمارے ملک میں سوچی سمجھی اسکیم کے تحت علما کے اختلافات کا شدت کے ساتھ پروپیگنڈہ کر کے ذہنوں پر یہ تاثر بٹھانے کی منظم کوشش کی گئی ہے کہ علماء کے درمیان کسی بھی معاملے میں کوئی نقطۂ اتفاق موجود نہیں ہے۔ اس پروپیگنڈے کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں صحیح اسلامی نظام کے قیام سے عام مایوسی پیدا کی جائے اور جب اس ملک کی گاڑی کو اسلامی خطوط پر چلانے کا سوال آئے تو یہ کہہ کر بات ختم کر دی جائے کہ علماء کے اختلافات کی موجودگی میں پورے ملک کے لئے کوئی متفقہ نظام قائم نہیں کیا جاسکتا۔

علماء کے اس متفقہ معاشی خاکے نے اس پروپیگنڈے کی قلعی بھی خوب اچھی طرح کھول دی ہے اور اب یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ اسلام کے جس معاشی نظام کو علماء فلاح وبہبود کا ضامن بتاتے ہیں۔ وہ ہے کیا؟ اور تمام فرقوں کے اتفاق سے کیوں کر نافذ ہوسکتا ہے؟

توقع کے مطابق علماء کی اس قابل قدر خدمت کو ملک کے ہر طبقے کی طرف سے کوب سراہا گیا ہے۔ علماء سیاسی رہنماؤں اور صحافیوں کے علاوہ ملک کے ممتاز ماہرین معاشیات نے بھی اس کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے اور ماہرین معاشیات نے یہ یقین بھی ظاہر کیا ہے کہ اگر اسی معاشی خاکہ کو عملاً نافذ کیا جائے تو ملک میں عام خوشحالی کی فضا پیدا ہو جائے گی۔ آج کی صحبت میں ہم ان 22 معاشی نکات کی چند نمایاں خصوصیت پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان مختصر نکات کے اثرات ونتائج نسبۃً وضاحت کے ساتھ سامنے آسکیں۔

معاشی خاکے کی تیاری کا کام بے انتہا نازک ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں تحقیق اور تحریف کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں، اس لئے یہ کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنہوں نے قرآن وسنت کو سمجھنے میں اپنی عمریں کھپائی ہوں، اسلامی شریعت کے مآخذ کو کھنگالا ہو اور دین کے صحیح مزاج ومذاق کو سمجھنے کی حقیقی کوشش کی ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی خاکہ کے مرتبہ کرنے والوں میں بھاری تعداد ایسے ہی حضرات کی ہے اور انہوں نے اس کام کی تمام نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ خاکہ مرتب کیا ہے۔ چنانچہ اس میں بعض احکام عبوری نوعیت کے بھی ہیں، مثلاً حکومت کی طرف سے قیمتوں کا تعین، اسلام کا اصل منشاء یہ ہے کہ بازار سے اجارہ داریاں بالکل ختم ہوں اور ان کی جگہ آزاد مسابقت کی فضا پیدا ہو جس میں تمام اشیاء و خدمات (Goods and services) فطری عوامل کے تحت اپنی قیمت آپ متعین کریں اور معاشیات میں بصیرت رکھنے والے تمام ماہرین اس پر متفق ہیں کہ بازار میں عام ارزانی پیدا کرنے کی اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں ریٹ کنٹرول کے مصنوعی طریقوں سے قیمتیں مقرر کرنا کبھی مستقل طور پر کارگر ثابت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ معیشت کے جسم میں اندرونی بیماریاں پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ بازار سے اجارہ داریوں کا خاتمہ ایسا کام نہیں ہے جو آناً فاناً انجام پا جائے، اس لئے ریٹ کنٹرول کے طریقے کی اجازت اسلام نے صرف عبوری دور کے لئے دی ہے۔ چنانچہ علماء نے بھی اپنے معاشی خاکہ میں یہ تجویز عبوری دور کے لئے ہی پیش کی ہے۔

اسی طرح کسی کی جائز ملکیت کو زبردستی چھین لینا تو اسلام کی قطعی نصوص کے بالکل خلاف ہے اور اسے کوئی اجتہاد حلال نہیں کر سکتا، اس لئے علماء کے اس خاکہ میں اس قسم کی کوئی تجویز نہیں ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سالہا سال کے غلط نظام معیشت کی بناء پر ہمارے ملک میں ارتکاز دولت کا عظیم فتنہ پیدا ہو گیا ہے اس لئے علماء نے کئی متبادل تجاویز پیش کی ہیں جو اسلام کے مطابق بھی ہیں اور سرمایہ دارانہ ارتکاز کو ختم کر کے تقسیم دولت کو متوازن بنانے کے لئے بے حد مفید بھی۔ مثلاً:

۱۔ خاکہ کے نکتہ نمبر 6 میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ نیم سرکاری صنعتوں میں صرف ان لوگوں کو حصہ دار بنایا جائے جن کی آمدنی ایک ہزار روپیہ ماہانہ سے کم ہے اور اب تک ایسی صنعتوں میں زائد آمدنی والے جن افراد کے حصص ہیں، ان کے ساتھ سال ختم ہونے پر شرعی قواعد کے تحت معاہدہ فسخ کر دیا جائے!

کلیدی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کے مقابلے میں یہ تجویز غریب اور متوسط طبقے کے عوام کے لئے کہیں زیادہ مفید ہوگی، کیونکہ صنعتوں کی قومی ملکیت سے عوام براہ راست صنعتوں کے ملک نہیں بنتے، اس کے بجائے مذکورہ صورت میں وہ براہ راست صنعتوں کے مالک ہو کر ان کے منافع میں شریک ہوں گے۔

۲۔ نکتہ نمبر 19 میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک جن سرمایہ داروں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، ان سے زکوٰۃ وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کی جائے۔

۳۔ نکتہ نمبر 10 میں کہا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے صنعتکاروں پر یہ شرط بھی عائد کی جا سکتی ہے کہ وہ نقد اجرت کے علاوہ مزدوروں کو کسی خاص کارکردگی پر یا خاص مدت میں، یا اوور ٹائم کی مخصوص مقدار کے معاوضہ میں کسی خاص کارخانے میں مالکانہ حصص دیا کریں۔

۴۔ زمینوں کے ارتکاز کو دور کرنے کے لئے نکتہ نمبر 14 میں اسلام کے نظام وراثت کو نافذ کرنے کی سفارش کی گئی ہے، بڑی بڑی جاگیروں میں اگر اسلامی قواعد کے مطابق وراثت جاری کی جائے تو چند ہی سال میں ساری بڑی بڑی زمینیں مناسب اکائیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔

۵۔ نکتہ نمبر 11 میں کہا گیا ہے بٹائی کے معاملہ میں جس ظالمانہ رسم و رواج نے جڑ پکڑ لی ہے اور جس کی وجہ سے کسانوں پر ناجائز شرطیں عائد کی جاتی ہیں۔ اگر اس پر فوری طور پر قابو پانا ممکن نہ ہو تو اسلامی حکومت کو یہ بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار ہے کہ وہ ایک خاص مدت کے لئے یہ اعلان کردے کہ اب زمینیں بٹائی کے بجائے ٹھیکہ پر دی جائیں، یا یہ طریقہ تجویز کردے کہ کاشت کر بٹائی کے بجائے مقررہ اجرت پر زمیندار کے لئے بحیثیت مزدور کام کریں گے، اس اجرت کا تعین بھی حکومت کرسکتی ہے اور بڑے بڑے جاگیرداروں پر یہ شرط بھی عائد کرسکتی ہے کہ وہ ایک عبوری دور تک اپنی زمینوں کا کچھ حصہ سالانہ اجرت کے طور پر مزدوروں کاشت کاروں کو دیں گے۔

٦۔ نکتہ نمبر 13 سفارش کی گئی ہے کہ اس وقت تک جتنی زمینیں رہن رکھی ہوئی ہے ہیں: وہ چونکہ سود کے معاملہ پر گردی دی گئی تھیں۔ اس لئے ان سب کو چھڑا کر قرضدار کو واپس دیا جائے اور قرض خواہوں نے ان سے جتنی آمدنی حاصل کی ہے وہ قرض میں محسوب کی جائے۔

بلاشبہ یہ تجویز ایسی ہیں کہ اگر ان پر خاطر خواہ طریقے سے عمل کرلیا جائے تو ہمارا معاشرہ دولت کی جس شدید ناہمواری میں مبتلا ہے، وہ ختم ہو جائے گی اور اس طرح آئندہ اسلامی نظام معیشت کے حقیقی فوائد وثمرات حاصل کرنے کے لئے زمین ہموار ہو سکے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم معاشی شعبے، کارکردگی اور نقائص کے ازالے کیلئے تجاویز

آج کل یہ سوال عام ہے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے مقابلے میں اسلام کا معاشی نظام جس کو پوری انسانیت کے لئے امن واطمینان کا ضامن بتلایا جاتا ہے، وہ نظام کیا ہے؟ اور اس کے ذریعہ ملکی معیشت کے مسئلے کس طرح حل ہو سکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں اصل بات تو یہ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام کوئی خالص نظری فلسفہ نہیں ہے جسے کبھی دنیا نے عملی زندگی میں دیکھا اور برتا نہ ہو، بلکہ یہ نظام سینکڑوں سال تک دنیا میں عملی طور پر نافذ رہا، اور اس کی یہ برکتیں ہر دور اور ہر ملک میں ہر شخص نے مشاہدہ کی ہیں کہ جب کسی جگہ یہ نظام رائج ہوا وہاں ان معاشی ناانصافیوں کا نام ونشان نہیں رہا جن سے آج کی دنیا بے چین ہے۔ وہاں غریب وامیر کی جنگ کا کوئی نام ونشان نہیں تھا، وہاں مزدور اور سرمایہ دار کی کوئی تفریق نہیں تھی، سب ایک ہی برادری کے افراد تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ تعاون کرتے تھے، وہاں مزدور اور کسان حقیر وذلیل نہیں تھا، اس کی ایسی ہی عزت کی جاتی جیسی برادری کے دوسرے افراد کی، وہاں صنعت اور تجارت پر اجارہ داریاں نہیں تھیں جن کی وجہ سے ملک کی دولت بڑے سرمایہ داروں کے لئے مخصوص ہو کر رہ جائے وہاں ان تمام دروازوں کو بند کر دیا گیا تھا جن کی وجہ سے ''بڑے لوگ'' اشیاء صرف کی قیمتوں پر حاکم بن کر بیٹھ جائیں گرانی غریبوں کی کمر توڑتی رہے اور غریب عوام مصنوعی قحط کا شکار ہو کر رہ جائیں۔

پھر یہ نظام ایسا بھی نہیں ہے کہ سینہ بہ سینہ ہی چلا آیا ہو۔ اس کی تفصیلات پر ہزاروں کتابیں موجود ہیں، علم فقہ کی کتابوں کا ایک بڑا حصہ اسلام کے معاشی قوانین ہی پر مشتمل ہے۔ اور بہت سے لوگوں نے ان احکام کو قانونی دفعات کی شکل میں بھی مدون کر دیا ہے، مگر اس کا علاج کس کے پاس ہے کہ ہم مسلمان خود اپنے دین کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے اپنے وقت اور توانائی کا ہزارواں حصہ بھی خرچ نہ کریں، کبھی قرآن، حدیث اور فقہ کو سنجیدگی کے ساتھ نہ پڑھیں، اور جب کوئی شخص ''اسلام کے معاشی نظام'' کا نام لے تو اس کے بارے میں یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ یہ کوئی نئی اصطلاح ہے جس کا نہ کوئی مفہوم ہے، اور نہ ماضی میں اس کا کوئی عملی وجود قائم ہوا ہے۔ یہی صورت حال ہے جس نے اس وقت یہ سوال کھڑا کیا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم دونوں کے مقابلے میں جس اسلامی نظام کو علماء دین سب سے بہتر کہتے ہیں وہ آخر ہے کیا؟

اس کا مکمل جواب تو یہی ہے کہ اسلامی فقہ کی کتابیں پڑھئے، ہر ہر جز کی تفصیلات سامنے آجائیں گی، لیکن یہ معلوم ہے کہ فی الوقت یہ سوال کوئی خالص علمی حیثیت کا سوال نہیں جس کو فرصت کے اوقات میں حل کیا جا سکے، بلکہ یہ ملک کے ہنگامی حالات کا پیدا کیا ہوا سوال ہے جس کا مختصر جواب جلد سے سامنے آجانا چاہئے۔ چنانچہ ہم ذیل میں نمونہ کے طور پر اسلام کے معاشی نظام کی چند بنیادی خصوصیات پیش کر رہے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اگر ہمارے ملک میں صحیح اسلامی نظام رائج ہو تو اپنی معیشت کے موجودہ ڈھانچے میں ہمیں کون سی بنیادی تبدیلیاں کرنی ہوں گی؟ تقسیم دولت کے موجودہ نظام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اور ان کے ذریعہ عالم خوشحالی کی فضا کیوں پیدا ہو سکے گی؟

اس وقت ہمارا سب سے بڑا معاشی مسئلہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے، عوام کی سب سے اہم اور معقول شکایت یہ ہے کہ ملک کی معاشی ترقی سے چند گنے چنے خاندان نہال ہو رہے ہیں، اور عام آدمی فقر وافلاس کا شکار ہے، سرمایہ دارانہ نظام کی ستائی ہوئی دنیا کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے آج کل ''سوشلزم'' کا نسخہ پیش کیا جا رہا ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت حال کا علاج سوشلزم کے پاس نہیں ہے، اور یہ علاج صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

غور کیا جائے تو ہمارے معاشرے میں عام آدمی کی معاشی پریشانی کے بنیادی طور پر دو سبب ہیں، آمدنی کی کمی اور گرانی کی وجہ سے اخراجات کی زیادتی۔ اور ان دونوں اسباب کی ذمہ داری ہماری معیشت کے اس سرمایہ دارانہ نظام پر عائد ہوتی ہے جس نے پوری قوم کی دولت کو چند ہاتھوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ اسلامی نظام معیشت نافذ ہو تو مندرجہ ذیل اقدامات کے ذریعہ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ختم ہوتی چلی جائیں گی۔

۱۔ صنعتی اجارہ داریاں جو کارٹیل وغیرہ کی شکل میں رائج ہیں، ان سب کو ممنوع قرار دے کر آزاد مسابقت کی فضا پیدا کی جائے تاکہ ناجائز منافع خوری کا انسداد ہو سکے۔ اس وقت ان صنعتی اجارہ داریوں کی وجہ سے پورا بازار چند بڑے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے، اور وہی قیمتوں کے نظام کو اپنی طبعی رفتار سے ہٹا کر گرانی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اگر یہ اجارہ داریاں ٹوٹ جائیں تو منافع کی جو زائد مقدار سرمایہ داروں کے پاس جا رہی ہے اس سے عوام مستفید ہو سکیں گے۔

۲۔ کلیدی صنعتیں مثلاً ریلوے، جہاز رانی، جہاد سازی، فولاد سازی، تیل وغیرہ کی صنعتیں حکومت خود اپنی نگرانی میں قائم کرے اور ان میں صرف ان لوگوں کے حصص قبول کئے جائیں جن کی آمدنی ایک ہزار روپے ماہانہ سے کم ہو، یا جن کا بینک بیلنس پانچ ہزار روپے سے کم ہو اور اب تک اس قسم کی صنعتوں میں اس سے زائد آمدنی یا بینک بیلنس والے جن افراد کے حصص ہیں، ان کے ساتھ سال کے ختم پر شرکت کا معاہدہ فسخ کر دیا جائے۔

یہ طریقہ صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے سے کہیں زیادہ مفید ہوگا۔ اس لئے کہ صنعتوں کے قومی ملکیت میں چلے جانے سے صنعتیں غریبوں کی ملکیت میں نہیں آتیں، بلکہ ان پر سرکاری افسروں کا تسلط قائم ہو جاتا ہے، اس کے بجائے اس صورت میں غریب عوام براہ راست صنعتوں کے مالک ہوں گے اور ان پر نہ سرمایہ داروں کا تسلط ہوگا نہ حکومت کا۔

۳۔ سود ارتکاز دولت کا سب سے بڑا سبب ہے، قوم کے لاکھوں افراد کے مجتمع سرمایہ سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ اس سودی نظام کی وجہ سے سارا کا سارا ان چند سرمایہ داروں کی جیب میں چلا جاتا ہے جو بینک سے لاکھوں روپیہ قرض لے کر بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں اور عوام کو نہایت معمولی سی رقم سود کی شکل میں ملتی ہے۔ اور چوں کہ سرمایہ دار نفع کی اتنی بھاری مقدار حاصل کر کے بازار کے حکمراں بن جاتے ہیں۔ اور جب چاہتے ہیں مصنوعی قحط اور گرانی پیدا کر دیتے ہیں اس لئے یہ معمولی سی رقم بھی بالآخر مزید کچھ سود لے کر ان ہی سرمایہ داروں کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ مثلاً کراچی میں روئی کی لاکھوں گانٹھیں آتی ہیں، اور یہ ساری گانٹھیں صرف چند تاجر خریدتے ہیں جن کو بینک کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ اپنے روپے سے گانٹھوں کا کروبار کرنے والا ایک بھی نہیں ہے۔

اسلام نظام قائم ہو تو یہ ظالمانہ ختم ہو کر بینکاری کا نظام سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے گا جس کے نتیجے میں بینک میں روپیہ جمع کرنے والے عوام بینک کے جمع شدہ سرامیہ کے نفع میں شریک ہوں گے اور اس سے دو طرفہ فائدے ہوں گے۔ ایک طرف بازار پر سے چند افراد کا تسلط ختم ہوگا اور اس سے ارزانی پیدا ہوگی، دوسری طرف منافع کے حصے دار بہت زیادہ ہوں گے اور بڑی بڑی تجارتوں کا متناسب منافع بینکوں کے واسطے سے عوام تک پہنچے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گا۔ اور دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائروں میں گردش کرے گی۔

بینکاری کے نظام کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلانے کی عملی شکل کیا ہوگی؟ اس کی تفصیلات متعدد علمی حلقوں کی طرف سے بار بار شائع ہو چکی ہیں اور بینکاری کے ماہرین نے انہیں قطعی طور پر قابل عمل اور زیادہ مفید قرار دیا ہے (اس نظام کا ایک خاکہ انشاء اللہ عنقریب الگ شائع کر دیا جائے گا)

۴۔ اشیاء کی گرانی اور سرمایہ کے ارتکاز کا دوسرا بڑا سبب ہمارے معاشرے میں ''سٹہ'' کی اندھی تجارت ہے، سٹہ کی مفصل خرابیاں بیان کرنے کے لئے تو ایک مستقل مقالہ چاہئے، ایک مختصر مثال یہ ہے کہ اس کاروبار کی وجہ سے مال کے ذخیرے ابھی بازار کے قریب بھی نہیں آنے پاتے کہ اس پر سینکڑوں سودے ہو جاتے ہیں، ایک تاجر مال کا آرڈر دے کر مال کی روانگی سے پہلے ہی اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ دوسرا تیسرے کے ہاتھ اور تیسرا چوتھے کے ہاتھ۔ یہاں تک کہ جس وقت مال بازار میں پہنچتا ہے تو وہ بعض اوقات خرید و فروخت کے سینکڑوں معاملات سے گزر چکا ہوتا ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بازار تک پہنچتے پہنچتے اس کے دام کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، بیس روپیہ کی چیز بچاس ساٹھ روپے میں بکتی ہے۔ یہ سارا نفع سٹہ باز لے اڑتے ہیں اور عوام کی جیب خالی ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسلامی نظام میں اس اندھے کاروبار کی گنجائش نہیں، اسلام میں مال کے قبضے سے پہلے اسے بیچنا ناجائز ہے، لہٰذا اسلامی نظام قائم ہوا تو سٹہ کا یہ سارا کاروبار ممنوع ہو جائے گا جس سے اشیاء صرف لازمی طور پر سستی ہوں گی اور منافع کی وہ زائد مقدار جو اس اندھے کاروبار کی وجہ سے چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کھیلتی ہے، اس سے غریب عوام مستفید ہو سکیں گے۔

۵۔ ہمارے موجودہ نظام معیشت میں ارتکاز دولت کا تیسرا سبب ''قمار'' ہے انشورنس کا پورا نظام اسی قمار پر قائم ہے، اس کے علاوہ گھوڑوں کی ریس۔ معمہ بازیاں، انواع و اقسام کی لاٹریاں، کھیل تماشوں کے سیزن ٹکٹ، یہ سب قمار کی وہ ہلاکت آفریں اقسام ہیں جن کی زد سب سے زیادہ غریب عوام پر پڑتی ہے، اور ان کے ذریعہ غریب عوام کی کمائی کا ایک ایک روپیہ جمع ہو کر کسی ایک فرد پر ہن برسا دیتا ہے اور باقی سب لوگ دیکھتے، رہ جاتے ہیں، اسلامی حکومت میں قمار کی یہ تمام صورتیں ممنوع ہوں گی، اور عوام کو بے وقوف بنانے کے یہ دروازے بند ہو جائیں گے۔

انشورنس کے موجودہ نظام میں انشورنس کمپنیوں کے جمع شدہ سرمائے سے سب سے زیادہ فائدہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے جو آئے دن مختلف حادثات کے بہانے رقمیں وصول کرتے رہتے ہیں، غریبوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔ گویا اسی طریقے سے بڑے بڑے سرمایہ دار اپنے جانی و مالی نقصانات کی ذمہ داری بھی ان غریب عوام پر ڈال دیتے ہیں جن کا نہ کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے، نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے اس طریقے کو بدل کر اسلامی حکومت ''امداد باہمی'' کی ایسی انجمنیں قائم کرے گی جو سود اور قمار سے خالی ہوں اور جن سے غریب عوام زیادہ بہتر طریقے سے مستفید ہو سکیں گے۔ (اس کی عملی اسکیمیں بھی علماء کی طرف سے شائع کی جا چکی ہیں اور انشاء اللہ عنقریب انہیں الگ منظر عام پر لایا جائے گا)

۶۔ ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری پر بدنی تعزیرات مقرر کی جائیں گی اور ذخیرہ اندوزوں کو اپنے ذخائر بازار میں لانے پر مجبور کیا جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۷۔ لائسنس اور پرمٹ کا مروجہ طریقہ بھی تجارتی اجارہ داریوں کے قیام میں بہت بڑا معاون ہوتا ہے، آج کل ہو یہ رہا ہے کہ صرف بڑے سرمایہ داروں کو سیاسی رشوت کے اور خویش پروری کے طور پر بڑے بڑے لائسنس دے دیئے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں صنعت وتجارت پر ان کی کو دغرضانہ اجارہ جاری قائم ہو جاتی ہے۔ اس سے ایک طرف تو گرانی بڑھتی ہے، دوسری طرف تھوڑے سرمایہ والوں کے لئے بازار میں آنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اگر تجارت کو اس ظالمانہ طریق کار سے آزاد کر دیا جائے تو اشیائے صرف خود بخود سستی ہو جائیں گی اور ایک عام آدمی بھی معمولی سرمایہ کے ذریعہ تجارت وصنعت میں داخل ہو سکے گا۔ اور آج کا مزدور کل کا کارخانہ دار بن سکے گا۔

۸۔ موجودہ نظام میں تنخواہوں کا معیار نہایت غیر منصفانہ اور مختلف درجات کا باہمی تفاوت بہت زیادہ ہے، اس تفاوت کو کم کر کے مناسب سطح پر لایا جائے گا۔

۹۔ ہمارے یہاں مزدوروں کی اجرت کی سطح بہت پست ہے، ایک اندازے کے مطابق مغربی پاکستان میں پانچ افراد پر مشتمل ایک اوسط درجے کا خاندان کم از کم خرچ دوسو بیس روپے ہے اور مشرقی پاکستان میں دوسو ساٹھ روپے لیکن اجرتوں کا معیار اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ پست ہے، پاکستان کے مختلف علاقوں اور مختلف صنعتوں میں کم از کم تنخواہ بہتر روپیہ سے لے کر ایک سو سترہ روپیہ تک رہی ہے، اور نئی لیبر پالیسی میں زائد سے زائد مقدار ایک سو چالیس روپیہ مقرر کی گئی ہے، لیکن بڑھتی ہوئی گرانی کے اس دور میں یہ تنخواہ بھی نا قابل اطمینان ہے، اور اس میں حقیقت پسندانہ اضافے کی جرورت ہے۔ اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اجرتوں کی ایسی کم از کم شرح متعین کر دے جو مزدور کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور صنعتی نظام کے لئے قابل عمل بھی، اس کی تعیین کے لئے مزدوروں اجروں اور حکومت کے مساوی نمائندگان پر مشتمل اجرت بورڈ ہونا چاہئے جو بدلتے ہوئے حالات میں اجرتیں تبدیل کرن کا مجاز ہو، کم از کم شرح متعین کرنے کے بعد اجرتوں کی مزید مقدار مزدوروں کی قوت معاملات (Bargning Power) پر چھوڑ دی جائے۔

۱۰۔ آجروں کے ساتھ مزدوروں کے معاملے میں یہ شرط بھی حکومت کی طرف سے عائد کی جاسکتی ہے کہ وہ نقد اجرت کے علاوہ مزدوروں کو کسی خاص کارکردگی پر یا خاص مدت میں یا اوور ٹائم کی مخصوص مقدار کے معاوضے کے طور پر یا خاص مدت میں یا اوور ٹائم کی مخصوص مقدار کے معاوضے کے طور پر ان کو نقد بونس دینے کے بجائے کسی مخصوص کارخانے کے سیرز مالکانہ حیثیت میں دے دیں۔ اس طرح مزدور کارخانوں میں حصہ دار بن سکیں گے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ مزدوروں کی اجرت میں یہ اضافہ اسی صورت میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے کہ جب کہ ان کے لئے صنعتی اجارہ داریوں کو توڑنے کے ساتھ ساتھ دو اقدامات بھی کئے جائیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ورنہ اجرتوں کی زیادتی سے قیمتیں بڑھ جائیں گی اور سرمایہ دار جو رقم ایک جانب سے مزدور کو دے گا وہ دوسری طرف سے وصول کر لے گا۔ اور مزدور کی مشکلات حل نہ ہو سکیں گی۔

۱۱۔ مزدوروں کی اجرت کی طرح اسلامی حکومت کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کسانوں کے لئے بٹائی کی ایسی کم از کم شرح متعین کر دے۔ جو کسانوں کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہو اور ان کی ضروریات زندگی کی معقول کفالت بھی کر سکے اس غرض کے لئے بھی ایک بورڈ قائم ہونا چاہئے جس میں کسانوں، زمینداروں اور حکومت کو مساوی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمائندگی حاصل ہو۔

۱۲۔ مزارعت (بٹائی) کے معاملات میں جو ظلم وستم زمینداروں کی طرف سے کسانوں پر ہوتے ہیں، ان کی اصل وجہ مزارعت (بٹائی) کا جواز نہیں، بلکہ وہ فاسد شرطیں ہیں جو زمیندار کسانوں کی بے چارگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر قولی یا عملی طور سے عائد کر دیتے ہیں، اور جو اسلامی کی رو سے قطعاً ناجائز اور حرام ہیں اور ان میں سے بہت سی بیگار کے حکم میں آتی ہی۔ ایسی تمام شرائط کو، کواہ وہ زبانی طے کی جاتی ہوں یا رسم ورواج کے ذریعہ ان پر عمل چلا آتا ہو، قانوناً ممنوع قرار دے دیا جائے تو مزارعت کا معاملہ کسانوں کے حق میں بالکل بے ضرر ہو جائے گا۔

۱۳۔ مزارعت کے معاملے میں جس ظالمانہ رسم ورواج نے جکڑ لیا ہے اور جس کی وجہ سے کسانوں پر ناجائز شرطیں عائد کی جاتی ہیں، اگر اس پر فوری طور سے قابو پانا ممکن نہ ہو تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ ایک عبوری دور کے لئے یہ اعلان کر دے کہ اب زمینیں بٹائی کے بجائے ٹھیکہ پر دی جائیں، یا یہ طریقہ تجویز کر دے کہ کاشتکار بٹائی کے بجائے مقررہ اجرت پر زمیندار کے لئے بحیثیت مزدور کام کریں گے۔ اس اجرت کی تعیین بھی حکومت کر سکتی ہے اور بڑے بڑے جاگیرداروں پر یہ شرط بھی عائد کر سکتی ہے کہ وہ ایک عبوری دور تک زمین کا کچھ حصہ سالانہ اجرت کے طور پر مزدور کاشتکاروں کو دیں گے۔

۱۴۔ احیاء اموات کے شرعی قوانین نافذ کئے جائیں، یعنی جو کاشت کار غیر مملوکہ غیر آباد بنجر زمینوں کو خود آباد کریں گے ان کو ان زمینوں پر مالکانہ حقوق دیئے جائیں، جو زمینیں جاگیرداروں کو آباد کرنے کے لئے دی گئیں، اور انہوں نے ان کو خود آباد کرنے کے بجائے کاشتکاروں کو بٹائی پر دے دیا تو وہ کاشتکاروں کی ملکیت ہو گئیں، کاشت کاروں کو ان پر مالکانہ حقوق دیئے جائیں اور پیداوار کا جو حصہ جاگیرداروں نے وصول کیا وہ واپس لیا جائے۔

۱۵۔ زمینوں کے رہن کے جتنے سودی طریقے رائج ہیں، ان سب کو یکسر ممنوع قرار دیا جائے گا۔ اور جو زمینیں اس وقت ناجائز طریقوں سے زیر بار ہیں ان سب کو چھڑا کر ان کے غریب اور مستحق مالکوں کو لوٹایا جائے۔ اس عرصے میں قرض کواہوں نے رہن زمین سے جو نفع اٹھایا ہے اس کا کرایہ ان کے ذمہ واجب ہے، اس کرائے کو قرض میں محسوب کیا جائے، اور اگر کرایہ کی رقم قرض سے زیادہ، ہو تو وصول کر کے قرض دار کو دلوائی جائے۔

۱۶۔ ہمارے یہاں بڑی بڑی جاگیروں کے ارتکاز کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سی زمینوں میں سالہا سال سے وراثت جاری نہیں ہوئی اسلامی حکومت ایسی زمینوں کی تحقیق کے لئے بھی ایک بورڈ قائم کرے جو ایسی زمینوں کو ان کے شرعی مستحقین میں تقسیم کرے۔ اگر اسلام کا قانون وراثت صحیح طریقے سے جاری ہو تو ایک ہاتھ میں بڑی بڑی جاگیریں جمع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۷۔ انتقال جائیداد کے طریقوں کو سہل بنایا جائے اور زمینوں کی آزادانہ خرید وفروخت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۱۸۔ کاشتکاروں کے لئے حکومت کی طرف سے غیر سودی قرضوں کا انتظام کیا جائے۔

۱۹۔ کاشت کاروں کے لئے آسان قسطوں پر زرعی آلات مہیا کئے جائیں اور زراعت کی بہتر تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے۔

۲۰۔ زرعی امداد باہمی کی تحریک میں ایسی باہمی کاشت کے طریقے کو فروغ دیا جائے جس میں کھاد، بیج اور آلات کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فراہمی انجمن کے ماتحت ہو۔

۲۱۔ ہمارے معاشرے میں زرعی پیداوار کی فروخت اتنے واسطوں سے ہو کر گذرتی ہے کہ ہر درمیانی مرحلے پر قیمت کا حصہ تقسیم ہوتا چلا جاتا ہے۔ آڑھتیوں، دلالوں اور اس طرح کے دوسرے درمیانی اشخاص (Middle Men) کی بہتات سے دوطرفہ نقصان ہوتے ہیں۔ ایک طرف کاشتکاروں کو پیداوار کا مناسب معاوضہ نہیں مل پاتا اور دوسری طرف بازار میں گرانی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے احادیث کی رو سے اسلام میں دیہی کاشتکار اور شہری خوردہ فروش کے درمیانی واسطوں کو پسند نہیں کیا گیا۔ اسلام نظام میں موجودہ طریقے کو بدل کر یا تو ایسے منظم بازار (Organised Masleits) کافی تعداد میں قائم کئے جائیں جن میں دیہی کاشت کار خود بلاواسطہ پیداوار کو فروخت کر سکیں، یا پھر فروخت پیداوار کا کام لینے کے لئے آڑھتیوں اور دلالوں سے کام لینے کے بجائے امداد باہمی کی ایسی انجمنیں قائم کی جائیں جو خود کاشت کاروں پر مشتمل ہوں اور یہ انجمنیں پیداوار فروخت کریں، تاکہ قیمت کا جو بڑا حصہ درمیانی اشخاص کے پاس چلا جاتا ہے اس سے کاشت کار اور عام صارفین فائدہ اٹھا سکیں۔

۲۲۔ نفقات کے بارے میں اسلام قانون کو تمام و کمال نافذ کیا جائے اور بیوی بچوں کے علاوہ جن خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت اسلام نے خاندان کے کشادہ دست افراد پر ڈالی ہے اس کو قانونی شکل دے کر یتیموں، بیواؤں، بیماروں اور اپاہجوں کے معاش کا بندوبست کیا جائے۔

۲۳۔ زکوٰۃ کی نگرانی کے لئے مستقل محکمہ قائم کیا جائے جو مندرجہ ذیل کام کرے۔

الف:۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک جن سرمایہ داروں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے۔ ان سے زکوٰۃ وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کرے۔

ب:۔ ہر سال مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کر کے اسے غریبوں میں تقسیم کرے۔

ج:۔ سونے چاندی کی سالانہ زکوٰۃ اور زرعی پیداوار کا عشر مالکان خود ادا کریں گے۔ لیکن یہ محکمہ اس بات کی نگرانی کرے کہ انہوں نے زکوٰۃ اور عشر ادا کیا ہے یا نہیں؟

۲۴۔ ملک کے ہر باشندے کے لئے روزگار فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اور کوشش کے باوجود جو افراد بے روزگار رہ جائیں ان کے لئے روزگار کی فراہمی تک "بیروزگاری الاؤنس" جاری کئے جائیں۔

۲۵۔ حکومت کی طرف سے ایک "فلاحی فنڈ" قائم کیا جائے، اور اس فنڈ کے لئے سالانہ بجٹ میں مستقل رقم رکھی جائے اور عام چندوں کے ذریعہ بھی اس رقم میں اضافہ کیا جائے۔ اس فنڈ کے ذریعے بھاری صنعتیں بھی قائم کی جا سکتی ہیں تاکہ اس رقم کے ذریعہ ملکی صنعت کو فروغ بھی ہو اور ان کے منافع سے "فنڈ" میں اضافہ بھی ہوتا رہے۔ اس فنڈ کے ذریعہ عام غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی رہائش کا معیار بلند کرنے کے لئے آسان قسطوں پر متوسط درجے کے مکانات تعمیر کئے جائیں، کثیر تعداد میں مفت شفاخانے قائم کئے جائیں۔ بتدریج میٹرک تک کی تعلیم مفت کی جائے۔ اور عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسرے اقدامات کئے جائیں۔

۲۶۔ کسی قوم کی معاشی حالت محض پیسوں کی کثرت سے نہیں سدھر سکتی جب تک وہ بیہودہ یا مخرب اخلاق چیزوں میں پیسہ خرچ کرنے سے اور ضرورت کے کاموں میں اسراف بیجا سے پرہیز نہ کرے۔ یوں تو فضول کرچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انفرادی ملکیتوں میں بھی حرام اور جائز ہے، لیکن جو رقم کسی شخص کی انفرادی ملکیت نہ ہو بلکہ قومی ملکیت ہو اس میں فضول کرچی کی حرمت اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ فضول کرچی قومی خزانے میں ہوتی ہے۔ ہر سال خزانے کا بلا مبالغہ کروڑوں روپیہ شاہانہ تقریبات، سرکاری دوروں، سرکاری عمارتوں کے سامان تعیش اور زینت و آرائش کے بہانے قطعی بے فائدہ اور فضول کرچ ہوتا ہے، ان خراجات کو قطعی طور پر بند کرنا تو ممکن نہیں، لیکن ان مقاصد کے لئے جس بے دردی کے ساتھ قومی روپیہ بہایا جاتا ہے، اس کا کوئی شرعی، عقلی اور معاشی جواز نہیں ہے، بسا اوقات ایک ایک دعوت پر ایک ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا گیا ہے۔ اور اگر حساب لگایا جائے تو قیام پاکستان کے بعد سے اب تک یقیناً اربوں روپیہ ان فضول خرچیوں میں صرف ہوا ہے۔ اسلامی نظام میں قومی دولت کے اس ضیاع کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا تقریبات اور سرکاری دوروں کے لئے اخراجات کی ایک مناسب حد مقرر کر کے اس کی سختی کے ساتھ پابندی کرائی جائے۔ اور اس طرح جو خطیر رقمیں بچیں انہیں ''فلاحی فنڈ'' میں داخل کیا جائے۔

۲۷۔ قومی دولت کی ایک بہت بڑی مقدار آج کل ان مقاصد پر صرف ہو رہی ہے جو شرعی طور پر حرام اور ناجائز ہیں، مثلاً شراب، فلموں اور دوسری حرام اشیاء کی درآمد پر کروڑوں روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے زرمبادلہ کے اس زبردست نقصان کو بالکلیہ بند کیا جائے اور اس خطیر رقم کو عوامی فلاح کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ غیر مسلموں کو شراب استعمال کرنے کی اجازت ہوگی لیکن درآمد کرنے کی نہیں۔

۲۸۔ خاندانی منصوبہ بندی کی خالص احمقانہ تحریک نے بھی ہماری معیشت کو نقصان پہنچایا ہے، تیسرے پنج سالہ منصوبے میں اس تحریک کے فروغ کے لئے ۲۸۴ ملین روپیہ کی رقم مخصوص کی گئی ہے (جب کہ سماجی بہبود کے لئے مخصوص کی جانے والی رقم کل ۱۳۵ ملین ہے) یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی شرعی، عقلی، سماجی، معاشی غرض ہر اعتبار سے پاکستانی عوام کے لئے ناقابل قبول ہے۔ اس صورت میں قومی دولت کا اتنا بڑا حصہ اس پر صرف کرنے کے بجائے زراعت کی ترقی اور کاشت کاروں کی پیداوار بڑھانے پر صرف کیا جائے۔

انتظامیہ کی اصلاح:

قانون اور رواج میں مذکورہ بالا اصلاحات کے علاوہ ہمیں اپنے انتظامی ڈھانچے میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے، ہمارے، معاشرے میں استحصال کا ایک بڑا سبب انتظامی خرابیاں بھی ہیں۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں ہمارا قانون بالکل درست ہے اور اگر اس پر ٹھیک عمل ہو تو ان خاص معاملات میں انصاف حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن ہماری انتظامی مشینری اس قدر ناقص، از کار رفتہ، سست، اور ڈھیلی ڈھالی ہے کہ قانون صرف کتابوں کی زینت ہو کر رہ گیا ہے۔ اور عملی زندگی میں اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا، ظاہر ہے کہ اگر انتظامیہ کی صورت حال یہ ہو تو ملک کا قانون کتنا ہی بے داغ کیوں نہ ہو، اس کے اچھے نتائج سامنے نہیں آسکتے۔ لہٰذا معاشرے کی اصلاح کے لئے انتظامیہ کو ایمان دار مضبوط، فعال اور قابو یافتہ بنانا قانون کے مؤثر ہونے کے لئے بے انتہا ضروری ہے۔

ہمارے موجودہ انتظامی ڈھانچے میں کیا کیا خرابیاں ہیں؟ اور انہیں کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ یہ باتیں مکمل طور سے تو انتظامیہ (Administration) کے ماہرین ہی بتا سکتے ہیں، اور قوم کی تعمیر نو کے وقت ان ہی کی خدمات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے انتظامیہ کی اصطلاح کی جاسکے گی، لیکن ہم یہاں چند سامنے کی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ نظم و ضبط کی ابتری کس بری طرح ہمارے عوام کے لئے معاشی انصاف کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

۱۔ ''رشوت'' ایک ایسا جرم ہے جو شاید کسی بھی نظام حیات میں جائز نہ ہو، ہمارا قانون بھی اسے ناجائز قرار دیتا ہے لیکن ملک کی جیتی جاگتی زندگی میں آکر دیکھئے تو وہی رشوت جسے قانون میں بدترین جرم کہا گیا ہے، نہایت آزادی کے ساتھ لی اور دی جارہی ہے۔ ایک معمولی کانسٹیبل سے لے کر اونچے درجے کے افسران تک اسے شیر مادر سمجھے ہوئے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس کی جیب گرم ہو وہ سینکڑوں جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود بڑی ڈھٹائی کے ساتھ دندناتا پھرتا ہے۔ اور جس کی جیب خالی ہو وہ سو فیصد معصوم اور برحق ہونے کے باوجود انصاف کو ترس ترس کر جان دے دیتا ہے، اس صورت حال کو مضبوط اور ایماندار انتظامیہ ہی ختم کر سکتی ہے، اگر اونچے درجے کے رشوت خور افسروں کو چند بار علی الاعلان عبرتناک جسمانی سزائیں دی جائیں اور آئندہ رشوت کے لئے کچھ اور سخت سزائیں مقرر کر دی جائیں تو رفتہ رفتہ یہ لعنت مٹ سکتی ہے۔

۲۔ ہمارا عدالتی نظام اس قدر فرسودہ، پیچیدہ، دشوار گزار اور تکلیف دہ ہے کہ ایک غریب آدمی کے لئے ظلم پر صبر کرنا دادرسی کے بہ نسبت زیادہ آسان ہے، اس کے لئے یوں تو پورے عدالتی اور اس کے دیوانی و فوج داری ضابطوں کی تشکیل نو ضروری ہے۔ لیکن خاص طور سے مندرجہ ذیل اقدامات فوری طور پر ضروری ہوں گے۔

(الف) صنعتی تنازعات کے تصفیئے کے لئے عدالتیں قائم کی جائیں جن تک پہنچنا مزدوروں کی براہ راست دسترس میں ہو اور جن کا طریق کار آسان ہو۔

(ب) زمینداروں اور کاشت کاروں کے تعلقات کی نگرانی اور کاشت کاروں کو ناجائز شرائط کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے بھی سرسری عدالتیں قائم کی جائیں۔

(ج) عورتوں پر ہونے والے مظالم کی دادرسی کے لئے گشتی عدالتیں قائم کی جائیں جو سرسری طور پر مقدمات فیصل کریں۔

۳۔ مزدوروں کی صحت، حادثات سے تحفظ، غیر معمولی محنت سے بچاؤ اور تنخواہوں کے معیار وغیرہ سے متعلق فیکٹریز ایکٹ اور دوسرے لیبر قوانین میں کافی احکام موجود ہیں، لیکن کارخانوں کی عملی تحقیق کیجئے تو ان قوانین کا کوئی اثر وہاں مشکل ہی سے نظر آتا ہے فیکٹریز ایکٹ کے تحت کارخانوں میں ہوا، روشنی، صفائی، موسمی اثرات سے حفاظت اور دوسرے حفاظتی انتظامات ضروری قرار دیئے گئے ہیں، اور ان کی نگرانی کے لئے فیکٹری انسپکٹر بھی مقرر کیا گیا ہے، لیکن عملاً ہو یہ رہا ہے کہ متعلقہ فیکٹری انسپکٹر کا ماہانہ ''وظیفہ'' کارخانوں کی طرف سے مقرر ہو جاتا ہے، چنانچہ انسپکٹر سال بھر میں چند برائے نام چالان کر کے اپنی کارکردگی دکھا دیتا ہے اور چند سو روپے جرمانے کے طور پر سرکاری خزانے کو پہنچ جاتے ہیں، رہا بیچارہ مزدور سو اس کو فیکٹریز ایکٹ کی کسی دفعہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، جن مقامات پر وہ کام کرتا ہے، وہ جاڑوں میں سخت ٹھنڈے اور گرمیوں میں نہایت گرم ہوتے ہیں، طعام خانے میں انتہائی مضر صحت اشیاء فروخت ہوتی ہیں، بیت الخلاء اس قدر گندے اور ناکافی ہوتے ہیں کہ فیکٹریز ایکٹ دیکھتا رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر انتظامیہ ایسی ہی ''چست'' اور دیانت دار ہو تو کوئی بہتر سے بہتر قانون بھی کارگر نہیں ہو سکتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ ''سرخ فیتے'' کی مصیبت ہمارے ملک میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، اور اس سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جسے اپنی کسی ضرورت کے تحت دفتری کاموں سے سابقہ پڑا ہو۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ جو شخص وسائل و اسباب اور تعلقات نہ رکھتا ہو وہ اپنے جائز حقوق آسانی سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور دوسرا نقص یہ ہے کہ ایک ہی نوعیت کے کاموں کے لئے محکموں اور اداروں کا ایک طویل سلسلہ قائم ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک محکمے پر قومی دولت کا مستقل حصہ صرف ہو رہا ہے، لیکن ہر محکمے میں فائلوں کے انبار لگے پڑے ہیں اور کام نبٹنے میں نہیں آتا۔

انتظامیہ کی ابتری کی چند مثالیں صرف یہ واضح کرنے کے لئے دی گئی ہیں کہ نظم و ضبط کے فقدان کا براہ راست اثر عوام کی معیشت پر پڑ رہا ہے، اور قانون کی اصلاح کے ساتھ ساتھ جب تک انتظامیہ کو مستحکم اور فعال نہیں بنایا جائے گا، عوام کی مشکلات دور نہیں ہو سکتیں۔

سادہ معاشرت کا رواج:

معاش کے سلسلے میں عوام کی پریشانیوں کا تیسرا اہم سبب وہ مغربی معاشرت ہے جو ہم نے خواہ مخواہ اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہے، اسلام ہمیں سادہ طرز زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اگر ہمارے ملک پر آسمان سے ہن برسنے لگے تب بھی ہمیں تکلف اور تعیش کی زندگی سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے اگر اسلامی نظام قائم ہو تو ہمیں اپنی معاشرت میں مندرجہ ذیل اصلاحات کرنی ہوں گی:۔

۱۔ رہن سہن کے پر تکلف، عیش پرستانہ اور مہنگے طریقے یکسر چھوڑ دیتے ہوں گے جو ہم نے مغرب سے درآمد کئے ہیں، اور جن کی وجہ سے عوام اقتصادی بدحالی کا شکار ہیں، اس وقت ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم اپنے لباس اپنی وضع قطع، اپنے طرز رہائش، اپنی تقریبات غرض معاشرت کے ہر شعبے میں مغرب کی اندھی تقلید کر رہے ہیں۔ اور اس احمقانہ تقلید کو تہذیب کی علامت سمجھے ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ معاشرے میں ایک شخص اس وقت تک مہذب نہیں کہلا سکتا جب تک وہ دو ڈھائی سو روپے کا اپٹوڈیٹ سوٹ نہ پہنے ہوئے ہو، اس کے گھر میں ریفریجریٹر اور ٹیلی ویژن نہ لگا ہو، ظاہر ہے کہ جب یہ چیزیں تہذیب کی شرط لازم قرار پائی گئی ہے تو لوگوں کا شب و روز ان کے حصول میں کوشاں رہنا قدرتی امر ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں ہر شخص دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے، اور اس غرض کے لئے جب محدود آمدنی کافی نہیں ہوتی تو رشوت، چور بازاری، اسمگلنگ اور دوسرے ناجائز طریقوں سے کام لیتا ہے۔

اس صورت حال کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے حکام، وزراء، سیاسی رہنما اور سماجی کارکن سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کی ملک گیر تحریک چلائیں، اور اس کی ابتداء اپنے آپ سے کریں اس لئے کہ جب تک ہمارے اعلیٰ حکام، دولت مند افراد اور سیاسی رہنما اپنے لباس، اپنی نشست و برخاست، اپنی تقریبات اپنے طرز رہائش اور اپنی عام زندگی میں سادگی کو نہیں اپنائیں گے۔ عوام تکلفات کی اس مصنوعی زندگی سے نجات نہیں پا سکیں گے جو ان کی معاشی بدحالی کا بڑا سبب ہے۔ اور جس کا نتیجہ پاکستان جیسے غریب ملک کے لئے معاشی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

۲۔ سامان تعیش کی درآمد بالکل بند کر دی جائے اور تمام اشیائے صرف میں ملک کی اپنی پیداوار کو فروغ دیا جائے۔

۳۔ جو اشیائے صرف ایسی ہے کہ وہ پاکستان میں متوسط یا اعلیٰ معیار کی پیدا ہونے لگی ہیں (مثلاً کپڑا) ان کی درآمد پر بھی پابندی عائد کر دی جائے تو عوام میں سادگی کو فروغ دینے میں بھی مدد ملے گی اور زر مبادلہ میں بھی کفایت ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ شادی بیاہ اور تقریبات وغیرہ پر اخراجات کی ایک مناسب حد مقرر کر دی جائے جس سے زائد خرچ کرنا قانوناً جرم ہو۔

۵۔ بعض صنعتیں اور کاروبار ایسے ہیں کہ وہ ہمارے معاشرے پر بری طرح چھائے ہوئے ہیں، اور آج ان کو بند کرنے کا تصور بڑا نامانوس معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے لوگ ان کی بڑائی کو جاننے بوجھنے کے باوجود انہیں بند کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے جھجکنے لگے ہیں، لیکن اگر اپنے مسائل کو حقیقت پسندی کے ساتھ حل کرنا ہے تو ہمیں اس جھجک کو ختم کر کے کچھ جرأت مندانہ اقدامات کرنے ہوں گے۔ خواہ وہ کتنے ہی نامانوس اور اجنبی کیوں نہ معلوم ہوں۔ مثلاً فلم انڈسٹری اور ٹیلی ویژن ایسے ادارے ہیں جنہوں نے قوم کو اخلاقی تباہی کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے، جو شخص بھی حقیقت پسندی کے ساتھ حالات کا جائزہ لے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ اس صنعت نے قوم کو نقصان ہی نقصان پہنچایا ہے۔ جس قوم کی نوے فیصد آبادی فقر و افلاس کا شکار، تعلیم و تربیت سے محروم اور فن و ٹیکنیک میں پسماندہ ہو، اس کے لئے آخر کیسے جائز ہے کہ وہ اپنا کروڑوں روپیہ سالانہ ان کھیل تماشوں پر صرف کر دے جو صحت، اخلاق اور ذہنی پاکیزگی کے لئے سم قاتل ثابت ہو رہے ہیں، جو مالی اور انسانی وسائل اس وقت اس قسم کی چیزوں پر لگے ہوئے ہیں انہیں موجودہ حالت پر برقرار رکھنا ''گھر پھونک تماشا دیکھنے'' کے مترادف ہے۔ اگر انہیں کسی ایسی صنعت پر لگایا جائے جو قوم کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی ہو تو ہمیں معاشی ترقی میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

۶۔ ہمارے معاشرے میں پیشے کی بنیاد پر جو سماجی طبقات پائے جاتے ہیں، اور جس طرح انہیں عزت و ذلت کا معیار سمجھ لیا گیا ہے وہ بھی سراسر غیر اسلامی تصور ہے جو ہم نے غیر مسلموں سے لیا ہے۔ یہ چیز اسلام کی معاشرتی مساوات کے تو قطعی خلاف ہے ہی، اس کا معاشی نقصان بھی یہ ہے کہ سماجی تقسیم محنت کی آزاد نقل پذیری (Mobility) میں زبردست رکاوٹ بن جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ محنت کی آزاد نقل پذیری کے بغیر متوازن معیشت کا قیام مشکل ہے۔ اس صورت حال کی اصلاح نظام تعلیم و تربیت نشر و اشاعت کے ذرائع اور سماجی تحریکات کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔

۷۔ ملازموں، مزدوروں اور کسانوں کا سماجی رتبہ (Social Status) بلند کرنے کی شدید ضرورت ہے، اسلامی تعلیمات کی رو سے مزدور اور آجر ایک ہی برادری کے دو فرد ہیں جو اپنے سماجی مرتبے کے لحاظ سے بالکل برابر ہیں۔ لہٰذا اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ آجر اپنے عام رویہ میں مزدور کی کمتر سمجھے اور اس کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک کرے۔ معاہدے کی خلاف ورزی پر دونوں کو ایک دوسرے کا قانونی محاسبہ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ مزدور تو اُجر کے ساتھ تعظیم کا معاملہ کرنے پر مجبور ہو اور آجر اس کے ساتھ تحقیر و توہین کا معاملہ کرے۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لئے بھی نظام تعلیم اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع سے کام لے کر لوگوں کے ذہنوں کی از سر نو تعمیر کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ ایسے قانونی احکام بھی نافذ کئے جائیں جن کی رو سے ملازمین کے ساتھ اہانت آمیز رویہ اختیار کرنا قابل تعزیر جرم ہو۔ اس سے جہاں معاشرے کی ذہنی اور اخلاقی بیماریوں کی اصلاح ہوگی وہاں سادہ طرز معیشت کے قیام میں بھی بڑی مدد ملے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور ان کا حل

معاشی بنیاد پر دنیا کے تمام ملکوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّل تو ایسے ملک جو ترقی یافتہ ممالک کہلاتے ہیں اور دوم وہ ملک جو ترقی پذیر ملک کہلاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں کاص طور پر امریکہ' برطانیہ' فرانس' کینیڈا' جاپان' جرمنی اور دیگر مغربی یورپ کے ملک شامل ہین۔ ان ممالک کی بنیادی خاصیت یہ ہے کہ یہاں کے افراد معاشی اعتبار سے آسودہ حاصل و کوشحال ہیں یعنی ان کا معیار زندگی (Standard of Life) بہت بلند ہے۔ ان ممالک کے باشندوں کو لوازمات حیات معیار کے مطابق مہیا ہوتے ہیں۔ ان ملکوں میں آبادی کے بیشتر حصے کو بہتر غذا' عمدہ کپڑا اور آرام دہ مکان میسر ہیں۔ اس کے خلاف ترقی پذیر یا پسماندہ ممالک ایسے ملکوں کو کہا جاتا ہے جہاں معاشی صورت حال ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلے میں کمتر ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں پاکستان' ہندوستان' برما' بنگلہ دیش' ایران' افغانستان اور انڈونیشیا جیسے ممالک شامل ہیں۔

معاشی ترقی کے اس معیار کے اعتبار سے پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ پاکستان کو زرعی ملک اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں کل آبادی کا تقریباً 70 فیصد حصہ دیہی علاقوں میں آباد ہے۔ جہاں تک پیشوں کا تعلق ہے تو پاکستان کی کل قومی آمدنی کا 85 فیصد حصہ براہ راست یا بالو سطہ طور پر زراعت سے متعلق ہے۔ ہمارے ملک کی بر آمدات کا بڑا حصہ بھی زرعی پیداوار اجناس پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے ملکوں کو ہم جو اشیاء بر آمد کرتے ہیں ان میں غذائی اجناس پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے ملکوں کو اہم جو اشیاء بر آمد کرتے ہیں ان میں غذائی اجناس کو بڑی اہمیت حاصل ہے مثلاً چاول' چینی' گندم' پھل' سبزیاں' کپاس' کپڑا' سوتی دھاگہ وغیرہ ہماری بڑی بڑی زرعی بر آمدات ہیں جن کے ذریعے ہم زرمبادلہ حاصل کرتے ہیں۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان دوسرے ملکوں کو خام مال بر آمد کرتا ہے اور دوسرے ملکوں سے مصنوعات' ادویات' مشینیں وغیرہ درآمد کرتا ہے۔ یہ تمام صورت حال اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ پاکستان بنیادی طور پر ترقی پذیر ملک ہے۔ اس مقام پر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ترقی پذیر اور پسماندہ ملک میں ایک فرق پایا جاتا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ ترقی پذیر ملک وہ ملک ہے جو معاشی ترقی کے لئے کوشاں ہو۔ ترقی کرنے کی جدوجہد کر رہا ہو یعنی جو معاشی پسماندگی کی حدود کو عبور کر چکا ہو اور معاشی ترقی کی حدود میں داخل ہو گیا ہو جبکہ پسماندہ ملک وہ ملک ہے جہاں معاشی ترقی کی ابتداء نہ ہوئی ہو۔ اس صورت حال کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ 1947ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تھا تو یہ ملک ایک پسماندہ ملک تھا لیکن 25 سال بعد کے عرصے میں معاشی پسماندگی کی حدود کو عبور کر کے معاشی ترقی کے دور میں قدیم رکھ دیئے ہیں۔ تاہم اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس ترقی کے باوجود متعدد معاشی مسائل ایسے ہیں جن سے پاکستان دوچار ہے۔ مثلاً:

۱۔ زرعی معاشی مسئلہ یعنی سیم و تھور کا مسئلہ	۲۔ بے تحاشا بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ
۳۔ ناخواندگی کا مسئلہ	۴۔ پست معیار زندگی کا مسئلہ
۵۔ معاشی بچتوں کا مسئلہ	۶۔ بے روزگاری کا مسئلہ
۷۔ افراط زر اور بیرونی قرضوں کا مسئلہ	۸۔ مہنگائی و اجارہ داری کا مسئلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ پاکستان کا غذائی مسئلہ ۱۰۔ محنت کشوں کی فلاح و بہبود کا مسئلہ
۱۱۔ پاکستان کے زرعی مسائل (کم پیداوار کا مسئلہ) ۱۲۔ صنعتی مسائل

یہ میں وہ معاشی مسائل جو پاکستان کی معیشت کو لاحق ہیں جن کو حل کرنے کے لئے دن رات ماہرین معاشیات غور و فکر میں مبتلا رہتے ہیں اور اپنی اپنی سفارشات سے حکومت کو نوازتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں U.N.O اور I.M.F (International Menetary Fund) و دیگر بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی امداد بھی حاصل کی جاتی ہے اور مالی امداد سے بھی ان مسائل کو حل کرنے کی بے انتہائی کوششیں جاری ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ہم کو اسلامی تعلیمات کا بھی سہارا لینا ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کی روشن حیات اور کامیاب معیشت سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ خاص طور پر آپ ﷺ کی معاشی زندگی کو مدنظر رکھ کر مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے مثلاً نبی پاک ﷺ کی زندگی کے روشن پہلو یہ تھے:

۱۔ سادہ زندگی ۲۔ تمام فضول خرچیوں سے اجتناب
۳۔ سود سے پاک معیشت ۴۔ عدل و مساوات
۵۔ صبر و تحمل ۶۔ زندگی کے ہر عمل میں انصاف کا دامن تھامے رکھنا
۷۔ معاشی حسن تدبر (معاشی سلیقہ)

ہر کام خواہ اس کا تعلق آمدن سے ہو یا خرچ سے بڑے حسن تدبر سے انجام دیتے تھے۔ قرض کی لعنت سے ہر قوت احتراز کرتے تھے اور ہر ایک کو قرض سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ اپنی آمدنی کے اندر رہ کر گزر بسر کرنے کی ہدایت دیتے تھے جو شخص میانہ روی سے اپنی آمدنی خرچ کرے گا' وہ کبھی مفلس نہ ہوگا اور جو فضول خرچیوں بلکہ شاہ خرچیوں والی زندگی قرض لے لے کر گزارے گا وہ تباہی و بربادی سے جا ملے گا۔ یہی بات قوموں پر بھی صادق و منطق ہوتی ہے۔ پاکستان کی حکومت اربوں ڈالرز کی مقروض ہے جو بین الاقوامی اداروں اور بیرونی ممالک سے حاصل کئے ہیں جن منصوبوں کے لئے حاصل کئے تھے' وہ اسی طرح نامکمل پڑے ہیں مثلاً کالا باغ ڈیم یا ان پر ایک کوڑی بھی کرچ نہیں کی گئی بلکہ اپنی عیاشیوں و نمائشوں والی حرکتوں' پالیسیوں' بنگلوں' نئے نئے شہر آباد کرنے پر خرچ کر ڈالے۔ ان قرضوں کو آئندہ آنے والی نسلیں ادا کریں گی۔ کھا گیا کوئی بھرے کوئی' والی مثال پیش آگئی ہے۔ چنانچہ حاصل کردہ قرضے بے مقصد اور فضول خرچی کاموں میں ضائع کئے گئے' مقاصد بھی حاصل نہ ہوئے قوم اُلٹی مقروض ہوگئی۔ اس صورت حال سے پاکستانی معیشت مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ قومی بچتیں نام کو ہی ہیں۔ وہ بھی سیاستدان قرض کی صورت میں ہضم کر رہے ہیں۔ کچھ عرصے بعد وہ قرضے معاف کرا لئے جاتے ہیں۔ قرضوں کو معاف کرنے یا کرانے کی دوڑ نے بھی قومی معیشت کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ چنانچہ ہماری حکومت اور پالیسی سازاداروں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔

اب ہم سب سے پہلے ان معاشی مسائل کا فرداً فرداً جائزہ لیں گے پھر ان مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کریں گے۔

1۔ ناخواندگی کا مسئلہ:

ہمارے یہاں آبادی کا بڑا مسئلہ دیہاتوں میں رہائش پذیر ہے جہاں تعلیم کے ذرائع وسائل تسلی بخش نہیں ہیں۔ بجٹ میں تعلیم کے فروغ کی جانب خاطر خواہ توجہ مبذول نہیں ہے۔ بجٹ کا کل 2% تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نتیجہ یہ ہے کہ ایک اندازے کے مطابق 70% آبادی ناخواندہ ہے۔ اس ناخواندگی کے سبب لوگوں میں معاشی ترقی کیلئے جدوجہد' اچھے بُرے میں تمیز کرنے اور اپنی مدد آپ کرنے کے جذبے کا فقدان پایا جاتا ہے۔ جہالت کی بناء پر بھی پاکستان میں پڑھا لکھا تجربہ کار محنتی و مزدور طبقہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ تعلیم ہی انسان کے ذہن کو جلا بخشتی ہے اور تعلیم کا فقدان معاشی زندگی کو پسماندگی کی طرف لئے جا رہا ہے۔ لہٰذا تعلیم کے مسئلے کو ختم کر کے ہی ناخواندگی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے شعبوں کو فعال بنانا' تعلیمی بجٹ میں اضافہ کرنا اور آئندہ آنیوالی نسلوں کو تعلیم یافتہ بنا کر ناخواندگی کے سیلاب سے محفوظ ہونا ہوگا۔

2۔ پست معیار زندگی کا مسئلہ:

معیار زندگی سے مراد اشیاء و خدمات کی وہ مجموعی مقدار ہے جو کسی ایک فرد کو معاشرے میں استعمال کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کی ضروریات زندگی تین قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل وہ ضروریات جن کے بغیر انسان زندگی گزار نہیں سکتا۔ دوم ایسی ضروریات جو اُسے آرام دہ زندگی گزارنے کے لئے معاونت کرتی ہیں اور سوم اس قسم کی ضروریات جن سے اس کا معاشرتی وقار متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً کم سے کم کھانا' کم سے کم کپڑا' کم سے کم سر چھپانے کے لئے رہائش کی ضروریات۔ یہ ضروریات برائے زندگی کہلاتی ہیں۔ یہ اگر انسان کو میسر نہ ہوں تو وہ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ زندگی نہیں درندگی ہے۔

اگر انسان کو پیٹ بھر کھانا' تن ڈھانپنے کو کپڑا اور سر چھپانے کو مکان مل جائے تو انسان کی حیثیت سے پھر وہ چاہے گا کہ ان چیزوں کا معیار قدرے بلند و بہتر ہو۔ مثلاً صحت کو بہتر بنانے کے لئے عمدہ کھانا' معاشرتی احساس کو بڑھانے کے لئے اچھا نفیس کپڑا اور آرام دہ رہائشی مکان یہ اس کی ضروریات برائے آسائشات ہوں گی لیکن بہت سی عمدہ پُرتکلف کھانا' ریشمی نفیس کپڑے اور محل نما بنگلہ یہ تعیشات میں سے ہیں۔

انسان کو مندرجہ بالا تین ضروریات کے علاوہ بھی آج کے معاشرے میں متعدد اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً فرنیچر' ریڈیو' ٹیوی سیٹ' صوفہ سیٹ' کار' موٹر سائیکل' تعلیم کے لئے سکول کالج' یونیورسٹی' تفریح کے لئے مناسب مواقع وغیرہ لہٰذا جس معاشرے میں ان تمام اشیاء کی مقدار افراد کو زیادہ ملتی ہے تو یہ کہا جائے گا کہ ان افراد کا معیار زندگی بلند ہے اور جن افراد کو یہ تمام سہولتیں میسر نہیں آتیں ان کا معیار زندگی پست خیال کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ واضح رہے کہ اشیاء و خدمات کا کم یا زیادہ میسر آنا آخر کار زندگی کی سطح پر منحصر ہے یعنی اگر آمدنی زیادہ ہوگی تو یہ اشیاء و خدمات زیادہ میسر آئیں گی اور اگر آمدنی کی سطح پست ہوگی تو ان اشیاء کی مقدار کے حصول میں بھی کمی واقع ہو جائے گی۔

اگر ہم پاکستان کے افراد کے معیار زندگی کا تقابل دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے افراد کے معیار زندگی سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے یہاں کے لوگوں کا معیار زندگی مقابلتاً پست ہے۔ اس کا بنیادی سبب فی کس آمدنی کی سطح کی پستی ہے۔ پاکستان میں بعض پس ماندہ علاقے تو ایسے ہیں جہاں معیار زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ پاکستان کے ان علاقوں میں لوگوں کو پیٹ بھر کھانا' پینے کے لئے صاف پانی کا گلاس بھی میسر نہیں ہے۔ جسم کپڑوں سے بے نیاز ہیں اور اپنی راتیں فٹ پاتھوں پر بسر کرتے ہیں۔ رہائشی مکان یا جھونپڑی بھی میسر نہیں ہے۔

پست معیار زندگی کے اسباب:

پاکستان میں افراد کی زندگی کی عام روش دیکھنے کے بعد پہلی ہی نظر میں یہ احساس ہو جاتا ہے کہ ان کا معیار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی پست ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان میں پست معیار زندگی کے اسباب کیا ہیں؟ یوں تو اسباب کے ڈانڈے سیاسی اور معاشرتی اسباب سے بھی ملتے ہیں لیکن ہم اس موقع پر صرف ان اسباب پر روشنی ڈالیں گے جو کہ معاشی اسباب ہیں۔ یہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بچتوں کی سطح:

پاکستان میں افراد کی آمدنی کی سطح بہت پست ہے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ جیسے جیسے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے' عام خرچ میں کمی اور بچتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور جب آمدنی کی سطح میں کمی ہوتی ہے تو عام کرچ میں اضافہ ہوتا ہے اور بچتوں کی سطح میں کمی ہو جاتی ہے چونکہ پاکستان کی آمدنی کم ہے لہٰذا یہاں کے لوگوں کے پاس ضروری اخراجات کے بعد جو رقم بچتی ہے' وہ بہت کم ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ جو کچھ بچتیں ہوتی ہیں ان کو بھی سرمایہ کاری کے مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی شکل ذخیرہ اندوزی کی ہوتی ہے لہٰذا ہمارے یہاں قابل سرمایہ کاری کے سرمائے کی قلت ہے جو پست معیار زندگی کا سبب ہے۔

۲۔ بے روزگاری:

چونکہ ملک میں شغل اصل کے امکانات بڑے تاریک ہیں' بے روزگاری ہے' آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا لوگ بچتیں کم کرتے ہیں جس کی بناء پر بازار میں سرمایہ کاری کی قلت ہے۔ کاروبار میں سرمایہ کم لگاتے ہیں۔ سرمائے کی قلت کی وجہ سے شرح سود میں اضافہ ہوتا ہے اور شرح سود کا اضافہ قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ نیز یہ کہ سرمائے کی عدم موجودگی میں نئے نئے کارخانے وجود میں نہیں آتے لہٰذا محنت کاروں میں عام بے روزگاری کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ کام ایک ہوتا ہے' محنت کا دس مل جاتے ہیں۔ آپس کی یہ مسابقت (مقابلہ بازی) اُجرتوں کی کمی کا سبب بنتی ہے۔ اس طرح اُجرتوں کی کمی کی بناء پر آمدنی کی سطح میں کمی ہو جاتی ہے جن ملکوں میں بے روزگاری عام ہوتی ہے وہاں ان ملکوں میں معیار زندگی کی پستی بھی پائی جاتی ہے۔

۳۔ قدرتی وسائل کا عام استعمال:

پاکستان کو قدرت نے متعدد نعمتوں اور معدنیات سے نوازا ہے لہٰذا یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ قدرت اس سلسلے میں بخیل ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ قدرتی وسائل کے ان بے بہا خزائن کو پاکستان میں احسن طریقے سے استعمال نہیں کیا جا رہا ہے۔ اگر وسائل استعمال نہ کئے جائیں تو یہ خیال کیا جانا چاہئے کہ وہ ملک قدرتی وسائل سے خالی ہے۔ پاکستان میں لاکھوں ایکڑ زمین ایسی پڑی ہے جسے محض اس لئے استعمال نہیں کیا جا رہا کہ ہمارے ہاں مشینی کاشت کا رواج نہیں۔ وسائل قدرت کا یہ عدم استعمال ملک کی معیشت کے لئے معاشی نقصان ہے۔ اگر قدرت کے عطا کردہ وسائل کو استعمال میں لایا جائے تو ہم اپنے ملک کی قومی پیداوار' قومی آمدنی فی کس بڑھا کر آخر کار معیار زندگی میں بڑی حد تک اضافہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ آبادی میں بے تحاشا اضافہ:

ہماری عوام کے پست معیار زندگی کا ایک سبب آبادی میں دن رات اضافہ بھی ہے جو ہمارے منصوبوں کو فیل کئے جا رہا ہے۔ ملک کی آبادی ہر سال 29 فیصد شرح کے اضافے کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ آبادی میں اتنی تیزی سے اضافہ بھی قابل غور ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے مقابلہ میں پاکستان کی معاشی ترقی کی شرح بہت پست ہے لہٰذا وسائل اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبادی کے درمیان فاصلہ تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کی بناء پر لوگ زیادہ ہیں اور اشیاء کمیاب ہو گئی ہیں۔ مہنگائی کا طوفان آ گیا ہے۔ یہ صورت حال پست معیار زندگی کی علامت ہے۔

۵۔ اجارہ داری:

پست معیار زندگی کا سبب کاروبار میں اجارہ داری سسٹم بھی ہے۔ معاشی اصول ہے کہ اگر بازار میں مسابقت (مقابلہ بازی) کا رجحان پایا جائے تو قیمتوں کی سطح عام ہوتی ہے اور سطح معمولی سطح کہلاتی ہے۔ اس صورت حال میں رسد کار محض معمولی منافع کماتے ہیں لہٰذا قیمتیں کم سے کم ہوتی ہیں اور یہ عام طور پر خریدار یا عام شخص کے لئے بہتر صورت حال ہے۔ پاکستان میں صنعتی شعبہ چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گیا ہے۔ ملک کی زیادہ تر پیداوار پر عام خیال کے مطابق چند خاندانوں کا قبضہ ہے جو کہ اجارہ دار بن بیٹھے ہیں۔ وہ جیسی اور جتنی پیداوار چاہتے ہیں' پیدا کرتے ہیں کیونکہ بازار میں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے دوسرے رسد کار نہیں ہیں لہٰذا وہ بلا مقابلہ اپنی اشیاء کی من مانی قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ زیادہ قیمتوں کی ادائیگی کی مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب عام اشخاص کی خریداری کی قوت میں کمی آ گئی ہے کیونکہ آمدنی وہی رہتی ہے اور قیمتیں بڑھ جاتی ہیں لہٰذا اسی آمدنی سے قیمتیں بڑھنے کے بعد اشیاء کم خریدی جاتی ہیں۔ اس صورت حال کو افراطی صورت حال بھی کہا جاتا ہے لہٰذا افراطی رجحان بھی پاکستان کے عوام کا معیار زندگی پست کرنے کا سبب ہے اور اہم اسباب میں سے ایک ہے۔ اس لئے معیار زندگی بلند کرنے کے لئے اجارہ داری کے رجحان کو ختم کرنا ہوگا۔ آزاد تجارت اور مسابقت والی تجارت کی حوصلہ افزائی کرنی ہوگی تا کہ قیمتیں کم ہوں اور عوام اپنا معیار زندگی بلند کر سکیں۔

۶۔ سیاسی حالات اور دفاع پر بے تحاشا اخراجات:

پست معیار زندگی کا ایک سبب ہمارے سیاسی حالات بھی ہیں۔ پاکستان کو وجود میں 60 سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن اب تک پڑوسی ملک انڈیا سے سیاسی کشیدگی ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کشیدگی میں دن رات تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ بھارت نے پاکستان کے وجود کو کبھی بھی ذہنی طور پر تسلیم ہی نہیں کیا لہٰذا ہمارا پڑوسی ملک انڈیا ہم سے بغض کی بدولت ہمہ وقت ریشہ دوانیوں میں لگا رہتا ہے کہ کس طرح پاکستان کا وجود صفحہ ہستی سے ختم کیا جائے لہٰذا پاکستان کو اپنی دفاعی صورت حال کو مضبوط کرنے پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے جو معاشی لحاظ سے ضائع ہو جاتا ہے اور یہ کسی معاشی منصوبوں پر خرچ نہیں ہوتے جن سے معیار زندگی کو بلند کرنے میں مدد ملے۔ نتیجے کے طور پر معاشی ترقی کے لئے جو روپیہ خرچ ہونا چاہئے وہ دفاعی بجٹ کی صورت میں ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر معاشی ترقی اور فلاح و بہبود کے منصوبوں' تعلیمی اخراجات کے لئے غیر ممالک سے قرض لینا پڑتا ہے۔ یہ قرض آسانی سے میسر نہیں آتا۔ قرض کی شرائط بہت سخت ہوتی ہیں۔ شرح سود بھی زیادہ ہوتی ہے۔ سیاسی جوڑ توڑ کی بناء پر ان قرضوں کا حصول بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ پس مختصر یہ کہ سیاسی حالات بھی بالواسطہ طور پر پاکستان کے معیار زندگی کی پستی کا ایک سبب ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم معاشی مسائل اور ان کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل

بیروزگاری

تعارف:

آج کل بیروزگاری کا مسئلہ ہر ملک وملت کے لئے ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے خواہ وہ ترقی یافتہ ہے یا ترقی پذیر۔ اس کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسی کی بدولت نازی جرمنوں اور اٹلی میں فاشسٹوں نے جنم لیا جنہوں نے دنیا کو جنگ عظیم دوم میں الجھا دیا۔ امریکہ اور برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ممالک اس کی زد میں ہیں جنہوں نے بیروزگاری یا گزارہ الاؤنس کے ذریعے اس کی سنگینی کو وقتی طور پر کم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ مسئلے کا کوئی مستقل حل نہیں ہے۔

مختصر تاریخ:

مسئلے کی قدامت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوتا ہے کہ اسلام کو بھی اپنے اوائل میں ہی اس کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ابتداء میں مکی معاشرے کے مالی طور پر کمزور، غریب افراد اور غلاموں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا جیسا کہ سورۂ عبس کے الفاظ شاہد ہیں اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ آپ ستم رسیدہ غلاموں کو ان کے ظالم مالکوں سے خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔

اس لئے اسلام نے اپنے آغاز کار میں ہی بیروزگاری کے سنگین مسئلے کے حل اور امداد باہمی کا بے مثال نظام قائم کرنے کی طرف روز اول سے بھرپور توجہ دی اور ترغیب وترہیب کے ذریعے مسلمانوں کو فقراء یتامی، مساکین اور محروم معاش افراد کی اعانت وامداد کے لئے آمادہ تیار کیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اسے اہل ثروت اور مالدار مسلمانوں کے لئے ایک لازمی فرض اور ان کے اموال پر عائد ایک واجب الادا حق کے طور پر پیش کیا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ممکن ہے اسلام کی دعوت کو اپنی ابتداء میں ہی ایسا دھچکا لگتا جسے جرمن اور رومن جیسی طاقتور قومیں نہیں سہ سکیں لیکن اسلام نے اس کا مستقل پائیدار اور پرامن حل نہ صرف تجویز کیا بلکہ اس پر عمل کر کے اسے رہتی دنیا تک کیلئے لازوال مثال بنا دیا اور مواخاۃ کی صورت میں ایسا بے نظیر نظام تشکیل دیا جو آئندہ نسلوں تک کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

بیروزگاری کے اسباب وعوامل

بیروزگاری کی تاریخ اور اس کی قدامت متعین کرنے کے بعد آیئے اب ہم اس کے اسباب اور وجوہات کا کھوج لگاتے ہیں تاکہ ان اسباب اور وجوہات کو دور کر کے اس کا حل تلاش کیا جاسکے جیسا ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے یا آج کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا بنی نوع انسان کی تاریخ کیونکہ انسان کا بنیادی مسئلہ ازل سے معاش رہا ہے، اس لئے اس کی چند وجوہات تو وہی پرانی ہیں یعنی جنگ وجدل، لوٹ مار اور قتل وغارت گری ہجرت یا ترک وطن پر مجبور کر دیا جانا جیسے اوائل اسلام میں مسلمانوں کو ہجرت حبشہ اور پھر ہجرت مدینہ پر مجبور کیا گیا اور سودی معیشت پر مبنی ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام، تعجب خیز اور حیران کن امر یہ ہے کہ جس طرح اوائل اسلام میں یثرب (مدینہ) کے یہودیوں نے جزیرہ نما عرب کے مفلس اور بے مایہ عربوں کو اپنے سودی معیشت پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام کے شکنجوں میں جکڑا ہوا تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج انہی کے جانشینوں نے نہ صرف امریکہ یورپ بلکہ تمام دنیا اور تمام عالم اسلام کو بھی اپنے خونی نظام کے شکنجوں میں کسا ہوا ہے اور اسی کے بل بوتے پر اسرائیل کی صورت میں عربوں کے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔

۱۔ سرمایہ داری:

اسلامی معیشت کے ماہر سید قطب شہید اپنی کتاب ''شبہات حوال الاسلام'' میں لکھتے ہیں:

سرمایہ داری نظام یورپ کی پیداواریہ مشین کا ایجاد کا نتیجہ تھا جو اتفاق سے یورپ میں ایجاد ہوئی اور وہیں سے دنیا کے باقی حصوں میں پھیلی..... اس کے فطری ارتقاء کے نتیجے میں دولت بتدریج سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آگئی اور غریب اور مزدور اپنی جائیداد اور دولت غرض سب کچھ سے محروم ہو گئے اس سے سرمایہ داروں کو سستے مزدور حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہوگئی جن کی محنت ومشقت کے طفیل ان کی دولت اور تجارت میں بے تحاشا اضافہ ہوا۔ اس کے باوجود انہوں نے مزدوروں کی اجرتوں میں کوئی اضافہ نہ کیا۔ مزدوروں کے ان قلیل معاوضوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار ممالک کے باشندوں کی قوت خرید گھٹ گئی اور ان کا تیار کردہ سامان یونہی پڑا رہ گیا چنانچہ نیز منڈیوں اور خام مال کے بارے میں بین الاقوامی رقابتوں کو جنم دیا اور بالآخر معاملہ اپنے ناگزیر منطقی نتیجے میں تباہ کن جنگوں تک جا پہنچا۔

جبکہ جدید ماہرین معاشیات (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کا خیال اس کے برعکس ہے وہ کہتے ہیں کہ سرمایہ کو مزدوروں میں بانٹ دینے ان کی تنخواہیں اور معاوضے بڑھانے سے خرچ بڑھ جائے گا۔ سرمایہ کم ہو جائے گا اور نتیجتاً سرمایہ کاری بھی گھٹ جائے گی۔ عموماً سرمایہ دار اپنی جمع پونجی کا تھوڑا سا حصہ خرچ کرتے ہیں اور زیادہ حصہ دوبارہ سرمایہ کاری میں لگا دیتے ہیں جس سے پیداوار بڑھتی ہے اور وسائل پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے ان کے خیال میں ہماری فی کس آمدنی میں کمی کی بنیادی وجہ سرمایہ کی کمی ہے جس کا باعث مزدوروں کے معاوضوں میں زیادتی (اضافہ) ہے جس کا نتیجہ بیروزگاری اور قوت خرید میں کمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ سودی معیشت جو سرمایہ داری کی پہلی بنیاد ہے:

سودی بینک اور سودی قرضے جدید ماہرین معاشیات کا کہنا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام جب سے اپنے ابتدائی ''دور خیر'' (جب معاشرے نے مشین کی ایجاد کی وجہ سے کافی ترقی کی) سے نکل کر موجودہ ''دور شر'' میں داخل ہوا ہے قومی قرضوں پر اس کا انحصار بہت بڑھ گیا ہے چنانچہ بینک قائم ہوئے اور انہوں نے مالی کاروبار اس طرح استوار کیا کہ وہ بھاری سود پر حکومتوں کو قرضے دینے لگے حکومتیں ترقیاتی سکیموں کو عملی جامہ پہنانے اور دوسری سماجی خدمات انجام دینے کیلئے ان بینکوں سے جو قرضے لیتی ہے ان کے سود بھی ان حکومتوں کے شہری ادا کرتے ہیں حکومتیں مجبور ہیں کہ مختلف محاصل میں اضافہ کر کے ان قرضوں کو مع سود ادا کریں۔ اس طرح ہر فرد سود خوروں کو یہ ''جزیہ'' ادا کرنے میں شریک ہے۔

اسلامی معیشت کے ماہر سید قطب شہید اپنی کتاب ''فی ظلال القرآن'' میں سود کی مضرت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سود کی مضرت یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ اس کے ایک مغربی نقاد جرمنی کے مشہور ماہر معاشیات ڈاکٹر شاخت ہیں جو جرمنی کے رائش بینک کے گورنر بھی رہ چکے ہیں دمشق میں 1953ء میں اپنے ایک لیکچر میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ الجبرا کے ایک (لامتناہی) سلسلہ حساب کے ذریعے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ دنیا کی ساری دولت معدودے چند سود خواروں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہاتھوں میں کھینچ آنیوالی ہے اس لئے کہ سود پر قرض دینے والا ہمیشہ فائدہ حاصل کرتا ہے جبکہ قرض لینے والے کو کبھی فائدہ ہوتا ہے کبھی نقصان۔ ظاہر ہے کہ ساری دولت بالآخر اس کے ہاتھوں میں آجائے گی جس کو ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے انہوں نے کہا تھا آج عملاً ایسا ہو رہا ہے کیونکہ آج دنیا کی بیشتر دولت کے اصل مالک چند ہزار افراد ہیں باقی سارے اصحاب ملکیت اور کارخانہ دار جو بینکوں سے قرض لے کر کاروبار کرتے ہیں اور ان کے مزدور وغیرہ سب انہی سرمایہ داروں کے تنخواہ دار ملازمین کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی محنت کے ثمرات ان چند ہزار افراد کو ملتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی محنت ومشقت کے سودی بینکوں کے ذریعے سودی معیشت چونکہ سرمایہ داری نظام کی خشت اول ہے اور مندرجہ بالا سطور میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سرمایہ داری نظام بیروزگاری کا سبب ہے لہٰذا سودی معیشت بھی بالواسطہ پر ایک ایک اور سبب اور وجہ ہوئی۔

۳۔ اجارہ داری، سرمایہ داری کی دوسری بنیاد:

سرمایہ دارنہ نظام کی دوسری بنیاد شدید کاروباری مسابقت ومنافست ہے جس کے نتیجے میں چھوٹے چھوٹے کاروباری ادارے ختم ہو جاتے ہیں یا پھر سب مل کر بڑے بڑے کاروبار ادارے قائم کر لیتے ہیں تاکہ دوسرے اداروں سے مقابلہ کر سکیں اس سے اجارہ داری Monopoly جنم لیتی ہے اور اجارہ دار کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا بھی بازار میں اسی جیسا مال لائے یا اسی جیسی مصنوعات تیار کرے وہ تو بازار پر اپنا پورا کنٹرول چاہتا ہے تاکہ لوگوں سے من مانی قیمتیں وصول کر سکے اور نتیجتاً لوگوں کو ہر طرح کی شدت اور تنگی کا شکار کر کے ان کا جینا دوبھر کر دے وہ دوسروں کیلئے اس بات کے مواقع ختم کر دیتا ہے کہ وہ بھی اس کی طرح روزی کما سکیں۔

۴۔ جنگ وجدل:

جنگ عظیم دوئم کے نتیجے میں صرف امریکہ میں 40 لاکھ افراد بیروزگار ہو گئے تھے جہاد افغانستان کے نتیجے میں کتنے افراد بیروزگار ہوئے ہیں اس کے اعداد وشمار ابھی اکٹھے نہیں کئے گئے لیکن اخباری اطلاعات کے مطابق اس جہاد میں 35 لاکھ سے زیادہ افغان مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا ان کے بچے یتیم اور بیویاں بیوہ ہو گئیں تو اندازاً اسی قدر افراد بیروزگار ہوئے ہوں گے حال ہی میں خلیج کے جنگ میں ہزاروں عراقی کام آئے نتیجتاً بیروزگاری میں اضافہ ہوا۔

۵۔ ہجرت اور ترک وطن:

اسلام میں سب سے پہلی، ہجرت حبشہ اول تھی پھر ہجرت حبشہ ثانی اور ہجرت مدینہ کے نتیجے کے طور پر مہاجرین اپنے تمام مال ومتاع، مکان، دکانیں اور زمینیں وغیرہ مکہ میں چھوڑ کر حبشہ اور مدینہ میں بے سروسامانی کی حالت میں وارد ہوئے یہ تو سرور کونین ﷺ کی سیاسی ذات کا نتیجہ تھا کہ آپ نے مواخاۃ کے ذریعے بیروزگاری کے اس گھمبیر مسئلے پر قابو پالیا۔ یہ امداد باہمی کی بھی ایسی مثال ہے کہ دنیا کا کوئی مہذب اور جدید سے جدید معاشرہ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جہاد افغانستان کے نتیجے میں 30 لاکھ سے زائد افغانی بوڑھے بچے اور عورتیں جو لڑنے کے قابل نہیں تھے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور کچھ نے ایران میں پناہ لی، عراق کی جنگ میں بے شمار عراقی دوسرے عرب ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے جس سے ظاہر ہے بیروزگاری میں اضافہ ہوا قیام پاکستان کے وقت بھی یہی مسئلہ درپیش ہوا تھا کہ کروڑوں مہاجرین کی آبادکاری اور ان کو مناسب روزگار فراہم کرنا پڑا جو نومولود پاکستانی ریاست کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ سحت واستحصال:

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (المائدہ:62)

''ان اہل کتاب میں تم بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں اور سحت کھانے کی طرف لپکتے ہیں ان کے کرتوت بہت برے ہیں''۔

بیروزگاری کا حل

اسباب وجوہات معلوم کرنے کے بعد اب آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ مسئلے کا حل اسلام کیا بتاتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ، عشر، خمس اور صدقہ فطر:

مغربی ماہرین معاشیات نے بیروزگاری کا حل زیادہ بچت کو قرار دیا ہے تاکہ اس سے مزید سرمایہ کاری کی جا سکے جبکہ اسلام نے اس کا حل انفاق کو تجویز کیا ہے جس کی ایک منظم صورت زکوٰۃ عشر اور خمس وغیرہ ہیں۔

چنانچہ مدینہ میں خاتم النبیین ﷺ نے اپنی پہلی تقریر میں ہی زکوٰۃ وانفاق کے سلسلے میں مطالبہ کیا کہ ہر وہ شخص جو تھوڑی بہت استطاعت رکھتا ہے اللہ کی راہ میں کچھ نہ کچھ ضرور دے۔

اسلامی معیشت کے ماہر مولانا مودودی زکوٰۃ کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے یہ ان کے لئے بیکاروں کا سرمایہ اعانت ہے یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں کا ذریعہ معاش ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے اس کا سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو کل تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں یہ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا؟ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہوگا کوئی آفت ناگہانی آپڑی بیمار ہو گئے گھر میں آگ لگ گئی، سیلاب آ گیا، دیوالہ نکل گیا تو ان مصیبتوں سے مخلص کیا کیا سبیل ہوگی سفر میں پیشہ نہ رہا تو کیونکر گذر بسر ہوگی؟ ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تم کو ہمیشہ کے لئے بے فکر کر دیتی ہے۔

اگر مرکزی زکوٰۃ کونسل (جو مستند علماء کے علاوہ اسلامی معیشت کے ماہرین اور جدید ماہرین معاشیات پر مشتمل ہو) اس بات کو مناسب سمجھے کہ ہر سال کی کل موصولہ زکوٰۃ میں سے جس قدر حصہ فقراء اور مساکین کی مد میں صرف کرنا طے ہو جائے باہم مشورے سے تو اس رقم کو کسی منفعت بخش کاروبار میں لگا دیا جائے یا کوئی صنعت قائم کر دی جس کے حصص ان بیروزگاروں اور حاجت مندوں کے نام کر دیئے جائیں جو اس سال کی زکوٰۃ کے مستحق قرار دیئے جائیں تاکہ ان کی آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ بن جائے جب انہیں مناسب روزگار مل جائے یا وہ حاجت مند نہ رہیں تو یہی حصص دوسرے بیروزگاروں یا حاجت مندوں کے نام منتقل کر دیئے جائیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کاروبار یا صنعت میں ان بیروزگاروں کو مناسب تربیت دے کر کھپا دیا جائے یا یہ خیال رکھا جائے کہ جس علاقے کی زکوٰۃ ہو اس سے اسی علاقے میں دو صنعت لگائی جائے تاکہ اس زکوٰۃ سے اسی علاقے کے بیروزگار فائدہ حاصل کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ وراثت کی تقسیم:

تقسیم وراثت کا قانون جیسا اسلام میں بے کسی اور معاشی نظام میں نہیں ہے دوسرے معاشی نظاموں کا میلان اسی طرح ہے کہ جو دولت ایک شخص نے سمٹ کر جمع کی ہے وہ اس کے بعد بھی ایک یا چند اشخاص کے پاس سمٹی رہے مثلاً برطانیہ میں اولاد اکبر کی جانشینی کا قانون اور مشترک خاندان کا طریقہ Joint Family System ہے لیکن اسلام دولت کے سمٹنے کو پسند نہیں کرتا وہ اس کو پھیلانا چاہتا ہے تاکہ دولت گردش میں رہے اور معاشرے کے تمام افراد اس سے فائدہ اٹھائیں مگر پاکستان میں عملاً اول تو وراثت کی تقسیم نہیں ہوتی وہی برطانیہ والے قانون پر لوگ عمل پیرا ہیں۔ اگر کسی وراثت کی تقسیم بھی ہوتی ہے تو بہنیں تو محروم ہی رہتی ہیں ان کو کوئی بھائی حصہ نہیں دیتا۔ شریعت کے اصول الذکر مثل حظ الانثیین نے بہنوں کا جو آدھا حصہ مقرر کیا ہے ان کو وہ بھی نہیں ملتا۔ وراثت کی صحیح تقسیم ہونی چاہیے تاکہ کوئی شخص بھی اپنے مقرر حصے سے محروم نہ رہے۔

۳۔ سودی معیشت کا قلع قمع:

اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو جدید دور کے تمام پیچیدہ اور لاینحل مسائل کی بنیادی اور سب سے بڑی وجہ سودی معیشت ہے جس نے بے لگام اور بے رحم سرمایہ داری کو جنم دیا ہے معاشرے میں کود غرضی، بے حسی اور بے رحمی، حرص، طمع اور لالچ کو رواج دیا ہے جائز اور ناجائز حلال و حرام کی تمیز ختم کر دی ہے چور بازاری، سمگلنگ، احتکار (ذخیرہ اندوزی) کر کے مصنوعی قلت پیدا کرنا اور پھر اشیاء کی قیمتیں بڑھانا یعنی مہنگائی کرنا اسراف و فضول خرچی اور بخل اسی کی ناجائز اولاد ہے۔

اسی کی بدولت اس ملک میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اسلامی معیشت (جو آج کے جملہ معاشی مسائل کا واحد حل ہے کا قیام ناممکن ہو رہا ہے۔ سور ریفل پرائز بانڈز (جو جوئے کی ایک شکل ہے) کو اپریٹو فنانس کارپوریشن جنہوں نے غریبوں کا بچا کھچا سرمایہ بھی لوٹ لیا یہ سب انہی ساہوکاروں اور سرمایہ داروں کی جنگ زرگری اور ہوس زر کی غماز ہیں۔ یہاں تک کہ ان ساہوکاروں کی یہی ہوس زر رفتہ رفتہ سیدھے سادے اور مخلص دہمدم عوام میں بھی سرایت کر گئی ہے اور اب دکھی انسانیت کی امداد و اعانت کے لئے فاطمید ریفل اور ٹی بی ریفل کا اجراء کرنا پڑا جو کہ سراسر جوا ہے اس میں کوئی نیکی نہیں ہے یعنی ابلاغ عامہ کے ذرائع پر تشہیر اور پروپیگنڈے کے ذریعے ہمارا مزاج یہ بنا دیا گیا ہے کہ اب ہم بھی فرنگیوں کی طرح للہ فی اللہ یعنی خدا واسطے یا اپنی آخرت سنوارنے کے لئے کوئی نیکی یا ہمدردی کرنے کو تیار و آمادہ ہی نہیں ہوتے جب تک اسی دنیا میں انعام بلکہ 20۔25 لاکھ تک کے بڑے انعام کا لالچ نہ دیا جائے یعنی یہ صدعن سبیل اللہ (اللہ کے راستے کی ایک رکاوٹ) بن کے رہ گئی ہے اگر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو اپنی منزل یعنی اسلامی معیشت کے قیام کو پانے کے لئے راستے کی اس دیوار کو گرانا ہوگا اس کا مکمل قلع قمع کرنا ہوگا تبھی ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے ورنہ جب تک یہ شجر خبیث موجود ہے اصلاح احوال کی کوئی صورت کارگر نہیں ہوگی بلکہ صورتحال اور بگڑے گی اور بیروزگاری کا مسئلہ اور زیادہ گھمبیر ہوتا جائے گا کیونکہ مسئلہ کی جڑ اور بنیاد یہی ناسور ہے۔

۴۔ قرض حسنہ:

انسان کا بنیادی مسئلہ کسب معاش کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا خود انسان اور ذرائع بھی وہی پرانے ہیں صنعت و حرفت اور زراعت یا ملازمت۔ لیکن صنعت و حرفت اور زراعت کے میدان میں مشین کی ایجاد نے کافی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انقلاب برپا کر دیا ہے اور روزگار کے انداز بھی بدل دیئے تو اس کے لئے پرانے حل کے ساتھ ساتھ جدید حل بھی سوچنا ضروری ہے۔ حکومت پہلے آسان شرائط سود پر بے روزگار افراد کو قرضے دیتی ہے پھر جب وہ اپنے پاؤں جما لیتے ہیں تو آسان اقساط میں وہ قرضے لٹاتے ہیں تاکہ دیگر بیروزگار افراد کو دیئے جا سکیں یہ ایک اچھی سکیم ہے لیکن اگر اسے بغیر سود کے قرض حسنہ کے طور پر دیا جائے تو اس کے فوائد زیادہ ہونگے۔

دوسرے دیکھا یہ گیا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ افراد میں بیروزگاری زیادہ ہے اس لئے کہ آج کل کے دور میں علم سے زیادہ ہنر کی مانگ ہے لہٰذا میری یہ تجویز ہے کہ ہمارے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں علم و ادب یا نظری علوم پڑھانے کی بجائے فنون اور ہنر سکھانے پر زیادہ توجہ دی جائے یا پھر تمام طلبہ کو علوم کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی ہنر اور فن سکھانے کا ضرور بندوبست کیا جائے کہ بقول۔ اقبالؒ:۔ قوت افرنگ از علم و فن است

کہا یہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس پیسہ تو بہت ہے لیکن ٹیکنالوجی Technology نہیں ہے اس لئے ہمیں ٹیکنالوجی حاصل کرنا چاہیے اور اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں خصوصاً سکولوں میں بھی طلبہ کی رہنمائی (گائیڈینس) کا انتظام کیا جائے تاکہ ان کا رجحان طبع دیکھ کر ان کو ہنر سکھائے جائیں اور وہ اپنے آپ کو معاشرے میں ناموزوں Misfit نہ سمجھیں۔

مشینی زندگی کی بے کیفی اور بے رنگی میں رنگ بھرنے کے لئے علم و ادب بھی ضروری ہیں کہ بقول اقبالؒ:

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

لیکن آج کل مشین ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے اس نے انسانوں کو بہت سی سہولتیں بھی بہم پہنچائی ہیں۔ روزگار کے مواقع بھی پیدا کئے ہیں اور ساتھ ساتھ بیروزگاری میں لمحوں میں کر دیتی ہے اور بڑی ستھری اور پائیدار بنا کر مارکیٹ میں بھیج دیتی ہے جس سے دستکار حضرات بیروزگار ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی بیروزگاری کو معاشی اصطلاح میں Tenhnology Unemployment کہتے ہیں لیکن اب تو مشین آج کی ضرورت بن چکی ہے تو ان بیروزگار ہونے والے دستکاروں کو بھی قرض حسنہ دے کر بیروزگاری کے بے رحم شکنجے میں جانے سے بچایا جائے تاکہ وہ بھی اپنے ہنر اور دستکاری کو مشینی یعنی Industrialise کر لیں اور عزت کی روزی کما سکیں اور ایک کا روزگار دوسروں کی بیروزگاری کا سبب نہ بن سکے۔

۵۔ اجارہ داری کا خاتمہ:

احتکار کرنیوالا (اجارہ دار) (Monoplist) دولت کے ذخیروں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے اور بسا اوقات زائد سامان تو تلف کر دیتا ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح ایک خاص نرخ لوگوں پر مسلط کر سکے یہ طرز عمل صریح طور پر سامان معیشت کے ان سماجی خزانوں کی بربادی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فائدے کے لئے زمین پیدا کیا ہے اسی لئے اسلام نے احتکار کو دائرہ دین سے خارج کرنیوالا جرم قرار دیا ہے۔

[من احتکر طعاماً اربعین یوماً فقد برئ من اللہ وبرئ اللہ منہ](۱)

''جس نے چالیس دن تک خوراک کو ذخیرہ کئے رکھا اس کو اللہ سے کوئی واسطہ نہیں نہ اللہ کو اس کی کوئی پرواہ ہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۶۔ سحت واستحصال کا تدارک:

استحصال کسی قسم کا بھی ہو ختم ہونا چاہیے کواہ مستاجر کے ہاتھوں اجیر کا استحصال ہو یا مذہبی پیشہ وروں کے ہاتھوں پانے عقیدت مندوں کا ہو یا اخبارات و جرائد کے مالکوں کے ہاتھوں یا پبلشروں کے ہاتھوں غریب لکھنے والوں کا ہو۔ اخبارات ورسائل کی اشاعت بھی آج کل دیگر منفعت بخش صنعتوں کی طرح ایک صنعت بن چکی ہے اور اس میں بڑا منافع ہے کیونکہ یہاں کام مال (مضامین، افسانے، نظمیں) مالکوں کو بالکل مفت مل جاتی ہیں یہاں تک کہ ان لکھنے والوں کو جن کی تخلیقات یہ اخبارات و جرائد کے مالک شائع کرتے ہیں۔ اس رسالے یا اخبار کی ایک اعزازی کاپی بھی یہ مالکان نہیں بھیجتے وہ بھی انہیں خود خریدنا پڑتی ہے۔ یعنی قلم اور لفظ (جن کی قسم اللہ نے کھائی ہے) ن۔ والقلم وما یسطرون بالکل بے قیمت ہے اس کی اس ملک میں کوئی قیمت نہیں حالانکہ لفظ تو انمول ہوتا ہے ایسا قانون بنانا چاہیے کہ یہ ملک ہر لفظ کی قیمت ادا کریں جو یہ اپنے اخبارات و جرائد میں شائع کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ جو خود استحصال کے خلاف لکھتے نہیں تھکتے لکھنے والوں کا استحصال نہ کرسکیں۔

۷۔ اسراف وتبذیر کے خلاف اقدام:

ہمارے ملک میں جہاں لوگوں کی اکثریت نان جویں کو محتاج ہے وہاں ایک محدود اقلیت ذرائع و وسائل معاش پر قابض ہے اور وہ اپنے بے انتہا دولت وثروت میں محروم لوگوں کو شریک کرنے کی روادار نہیں ہے۔ ان سے جب رفاہی کاموں میں امداد مانگی جائے تو وہ دس روپے دیتے ہوئے دس دفعہ سوچتے ہیں لیکن جب بسنت منانا ہو تو بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ پتنگ بازی پر لاکھوں روپے کا ضیاع، وقت کا ضیاع اور لہو ولعب ہے یہ اسراف ہے اسے قانوناً ممنوع قرار دے دینا چاہیے اور ان کی زائد از ضرورت دولت کو ترمذی کی اس حدیث کی رو سے ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ (مال میں زکوٰۃ کے علاوہ حق بھی ہے) ٹیکس کے ذریعے حاصل کرکے بیروزگاروں اور حاجت مندوں پر صرف کردینی چاہیے اور عملاً اسلامی معیشت کی ایسی تصویر پیش کرنی چاہیے جیسا کہ اسلامی معاشی نظام کا تقاضا ہے۔

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (الحشر:7)

''مال تمہارے مالداروں میں ہی چکر نہ لگاتا رہے''۔

اسلام کے معاشی نظام کو نافذ کرکے بتدریج وہ تمام فاصلے کم کردیئے جائیں جو امیر اور غریب میں پائے جاتے ہیں اور اسی تدریجی عمل میں وہ مقام آجائے کہ پورے معاشرے میں ایک بھی حاجت مند باقی نہ رہے۔

نکتہ، شرع مبیں ایں است و بس
کسے نہ باشد در جہاں محتاج کس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رشوت (کرپشن)

دوسروں کا حق مارنے کے لیے فریب اور مکر کی نہایت بدنما صورت رشوت ہے جو کسی مقدمہ کے وکیل، گواہ یا حاکم کو دی جائے اور جس قوم میں یہ دروازہ کھل گیا سب سے پہلے اس نے غریبوں کو اور زیادہ محتاج بنا دیا۔ غریبوں کے بعد امیروں کو نوبت آئی اور ایک دوسرے کا مال یا کوئی اور حق حضم کرنے کے لیے رشوت میں دولت کے دربار بہا دیئے۔ رفتہ رفتہ قوم کی اخلاقی دولت بھی لٹ گئی۔ کل تک جو لوگ ایک دوسرے کے لیے نمونہ تھے۔ آج باہم لڑنے جھگڑنے سے قابلِ نفرت بن گئے۔

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ:188)

''جھوٹ بول بلا کر ایک دوسرے کا مال ہضم مت کرو اور نہ یہ کرو کہ حاکموں تک رشوت پہنچا کر ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر کھانا کھلا شروع کر دو اور تم جانتے ہی ہو (کہ اگر تمہارا مال دوسرے اس طرح کھانے لگیں تو تمہیں کتنا ناگوار گزر سکے)''۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد میں عدالتیں قائم کیں۔ تو رشوت ستانی کے انسداد کے لیے مختلف تدبیریں فرمائیں قاضیوں کی تنخواہیں بہت زیادہ مقرر کیں۔ تاکہ وہ رشوت پر مائل نہ ہوں۔ حتیٰ کہ یہ قانون مقرر فرما دیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو۔ اسے یہ عہدہ نہ دیا جائے کیونکہ ایسے لوگ کسی کے اثر اور رعب میں نہیں آ سکتے۔ قاضی شریح کو لکھ بھیجا کہ تم خود کوئی بیع و فروخت نہ کرنا۔ نہ رشوت کے قریب جانا۔

حضرت عمرؓ کا ایک دوست ہر سال آپ کے لیے اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا۔ ایک مرتبہ وہ شخص ایک مقدمہ کا فیصلہ اس طرح کیجئے۔ جیسے اونٹ کی ران کی بوٹیاں ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں''۔

حضرت عمرؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو تحریری فرمان بھیجا کہ کسی کا ہدیہ قبول نہ کرنا۔ ہدیہ بھی رشوت ہی ہے۔

حضرت عتبہ بن فرقدؒ جو غالباً آذربائیجان میں عامل تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے پاس کھانے کی چیزوں میں سے ایک نفیس شے ہدیۃً بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا ''کیا تم مسلمان یہی کھاتے ہیں؟''

حضرت عتبہؓ نے عرض کیا ''جی نہیں!''

''امیر المومنینؓ نے فرمان بھیجا کہ ''یہ تمہاری یا تمہارے باپ کی کمائی نہیں جو خود کھاؤ وہی تمام مسلمانوں کو کھلاؤ''۔

حضرت بلالؓ نے جناب عمر فاروقؓ سے شکایت کی۔ صوبہ شام کے امرا پرند کا گوشت اور میدے کی روٹی کے سوا اور کچھ کھاتے ہی نہیں۔ حالانکہ عوام کی حالت نہایت زبوں ہے اور زنہوں نے کبھی ایسا کھانا دیکھا تک نہ ہوگا۔ اس پر حضرت امیر المومنینؓ نے تمام اعمال سے اقرار لیا کہ ''روزانہ فی کس دو روٹی اور زیتون کا تیل تقسیم کیا جائے اور مال غنیمت کی تقسیم مساویانہ ہو۔

حضرت عمرؓ کا یہ قانون بھی تھا کہ جب کسی کو عامل مقرر فرماتے تو اس کے تمام مال و اسباب کی فہرست تیار کرالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی۔ جہاں اس کے سامان میں اضافہ ہوا وہ مال مسلمانوں میں تقسیم کرا دیتے۔

آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر کا گورنر مقرر کیا تو ان کے پاس سامان بڑھ گیا۔ امیر المومنینؓ نے لکھا:

''اے عمروؓ جب تمہیں مصر بھیجا گیا تھا۔ اس وقت تمہاری حالت اور تھی مگر اب تمہارے پاس اسباب غلام اور مویشی جو اس قدر جمع ہو گئے ہیں کہاں سے آ گئے!''۔

گورنر صاحب نے جواب دیا کہ

''مصر میں زراعت اور تجارت دونوں سے پیداوار ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے پاس بہت سی رقم پس انداز ہو جاتی ہے''۔

لیکن حضرت عمرؓ نے اس جواب کو صحیح نہ سمجھ کر یہ تمام سامان مسلمانوں میں تقسیم کرا دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بحرین سے واپس تشریف لائے۔ تو بارہ ہزار روپیہ آپؓ کے پاس تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ تمام رقم ضبط فرما کر بیت المال میں داخل کر دی۔

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شاعر نے اپنے قصیدہ میں بہت سے عمال کے نام گنوائے۔ اور لکھا کہ ان کے پاس اس قدر اموال کہاں سے آ گئے۔ اے امیر المومنینؓ! ان کا حساب لینا چاہیے''۔ حضرت عمرؓ نے ان عاملوں کے سامان میں سے ہر ایک کا نصف مال ضبط کر لیا۔ حتیٰ کہ ان کے جوتوں کی ایک ایک پوائی تک چھین لی گئی۔ میں کہتا ہوں یہ تمام اموال رشوت تو نہ تھے بلکہ لوگوں نے ہدیۃً پیش کیے ہوں گے یا تجارت و زراعت کے ذریعہ سے ان عاملوں نے جمع کیے ہوں گے مگر چونکہ حاکم اعلیٰ کی برتری لوگوں کو ہدیہ دینے پر مائل کرتی ہے اور تجارت و زراعت میں بھی لوگ ان کو دوسروں پر محض ان کے حاکم ہونے کی وجہ سے ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی ایک قسم کی رشوت ہی بن جاتی ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے ایسا کیا اور بالکل بجا کیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر عبداللہ بن التبیہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جن لوگوں نے انہیں زکوٰۃ ادا کی۔ انہوں نے کچھ تحفے بھی حضرت عبداللہؓ کی خدمت میں پیش کیے۔ جنہیں آپؓ نے قبول فرما کر اپنے پاس رکھ لیا۔

جب آپؓ واپس لوٹے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کرتے ہوئے اپنا حصہ علیحدہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ مال کا یہ دوسرا حصہ کیسا ہے؟ عامل صاحب نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں نے مجھے کچھ تحفے دیئے تھے۔ یہ مال وہی تحفے ہیں!''

یہ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ فوراً منبر پر تشریف لائے۔ خطبہ دیا۔ اللہ اور رسول ﷺ کی تعریف کے بعد فرمایا:

''اللہ نے مجھے جو کام سپرد فرمایا ہے۔ ان کاموں میں سے کسی کام میں اگر میں کسی کو اپنا عامل بنا کر بھیجتا ہوں۔ تو وہ جمع شدہ مال کے دو حصے کر کے کہتا ہے کہ ''یہ تو زکوٰۃ ہے جو مجھے لوگوں نے دی اور یہ میرا مال ہے جو لوگوں نے مجھے تحفہ میں پیش کیا''۔

''ایسے شخص کو اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر انتظار کرنا چاہیے کہ اس کے لیے کون اس کے گھر میں آ کر تحفہ پیش کرتا ہے؟ مجھے ذات خداوندی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ تم میں سے جو شخص اس قسم کے تحفے قبول کرے گا۔ قیامت کے روز یہ تحفہ اس کی گردن سے چمٹا ہوا ہو گا اگر اس نے تحفہ میں اونٹ لیا ہے تو وہ اس پر سوار بلبلاتا سنائی دے گا۔ گائے ہے تو وہ گردن سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چمٹی ہوئی ممیا رہی ہوگی۔ بکری ہوگی تو وہ گردن سے لگی ممیاتی اٹھے گی"۔

اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

"یا اللہ تو گواہ رہیو! کہ میں نے انہیں تیرا حکم سنا دیا ہے۔ یا اللہ تو گواہ رہیو! کہ میں نے انہیں تیرا حکم سنا دیا ہے"۔

دو مرتبہ آنحضرت ﷺ نے یہ الفاظ دہرائے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو یہود خیبر کی طرف غلہ کی بٹائی وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ تو یہودیوں نے اپنی عورتوں کے زیور جمع کر کے عامل (حضرت عبداللہ بن رواحہؓ) کو تحفہ میں پیش کیے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میرے لیے یہ مال حرام ہے اور ہم لوگ حرام نہیں کھا سکتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

معاشی تفاوت کا خاتمہ

قرآن وسنت اور خلافت راشدہ کے نظائر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول یہ بھی ہے کہ معاشرہ تقسیم دولت کے اندر جو فرق پایا جاتا ہو وہ کم ہو اور سماجی دولت کسی ایک طبقہ کے اندر مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔

مکی دور میں ہی مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ دولت مند افراد کے مال میں دولت سے محروم افراد اور ضرورت سے مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرنے والوں کا بھی حصہ ہے۔

﴿وَفِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (الذاریات:19)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے''۔

پھر مدنی دور میں جب بنونضیر نامی یہودی قبیلہ کو ان کی بدعہدی اور اسلامی دشمنی کے سبب جلاوطن کیا گیا اور ان سے حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ حکم دیا گیا کہ یہ اموال ضرورت مندوں کے لیے ہیں۔ اس حکم کی مصلحت یہ بتائی گئی کہ سماج کے مال کو دولت مند افراد کے درمیان مرکوز نہیں ہونا چاہیے۔

نبی ﷺ کے دور میں تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا مقصد اسلامی ریاست نے تین طریقوں سے حاصل کیا۔ ہر سال زکوٰۃ اور عشر کے ذریعہ دولت مندوں کے مال کا ایک حصہ غریبوں کی طرف منتقل کیا جاتا رہا ہے۔ فئے کے مال کو غریبوں کے درمیان تقسیم کیا گیا اور اصحابِ دولت کو ترغیب وتلقین کے ذریعہ اس بات پر ابھارا گیا کہ وہ اہل حاجت کی مالی امداد کریں۔

جب ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے اور فئے کا مال آیا تو آپ نے اسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا، اور چھوٹے، بڑے، آزاد، غلام مرد اور عورت سب کو برابر حصہ دیا۔ جب بعض لوگوں نے آپ سے یہ کہا کہ خدمتِ اسلام اور اسلام لانے میں سبقت کی بناء پر بعض افراد کو بعض سے زیادہ حصہ دینا چاہئے تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ:

''تم نے جو سابقیت، اولیت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو میں اس سے بہت اچھی طرح واقف ہوں لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل ثناءہٗ کے ذمہ ہے مگر یہ معاملہ معاش کا ہے۔ اس میں مساوات کا برتاؤ ترجیحی سلوک سے بہتر ہے''۔ (۲)

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ:

''ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ وہ (فئے کی) تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں تو آپ نے فرمایا ان کے فضائل کا اعتبار اللہ کے یہاں ہوگا جہاں تک اس معاشی زندگی کا سوال ہے اس میں برابر سلوک کرنا بہتر ہے''۔ (۳)

خلیفۂ اوّل کا یہ ارشاد اگرچہ فئے کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن آخری جملہ میں آپ نے ایک اصولی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ جس سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا عام رُجحان اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہ عام رُجحان یہ ہے کہ وسائل معاش کی تقسیم میں تفاوت کے بجائے مساوات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کے باقی دو طریقے جو عہد نبوی میں اختیار کئے گئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے عہد صدیقی میں بھی نافذ رہے۔ جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو ریاست نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کر کے ان کو اس حق کی ادائیگی پر مجبور کیا۔

جب حضرت عمرؓ نے مفتوح ممالک کی اراضی کو تقسیم کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے زمینوں کی تقسیم کے خلاف رائے دیتے ذفت جو بات فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ کو سماج میں دولت کا مرکوز ہونا ناپسند تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ زمین کی ملکیت ایک محدود طبقہ میں گھر کر رہ جائے اور باقی افراد اس سے محروم رہیں۔ حضرت معاذ کی رائے یہ تھی کہ زمین کے بڑے بڑے رقبوں کا چند افراد کے ہاتھوں میں آجانا بُرا ہے۔ اس سے آئندہ آنے والوں کی حق تلفی اور ہمت شکنی ہوتی ہے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضوان اللہ علیہم نے بھی زمین کو تقسیم نہ کرنے کی رائے دی تھی۔ حضرت عمر کا ان دلائل کو وزن دینا اور ان کی روشنی میں ایک اہم فیصلہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے نزدیک سماج کو دولت کے مرتکز ہونے سے بچانا اسلام کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے۔ (۴)

جب مصر فتح ہوا تو وہاں کی زمینوں اور عمارتوں کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے یہی پالیسی اختیار کی گئی۔

فئے کے مال کی تقسیم کے بارے میں ابتداءً عمرؓ نے بھی مساوی تقسیم کی اُسی پالیسی پر عمل کیا جو حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کی تھی۔ لیکن 16ھ میں جب عراق و شام کی فتح سے بہت سامان خمس اور فئے کے طور پر حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں کو اور اسلام کی نمایاں خدمت انجام دینے والوں کو عام افراد سے زیادہ حصے دیئے۔ جن افراد نے نبی ﷺ کے ساتھ مکہ میں طرح طرح کے مصائب برداشت کئے تھے۔ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی اور مدینہ کے ابتدائی دور میں آپ کے ساتھ مل کر جنگیں کی تھیں ان کو آپ نے بعد میں ایمان والوں سے زیادہ حصہ کا مستحق قرار دیا۔ تقسیم فئے میں مساوی سلوک کی جگہ ترجیحی سلوک کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگیں لڑی تھیں۔ ان کو ان لوگوں کے برابر حصے دیئے جائیں جنہوں نے ابتداء میں سے رسول اللہ کے شانہ بشانہ کفار سے جنگ کی تھی۔

''فرمایا: جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی تھی ان کو میں (تقسیم فئے میں) ان کے برابر نہیں کر سکتا جنہوں نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی''۔ (۵)

اس نئے طریق کار کے حق میں جو سیاسی، معاشرتی، نفسیاتی اور دینی دلائل دیئے جا سکتے ہیں وہ واضح ہیں۔ لیکن معاشی طور پر اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ سماج کے اندر تقسیم دولت میں مزید ناہمواری پیدا ہو۔ چنانچہ آٹھ سال تک اس پالیسی پر عمل کے بعد بعد اپنے دورِ خلافت کے آخری سال میں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پھر تبدیل کی اور آئندہ تقسیم فئے میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

ابن سعد لکھتے ہیں:

''میں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا کی قسم اگر میں اگلے سال اس موقع پر زندہ رہا تو (فئے کے رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا اور ان سب کو حصے کے اعتبار سے) ایک آدمی جیسا کر دوں گا''۔ (۶)

''زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر میں ایک سال اور زندہ رہا تو (فئے میں حصے کے اعتبار سے) سب سے نیچے کے لوگوں کو سب سے اُوپر کے لوگوں سے ملادوں گا''۔(۷)

ان روایات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ عمرؓ نے تقسیم فئے میں عدم مساوات برتنے کی پالیسی سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔لیکن یہ واضح نہ ہو سکا کہ آپ نے یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا تھا۔کتاب الخراج کی مذکورہ بالا روایت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مال فئے کی کثرت اس فیصلہ کا سبب بنی تھی۔لیکن ہمیں یہ توجیہہ کافی نہیں نظر آتی۔سابقین اوگیں اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں کا اعتبار برقرار رکھنے کا جو مقصد حضرت عمر کے پیش نظر تھا وہ اُسی وقت پورا ہو سکتا تھا۔جب مال فئے کی کثرت کے باوجود ان افراد کے حصے دوسرے افراد سے زیادہ رکھے جاتے۔صرف مال فئے کی کثرت اس بات کے لیے کافی وجہ نہیں بن سکتی کہ ان کے امتیازی مقام کو نظر انداز کر دیا جائے۔یہ بھی ممکن تھا کہ سب کے حصوں میں اضافہ کر دیا جاتا اور ممتاز لوگوں کو پھر بھی عام افراد سے زیادہ حصے ملتے معادی تقسیم کے اس نئے فیصلہ کے لیے ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی ایسی مصلحت آئی ہو جس کو ان مصالح پر ترجیح دینے لگے ہوں جو امتیازی سلوک اور غیر مساوی تقسیم کے وقت ان کے سامنے تھی اور آٹھ برس تک برابر سامنے رہی۔

ہمارے نزدیک یہ نئی مصلحت ان مفاسد کے ازالہ کی ضرورت تھی جو سماج کے اندر تقسیم دولت میں بڑھتے ہوئے تفاوت سے پیدا ہو رہے تھے یا آئندہ پیدا ہو سکتے تھے۔امتیازی حصے کچھ لوگوں کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مال دار بنا رہے تھے۔زیادہ مالدار لوگوں کے اندر معیار زندگی کو حد اعتدال سے زیادہ بلند کرنے، جائدادیں خریدنے اور جہاد فی سبیل اللہ میں کچھ سستی کے رجحانات پیدا ہوتے دیکھ کر آپ کی بصیرت نے یہ پہچان لیا ہوگا کہ ان رُجحانات کو غیر مساوی تقسیم کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ آٹھ سال تک امتیازی سلوک کرنے کے بعد آپ کے نزدیک اس طریقہ کو باقی رکھنا اتنا ضروری نہ رہ گیا ہو۔کیونکہ جن افراد کو آپ ممتاز کرنا چاہتے تھے ان کو اس طویل عرصہ میں خاصا موقع مل چکا تھا۔

نئے فیصلہ کے مطابق جن لوگوں کو زیادہ حصہ مل رہا تھا ان کے حصہ میں کمی نہیں ہوتی بلکہ جو لوگ پہلے کم حصہ پاتے تھے ان کے حصہ میں اتنا اضافہ پیش نظر تھا کہ سب کے حصے برابر ہو جائیں۔ایسا کرنا اسی وجہ سے ممکن ہو سکا تھا کہ فئے کا مال اب پہلے سے زیادہ تھا۔کتاب الخراج کی مذکورہ بالا توجیہہ ہمارے نزدیک فیصلہ کے صرف اس پہلو پر منطبق ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ مالدار لوگوں کی فاضل دولت لے کر غریبوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے۔

''ابو وائل سے مروی ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ جو امور میں پہلے طے کر چکا اگر انہیں مجھے آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملتا تو میں مالداروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اُسے فقرائے مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیتا''۔(۸)

اپنے دور خلافت کے آخری سال میں عمر فاروقؓ کا یہ ارشاد واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ آپ سماج میں دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری سے پریشان رہنے لگے تھے۔اس صورت حال کی روشنی میں اپنے بعض گذشتہ فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔اور ایک راست اقدام کے ذریعہ تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے یہ روایت ہماری رائے کی بھی تائید کرتی ہے کہ تقسیم فئے کے بارے میں آپ کے نئے فیصلہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل وجہ گذشتہ پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ناہمواری اور بڑھتی ہوئی عدم مساوات تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت عثمانؓ نے اموال فئے کی تقسیم میں مساوات کی پالیسی پر عمل نہیں کیا۔ مزید برآں آپ نے عراق وشام کی زمینوں کو جن کو مالیہ اب تک براہِ راست کاشت کاروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ متعینہ کراج پر درمیانی افراد کو دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ ٹھیکہ دار کاشتکاروں اور ریاست کے درمیان آ گئے۔ ریاست کو متعینہ رقم ادا کرتے اور کاشت کاروں سے مختلف شرحوں کے مطابق لگان وصول کرتے یا پیداوار میں شرکت کا معاملہ طے کر لیتے اور اس طرح خود نفع کماتے۔ اسی چیز نے آگے چل کر زمینداری اور جاگیرداری کی شکل اختیار کر لی جس سے گوناگوں مفاسد رونما ہوئے۔ ابتداً یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ ریاست کو مالیہ وصول کرنے میں سہولت ہو اور وہ انتظامی زحمتوں سے بچ سکے جو لاکھوں چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں سے کراج وصول کرنے میں اسے اٹھانی پڑتی تھی۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے ریاست کی آمدنی بھی بڑھ گئی تھی لیکن یہ درمیانی افراد کاشتکاروں پر زیادہ دباؤ ڈالنے لگے اور اپنا نفع بڑھانے لگے۔ (۹)

مقررہ سالانہ وظیفوں کے علاوہ حضرت عثمان غنیؓ نے متعدد افراد کو ان کی خدمات پر فراخ دلی کے ساتھ مزید رقمیں بھی عطا کیں۔ پھر مروان بن حکم کے بعض تصرفات کے نتیجہ میں ایک خاص طبقہ بنوامیہ کو پیش از بیش مالی فوائد حاصل ہونے لگے۔

ان پالیسیوں کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ کے اندر تقسیم دولت میں پایا جانے والا تفاوت بڑھنے لگا۔ متعدد اکابر صحابہؓ کو ان میں سے بعض پالیسیوں پر اعتراض تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں آپ نے ان حضرات سے یہ کہا تھا کہ اگر ان کی رائے آپ کی پالیسی کے خلاف ہے تو وہ اس کو تبدیل کرنے کے لیے اور بعض سابق احکام کو واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے آپ کے ایماء سے آپ کی جانب سے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ تقسیم مال میں مساوات برتی جائے گی۔ (۱۰)

حضرت علیؓ فئے کے بارے میں وہی رائے رکھتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ کی تھی، لیکن آپ کا دورِ خلافت اضطراب کے عالم میں گذرا اور اس کے بعد سلاطین بنوامیہ نے نہ صرف یہ کہ معاشرہ میں دولت اور آمدنی کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی مالی پالیسی کے نتیجہ میں یہ تفاوت بڑھتا ہی گیا۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے اور آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں کو اسلام کی اصل تعلیمات کے مطابق از سرِ نو منظم کرنے کی کوشش کی تو معاشی نظام میں بھی متعدد اصلاحات عمل میں لائی گئیں بے جا طور پر دی گئی جاگیریں واپس لے کر ان کے اصل مالکوں کو دی گئیں۔ جن سرکاری زمینوں کو لوگوں نے ذاتی ملکیت بنا لیا تھا۔ ان کی سابق حیثیت بحالی کی گئی اور آئندہ کے لیے ایسی زمینوں کی خرید و (فروخت ممنوع قرار دے دی گئی۔ (۱۱)

بعد میں آنے والے حکمرانوں نے ان اصلاحات کو ترک کر دیا اور حکومت کی معاشی پالیسی میں اسلام کے اصولوں سے انحراف کی مختلف شکلیں رونما ہونے لگیں۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کا صحیح مفہوم وہ ہے جو خلافت راشدہ کے عمل سے ہمارے سامنے آیا ہے۔ اسلام کسی فرد پر کسب دولت کے سلسلہ میں کوئی اصولی اور دائمی پابندی عائد نہیں کرتا لیکن اسے یہ بات پسند نہیں ہے کہ دولت سماج کے ایک طبقہ میں مرکوز ہو کر رہ جائے۔ قرآن، سنت نبوی، اور خلافت راشدہ کے نظائر کی روشنی میں ہم اطمینان کے ساتھ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم کے اندر تفاوت کو کم کرنا اسلامی ریاست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے۔

اس رائے کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اسلام کو معاشرہ میں عیش پرستوں اور مترفین کے طبقہ کا ظہور سخت ناپسند ہے۔ ہم قبل ازیں پہلے باب میں یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کے فلسفہ تاریخ کی روشنی میں کسی معاشرہ میں عیش کوشی اور عیش پرستی کرنے والے طبقہ کا ظہور اور غلبہ اس معاشرہ کی ہلاکت اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اس بناء پر بھی یہ ضروری ہے کہ اسلامی ریاست اس بات کا اہتمام کرے کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں روز افزوں تفاوت کا رُجحان نہ جڑ پکڑ سکے۔

معاشی پالیسی کے اس رہنما اصول کی روشنی میں دور جدید کی ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ظاہر ہے۔ اس ریاست کو اس بات کی بھی فکر کرنی ہوگی کہ صدیوں کے غیر اسلامی نظامِ معیشت کی وجہ سے جو خرابیاں جڑ پکڑ چکی ہیں ان کا بتدریج ازالہ کیا جائے۔ اصلاحِ حال کے لیے پہلا قدم یہ ہوگا کہ عشر و زکوٰۃ کے شرعی محاصل کو وصول کرنے اور متعینہ مدّات میں صرف کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ عام اخلاقی تربیت کے ذریعہ ایک ایسی فضا بنانی ہوگی کہ اصحابِ دولت زکوٰۃ کے علاوہ بھی اپنے مال میں اہلِ حاجت کا حق تسلیم کریں اور اسے رضا کارانہ طور پر ادا کریں۔ اسلام کے قانون وراثت کا پوری طرح نفاذ بھی اس اصول کے بعض تقاضوں کو پورا کرے گا۔ پھر سود کی حرمت بے جا استحصال کے بُرے دروازہ کو بند کر دے گی۔

ان اقدامات کے ساتھ اس طرف بھی توجہ کی جانی چاہیے کہ غیر اسلامی زمیندارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے زمین کی ملکیت کا ایک طبقہ میں جو تحرکز وجود میں آ گیا ہے۔ اس کو ختم کیا جائے۔ پھر اس بات کا بھی اہتمام ہونا چاہیے کہ ریاست کے تعمیری اور ترقیاتی کاموں یا رفاہ عامہ سے امور اور تعلیم، صحت وصفائی اور حمل ونقل کی سہولتوں وغیرہ خدمات کی فراہمی کا جو انتظام ریاست کی جانب سے کیا جائے، اس کے بیشتر فوائد بڑے کاروباریاں یا مال دار لوگوں ہی تک محدود نہ ہو جائیں۔ موجودہ عدم توازن کو دُور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان خدمات سے زیادہ تر فائدہ غریبوں اور کم آمدنی نے طبقوں کو پہنچے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ ریاست اس رہنما اصول کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے اہل ثروت پر شرعی محاصل کے ماسوا مزید محاصل عائد کرنے کا طریقہ بھی اختیار کر سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غربت وافلاس کا عذاب

موجودہ ترقی یافتہ زمانہ نظیر کے بغیر کوئی نظریہ تسلیم نہیں کرتا اسلئے ذیل میں چند ایسے واقعات پیش کئے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ افلاس وناداری کے خلاف اسلامی نظام کی فتح ایک زندہ حقیقت ہے اور عجیب بات ہے کہ اس فتح کی پیشین گوئی سرور عالم ﷺ نے اس وقت کی تھی، جبکہ ان کے وقوع پذیر ہونے کی موہوم ہی امید بھی نہ تھی، درحقیقت وحی الٰہی کے ذریعہ آپ کو بہت پہلے سے آگاہ کر دیا تھا کہ لوگوں نے اگر اسلامی ہدایات کی ہو بہو پیروی کی تو اس کے نتیجے میں کس قسم کے اثرات مرتب ہوں گے اور خیر وبرکت کے کن چشموں سے وہ سیراب ہوں گے؟

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں حضرت عدی بن حاتم طائیؓ سے روایت کی ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتنے میں دو آدمی حاضر خدمت ہوئے، ایک کو افلاس کی شکایت تھی، اور دوسرا اگرچہ مالدار تھا۔ اور کہیں مال واسباب لے جانا چاہتا تھا، لیکن راستہ میں امن وامان نہ تھا۔ اس لئے راستہ بند ہونے کا شاکی تھا راستہ بند ہو جانے کا جواب دیتے ہوئے آپ نے حضرت عدی سے فرمایا، عدی! کبھی تم حیرہ گئے ہو۔ (جو عراق کا قدیم شہر ہے) عدیؓ نے عرض کیا۔ حضور! خود تو نہیں گیا۔ ہاں لوگوں سے سنا ہوں، آپ نے فرمایا عدی! اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی کا نہ کعبہ کے طواف کے لئے آئیگی اور اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ قبیلہ طے کے ڈاکوؤں کا اس وقت صفایا ہو گیا ہوگا۔ جن سے سارا عرب عاجز ہے۔ (یعنی حضرت عدی کو اس وقت بہت حیرت ہوئی، کہ آئندہ چل کر امن وامان کا اس قدر دور دورہ، کیونکر ہوگا؟ جبکہ انہیں اپنے قبیلے کے رہزنوں کا حال اچھی طرح معلوم تھا، جن سے ہر کوئی پریشان تھا) ابھی حضرت عدی کی سابقہ حیرت برقرار تھی کہ آپ نے فرمایا: رہی محتاجی! تو تمہاری عمر اگر دراز ہوئی تو ایک وقت آئے گا کہ کسریٰ کے خزانے تمہارے ہاتھ آئیں گے! حضرت عدی کہتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی، اور میں نے عرض کیا، حضور کیا کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟ آپ نے فرمایا، ہاں کسریٰ بن ہرمز کے خزانے اور اگر زندگی نے تمہارے ساتھ وفا کیا تو تمہیں دیکھو گے کہ ایک وقت آئیگا جب آدمی خیرات کا مال لئے پھرے گا۔ اور لینے والا نہیں ملے گا۔

حضرت عدی بالآخر مسلمان ہوئے۔ اور ایک اچھے مسلمان ثابت ہوئے پھر وہ وقت آیا جب انہوں نے پہلی پیشین گوئی اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے ہوئے دیکھی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے آتی ہے، اور اسے خوف خدا کے سوا دوسرا کوئی کوف دامن گیر نہیں ہوگا۔

اسی طرح کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ حاصل کرنے والوں میں میں بھی شریک تھا اور آپ کا یہ دوسرا ارشاد بھی پورا ہوا۔

پھر حضرت عدی بڑی حسرت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ہو سکتا ہے میری آنکھیں وہ منظر نہ دیکھ سکیں، لیکن اگر تمہاری زندگی نے وفا کیا، تو تم ابوالقاسم ﷺ کی تیسری پیشین گوئی بھی دیکھ لوگے، کہ آدمی خیرات کا مال لئے پھرے گا۔ اور کوئی لینے والا نہ ملیگا (یعنی دولت کی فراوانی کی وجہ سے تلاش کے باوجود غریب کہیں نظر نہ آئیں گے) (۱۲)

اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت عدیؓ سے جو یہ فرمایا کہ:

''اگر زندگی نے تمہارے ساتھ وفا کیا تو تم دیکھو گے کہ ایک وقت آئے گا جب آدمی خیرات کا مال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لئے پھرے گا۔ اور لینے والا نہیں ملے گا''۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عنقریب یہ واقعہ پیش آئے گا، اور صحابہ میں جن کی عمریں دراز ہوں گی وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آئے، جس کی تفصیل ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

یہ اور اس قسم کی بیشتر روایتیں رسول مقبول ﷺ سے بکثرت منقول ہیں، جن میں آپ نے پہلے سے یہ اطلاع فرمادی تھی کہ ایک وقت آئے گا جب دولت کا زبردست سیلاب آئے گا امت پر امنڈ آئے گا، اور اس کے نتیجہ میں نہ غریب رہیں گے اور نہ زکوۃ پر اپنا حق جتلانے والا کوئی باقی رہے گا، اس بارے میں شک وشبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ اس اعتماد کے ساتھ اس قدر یقینی پیشین گوئی کوئی بھی نبی معصوم ہی دے سکتا ہے، جس کی زبان سے صادر ہونے والے الفاظ اس کی آواز نہیں خدا کی آواز ہوتے ہیں، اس پیشین گوئی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غریبی ایسا مرض نہیں جس کا علاج ناممکن ہو، حالانکہ تورات اپنا یہ فیصلہ سنا چکی ہے کہ:

''غریبی ازل سے ہے، ابد تک رہے گی، اور غریب دنیا سے کبھی ختم نہ ہوں گے''۔ (۱۳)

ذیل میں مسلم سماج سے غربت کے ازالے سے متعلق چند صراحتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

امام بخاری اور دیگر محدثین حضرت حارثہ بن وہب خزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں حضور ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے، لوگو! (آج موقعہ ہے) خیرات کو لو، اس لئے کہ ایک وقت آئے گا، جب آدمی زکوۃ اور خیرات کی رقم لے کر گھومتا پھرے گا، لیکن کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ (تلاش بسیار کے بعد کوئی ملے گا تو) کہے گا۔ کل لائے ہوتے تو میں قبول کر لیتا۔ آج مجھے ضرورت نہیں ہے۔ (۱۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، قیامت اس وقت تک نہ آئے گی، جب تک کہ لوگوں میں مال و دولت کی فراوانی نہ ہوگی۔ گویا دھن دولت کا سیلاب آگیا ہوگا۔ آدمی چاہے گا کہ کوئی خیرات قبول کرنے والا مل جائے، لیکن وہ جس کے سامنے پیش کرے گا جواب میں وہ یہی کہے گا کہ ''(آج تو) مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (۱۵)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک وقت آئے گا جب آدمی زکوۃ خیرات دینے کے لئے سونا لے کر ادھر ادھر گھومتا پھرے گا۔

لیکن کوئی اسے لینے والا نہ ملے گا۔ (۱۶)

اور پھر وہ وقت آ ہی گیا جب مسلمان خوش حال اور آسودہ حال ہوئے۔ دولت کی ریل پیل بڑھی، اور مسلمانوں میں ایسا کوئی آدمی نہ رہا جو خیرات کا مستحق ہو۔ یہ اس وقت ہوا جب دستور نبوت کے مطابق خلافت راشدہ کے طرز پر ایک حکومت قائم ہوئی، اور اس کو حدود جراستکام نصیب ہوا۔ یہ زمانہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ تھا۔ جیسا کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عمر بن اسید (ابن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب) سے نقل کیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے دلائل میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (متوفی 101ھ) نے صرف ڈھائی برس خلافت کی۔ لیکن اسی مختصر زمانے میں یہ حالت ہوگئی کہ لوگ ان کے تحصیلداروں کے پاس بکثرت مال لیکر آتے تھے، اور کہتے تھے، غریبوں کو دیدو! لیکن ان کو مال واپس لے جانا پڑتا تھا۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام لوگوں کو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدر مالا مال کر دیا تھا، کہ کوئی شخص اس قابل نہیں ملتا تھا کہ اس کو یہ مال دیا جائے۔ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام بیہقی لکھتے ہیں: اس سے حضرت عدی ابن حاتمؓ کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ (۱۷)

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افریقہ کا صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا، میں نے صدقہ وصول کر کے غریبوں کو بلایا، تاکہ ان میں تقسیم کر دوں لیکن مجھ کو کوئی فقیر نہیں ملا، کیونکہ عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کو مالدار بنا دیا تھا۔ اس لئے میں نے صدقہ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے۔ (۱۸)

تاریخ شاہد ہے کہ یہ فارغ البالی اور آسودگی، جس کا ذکر حضرت یحییٰ بن سعیدؒ نے کیا۔ محض افریقہ اور اس کے علاقوں تک محدود نہیں تھی، بلکہ تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں کل ملت اسلامیہ اور مسلم ملکوں میں اس قسم کی خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔

ابوعبید کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن والی عراق کو لکھا امدادی رقوم اور وظائف لوگوں میں تقسیم کرا دو! عبدالحمید نے جواب میں لکھا (بحمد اللہ) اس کی تعمیل ہو چکی، پھر بھی کچھ نقد رقوم بیت المال میں جمع ہیں، (اور اس کے بارے میں آنجناب کے حکم کا انتظار ہے) جواب میں آپ نے لکھا، باقیماندہ رقم سے قرضداروں کے قرض ادا کرا دو، حاکم نے جواب میں لکھا، اس کی بھی تعمیل ہو چکی ہے اور رقم بچ رہی ہے، آپ نے سہ بارہ لکھا، اگر کوئی شادی کا خواہشمند ہو تو اس کے لئے مہر اور دیگر اخراجات کا انتظام کر دو۔ حاکم حاکم نے لکھا اس کی بھی تعمیل ہو چکی ہے آپ نے پھر لکھا، جن غیر مسلموں نے خراج وصول کیا گیا، انہیں بیت المال سے اس کی دوگنی مقدار رقم بطور قرض دے دو۔ تاکہ اس کے ذریعہ زیادہ اور بہتر پیداوار انہیں حاصل ہوتی رہے۔ اور انہیں جتلا دو کہ قرض وصول کرنے میں کوئی عجلت نہیں کی جائے گی۔

خوشحالی اور فارغ البالی کی یہ ہلکی سی ایک جھلک تھی، جو تمام تر اسلامی عدل و مساوات کا نتیجہ تھی، جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ بار بار کی تلاش و جستجو کے بعد بھی پورے ملک میں کوئی حاجت مند نہ رہا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت بلا ظلم و جور، اور بغیر طلب و جستجو اس تک پہنچا دی گئی، اس نظام کی بدولت بیت المال سے قرضخواہوں کے قرضے بیباق ہوئے، شادی کی خواہش رکھنے والوں کی مرادیں بر آئیں، اور جب پوری مملکت میں کوئی حاجت مند نہ رہا تو امیر المومنین نے غریب کسانوں اور کاشتکاروں کو طویل المیعاد قرض دلوائے، تاکہ پیداوار میں اضافہ ہو، اور خلق خدا کو فائدہ پہنچے، حیرت کا مقام ہے کہ آپ نے یہ اسکیم پیداوار میں اضافہ ہو، اور خلق خدا کو فائدہ پہنچے، حیرت کا مقام ہے کہ آپ نے یہ اسکیم ایسے وقت میں چلائی، جس کے ٹھیک تیرہ سو سال بعد، کہیں دنیا بنک کاری اور اس کے نظام سے واقف ہوئی۔

درحقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیز اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ اچھی پیداوار سے تنہا کاشتکاروں کا مفاد وابستہ نہیں، بلکہ اس کے اندر حکومت اور عوام سب کا مفاد مضمر ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے کسانوں اور مزدوروں کی ہر ممکنہ امداد حکومتوں کا اولین فرض ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ اسلامی تاریخ کا عہد زریں کہلانے کا مستحق ہے۔ آپ کے زمانے میں جہاں عدل و انصاف اور امن و مساوات کا دور دورہ تھا۔ رعایا اس قدر خوشحال اور آسودہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا۔ آسمان سے رزق کے دہانے کھل گئے ہیں۔ اور زمین بھی اپنا سارا خزانہ اگل کر رکھ دے گی۔

اس وقت کے سکہ چین کا کچھ اندازہ والی بصرہ کی ایک تحریر سے ہوتا ہے، جس میں انہوں نے حضرت عمر کو لکھا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رعیت کی خوش حالی اور آسودگی دیکھ کر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ان کے اندر غرور اور نخوت نہ پیدا ہو جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب میں لکھا۔

حساب کتاب کے بعد جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائینگے اور باری تعالیٰ جنتیوں سے اپنی خوشنودی کا اظہار کریں گے۔ (اور ظاہر ہے یہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے) تو تمام جنتی بیساختہ پکار اٹھیں گے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ (الزمر:74)

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا''۔

جس طرح جنتی، جنت کی لامحدود آسودی اور سب سے بڑی خوشی پا کر بیساختہ خدا کا شکریہ ادا کریں گے) تم اپنے ماتحتوں کو اسی کی تلقین کرو، اور انہیں تعلیم دو کہ وہ ان نعمتوں کی قدر کریں اور اپنے رب کا شکریہ ادا کریں۔(۱۹)

ان معدودے چند واقعات کا تعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت سے ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے پہلے خلیفہ دوم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اسلامی حکومت کا دائرہ جن ملکوں تک وسیع ہوا، ہر جگہ خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ اسلامی معاشیات کے ماہر ابوعبید لکھتے ہیں:

حضرت معاذؓ بن جبل۔ حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں بھی یمن کے گورنر تھے، ایک سال معاذ نے یمن کی تہائی زکوٰۃ دربار خلافت میں روانہ فرمائی۔ حضرت عمر کو سخت ناگوار ہوا۔ آپ نے انہیں خط لکھا۔ تمہارا کام محصول وصول کرنا نہیں ہے، اس لئے آئندہ جہاں سے زکوٰۃ وصول کرو، وہیں کرچ کرو'' حضرت معاذ نے جواب میں تحریر فرمایا۔ چونکہ یمن میں ایسا کوئی شخص نہ تھا، جسے زکوٰۃ دی جائے، اس لئے رقم آپ کے پاس روانہ کر دی گئی ہے۔ اتفاق سے حضرت معاذؓ نے آئندہ سال دگنی اور اس کے بعد والے سال میں سے گنی رقم ارسال فرمائی اور جب حضرت عمر نے حسب سابق تنبیہ فرمائی۔ تو آپ نے جواب میں وہی عذر پیش کر دیا۔ کہ یہاں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں، میں کیا کروں؟(۲۰)

سبحان اللہ! وہ زمانہ بھی کیسا خیر و برکت کا زمانہ تھا، جب ادنیٰ شہری سے لے کر حاکم وقت تک خوف خدا سے سرشار اور اسلامی تعلیمات پر جان و دل سے نثار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زمین و آسمان کی برکتوں سے وہ مستفید ہوتے تھے۔ اور دنیا میں رہ کر وہ جنت کے مزے لیتے تھے۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہم اس دور کے ان زرین واقعات کو پڑھتے ہیں۔ اور یوں ہی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن ان کی اہمیت اور ندرت کو مطلق محسوس نہیں کرتے جبکہ اقوام عالم کے سامنے ہم اپنے ان اسلاف کو پیش کر سکتے ہیں اور یہ بطور چیلنج دنیا والوں سے کہہ سکتے ہیں کہ کیا تاریخ عالم دنیائے اسٹیج پر، کہیں اور کسی زمانے میں جہانبانی اور حکمرانی کا ایسا ایک نمونہ بھی دکھا سکتی ہے؟ کیا حضرت عمرؓ سے پہلے یا بعد میں ایسا بھی کوئی حاکم گزرا جس نے اپنے ماتحتوں کو یہ ممانعتی حکم بھیجا ہو کہ وہ مرکز میں روپیہ نہ بھیجیں؟ کیا آج تک کسی گورنر نے اپنے ماتحت آفیسران کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اور بادشاہوں کی طرح انہیں جزیہ اور کراج کی جبری وصولی کے لئے نہیں بھیجا گیا ان کا کام تو بس یہ ہے کہ جہاں سے روپیہ وصول کریں وہیں غریبوں میں تقسیم کر دیں اور خود تہی دست اپنے مستقر پر لوٹ آئیں؟ کیا آج حضرت معاذ بن جبل کی نظیر، یا آپ کی سیرت کا عشر عشیر بھی پیش کیا جا سکتا ہے، جو حضرت عمرؓ کو بار بار اس امر کی یقین دہانی کر رہے تھے کہ ان کی زیر نگیں رعیت کو زکوٰۃ یا اس قبیل کی کسی امداد چنداں کی حاجت نہیں۔ لہٰذا امر کز اس رقم کو قبول کرے؟ ظاہر ہے حضرت معاذؓ یقین پر خود کو اس لئے مجبور پاتے تھے کہ انہوں نے بہ نفس نفیس حضور ﷺ سے سنا تھا کہ جس جگہ کے مالداروں سے زکوٰۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصول کی جائے اسی جگہ کے غریبوں میں تقسیم بھی کر دی جائے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمان خواہ دنیا میں کہیں آباد ہوں، ان کی حیثیت جد واحد کی سی ہے۔ اگر کسی علاقے کے مسلمان خوشحال اور آسودہ ہیں، اور ان کو زکوٰۃ لینے کی چنداں حاجت نہیں، تو وہاں سے زکوٰۃ کی رقم ایسی جگہ منتقل کر دی جائے گی جہاں اس کی ضرورت ہے۔ اور اگر خوش قسمتی سے قرب و جوار کی بستیاں بھی آسودہ ہوں تو پھر مرکز میں ان رقوم کی بہم رسانی، اور وہاں سے ان کی مناسب تقسیم میں مضائقہ نہیں۔

اوپر پیش کیے گئے یہ تاریخی واقعات مخالفین اسلام کے اس جھوٹ کا پردہ بھی فاش کرتے ہیں کہ ''اسلام کا نظام زکوٰۃ، اس کی جانب سے شکست کا اعلان ہے اسلام کھل کر اس کا اعتراف کرتا ہے، کہ غریبی لاعلاج مرض ہے اور مسلمانوں میں یہ مرض سدا قائم اور باقی رہے گا''۔

بہر کیف یہ اسلامی نظام کے فیوض و برکات کی ایک جھلک تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں کہیں اس نظام کا قیام عمل میں آیا۔ وہاں ایسے ہی زبردست انقلاب رونما ہوئے، اور اس ملک کی کایا پلٹ گئی، لیکن بعد کے مسلم ملکوں کی اس بد نصیبی کو کیا کیا جائے؟ کہ انہوں نے اس نظام کو مطلق اہمیت نہ دی اور نتیجے میں اس کی برکتوں سے محروم رہے! (فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى)

آخر میں ہم ایک بار پھر عرض کریں گے، کہ اسلام کے نزدیک غریبی محض ایک سماجی روگ ہے لیکن ایسا روگ بھی نہیں، جس سے پیچھا چھڑانا سخت دشوار ہو، بلکہ جس طرح عام جسمانی امراض کا علاج مناسب تدابیر سے ہو جاتا ہے، اس کا علاج بھی ممکن ہے، لیکن ہماری نظر میں اس کی مناسب تدبیر بس یہی ہے کہ لوگ اسلامی تعلیمات کو اپنائیں، اس کی سفارشات کو من وعن تسلیم کریں اور اس پر سختی سے عمل کریں۔

اور پھر خدا نے چاہا تو وہ وقت آئے گا، جب غریبی اور افلاس کے سوتے خشک ہوں گے، عام خوشحال اور فارغ البالی کے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔ اور پورے انسانی سماج میں ایسا کوئی فرد نہ ہوگا، جو بجا طور پر زکوٰۃ خیرات کا مستحق خود کو ثابت کرے گا۔ (وَلَيْسَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ)

تب خدا نے چاہا تو زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کے دیگر مصارف میں کرچ ہوگی، جس کا ذکر قرآن پاک نے تفصیل سے کیا ہے۔ جیسے (والمؤلفة قلوبهم و في الرقاب والغارمين)۔ وغیرہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حوالہ جات

۱. مسند احمد
۲. ابو یوسف کتاب الخراج،ص:50
۳. ابو عبید کتاب الاموال ،ص:263
۴. کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ،ص:42
۵. کتاب الخراج ،ج:50
۶. الطبقات الکبریٰ ،ج:3 ص،3-1
۷. طبقات الکبریٰ ،ج:3،ص:301
۸. المحلی لابن حزم، ج:6،ص:158
۹. الاحکام السلطانیہ للماوردی،ص:183
۱۰. تاریخ طبری ،ص:2948،نساب الاشراف ،ج:5، ص:93
۱۱. کتاب الاموال لابی عبید ،ص:364
۱۲. عمدۃ القاری ج:16،ص:134
۱۳. تورات ، تثنیہ ،۱۵، ۱۰، ۱۱
۱۴. فتح الباری ،ج:3،ص:181
۱۵. ایضاً
۱۶. ایضاً
۱۷. عمدۃ القاری ،ج:16،ص:135
۱۸. سیرۃ عمر بن عبد العزیز ابن عبد الحکیم ،ص:59
۱۹. ایضاً،ص:58
۲۰. کتاب الاموال،ص:596

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سولہواں باب:

اسلام اور نیا عالمی اقتصادی نظام

(Islamic and New International Economic Order)

نیا بین الاقوامی معاشی نظام:

جدید دور کے اہم مسائل میں ایک نہایت ہی اہم مسئلہ عالمی معاشی نظام کی تلاش ہے۔ امیر اور غریب ممالک کے مابین فرق کی خلیج وسیع تر ہوتی جا رہی ہے اور بین الاقوامی طور پر کثیر سنگین مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ بہت سے مسائل میں سے اس نئے نظام کو سرفہرست رکھا جا سکتا ہے کیونکہ جب تک کوئی منصفانہ معاشی نظام نہ وضع کیا جائے اتنے تک مسائل حل نہیں ہو پاتے۔ ساری دنیا کی دو تہائی آبادی ایسی اقوام پر مشتمل ہے جو غربت کا شکار ہیں۔ صرف تہائی ممالک ایسے ہیں جو دولت مند ہیں۔ وافر دولت امیر ممالک کے پاس جمع ہے' پسماندہ ممالک ان کے دست نگر رہتے ہیں۔ زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ ان دو گروپوں کے مابین فرق کم ہونے کی بجائے زیادہ وسیع ہو رہا ہے۔ مختلف ملکوں کے مابین پائے جانے والے تفاوت کی وجوہات کچھ یوں ہیں۔

اسباب/عوامل:

۱۔ پسماندہ ممالک قلت سرمایہ کا شکار ہیں۔

۲۔ بین الاقوامی منڈیوں پر زیادہ آمدنی والے ممالک کا قبضہ ہے۔

۳۔ ایسے ممالک جو پہلے کسی طاقتور ملک کے محکوم رہے ہوں اور آزادی ملنے کے بعد ان کی زرعی' صنعتی اور تجارتی پسماندگی اسی طرح رہی۔

۴۔ امیر ممالک سے غریب ممالک کی امداد میں کمی۔

۵۔ امیر اور غریب ملکوں کے درمیان غیر عادلانہ اور غیر متوازن تجارتی روابط۔

ایم پی ٹوڈیرو (Todaro) کے مطابق:

۶۔ عالمی ذخائر زر کی تقسیم میں کافی عدم توازن (Substantial Imbalance)۔

۷۔ دولت مند اقوام کا غیر متناسب طور پر مفاد اٹھانا۔

۸۔ اپنے مکمل زندگی کے سٹائل کو بیشگی دینا' محفوظ رکھنے کی خاطر کئی قسم کے ٹیرف لگا کر اپنی صنعتوں کو بچانے کی پالیسی اختیار کرنا۔

۹۔ کثیر الاقوامی کارپوریشنوں (MNCs) کے ٹھیکے' پٹہ داریاں (Leases) اور مراعات کا فائدہ میزبان ممالک کے نقصان پر ہونا۔

۱۰۔ ہم یعنی نازکا (Critical) معاشی فیصلوں کے عالمی معیشت کی کارکردگی پر اثرات۔

۱۱۔ آبادی کے بڑھنے کی تیز رفتار۔

۱۲۔ ترقی پذیر ممالک کا ناقص معاشی نظام۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۱۳۔ ناموافق معاشرتی اور تجارتی حالات۔
۱۴۔ یو۔ڈی۔سی میں انسانی اور قدرتی ذرائع کا بھرپور استعمال نہ ہونا۔
۱۵۔ محتاجی و محکومی کا دباؤ۔
۱۶۔ افراط زر کے مضر اثرات۔
۱۷۔ جامع اور ٹھوس منصوبہ بندی کا فقدان۔
۱۸۔ نئی ایجادات اختراعات اور فنیات کا ترقی پذیر ممالک میں تھوڑا ہونا۔
۱۹۔ قومی پیداوار میں کمی فی کس آمدنی قلیل اور نتیجتاً غربت کا دور دورہ۔

یہ چند ایسے حقائق ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پسماندہ ممالک بہت سے مسائل کے نرغے میں گھرے ہوئے ہیں۔ کوشش بسیار کے باوجود یہ ممالک اپنی معاشی دشواریوں پر قابو نہیں پا سکے گزشتہ برسوں کے کئی تجزیات اور تجربات سے پتہ چلا ہے کہ امیر اور غریب کا یہ فرق بڑھتا ہی رہا ہے۔ عالمی بنک کی ایک رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ اس صدی کے آخر تک امیر ممالک کی فی کس آمدنی میں ہزار ڈالر تک اضافہ کی ضرورت ہے جبکہ ساری دنیا کی تین چوتھائی آبادی کی فی کس آمدنی میں پانچ سو ڈالر سے زیادہ کی توقع نہیں۔ موجودہ نظام اسی لئے ناکام رہا ہے اور وہ اپنی مقبولیت کھو چکا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے بیشتر مسائل حل نہیں ہو سکے کیونکہ غریب ممالک کے عام محرومیوں کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔ وہ غربت کی چادر کو نہیں اتار سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا معیار زندگی پست ہے۔ طبقی سہولیات پست ہیں۔ ان کے انداز فکر میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ کئی ایسے مسائل ہیں جن پر قابو پانا ان کے بس میں نہیں ہے۔ ان کی طرف کچھ اشارہ یوں کیا جاتا ہے:

بڑی بڑی دشواریاں (Big Difficulties):

یہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مکمل بیروزگاری نیم اور مستور بے کاری
۲۔ توازن تجارت اور ادائیگی میں خسارہ
۳۔ مہنگائی کی بڑھتی ہوئی لہر
۴۔ ناقص مالیاتی اور زریاتی نظام
۵۔ منڈی کی ناکاملیات
۶۔ ایک ملک کے مختلف حصوں میں عدم مساوات
۷۔ فرسودہ پیداواری طریقے (Techniques)
۸۔ سرکاری آمد و خرچ میں عدم مطابقت
۹۔ قرضوں کا بڑھتا ہوا بھاری بوجھ اور عالمی اداروں کی سخت شرطیں
۱۰۔ معیشت کے مختلف شعبوں میں ہم آہنگی اور ہم رنگی کا فقدان
۱۱۔ معاشرت کے مختلف گروہوں کی آمدنی میں پایا جانے والا فرق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔ کلاشنکوف کلچر کے باعث دہشت گردی وغنڈہ گردی اور بے راہروی کا پھیلاؤ

۱۳۔ ٹیکنالوجی کی منتقلی میں دقتیں

تقسیم (Distribution):

اس سے قبل ہم نے مختلف ممالک کے مابین فرق کے اسباب کو تحریر کیا ہے نیز اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ پسماندہ ممالک کو کن مسائل کا سامنا ہے اور یہ کہ وہ انہیں اپنے تئیں حل نہیں کر سکتے جب تک کہ عالمی سطح پر کوئی ایسا لائحہ عمل تیار نہ کیا جائے جس سے نہ صرف پسماندہ ممالک کے مسائل بالخصوص اور ساری دنیا کے مابین پائے جانے والا فرق کو دور کرنے میں اقدامات اٹھائے جا سکیں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ گزشتہ چند عشروں میں دنیا کے تمام ممالک چار گروہوں میں تقسیم کیے جا چکے ہیں:

۱۔ ایک گروہ تیل پیدا کرنے برآمد کرتا ہے جسے اوپیک کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ممالک کی فی کس آمدنی بہت زیادہ ہے کیونکہ ان کا تیل بہت زیادہ برآمد ہوتا ہے اگرچہ ان میں ابھی تک کچھ غریب ریاستیں بھی ہیں خلیج فارس کی ریاستوں کی آبادی کم اور فی کس آمدنی زیادہ ہے۔

۲۔ دوسرا گروپ ایسے ممالک پر مشتمل ہے جنہوں نے کامیابی سے اپنی برآمدات کا دباؤ زیادہ کیا ہے۔ ان میں جنوبی کوریا، ہانگ کانگ، سنگاپور، تائیوان، برازیل اور میکسیکو شامل ہیں۔

۳۔ تیسرے گروہ میں چلی، جمیکا، زمبیا، کولمبیا، گھانا اور سری لنکا آتے ہیں جو خام مال چاہے وہ دھاتیں ہوں یا زرعی اشیاء ہوں، برآمد کرتا ہے۔

۴۔ ایک اور طبقہ جو کم ترقی یافتہ ممالک پر مشتمل ہے جن میں جنوبی ایشیا، بنگلہ دیش، انڈیا اور پاکستان بھی آتے ہیں، ان ممالک کی کثیر آبادی ہے۔ بیشتر باشندے غریب ہیں۔ آمدنی کی تقسیم بھی غیر ہموار ہے۔ چالیس پسماندہ ممالک کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی مجموعی پیداوار کا پچپن فیصد 20% کے پاس جاتا ہے اور نچلا ترین 20% حصہ GNP کا صرف 5% حاصل کر سکتا ہے۔ تقریباً 80 کروڑ افراد سخت غربت میں پلتے ہیں۔ تیسری دنیا کی اکثریت بہت زیادہ غربت کا شکار ہے۔

چند ماہرین مختلف ممالک کے سیاسی طور پر تین گروہ بناتے ہیں۔ ایک گروہ میں شمالی امریکہ، آسٹریلیا اور مغربی یورپی ممالک پائے جاتے ہیں۔ دوسرا بلاک مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک شمالی کوریا، ویت نام، منگولیا اور کیوبا پر مشتمل ہے جو پہلے گروپ کا مقابلہ کرتا ہے جبکہ ایک اور گروپ جس میں کم و بیش افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے ایک سو ستر ممالک شامل ہیں، اسے تیسری دنیا کا نام دیا جاتا ہے اور زیادہ آبادی انہی ممالک میں رہائش پذیر ہے۔ جو پہلی تقسیم کے دوسرے گروپ کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اب ہم نئے معاشی نظام کے چند اغراض و مقاصد قرطاز کرتے ہیں۔

مقاصد (Objectives):

جہاں تک نئے بین الاقوامی معاشی نظام کی اصطلاح کا تعلق ہے اس کا تعارف کے۔ آر۔ ہوپ (Hope) نے ان الفاظ میں کروایا ہے:

"The concept of NIEO is one, embodying institutional

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

arrangements, which promote economic and social progress of the developing countries in the context of an expanding world economy. It is a frame-work of rules and institutions regarding relations between sovereign countries."(1)

اسباب و وجوہات:

جہاں تک نئے عالمی معاشی نظام (NIEO) کی ضرورت اور اہمیت کا تعلق ہے' یہ مندرجہ ذیل چند نکات سے ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ ترقی پذیر ملکوں کا ترقی یافتہ ملکوں پر انحصار گھٹانا:

اب LDCs اپنے معاشی حالات کو سنوارنے کے لئے ترقی یافتہ ملکوں پر نہ صرف اعتماد کرتے ہیں بلکہ ان سے مختلف قسم کی امداد بھی حاصل کرتے ہیں۔ جن میں اربوں روپے کے قرض خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دولت مند اقوام غریب ملکوں سے شرح سود وصول کرتی ہیں اور وہ انہیں اپنا محتاج بنائے رکھتی ہیں۔ نئے نظام میں اس محتاجی (Dependency) کو ختم کرنے کے لئے خاص کوششوں کی ضرورت ہے۔

۲۔ پسماندگی دُور کرنا (Removing Backwardness):

نیو (NIEO) کے مطالبے کا مقصد یہ بھی تھا کہ عالمی سطح پر خود کفالت کی منزل کو حاصل کیا جا سکے اور خوراک کے پروگرام کو ترقی دی جائے۔ مثلاً:

۱۔ زرعی اور خوراکی پیداوار میں آبپاشی کی بہتر سہولتوں' اعلیٰ بیجوں' کیڑے مار ادویات وغیرہ کے ذریعے اضافہ کروانا۔ نیز سیم و تھور کو دور کرنا اور ذخیرہ کرنے کی سہولتوں کو مہیا کرنا۔

۲۔ کم ترقی یافتہ ممالک کے لئے خوراک کی درآمد کو ممکن بنانا۔

۳۔ عالمی سطح پر خوراکی اجناس کے ذخائر کو وجود میں لانا۔

۳۔ مناسب قسم کی اداراتی تبدیلیاں لانا:

ان سے مراد ایسے تغیرات ہیں جو مختلف شعبوں اور اداروں میں کرنی مطلوب ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں کے ادارے' بدانتظامی دفتری پیچیدگی اور غیر مستعدی (In-Effeciency) جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ اداروں کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مناسب قسم کی تبدیلیاں لانا اشد ضروری ہیں۔

۵۔ عالمگیر غربت کو ختم کرنے کے لئے اجتماعی کوششیں کرنا:

دنیا کے دو تہائی ممالک ناداری کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہیں اور انہیں بہت سے معاشی مسائل کے علاوہ کئی اور دشواریوں کا بھی سامنا ہے۔ نئے نظام میں افلاس کے خاتمہ کے لئے اجتماعی کوششوں کی سخت ضرورت ہے کیونکہ موجودہ معاشی نظام خامیوں کو دور کرنے میں ناکام رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔موجودہ معاشی نظام کے نقائص کو دور کرنا:

جہاں تک موجودہ اقتصادی نظام کا تعلق ہے یہ غیر متوازن اور ناقص ہے۔اس کے فوائد کا رخ زیادہ تر ترقی یافتہ اقوام کی طرف ہے اور ترقی پذیر ممالک زیادہ تر اس کے ثمرات سے محروم رہتے ہیں۔عالمی تجارت اور دیگر لین دین کا فائدہ زیادہ تر امیر ملکوں کے پلڑے میں جاتا ہے۔اس لئے نئے نظام کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

۶۔امیر اور غریب ملکوں میں پائے جانے والے فرق کو کم کرنا:

ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جس کے ذریعے نہ صرف پسماندہ ممالک کے مسائل بالخصوص اور ساری دنیا کے مابین (درمیان) پائے جانے والے فرق کو دور کرنے میں مؤثر اقدامات اٹھائے جاسکیں۔دونوں قسم کے ملکوں میں معیار زندگی اور آمدنی کی تقسیم میں بہت زیادہ خلا ہے۔پاکستان جیسے UDCs میں مختلف طبقوں کی آمدنی ایک جیسی نہیں ہے۔ نیز بحیثیت مجموعی مفلس اقوام اور امیر ممالک کے مابین جو وسیع فرق ہے اسے کم سے کم کرنا بھی ضروری ہے۔

۷۔موجودہ عالمی تجارت کی خرابیاں ہٹانا:

اس کے ذریعے موجود عالمی تجارت کی خرابیوں کو دور کیا جائے۔اس مقصد کے حصول کے لئے عالمی تجارت کی شرائط اور حالات کو بہتر بنانا' ٹیرف اور نان ٹیرف پابندیوں کو ختم کرنا اور ترقی یافتہ ممالک کی منڈیوں میں کم ترقی یافتہ ممالک کی اشیاء (برآمدات) کو سہولتیں فراہم کرنا۔خصوصاً غریب ممالک کی زرعی اشیاء کی برآمدات کے لئے ترجیحات کا ایک نظام قائم کرنا تاکہ وہ زیادہ بیرونی زرمبادلہ کما سکیں اور اس کی مدد سے نہ صرف واجب الادا قرضے ادا کر سکیں گے بلکہ درآمدات کے لئے بھی ادائیگی کر سکیں گے۔

۸۔عالمی مالیاتی اداروں کے وسائل کا رخ ترقی پذیر ملکوں کی طرف کرنا:

نئے عالمی معاشی نظام کے مطالبے پر زور اس لئے بھی دیا جا رہا ہے کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے انتظامات کو بہتر بنایا جائے کیونکہ 70 کی دہائی میں عالمی مالیاتی سطح پر بے شمار مسائل پیدا ہو گئے تھے۔سونے کی سرکاری قیمت کے مقابلے میں بازار میں رائج سونے کی قیمت کہیں زیادہ تھی۔ڈالر پر اعتبار کم ہوتا دکھائی دیا۔معین شرح تبادلہ کا نظام ہچکولے کھانے لگا۔چنانچہ غریب ممالک کا یہ مطالبہ تھا کہ عالمی مالیاتی نظام خصوصاً IMF کے کردار میں اس طرح تبدیلیاں لائی جائیں کہ غریب ممالک کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔SDRs اور ترقیاتی امداد میں ایک لنک قائم ہو سکے۔ IMF کی جانب سے کئے جانے والے فیصلوں میں غریب ممالک کا کردار زیادہ ہو۔IMF اور عالمی بنک کی جانب سے غریب ملکوں کو زیادہ وسائل رعایتی شرح پر فراہم ہوں یعنی ان اداروں کا رخ زیادہ تر LDCs کی طرف ہو اور یوڈی سیز کو زیادہ اہمیت دی جائے۔

۹۔ٹیکنالوجی کے تبادلہ کی فضا سازگار بنانا:

امیر ممالک ایسا طریقہ کار طے کریں جس کے نتیجے میں ٹیکنالوجی امیر ممالک سے غریب ممالک کو منتقل ہو سکے۔ امیر ممالک غریب ممالک کو اپنے ممالک میں اشیاء تیار کرنے وغیرہ کے حقوق فراہم کر دیں۔امیر ممالک غریب ملکوں کو مہارت یافتہ افراد اور مہارت کی منتقلی کے بارے میں فراخدلانہ رویہ اختیار کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ نظریہء بنیادی ضرورت کو پروان چڑھانا:

نظریہء بنیادی ضروریات افراد کی رو سے جسمانی' ذہنی اور معاشرتی نشوونما اور فکر کی ارتقاء کے لئے موزوں مواقع فراہم کرنا ہے۔ اس کا صرف یہ مقصد نہیں ہے کہ بنیادی ضروریات پوری ہوتی رہیں بلکہ انسان کو ہر لحاظ سے تربیت اور ترقی دینا ہے تاکہ غربت کا قلع قمع کیا جائے اور لوگوں میں یہ شعور پیدا کیا جائے کہ غربت عالمگیر نوعیت کی ہے۔ اس کے خلاف مشترکہ جہاد ہونا (ضروری ہے) چاہئے۔

۱۱۔ مخصوص ذرائع کی حرکت پذیری:

اس نظریہ کا سب سے زیادہ زور مخصوص ذرائع کی مخصوص گروہوں کے لئے حرکت پذیری ہے۔ وسائل پیدائش مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ غریب ملکوں میں ان کی تقسیم غیر مناسب ہے۔ جس وجہ سے وہ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس فرق کو مٹانا بہت ضروری ہے۔

۱۲۔ مجموعی طلب اور رسد میں توازن لانا:

یہ ایک نہایت ہی سنجیدہ مسئلہ ہے جس سے غریب ممالک دوچار ہیں۔ ان کی آبادی کثیر ہونے کی وجہ سے طلب زیادہ اور رسد کم ہوتی ہے جس وجہ سے اشیاء کی قیمتیں بلند ہو جاتی ہیں۔ غریبوں کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نیا عالمی نظام ایسا لائحہ عمل تیار کرے جس سے طلب و رسد میں توازن قائم کرنا آسان ہو۔

۱۳۔ ایل ڈی سیز کے درمیان تعاون کو فروغ دینا:

دوسرے لفظوں میں جنوب' جنوب تعاون کو بڑھانا اس سلسلہ میں کم ترقی یافتہ ممالک کے درمیان معاشی انضمام کو ممکن بنانا' کم ترقی یافتہ ممالک مالیات' زراعتبار' قرضوں' زری رشتہ جات' صنعتوں کے قیام' ٹیکنالوجی کی منتقلی' ذرائع رسل و رسائل کی سہولتوں میں فراہمی وغیرہ کے سلسلہ میں تعاون کریں۔

۱۴۔ سمندروں کے ذرائع تک یکساں پہنچ ممکن بنانا:

سمندر اور آبی وسائل تمام بنی نوع انسان کی ملکیت ہیں' لہٰذا ان ذرائع سے مستفید ہونے کی خاطر غریب ملکوں کو بھی مواقع حاصل ہونے چاہئے۔

۱۵۔ نیو (NIEO) کے بارے میں UNO کے تاثرات:

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اپریل 1974ء میں ایک خصوصی اجلاس طلب کیا جس میں نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے قیام پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"To work urgently for the establishment of a New International Economic Order based on equalty (مساوات) , sovereign equity, common interest and co-operation among all states, irrespective of their economic and social systems which shall correct in equilities and redress (مندمل کرنا) existing injustices, makes it possible to illuminate widening gap between developed and developing countries aand

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ensure steadily accelerating economic and social development, peace and justice for present and future generation."

''ایک نئے عالمی اقتصادی نظام کے لئے تیزی سے کام کرنا جس کی بنیاد مساوات' خودمختارانہ برابری' مشترکہ مفاد' تمام ریاستوں کے مابین اتحاد' ان کے معاشی اور معاشرتی نظاموں سے بلا امتیاز جو کہ عدم مساوات کی درستگی کرے گا اور موجودہ ناانصافیوں کا ازالہ کر کے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان پائے جانے والے وسیع خلا کا خاتمہ کرے گا اور علاوہ ازیں موجودہ اور مستقبل کی نسلوں کے لئے مستقل طور پر معاشی' معاشرتی' ترقی' امن اور انصاف کو یقینی بنائے گا۔''

جنرل اسمبلی کا عمومی اتفاق:

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ان موضوعات (Themes) پر عمومی اتفاق کیا جن کا تعلق نئے معاشی نظام سے ہے:

۱۔ صنعت افروزی (Industriaalization)
۲۔ تجارتی حکمت عملی (Trade Policy)
۳۔ زریاتی و مالیاتی وسائل (Monetary and Finaancial Resources)
۴۔ سائنس اور ٹیکنالوجی (Science and Teconology)
۵۔ زراعت و خوراک
۶۔ امداد' قرضوں اور ان کی واپسی کا انتظام
۷۔ معاشرتی مسائل

یو این او۔ کے معاشی مقاصد:

یو این او کی مختلف قراردادوں میں نئے بین الاقوامی معاشی نظام کے جو صریح (Explicit) مقاصد طے کئے گئے ہیں ان کی فہرست کچھ یوں بنتی ہے:

۱۔ یو این او کی سرکاری ترقیاتی امداد کے اہداف کا حصول۔
۲۔ قابل جوہر کے انخلاء (Brain-Drain) کو روکنے اور ترقی کے لئے فنی امداد بہم پہنچانا۔
۳۔ ترقی پذیر ممالک کے قرضوں کے لئے دوبارہ گفت و شنید۔
۴۔ بہت ہی زیادہ غریب ممالک اور جزیاتی ترقی پذیر ممالک کی مدد کے لئے خصوصی اقدامات اٹھانا۔
۵۔ تخفیف اسلحہ کر کے فنڈز کو ترقی کے لئے استعمال کرنا۔
۶۔ تجارت' درآمد کا ٹیکس اور غیر درآمدی رکاوٹوں کی اصلاح کے لئے شرائط کی بہتری۔
۷۔ اجناس کی فراہمی کے لئے مربوط نظریہ اپنانا۔
۸۔ بین الاقوامی خوراک کے پروگرام کو ترقی دینا۔
۹۔ L.D.Cs کے برآمدات کے پھیلاؤ کے لئے اور تنوع کے لئے معاشی پالیسی وضع کرنا۔
۱۰۔ مختلف معاشرتی اور معاشی حالات رکھنے والے ملکوں کے درمیان تجارت کی اصلاح۔
۱۱۔ ترقی پذیر ممالک کو فنی تعاون اور معاشی قوت فراہم کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔ آئی ایم ایف کی اصلاح پذیری۔
۱۳۔ آئی ایم ایف کے فیصلوں میں یوڈی سیز کی شمولیت۔
۱۴۔ عالمی بنک اور آئی ایم ایف کے ذریعے وسائل کی منتقلی کو بڑھانا۔
۱۵۔ ترقی پذیر ممالک کی صنعتی پیداواری صلاحیت کی تعمیر نو کے لئے بات چیت کرنا۔
۱۶۔ ٹیکنالوجی کے تبادلہ کے لئے میکانیت (Mechanism) وضع کرنا۔
۱۷۔ محدود کاروباری طریقوں کا خاتمہ اور تنظیموں کی سرگرمیوں کو منضبط بنانا۔
۱۸۔ قدرتی ذرائع کے مقابلہ کی طاقت کی اصلاح کرنا۔
۱۹۔ سمندروں کے ذرائع تک یکساں پہنچ ممکن بنانا۔
۲۰۔ آمدنی کی تقسیم کو زیادہ مساویانہ بنانا اور روزگار کی سطح بلند کرنا۔
۲۱۔ طبی، تعلیمی، اعلیٰ ثقافتی معیار کی رسائی کی سہولیات کی رسائی کے ساتھ ساتھ بچوں اور خواتین کے معاشی ترقی میں حصہ کو یقینی بنانا۔
۲۲۔ ریاستوں کی معاشی خودمختاری کی یقین دہانی۔
۲۳۔ غیر ملکی تسلط، نوآبادیاتی غلبہ کے باعث وسائل پر مخالفانہ اثرات کی تلافی۔
۲۴۔ صنعتی ترقی کے فروغ کے لئے مشاورت کے نظام کا قیام۔
۲۵۔ یو این او کے اقتصادی اور سماجی شعبوں (Sectors) کی تعمیر نو (Reconstruction)۔

ایک معروف مصنف کی رائے اس طرح ہے:

"A NIEO, is thus seen as a vehicle for LDCs to get important concessions from the DCs in matters like trade, aid and debt relief. It is a mechanism to change existing bases in wealth and income."(2)

کلیدی مسائل (Key Issues):

انہی کو مطالبات یا Demands، مضمرات (Implications) کا نام بھی دیا جاتا ہے اور یہی نئے مجوزہ (Proposed) نظام کا ایجنڈا بھی ہے۔

تقسیم اس طرح ہے:

۱۔ ''امداد'' اور ''قرضہ'' کے مسائل
۲۔ صنعتی تشکیل اور ٹیکنالوجی کے مسائل
۳۔ سماجی مسائل
۴۔ سیاسی و دیگر مسائل
۵۔ بین الاقوامی تجارت کے مسائل
۶۔ تعلیمی مسائل
۷۔ تہذیبی مسائل

''امداد'' اور ''قرضہ'' کے مسائل:

۱۔ اقوام متحدہ کے مقرر کردہ ترقیاتی ہدف کا حصول۔
۲۔ ترقی کے لئے فنی امداد پہنچانا اور ذہانت کا انخلاء (Brain-Drain) روکنا یا کم کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ ترقی پذیر ممالک کے قرضہ جاتی معاہدوں کو از سر نو طے کرنا تا کہ بوجھ ہلکا ہو سکے۔
۴۔ کم ترقی یافتہ ممالک، بنجر زمینوں اور جزیرہ نما ترقی پذیر ممالک کی پہلے سے زیادہ مدد کرنا۔
۵۔ کم ترقی یافتہ ممالک پر فنڈز کا زیادہ استعمال۔

بین الاقوامی تجارت کے مسائل:

۱۔ نسبت درآمد و برآمد کو بہتر بنانا، تجارتی پابندیوں جیسے ٹیرف اور نان ٹیرف کی حالتوں کو بہتر بنانا۔
۲۔ اشیاء تک رسائی کے لئے ایک مربوط طریقہ اختیار کرنا اس سلسلے میں Buffer Stock اور Association Produccer's کے نظام کو رائج کرنا۔
۳۔ عالمی سطح پر خوراک کے پروگرام کو ترقی دینا۔
۴۔ تجارتی روابط کو بہتر بنانا اور بڑھانا۔
۵۔ LDC's کے درمیان معاشی اور فنی تعاون کو مضبوط بنانا اور فرق گھٹانا۔
۶۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی تنظیم نو کرنا۔
۷ IMF کے فیصلوں میں LDC's کی رائے کو بھی مدنظر رکھنا۔

صنعتی تشکیل اور ٹیکنالوجی کے مسائل:

۱۔ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ٹیکنالوجی کو منتقل کرنا آسان ہو۔
۲۔ MNC's کی سرگرمیوں کو باقاعدہ بنانا اور ان کے طریق کار پر نظر رکھنا اور کاروباری پالیسیوں پر پابندیوں کا خاتمہ کرنا۔
۳۔ ایسی فنیت تیار کرنا جو یوڈی سیز کے حالات سے مطابقت رکھتے۔
۴۔ امیر ملکوں سے غریب ملکوں میں صنعتی کارکردگی کی منتقلی ممکن بنانا۔
۵۔ سمندری اور ساحلی ذرائع پر سب کی برابر رسائی رکھنا۔

معاشرتی اور دیگر مسائل:

یہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں:
۱۔ آمدنی اور بڑھتے ہوئے روزگار کے مواقع کی مساویانہ تقسیم۔
۲۔ سماجی ترقی اور معاشرتی فلاح کو بڑھانا۔
۳۔ ریاست کی معاشی حاکمیت کو یقینی بنانا۔
۴۔ غیر ملکی قبضہ کی وجہ سے ریاست کے وسائل پر جو بُرے اثرات پڑے ہیں ان کی تلافی کرنا۔
۵۔ اقوام متحدہ کے معاشی اور سماجی شعبہ جات کی از سر نو تعمیر کرنا۔
۶۔ اداروں کو مضبوط بنیادوں پر مستحکم رکھنا۔
۷۔ تعلیمی سہولیات بڑھانا۔
۸۔ اخلاقی اقدار کی پاسداری و عملداری مضبوط کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ جمہوریت کے قیام واستحکام میں مدد دینا۔
۱۰۔ افراط زر کے عفریت پر قابو پانا۔
۱۱۔ اسلحہ سازی کی دوڑ میں کمی لانا۔
۱۲۔ دہشت گردی، غنڈہ گردی اور کلاشنکوف کلچر کو ختم کرنا۔
۱۳۔ ذرائع ابلاغ عامہ پر اخلاق سوز پروگرام بند کرنا۔
۱۴۔ مضر صحت اشیاء کا ممنوع قرار دینا۔
۱۵۔ نئے قدرتی ذرائع کی دریافت اور مرضی سے استعمال۔
۱۶۔ انسانی وسائل کی افزائش پر توجہ مرکوز کرنا۔
۱۷۔ عالمی اداروں کے نقائص دور کرنا۔
۱۸۔ سماج دشمن عناصر کی سرکوبی کرنا۔
۱۹۔ غربت کا قلع قمع کرنا۔
۲۰۔ معاشرت کو نئے اچھے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔
۲۱۔ نسلی، ثقافتی، لسانی، علاقائی اور گروہی تعصبات سے ہٹ کر سب سے یکساں سلوک کرنا۔
۲۲۔ مختلف ممالک میں آمد ورفت کی پابندیوں اور شرطوں میں نرمی برتنا۔
۲۳۔ کئی اقوام کے مابین پائی جانے والی مخالفت ومخاصمت کی خلیج گھٹانا۔
۲۴۔ کسی قوم کے تشخص کو مجروح کرنے سے اجتناب برتنا۔
۲۵۔ ہر مسلک کی سالمیت واستقامت کا پورا احترام کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور نیا عالمی نظام

(Islam & New World Order)

یہ عام طور پر نیا بین الاقوامی معاشی نظام (New International Economic Order- NIEO) کہلاتا ہے۔ جو محدود سوچ اور اپروچ رکھتا ہے کیونکہ اس میں زیادہ تر زور اقتصادی مسائل پر دیا گیا ہے دیگر دشواریوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ اگر چہ امریکہ بھی نیو ورلڈ آرڈر کا راگ الاپتا پھرتا ہے مگر اس کا بنیادی مقصد کمزور ممالک کو دبانا' دبوچنا اور مغلوب کرنا ہے اور اپنی چودھراہٹ کی چوکھٹ (Threshold) پر دوسروں کو جھکانا ہے۔ اس نے چند ملکوں کو اپنے مظالم اور چیرہ دستیوں کا نشانہ بنایا اور انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

دراصل نیا عالمی نظام وسعت و ہمہ گیریت کی حیثیت سے موجودہ عالمی اقتصادی نظام سے کئی درجے بہتر اور فائق گنا جا سکتا ہے۔ مگر امیر و غریب ممالک فقط نیو (NIEO) کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر نئے عالمی سسٹم کو اسلامی تناظر (Islamic Perspective) میں دیکھا جائے تو پھر اس کی اہمیت و افادیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اسلام تو عالمگیریت (Internationalism) و اخوت اور محبت و معاونت اور مفاہمت و دعوت کا درس عظیم دیتا ہے۔ دین و دنیا کی بھلائی چاہتا ہے۔ نیا نظام معیشت' تجارت' سیاست' معاشرت' ثقافت اور دیگر شعبوں پر محیط ہوگا جس سے اچھوتے زاویے متعین ہوں گے۔

اسلام تمام انسانوں کے لئے پیغام رحمت و عدل ہے اس کی نگاہ میں ساری مخلوق اللہ کی ہے اور سب انسان اللہ کریم کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمام انسان معاشی حاجات میں برابر ہیں اور کسی امیر کو کسی غریب پر کوئی برتری نہیں۔ قرآن مجید کا یہ ارشاد جہاں انسانی رنگ و نسل کی برابری کا حکم دیتا ہے وہاں معاشی حاجات میں ان کی یکسانیت کا بھی درس دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً﴾ (النساء:1)

''اے انسانو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہا کرو جس نے تم سب کو ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں کے ذریعے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا:

کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب (۳)

''تم سارے کے سارے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔''

ان سارے تعلقات کی بنیاد محض انسانی ہمدردی' انسان کی ضروریات کی تکمیل اور ان کی معاشی فلاح ہے۔ اسلام کا نظام اقتصادی عدل تمام ملکوں' قوموں اور انسانوں کو دوسروں کے ساتھ سماجی انصاف' ہمدردی اور خیر خواہی کی تعلیم دیتا ہے۔ داعی عدل و انصاف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی من احسن الی عیالہ (۴)

''ساری مخلوق اللہ کریم کا کنبہ ہے لہٰذا اللہ رحیم کو اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کریم کے کنبہ سے زیادہ حسن سلوک کرے۔''

اس معاشی تعاون اور خیر خواہی کی بنیاد کیا ہوگی؟ اسلام کے ابدی اور ازلی اصولوں میں اس کا جواب ملتا ہے۔ قرآن مقدس میں ارشاد ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (النساء:2)

''نیکی اور پرہیزگاری کے معاملات میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے معاملات میں پہلوتہی کیا کرو۔''

اگرچہ ساری زمین اللہ کریم کی زمین ہے اور اسلام ملکی پابندیوں اور حدود کا مذہب نہیں ہے جہاں کوئی مسلمان بستا ہے وہ اسلام کی زمین ہے۔ ان کی معاشی حاجات کی تکمیل کرنا اسلام اپنا فرض سمجھتا ہے۔ وہ یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کی زمین کے ایک حصہ پر انسان دولت کا بے جا استعمال کرے۔ پیداوار کو سمندر میں پھینک کر ضائع کر دے اور دوسری طرف انسان بھوکوں مر رہے ہوں جو ملک کسی شئے کی پیداوار میں تخصیص حاصل کر لے وہ اس کے فوائد دوسروں تک پہنچائے۔ لیکن وہ زمین جس پر بدقسمتی سے ایسے انسان آباد ہیں جنہیں نعمت اسلام نصیب نہیں ہو سکی' وہ کفار ہیں اور ان میں کئی ملک مسلمانوں کے ساتھ حالت امن میں ہیں اور کئی دشمن ہیں۔ ان سے وابستہ تعلقات کے بارے میں اسلام کی کیا پالیسی ہو گی۔ قرآن مجید نے اسے واضح کر دیا ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (الممتحنہ:9-8)

''اللہ کریم تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے ہوں اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا ہو کہ تم ان سے بھلائی اور انصاف کا معاملہ کرو (بلکہ کرو کیونکر) یقیناً اللہ کریم تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ کریم تو تمہیں ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے۔ جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور دیس نکالا پر وہ مجتمع ہو گئے کہ ان سے دوستی کرو اور جو کوئی ان (کافروں) سے دوستی کریں وہ ظالم ہوں گے۔''

علاوہ ازیں اس طرح آیا ہے کہ:

وبعث رسول اللہ ﷺ خمسة مئة دينار الى مكة حين قحطوا وامر بدفع ذالک الى ابى سفيان بن حرب و صفوان بن اميه ليفرقا على فقراء اهل مكة (۵)

''جب اہل مکہ قحط کا شکار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو پانچ سو درہم بھیجے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاصد کو حکم دیا کہ یہ درہم سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ (سرداران قوم کو) دیئے جائیں تا کہ وہ انہیں مکہ کے محتاجوں میں بانٹ دیں۔''

یہ معاشی احسان اس وقت کیا گیا جب قریش مکہ آپؐ کے خون کے پیاسے اور دین اسلام کے بدترین دشمن تھے۔

عالمی سطح پر امیر اور ترقی یافتہ ممالک کے ہاتھوں ترقی پذیر ممالک (LDCs) کے معاشی استحصال کے لئے کسٹم کے ظالمانہ قوانین کے ذریعے درآمد کنندگان پر بھاری ٹیکس لگائے جاتے ہیں جو معاشی انصاف کے حصول کی راہ میں بڑا پتھر ہیں۔ اسلام نے اس پتھر کو روز اول ہی سے ہٹا دیا جب اس نے ساری مخلوق کو اللہ کریم کا کنبہ کہا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے لیکن جب دوسرے ممالک مسلمان تاجروں پر ٹیکس لگائیں تو اسلام کا نظام عدل اسلامی ریاست کو صرف اسی مقدار میں کافر ممالک کے تاجروں پر ٹیکس لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت عمرؓ کا اپنے گورنر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں جاری کردہ ہدایت نامہ اس کی دلیل ہے۔

خذ انت منهم كما يأخذون من تجار المسلمين (٦)

''ان کفار سے اتنا ہی محصول لیجئے جتنا وہ مسلمان تاجروں سے لیتے ہیں۔''

اسلام میں غیروں سے بھی نیک برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے۔ تعصب و رقابت اور فساد و عناد و دشمنی اور کینہ پروری سے روکا گیا ہے جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے:

﴿وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ (المائدہ:2)

سارے فرزندان توحید کے حقوق بلا امتیاز رنگ و نسل (Race) اور وطن و زبان ہر لحاظ سے یکساں ہیں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی فرد، گروہ، طبقہ یا قوم کو اندرون و بیرون ملک ایک جیسے حقوق حاصل ہیں۔ کسی قبیلہ، خاندان یا شخص کی حیثیت دوسروں سے بڑھ کر نہیں ہے اور دوسروں پر بالکل کوئی فوقیت نہیں ہے۔ اس اصول کو دنیا کے تمام ملکوں پر پھیلایا جا سکتا ہے۔ گویا نیا نظام زیست اس پر بھی پورا اترنا چاہئے۔

خداوند تعالیٰ کا ارشاد گرامی قرآن مقدس میں یوں ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:10)

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:13)

''لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔''

﴿وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ ؕ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْخَآئِنِيْنَ﴾ (الانفال:58)

''اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت (بدعہدی) کا اندیشہ ہو جائے تو ان کی طرف پھینک دو (ان کا عہد) برابری ملحوظ رکھ کر۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ﴾ (النحل:94)

''اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان مکر وفریب کا ذریعہ نہ بنالو۔''

عہد و پیمان کا احترام اور اگر معاہدہ ختم کرنا ناگزیر ہو تو اس سے دوسرے فریق کو خبردار کر دینا۔

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:34)

''عہد وفا کرو یقیناً عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔''

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (النحل:92-91)

''اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم معاہدہ کرو اور قسمیں پختہ کر لینے کے بعد اُن کو نہ توڑو..... اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی طرح جس نے اپنا ہی محنت سے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان مکر وفریب کا ذریعہ بناتے ہو تا کہ ایک قوم دوسری قوم سے زیادہ فائدہ حاصل کرے۔ اللہ اس چیز کے ذریعہ سے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور ضرور وہ قیامت کے روز تمہارے اختلافات کی حقیقت کھول دے گا۔''

﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (التوبہ:7)

''جب تک دوسرے فریق کے لوگ تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو یقیناً اللہ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔'' یہ ایک درس عظیم ہے۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾ (التوبہ:4)

''مشرکین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ وفا کرنے میں کوئی کمی نہ کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے عہد کو معاہدے کی مدت تک پورا کرو۔''

﴿وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ (الانفال:72)

''اور اگر (دشمن کے علاقے میں رہنے والے مسلمان) تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تمہارا فرض ہے مگر یہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں دی جا سکتی جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل ارشادات اس قاعدے کی توضیح کرتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم](۷)

''اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دل اور تمہارے اعمال دیکھتا ہے۔''

''مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر۔''(۸)

''لوگو! سن لو تمہارا رب ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں' نہ کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔''(۹)

''جس نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں' اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کیا اور ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے۔ اس کے حقوق وہی ہیں جو مسلمان کے حقوق ہیں اور اس پر فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے فرائض ہیں۔''(۱۰)

ان مباحث (Discussions) سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلام بنی نوع انسان کی بھلائی اور بہتری کے لئے کس قسم کا اعلیٰ نظام پیش کرتا ہے۔ یہ منصفانہ نظام کس طرح افراد' اقوام اور ممالک کے لئے عدل کا تقاضا کرتا ہے اس کے نفاذ سے دنیا میں پائے جانے والے تعصبات و تفرقات اور امتیازات نیست و نابود ہو جائیں گے۔ البتہ اس کی تصریح (Illustration) اور ترویج (Implementation) کے لئے خلوص نیت اور صدق دل کی اشد ضرورت ہے۔ اس کی اساس (Base) الوہیت' رسالت و خلافت' معدلت اور ہدایت ربانی و احکام قرآنی اور فرمودات نبویؐ ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر دینی و دنیوی فوز و فلاح کے موتی چنے جا سکتے ہیں۔ الہامی کتابؐ میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور ہم نے تمہیں ایسی جماعت بنا دیا ہے جو ہر لحاظ سے نہایت میانہ روی پر قائم ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر حق کے گواہ رہو اور آنحضرتؐ تم پر گواہ ہوں۔''(البقرہ:149)

حوالہ جات

1. American Journal of Economics and Sociology
2. G. M. Meier

۳. رواہ ابن کثیر' دیکھئے سورۃ الحجرات
۴. مشکوٰۃ المصابیح' باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق
۵. الشیبانی محمد بن حسن' کتاب السیر الکبیر' باب صلتہ المشرک
۶. امام ابو یوسف، کتاب الخراج
۷. تفسیر ابن کثیر' بحوالہ مسلم و ابن ماجہ
۸. ابن کثیر' بحوالہ طبرانی
۹. تفسیر روح المعانی' بحوالہ بیہقی و ابن مردویہ
۱۰. بخاری' کتاب الصلوٰۃ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایم اے اسلامیات میں کامیابی کیلئے معیاری کتب کا انتخاب

پنجاب یونیورسٹی کا نیا نصاب

1-سال اول (تمام پرچے لازمی ہیں)

پہلا پرچہ	تیسیر القرآن	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
دوسرا پرچہ	تیسیر الحدیث	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
تیسرا پرچہ	مطالعہ مذاہب عالم	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
چوتھا پرچہ	تاریخ عالم اسلام	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
پانچواں پرچہ	عربی زبان وادب	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

2-سال دوم

پہلا پرچہ	تیسیر الفقہ (لازمی)	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
دوسرا پرچہ	اسلام اور جدید معاشی تصورات	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
تیسرا پرچہ	اسلام اور سائنس	ڈاکٹر حمید اللہ شاہ ہاشمی
آپشنل	اسلام اور فلسفہ	ڈاکٹر حمید اللہ شاہ ہاشمی
آپشنل	عالم اسلام کے وسائل ومسائل	محمد حسیب عباسی
چوتھا پرچہ	اسلام اور جدید فکر مغرب	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی
آپشنل	اسلامی اخلاق وتصوف	ڈاکٹر حمید اللہ شاہ ہاشمی
پانچواں پرچہ	دعوت وارشاد	پروفیسر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

سال اول اور دوم کیلئے گائیڈ معروضی سوالات اور حل شدہ پرچے بھی دستیاب ہیں

مکتبہ جدید دانیال
جلال الدین ہسپتال بلڈنگ چوک اردو بازار
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
Ph:042-37660736
0333-4276640
E-mail: maktabahdaneyal@hotmail.com,
www.maktabahdanyal.com